بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوۃِ دائمہ مستمرہ کے خلاف تحریر کردہ رسوائے زمانہ کتاب

"تحقیقات" کا علمی، تحقیقی، متین، مسکت مسقط اور ترکی بہ ترکی جواب

المعروف بہ

تنبیہات

بجواب

تحقیقات

جلد دوم

از قلم

پاسبان عظمت حبیب رحمان

مفتی عبد المجید خان سعیدی رضوی

بارک اللہ لہ وعلیہ وفیہ وکل مالہ

صدر شعبہ تدریس افتاء و مہتمم جامعہ غوث اعظم و جامعہ سعیدیہ و خطیب جامع مسجد نوری

رحیم یار خان سٹی (پنجاب، پاکستان)

قادریہ پبلشرز، کراچی

باب ہشتم

دلائل اثباتِ نبوت پراعتراضات کے جوابات

فقیر نے مصنف تحقیقات کے جواب الجواب میں سرکار ﷺ کے اعلانِ نبوت سے قبل کے زمانہ میں نبی ہونے کے جو حسب ضرورت کچھ دلائل پیش کیئے تھے نیز موصوف کے پیش کردہ دلائل کے جوابات دیئے تھے (جس کی مکمل تفصیل رسالہ ''دعوت رجوع'' میں موجود ہے) موصوف نے اپنی اس کتاب میں ان میں سے کچھ کو تو بالکل چھوا ہی نہیں ہے' جواب دینا تو بعد کی بات ہے جب کہ کچھ من مانے اجزاء لے کر ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور جو حصے طبع نازک کے لئے بوجھ بن رہے تھے انہیں ہاتھ تلے دبا کر بڑی پھرتی سے آگے گزر گئے ہیں اور بے فکرا یسے کہ جیسے انہیں کسی قسم کے احتساب کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ یا جیسے ان کے جی حضوریوں پر مبنی انکی وعظ کی محفل ہو۔ اور جو لکھا ہے اس میں علم و تحقیق کے سوا سب کچھ ہے۔ اس سے تو بہتر یہ تھا کہ کچھ لکھتے ہی نہ۔ تا کہ بھرم تو رہ جاتا اور راز سر بستہ نہ کھلتا کما قال الشیخ السعدی رحمہ اللہ ۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد　　　عیب و ہنرش نہفتہ باشد

اور کچھ کا جواب پالینے کے باوجود ان کا توڑ کیئے بغیر اسے پھر سے اپنی اس کتاب میں پورے اطمینان سے بھرتی کر دیا ہے (اس کی تفصیل باب نہم میں آئے گی)

اثباتی نوعیت کے کچھ دیگر دلائل کے جوابات دینے کی بھی موصوف نے ناکام کوشش کی ہے جو شاید ملک کے کئی علماء اہل سنت کی جانب سے تحریراً یا تقریراً انہیں دیئے گئے۔ تفصیلات پیش نظر ہوتیں تو ان کے حوالہ سے بھی موصوف کے جواب کی نوعیت واضح کی جاتی۔ اب جس کا اندازہ ''قیاس کن زگلستان من بہارِ مرا'' ہی کی روشنی میں لگایا جاسکے گا۔ فقیر ان علماء کا بھی دفاع کرے گا کیونکہ انہوں نے اس سے بہرحال حضور اقدس ﷺ کے وفادار غلام ہونے کا عملی مظاہرہ کیا ہے اور ''نبی کا جو غلام ہے'' ''ہمارا اس سے احترام ہے''۔ اس سے موصوف کی

اس وقت کی ''علمی پوزیشن'' اور کمال دیانت داری'' کا بھی پتہ چلتا ہے۔ تفصیل حاضر ہے۔

ہمارے وہ دلائل جن کا جواب مصنف تحقیقات نے نہیں دیا:

حسب ذیل دلائل کا کوئی جواب انہوں نے نہیں دیا۔ چنانچہ قبل از اعلان نبوت آپ ﷺ کے نبی ہونے کے ثبوت میں فقیر نے لکھا تھا کہ :

ا۔ عندالجمہور علی الصحیح نبی کے لئے کسی طریقہ کی وحی خفی کا ہونا کافی ہے۔ ملاحظہ ہو (دعوت رجوع، صفحہ ۱۰، ۱۱، ۴۵ بحوالہ شرح الشفاء، جلد ۲، صفحہ ۴۵۴ و شرح الفقہ الاکبر صفحہ ۶۰، للعلامہ القاری نیز النبر اس صفحہ ۵۵ و حاشیہ ملا احمد صفحہ ۵۴ وغیرہا)۔

مگر جواب ندارد۔

۲۔ نیز بروایت صحیح بخاری جلد ۱، صفحہ ۲، صحیح مسلم جلد ۱، صفحہ ۸۸، نیز مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۲۱، کے حوالہ سے براویت ام المؤمنین لکھا تھا کہ ''اوّل مابدئ رسول اللہ ﷺ من الوحی الرویا الصادقۃ فی النوم (الیٰ) حتّٰی جاء الحق وھو غار حراء''۔ وحی جلی کے نزول سے قبل رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی نیند میں سچے خواب سے شروع ہوئی (الیٰ) یہاں تک کہ آپ پر حق کا نزول ہوا (وحی جلی اتری)۔

یہ حدیث اپنے اس مفہوم میں واضح ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ پر وحی خفی کا سلسلہ جاری تھا جو قبل از اعلان نبوت آپ کے نبی ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ (دعوت رجوع صفحہ ۱۲، ۱۳، نیز صفحہ ۳۷)۔

مگر جواب ندراد (یعنی قبل از اعلان نبوت، وحی خفی کی نفی نہیں کی۔ باقی صفحہ ۷۷، ۸۰ پر جو اس کی توجیہ میں لکھا ہے اس سے بھی اس کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ تفصیل باب نہم میں آ رہی ہے)۔

۳۔ نیز فقیر نے مولد العروس لابن الجوزی صفحہ ۳۱، طبع بیروت، الخصائص الکبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۱۹، للامام السیوطی بحوالہ امام ابن سبع۔ نیز ما ثبت من السنۃ للشیخ المحقق، صفحہ ۱۰۴، کے حوالہ سے لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا عالم شیر خوارگی میں حضرت حلیمہ کے ایک پستان کو قبول فرمانا اپنے دودھ شریک کے لئے عدل کے باعث تھا جو باعلام الٰہی تھا۔ یہ بھی قبل اعلان نبوت وحی خفی اور آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے ﷺ۔ (دعوت رجوع، صفحہ ۱۳، ۱۴)۔

مگر جواب ندارد۔

۴۔ نیز فقیر نے شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۰ للقاری اور فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۵۳ للامام ابن حجر المکی رحمہما اللہ کے حوالہ سے لکھا تھا کہ جمہور کے نزدیک آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت کسی بھی سابقہ شریعت کے پابند نہیں تھے۔ امام فخر الدین رازی کا مذہب نیز ان کے حوالہ سے لکھا تھا کہ محققین احناف کا مختار بھی یہی ہے کہ آپ مقام نبوت پر تھے اور آپ بنیادی طور پر اسی پر عمل تھے۔ ''الذی ظھر علیہ فی مقام نبوتہ بالوحی و لکشوف الصادقۃ

الــخ ’’جو آپ کے اس وقت کے مقام نبوت کے مطابق وحی اور سچے کشفوں کے ذریعہ واضح ہوتا تھا یہ اور بات ہے کہ وہ وحی اور سچے کشف‘ شریعت ابراہیمیہ وغیرہا کے موافق ہو جاتے تھے (دعوت رجوع‘ صفحہ ۱۴‘۱۵‘۴۲‘۴۴)

مگر جواب ندارد۔

۵۔ نیز فقیر نے تفسیر روح المعانی جلد ۱۳‘ صفحہ ۶۳ طبع ملتان کے حوالہ سے علامہ الوسی بغدادی حنفی کا یہ قول پیش کیا تھا کہ ’’وکان لہ علیہ الصلاۃ والسلام فی کل حال من احوالہ فیھا نوع من الوحی‘‘ یعنی اعلان نبوت سے قبل کی مدت میں بھی آپ پر کسی نہ کسی شکل میں وحی کے آنے کا سلسلہ جاری رہا۔ (دعوت رجوع‘ صفحہ ۱۵)۔

مگر جواب ندارد۔

۶۔ نیز فقیر نے روح المعانی جلد ۱۳‘ صفحہ ۵۸ طبع بحوالہ فتوحات مکیہ و کبریت احمر عن الشیخ الاکبر ؓ لکھا تھا کہ جبریل علیہ السلام کے وحی جلی لانے سے پہلے پورا قرآن اجمالی طور پر آپ ﷺ کو دے دیا گیا تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام اس کی سورتوں اور آیتوں کی تفصیل لاتے رہے۔

نیز عرض کیا تھا کہ یہ اکابر صوفیاء قبل از اعلان نبوت وحی خفی در کنار من وجہٖ وحی جلی ہونے کے بھی قائل ہیں پس اب تو اس وقت آپ کے نبی ہونے میں کچھ شک نہ رہا۔ پھر اگرچہ یہ امر کشفی ہے تاہم اس کے رد میں کوئی صریح شرعی دلیل بھی نہیں ہے جو صوفیاء کرام خصوصاً حضرت شیخ اکبر کا دم بھرنے والوں کے لئے بہرحال حجت ہے (دعوت رجوع‘ صفحہ ۱۵‘۱۶)۔

مگر جواب ندارد۔

۷۔ نیز فقیر نے روح المعانی‘ جلد ۱۳ صفحہ ۶۰‘ طبع ملتان کے حوالہ سے لکھا تھا کہ علامہ الوسی بغدادی حنفی رحمۃ اللہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت کا حوالہ دے کر رقام فرماتے ہیں: واذا کان بعض اخوانہ من الانبیاء علیھم السلام وقد اوتی الحکم صبیا ابن سنتین او ثلاث فھو علیہ الصلاۃ والسلام اولی بان یوحی الیہ ذلک النوع من الا یحاء صبیا ایضا و من علم مقامہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدق بانہ الحبیب الذی کان نبیا وآدم بین الماء والطین لم یستبعد ذلک فتأمل ‘‘۔ یعنی جب دیگر بعض انبیاء (یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام) کے لئے ثابت ہے کہ وہ دو سال یا ایک اور روایت کے مطابق تین سال کی عمر میں نبی تھے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا اس قسم کی وحی سے مشرف ہو کر بچپن مبارک میں نبی ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوا اور جو شخص آپ ﷺ کے مقام سے باخبر اور اس امر پر یقین رکھتا ہوگا کہ آپ ﷺ وہی حبیب ہیں جو آدم

علیہ السلام کے معرض وجود میں آنے سے پہلے بھی نبی تھے تو اس کو بھی بعید نہیں سمجھے گا کہ آپ بچپن میں (اپنے اعلان نبوت سے پہلے) بھی نبی تھے پس غور کیجئے اھ (دعوت رجوع، صفحہ ۱۶، ۳۱، ۳۲)۔

مگر جواب ندارد۔

(اس کے متعلق (ابن المؤلف نے کچھ ہاتھ پاؤں مارنے کی لاحاصل کوشش کی ہے مگر فقیر کے مخاطب خود مصنف تحقیقات ہیں ان کا بیٹا نہیں اس لیے اصولاً اس کا کوئی جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ تاہم مناسب مقام پر تبرّعاً بقدر ضرورت اس کا مداوا بھی کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

۸۔ نیز فقیر نے لکھا تھا کہ ''علامہ علی القاری اس امر کی مکمل بحث کے بعد کہ آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت، سابقہ شرائع میں سے کسی شریعت کے پابند نہیں تھے، لکھتے ہیں وفیہ دلالۃ علی ان نبوتہ لم تکن منحصرۃ فیما بعد الاربعین کما قال جماعۃ بل اشارۃ الی انہ من یوم ولادتہ متصف بنعت نبوتہ الخ یعنی کسی شریعت کا پابند ہونے کی بجائے آپ ﷺ کا وحی پر عامل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ چالیس سال کے بعد نبی نہیں بنے جیسا کہ ایک گروہ کا کہنا ہے، بلکہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ اپنے یوم پیدائش سے وصف نبوت سے متصف (اور نبی) تھے۔ (شرح فقہ اکبر، صفحہ ۶، طبع قدیمی)۔

نیز مرقاۃ میں نقل فرمایا ویحتمل ان یکون نبیا قبل اربعین غیر مرسل (جلد ۳، صفحہ ۳۰۸'')۔

مگر جواب ندارد

(اس پر بحث باب نہم میں آ رہی ہے۔ وما اقدم علیہ ابنہ فالجواب مثل ماسبق آنفاً)۔

۹۔ نیز فقیر نے الخصائص الکبریٰ (جلد ۱، صفحہ ۴، ۵) اور التعظیم والمنۃ کے حوالہ سے امام اہل سنت علامہ سبکی پھر مقتدا اہل سنت علامہ سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھا تھا کہ ظہور کے اعتبار سے تو آپ متاخر ہیں مگر نبوت سے آپ کی ذات و حقیقت کبھی خالی نہ تھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم (ملخصاً)۔ (دعوت رجوع، صفحہ ۱۷)۔

مگر جواب ندارد۔

۱۰۔ نیز فقیر نے الخصائص الکبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۴۵ کے حوالہ سے لکھا تھا کہ اس میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شب میلاد مبارک میں ظاہر ہونے والے کمالات کو معجزات کا عنوان دیا ہے یہ بھی ہمارے مدعا کی دلیل ہے۔ ورنہ غیر نبی و رسول کے لئے معجزات چہ معنی؟ چنانچہ ان کے لفظ یہ ہیں: ''باب ماظہر فی لیلۃ مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم من المعجزات والخصائص ''یعنی آپ ﷺ کے ان معجزات و خصائص کا بیان جو شب میلاد شریف میں ظاہر ہوئے (دعوت رجوع، صفحہ ۱۷)۔

مگر جواب ندارد۔

۱۱۔ نیز فقیر نے الوفاء لابن الجوزی (صفحہ ۳۴ طبع مصر) نیز تفسیر التبیان لغزالیٔ زماں (جلد ۱، صفحہ ۱۳۰، بحوالہ تفسیر ثعالبی وغیرہ)۔ لکھا تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے اجزاء مبارکہ جسمیہ کے لئے مطلوبہ مٹی لے کر اسے بحکم الٰہی آبِ تسنیم سے گوندھا گیا اور جنت کی نہروں میں اسے غوطے دیئے گئے اس کے بعد چودہ طبقوں میں اس انداز میں اس کا تعارف کرایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی بشریت طاہرہ کے اجزاء ہیں پھر اسے اس مٹی میں شامل کیا گیا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی جو ما نحن فیہ کی دلیل ہے۔ اس کے صورۃ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ میں آنے سے قبل ہی اس پر نبوت و رسالت کا اطلاق کیا گیا تو صورۃ مبارکہ میں آنے کے بعد اس سے نبوت کی نفی کا کیا جواز بنتا ہے؟ (ملخصاً) ملاحظہ ہو (دعوت رجوع، صفحہ ۱۸)۔ مگر جواب ندارد۔ پرلطف بات یہ بھی کہ اس روایت کو خود مصنف تحقیقات الوفاء کے اردو ترجمہ میں لکھ کر اسے برقرار رکھ چکے ہیں۔ فیا للعجب ولضیعة الادب۔

۱۲۔ نیز فقیر نے لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان آپ کے نبی ہونے کی خاص نشانی قدرتی طور پر ثبت تھی جسے ''مہر نبوت'' کہا جاتا ہے جو مجموعی طور پر بالتواتر ثابت اور حدیث و سیر کی سینکڑوں کتب میں مذکور اور خاتم النبوۃ وغیرہ کے زیر عنوان مرقوم و مزبور ہے۔ کتب سابقہ میں بھی اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اس میں علماء کا صرف اتنا اختلاف ہے کہ یہ مہر نبوت پیدائشی تھی یا بعد از ولادت باسعادت ثبت کی گئی (الخصائص الکبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۵۹ تا ۶۱ نیز ۷۳)۔

جس کا صریح مفاد یہ ہے کہ مہر نبوت کے ثبوت میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بھی ہمارے موقف کی دلیل اور اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ ﷺ اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی تھے اور آپ کی یہ علامت مبارکہ سب پر عیاں تھی ورنہ غیر نبی کے جسم پر مہر نبوت کے کیا معنیٰ؟ (دعوت رجوع، صفحہ ۱۸، ۱۹)۔

مگر مصنف تحقیقات نے اس کا کوئی توڑ پیش نہیں کیا (وماقال فيه ابنه ليس الاشغب بلا فائدة وسيأتي دوائه مع توضيح عليه فيه)۔

۱۳، ۱۴، ۱۵۔ فقیر نے مزید لکھا تھا کہ احادیث صحیحہ و مقبولہ کثیرہ میں آپ ﷺ کے حق میں اعلان نبوت سے قبل نبی اور اس کا معنی دینے والے الفاظ کا اطلاق ثابت ہے۔ یہ بھی ہمارے موقف کی روشن دلیل ہے جب کہ قرآن و سنت کی ایسی کوئی دلیل نہیں جس میں صریحاً یہ مذکور ہو کہ آپ ﷺ بعد از ولادت و قبل از اعلان نبوت نبی نہ تھے اور اصول ہے کہ اذا ثبت الشيء ثبت بجميع لوازمه۔

پھر اس کی تین مثالیں یہ پیش کی تھیں کہ :

مثال نمبر ۱۔ سید عالم ﷺ کی ولادت کی شب میں مکۃ المکرّمہ میں رہائش پذیر سابقہ کتب کا شناسا ایک یہودی تاجر قریش سے پوچھتا تھا کیا تمہارے ہاں آج رات کسی بچے کی ولادت ہوئی ہے؟ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔

تو اس نے کہا میری بات خوب ذہن نشین کر لو "ولد هذه الليلة نبى هذه الامة الاخيرة بين كتفيه علامة" "آج رات اس آخری امت کے نبی کی ولادت ہو چکی ہے جن کے دونوں کندھوں کے درمیان ان کے نبی ہونے کی علامت ثبت ہے۔ بالآخر وہ تلاش کرتے کرتے حضرت سیدہ طیبہ والدہ ماجدہ کے حضور پہنچ گیا۔ حضور کی زیارت کی درخواست کی۔ علامت نبوت کو دیکھتے ہی غش کھا کر گر گیا افاقہ کے بعد لوگوں نے پریشانی کی وجہ پوچھی۔ کہنے لگا: "والله ذهبت النبوة من نبى اسرائيل" "قسم بخدا نبوت خاندان بنی اسرائیل سے ختم ہو چکی ہے۔ (الخصائص الکبریٰ، جلد ا، صفحہ ۴۹، بحوالہ ابن سعد، حاکم، بیہقی وابونعیم عن ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ عنہا۔ نیز الوفاء، صفحہ ۹۵)۔

مثال نمبر ۲۔ پہلی بار کے شق صدر کے موقع پر قلب مبارک میں انوار و تجلیات کی جو مزید پلٹ کی گئی تھی ان کے بارے میں ارشاد ہے: "وذلك نور النبوة والحكمة" "یہ نبوت و حکمت کا نور تھا۔ (الخصائص الکبریٰ، جلد ا، صفحہ ۵۶ تا ۵۸ بحوالہ ابویعلیٰ، ابونعیم، ابن عساکر عن شداد بن اوس ﷺ)۔

مثال نمبر ۳۔ دس برس کی عمر شریف کے حوالہ سے حضرت شیخ محقق امام عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمایا: "وفى الحديث انه صلى الله عليه وسلم قال هو ان ذلك اول ما ابتدئت به من امر النبوة" "یعنی اس کے متعلق حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کا تعلق نبوت کے ابتدائی امور سے ہے۔ (ما ثبت من السنة، صفحہ ۱۱، عربی اردو طبع لاہور)۔ ملاحظہ ہو دعوت رجوع، صفحہ ۱۹ تا ۲۱)۔

مگر ہماری بیان کردہ تفصیل بالا کے مطابق ان میں سے کسی کا جواب مصنف تحقیقات نے نہیں دیا۔ باقی شق صدر مبارک کے حوالہ سے اپنا مطلب کشید کرنے کی انہوں نے جو مذموم کوشش کی ہے اس کا رد بلیغ باب نہم میں آ رہا ہے۔

۱۶۔ نیز فقیر نے لکھا تھا کہ "رسول اللہ ﷺ کا یہ صحیح ثابت صریح ارشاد بھی ہمارے موقف کا واضح ثبوت ہے "انى لاعرف حجرا بمكة كان يسلم على قبل ان ابعث" "یعنی مکہ میں ایک پتھر ہے جسے میں پہچانتا ہوں میرا جب بھی اس سے گزر ہوتا تو وہ مجھے سلام کرتا تھا۔ دیگر روایات میں اس کی نوعیت اس طرح لکھی ہے۔

الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ۔ (صحیح مسلم' مسند احمد' ترمذی' مشکوۃ' مسند طیالسی' بیہقی عن جابر بن سمرہ ﷺ۔ نیز سیرت حلبیہ' سیرت نبویہ للامام دحلان المکی وحجۃ اللہ علی العالمین)۔

فقیر نے وجہ استدلال یہ لکھی تھی کہ ''پتھر بولنے والی مخلوق نہیں' جماد ہے۔ پس اس کا سلام' تکلیم الٰہی سے تھا۔ یعنی قدرت اسے بلوا رہی تھی جس کی پکار نبوت و رسالت کا حوالہ دے رہی تھی جب کہ اس کا قبل از بعثت ہونا خود حدیث میں مصرّح ہے جو ما نحن فیہ کی واضح دلیل ہے ورنہ اعلانِ نبوت سے قبل یا رسول اللہ کے الفاظ چہ معنی؟ (دعوت رجوع' صفحہ ۲۷)۔

مگر ہمارے اٹھائے گئے اس پوائنٹ کے مطابق اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ باقی اس جیسی ایک اور روایت کے حوالہ سے انہوں نے جو اپنے منفی مؤقف کے لیئے استدلال کیا ہے اس کا جواب باب نہم میں آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۷۔ سیّد عالم ﷺ کی شان اصلیت' اولویّت اور جامعیت (کہ آپ ﷺ اصل کل کمالات' اولیٰ بکل الکمالات اور جامع کل کمالات ہیں) سے بھی فقیر نے مسئلہ ہٰذا کے لیئے استدلال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وجودِ فرع وجودِ اصل کی دلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ اولاد کا وجود' والدین کے وجود کی' نیز نہر میں پانی کا ہونا دریا وغیرہ میں پانی کے پائے جانے کی دلیل ہے۔ شاخوں کا ہرا بھرا ہونا جڑوں کے تر ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ ٹیوب لائٹس اور قمقموں کی جگمگاہٹ پاور ہاؤس میں بجلی کی موجودگی پر دالّ ہوتی ہے۔ جب کہ بعض انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے متعلق صراحۃً موجود ہے کہ وہ انتہائی چھوٹی عمر میں منصب نبوت پر فائز تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت سیدنا یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ''واتینه الحکم صبیا''۔

بناء بریں لازم ہوا کہ سید عالم ﷺ بھی اس عمر میں نبی ہوں ورنہ حسب بالا اصل وفرع کا اختلاف لازم آئے گا وہٰذا خلف۔

اس کے لیئے روح المعانی' جلد ۱۳' صفحہ ۶۰ کی عبارت بھی پیش کی تھی جو نمبر ۷ پر ابھی گزری ہے۔

حضور کی شان اولویت کے لیئے شفاء السقام للعلامہ السبکی رحمہ اللہ کا حوالہ دیا تھا۔ شان جامعیت کے لیئے امام بوصیری اور علامہ جامی علیہما الرحمۃ کے نعتیہ اشعار کے علاوہ حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ منظوم عبارت پیش کی تھی''۔ ہر رتبہ کہ بود در امکان بروست ختم۔ ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام''۔ (مدارج' جلد ۱' صفحہ ۳۶)۔

جب کہ شان اصلیت کی وضاحت کے لیے حضرت غزالیٔ زماں کے رسالہ مبارکہ الحق المبین اور عجالہ

نافعہ حیات النبی ﷺ کے علاوہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے لکھا تھا کہ آپ نے آیت کریمہ ''وما ارسلنک الا رحمة للعلمین '' کے پیش نظر ارقام فرمایا ہے: ''ازل سے ابد تک' ارض وسماء میں' اولیٰ وآخرت میں' دنیا ؤ دین میں) روح وجسم میں' چھوٹی یا بڑی' بہت یا تھوڑی جو نعمت ودولت کسی کو ملی' اب ملتی ہے یا آئندہ ملے گی۔ سب حضور کی بارگاہ جہاں پناہ سے بٹی اور بٹتی ہے اور ہمیشہ بٹے گی۔ (تجلی الیقین' صفحہ۱۳' طبع لائل پور' (فیصل آباد))۔ نیز حدائق بخشش میں فرمایا۔

لا وربّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی (ﷺ)

ملاحظہ ہو (دعوت رجوع' صفحہ ۲۹ تا ۳۲)

مگر ہمارے اٹھائے گئے اس نکتہ کے مطابق ہماری اس دلیل کا بھی مصنف تحقیقات نے کوئی جواب نہیں دیا۔

۱۸۔ نیز فقیر نے لکھا تھا کہ ''کتب سیر میں منقول ولادت باسعادت کے وقت آپ ﷺ کی اپنی امت کے لیئے رب هب لی امتی کے الفاظ سے فرمائی گئی دعاء مبارک بھی ما نحن فیه کی واضح مؤید ہے''۔ فلیتأمل ''۔ (دعوت رجوع' صفحہ ۲۹)۔

مگر موصوف نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ بعض ذرائع سے خبر پہنچی ہے کہ وہ اس کے وجود سے انکار کر رہے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کے لیے سر دست اتنا کافی ہے کہ وہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیں کہ ایسی کوئی روایت نہیں ہے۔ دیکھا جائے گا۔

جواب دیئے بغیر وہ دوبارہ لائے گئے دلائل:

مصنف تحقیقات نے اپنے جوابی مکتوب میں اپنے باطل موقف کے جو بعض دلائل پیش کیئے تھے جیسے کتب حدیث وسیر میں باب[1] المبعث وبدئو الوحی' علامہ علی القاری سے منسوب انه کان[2] قبل الاربعین ولیا الخ۔ نیز متعبد[3] بالشرائع السابقه ہونا' اسی طرح ''نبی کی تعریف'' اور اول الانبیاء آدم علیہ السلام سے استدلال۔ نیز کنت نبیا کو تشہیر واشاعت پر محمول کرتے ہوئے حقیقی معنٰی پر ہونے کو محض بعض کا نظریہ بتانا نیز نبی کے لیئے عالم ارواح اور عالم جسام کا فرق کرتے ہوئے اسے بھی عام لوگوں بلکہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ (نقل کفر کفر نباشد)۔ نمرود' شداد' فرعون' ہامان' اور ابولہب وابوجہل سے ان کا تشبیہ دینا وغیرہ ان سب کے مسکت اور مسقط جواب فقیر نے دیئے ملاحظہ ہو (دعوت رجوع' صفحہ ۳۵'۴۰'۴۱'۴۵'۴۶'۴۷'۴۸)۔

مگر موصوف نے اپنی باری میں نہ صرف یہ کہ ان کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ پوری ہمت کے ساتھ ان

پٹے ہوئے مہروں کو ''دوبارہ'' تحقیقات'' کے میدان میں لائے ہیں۔ اس کی تفصیل حسب مقام باب نہم میں دلائل کے جوابات میں ملاحظہ کیجئے۔ اور اب لیجئے پڑھئے ان اعتراضات کے جوابات جو موصوف نے ہمارے بعض دلائل پر کئے ہیں۔

وہ دلائل جن پر مصنف تحقیقات نے کچھ اعتراضات کئے ہیں:

دعوت رجوع میں پیش کردہ ہمارے جن دلائل پر موصوف نے کچھ اعتراضات کئے ہیں وہ صرف دو ہیں: نمبر ا حدیث: کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد اور نمبر ۲: واقعہ حضرت بحیرا راہب رضی اللہ عنہ جب کہ اصلیت واولویت کے حوالہ سے دیگر علماء اہل سنت کے پیش کردہ دلائل و جعلنی نبیا وغیرہ کے جواب میں ضمناً اعتراض کیا ہے۔ ہم بھی ان کا جواب ادھر ہی پیش کریں گے۔

الٹی گنگا:

لیکن نمبروار جواب پڑھنے سے پہلے موصوف کی یہ الٹی گنگا بھی دیکھ لیں کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان کے دلائل کو ''شبہات'' کا نام دیتے ہیں۔ چنانچہ ان دلائل کے متعلق ان کے لفظ ہیں: ''اعطاء نبوت کے متعلق شبہات کا ازالہ'' (تحقیقات، صفحہ ۱۹۱)

گویا آپ ﷺ کی شان مبارک کو ماننے کا نام شبہ اور معاذ اللہ رد کرنے کا نام ایمان ویقین ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ع نہند برعکس نام زنگی کافور۔ جو کم از کم یہ کہ ان کے وہم کا نتیجہ ہے پس ہماری طرف سے جوابی عنوان یہ بن رہا ہے کہ: ''**عطا شدہ نبوت کے متعلق توہمات کا دفعیہ**'' بجواب ''اعطاء نبوت کے متعلق شبہات کا ازالہ''

تو جوابات حاضر ہیں۔

بحث حدیث کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد نمبر وجہ استدلال:

مصنف تحقیقات کے جواب الجواب میں اپنے دلائل میں فقیر نے لکھا تھا کہ: ''صحیح حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مل کر رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کی ''متی وجبت لك النبوۃ'' وفی روایۃ ''متی کنت نبیا'' وفی الاخری ''متی استنبئت'' یارسول اللہ! آپ نبی کب سے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ''وآدم بین الروح والجسد''۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام روح وجسم کے درمیان تھے (یعنی ابھی معرض وجود میں نہیں آئے تھے) اھ (رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ وقال ھذا حدیث حسن صحیح غریب (جلد ۲، صفحہ ۲۰۱، طبع دہلی)۔

ورواه ابونعيم فی الحلية عن ميسرة الفجر وابن سعد عن ابن ابی الجدعاء والطبرانی عن ابن عباس وقال السيوطی هذا صحيح الجامع الصغير' جلد۲'صفحہ۹۶'طبع مکتبہ اسلامیہ سمندری)

نیز الخصائص الکبریٰ (جلد۱'صفحہ۳'طبع نوریہ رضویہ لائل پور) بحوالہ احمد والبخاری فی التاريخ والطبرانی والحاكم والبيهقی وابونعيم والبزار وابن سعد عن ميسرة الفجر والعرباض سارية وابی هريرة وابن عباس والفاروق الاعظم و عامر الشعبی رضی الله عنهم اجمعين ۔نیز مشکوٰۃ المصابیح' صفحہ۵۱۳'بحوالہ جامع الترمذی'طبع کراچی)۔

اقول: آپ ﷺ سے یہ سؤال صحابہ کرام نے کیا جن کے سامنے یا کم ازکم ان سے ماضی قریب میں حضرت نے (علی الصحیح الراجح) چالیس سال کی عمر شریف میں اعلان نبوت فرمایا جس سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نظریہ بھی یہی تھا کہ نبی بننا اور ہے' خود کو ظاہر کرنا چیزے دیگر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے اعلان نبوت کب فرمایا بلکہ یہ پوچھا کہ آپ کو نبوت کب ملی۔ پس اسی پس منظر میں آپ ﷺ کا مذکورہ الفاظ (وآدم بين الروح والجسد) سے جواب اس پر صریحاً دالّ ہے کہ بعد از ولادت تا اعلان نبوت کے عرصہ کو بھی (نفی نہ فرما کر) آپ نے اس میں شامل فرمایا۔ جس کا گویا آپ سے مطالبہ کیا گیا جب کہ معرض بیان میں سکوت' بیان ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا حدیث ہٰذا اپنے عموم کے حوالے سے زمانۂ قبل از اعلان نبوت کو بھی شامل ہوئی۔ بناء بریں زمانۂ قبل از اعلان نبوت کا اس سے خارج کرنا یا استثناء کرتے ہوئے اس کی نفی کرنا' تخصیص ہے جو دعویٰ ہے اور مدّعی' مخصص ہے جب کہ دلیل لانا وظیفۂ مدعی ہے اس لئے زمانۂ قبل از اعلان نبوت کو عموم حدیث سے جو خارج سمجھے اس کی دلیل پیش کرنا اسی کے ذمہ ہے۔ ہمارے مطالعہ کے مطابق ایسی کوئی ایک بھی صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہو کہ میں بعد از ولادت تا اعلان نبوت' نبی نہیں تھا (ومن ادّعى فعليه البيان بالبرهان ثم علينا جوابه ان شاء الله الرحمن)'' ملاحظہ ہو (دعوت رجوع' صفحہ ۲۸'۲۹ طبع لاہور تحت عنوان' خود رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ اور صحابہ کرام کا عقیدہ)''

اقول: موصوف نے ہمارے حسب مطالبہ ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کی جو ہماری پیش کردہ اس حدیث نبوی ﷺ کی مخصّص یا مقیّد بن سکے۔ اور نہ ہی وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسی کوئی دلیل لا سکتے ہیں۔ بیشک طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں جو اصولی طور پر ان کے عجز کی دلیل ہے جس کے بعد اس پر انہیں مزید کچھ کہنے کا حق نہیں تھا اور نہ ہمارے ذمہ اس کا کوئی جواب ہے تاہم انکے دلائل کی اصل علمی پوزیشن کو واضح کرنے اور بعض کچے اذہان کو ان کے زہریلے پروپیگنڈہ سے بچانے کے لئے ان کے مزید کئے گئے اعتراضات کے جوابات بھی پیش کئے

جارہے ہیں فاقول و باللہ التوفیق۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات:

اعتراضات کا خلاصہ:

حدیث ہٰذا پر موصوف نے دو اعتراضات کئے ہیں۔ایک یہ کہ علماء کلام نے اسے مستقبل میں حاصل ہونے والے منصب نبوت کے معنٰی میں لیا ہے جیسے حضرت میر سید رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مواقف میں اور حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمۃ نے نبراس میں تصریح فرمائی ہے۔علامہ پرہاروی نے فرمایا: قال القاضی ابوبکر المتکلم کان عیسٰی علیہ السلام رسولا من حین الصبا لقوله فی المهد "وجعلنی نبیا" واجیب بانه کقوله علیه السلام کنت نبیا وادم بین الماء والطین (صفحہ۴۳۰)۔

علامہ پرہاروی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اعلان کو "کنت نبیا" والی حدیث کے ساتھ تشبیہ دی ہے حاشیہ میں اس تشبیہ کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے:فی انه تعبیر عن المتحقق فیما یستقبل بزمان الماضی

اور میر سید علیہ الرحمہ نے فرمایا: "من البین ان ثبوت النبوة فی مدة طویلة بلا دعوة ولا کلام مما لا یقول به عاقل (شرح مواقف صفحہ ٦٦٧)۔یہ امر واضح ہے کہ مدت مدیدہ اور عرصۂ بعیدہ تک کوئی (ہستی نبی اور رسول ہونے کے باوجود) نہ اس کی دعوت دے اور نہ اس کے متعلق کلام ہی کرے کوئی عقل مند اس کا قائل نہیں ہوسکتا (تحقیقات ۱۹۸ تا ۲۰۰ ملخّصاً بلفظہ)۔نیز صفحہ ۲۰۲ پر ان کی استنادی شان بیان کی ہے۔

دوسرا اعتراض موصوف نے یہ کیا ہے کہ حضرت شیخ محقق نے اس جہان میں حضور کے نبی ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملٰئکہ اور ارواح پر آپ کے نبی ہونے کا اظہار فرمایا۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان کے لفظ ہیں: "مراد اظہار نبوت اوست از وجود عنصری وے در ملٰئکہ وارواح" (اشعہ' جلد۱' صفحہ ۴۹۹)۔

مدارج' جلد۱' صفحہ۴ ے میں اس طرح ہے کہ "نبوت آنحضرت وکمالات وے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم در عالم ارواح ظاہر کردہ بودند وارواح انبیاء ازاں استفادہ کردند چنانکہ فرمود کنت نبیا الحدیث ونبوت انبیاء ودیگر در علم الٰہی بودنہ درخارج"۔(تحقیقات' صفحہ۲۰۴' ۲۰۷)۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ:

"گویا نہ اس وقت آپ کا بالفعل نبی ہونا مراد ہے اور نہ محض علم الٰہی اور اس کے قضاوقدر میں آپ کا نبی ہونا مراد

ہے۔ بالفعل نبی تو واقعی بعد میں بنائے جائیں گے جب وجود عنصری کے ساتھ اور جسمانی حالت کے ساتھ دنیا میں جلوہ گر ہوں گے لیکن اس وقت میں آپ کی آمد آمد کے تذکرے اور چرچے اور اس کی شہادت اور مژدے دینے مقصود ہیں اور اعلانات اور تشہیر واشاعت مقصود ہے۔ اور یہ جواب علماء ظاہر کی طرف سے ہے کیونکہ اس کو عرفاء کی توجیہ کے مقابل ذکر فرمایا ہے اور گویا علمائے ظاہر کا اس پر اجماع واتفاق ہے اس لئے اکثر یا بعض کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن عرفاء کا قول نقل کرتے ہوئے بعض کا ذکر فرمایا ہے بعضے از عرفاء گفتہ اند کہ روح شریف وے صلی اللہ علیہ وسلم نبی بود در عالم ارواح کہ تربیت ارواح میکرد چنانکہ دریں عالم بجسد شریف مربی اجساد بود الخ (اشعۃ اللمعات، جلد۴، صفحہ۴۹۹)'' ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ۲۰۵)۔

اقول: ان میں سے کوئی عبارت بھی موصوف کو مفید نہیں بلکہ دونوں انہیں مضر ہیں جس کی متعدد وجوہ ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ عبارت نمبر۱ میں حدیث کا تعلق مستقبل سے اور نمبر۲: میں اس کا تعلق ماضی سے بتایا گیا ہے نتیجہ واضح ہے کہ دونوں ایک وقت میں جمع نہیں ہوسکتے۔ پس کسی ایک کو اختیار کرنے سے دوسرا خود بخود غلط ہو جائے گا کیونکہ بہ ہئیت کذائیہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے متعارض ہیں۔ جب کہ یہ دونوں دیگر حقائق کے علاوہ خود موصوف کی اپنی تصریحات کے بھی خلاف ہیں۔ لہٰذا موصوف کی یہ بحث، مناظرہ تو کجا مجادلہ بھی نہیں ہے بلکہ خالصۃً اور سوفی صد مکابرہ اور مظاہرہ (بحث برائے بحث) ہے جو خود انہیں مضر ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

کنت نبیاً **پر اعتراض نمبر۱** (بحوالہ عبارات میر سیّد وعلامہ پرہاروی وغیرہما) **سے جواب**:

پیش کردہ عبارت موصوف کو کسی طرح مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں تفصیل حسبِ ذیل ہے:

اولاً: بحیثیت مضمون یہ تین مختلف عبارات نہیں بلکہ درحقیقت ایک ہی عبارت ہے جن کی بنیاد صاحب ''المواقف'' (قاضی عضد الدین اللاجی) کی ایک عبارت پر ہے جس کے مکمل الفاظ اس طرح ہیں وقد قال القاضی ان عیسٰی (علیہ السلام) کان نبیا فی صباہ لقولہ وجعلنی نبیا ولا یمتنع من القادر المختار ان یخلق فی الطفل ما ھو شرط النبوۃ من کمال العقل وغیرہ ولا یخفی بعدہ مع انہ لم یتکلم بعد ھذہ الکلمۃ ببنت شفۃ الی اوانہ ولم یظھر الدعوۃ بعد ان تکلم بھا الی ان تکامل فیہ شرائطھا و قولہ وجعلنی نبیا کقول النبی علیہ الصلاۃ والسلام کنت نبیا وآدم بین الماء والطین'' (شرح المواقف، جلد۸، صفحہ۲۲۶، طبع مصر و قم، مطبوعہ۱۹۰۷ء)

اس کی شرح میں حضرت میر سید نے مذکورہ عبارت کے الفاظ ''شرائطھا'' کے بعد ارقام فرمایا: ''ومن

البین ان ثبوت النبوة فی مدة طویلة بلا دعوة و کلام مما لا یقول به عاقل ''نیز''الماء والطین '' کے بعد لکھا:''فی انه تعبیر عن المتحقق فیما یستقبل بلفظ الماضی ''۔ملاحظہ ہو(شرح المواقف جلد وصفحہ و مطبع مذکورہ بالا)۔

المواقف کی اس عبارت کا خلاصہ علامہ پرہاروی نے النبراس میں ان الفاظ سے تحریر کیا: وقال القاضی ابوبکر المتکلم کان عیسیٰ علیہ السلام رسولا من حین الصبا لقوله فی المهد ''وجعلنی نبیا''واجیب بانه کقوله السلام کنت نبیا وآدم بین الماء والطین''(النبراس،صفحہ ۴۳۰،طبع کوئٹہ،پشاور) جب کہ محشّی النبراس (مولانا برخوردار ملتانی) نے حاشیہ میں صاحب المواقف کے کچھ لفظ اور حضرت میر سید کے مذکورہ الفاظ بعینہٖ نقل کئے ہیں۔ملاحظہ ہو(النبراس،صفحہ ۴۳۰،حاشیہ نمبر۳،۴،طبع مذکور)۔

مگر موصوف نے المواقف کا مضمون النبراس کے حوالہ سے،حضرت میر سید کے کچھ الفاظ حاشیۂ النبراس اور حضرت میر سید ہی کے بعض الفاظ شرح المواقف سے پیش کر کے ان کے بجمیع الوجوہ تین عبارات ہونے کا تأثر دیا ہے جو چابک دستی پر مبنی ہونے کے باعث کسی طرح لائق ستائش نہیں جس سے موصوف کا مقصد کتاب کے حجم اور اپنے مزعومہ حوالہ جات کے نمبرز کو بڑھانے کے سوا کچھ نہیں۔فوا اسفا۔

ثانیاً:ان عبارات سے موصوف کا عوام کو یہ تأثر دینا کہ یہ حضرات آپ ﷺ کے چالیس سال کی عمر شریف تک معاذاللہ نبی نہ ہونے کے قائل تھے،بالکل خلاف واقعہ ہے کیونکہ ان کا ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا یہ مطلب ہو اور نہ ہی ان کی اس قسم کی کوئی اور عبارت پیش کی جاسکتی ہے۔مع ہٰذا حقائق و دلائل اس کے برخلاف قائم ہیں ازاں جملہ یہ کہ یہ سب حضرات ماتریدی ہیں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ سب حضرات حنفی ہیں۔جب کہ حنفی،ماتریدی ہوتے ہیں۔مسئلۂ نبوت میں ماتریدیوں کا موقف یہ ہے کہ دیگر تمام انبیاء ورسل عظام علیہم السلام بھی پیدائشی نبی تھے چہ جائیکہ انہیں سید عالم ﷺ کی شان نبوت پر کچھ کلام ہو بلکہ ان کی آپ ﷺ کے نبوت میں اوّل ہونے پر تصریحات بھی پائی جاتی ہیں اور پُرلطف یہ کہ وہ اس کے لیۓ دلیل کے طور پر خصوصیت کے ساتھ لائے بھی اسی حدیث (کنت نبیا وآدم الخ) کو ہیں جیسا کہ معروف حنفی ماتریدی متکلم امام علامہ ابوالشکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس سلسلہ کی ان عبارات سے واضح ہے جو گزشتہ صفحات میں پیش کی جاچکی ہیں جن کا اعادہ طوالت کا باعث ہے اس لیۓ انہیں ادھر ہی ملاحظہ کیا جائے۔

علاوہ ازیں یہ امر ان حضرات کی خصوصی عبارات سے بھی ثابت ہے۔چنانچہ ہم کتاب ہٰذا میں حضرت میر سید علیہ الرحمۃ سے یہ لکھ آئے ہیں کہ حدیث ہٰذا کی تمام مختلف صورتوں کے مصداق آپ ﷺ ہی ہیں اور مختلف

اعتبارات سے آپ ہی کو کہیں ''القلم'' اور کہیں ''العقل'' اور کہیں ''نور'' سے تعبیر کیا گیا ہے جب کہ نور سے تعبیر کیا جانا آپ کے نبی ہونے کے اعتبار سے ہے یعنی اوّلُ ما خلق اللہ نوری کا مفاد یہ ہے کہ حضور نبوت میں سب سے اوّل ہیں ﷺ۔ جب کہ یہ بات بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ نبی سے نبوت کو سلب کر لیا جائے یا اس سے اسے معزول و معطل کر دیا جائے شرعاً ہرگز درست نہیں۔ بناءً علیہ حضرت میر سید بغیر انقطاع آپ ﷺ کی نبوت کے قائل ہوئے اور ان کا عقیدہ بھی یہی ہوا کہ سرکار ﷺ اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی تھے۔

نیز اس کی وضاحت ''نبی'' کی تعریف سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے لکھی ہے۔ عبارت گزشتہ صفحات میں ان کی کتاب ''التعریفات'' کے حوالہ سے پیش کی جا چکی ہے۔ مزید ملاحظہ ہو شرح المقاصد جلد ۵ صفحہ ۵ حاشیہ نمبر ۱ طبع ایران مطبوعہ ۱۹۸۹ء۔ لفظہ: ''قال الشریف الجرجانی النبی من اوحی الیه بملك او الهم فی قلبه او نبه بالرؤیا الصالحة فالرسول افضل بالوحی الخاص الذی فوق وحی النبوة لان الرسول هو من اوحی الیه جبریل خاصة بتنزیل الکتاب من اللہ تعالیٰ''۔ خلاصہ یہ کہ نبی کے لیے بنوع ما وحی کا ہونا کافی ہے رسول کے لیے جبریل علیہ السلام کا بصورت کتاب الٰہی وحی لانا ضروری ہے۔

اسی طرح علامہ پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی نبی و رسول کی بحث میں ہم پہلے لکھ آئے ہیں: ''قول الجمهور'' ''ان النبی اعم'' نیز ''الرسول من یأتیه الملك والنبی یجوز ان یأتیه الوحی بوجه اٰخر من الهام او منام'' یعنی رسول ﷺ کے لیے تبلیغ اور وحی ملک لازم اور نبی کے لیے کسی طرح سے وحی کا آنا کافی ہے القائی ہو خواہ منامی (نبراس، صفحہ ۵۴، ۵۵) جو مانحن فیہ کی دلیل اور ہماری مؤید ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان حضرات کے بارے میں مصنف تحقیقات کا یہ تأثر دینا کہ وہ آپ ﷺ کی چالیس سال کی عمر شریف تک آپ کی نبوت کے قائل نہیں تھے' بالکل غلط ہے بناءً علیہ حضرت میر سید کا ان الفاظ سے مقصود محض عبارت المواقف کے مفہوم کو واضح کرنا ہے اپنا عقیدہ ہونے کو بیان کرنا ہرگز مقصود نہیں علیٰ ہٰذا القیاس عبارت حاشیہ النبراس لمولانا برخوردار

یونہی علامہ پرہاروی بھی (حق یہ ہے کہ) اس عبارت کو محض جمع اقوال کے طور پر لائے ہیں جیسا کہ اس کتاب میں ان کا معمول ہے کہ وہ تقریباً ہر ہر مسئلہ میں پائے جانے والے متعدد اقوال کو لاتے اور مباحث کی فہرست پیش فرماتے ہیں' اپنے عقیدہ کے طور پر نہیں لائے (لما مرّ)۔

جب کہ پیش نظر مقام پر اس کی تصریح بھی انہوں نے فرما دی ہے۔ چنانچہ مضمون ہٰذا کو لانے سے پہلے لکھا ہے: ''وبقی فی هذاالمقام ابحاث شریفة'' (النبراس، صفحہ ۴۲۹) پھر اسے وہ لائے بھی صیغہ تمریض

اُجِیبَ سے ہیں۔

رہا لفظ شَرِیفَۃٌ ؟ تو اس کا تعلق بحث سے ہے جو معلومات افزاء ہونے کی حد تک یقیناً ذو شرف ہے یہ لفظ اس کی توثیق کے لیئے قطعاً نہیں ہیں کہ وہ اس کے قائل ہی نہیں ہیں (کما قد مرّ) فافهم و تدبر۔

اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ شرائط امامت کبریٰ کے تحت آپ نے لکھا ہے "وههنا ابحاث شريفة" جن میں ایک بحث ان شرائط کے متعلق ہے جو شیعہ نے لگائی ہیں۔ ملاحظہ ہو (النبراس' صفحہ ۵۳۷)۔

اگر کسی کا قول نقل کر دینے سے ناقل کا قائل ہونا لازم ہو تو علامہ پرہاروی نے عبارت شرح عقائد "والحق ان رضاء يزيد بقتل الحسين ﷺ واستبشاره" الخ کے تحت یہ بھی نقل کیا ہے کہ "وانكر ذلك بعض العلماء" ملاحظہ ہو (النبراس' صفحہ ۵۵۴)۔

تو کیا انہیں اس کا بھی قائل بتایا جائے گا؟ اور کیا خود مصنف تحقیقات بھی انہیں اپنا معتمد علیہ ماننے کے حوالہ سے اس کے قائل قرار پائیں گے؟ کچھ تو بولیں۔

۵: مصنف تحقیقات کا دعوٰی سرکار ﷺ کی نبوت کے بارے میں ہے جب کہ

- یہ عبارات بنیادی طور پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق ہیں پس یہ غیر متعلق ہوئیں اس طرح سے ان کے دعوٰی و دلیل میں مطابقت نہ ہوئی۔
- پھر وہ بھی مجمع علیہ نہیں کیونکہ کسی مسئلہ کے کتب کلام میں آ جانے سے اس کا مجمع علیہ ہونا ہرگز لازم نہیں آتا جو خود پیش نظر عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ امام قاضی ابوبکر' حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بچپن شریف کی عمر میں آپ کے نبی ہونے کے قائل ہیں جس سے صاحب المواقف نے اختلاف کیا ہے جس سے اس کا مجمع علیہ نہ ہونا واضح ہے۔
- پھر جب امام قاضی ابوبکر' صاحب المواقف اور علامہ پرہاروی سے علم اور زمانہ کے اعتبار سے متقدم ہیں تو انہیں اس موقف میں راجح نہ ماننے میں مولانا کو کیا مجبوری آڑے ہے۔
- نیز صاحب المواقف ہیں بھی اشعری' ماتریدی نہیں ہیں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ انہوں نے المواقف میں ایک مسئلہ کے تحت لکھا ہے "عـنـدنـا"۔ حضرت میر سید نے اس کی شرح میں ارقام فرمایا "ای الاشاعره" ملاحظہ ہو (شرح المواقف' جلد ۸' صفحہ ۲۲۸)۔

تعجب ہے کہ مصنف تحقیقات ماتریدی کہلانے کے باوجود یہاں اشعری کے پیچھے لگ گئے ہیں شاید "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔

○ پھر صاحب المواقف کا یہ اختلاف بھی مصنف تحقیقات کا کسی طرح مؤید نہیں کیونکہ ان کی یہ بحث حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کے اس پہلو کے بارے میں ہے کہ آپ علیہ السلام بچپن شریف میں مأمور بالتبلیغ بھی تھے یا نہیں؟

بلفظ دیگر اس وقت آپ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ منصب رسالت پر بھی فائز تھے یا نہیں؟

وبطریق آخر یہاں نبوت بمعنی رسالت ہے جب کہ جلد اوّل میں متعلقہ مقام پر ہم مفصل لکھ آئے ہیں کہ نبی بول کر رسول مراد لینا بھی کلام علماء میں بکثرت شائع وذائع ہے۔ من شاء الاطلاع علیه فلیرجع الیه۔

بناءً علیہ حضرت میر سید پھر مولانا برخوردار کی پیش کردہ عبارت "ومن البین الخ" میں بھی نبوت بمعنی رسالت ہی ہے اور وہ اسی کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے اسی امر کو خلاف عقل کہہ رہے ہیں کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے مأمور بالتلیغ ہو جانے کے باوجود ایک عرصہ طویلہ اور مدت دراز تک دعوت الی اللہ تو کجا اس کے بارے میں کبھی کوئی کلام بھی نہ کیا ہو۔

مزید دلیل یہ ہے کہ علامہ پرہاروی نے عبارت المواقف کے پیش کردہ خلاصہ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق "نبیاً" کی بجائے "رسولاً" کے لفظ استعمال کیے ہیں۔ عبارت شروع بحث میں نقل کی جا چکی ہے۔ جس سے مانحن فیہ کی تعیین ہو جاتی ہے۔

علاوہ ازیں خود مصنف تحقیقات نے بھی اس کے اردو ترجمہ میں "نبیاً" بمعنی "رسولاً" لے کر اس کو مان لیا ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں: "مدت مدیدہ اور عرصہ بعیدہ تک کوئی (ہستی نبی اور رسول ہونے کے باوجود) نہ اس کی دعوت دے الخ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۳۹ وغیرہ)۔ ع　مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

سبحان اللہ مناظر ہوں تو ایسے جنہیں آس پاس کی شدھ بدھ بھی نہ ہو۔

جعلنی نبیا کو کنت نبیا سے مشابہ بنانے سے جواب:

رہا صاحب المواقف کا "وجعلنی نبیا" کو "کنت نبیاً" سے مشابہ قرار دینا نیز علامہ پرہاوری کا اسے نقل کر کے برقرار رکھنا نیز حضرت میر سید کا پھر مولانا برخوردار کا اس کے بطور تفاؤل ہونے کی توجیہ کرنا اور ان الفاظ میں ماضی کے بمعنی مستقبل ہونے کو بیان فرمانا جب کہ اصول ہے "التعلیل دلیل التعویل" کما صرح به شیخنا العلام الامام احمد رضا رحمه الله فی المعتمد المستند؟ تو:

اولاً: برتقدیر تسلیم حضرت میر سیّد کے یہ لفظ محض اس عبارت سے ماتن کی غرض کے بیان کے حوالہ سے

ہیں، اپنا عقیدہ ہونے کے پیش نظر قطعاً نہیں ہیں جس کی تفصیل مع الدلیل ابھی گذری ہے۔

ثانیاً: علامہ پرہاروی اسے بصیغۂ تمریض (أجیب کے لفظوں سے) لائے ہیں جو اس کے ضعف اور ناپسندیدگی کی جانب واضح اشارہ ہے۔

ثالثاً: مشبہ اور مشبہ بہ میں ہر طرح سے مساوات لازم نہیں ہوتی جو مسلّمہ اصول سے ہے ورنہ "مثل نوره کمشکوة فیها مصباح" سے کیا جواب ہوگا اور "زید کالاسد" کی کیا توجیہہ ہوگی؟ علیٰ ہٰذا پیش نظر عبارت میں بھی فی الجملہ تشبیہہ ہے من کل الوجوہ نہیں ہے جب کہ دونوں کی نوعیت ایک نہیں ہے کیونکہ "جعلنی نبیا" کے مضمون کا تعلق قطعی طور پر عالم دنیا سے ہے جب کہ "کنت نبیا" کا مضمون تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل کے زمانہ سے متعلق ہے۔ یعنی سیّدنا روح اللہ کلمۃ اللہ عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے یہ بات اس دنیا میں آنے کے بعد اسی دنیا کے حوالہ سے فرمائی جب کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے کنت نبیا الخ کا ارشاد اس دنیا میں جلوہ فرما ہونے کے کافی عرصہ نیز اعلان نبوت فرمانے کے بعد اس دنیا کے حوالہ سے نہیں بلکہ زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام کے حوالہ سے فرمایا۔ پس اگر "جعلنی نبیا" میں جعل بمعنی سیجعل ہو بھی تو اس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد جوانی میں اعلان نبوت کے بعد سے ہوگا۔ جب کہ کنت نبیا میں کنت (ماضی) کا تعلق پیشِ نظر توجیہ کے قائلین کے نزدیک "آدم بین الماء والطین" کے زمانہ سے ہی ہوگا نہ کہ بعد از ولادت تا عمر شریف چالیس برس سے۔ لہٰذا ماضی بمعنی مستقبل کی توجیہ بھی مصنف تحقیقات کو کسی طرح مفید نہ ہوئی اور نہ ہی ہمیں کچھ مضر ہوئی۔ والحمدللہ علی ذلك۔

اسی کو مع مزید بیان کرتے ہوئے علوم وفنون عربیہ کے مشہور زمانہ عالم اور محشی وشارح علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی سنی حنفی ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ حضرت میر سید کی زیر بحث عبارت کے تحت حاشیہ میں ارقام فرماتے ہیں:

"قوله فی انه تعبیر عن المتحقق الخ لا یخفی ان المراد با لاستقبال هو الاستقبال بالنسبة الی الزمان الذی دل الکلام علی وقوع المعبر عنه فیه وهذا مشترك بین المشبه والمشبه به فلا یرد ان الاستقبال فی المشبه بالنسبة الی زمان التکلم ولا کذلك فی المشبه به اعنی الحدیث النبوی بل الاستقبال فیه بالنسبة الی کون آدم علیه السلام بین الماء والطین" (شرح المواقف جلد ۸ صفحہ ۲۲۶)۔

عبارت ہٰذا اپنے اس مفہوم میں نہایت درجہ صریح ہے کہ حدیث "کنت نبیا" میں بعد ولادت باسعادت تا عمر شریف چالیس برس کا زمانہ مراد نہیں نیز زمانۂ تکلم کے بعد کا زمانہ بھی مراد نہیں ہوسکتا بلکہ اسے مراد لینا مضحکہ خیز بھی ہے کہ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد فرمایا میں مستقبل

میں نبی بنوں گا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے یا ہوں گے و لا یخفی ما فیہ۔
اس سے آگے علامہ سیالکوٹی نے عبارت حضرت میر سید کے برخلاف کو زیادہ موجہ قرار دیا ہے۔ حیث قال: ''والاظھر ان یقال فی انه تعبیر عن غیر المتحقق فی زمان الخ (جلد۸ صفحہ ۲۲۶)۔
بعدازاں حضرت موصوف نے علم الٰہی میں نبی ہونے کی توجیہ کو نقل فرمانے کے بعد (مذکورہ توجیہ کے ساتھ ساتھ) اس کا ردّ فرمایا ہے چنانچہ آپ کے لفظ ہیں: ''یرد علی کل من التوجیھین ان سیاق الحدیث یشعر باختصاصه علیه السلام بھذہ الفضیلة من بین الانبیاء صلوات اللہ علیھم وعلی کل من التوجیھین لااختصاص للفضیلة المذکورۃبه علیه السلام لان نبوۃ کل نبی بل کل حال لکل احدثابت فی العلم الالھی الازلی" یعنی حدیث کنت نبیا الخ آپ ﷺ کی نبوت کی ایسی خصوصیت کو بیان کرتی جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔ اسے مستقبل میں نیز علم الٰہی میں نبی ہونے کو مراد لینے کی صورت میں یہ خصوصیت باقی نہیں رہتی کہ علم الٰہی میں صرف انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں ہی نہیں بلکہ ہر چیز کی ہر کیفیت پہلے ہی سے علم الٰہی ازلی میں تھی' اختصاص کا فائدہ تو نہ رہا (کتاب مذکور صفحہ مذکور)۔
اس کے بعد معنی مختار کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''والاقرب ان یقال فی معنی الحدیث للکل بحسب مرتبة کل منھم علیھم السلام عند تعیناتھم العمائیة لما سیرد علیھم من النشأت المتواردۃ واحکامھا ونبینا علیه السلام کان فی نشأته الروحانیة نبیا للارواح ومتوسطا فی تعیین حصص کما لا تھلم الروحانیة التی بحسبھا یظھر کما لا تھم الجسمانیة کما یروی عنه علیه السلام اول ما خلق اللہ نوری ھو المفھوم من شرح الجندی رحمه اللہ''۔
خلاصہ یہ کہ حدیث ہذا کا صحیح اور حقیقی معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے ارشاد مبارک ''اول ما خلق اللہ نوری'' کی رُو سے تمام عوالم میں چونکہ واسطۂ حصول کمالات بجمیع الخلق ہیں اس لیۓ آپ عالم ارواح میں بھی نبی تھے (لہٰذا اسے مستقبل میں نبی ہونے پر محمول کرنا درست ہے اور نہ ہی علم الٰہی میں نبی ہونے کے معنیٰ میں لینا صحیح ہے)۔ علامہ جندی رحمہ اللہ کی تحریر فرمودہ شرح میں بھی یہی معنیٰ مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو (شرح المواقف' جلد۸' صفحہ ۲۲۶)۔

اقول: الحمدللہ علامہ سیالکوٹی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے جہاں حضرت میر سید کے الفاظ کا صحیح مفہوم واضح ہوگیا' وہاں مصنف تحقیقات کے استدلال کی قلعی بھی کھل گئی۔ یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ علامہ کی یہ عبارتیں موصوف نے نہیں دیکھی تھیں۔ لہٰذا یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے عمداً ان سے صرف نظر کی ہے۔ بلکہ

عبارت میر سید (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے) کو گول مول انداز میں لکھ کر عوام کو یہ تأثر دے کر کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہے جن میں سرکار ﷺ بھی شامل ہیں، سخت عجیب ہاتھ کی صفائی ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

قم اقول: وباللہ التوفیق۔ نبی چونکہ پیدائشی نبی ہوتا ہے (کما مرّ مراراً و سیأتی بیانہ' ایضاً) اس لیے ''وجعلنی نبیا'' میں جعل کو بمعنی مستقبل لینے کی صورت میں علی الصحیح الواقع جعل'' اظہار کے مفہوم میں ہے تو حضرت کلمۃ اللہ علیہ السلام کے اس ارشاد کا مفہوم یہ بنے گا کہ میری والدہ ماجدہ کے متعلق دریدہ ذہنی کرنے والے بے ایمانو! وہ تمہاری اس ناپاک تہمت سے پاک ہیں کیونکہ میں اللہ کا نبی ہوں جس کی ماں کا عیوب سے پاک ہونا لازم ہوتا ہے تم عنقریب میری نبوت کے چرچے اور اس کی برکتیں دیکھ لوگے۔

بناءً علیہ ''کنت نبیا'' میں بھی ظہور ہی مراد ہوگا تو معنٰی یہ ہوگا کہ یہ پوچھنے والے میرے غلامو! کہ میں نبی کب سے ہوں؟ تو سنیئے ہم ''جب'' ''کب'' سے بھی پہلے کے ہیں کہ ''جب کب'' وقت کو ظاہر کرتے ہیں جب کہ وقت' سورج چاند کے نظام سے متشکل ہوتا ہے اور ہم اس سے بھی پہلے کے ہیں جس تک تمہارے اذہان کی رسائی ممکن نہیں' بآسانی یوں سمجھو کہ ہم اس وقت بھی شان نبوت سے ظاہر اور نبی تھے جب ابوالبشر آدم علیہ السلام بھی معرض وجود میں نہیں آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ میں اس وقت نبی بنا بلکہ فرمایا کہ میں اس وقت نبی تھا یعنی شان پہلے سے حاصل تھی۔ ایک ظہور اس وقت ہوا کہ ''وآدم بین الروح والجسد'' والحمد للہ تعالی الاحد والصلوۃ علی نبیہ سیدنا محمد و سیدنا آدم وآلہٖ وصحبہ الکرام الی الابد۔

کشف نمبر ۱ پر اعتراض نمبر ۲ (بحوالہ عبارت شیخ محقق علیہ الرحمۃ) سے جواب:

تمہید اعتراض (بعض اوقات ظاہری معنٰی مراد نہیں ہوتا) **کا رد:**

مصنف تحقیقات نے حدیث ہٰذا پر اپنے دوسرے اعتراض کو لانے سے پہلے تمہیداً لکھا ہے کہ: کسی حدیث شریف اور آیت کریمہ کا ثابت الاصل ہونا علیحدہ امر ہے اس کا ظاہری معنی اور مفہوم مراد ہونا علیحدہ امر ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ظاہری معنی مراد لینا جائز نہ ہو (الیٰ) الغرض ضروری نہیں ہے کہ بادی النظر میں جو معنی آیت وحدیث سے سمجھ آ رہا ہو وہ معنی ومفہوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے ہاں مراد اور مطلوب ہو" (تحقیقات صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲)۔

اقول: موصوف کی عبارت رکیک ہے کہ انہوں نے حدیث اور آیت کریمہ دونوں ایک ہی مد میں رکھ کر حکم عائد کیا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ جس طرح حدیث کبھی ثابت الاصل نہیں ہوتی قرآن کی آیت کریمہ کا بھی یہی حال ہوتا ہے جو غلط ہے کیونکہ قرآن مجید کی ہر آیت کریمہ قطعی الثبوت ہے بایں ہمہ دوسروں کے متعلق کہتے ہیں کہ انہیں علوم وفنون وغیرہ سے مس کیا دور کا واسطہ بھی نہیں۔

سبحٰن اللہ یہ ہیں کہ علوم وفنون جن کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

ثم اقول: شروع کلام میں انہوں نے ظاہری معنی کے مراد لینے پر عدم جواز کا حکم عائد کیا ہے جب کہ اس کے خلاصہ میں "ضروری نہیں" کہہ کر اس کے جواز کو تسلیم کیا ہے جو ایک اور علمی کمال ہے۔

بہرحال نہ ہوسکنے اور نہ ہونے (عدم امکان اور عدم وقوع) میں زمین وآسمان کا سا فرق ہے۔ یہاں جو چیز موصوف کے ذمہ تھی وہ صورت ثانی ہے کہ حدیث واقع میں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے مگر بفضلہٖ تعالیٰ وہ پورا زور صرف کرنے اور کاغذ کی زمین کو کالا کرنے کے باوجود اپنے موقف کو ثابت اور اجاگر کرنے میں سخت ناکام رہے ہیں اور وہ ایسی کوئی دلیل لانے سے عاجز رہے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حدیث ہٰذا اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے۔ جو پیش کیا ہے وہ دلیل نہیں مغالطہ ہے۔

فرماتے ہیں: "ہوسکتا ہے ظاہری معنی مراد لینا جائز نہ ہو"۔

مگر اتنا سوچنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ یہ علی الاطلاق نہیں بلکہ اس وقت ہے کہ جب ظاہری معنی مراد لینے سے کوئی محذور شرعی لازم آتا ہو ورنہ یہ بھی تو اصول سے ہے کہ ''تحمل النصوص علی ظواھرھا'' کہ نصوص (آیات واحادیث) کو ان کے ظاہر پر رکھنا لازم ہے جیسا کہ ہم اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ بلکہ خود موصوف ھداہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے اسے باحوالہ لکھ آئے ہیں۔

موصوف نے اس کی جو تین مثالیں پیش کی ہیں وہ سب اسی قسم کی ہیں کہ انہیں ظاہری معنی پر رکھنے سے محذور شرعی لازم آتا ہے۔

چنانچہ پیش کردہ مثال نمبرا: ''الرحمن علی العرش استوٰی'' کو ظاہری معنی (عرش پر قرار پکڑنا) نہیں لیا جاسکتا کہ یہ آیت متشابہات کی قسم ثانی سے ہے جن کا لفظی ترجمہ تو ہوتا ہے مگر وہ مراد الٰہی نہیں ہوتا۔

بالفاظ دیگر ظاہری معنی اللہ کی شان کے لائق نہیں۔

پس یہ مثال یہاں غلط ہوئی ورنہ موصوف انصاف سے بتائیں کہ کیا حدیث کنت نبیاً متشابہات سے ہے یا کیا اس جہان میں آپ ﷺ کا نبی ہونا آپ کی شان کے خلاف ہے؟

دوسری مثال ''ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم'' لکھی ہے (وَلَمَّا کی بجائے ''لَمَّا'' لکھا ہے۔فیا للعجب) کہ اسے ظاہری معنی میں لینے سے بکل شیء علیم ذات سے علم کی نفی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے یہ بھی محذور شرعی ہے۔اگر یہ مثال یہاں جچتی ہے تو موصوف بتائیں کہ ''کنت نبیاً'' کو ظاہری معنی میں لینے سے اس قسم کو کون سا محذور شرعی لازم آتا ہے یعنی بمعنی حقیقی نبی ہونے میں معاذ اللہ کیا خرابی لازم آئی یا اس سے کس امر ضروری شرعی کی نفی ہوئی۔

ہاں خود مولانا کے موقف کی نفی ضرور لازم آئی جب کہ وہ واجب النفی ہے تو یہ عین حقیقت کی ترجمانی ہوئی جو مطلوب ہے۔

جواب آخر:

مثال ہٰذا کے بے جا ہونے کے حوالہ سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ''علم'' لغۃً کئی معانی کے لیے موضوع ہے جو ہمیشہ بمعنی ''دانستن'' ہی نہیں آتا، ''آموزدن'' کے معنی میں بھی آتا ہے لہٰذا اسے یہاں دانستن کے معنی میں سمجھنا کثیر العلوم اور وافر الفنون قائل کی ''قلت دانست'' کا ثمرہ ہے۔ بناءً علیہ یہ کنت نبیاً کے لیے حسب دعویٔ معترض، مثال نہیں ہوسکتی ورنہ بتایا جائے کہ ''کنت نبیاً'' کو ظاہری معنی میں رکھنے پر حسب مقام کون سی شرعی قباحت لازم آتی ہے۔الغرض یہ امر مبحث فیہ کی مثال نہیں بن سکتی البتہ اسے پہیلی کے طور پر لیا جاسکتا ہے

جیسے اَنَّ زَیدٌ کبیر وغیرہ میں۔

آمدیم برسر مطلب! اسی طرح ان الحکم الا للّٰہ کو بھی اس کی مثال بنانا غلط ہے کیونکہ خارجی جہلاء کو اس کے صحیح محمل کا علم نہیں تھا یا وہ جان بوجھ کر مغالطہ دے رہے تھے جیسے خارجیان زمانہ وللّٰہ غیب السمٰوٰت والارض اور وربك یخلق ما یشاء ویختار وغیرھما سے مغالطہ دیتے ہوئے عباد مقربین کے لیئے خدا داد علم واختیار کے عقیدہ کو شرک اور قائلین کو مشرک کہتے ہیں۔ یا معذرت کے ساتھ جیسے خود مصنف تحقیقات سب کچھ جانتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے حدیث ''کنت نبیاً'' کے حوالہ سے مغالطہ پر مغالطہ دے رہے ہیں۔

اپنے دام میں آپ صیاد:

مصنف تحقیقات ایک طرف اپنے اس خود ساختہ اصول سے حدیث ہٰذا کو ظاہری معنی میں لینے کو ناجائز کہہ رہے ہیں پھر خدا کے کرنے سے اس پر بھی زور دے رہے ہیں کہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر ہی ہے یہی عقیدۂ صحابہ ہے اور فیصلۂ نبویہ بھی یہی ہے۔

چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب تنویر الابصار (جس پر وہ بہت نازاں اور شاداں وفرحاں ہیں اور بار بار جس کے مطالعہ کی تلقین کرتے ہیں اس) میں لکھا ہے:

''صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پوچھنے اور سوٗال کرنے سے کہ آپ کب سے نبی بنے ہوٗ پتہ چل گیا کہ جن کے گھر پیدا ہوئے اور عمر شریف کے چالیس سال گزارے تھے اور اس قدر طویل عرصہ گزارنے کے بعد نبوت کا اعلان فرمایا۔ جب وہ اس طرح کا سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ ﷺ کب سے نبی ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ ان کے ایمان نے گواہی دی کہ نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ نبوت کا اعلان اور اظہار چالیس سال کے بعد کیا لیکن آپ ﷺ نبی بنے ہوئے پہلے کے تھے۔ اسی لئے یہ نہیں پوچھا کہ تم نے اعلان نبوت ورسالت کب فرمایا بلکہ پوچھا ہے ''متٰی وجبت لك النبوۃ'' یارسول اللہ ﷺ۔ آپ کے لیئے اے رسول اللہ! نبوت ثابت کس وقت سے ہے؟ اور نبی اکرم ﷺ کا یہ جواب کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا روح ابھی ان کے جسم میں پھونکا نہیں گیا تھا' صحابۂ کرام کے اس نظریہ وعقیدہ پر مہر تصدیق ہے کہ تم نے درست سمجھا' واقعی میں عمر شریف کے چالیس سال گزار کر نبی نہیں بنا بلکہ اس وقت سے یہ منصب اور اعزاز مجھے حاصل ہے جب کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے تن بدن میں جان نہیں آئی تھی''۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۲' ۲۳' طبع ضیاء القرآن' لاہور' مطبوعہ ۱۹۸۵ء)

اقول: عبارت ہٰذا کا ایک ایک لفظ جو حدیث کنت نبیاً کے مستقبل میں حاصل ہونے والے منصب

نبوت کے معنی میں ہونے کی دوٹوک نفی کررہا ہے جوموصوف کے اس نظریہ کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے تو ع لو اپنے دام میں آپ صیاد آ گیا۔

ثم اقول: بعینہٖ یہی جواب موصوف کو ۲۰۰۷ء کے اوائل میں دیا جاچکا ہے۔ ملاحظہ ہو (دعوت رجوع' صفحہ ۴۷'۴۸) مگر انہوں نے نہ تو اس کی کوئی توجیہ پیش کرکے اعتراض کو اٹھایا اور نہ ہی اپنے باطل موقف سے رجوع کیا جس سے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ وہ اپنے ایک تلمیذ کے لفظوں میں ''علمی گھمنڈ کا شکار'' ہیں۔ (تحقیقات' صفحہ ۷) جس سے ان کے للّٰہیت اور حب رسول ﷺ میں اعلیٰ درجے پر فائز ہونے کا پتہ بھی چلتا ہے۔ نیز خود ''اشرف العلماء'' کے یہ اپنے الفاظ بھی اسی علّت کے پائے جانے کی چغل خوری کرتے ہیں کہ ''میرا اہل سنت کے اہل علم سے یہ سوال ہے کہ ہمیں بتلایا جائے اس وقت کون اہل سنت کا امام ومقتدا اور رہبرورہنما ہے تاکہ ہم جیسے طالب علم اس سے اجازت لے کر کوئی بات زبان پر لائیں یا کوئی جملہ نظر قرطاس کریں''؟ (تحقیقات' صفحہ ۱۸)۔

اقول: یعنی کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ان کا مرجع تو کجا مستشار منہ بننے کا اہل بھی ہو کیونکہ ''ہمچو ما دیگرے نیست'' ملاحظہ ہو تحقیقات' صفحہ ۲۰۹۔

چکر بازی:

پھر حیرت در حیرت یہ کہ اپنی اسی کتاب میں فلسفۂ مستقبل پر اتنا بڑا لیکچر جھاڑنے کے باوجود اپنی اسی کتاب کے خطبہ میں فرماتے ہیں: ''والصلوٰة والسلام علی من کان نبیا وآدم بین الماء والطین''۔ یعنی حضور پر درود وسلام ہو جو اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام معرض وجود میں نہیں آئے تھے۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۱۵)۔

یعنی قائل ہیں تو اس قدر بحث کیوں اور منکر ہیں تو یہ چکّر بازی کیوں؟

مشورہ مصنف تحقیقات:

مذکورہ تمہید (جس کا جواب دیا گیا ہے) کے سپرد قلم کرنے کے بعد مصنف تحقیقات لکھتے ہیں: ''لہٰذا اسلاف کرام اور مقتدایان انام کی طرف اس معاملہ میں رجوع کرنا چاہئے کہ وہ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں اور ان کے نزدیک اس کلام سے اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم ﷺ کی مراد کیا ہے۔ حضرت شیخ محقق نے ایسے ہی ارشاد فرمایا ہے (اشعۃ اللمعات' جلد اوّل' صفحہ ۴۰)'' ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۰۲)۔

اقول اولاً: یہ حدیث اس قسم کی نہیں جو جناب نے قرار دی ہے یعنی اسے ظاہری معنی پر رکھنے سے کوئی

محذور شرعی لازم نہیں آتا اور آپ بھی ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے کے باوجود اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر پائے اور نہ ہی ثابت کر سکتے ہیں بے شک طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں لہٰذا مشورہ بے کار گیا۔

ثانیاً: آپ خود بھی اس کے ظاہری معنیٰ کی صحت کو تسلیم کر چکے ہیں بلکہ اسے عقیدۂ صحابہ اور فیصلہ نبویہ ہونا بھی مان لیا ہے لہٰذا آگے جانے کی ضرورت ہی نہیں چھوڑی یعنی جو منوانا چاہتے تھے ابھی سے خود ہی مان گئے۔ سبحٰن اللہ۔ یہی کیفیت رہی تو ہماری یہ شاید پہلی اور آخری ٹرن ہو۔

ثالثاً: ہم اسلاف کرام اور مقتدایان انام کی طرف اس معاملہ میں پہلے ہی سے رابطہ میں ہیں تو اس کا ژرف نگاہی سے مطالعہ کرنے والے سب محققین اسلاف کا کہنا یہی ہے کہ حدیث ہٰذا اپنے ظاہری اور حقیقی معنیٰ پر ہی ہے۔ حوالہ جات کا انبار باب سوم و ہفتم میں لگایا جا چکا ہے۔ جتنے حوالے چاہئیں وہاں سے لے لیں۔ اعلیٰ حضرت بھی انہی میں شامل ہیں اور حضرت شیخ محقق نے بھی ایسے ہی ارشاد فرمایا ہے"۔ اور آپ لکھ کر دے چکے ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ آپ ان دو حضرات کے فیصلوں کے پابند ہوں گے۔ لہٰذا اب تو اپنے باطل موقف کو دیس نکالا دیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

اقول: قارئین کرام! اب حضرت شیخ محقق علیہ الرحمۃ کی ان عبارات کے متعلق ہماری گزارشات ملاحظہ فرمائیں جن کے حوالہ سے موصوف نے اپنی مطلب برآری کے لیے عوام کو مغالطہ دینے کی مذموم کوشش کی ہے۔

عبارات شیخ محقق رحمۃ اللہ جن سے مغالطہ دیا گیا:

مصنف تحقیقات نے حضرت شیخ محقق کی حسب ذیل تین عبارات سے استدلال کیا ہے:

نمبر ۱: "اینجا میگویند کہ از سبق نبوت آنحضرت چہ مراد (الیٰ) جوابش آنست کہ مراد اظہار نبوت اوست ﷺ پیش از وجود عنصری وے در ملٰئکہ وارواح چنانکہ وارد شدہ است کتابت اسم شریف او بر عرش و آسمانہا_____ و چشمہائے فرشتگان" (اشعۃ اللمعات، جلد ۴، صفحہ ۴۹۹)۔

نمبر ۲: "بعضے از عرفاء گفتہ اند کہ روح شریف وے ﷺ نبی بود در عالم ارواح کہ تربیت ارواح میکرد چنانکہ دریں عالم بجسد شریف مربی اجساد بود الخ" (اشعۃ، جلد ۴، صفحہ ۴۹۹)۔

نمبر ۳: اس سؤال کے جواب میں جس کو جو عطاء ہوا اس کا فیصلہ تو پہلے سے ہے پھر آپ کو پہلے عطا کرنے کی تخصیص ذکر کا کیا مقصد ہے، لکھتے ہیں: "جوابش آنکہ میگویند کہ نبوت آنحضرت و کمالات وے ﷺ در عالم ارواح ظاہر کردہ بودند وارواح انبیاء ازاں استفادہ کردند چنانکہ فرمود کنت نبیا الحدیث و نبوت انبیاء دیگر

در علم الٰہی بود نہ در خارج'' (مدارج النبوۃ' جلد۱' صفحہ۴۷) ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ۲۰۴'۲۰۵'۲۰۶'۲۰۷)۔

وجہ استدلال مصنف تحقیقات:

اس سے ان کی وجہ استدلال بھی خود ان کے لفظوں میں پڑھیئے۔ لکھتے ہیں: ''گویا نہ اس وقت آپ کا بالفعل نبی ہونا مراد ہے اور نہ محض علم الٰہی اور اس کے قضاوقدر میں آپ کا نبی ہونا مراد ہے۔ بالفعل نبی تو واقعی بعد میں بنائے جائیں گے جب وجود عنصری کے ساتھ اور جسمانی حالت کے ساتھ دنیا میں جلوہ گر ہوں گے لیکن اس وقت میں آپ کی آمد آمد کے تذکرے اور چرچے اور اس کی شہادات اور مژدے دینے مقصود ہیں اور اعلانات اور تشہیر واشاعت مقصود ہے۔ اور یہ جواب علماء ظاہر کی طرف سے ہے کیونکہ اس کو عرفاء کی توجیہ کے مقابل ذکر فرمایا ہے اور گویا علمائے ظاہر کا اس پر اجماع واتفاق ہے اس لیے اکثر یا بعض کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن عرفاء کا قول نقل کرتے ہوئے بعض کا ذکر فرمایا ہے۔ عرفاء حضرات میں سے بعض نے فرمایا کہ نبی مکرم ﷺ کی روح اقدس عالم ارواح میں بالفعل منصب نبوت پر فائز تھی جو کہ روحوں کی تربیت فرماتی تھی'' (تحقیقات' صفحہ۲۰۵)۔

اقول: وباللہ التوفیق۔ یہ استدلال سراسر غلط بیانی اور سخت مغالطہ آفرینی اور شدید ہیرا پھیری پر مبنی ہے جو انتہائی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے جس پر اناللہ کہنے کے سوا کچھ موزوں نہیں اسے نافہمی سے تعبیر نہیں کر سکتے کیونکہ مستدل صاحب بقلم خود علوم وفنون' محاورات عرب' حقیقت مجاز' صریح وکنایہ اور تشبیہ وتمثیل نیز مثال و نظیر وغیرہ وغیرہ کے ہر ہر گُر سے مکمل واقف ہیں پس صورت اول ہی متعین ہوئی۔

بیان واستدلال ہٰذا کے سخت غلط ہونے کے لیئے اتنا بھی کافی ہے کہ حضرت حق آگاہ شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ قطعی طور پر اس عالم میں آپ ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کے سختی سے قائل ہیں جس کے بعد وہ کسی بھی دور میں آپ سے معاذ اللہ سلب یا زوال یا انقطاع نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ مدارج النبوۃ شریف کی دونوں جلدوں کا آغاز بھی حضرت شیخ نے اسی مسئلہ کی وضاحت سے فرمایا ہے پھر جگہ جگہ اس کی تصریحات مزید فرمائی ہیں۔ اور یہ ایسا امر ہے کہ جس کا خود مصنف تحقیقات کو بھی اقرار ہے چنانچہ انہوں نے اس مقام پر آپ کی جو عبارتیں لکھی ہیں ان میں منقولہ بالا عبارت نمبر۳ سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ پھر خدا کے کرنے سے موصوف نے اس عبارت کا ترجمہ کرنے کے علاوہ ان کا اس عقیدہ کا حامل ہونا اپنے لفظوں میں بھی لکھ دیا ہے فرماتے ہیں۔ یہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ آپ کو عالم ارواح میں بالفعل نبی ماننے کے باوجود اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے آپ سے استفادہ کرنے اور فیوض وفوائد حاصل کرنے کا عقیدہ رکھنے کے باوجود اور اس نبوت کے سلب

ہونے یا زائل ہونے کا عقیدہ رکھے بغیر الخ (تحقیقات' صفحہ ۲۰۷)۔

○ علاوہ ازیں موصوف کے اس بیان کے غلط اور ہیرا پھیری پرمبنی ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ یہاں تو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ ﷺ اس عالم میں نہ بالفعل نبی تھے نہ محض علم الٰہی میں اور بالفعل واقعی اس وقت نبی بنائے گئے جب دنیا میں وجود عنصری سے جلوہ گری ہوئی لیکن وہ اپنی دوسری کتب کوثر الخیرات اور تنویر الابصار وغیرہما میں متعدد تصریحات کے علاوہ خود اپنی اس متنازع فیہ کتاب نام کی تحقیقات میں تقریباً تئیس مقامات پر صراحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ اس جہان میں اس معنی میں بالفعل نبی تھے کہ ملٰئکہ وارواح انبیاء علیہم السلام کی تربیت فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۱۵' ۲۶' ۲۷' ۳۶' ۴۴' ۴۵' ۴۶' ۵۱' ۵۲' ۵۶' ۶۳' ۷۲' ۸۴' ۸۸' ۸۹' ۹۲' ۹۴' ۹۶' ۹۷' ۹۸' ۲۰۵' ۲۰۹)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس جہان میں مربی ہونے کے معنی بالفعل نبی ہونے کے خلاف لکھی گئی ہر تحریر ان کے نزدیک واجب الرد ہے اگرچہ شیخ محقق کی بھی ہو۔ لہٰذا اگر شیخ محقق کی ایسی کوئی عبارت تھی بھی تو اس کے یہاں لانے کا ان کے لئے کوئی جواز نہیں تھا۔ جس سے اب یہ راز کھل گیا کہ ان کا آپ ﷺ کو اس جہان میں بالفعل نبی کہنا محض دھوکہ تھا حقیقت میں وہ اس کے قائل ہی نہیں ہیں لیکن چکر دینے والے کا انجام صحیح نہیں ہوتا پس وہ خود ہی اس میں پھنس چکے ہیں۔ بالفعل نبی مانتے ہیں تو ان پر ان کی انکار والی عبارت لاگو ہوتی ہے۔ نہیں مانتے تو ان کی ''تحقیقات'' ان کے گلے پڑتی ہے۔ لہٰذا نہ اگلتے بنے نہ نگلتے بنے۔ نیز ''نہ بالفعل نبی نہ محض علم الٰہی میں'' کہہ کر بین بین والی جدید راہ نکالنے کے باعث ؎

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے   نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

خلاصہ یہ کہ شیخ محقق کے متعلق موصوف کا پہلا بیان صحیح تھا تو ان کا یہ بیان خلاف واقعہ ہوا اور اگر یہ سچ ہے تو پہلا مبنی برصدق نہ قرار پایا۔

○ مصنف تحقیقات کے نئے اشاعتی اور تشہیری یا اشتہاری نظریہ کا جواب فقیر انہیں فروری ۲۰۰۷ء میں دے چکا ہے۔ پس ہمارا وہ جواب صحیح تھا تو مانا کیوں نہیں۔ غلط تھا تو اس کا ردّ کیوں نہیں پیش کیا۔ نہ تغلیط بالدلیل نہ رجوع عن الباطل دال میں کالا ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔

چنانچہ موصوف نے اپنے مکتوب میں زیر بحث حدیث کے متعلق لکھا تھا کہ اسے اور اس جیسی دیگر ''احادیث کو ظاہری مفہوم ومعنی پر محمول کرنا بھی متفق علیہ اور اجماعی امر نہیں ہے بلکہ اکثریت کے نزدیک آپ کے نبی بنائے جانے کی تشہیر اور اشاعت اور اس کا اعلان واظہار مراد ہے نہ کہ بالفعل نبوت ورسالت کا حصول

بخلاف دیگر انبیائے کرام کے'' (بلفظہ)۔

فقیر نے انتہائی نرم الفاظ میں اس پر معروض کیا تھا کہ:

''احادیث'' کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس کے متعدد طرق وشواہد ہیں جو قطعاً مطابق واقعہ ہے۔ ''متفق علیہ اور اجماعی امر نہیں'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت کے قائلین بھی ہیں۔ بناء بریں کاش کہ حضرت کو اس میں (نفی کے پہلو پر) اصرار نہ ہوتا۔

رہا ''اکثریت کے نزدیک'' کا ارشاد تو اس کی بنیاد نبی کی پیش کردہ مذکور تعریف پر ہے جس کا غیر صحیح نیز خلاف جمہور ہونا ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی کوئی سند پیش نہیں فرمائی گئی۔ پھر جب اعلان نبوت سے قبل وحی خفی ثابت اور نبوت کے لئے اتنا کافی اور جمہور اسی کے قائل ہیں تو آپ ﷺ لامحالہ اکثریت کے نزدیک بالفعل نبی ہوئے اور محض تشہیر، اشاعت اور اعلان واظہار کا دعویٰ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہوا۔

تشہیر والی توجیہ اس لیے بھی غیر صحیح ہے کہ و آدم بین الروح الخ کا ارشاد اعلان نبوت کے بعد کا ہے اور سب سے بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ خود مصنف بھی اپنی اس ''اکثریت'' میں شامل نہیں بلکہ وہ دوٹوک لکھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ عالم ارواح سے لے کر اعلان نبوت سے پہلے تک بھی بالفعل نبی تھے اور یہی صحابۂ کرام کا عقیدہ تھا۔ جس پر آپ ﷺ نے مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ اور لطف در لطف یہ کہ موصوف نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں پیش بھی اسی حدیث کو فرمایا ہے جسے اب وہ تشہیر واشاعت کے معنی میں لے رہے ہیں۔ فیا للعجب

ان کی یہ عبارت کچھ پہلے تنویر الابصار، صفحہ ۲۲، ۲۳ سے ہم نقل کر آئے ہیں''۔ ملاحظہ ہو (دعوت رجوع، صفحہ ۴۵ تا ۴۷)۔

خلاصہ یہ کہ مصنف تحقیقات کے نظریہ تشہیر واشاعت کا جواب انہیں آج سے پونے چار سال پہلے دیا جا چکا ہے جس کے جواب سے وہ تاحال عاجز ہیں اور اب پوری ہمت سے اسے دوبارہ اپنی اس کتاب میں بھرتی کر کے معاملہ کو بڑی پھرتی سے آیا گیا کرنا چاہتے ہیں۔

شیخ محقق پر مصنف تحقیقات کا مزید بہتان وافتراء:

موصوف نے اس مقام پر حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: وہ ''وجود عنصری اور جسمانی وجود کے لحاظ سے چالیس سال کے بعد آپ کا بالفعل نبی ہونا تسلیم کرتے ہیں تو لامحالہ عالم ارواح میں نبوت اور عالم اجسام کی نبوت میں فرق کرنا ضروری ہے'' (تحقیقات، صفحہ ۲۰۷)۔

اقول: نہایت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ مصنف تحقیقات کا یہ بیان بھی خلاف واقعہ جو حضرت شیخ پر

ان کا بہتان عظیم اور افتراء شدید ہے۔ حضرت شیخ نے ایسی بات کہیں بھی نہیں لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے بھی اسے محض دعوٰی کی حد تک رکھا ہے۔ حضرت شیخ محقق کی ایسی کوئی عبارت لانے سے وہ سخت عاجز و ناکام رہے ہیں جو لائق صد ملام ہے۔

اگر اس سے ان کی مراد شیخ کی کوئی ایسی عبارت ہے جس میں چالیس سال کی عمر شریف میں بعثت نبویہ کا ذکر ہو۔ علٰی صاحبہا السلام۔ تو یہ ان کی دلیل نہیں کیونکہ بعثت بمعنی جعل کا کوئی ثبوت نہیں۔ مکمل تفصیل باب نہم میں آ رہی ہے۔

علاوہ ازیں ۲۰۰۷ء میں اس کا بھی انہیں جواب دیا جا چکا ہے غلط تھا تو ردّ کرتے۔ صحیح تھا تو مان لیتے تو یہ ان کی ایک اور چستی ہوئی کہ جو بات ان کے ذمّہ تھی ہاتھ کی صفائی سے اسے ہمارے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے و لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

چنانچہ انہوں نے اپنے جوابی مکتوب میں ''بعثت'' کو اپنے دعوٰی کی دلیل بنا کر حضرت شیخ کا حوالہ پیش کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: ''حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: النبی محمد بن عبداللہ الہاشمی ﷺ ولادت وے در عام الفیل و بعثت او بر رأس اربعین و دور نبوت وے ثلث وعشرین سنۃ وعمر شریف وے ثلث وستین (اشعۃ اللمعات، جلد چہارم، صفحہ ۴۲۷)۔

فقیر نے موصوف کو جواب میں تحریر کیا تھا کہ: ''یہ بھی حضرت کے کچھ مفید مدعا نہیں کیونکہ اس میں بھی لفظ بعثت ہے جس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ اس سے پہلے نبی نہ تھے (الٰی) علاوہ ازیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالٰی کا اس بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ چالیس سال بعد آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا ظہور ہوا جس پر آپ کی بے شمار تصریحات موجود ہیں پس بعثت بمعنی ''جعل لینا توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ'' ہے۔

شیخ کی بعض نقول حسب ذیل ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ آپ نے لکھا ہے: ''وایں ابتداء قصہ است پیش از ظہور نبوت'' (اشعۃ اللمعات جلد ۴، صفحہ ۵۰۶، طبع سکھر)

نیز اسی کے اسی جلد میں صفحہ ۵۰۵ پر لکھا ہے: ''اقامت کرد آنحضرت ﷺ بہ مکہ یعنی بعد از سال کہ مبدأ ظہور نبوت بود الخ'' نیز لکھا ہے: ایں حال پیش از ظہور نبوت بود'' (جلد ۴، صفحہ ۵۰۵)۔

نیز اسی کے صفحہ ۵۴۱ پر ارقام فرماتے ہیں: ''وخوارق عادت کہ پیش از ظہور نبوت ظاہر شد آنرا ارہاصات گویند''۔

نیز مدارج النبوۃ (جلد ۲، صفحہ ۳۰، طبع سکھر) میں لکھا ہے: ''چون وقت ظہور نبوت نزدیک رسید محبوب

گردانیدہ شد نزدوے ﷺ خلوت وگوشہ گری از خلق'' اھ۔

نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے: ''وظہور ایں نور بقول صحیح در روز دوشنبہ ہشتم یا سوم ربیع الاول سنہ احدیٰ واربعین از عام الفیل بود'' اھ۔

یہ تمام عبارات اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ ﷺ کی چالیس سال بعد بعثت کا مطلب آپ کی نبوت ورسالت کا ظہور ہے نہ کہ وجود وھو المقصود والحمد للہ المعبود (دعوت رجوع' صفحہ ۴۰' طبع لاہور)

○ اور اگر موصوف کا استدلال عبارت اشعہ کے ان الفاظ سے ہو ''اگر بالفعل است آں خود در دنیا خواہد بود'' جو انہوں نے تحقیقات صفحہ ۲۰۴ میں نقل کیے ہیں؟ تو یہ بھی ان کے مفید مدعا نہیں جو موصوف کی سخت فریب دہی پر مبنی ہیں کیونکہ یہ شیخ کے اپنے عندیہ کے الفاظ نہیں بلکہ یہ معترضین کے لفظ ہیں اور سوال کی زبان میں ہیں جس کی تصریح خود حضرت شیخ نے اپنے ان لفظوں سے فرمادی ہے: ''اینجا مے گویند'' جن کا ترجمہ موصوف نے اس طرح کیا ہے کہ اس جگہ لوگ یہ سوال کرتے ہیں (تحقیقات' صفحہ ۲۰۴)۔

پھر شیخ نے اس کے تحت جو جواب لکھا ہے (مراد اظہار نبوت است) وہ بھی ان کا عندیہ نہیں بلکہ دوسروں کی طرف سے ہے آپ کا عندیہ وہ ہے جو آپ نے عرفاء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس عالم میں آپ ﷺ کے نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس طرح سے بالفعل نبی تھے کہ ارواح انبیا علیہم السلام کے لئے مربی و مفیض بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عبارات مدارج میں آپ نے اس مطلب کو ایک ہی قول کے طرز پر اپنے عندیہ کے طور پر لکھا ہے نیز مدارج ۲' صفحہ ۳ میں اسی کو اپنا نظریہ قرار دیا ہے۔

اگر اس طرز کے اپنانے سے مضمون سوال' مجیب کا اپنا عندیہ اور نظریہ قرار پاجاتا ہے تو مصنف تحقیقات کو اسے اپنے حق میں بھی قبول کرنا ہوگا کیونکہ انہوں نے خود اپنی اسی کتاب میں بھی بہت سے مقامات پر اسی طرز پر خود مسئلۂ نبوت کے متعلق اپنے خصوم کے سوالات پیش کیے ہیں۔ کچھ مثالیں حسب ذیل ہیں:

چنانچہ صفحہ ۱۵ پر لکھا ہے کہ: ''محمد اشرف سیالوی نبی کریم ﷺ کو بچپن سے نبی تسلیم نہیں کرتا اور چالیس سال کے بعد آپ ﷺ کے لئے نبوت ورسالت کا تحقق تسلیم کرتا ہے اور یہ سراسر بے ادبی' گستاخی اور نبی الانبیاء ﷺ کی توہین وتحقیر ہے جو کہ سراسر کفر قبیح اور ضلال صریح ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کا اپنا ارشاد گرامی ہے: ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد'' نیز صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا متی وجبت لک النبوۃ یارسول اللہ ﷺ آپ کو کب سے نبوت ملی ہے؟ تو آپ نے فرمایا وآدم بین الروح والجسد میں اس وقت

سے نبی ہوں جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے بین بین تھے یعنی ان کے بدن سے ان کی روح کا تعلق قائم نہیں ہوا تھا''۔

اس سے آگے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کے حوالہ سے بطریق اولویت آپ ﷺ کے بچپن میں نبی ہونے کو ضروری لکھا ہے۔ نیز حضرت یحیٰی علیہ السلام کی مثال وغیرہ کے لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ: لہٰذا ثابت ہوگیا کہ محمد اشرف سیالوی اہل سنت سے خارج ہو چکا ہے وہ اس عظیم گستاخی کا مرتکب ہو کر دائرۂ اسلام اور حلقۂ ایمان سے بھی باہر چلا گیا ہے اور اس نے سابقہ عقیدہ اور نظریہ ترک کر دیا ہے وہابیہ والا نظریہ اور عقیدہ اپنا لیا ہے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۵، ۱۶)۔

نیز صفحہ ۲۰۰ پر لکھا ہے: جب نبی مکرم ﷺ کا اپنا ارشاد گرامی ہے کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے بین بین تھے''۔ تو آپ کی نبوت کا دوام اور تسلسل تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہوگا اور اس کا خلاف اساءت اور بے ادبی ہوگا۔ اور یہ صرف ایک حدیث نہیں ہے بلکہ اس مضمون کی متعدد احادیث کتب احادیث اور کتب سیرت میں مروی ہیں''۔

نیز صفحہ ۲۱۳ پر حضرت بحیرا راہب رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے حوالہ سے بھی اس طرز پر لکھا ہے۔

اقول: تو کیا ہم بھی یہ کہیں کہ موصوف نے یہ جو کچھ نقل کیا ہے وہ سب ان کا عقیدہ ہے؟ اگر کہیں: ہاں! تو اس میں بہت کچھ لکھا ہے پڑھ کر دیکھ لیں۔ اور اگر کہیں: نہیں! تو شیخ کی نقل فرمودہ عبارت سائلین ان کا اپنا عقیدہ کیسے قرار پائی جب کہ الگ سے بھی ان کی تصریحات موجود ہیں کہ وہ آپ ﷺ کو قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے بالدوام بالفعل نبی مانتے ہیں؟

عالم ارواح واجسام کی نبوت کے ''لامحالہ فرق'' سے جواب:

جواب نمبرا:

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کی ان تصریحات سے موصوف کے اس فیصلہ کا غلط ہونا بھی واضح ہوگیا ہے کہ ''تو لامحالہ عالم ارواح کی نبوت اور عالم اجسام کی نبوت میں فرق کرنا ضروری ہے'' (کما قدمرّ) کیونکہ اس کی بنیاد بعثت بمعنی ''جعل'' کے شوشے پر تھی جب وہ غلط ثابت ہوگیا اور واضح ہوگیا کہ حضرت شیخ محقق بعثت بمعنی ظہور نبوت واعلان رسالت لیتے ہیں تو اس کے سہارے قائم کی گئی استدلال کی پوری عمارت خود بخود زمین بوس ہوگئی بلکہ محض بے بنیاد اور فضاء میں ریت کی دیوار ثابت ہوگئی۔ نیز جب فرق ہی ثابت نہ ہوا تو ''ضروری ہے'' کا ثبوت کہاں سے آ گیا۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ فرق ہونے اور فرق کرنے میں زمین وآسمان کا سا فرق

ہے۔ لہٰذا فرق ہے تو نہیں مولانا فرق کرتے ہیں تو یہ ان کا ذاتی کارنامہ ہے ع وایں کار از تو آید و مرداں چنیں مے کنند۔

نیز اس کی بنیاد عبارت سوال مذکور در اشعہ پر نہ ہو تو اس کا غلط ہونا بھی بیان ہو چکا۔

جواب نمبر۲:

علاوہ ازیں وہ خود بھی یہ لکھ کر دے چکے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی نبوت اسی عالم ارواح والی نبوت کا تسلسل تھی جس کا ظہور چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ان کی کتاب تنویر الابصار کے حوالہ سے گذشتہ صفحات میں ان کی ایک عبارت پیش کر آئے ہیں جس کا دوبارہ یہاں لانا بے حد مفید ہے۔ تازہ کر لیجئے۔

چنانچہ زیر بحث حدیث کے حوالہ سے انہوں نے لکھا ہے کہ: ''صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پوچھنے اور سوال کرنے سے کہ آپ کب سے نبی بنے ہو' پتہ چل گیا کہ جن کے گھر پیدا ہوئے اور عمر شریف کے چالیس سال گزارے تھے اور اس قدر طویل عرصہ گزارنے کے بعد نبوت کا اعلان فرمایا۔ جب وہ اس طرح کا سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ ﷺ کب سے نبی ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ ان کے ایمان نے گواہی دی کہ نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ نبوت کا اعلان اور اظہار چالیس سال کے بعد کیا لیکن آپ ﷺ نبی بنے ہوئے پہلے کے تھے۔ اسی لئے یہ نہیں پوچھا کہ تم نے اعلان نبوت و رسالت کب فرمایا بلکہ پوچھا ہے ''متی وجبت لك النبوۃ یا رسول اللہ ﷺ'' آپ کے لئے اے رسول اللہ! نبوت ثابت کس وقت سے ہے؟ اور نبی اکرم ﷺ کا یہ جواب کہ اس وقت سے نبی ہوں جب تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا روح ابھی ان کے جسم میں پھونکا نہیں گیا تھا' صحابۂ کرام کے اس نظریہ و عقیدہ پر مہر تصدیق ہے کہ تم نے درست سمجھا' واقعی میں عمر شریف کے چالیس سال گزار کر نبی نہیں بنا بلکہ اس وقت سے یہ منصب اور اعزاز مجھے حاصل ہے جب کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے تن بدن میں جان نہیں آئی تھی'' اھ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو (تنویر الابصار' صفحہ ۲۲' ۲۳ طبع ضیاء القرآن لاہور' مطبوعہ ستمبر ۱۹۸۵ء)۔

موصوف کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں۔ اس کا ایک ایک لفظ بانگ دہل یہ اعلان کر رہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ چالیس سال کے بعد نبی بنے نہیں بلکہ آپ نے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان اور اظہار فرمایا اور یہ کہ آپ کی یہ نبوت آپ کی اسی عالم ارواح والی نبوت کا تسلسل تھی' صحابۂ کرام کا نظریہ اور عقیدۂ و ایمان یہی تھا جس کے درست ہونے پر آپ ﷺ نے مہر تصدیق ثبت فرمائی کہ ''تم نے درست سمجھا واقعی میں عمر شریف کے چالیس سال گزار کر نبی نہیں بنا بلکہ اس وقت سے یہ منصب اور اعزاز مجھے حاصل ہے جب کہ ابوالبشر

حضرت آدم علیہ السلام کے تن بدن میں جان نہیں آئی تھی''۔

گزشتہ عقیدہ صحیح تھا یا موجودہ صحیح ہے؟

ممکن ہے کہ اس کے جواب میں مولانا یہ کہیں کہ اس عقیدہ کو اب وہ چھوڑ چکے ہیں اس لئے اس حوالہ سے انہیں تنگ نہ کیا جائے؟

تو جواباً عرض ہے کہ اتنا کہہ دینے سے ان کی جان خلاصی نہیں ہو جائے گی بلکہ انہیں یہ بھی بتانا ہوگا کہ اس حوالے سے وہ پہلے صحیح عقیدہ پر تھے یا اب وہ صحیح عقیدہ پر آئے ہیں؟ بہرصورت وہ بقلم خود ایک نہ ایک صورت میں ضرور (معذرت کے ساتھ) گمراہ قرار پائیں گے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کے بارے میں ان کا پہلے والا عقیدہ صحیح تھا تو وہ اب نبی کو غیر نبی کہنے لگے ہیں۔اور اگر اب والا صحیح ہے تو وہ اپنے بچپن' جوانی اور بڑھاپے کے بیشتر حصہ میں غیر نبی کو نبی کہتے رہے جب کہ نبی کی نبوت کا انکار بھی کفر ہے اور غیر نبی کو نبی قرار دینا بھی کفر ہے۔

کیا مصنف تحقیقات واقع میں شیخ کے قائل ہیں؟:

موصوف نے شیخ محقق سے عقیدت کی بناء پر نہیں بلکہ اپنے حوالہ جات کی اہمیت بنانے کی غرض سے آپ کا نام نامی اسم گرامی بڑے القاب وآداب سے لکھا ہے (جب کہ ہمارے نزدیک آپ اپنے مرتبۂ عالیہ کے پیش نظر اس سے بھی زیادہ القاب کے مستحق ہیں)۔چنانچہ موصوف کے لفظ ہیں: ''حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بڑا نبی مکرم ﷺ کا محبّ صادق اور عاشق صادق اور احادیث رسول ﷺ پر اور ان کے مطالب ومعانی تک رسائی حاصل کرنے والا اور ان جیسا کوئی محقق اس متحدہ ہندوستان میں نہیں گزرا'' (تحقیقات' صفحہ ۲۰۳)۔

نیز صفحہ ۱۶۳ پر لکھا ہے: ''عشاقان مصطفیٰ ﷺ کے سرخیل اور افضل المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرّہ العزیز''۔

صفحہ ۲۱۹ پر ہے: ''شیخ اجلّ اور برکۃ المصطفیٰ فی الہند''۔

اقول: اگر موصوف واقعی حضرت شیخ محقق کے قائل ہیں تو انہیں بعثت بمعنی چالیس سال کے بعد نبی بننے کے باطل موقف کو چھوڑ کر حضرت شیخ کے اس نظریہ کو اپنانا ہوگا کہ بعثت کا مطلب ظہور نبوت وظہور رسالت ہے نہ کہ وجود نبوت ووجود رسالت۔اب پتہ چلے گا کہ وہ اس میں کتنے مخلص ہیں۔

عبارات شیخ سے ایک اور جواب:

شیخ کی عبارات شروع میں نقل کی جا چکی ہیں انہیں ایک نظر دوبارہ دیکھیں تو موصوف کے طور پر اشعہ

اورمدارج کی عبارتیں آپس میں متعارض ہیں کیونکہ عبارت اشعہ میں نبی ہونے سے مراد مطلقاً ''اظہارنبوت'' لکھا ہے جب کہ مربی ہونے کو عرفاء کے حوالہ سے علیحدہ کر کے ذکر کیا گیا ہے مگر عبارت مدارج میں اس جہان میں آپ ﷺ کے نبی ہونے سے مراد اظہار نبوت اور مربی ہونے دونوں کو ایک ہی مد میں رکھا گیا ہے جس میں عرفاء اور غیر عرفاء کا فرق نہیں کیا گیا۔ بناءً علیہ موصوف اگر عبارت اشعہ کو لیتے ہیں تو عبارت مدارج ان کے خلاف جاتی ہے۔اسی طرح عبارت مدارج کو اپناتے ہیں تو عبارت اشعہ سے انہیں ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی عبارت ان کے مفید مطلب نہ رہی کہ ''اذا تعارضا تساقطا''۔

عبارت شیخ کا صحیح محمل:

لیکن ہمارے نزدیک ان میں کوئی تعارض نہیں جن کی ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ عبارت اشعہ میں اس جواب کا ذکر ہے جو بعض علماء نے دیا ہے یعنی شیخ اس میں بعض علماء کے طور پر جواب نقل فرمارہے ہیں۔اپنا عندیہ پیش نہیں کر رہے۔جب کہ عبارت مدارج میں آپ کے عندیہ کا بیان ہے پس کوئی تعارض نہ رہا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ عبارت اشعۃ میں نبی ہونے کے مفہوم کا اجمالی اور عبارت مدارج میں اس کی نوعیت کا تفصیلی بیان ہے کہ اس جہان میں آپ ﷺ کو نبی قرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ ملٰئکہ اورارواح طیّبہ کو صرف آپ کے ذاتی اور وصفی نام سے آگاہ کیا گیا بلکہ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ یہ ہمارے فیصلہ کے مطابق ہمارے اور تمہارے درمیان واسطۂ فیض ہیں ہم سے کچھ لینا درکار ہے تو ان کی تربیت میں آنا پڑے گا چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور مستحق فیوضات وفوائد قرار پائے۔

اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ موجہ بھی ہے کیونکہ ملٰئکہ اورارواح انبیاء علیہم السلام میں آپ ﷺ کے اظہار نبوت کے دو معنٰی بنتے ہیں ایک یہ کہ مستقبل میں آپ کے نبی بنانے کا اظہار کیا گیا ہو۔دوسرے یہ کہ یہ اظہار کیا گیا ہو کہ آپ کو اسی وقت نبی بنا دیا گیا ہے۔

اوّل معنیٰ نہیں ہوسکتا کیونکہ مستقبل میں تو عہد الست کے موقع پر سب نبیوں کے متعلق اس کا اظہار کر دیا گیا تھا بناء علیہ حضور ﷺ کی تخصیص ذکر کا فائدہ نہیں رہے گا۔لہٰذا اس سے مقصود حضور کے بالفعل نبی بنائے جانے کا ذکر ہے۔نیز شیخ کا عقیدہ بھی اس عالم میں آپ کے بالفعل نبی ہونے کا ہے(وقد مرّ مراراً)۔تو اس تقدیر پر اور دوسرے معنیٰ ہی متعین ہوئے یعنی اس عالم میں آپ کا بالفعل نبی بنا دیا جانا اس کی تائید عرش الٰہی کی تخلیق کے بعد اسے سکون اور چین مہیا کرنے کے لئے اس پر ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ مبارکہ کے لکھ دینے کی احادیث سے بھی ہوتی ہے کہ یہ جملہ اسمیہ ہے جس کی وضع ثبوت کے لئے ہوتی ہے اور وہ دوام کے

لئے ہوتا ہے حدوث کے لئے نہیں۔ ﷺ ۔

لہٰذا عبارت اشعہ کے شروع میں مذکوران علماء کا جنہوں نے نبی بنائے جانے کے لیے ''اظہار نبوت'' کے لفظ استعمال کئے اور اس کے آخر میں ان علماء کا بھی جنہیں ''عرفاء'' کے لفظوں سے یاد کیا گیا ہے' دونوں کا اس نقطہ پر اتفاق ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کے اس عالم میں نبی ہونے سے مراد آپ کا بالفعل' خارج اور واقع میں نبی ہونا ہے البتہ عرفاء (مرتبہ شناسان نبوت علماء) نے آپ کے بالفعل نبی ہونے کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ یہ نہیں کہ ملٰئکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کو آپ ﷺ کے متعلق اتنا ہی بتا دینے پر اکتفاء کیا گیا کہ یہ ہمارے نبی ہیں بلکہ اظہار نبوت کا مقصد نبی کو دوسروں کی رہنمائی کے لیے شرع کا مہیا کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ ملٰئکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے لیۓ معلم اور مربی بھی قرار پائے اور انہوں نے آپ سے تربیت لے کر اس جہان کے احکام کے مطابق آپ سے فیوض وفوائد اور برکات حاصل کیں۔

چنانچہ حضرت سید المکاشفین شیخ اکبر پھر علامہ فہامہ شعرانی پھر علامہ نبہانی رحمہم اللہ نے اسی معنٰی کو ادا کرتے ہوئے فرمایا: ''فان النبوة لاتكون الا بمعرفة الشرع المقرر عليه من عندالله تعالىٰ'' یعنی کسی کو ظاہر کر کے اسے منصبِ نبوت پر فائز فرمانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ شریعت عطاء کی گئی۔

اس سے پہلے فرمایا: ''اعطى النبوة قبل جميع الانبياء'' یعنی آپ ﷺ کو اس عالم میں سب نبیوں سے پہلے نبوت عطا کی گئی۔ ملاحظہ ہو (جواہر البحار' جلد ا' صفحہ ۴۳' طبع مصر)۔

پس عرفاء کی اس توضیح میں ایک علمی بات زائد ہے جب کہ قاعدہ ہے ''الاثبات مقدم على النفى'' نیز ''من يعرف حجة على من لم يعرف''۔ نیز اس کا تعلق سرکار ﷺ کی عظمت وشان سے بھی ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں راجح بات وہی ہوئی جو ان عرفاء نے ذکر فرمائی ہے۔

خلاصہ یہ کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارتیں موصوف کے ہرگز مفید مدعا نہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کے اس عالم میں بمعنی حقیقی نبی ہونے کو بیان کرتی ہیں نیز یہ کہ خالی تشہیر والا معنی بھی صحیح نہیں اور نہ ہی حضرت شیخ محقق علیہ الرحمۃ کا یہ عندیہ اور ذاتی نظریہ ہے۔ پس موصوف کا یہ بیان قطعاً خلاف واقعہ ہے جو خود ان کی تصریحات کے مطابق ان کے بھی خلاف ہے۔

اشاعتی معنٰی پر اجماع علماء کی حقیقت:

ہمارے اس بیان سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ عبارت اشعہ میں مذکور علماء خالی اشاعت

اور خالی تشہیر نبوت کے معنٰی کے قائل نہیں بلکہ دراصل وہ اس سے آپ ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا موصوف نے جو یہ کہا ہے کہ ''گویا علمائے ظاہر کا اس پر اجماع واتفاق ہے'' اس تفصیل کے پیش نظر یہ اجماع واتفاق بھی آپ ﷺ کے بالفعل نبی ہونے پر ہے۔

لفظوں کا چکر:

مصنف تحقیقات نے خالی اشاعت وتشہیر والا معنٰی نکالا پھر کہا اس کے قائلین سے مراد علماء ہیں پھر کہا یعنی علماء ظاہر کہ عرفاء کے مقابل مذکور ہیں۔ پھر کہا ان کے ساتھ اکثر یا بعض کا کوئی لفظ نہیں لہٰذا کل اس میں آ گئے۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ان کا اجماع اور اتفاق ہے۔ ''گویا'' کا لفظ زائد کیا تا کہ وقت پر دامن بچا رہے عرفاء؟ تو ان سے مراد بعض ہیں کہ ''بعضے از عرفاء'' لکھا ہے یعنی عرفاء حضرات میں سے بعض۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۲۰۵)۔

جب کہ اپنے جوابی مکتوب میں اسے ''بعض صوفیاء کرام'' سے تعبیر کیا۔ (دعوت رجوع، صفحہ ۴۷)۔

جو محض لفظوں کا چکر اور مغالطہ آفرینی ہے اور سارا کلام بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے اور یہ ایسے ہے کہ کسی نے کسی سے پوچھا کیا پکایا ہے؟ اس نے کہا خاک خشک جوابی سے غصے کا آنا لازمی امر تھا۔ اس نے کہا یہ کیا کہہ دیا؟ جواباً کہا ٹھیک تو کہا ہے۔ خاک کا الٹ کاخ ہے۔ کاخ فارسی میں محل کو کہتے ہیں۔ محل کا الٹ لحم ہے۔ لحم کا معنٰی گوشت۔ تو گوشت پکا ہے۔ جب کہ پکا کچھ بھی نہیں تھا۔ خاک ہی پکی تھی۔

حالانکہ عبارت کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ اس نکتہ پر سب محققین کا اتفاق ہے کہ پیش نظر حدیث میں آپ ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کا بیان ہے کیونکہ آپ کے تخصیص بالذکر کا یہی مفاد ہے ورنہ علم الٰہی میں تو سب تھے۔ اس کے بعد اس کی نوعیت کی وضاحت میں آراء مختلف ہوئیں۔ تو جو علماء مقام نبوت کے زیادہ جاننے والے ہیں ان کے نزدیک آپ کا اس وقت اس جہان کی مخلوق کے لئے مربی ہونا بھی بالفعل نبی ہونے کا بنیادی عنصر ہے۔ (کما مرّ)۔

بناءً علیہ ''بعضے از عرفاء'' کے الفاظ میں لفظ ''از'' جو عربی کے حرف مِــــنْ کا ترجمہ ہے، بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں۔ تبعیضیہ کے مفہوم کو ادا کرنا مقصود ہوتا تو ''بعض عرفاء'' کے لفظ فرماتے۔ دلیل یہ ہے کہ صرف بعض صوفیاء اس کے قائل نہیں بلکہ یہ تمام صوفیاء کا مذہب ہے اور اس مسئلہ میں صوفیاء کرام کی دو رائیں قطعاً نہیں ہیں بلکہ بلا استثناء یہ سب کا متفق علیہ ہے۔ پھر شعبہ کے حوالہ سے جو علماء علمائے ظاہر شمار ہوتے ہیں ان کی بھی واضح اکثریت اسی کی قائل ہے کہ آپ اس جہان میں اس عالم کی مخلوق کے مربی بھی تھے۔ جیسے امام علامہ سبکی، امام علامہ

سیوطی، امام قسطلانی، امام علامہ نابلسی، امام المحققین شیخ محقق، امام نابلسی امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام علامہ نبہانی اور امام علامہ محمد بن جعفر الکتانی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اور یہ سب اہل فتویٰ تھے۔ اگر وہی مطلب ہے جو موصوف نے ذکر کیا ہے تو ایک تو مذکور اجلّہ و اعاظم علماء سمیت سب علماء ظاہر علی الاطلاق غیر عرفاء قرار پائیں گے جو صریح البطلان ہے۔

دوسرے علماء ظاہر کا جب خالی اشاعت و تشہیر کے معنی پر بقول صاحب موصوف اجماع اور اتفاق ہے تو اس سے ہٹ کر دوسرا کوئی معنی لینا کفر اور گمراہی قرار پائے گا جیسا کہ اجماع کا حکم ہے قال اللہ تعالیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولّی ونصلہ جہنم وساء ت مصیرا" (والعیاذ باللہ)۔

جس کی زد میں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرت شیخ بھی آ جائیں گے اور پہلے نمبر پر خود مصنف تحقیقات بھی آئیں گے اور آنے بھی چاہئیں کہ انہیں اس کا بڑا شوق ہے کیونکہ ایک طرف وہ اس نظریہ کو تمام علماء کا اجماعی اور متفق علیہ کہہ رہے ہیں پھر یہ بھی ساتھ لکھ رہے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کو اس معنیٰ میں بالفعل نبی نہیں مانتے ہیں کہ آپ اس عالم میں مربی ملٰئکہ اور مربی ارواح انبیاء علیہم السلام بھی تھے جیسا کہ ان کی "تحقیقات" سے تیئیس مقامات کی نشاندہی ابھی گزری ہے۔

اپنے مکتوب میں موصوف نے لکھا تھا: "بعض صوفیاء کرام نے اور علماء کرام نے اس کو ظاہری معنی پر محمول فرمایا ہے" الخ جس کا انہیں تازہ جواب دے دیا گیا تھا کہ جب ظاہری معنی پر محمول فرمایا ہے اور ارشاد نبوی میں عموم ہے جو زمانہ بعد از ولادت تا اعلان نبوت کو بھی شامل ہے تو اس مدت کو خارج کرنا تخصیص اور اشتہاد ہو کر دعویٰ ہے جو محتاج دلیل ہے (الیٰ) پس یہاں عالم اروح اور حقیقت مقدسہ نیز عالم عناصر کا سید عالم ﷺ کے حق میں فرق کرنا بھی قطعاً غیر صحیح ہوا جب کہ تنویر الابصار کے بھی یہ خلاف ہے (دعوت رجوع، صفحہ ۴۷) جس کا جواب تا حال موصوف کے ذمہ قرض ہے پھر بھی جواب دہ ہمیں ہی قرار دے رہے ہیں لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

وبطریق آخر:

عبارات شیخ کو ایک نظر پھر دیکھیں تو ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عبارت اشعہ میں جو دو قول الگ الگ لکھے تھے عبارات مدارج میں انہیں یک جا بیان کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ بنیادی طور پر ان میں کچھ اختلاف نہیں بلکہ من حیث المآل یہ دونوں گویا شیئے واحد ہیں۔

جواب آخر:

اگر موصوف پھر بھی نہ مانیں تو جواباً مزید عرض ہے کہ ان علماء کی یہ تأویل ان کا ذاتی قول ہے جب کہ

ذاتی قول، دعوٰی ہوتا ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جوذکر نہیں کی گئی پھر ظاہر میں حدیث کے بھی خلاف ہے کہ تحمل النصوص علی ظواھرھا۔ جب کہ یہ مسئلہ قیاسی بھی نہیں بلکہ عالم غیب کا ہے جس کے لئے صریح آیت یا صحیح صریح حدیث کام دے سکتی ہے پس وکیل بنے ہو تو اس کے تقاضے بھی پورے کرو۔ لاؤ ایسی واضح آیت یا صحیح اور واضح حدیث نبوی یا کم از کم قول صحابی (کہ وہ اس جیسے مقام میں حکماً مرفوع ہوتا ہے) جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ حدیث کنت نبیا الخ میں محض مشہوری والا معنٰی مراد ہے یا یہ کہ اس مسئلہ میں یہی معنی مراد ہے۔ ہمیں گوی وہمیں میداں، دیدہ باید۔ فھل من مبارز؟

نوٹ: اس مقام پر (صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۹) دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتوں پر موصوف نے جو جارحانہ طریقے سے کلام کیا ہے اس کی بنیاد بھی عبارات شیخ سے بزور اخذ کردہ اور خود ساختہ یہ مطلب ہے کہ معاذ اللہ حضور بھی بالفعل نبی نہ تھے۔ لہٰذا دیگر انبیاء علیہم السلام کیونکر ہوسکتے ہیں۔ جس کے متعلق سردست اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ جب موصوف کی بنیاد کا باطل ہونا ہم نے ثابت کردیا ہے تو ان کا یہ سارا واویلا اصولی طور پر خود بخود بے سود اور غلط ہوگیا۔ تاہم اس میں ہمارے موقف کی تفصیل اسی باب میں اپنے مقام پر آرہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کہ سب انبیاء علیہم السلام پیدائشی نبی ہیں۔

قائلین نبوت پر ہٹ اور چوٹ کا جواب:

مصنف تحقیقات نے حدیث ہٰذا (کنت نبیاً الخ) کی بحث کو ان لفظوں پر ختم فرمایا ہے: ''بہر کیف ہمارا واسطہ ایسے ''مجتہدین'' سے ہے جنہیں علوم وفنون، محاورات عرب، حقیقت ومجاز صریح وکنایہ، تشبیہ وتمثیل اور مثال ونظیر وغیرہ میں فرق کا ذرہ بھر علم نہیں ہے۔ ان کی ساری علمیت کا دارومدار سنی سنائی باتوں پر ہے۔ مطالعہ اور کتب بینی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ نہ اکابر کی کتب سے مس، نہ ان کے نظریات کا علم اور بایں ہمہ، ہم چوں ما دیگرے نیست کا بلند بانگ دعوے بھی رکھتے ہیں''۔ (بلفظہ) (تحقیقات، صفحہ ۲۰۹)۔

اقول: یعنی یہ سارے علمی کمالات حضرت کی ایک ذات میں جمع ہیں مگر افسوس کہ انہیں کسی طرف سے اہمیت نہیں دی جارہی۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ کوئی کام کی اور علمی معیار کی بات نہیں کررہے اس لئے حقیقت میں وہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کی طرف کان لگایا جائے۔ لہٰذا اب یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ ہمیں ایک ایسے شخص سے کلام کرکے وقت ضائع کرنا پڑرہا ہے جو سب کچھ جاننے کے باوجود کچھ بھی ماننے کو تیار نہیں کہ اسے ''ہمچو ما دیگرے نیست'' کا اثر ہے۔ الغرض ایسے علوم وفنون کا فائدہ ہی کیا ہے جو شان نبوت سے بیگانہ کردیں۔ ولنعم ماقاله الشيخ السعدی رحمه الله۔

ع علمے کہ راہ بحق ننماید جہالت است

باقی ''درجۂ اجتہاد'' پر فائز بھی حضرت کی ذات ہی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اجتہاد کی ضرورت تب ہوتی ہے جب نص شرع نہ ہو۔ ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ ہمارے پاس قرآن وسنت کی نصوص موجود ہیں قال اللہ تعالیٰ واذا اخذنا من النبیین میثاقھم ومنك ومن نوح وابراھیم وموسٰی وعیسٰی بن مریم الآیۃ۔

نیز باب سوم میں بکثرت حوالہ جات سے گزر چکا ہے کہ آیت ہذا میں ''منک'' کی تقدیم کی وجہ خود رسول اللہ ﷺ سے یوں منقول ہے کہ ''کنت اول النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث''۔

نیز بے شمار حوالوں سے یہ حدیث بھی لکھی جا چکی ہے کہ ''قالوا یارسول اللہ متی وجبت لك النبوۃ؟ قال وآدم بین الروح والجسد''۔

نیز اس مضمون کی دیگر متعدد احادیث بھی ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب سوم۔ جس کا خود موصوف کو بھی اقرار ہے کہ اس مضمون کی احادیث ثابت ہیں۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۰۰)۔ نیز کوثر الخیرات اور تنویر الابصار' صفحہ ۲۲' ۲۳' وغیرہما۔

جس سے ثابت ہوا کہ موصوف کے پاس ان کے موقف کی قرآن وحدیث سے ایسی کوئی دلیل ہوتی تو وہ اجتہاد سے کام نہ لیتے۔ باقی وہ جو آیتیں یا حدیثیں پڑھتے ہیں ان میں اور ان کے دعویٰ میں مطابقت نام کی کوئی چیز نہیں۔ اور وہ اس نوعیت کی ہیں کہ مثلاً پنجگانہ نماز فرض ہے جس کی دلیل ہے الم ترکیف فعل ربك۔ روزۂ رمضان فرض ہے۔ یہ بھی بلا دلیل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لایلف قریش حج فرض ہے بدلیل فاغسلوا وجوھکم وغیرہ وغیرہ۔

ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو ____ سبحٰن اللہ۔

شہادات حضرت بحیرا راہب ﷺ پر اعتراضات کے جوابات

فقیر نے مصنف تحقیقات کے جواب الجواب میں مزید اپنے دلائل میں لکھا تھا کہ: ''اعلان نبوت سے پہلے سید عالم ﷺ اپنے عم مکرم جناب ابوطالب کے ساتھ ملک شام کی جانب پہلی مرتبہ ایک تجارتی قافلہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت بحیرا راہب نے اپنی خلوت گاہ سے نکل کر نہ صرف یہ کہ قافلے کا استقبال کیا بلکہ تمام شرکاء قافلہ کو کھانا بھی پیش کیا۔ حالانکہ یہ قافلہ ہر سال وہاں سے گزرتا تھا مگر وہ کبھی ان کی طرف ملتفت نہ ہوئے اس کا طویل قصہ بھی کئی وجوہ سے (عبارۃً' اشارۃً' اقتضاءً ' ودلالۃً) ہمارے موقف کی نص و دلیل ہے۔ چنانچہ:

- اسی واقعہ میں ہے کہ بعض شرکاء قافلہ نے حضرت بحیرا سے پوچھا کہ آج ہم پر اس قدر فیاضی کیوں ہے پہلے تو ہمیں کبھی اس طرح کا اعزاز نہیں دیا گیا یعنی ان کو بھی احساس ہوا کہ کوئی خاص بات ہے۔
- پھر کھانے کے لیئے جب سب بیٹھ گئے سرکار ﷺ ابھی تشریف فرما نہ ہوئے تھے' حضرت بحیرا نے اپنے علم کی روشنی میں (حضور کو غیر موجود پا کر) فرمایا دیکھو' کھانا شروع نہ کرو جب تک سب نہ آ جائیں۔ لوگوں نے حضور کے متعلق کہا وہ نہیں پہنچے' باقی سب موجود ہیں۔ فرمایا: ان کو بلاؤ ان کے بغیر کھانا نہیں کھانا۔ چنانچہ آپ تشریف فرما ہوئے اور سب نے کھانا کھایا۔
- اس دوران بحیرا آپ علیہ السلام کو انتہائی گہری نظر سے دیکھتے رہے اور حضور کے بارے میں جو انہوں نے پڑھ رکھا تھا' وہ نشانیاں ملاحظہ کرتے رہے۔
- کھانے کے بعد انہوں نے حضور ﷺ سے آزمائشاً لات وعزّیٰ (بتوں) کی قسم دے کر ایک بات پوچھی تو آپ نے جھٹک کر فرمایا ان کا نام لے کر مجھ سے بات نہ کرو' مجھے ان سے سخت نفرت ہے۔
- انہوں نے پوچھا: جناب کی نیند کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا: ''تنام عیناى ولا ينام قلبی'' میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے۔
- سرکار ﷺ کی چشمان مبارک میں پائے جانے والے انتہائی جاذب اور دلکش سرخ ڈوروں کو بغور دیکھ

کرانہوں نے ان لوگوں سے پوچھا' یہ ڈورے ہمیشہ رہتے ہیں یا کبھی کبھی؟ جواب ملا: ''مارأ ینا ھا فارقتہ قط''یعنی یہ ڈورے ہم نے کبھی ختم نہیں دیکھے۔

○　اس ضمن میں انہوں نے قمیص مبارک ہٹا کر آپ کے مبارک کندھوں کو بھی دیکھا

○　نیز جناب ابوطالب سے انہوں نے پوچھا: یہ آپ کے کیا لگتے ہیں؟ بتایا یہ میرے بیٹے ہیں۔فوراً کہا ''ما ھوابنك وما ینبغی لھذا الغلام ان یکون ابوہ حیًا'' یہ آپ کے بیٹے نہیں ہو سکتے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کے والد گرامی بقید حیات ہوں۔ جناب ابوطالب نے جواب دیا واقعی ان کے والد ماجد وفات پا چکے ہیں' میں ان کا چچا لگتا ہوں۔ کہنے لگے ان کو شام کی طرف مت لے جاؤ' یہود نے ان کو دیکھ اور پہچان لیا تو انہیں ایذاء دیں گے کیونکہ انہیں ان سے سخت عداوت ہے۔

○　اس موقع پر حضرت بحیرا نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ مبارک تھام کر اور لوگوں کو متوجہ کر کے کہا: ''ھذا سیدالعلمین ھذا رسول رب العلمین ھذ یبعثہ اللہ ورحمة للعلمین''وفی روایة ''ھذا نبی اللہ الذی یرسلہ من العرب الی الناس کافة''وفی روایة ''ھذا نبی ھذہ الامة''وفی روایة ''وجھہ وجہ نبی وعینہ عین نبی''یعنی یہ کائنات کے سردار ہیں' یہ رب العلمین کے رسول ہیں یہ ہیں جن کی شان رحمة للعلمین کا ظہور ہونے والا ہے۔ یہ اس امت کے نبی ہیں جو ہیں تو عرب سے مگر ان کی نبوت تمام نسل انسانیت کے لئے ہے۔ان کا رخ انور بتاتا ہے کہ یہ نبی ہیں' ان کی چشمان مبارک سے بھی ان کی نبوت کا پتہ چلتا ہے۔

○　اسی میں ہے کہ کچھ لوگوں نے ان سے پوچھا: ''ما علمك'' آپ کو اس کا علم کیونکر ہوا؟ تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا: انکم حین اشرفتم من العقبة لم یمر بشجر ولا حجر الاخرّ ساجدا ولا یسجدان الا لنبی ''تم فلاں گھاٹے سے گزرے ہو گے اس کا کوئی درخت اور پتھر ایسا نہیں ہو گا جس نے آپ کو سجدہ نہ کیا ہو جب کہ یہ نبی ہی کی شان ہے (کہ شجر و حجر اسے سجدہ کرتے ہیں)

○　وانی اعرفہ بخاتم النبوة الخ میں انہیں مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو ان کے شانے پر ہے۔

○　اسی میں ہے کہ جب وہاں تشریف لائے تو کیفیت یہ تھی کہ ''علیہ غمامة تظلہ'' آپ پر بادل نے سایہ کر رکھا تھا۔بحیرا نے فرمایا: ''انظروا الیہ' علیہ غمامة تظلہ'' (ایک نشانی یہ بھی) دیکھو کہ بادل نے آپ پر سایہ کیا ہوا ہے۔

○　نیز یہ بھی کہ تمام لوگ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے تھے' سایہ کی جگہ بالکل ختم تھی' حسب عادت کریمہ (کہ جہاں جو جگہ ملتی' تشریف فرما ہو جاتے اور اٹھو' ہٹو' بچو نہیں فرماتے تھے) آپ سب سے پیچھے غیر

سایہ دار جگہ پر تشریف فرما ہوئے "فلما جلس مال فیئی الشجرۃ علیہ" آپ جوں ہی بیٹھے درخت نے اپنی شاخیں آپ پر پھیلا کر آپ پر سایہ کر دیا۔ بحیرا نے فرمایا: "انظروا الی فیئی الشجرۃ مال علیہ" (ایک نشانی مزید) دیکھو، درخت نے آپ پر سایہ کر دیا ہے یا درخت کا سایہ آپ پر آ گیا ہے۔

○ اسی میں یہ بھی ہے کہ حضرت بحیرا نے فرمایا کہ ان کی یہ شان ہمیں اپنی آسمانی کتب سے نیز اپنے آباء واجداد سے سینہ بہ سینہ پہنچی ہے اور اس کے متعلق ہم سے انتہائی پختہ عہد لئے گئے۔

جناب ابوطالب نے پوچھا: "من اخذ علیکم المواثیق"؟ یہ عہد تم سے کس نے لئے؟ جواب دیا: "اللہ اخذ علینا نزل بہ عیسٰی بن مریم" اللہ تعالیٰ نے لئے! جو بنیادی طور پر ہمارے پیغمبر حضرت عیسٰی علیہ السلام لائے تھے۔

○ اسی میں یہ بھی ہے کہ مجلس ابھی برخاست نہیں ہوئی تھی کہ اس میں نو عدد رومی یہودی پہنچے۔ بحیرا نے ان سے ان کے آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: "جئنا الی ھذا النبی الذی ھو خارج فی ھذا الشھر" الخ" یعنی ہمیں ہمارے علم کی روشنی میں نبی آخر الزماں کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ اس ماہ میں اپنے وطن سے باہر نکلے ہیں' ان کی تلاش میں ہم نے ہر طرف آدمی بھیجے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کے ہاں ہیں۔

بحیرا نے فرمایا: اللہ جب کوئی کام کرنا چاہے تو اس میں کوئی رکاوٹ بن سکتا ہے؟ کہنے لگے: "نہیں۔ فرمایا: تو اس سے تعرض مت کرو' یہ امر ہو کر رہے گا۔ پس ان یہودیوں نے بحیرا کے ہاتھ پر' تعرض نہ کرنے کی بیعت کی اور وہیں کے ہو کر رہ گئے (ملخصاً)۔

ملاحظہ ہو (جامع الترمذی' جلد ۱' صفحہ ۲۰۲' ابن ابی شیبہ' حاکم' بیہقی' ابونعیم' الخرائطی فی الہواتف' ابن سعد' ابن عساکر عن سیدنا علی وابی موسیٰ الاشعری وابن اسحاق وعبداللہ بن محمد بن عقیل وابی مجلز وغیرہم۔ الخصائص الکبریٰ' جلد ۱' صفحہ ۸۳ تا ۸۶ نیز حجۃ اللہ علی العٰلمین للامام النبہانی' صفحہ ۱۵۷ تا ۱۵۹)۔

اقول: امام ترمذی نے حدیث ہٰذا کو حسن اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا۔ امام سیوطی نے فرمایا: "ولھا شواھد عدۃ سأوردھا تقتضی بصحتھا" خلاصہ یہ کہ روایت ہٰذا کے متعدد شواہد ہیں جو اس کے صحیح ہونے کے مقتضی ہیں۔

امام ابن حجر نے الاصابۃ میں کہا: "رجالہ ثقات" یعنی اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

ذہبی نے اس میں "حضرت بلال کی موجودگی والے جملہ" کے حوالہ سے کلام کیا ہے۔ ابن حجر فرماتے

ہیں: ''ولیس فیہ منکر سوی ہذہ اللفظۃ ۔ فتحمل علٰی انہا مدرجۃ فیہ متقطعۃ من حدیث آخر وھما من احد رواتہ ''یعنی اس جملہ کے سوا پوری حدیث کا کوئی حصہ ایسا نہیں جو منکر ہو جس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یہ کسی اور روایت کا حصہ تھا جو اس کے کسی راوی کے وہم سے اس میں درج ہو گیا ہے (جامع ترمذی جلد ۲'صفحہ ۲۰۲۔ نیز الخصائص الکبریٰ جلد ۱'صفحہ ۸۳'۸۴)۔

ثم اقول: ابن سعد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ: ''ان النبی ﷺ کان ابن اثنتی عشرۃ سنۃ ''یعنی نبی کریم ﷺ کی عمر شریف اس وقت بارہ برس تھی۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱'صفحہ ۸۵)۔

جب کہ علامہ سید یوسف بن اسمٰعیل نبہانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''وکان سنۃ تسع سنین علی الراجح ''یعنی راجح یہ ہے کہ اس وقت آپ کی عمر شریف نو سال تھی (حجۃ اللہ علی العٰلمین'صفحہ ۱۵۷)۔

خلاصہ: یہ کہ حضرت بحیرا رضی اللہ عنہ کا یہ پورا واقعہ بھی ہمارے موقف کی دوٹوک دلیل ہے۔ حضرت بحیرا کے حوالہ سے اس قسم کا ایک اور واقعہ بھی منقول ہے کہ سید عالم ﷺ نے بیس برس کی عمر شریف میں بھی شام کا سفر فرمایا۔ اس وقت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ آپ کی معیت میں تھے۔ آپ علیہ السلام بحیرا کے علاقہ میں ایک بیری کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ 'حضرت بحیرا کے پاس کچھ معلومات لینے گئے' انہوں نے حضرت ابوبکر سے پوچھا: یہ بیری کے درخت کے سائے میں جو بیٹھے ہیں' کون ہیں؟ حضرت صدیق نے سرکار علیہ السلام کا نام مبارک لیا۔

○ بحیرا نے فرمایا: ''ھذا واللہ نبی ما استظل تحتھا بعد عیسٰی بن مریم الا محمد ﷺ ''اللہ کی قسم آپ اللہ کے نبی ہیں' حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کے بعد حضور کے سوا اس درخت کے سائے میں کوئی بیٹھا ہی نہیں ہے (حضرت ابوبکر الصدیق کے دل پر اس کا اثر ہوا اسی کے نتیجے میں انہوں نے آپ ﷺ کے اعلان بنوت کے بعد آپ کی بلاتوقف پیروی کی) ملخّصاً۔ (اخرجہ ابن مندہ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ۔الخصائص الکبریٰ جلد ۱'صفحہ ۸۶)۔

اقول: روایت ہٰذا بھی مانحن فیہ کی بیّن دلیل ہے ولایحتاج الی دلیل۔

ثم اقول: ''قال السیوطی بسند ضعیف ''جس کا جواب وہ دیباچہ میں خود دے آئے ہیں کہ:

''ونزھتہ عن الاخبار الموضوعۃ وما یرد وتتبعت الطرق والشواھد لما ضعف من حیث السند'' (الخصائص الکبریٰ جلد ۱'صفحہ ۸۶)۔

وایضاً: ''قال ابن حجر فی الاصابۃ ان صحت ھذہ القصۃ فھی سفرۃ اخرٰی بعد سفرۃ

ابی طالب" (الخصائص، جلد۱، صفحہ۸۶)۔ ملاحظہ ہو (دعوت رجوع، صفحہ۲۱ تا۲۶ طبع "فدایان ختم نبوت، پاکستان، لاہور)۔

بیشتر حصہ کا جواب نہیں دیا:

مصنف تحقیقات حضرت بحیراؒ کے تصدیق نبوت کے ان دونوں واقعات میں سے کسی ایک کی بھی صحت وصداقت سے انکار نہیں کر سکے بلکہ ان کے صحیح اور سچ ہونے کا انہوں نے صراحت کے ساتھ اقرار کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "بحیرا نے آپ کو نبی کہا اور بار بار کہا"۔

نیز کچھ آگے لکھا ہے: "یہ بارہ سال کی عمر میں آپ کا سفر تھا (الی) س کے بعد بیس سال کی عمر شریف میں آپ نے شام کا سفر اختیار فرمایا۔ صدیق اکبرؓ ساتھ تھے" (ملخصاً بلفظہ) (تحقیقات صفحہ۲۱۳، ۲۱۶)۔

پھر ان واقعات کی کئی شقوں کا جواب دینا تو کجا ان کی جانب ہلکا سا اشارہ بھی نہیں کیا جیسے شق نمبر۱۰ میں ہے کہ شجر وحجر نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا بحیرا نے فرمایا "ولا یسجدان الاّلنبی" حجر وشجر نبی ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔

نیز شق نمبر۱۲ میں ہے کہ آپ ﷺ جب کڑکتی دھوپ کے وقت میں تشریف لائے تو سب نے دیکھا کہ بادل نے آپ پر سایہ کر رکھا تھا۔

نیز شق نمبر۱۳ میں ہے کہ آپ مجلس قوم کے کنارہ پر غیر سایہ دار جگہ پر تشریف فرما ہوئے تو درخت نے اپنی ٹہنیاں آپ ﷺ کے اوپر پھیلا کر آپ پر سایہ کر دیا۔ اور یہ سب معجزات ہیں جب کہ معجزہ نبی کا ہوتا ہے اور حضرت بحیرا نے بھی خصوصیت کے ساتھ ان چیزوں کو آپ کے نبی ہونے کے طور پر بیان فرمایا اور اس امر کی طرف لوگوں کو متوجہ بھی کیا۔

اسی طرح شق نمبر۷ اور ۱۱ میں مہر نبوت کا ذکر ہے وغیرہ وغیرہ جس کا کوئی جواب موصوف نے بالکل نہیں دیا۔

ان واقعات کی صرف ایک دو شقوں کو لے کر ان پر تبصرہ کیا ہے جس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ 'اعتراضات کی ہے' اسے کوئی منصف مزاج اہل علم، جواب نہیں کہہ سکتا۔ اور وہ بھی انتہائی سطحی قسم کے ہیں۔

اور تو اور رہا قرآن مجید کی ایک آیت بھی غلط لکھی ہے۔ چنانچہ صفحہ۲۱۴ پر ہے: باری تعالیٰ نے فرمایا: "جحدوا بها واستيقنتهم انفسهم"۔ حالانکہ قرآن میں "واستیقنتھا" ہے نیز "جحدوا" سے پہلے "و" بھی ہے۔ اب نمبروار ان اعتراضات کے جوابات لیجیے۔

لاینام قلبی پر اعتراضات کے جوابات:

واقعہ بحیراﷺ کی شق نمبر ۵ میں ہے: ''انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا: جناب کی نیند کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا: ''تنام عینای و لاینام قلبی ''میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے''۔

مصنف تحقیقات نے جواب کے نام سے اس پر ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ:

اعتراض نمبر ۱:

''انبیاء علیہم السلام کے ظاہر بشری اور باطن ملکی حالت میں ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور ملٰئکہ سے فیوض حاصل کرتے ہیں۔ لازمی تقاضا یہ ہے کہ دونوں طرف مناسبت ہو۔ باری تعالیٰ سونے اور اونگھنے سے ''پاک'' ہے اور ملٰئکہ بھی اس سے منزہ اور مبرا ہیں۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کا باطن نیند سے منزہ و مبرا ہونا ضروری ہے۔ تو ان کی فطرت اور باطن پیدائشی طور پر اس امتیازی اور انفرادی شان پر مشتمل ہوتا ہے جس سے نبوۃ بالقوۃ تو ثابت ہوسکتی ہے بالفعل نبوت کا تحقق اور ثبوت لازم نہیں آتا جب کہ محل نزاع بالفعل نبوت ہے'' اھ ملخصاً بلفظہ بغیر تغییر مّا۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۱۲' ۲۱۳)۔

جواب نمبر ۱:

مصنف تحقیقات کے طرز پر اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اسی تحقیقات میں صفحہ ۲۰۴' ۲۰۷ پر انہوں نے حضرت شیخ محقق کے تحریر کردہ ایک سوال کی عبارت میں یہ لفظ دیکھ کر کہ ''اگر بالفعل است آں خود در دنیا خواہد بود'' یہ نتیجہ نکالا کہ شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ وجود عنصری اور جسمانی وجود کے لحاظ سے چالیس سال کے بعد آپ کا بالفعل نبی ہونا تسلیم کرتے ہیں''۔

ہم نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ یہ سوال کی زبان ہے جو مجیب کے نظریہ کو ثابت نہیں کرتی خصوصاً جب کہ مجیب کی تصریحات بھی اس کے خلاف موجود ہوں لیکن ہوسکتا ہے کہ موصوف پھر بھی نہ مانیں تو ان کی سوچ کے مطابق ہم بھی عرض کرسکتے ہیں کہ پیش نظر بحث میں انہوں نے بھی جواب سے قبل جو سوال تحریر کیا ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ ''آپ (ﷺ) نے بالعموم ہر نبی کا بھی اور بالخصوص اپنا امتیازی مقام یہ بیان فرمایا ہے اور وہ بھی بچپن سے تو اس کے بعد بچپن ہی میں آپ کے نبی ہونے کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی''۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۱۲)۔

تو کیا ہم بھی ان الفاظ کو موصوف کا نظریہ کہہ کر اس کے نتائج بیان کرسکتے ہیں کہ مثلاً خود ہی بچپن سے نبی مان گئے اور اگلی سطور میں اس سے مکر گئے پس تعارض کا شکار ہوگئے وغیرہ وغیرہ۔

جواب نمبر۲:

فرماتے ہیں: ''جب کہ محل نزاع بالفعل نبوت ہے''۔ یعنی شان نبوت کے ایک پہلو پر وہ ہم سے جھگڑا کر رہے ہیں۔ موصوف اس وقت کو یاد کریں جب اس جیسے مراحل پر وہ جھگڑنے والوں سے نمٹا کرتے تھے اور شان نبوت کو ردّ کرنے کی بجائے تأویلات وتوجیہات کے ڈھونڈنے میں کوشاں ہوتے تھے اور اب وہ سیدھا کہہ رہے ہیں کہ انہیں عظمت نبوت کے اس مسئلہ پر ہم سے نزاع (جھگڑا) ہے۔ پس انہیں اپنی اس ناقابل تعریف کیفیت پر بار بار نظر کر کے اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

جواب نمبر۳:

سید عالم ﷺ کے حق میں اسے ''بالقوۃ'' پر محمول کرنا ہرگز ہرگز درست نہیں کیونکہ حضرت بحیرا کے اس واقعہ کے موقع پر آپ ﷺ سے کچھ معجزات کا ظہور بھی مذکور ہے جیسے حجر وشجر کا آپ کو سجدہ کرنا' بادل کا سایہ کرنا اور درخت کا اپنی ٹہنیاں پھیلا کر آپ پر سایہ کرنا وغیرہ۔ جب کہ معجزہ نبی کا ہوتا ہے اور ظہور معجزہ بالفعل نبی ہونے کی دلیل ہے۔

جواب نمبر۴:

علاوہ ازیں حضرت بحیرا کے کئی الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے آپ کا وصف نبوت سے بالفعل موصوف ہونا بیان فرمایا مثلاً ''ھذا رسول رب العلمین''، ''ھذا نبی اللہ''، ''وجھہ وجہ نبی وعینہ عین نبی'' نیز ''انی عرفہ بخاتم النبوۃ'' اور ''ھذا واللہ نبی''۔

یہ سب جملے مع ترجمہ گزر چکے ہیں ان کو دوبارہ پڑھیں۔

جواب نمبر۵:

اس سے قطع نظر ''بالقوۃ اور بالفعل ضدان لا یجتمعان'' مسلمہ اصول سے ہے یعنی بالقوۃ اور بالفعل ایک دوسرے کی ضد ہیں جو ایک ساتھ موجود نہیں ہو سکتے۔ بالفاظ دیگر جو امر بالقوۃ ہوگا وہ بالفعل نہیں ہو گا۔ پھر بالفعل بن جانے کے بعد بالقوۃ نہیں رہے گا اور اسے بالقوۃ کہنا خلاف اصول موضوعہ ہوگا۔ مثلاً انڈے میں چوزہ بن جانے کی صلاحیت ہے لیکن وہ چوزہ بنا نہیں۔ جب تک صلاحیت ہے تو وہ بالقوۃ چوزہ ہے اور جب وہ چوزہ بن جائے تو بالفعل چوزہ ہے جب چوزہ بن گیا تو اس کا بالقوۃ چوزہ ہونا ختم ہو گیا۔ اور اب بالفعل چوزہ بننے کے بعد اسے ''بالقوۃ'' کہتے رہنا اہل عقل کے نزدیک درست نہیں بلکہ قطعی طور پر غلط ہے۔

اب آیئے پیش نظر مسئلہ کی طرف! ہم نے باب سوم میں نیز باب ہفتم میں نہایت ٹھوس دلائل سے

ثابت کر دیا ہے کہ سید عالم ﷺ زمانہ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے بمعنی حقیقی بالفعل نبی ہیں بلکہ خود موصوف کی تازہ ''تحقیقات'' کے کم و بیش تیس ایسے مقامات کی نشان دہی بھی کر چکے ہیں جن میں انہوں نے آپ ﷺ کے اس عالم میں بالفعل نبی ہونے کی تصریحات کی ہیں۔ ابھی آپ نے پڑھا کہ کوئی بھی چیز جب بالفعل حیثیت میں آ جائے تو وہ بالقوۃ نہیں رہتی۔ پس آپ ﷺ جب بالفعل نبی بن گئے تو اس کے بعد ہر دور میں ہر زمانہ میں، ہر مرحلہ میں اور ہر مقام پر بالفعل نبی ہی تھے جس میں واقعہ بحیرا بھی شامل ہے جب کہ اس نبوت کے سلب یا زائل یا معطل ہو جانے کی بھی قرآن و حدیث سے کوئی صریح دلیل نہیں ہے نیز ائمۂ شان کی تصریحات بھی موجود ہیں کہ نبوت سلب ہونے وغیرہ سے پاک ہوتی ہے۔ نیز اسی طرح سے عالم ارواح اور عالم اجسام میں فرق ہونے کی بھی کوئی معیاری شرعی دلیل نہیں ہے (فتعین ما قلناہ والحمد للہ علی ذلک)۔

جواب نمبر۲:

اس سے قطع نظر کتاب ہذا کی جلد اوّل میں دلیل نمبر ۱۹۴ کے تحت متعدد حوالہ جات سے ہم ثابت کر آئے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس امر (قلب مبارک کے بیدار رہنے) کو کئی مواقع پر اپنے نبی ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہود نے آپ سے نبی کی نشانی پوچھی تو آپ نے ان سے فرمایا: ''تنام عیناہ ولا ینام قلبہ'' اس کی آنکھیں سوتی ہوں گی مگر دل بیدار رہتا ہوگا۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود یہود کو قسم دے کر ان سے پوچھا بتاؤ میرے متعلق تورات میں یہ ہے یا نہیں کہ ''ان ھذاالنبی تنام عیناہ ولاینام قلبہ'' اس نبی کی آنکھیں تو سوتی ہوں گی مگر دل جاگتا ہوگا جس کا انہوں نے اقرار کیا تو آپ نے ''اللھم اشھد'' کے لفظ ارشاد فرمائے۔ یعنی اے اللہ گواہ ہو جا۔

مذکورہ بالا روایت نمبر۱ کو مصنف تحقیقات نے بھی لکھا ہے۔ ان کے لفظ ہیں: ''کچھ یہودیوں نے آپ سے مختلف سوال کئے جن میں ایک یہ تھا کہ ''اخبرنا عن علامۃ النبی'' ہمیں نبی کی علامت نبوت کے بارے میں بتائیں۔ تو آپ نے فرمایا: ''تنام عیناہ ولا ینام قلبہ'' اس کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل بیدار رہتا ہے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۱۲)۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان ارشادات میں بالقوۃ کی قید نہیں لگائی۔ نہ ہی یہود نے آپ سے بالقوۃ نبی کے متعلق پوچھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے ان سے بالقوۃ نبی کا سوال فرمایا ''ان ھذا النبی'' سے متبادر بالفعل ہی ہے۔ پس خود حضور کے فیصلہ کے بعد کسی کے عندیہ کی کیا وقعت رہ سکتی ہے بلکہ اس طرح کا اقدام تو کجا سوچنا بھی امتی کے لئے ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ

والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذٰلك خیر واحسن تأویلا ''جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے ہوتے ہوئے اپنے فیصلوں کے ٹھونسنے والا اپنے ایمان اور انجام کی خیر منائے نیز اس کے خاتمہ بالخیر ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں۔ مزید تسلی درکار ہو تو حضرت فاروق اعظم ﷛ سے رابطہ کیا جائے۔ آپ انتظار فرما رہے ہیں۔

جواب نمبر ۷:

مصنف تحقیقات کے یہ الفاظ کہ ''جس سے نبوۃ بالقوۃ تو ثابت ہوسکتی ہے بالفعل نبوت کا تحقق اور ثبوت لازم نہیں آتا''۔ ان کا دعوی ہے جس کی کوئی دلیل انہوں نے پیش نہیں کی جب کہ اس کے لئے دلیل کا کام بھی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث نبوی ہی دے گی کیونکہ یہ غیب کا مسئلہ ہے جس کی وضاحت قرآن وحدیث کے غیر سے نہیں ہوسکتی۔ بلفظ دیگر اس کی حیثیت احتمال کی ہے جب کہ ''لازم نہیں'' سے بالفعل کے احتمال کو بھی درست مان رہے ہیں جس کا قوی ہونا ہم ابھی جواب نمبر ۶ میں حدیث نبوی سے بیان کر آئے ہیں۔ بناءً علیہ ''بالقوۃ'' کی تاویل قول غیر معصوم' غیر معصوم کی ذاتی رائے اور وہ بھی بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہونے کے باعث واجب الرد ہوئی۔ والحمد للہ۔

اعتراض نمبر ۲:

مصنف تحقیقات نے ''تنام عینای و لاینام قلبی'' کے حوالہ سے بعنوان جواب دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ: ''اگر ان مجتہد حضرات کو اسی دعوی پر اصرار ہو تو پھر تمام انبیاء علیہم السلام میں ہی بچپن سے بالفعل نبوت تسلیم کرلیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش حضرات انبیاء میں یہ علامت موجود ہو اور بچپن سے موجود ہو مگر نبوت بالفعل بچپن سے صرف تین حضرات میں ثابت کی جائے۔ دوسروں میں چالیس سال کے بعد ثابت ہو آخر اس تفرقہ کا کیا جواز ہے؟

عقلاء کے نزدیک ایک جگہ دلیل پائی جائے اور دعوی نہ پایا جائے تو اس کو دلیل کہنا قطعاً درست نہیں ہوتا' چہ جائیکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس یا چالیس ہزار مقامات میں سے صرف تین مقامات کے دعوے کے تحقق کو مستلزم ہو (وہ بھی زعم مستدل کے لحاظ سے) اور باقی مقامات میں دعوے کے تحقق کا وہم وگمان بھی نہ کیا جاسکے تو ایسی دلیل کو کوئی عقل مند انسان دلیل کیسے کہہ سکتا ہے؟ وراس سے کوئی ایسا عقیدہ کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے جس میں اختلاف کرنے والے کو ضال' مضل اور کافر تک کے فتووں سے نوازا جاسکے؟ لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ نبی ہونے کے لئے دل کا بیدار رہنا لازم اور ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب سے

دل کی بیداری حاصل ہو جائے تب سے بالفعل نبوت حاصل ہو جائے'' فتأمل حق التأمل ''اھ بلفظہ۔

ملاحظہ ہو۔(تحقیقات' صفحہ ۲۱۴)۔

جواب:

پہلے محث فیہ حدیث کا متعلقہ پورا مضمون تازہ کر لیجئے تاکہ مسئلہ ہذا میں کسی نتیجہ پر بآسانی پہنچا جا سکے تو سنئے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ کچھ یہودیوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ہمیں ہمارے پانچ سوالوں کے جوابات دے دیں تو ''عرفنا انك نبی واتبعناك'' ہم اچھی طرح جان جائیں گے کہ آپ واقعی نبی ہیں اور ہم آپ کی پیروی بھی کریں گے۔تو آپ نے ان سے اس کا حلف لے کر فرمایا: ''ھاتوا'' لاؤ اور پیش کرو اپنے وہ سوالات۔''قالوا اخبرنا عن علامة النبی قال تنام عیناہ ولا ینام قلبه ''الخ۔انہوں نے (ایک) سوال (یہ) کیا کہ آپ ہمیں یہ بتائیں کہ نبی کی خاص نشانی کیا ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا اس کی آنکھیں سوتی ہیں جب کہ اس کا دل نہیں سوتا الخ۔ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۲۱۲)۔

فأقولُ: مصنف تحقیقات یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ نبی میں یہ علامت بعثت اور اعلان نبوت کے بعد سے نہیں بلکہ پیدائشی طور پر ہوتی ہے۔ان کی عبارت ان کے اعتراض نمبر ا کے ضمن میں ابھی گزری ہے اعتراض ہذا میں بھی وہ اسے مکرر تسلیم کر رہے ہیں بناءً علیہ حدیث ہذا ان کے پیش نظر اعتراض کی ایک ایک شق کا دوٹوک جواب ہے۔

چنانچہ اس میں ہے کہ یہود نے آپ ﷺ سے ''نبی'' کی علامت پوچھی اور آپ نے انہیں ''نبی'' کی علامت بتائی ''تنام عیناہ ولا ینام قلبه ''تو جب یہ موصوف کو بھی تسلیم ہے کہ نبی میں یہ علامت پیدائشی ہوتی ہے تو اس سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہر نبی بچپن سے اور پیدائشی نبی ہوتا ہے اور یہی امر قرآن و سنت کے ٹھوس دلائل کے مطابق ہے جس پر محققین کی تصریحات بھی موجود ہیں۔

تفصیل ''میثاق النبیین ''پر موصوف کے اعتراضات کے جوابات میں آ رہی ہے۔لہٰذا بفضلہٖ تعالیٰ ہم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو پیدائشی طور پر بالفعل نبی مانتے ہیں لیکن بالفعل اس معنٰی میں نہیں کہ وہ شروع ہی سے مأمور بالتبلیغ ہوں بلکہ اس معنٰی میں کہ وہ عنداللہ پہلے سے نبی قرار دیئے جا چکے تھے اور وصف نبوت سے متصف و موصوف تھے اور یہ وصف ان کی ذوات قدسیہ میں مستقر تھا۔جس کی ایک دلیل سید عالم ﷺ کے حسب فیصلہ یہ ہے کہ ''تنام عیناہ ولا ینام قلبه'' صدق رسولنا الکریم۔

مزید دلیل ان کی شانِ عصمت بھی ہے جو قبل از اعلان نبوت بھی بالاتفاق ان میں لازمی طور پر پائی جاتی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آ رہی ہے۔

پس ہمیں الحمد للہ ''اس پر اصرار ہے'' کہ یہی فیصلۂ سید الابرار ہے ﷺ۔ اور جو نہ مانے وہ حب دار نہیں پکا غدار ہے لہٰذا اس کا واویلا بے کار ہے۔ اور بولو کیا درکار ہے؟

ہمارے ان الفاظ سے موصوف کی اگلی پوری تقریر کافور اور ہباءً منثوراً ہوگئی مثلاً یہ کہ ''تمام حضرات انبیاء میں یہ علامت بچپن سے موجود ہو مگر نبوت بالفعل کو بچپن سے صرف تین حضرات میں ثابت کیا جائے دوسروں میں چالیس سال کے بعد ثابت ہو'' الخ۔ کیونکہ حدیث ہٰذا سب کے پیدائشی نبی ہونے کو بیان کر رہی ہے اور ہم سب کو پیدائشی نبی مانتے ہیں البتہ ہر ایک کی نبوت کا ظہور حسب حکمت وحکم خداوندی قدرت کے مجوزہ وقت پر ہوا۔ جن کا بچپن میں ظہور ہوا ہم نے انہیں بچپن میں اس منصب پر فائز مانا اور وہ حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں اور ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی اس شان کا ظہور تخلیق آدم علیہ السلام سے بھی قبل ہوا لہٰذا ہم نے آپ کو اس شان میں سب سے اوّل مانا اور جن کا ظہور چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا ان کے حق میں اسی کے مطابق قول کیا۔ یہ ہے وہ جواز جس کا موصوف نے سوال کیا ہے۔ باقی نبوت کے لئے چالیس سال کی عمر کا بطور شرط لازمی ہونا بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے جس کا مفصّل بیان باب نہم میں آ رہا ہے۔

اسی طرح ان کا یہ کہنا بھی ذرہ بے مقدار کی طرح اڑ گیا کہ ''عقلاء کے نزدیک ایک جگہ دلیل پائی جائے اور دعویٰ نہ پایا جائے تو اس کو دلیل کہنا قطعاً درست نہیں'' الخ۔

کیونکہ دعویٰ دلیل سب میں پایا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا فیصلہ موجود ہے پس عقلاء کے نزدیک یہی حرف آخر ہے تو جو عقل مند انسان ہوگا وہ اس کے دلیل نبوت ہونے سے کبھی انکار نہیں کرے گا۔ لہٰذا صرف تین مقامات سے اسے خاص کہنا اور اس کو بھی زعم مستدل سے تعبیر کرنا اور باقیوں میں ''تحقق کا وہم گمان بھی'' نہ ہونا قرار دینا بذاتِ خود مصنف تحقیقات کا وہم ہے۔ موصوف اپنے اس کلام باطل ومختل نظام میں ان تمام ائمہ اسلام اور بزرگان دین کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ بے عقل اور کم فہم قرار دے کر ان کی شدید توہین کر گئے ہیں۔ (جو آپ علیہ السلام کے پیدائشی نبی ہونے کے قائل ہیں جن کے مفصل حوالہ جات باب ہفتم میں گزر چکے ہیں) مگر شاید انہیں جوش میں اس کا پتہ بھی نہیں چل رہا پھر جب یہ حدیث ثابت ہے تو عقیدہ کی بنیاد ثابت ہے اور اس کا منکر ضرور حسب درجۂ انکار اس کا ملزم ہوگا۔ پس علماء اہل سنت کے فتوے بے جا نہیں جب منکر کے اس انکار کا تعلق صرف اسی (زیر بحث) حدیث سے ہی نہیں بلکہ سید عالم ﷺ کے پیدائشی نبی ہونے کے دیگر دلائل

جیسے کنت نبیا الخ سے ہے۔خصوصاً جب کہ وہ آپ ﷺ کے عالم ارواح میں بالفعل نبی ہونے کا اقرار کرنے کے بعد دیگر ادوار میں اس سے انکار کر کے سب کچھ کو خود اپنے ذمہ لے رہا ہے۔

بناء بریں موصوف کا اپنی اس تقریر کے انجام میں یہ مان کر کہ ''نبی ہونے کے لئے دل کا بیدار ہونا لازمی اور ضروری ہے'' یہ کہنا کہ ''لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب سے دل کی بیداری حاصل ہوجائے تب سے بالفعل نبوت حاصل ہوجائے'' از حد غلط اور سراسر باطل ہے کیونکہ یہ ان کا بلا دلیل ذاتی فیصلہ ہے جو سرکار ﷺ کے فیصلہ سے متصادم بھی ہے۔لہٰذا اسے ان کا ''حقیقت یہ ہے'' قرار دینا قطعاً بے حقیقت بلکہ خلافِ حقیقت ہے۔اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ مصنف تحقیقات نے جو بفحوائے ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' قائلین نبوت سرکار ﷺ کو مورد طعن ٹھہراتے ہوئے ''مجتہد حضرات'' کے ہٹ پر مبنی الفاظ استعمال کئے ہیں' وہ ان کے محض بے جا غصہ کا نتیجہ ہیں اور ''جہلاء'' کے معنی میں ہونے کے باعث سیر لیس گالی ہیں۔مگر بفضلہ تعالیٰ وہ خود ہی ''فقد وقع فیه'' کا آئینہ دار ہیں یعنی دوسروں کو انہوں نے جو گالی دی تھی وہ انہی کو لوٹ گئی اور وہ خود ہی اس نوع کے مجتہد نکلے۔دلیل یہ ہے کہ اجتہاد کا جواز شرعاً اس وقت ہوتا ہے جب کسی امر میں نص موجود نہ ہو' ہمیں اجتہاد کرنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اس مسئلہ میں ہمارے پاس نص پر نص موجود ہے۔پس یہ مؤوف ہی کا خاصہ نکلا کہ وہ کوئی نص پیش کرنے کی بجائے مسلسل عقلی گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں مگر خیر سے وہ بھی نص (حدیث نبوی) کے مقابلہ میں۔

ع　میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

موصوف فرماتے ہیں ''فتأمل حق التأمل''۔

اقولُ قدتأملنا فيه حقه فوجدناه خلاف قولك فنعظك ان تقوم لله مختليا ثم تتفكر وتدبر لعل الهداية تستقبلك۔

قول بحیرا ﷺ (هذا نبى الله وغيره) پر اعتراضات کے جوابات:

واقعات حضرت بحیرا ﷺ کی شق نمبر ۹ اور ۱۶ پر موصوف نے جو اعتراضات کئے ہیں نمبر وار ان کے جوابات حسب ذیل ہیں:

اعتراض:

لکھتے ہیں: ''بحیرا نے آپ کو نبی کہا اور بار بار کہا گویا مجتہد صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس وقت بالفعل نبی تھے اور جب عیسائی راہب آپ کو نبی مان رہا ہے تو ہمارے لئے اس وقت میں آپ کو بالفعل نبی نہ

ماننے کی کیا گنجائش ہے؟ (الجواب) محبوب کریم ﷺ کے علامات مشخصہ' تورات اور انجیل میں پوری صراحت ووضاحت اور مکمل تفصیل وتشریح کے ساتھ بیان کردئے گئے تھے (الٰی) لہٰذا ان ہی علامات اور امارات کی رو سے بحیرا راہب کو بھی تسلی ہوگئی کہ یہ وہی پیغمبر آخرالزماں ہیں۔ لیکن اب بالفعل نبی ہیں؟ یہ اس کے کلام سے ثابت نہیں ہوتا''۔ (ملخّصاً بلفظہ) (تحقیقات' صفحہ ۲۱۳' ۲۱۴)

جواب:

مصنف تحقیقات نے حضرت بحیرا رضی اللہ عنہ کا نام انتہائی روکھے سوکھے انداز میں لیا ہے تاکہ قارئین اسے ایک عام سی بات سمجھ کر کچھ اہمیت نہ دیں پھر ''عیسائی راہب'' کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ جیسے ان کا طبقۂ اہل ایمان سے کوئی تعلق نہ ہو۔

''مان رہا ہے''۔ نیز اس کے کلام سے'' کے الفاظ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں حالانکہ وہ ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جو اپنے نبی حضرت عیسٰی علیہ السلام سے واسطہ در واسطہ کئے گئے اس عہد و پیمان پر سختی سے قائم تھے جو سید عالم ﷺ پر ایمان لانے کے متعلق تھا اور وہ اس زمانہ کے انتہائی مخلص اہل ایمان تھے۔ جب ہر طرف کفر وضلالت کے اندھیرے تھے' سید عالم ﷺ کے بدترین دشمن یہود عنود آپ کے درپئے آزار ہونے کے لئے گھات لگائے بیٹھے تھے تو اس وقت ان کا وجود غنیمت تھا اور وہ مینارۂ نور تھے اور ہمارے آقا ومولیٰ ﷺ کے سچے عاشق تھے۔

فقیر نے بحمد اللہ تعالیٰ بُصریٰ (شام) میں ان کی اس قیام گاہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ نیز اس مقام مبارک سے بھی قلب ونظر کو روشنی دی ہے جہاں آپ ﷺ جلوہ فگن ہوئے تھے اور ان راہوں کا بھی نظارہ کیا ہے جہاں سے محبوب کی آمد ہوئی تھی ﷺ۔ محل وقوع کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے انہوں نے محبوب کا درشن کرنے کے لئے محبوب کی گزرگاہ پر ڈیرہ ڈالا ہو بلکہ ایسا ہی تھا۔ الغرض ان کا یہ ایمان افروز اور باطل سوز واقعہ جھوٹی عیسائیت اور عیسائی ہونے کے جھوٹے دعویداروں پر ایک حجت قاطعہ اور ضرب کاری ہے اور ہر طرح سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ تو حضور کا اس قدر ساتھ دینے کی بناء پر کیا وہ اتنا کے بھی مستحق نہیں تھے کہ ان کے نام کے ساتھ موصوف کلمات ترضی اور دعائیہ الفاظ نہ بھی ذکر کرتے' کم از کم مقتضائے حال کے مطابق ان کا اسم گرامی تو ادب سے لے کر اس واقعہ کی اہمیت کو برقرار رکھتے؟

مولانا کے تصور سے خالی ہوکر ان کی اس مقام کی تحریر کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ کسی باہر کے شخص کے لفظ ہوں۔ الغرض معذرت کے ساتھ جناب کی اس تحریر سے جھوٹی عیسائیت کو قوت فراہم ہوئی ہے۔

تھوڑا آگے چل کر موصوف نے آپ ﷺ پر ان کے ایمان لانے کا ذکر بھی بالکل پھیکے انداز میں کیا ہے۔ان کے لفظ ہیں: ''رہا آپ پر ایمان لانے کا مغالطہ؟ الخ (تحقیقات' صفحہ ۲۲۰)۔ اللہ۔

○　باقی قائل نبوت کو جو انہوں نے ''مجتہد صاحب'' کہہ کر ''جاہل'' قرار دیا ہے؟ تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جاہل کا اطلاق ان ماہرین علوم وفنون اور پڑھے لکھے لکھاریوں کے لئے رکھا ہے جو سرکار ﷺ کی عظمت وشان سے طوطا چشمی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ایسوں کے بارے میں ارشاد ہے ''ولکن لا یعلمون'' یہ تو ہیں ہی پورے لاعلم اور پکے جاہل۔ ورنہ کیا عبداللہ بن ابی اور اس کے ماننے والے پڑھنا لکھنا یا دستخط کرنا نہیں جانتے تھے کہ انہیں بے علم وغیرہ کہا جا رہا ہے؟ یقیناً ان کا جرم یہی تھا کہ وہ اپنے علم کو حضور اقدس کے معاذ اللہ خلاف استعمال کرتے تھے۔ ﷺ۔

''مجتہد'' پر کچھ کلام ابھی گزشتہ سطور میں گزرا ہے۔ چاہیں تو اسے بھی ساتھ ملا لیں۔

○　باقی ''محبوب کریم ﷺ'' کہہ کر آپ سے اس عظیم کمال کی نفی جو مرجع جملہ کمالات ہے اعنی نبوت' انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ محبوب پر عطاؤں کی بارش کی جاتی ہے نہ یہ کہ دے کر بھی اس سے چھین لیا جاتا ہے۔ اور یہ ایسے ہوگا جیسے کوئی کسی کو استاذ الفضلاء وغیرہ کہہ کر یوں کہے کہ سبحان اللہ کیا کہنے علم وفضل کی حد نہیں ہے البتہ وہ جو کلمہ'' ہوتا ہے (صرفیہ' نحویہ یا طیبہ) وہ اس سے بالکل بے خبر ہیں یا کسی آفت کے نزول کے باعث وہ اس سے نابلد ہو چکے ہیں۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ تم نے استاذ الفضلاء اشرف العلماء اور علم وفضل کا پیکر مانا ہی نہیں ہے۔ مانا ہوتا تو ان کی بیان فضیلت کے یہ نرالے انداز ہی نہ ہوتے۔ تو ایسے ہی یہاں کہا جائے گا کہ سید عالم ﷺ کے خداداد کمال نبوت کا انکار کر کے آپ کو ''محبوب کریم'' کے الفاظ سے یاد کرنا اس کے قائل کا محض زبانی جمع خرچ ہے اور کم از کم یہ کہ انکار کے ساتھ ان لفظوں سے اقرار محبوبیت معترض کا منہ چڑانے کے لئے کافی ہے۔

○　رہا یہ کہ تورات وانجیل میں مذکور علامات مشخصہ سے ان کی تسلی ہوئی لیکن ان کے کلام سے آپ کا بالفعل نبی ہونا ثابت نہیں ہوتا؟ تو اس کے لئے حسب ذیل گزارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

نمبر ۱: ''ھذا رسول رب العلمین''، ''ھذا نبی اللہ''، ''ھذا اللہ'' اور ''وجھہ وجہ نبی وعینہ عین نبی'' کا پوری دیانت داری سے اردو ترجمہ کر کے قرآن پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ وہ ترجمہ بالفعل نبی والا ہے یا نہیں؟ ورنہ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے کہ آپ ﷺ رب العلمین کے پیغمبر' اللہ کے نبی اور اللہ کی قسم اللہ کے نبی ہیں یا یہ معنی ہے کہ نبی تھے یا ہوں گے؟ ان کا رخ زیبا نبی والا اور ان کی چشمان مبارک نبی والی آنکھیں

ہیں یا تھیں یا ہوں گی؟ پھر تھے یا ہوں گے یا تھیں یا ہوں گی کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ یعنی ترجمہ کا تعلق ماضی سے ہے یا حال سے یا مستقبل سے ہے؟ خدارا انصاف۔

نمبر۲: پھر تورات وانجیل میں حضور کی نبوت کن لفظوں سے مذکور تھی؟ ہم نے جلد اوّل میں دلیل نمبر ۴۵ تا ۴۹ کے تحت قرآن مجید کے علاوہ صحیح بخاری وغیرہ متعدد کتب حدیث سے ثابت کیا ہے کہ ان میں آپ کے اس وصف مبارک کا ذکر اس انداز سے تھا کہ ''محمد رسول اللہ'' حضور کے اللہ کے رسول ہیں ﷺ۔ نیز'' انت عبدی ورسولی '' میرے محبوب آپ میرے برگزیدہ بندے اور میرے پیغمبر ہیں۔ ﷺ۔

نیز محرف انجیل کے بعض نسخوں میں اب بھی مجموعی طور پر یہ مضمون موجود ہے جو انجیل برناباس میں دیکھا جاسکتا ہے جس سے خود موصوف نے بھی اپنی بشارات والی کتاب میں کچھ اقتباسات لئے ہیں۔

الغرض تورات وانجیل میں بھی آپ ﷺ کا تذکرہ مبارکہ آپ کے بالفعل نبی ہونے کے حوالہ سے تھا جب کہ موصوف یہ تسلیم کرر ہے ہیں کہ حضرت بحیرا ؓ کے اس کلام کی بنیاد تورات وانجیل کے یہ مضامین ہی تھے تو لامحالہ یہی لازم آیا کہ آپ ﷺ کا بالفعل نبی ہونا ان کے کلام سے ضرور ثابت ہوتا ہے۔

نمبر۳: پورا واقعہ پڑھا جائے تو بھی اس سے آپ ﷺ کا اس وقت بالفعل نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی شق نمبر ۱۲ اور ۱۳ میں ہے کہ اس وقت حضور اقدس ﷺ سے کچھ معجزات کا ظہور بھی ہوا جیسے ایک وادی کے حجر وشجر کا آپ ﷺ کو سجدہ کرنا نیز دھوپ میں بادل کا آپ پر سایہ کرنا اور درخت کے سایہ کا آپ کی طرف مڑ آنا۔ پھر فوری ایکشن لیتے ہوئے حضرت بحیرا کا لوگوں سے یہ فرمانا: انظروا الیه ' الی فئی الشجرة نیر ولا یسجدان الا لنبی۔ دیکھو دیکھو بادل آپ پر سایہ کئے ہوئے ہے' درخت کا سایہ بھی آپ پر مڑ گیا ہے' حجر شجر صرف اور صرف بنی کو سجدہ کرتے ہیں۔

ان کی یہ سب تصریحات اسی کو ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ اپنے کلام سے حضور کے بالفعل نبی ہونے کا ذکر فرما رہے تھے یعنی اس معنی میں کہ آپ اس وقت بھی وصف نبوت سے موصوف ہیں۔ یہ نہیں کہ آگے بنیں گے ورنہ اس کا یہ مطلب درست اور پیمانۂ عقل پر پورا اترنے والا ہے کہ دیکھو جن کے یہ معجزات تم اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو انہوں نے آگے چل کر نبی بننا ہے۔ یعنی ظہور معجزات اب اور نبی کچھ عرصہ ٹھہر کر؟ ایں چہ بوالعجبیست ؟

علاوہ ازیں واقعہ مذکورہ کی شق نمبر ۱۱' میں ہے کہ انہوں نے آپ کے شانے مبارک کو دیکھ کر یہ بھی فرمایا تھا کہ'' وانی اعرفه بخاتم النبوة '' ان کے شانے پر لگی ہوئی مہر نبوت سے بھی مجھے ان کے نبی ہونے کی

جان پہچان ہو رہی ہے یہ بھی ہماری مؤید ہے ورنہ غیر نبی پر نبی ہونے کی مہر کے کیا معنی؟

نمبر۲: اس سب سے قطع نظر ہم باب ہفتم وغیرہ میں انتہائی ٹھوس دلائل سے اور ائمۂ شان کی تصریحات سے ثابت کر آئے ہیں کہ آپ ﷺ تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل کے زمانہ سے بالفعل نبی ہیں اور یہ بھی گزشتہ صفحات میں کئی مقامات پر دکھا آئے ہیں کہ خود موصوف بھی اپنی اس متنازع فیہ کتاب تحقیقات میں کم وبیش دو درجن جگہوں پر اس کا اقرار کر چکے جب کہ ابھی تک کسی ماں نے ایسا لعل جنم نہیں دیا جو یہ ثابت کر سکے کہ حضور کی وہ نبوت' عالم ارواح کے بعد کے عوالم میں سلب کر لی گئی تھی یا زائل ہو گئی تھی (معاذ اللہ)۔

بناءً علیہ ہر وہ عبارت جس میں آقاء ومولیٰ ﷺ پر نبوت کا اطلاق ہوا ہے اسی تناظر میں ہی پڑھا اور سمجھا جائے گا لہٰذا حضرت بحیرا کا کلام آپ ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کا عمدہ ثبوت ہے جس کو لفظوں کے چکر سے رد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی بے وقعت بنایا جا سکتا ہے۔

آخر میں یہی کہنا مناسب لگ رہا ہے کہ حضور کی نبوت بالفعل کے بارے میں اس زمانے کے لوگوں کی تسلی ہو گئی اور عیسائی راہب تک مان گئے خدا کرے کہ ہمارے اس عاشق رسول ﷺ کو بھی ہدایت مل جائے اور وہ بھی مان جائیں۔ آمین بجاہ نبیہ الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وعلینا معھم اجمعین۔ ھذا۔

اعتراض:

فرماتے ہیں کہ: ''اس مستدل مجتہد صاحب کو قضیہ مطلقہ عامہ اور دائمہ مطلقہ کا فرق معلوم ہوتا تو اس طرح کے بے بنیاد استدلالات کے قریب بھی نہ پھٹکتے۔ فی الجملہ اور فی وقت من الاوقات نبی ہونا علیحدہ امر ہے اور دوامی طور پر نبوت یا بوقت اطلاق لفظ' نبوت سے متصف ہونا علیحدہ امر ہے''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۱۴' ۲۱۵)۔

جواب:

موصوف کے ان لفظوں کو دیکھ کر ہمارا وہ شبہ جو ہم نے شروع کتاب میں ظاہر کیا تھا یقین میں تبدیل ہو رہا ہے کہ وہ اپنی ہی اس کتاب کے الفاظ میں ''ہم چوں ما دیگرے نیست'' کی کیفیت سے دوچار ہو گئے ہیں۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۰۷)۔

ورنہ اس کا کیا جواز بنتا ہے کہ علم کش باتیں کریں وہ خود مگر ''مجتہد صاحب'' (جاہل) قرار پائیں ہم۔ بے بنیاد ذرائع اپنائیں وہ خود لیکن مطلقہ عامہ اور دائمہ مطلقہ کے نہ جاننے کے بلا دلیل اور بے جا الزام کے ساتھ بے بنیاد استدلالات کرنے کی نسبت ہو ہماری طرف؟

بہر حال اصطلاحات کا نام لے کر درحقیقت وہ عوام پر رعب جھاڑتے ہوئے اپنے لایعنی موقف کے

بے دلیل بلکہ خلاف دلائل ہونے کے عیب پر پھرتی سے پردہ ڈالنا چاہتے ہیں جو بالکل بے سود ہے کیونکہ ان کا دامن بھاری پتھر کے نیچے دب چکا ہے جہاں سے بسہولت خلاصی حاصل کرنا آسان نہیں۔

پھر جب ہم شروع سے اب تک کھول کھول کر یہ لکھ اور کہہ رہے ہیں کہ سید عالم ﷺ قبل تخلیق ابوالبشر آدم علیہ السلام جب سے منصب نبوت سے سرفراز فرمائے گئے ہیں اس کے بعد کبھی اور کسی بھی دور میں آپ کی وہ نبوت زائل یا سلب نہیں کی گئی اور جو یہ کہتا ہے' دلیل کا لانا اسی کے ذمّہ ہے۔ تو بات ہماری طرف سے کلیر ہو گئی ___ پس مطلقہ عامہ یا دائمہ مطلقہ کی بحث چھیڑنا مکابرہ ومظاہرہ ہے۔ ہم بفضلہٖ تعالیٰ آپ ﷺ کے لیے ''دوامی طور پر نبوت'' کے قائل ہیں۔ خالی اطلاق لفظ سے بھی نبوت سے متصف ہونے کی بات نہیں کی بلکہ اس کے لیے دو شرطیں لکھی ہیں ؛ا: قبل تخلیق آدم علیہ السلام آپ ﷺ کا بالفعل نبی ہونا اور ؛ نمبر۲: اس کے بعد اس نبوت کے سلب یا زائل ہونے کی دلیل کا نہ ہونا ملاحظہ ہو (دعوت رجوع' صفحہ ۱۹' ۲۸' ۲۹' ۴۶)۔ لہٰذا مغالطہ دینا اور رنگ آمیزی سے کام لے کر کسی کو خواہ مخواہ کسی کو امر کا ذمہ دار ٹھہرانا علم اور علماء کے شایانِ شان نہیں۔

البتہ موصوف کے اس بیان سے واضح ہے کہ وہ سید عالم ﷺ کو حقیقی معنٰی میں نہیں بلکہ ''فی الجملہ'' نبی مانتے ہیں جب کہ صفحہ ۹۴' ۹۷ وغیرہ پر انہوں نے آپ ﷺ کو بمعنی حقیقی نبی لکھا ہے۔ نیز یہاں وہ آپ کو ''فی وقت من الاوقات نبی'' کہہ کر سلب وزوال نبوت کی بات کر رہے ہیں جب کہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۸ پر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ''نبوت کا حصول کے بعد زوال اور سلب ہونا جائز نہیں ہے'' ۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے؟
ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے؟

موصوف یہاں اپنی منطق دانی کا ڈھنڈورا بھی پیٹنا چاہتے ہیں کہ انہیں منطق بہت آتی ہے لیکن ایسی منطق کا فائدہ ہی کیا ہے جو الٹی چل کر دربار اقدس سے آدمی کو دور کر دے پس یہ ''منطق'' نہیں ''مــن تُك'' ہو کر منطقی امر کی بجائے ''من تُکی'' معاملہ ہوا۔

یہاں پُر لطف بات یہ بھی ہے کہ موصوف جو بات ہم سے پوچھنے نکلے تھے انہوں نے اسے خود ہی بیان کرنا شروع کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے پچاس روپے میں ایک مرغی خرید کی جس نے ۱۲ انڈے دیئے اب اس نے ان انڈوں کو اپنے پاس چھپا کر لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ جو یہ بتا دے میرے پاس کیا چھپا ہے تو یہ بارہ کے بارہ انڈے اسی کے ہوئے۔ پھر جو یہ بتا دے کہ انڈے کس چیز کے ہیں تو مرغی بھی اسی کی ہوئی اور یہ بتا دے کہ مرغی کتنے میں خریدی تھی تو پچاس روپے بھی اسی کے ہوئے۔ لاحول ولا قوۃ الا

باللہ العلی العظیم۔

اعتراض:

لکھا ہے: ''کبھی مستقبل میں حاصل ہونے والی حالت کو مدنظر رکھ کر صفت کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسے من قتل قتیلا فله سلبه اور کبھی سابقہ حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لفظ کا اطلاق کر دیا جاتا جیسے آتوا الیتامیٰ اموالھم۔اصطلاحی طور پر پہلی صورت کو مجاز بالمشارفۃ اور مجاز باعتبار مایؤل سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری صورت کو باعتبار ماکان سے تعبیر کرتے ہیں۔لہٰذا یہاں بھی آپ کو مستقبل میں پیش آنے والے مرحلہ کے لحاظ سے نبی والی صفت کے ساتھ موصوف کر دیا گیا''۔(۲۱۵) ملخّصاً بلفظہ۔

جواب:

قاعدہ ہونے کی حد تک یہ بات غلط نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی تو نہیں ہے کہ جہاں مرضی آئے اسے چسپاں کرتے چلے جائیں آخر اس کے شرائط بھی تو ہیں۔مجاز آپ خود کہہ رہے ہیں جو حقیقت سے عدول کا نام ہے جس کے لیئے قرینۂ صارفہ درکار ہوتا ہے اور ضروری ہوتا ہے کہ حقیقت متعذر ہو یعنی حقیقی معنیٰ نہ لیا جا سکے جسے آپ نے دعوی کی حد تک چھوڑا ہے اور اس کی دلیل پیش نہیں کی پھر مسئلہ چونکہ غیب کا ہے اس لیے عقلی گھوڑے بھی کام نہیں دیں گے بلکہ اس کے لیئے صریح آیت یا صحیح صریح حدیث درکار ہے جس کا لانا ابھی آپ کے ذمّہ باقی ہے جب کہ قرینہ اس کے خلاف قائم ہے اور وہ ہے آپ ﷺ کا قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے بالفعل نبی ہونا پھر اس کے بعد سلب یا زوالِ نبوت کی دلیل کا نہ پایا جانا جس کا آپ کو بھی اقرار ہے۔

خلاصہ یہ کہ مولانا کا اختیار کردہ معنیٰ مجاز ہے جس کے لیئے قرینہ صارفہ کا ہونا لازم ہے اور وہ ہے نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل قائم ہے لہٰذا اسے مجاز بالمشارفۃ اور مجاز باعتبار مایؤل کہہ کر ''مستقبل میں پیش آنے والے مرحلہ کے لحاظ سے نبی والی صفت سے موصوف'' ہونے کا معنیٰ کرنا نہایت درجہ غلط اور حقیقت واقعیہ کے بالکل خلاف ہے یعنی مجاز بالمشارفۃ نام کی کوئی چیز ہونا اور چیز ہے اور زیر بحث مقام میں مجاز بالمشارفۃ ہونا چیزے دیگر ہے فافہم۔

اعتراض:

''نبی مکرم ﷺ جب حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی معیت میں احد پہاڑ پر چڑھے اور اسے پابوسی کا شرف عطا کیا تو وہ خوشی سے رقص کرنے لگا اور اس پر لرزہ طاری ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے احد رُک جا! کیونکہ تجھ پر نبی کی ذات اقدس، ایک صدیق کی ذات اور دو شہیدوں کی ذاتیں موجود ہیں۔تو اس وقت

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما شہید ہو چکے اور اس وصف کمال سے بالفعل متصف تھے؟ جب کہ حضرت عمر وصال شریف کے سوا بارہ اور حضرت عثمان چوبیس سال بعد شہید ہوئے"۔(ملخّصاً)۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۲۱۶)۔

جواب:

قطعاً نہیں تھے کیونکہ یہاں حقیقی معنیٰ متعذر ہے کہ شہادت تو زندگی کا آخری قدم ہے جب کہ وہ ابھی بقید حیات تھے اور اسے ما نحن فیہ کے لیۓ بطور مثال لانا بھی غلط اور قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ حضور اقدس ﷺ کی نبوت پہلے اور آپ اوّل فی النبوۃ ہے تو اوّل شے کے لیۓ آخر شے کو قیاس کے طور پر پیش کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟

اعتراض:

"نبی مکرم ﷺ نے دس حضرات کو ایک ہی نشست میں جنتی ہونے کا مژدہ سنایا (ابو بکر فی الجنة عمر فی الجنة) الحدیث تو کیا سارے حضرات اس وقت بالفعل جنت میں موجود تھے یا مستقبل کے لحاظ سے غیبی خبر اور بشارت دی جارہی ہے"۔ (تحقیقات صفحہ ۲۱۶)۔

جواب:

"مستقبل کے لحاظ سے غیبی خبر اور بشارت" مقصود تھی۔ اور اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو اوپر ابھی گزری ہے کہ یہاں بھی حقیقی معنیٰ متعذر ہیں اور جنت میں جانا تو دنیا میں شہادت کے مرحلہ سے بھی بدرجہا بعد ہے بلکہ سب سے آخری مرحلہ ہے۔ پس یہ مثال بھی غلط ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ تو پہلے سے بالفعل نبی ہیں جسے وہ خود بھی تسلیم کر چکے ہیں۔

واضح رہے کہ حدیث لفظ "عمر" سے پہلے "و" بھی ہے۔ فافهم۔

اعتراض:

اس طرح کے مجازات قرآن مجید، احادیث رسول اللہ ﷺ اور محاورات عرب میں عام ہیں"۔ (۲۱۵)

جواب:

مگر قاعدہ کی حد تک۔ اما حسب المقام خاصّه؟ فلا واللہ ولم ولیس ولن۔

اعتراض:

اسی طرح ارشاد مصطفوی (فاطمة سيدة نساء اهل الجنة) اور فرمان نبوی (الحسن والحسين سيد اشباب اهل الجنة) وغیرہ غیبی خبریں ہیں اور مستقبل میں ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا

ہونے والے مراتب اور درجات کا بیان ہے''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۱۶)۔

جواب:

اس مثال میں بھی کوئی جدّت نہیں بلکہ یہ بھی مثل ماضی ہے۔ بلفظ دیگر مثال ''مــاعبر'' کی ہے اور مضمون مثال ''مـاغبر'' کا ہے جو نبوت مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتی کیونکہ روایت مذکورہ میں ''مستقبل میں ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والے مراتب اور درجات کا بیان ہے'' جب کہ ''مرتبۂ نبوت'' حضور کو سب انبیاء علیہم السلام سے پہلے عطا کردہ ہے۔ ﷺ۔

حدیث ''کنست نبیا وآدم بین الروح والجسد'' آپ خود لکھ چکے ہیں (تحقیقات صفحہ ۱۰) اور اس کا اسی معنٰی میں ہونا بھی تحریر کر چکے ہیں۔ چنانچہ ترجمہ میں آپ نے خود لکھا ہے کہ: ''میں اس وقت سے نبی ہوں جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے بین بین تھے یعنی ان کے بدن سے ان کی روح کا تعلق قائم نہیں ہوا تھا''۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۵)۔

اور اس کے مضمون کے بمعنی حقیقی ہونے کا بھی کم وبیش دو درجن مرتبہ آپ اقرار کر چکے ہیں (وقد مر تفصیله مراراً)۔

اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ آپ نے عمداً اور جان بوجھ کر مغالطے دیئے ہیں جس سے جناب کی للّٰہیت اور ذات اقدس سید عالم ﷺ سے آپ کی پُرخلوص اور اخلاص سے بھرپور والہانہ عقیدت ومحبت کا پتہ چلتا ہے۔

اعتراض:

''خود بحیرا راہب کی زبانی یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے بشرطیکہ دیانت داری سے کتب سیرت کا مطالعہ کیا جائے۔ مدارج النبوۃ میں حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں:

بحیرا وصیت کرد ابو طالب را بحفاظت آنحضرت ﷺ از یہود ونصاریٰ کہ ایں پسر پیغمبر آخر الزماں خواہد بود و دین او ناسخ ہمہ ادیان''۔

''فرماتے ہیں: پس ایمان آورد بحیرا بآنحضرت وتصدیق نمود واقرار کرد بہ نبوت وے''۔ ''فرمایا: ومختار خلاف آنست وبرایں تقدیر ورقہ بن نوفل اقرب باشد باطلاق اسم صحابی الخ''۔ شیخ محقق کا مختار قول یہی ہے کہ ورقہ بن نوفل بھی صحابی نہیں ہے چہ جائیکہ بحیرا راہب کو جو بارہ یا بیس سال کی عمر شریف میں زیارت کا شرف حاصل کر رہا تھا۔ صحابی تسلیم کر لیا جائے۔ الغرض بحیرا راہب کے اپنے قول سے بھی ثابت ہو گیا کہ اس

وقت آپ بالفعل نبی نہیں تھے۔اس لیے کہا کہ یہ بچہ پیغمبر آخرالزماں بنے گا اوراس کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہو گا''۔(ملخّصاً بلفظہ) ملاحظہ ہو(تحقیقات'صفحہ ۲۱۶'۲۱۷'۲۱۸)۔

جواب:

حضرت شیخ محقق رحمتہ اللہ علیہ' عالم ارواح میں آپ ﷺ کو بالفعل نبوت کے حاصل ہونے کے بعد' مابعد کے کسی دور میں بھی آپ کی اس نبوت کے سلب یا زائل ہونے کے قائل نہیں جس کا خود موصوف کو بھی اقرار ہے اوران کی عبارت حدیث کنت نبیاً الخ کی بحث میں تحقیقات صفحہ ۲۰۷ کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔ نیز حضرت شیخ محقق کے نزدیک آپ ﷺ کے حق میں بعثت' ظہور نبوت کے معنٰی میں ہے اس کے حوالہ جات بھی حدیث مذکور کی بحث میں پیش کیۓ جا چکے ہیں بناءً علیہ ان کی اس عبارت کے الفاظ''ایں پسر پیغمبر آخرالزماں خواہد بود'' بھی آپ کے مستقبل میں ظہور پذیر ہونے کے معنٰی میں ہیں نبی بننے کے معنٰی میں ہرگز نہیں۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس کے لیۓ''ساختہ شود'' کے لفظ استعمال نہیں فرمائے (کہ نبی بنائے جائیں گے) بلکہ ''خواہد بود'' لکھا ہے یعنی ہوں گے جو خود ان کی وضاحت کے مطابق ظہور پذیر ہوں گے کے معنٰی میں ہے۔

بالفاظ دیگر''ہوں گے'' میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔نمبر ا: یہ کہ بنیں گے اور نمبر ۲: یہ کہ آپ کا ظہور ہوگا۔

پس جب شیخ نے علیحدہ تصریح فرمادی ہے کہ وہ چالیس سال کی عمر شریف میں ظہور و اظہار نبوت کے قائل ہیں تو دوسرا معنٰی ہی متعین ہوا لہٰذا ان لفظوں سے پہلا معنٰی مراد لینا غلط اور''توجیه القول بما لا یرضٰی به قائله'' ہے جو جائز نہیں۔

علاوہ ازیں شیخ محقق نے ظاہر ہے کہ یہ مضمون حدیث و سیر کی عربی کتب سے لیا ہے۔فارسی سے نہیں پس صحیح مفہوم کو متعین کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اصل عربی کتب سے مراجعت کر کے دیکھا جائے کہ وہ الفاظ کیا تھے جن کا خلاصہ شیخ نے فارسی زبان میں بیان فرمایا ہے تو اس بارے میں گزارش ہے کہ فقیر نے واقعۂ حضرت بحیرا رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ۲۰۰۷ء میں موصوف کو اس کے مکمل الفاظ لکھ کر بھیجے تھے جن میں (واقعہ ہٰذا کی بھی نقل کردہ شق نمبر ۹ میں) لکھا تھا کہ ایک روایت کے مطابق انہوں نے ان لفظوں سے حضور اقدس ﷺ کی نبوت کو برملا بیان فرمایا تھا کہ:''هذا نبی الله الذی یرسله من العرب الی الناس کافة ''یعنی یہ اللہ کے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ عرب سے تمام نسل انسانیت کی طرف بھیجے گا'' ملاحظہ ہو(دعوت رجوع'صفحہ ۲۳'طبع لاہور)۔

یہ الفاظ اپنے اس منطوق میں بالکل صریح ہیں کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں یعنی نبی اب بھی ہیں آگے جا کر اللہ انہیں بھیجے گا یعنی آپ کے نبی ہونے کا بصورت ارسال اظہار فرمائے گا۔

پس ان کے الفاظ ہمارے ہی مؤید ہیں موصوف کا انہیں اپنا مؤید یا مفید مطلب سمجھنا ان کی خوش فہمی ہے یا پھر عمداً مغالطہ دہی سے کام لیا گیا ہے بہرصورت اس کے جواب سے ان کا عجز تو متعین ہے ہی۔ فروری ۲۰۰۷ء میں ہم نے یہ بات انہیں لکھی تھی، اپریل ۲۰۱۰ء میں انہوں نے تحقیقات شائع کی ہے یعنی تقریباً تین سال اور دو ماہ تک پورا زور لگایا مگر جواب پھر بھی نہ بن سکا۔

پھر حضرت شیخ محقق کی علمی ژرف نگاہی کو سلام کرنا پڑتا ہے کہ آپ نے بھی اس مفصل مضمون حدیث کے فارسی خلاصہ میں یوں نہیں لکھا کہ ''ایں پسر نبی آخر الزماں خواہد بود'' بلکہ نبی کی بجائے خصوصیت کے ساتھ یہاں انہوں نے ''پیغمبر'' کے لفظ استعمال فرمائے ہیں جو ''رسول'' کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں کیونکہ ''پیغمبر، ''پیغام بر'' کا مخفف ہے جو اسم فاعل ہے جس کا معنٰی ہے پیغام لانے والا۔ ظاہر ہے جو پیغام لائے گا وہ بھیجا ہوا ہوگا اور اسی کو رسول کہتے ہیں جب کہ رسول بمعنیٰ مُرسَل ہے جس کا معنٰی ہے بھیجا ہوا۔ اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ بھیجا اسے ہی جائے گا جو پہلے ہو بہرحال اس کا مفہوم بھی یہی ہوا کہ نبی آپ پہلے تھے آپ کو بھیجا بعد میں گیا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ پہلے صرف نبی تھے پھر جب بعثت ہوئی تو مبعوث قرار پائے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)۔

الغرض شیخ محقق کا نام لینے سے موصوف کو کچھ فائدہ ہونے کی بجائے سخت نقصان ہوا ہے اور ان کی عبارت انہیں کچھ مفید ہونے کے برعکس سراسر مضر نکلی اور خود حضرت بحیرا کی زبانی یہ حقیقت ایک بار پھر آشکار ہوگئی کہ انہوں نے اس وقت بھی حضور کے بالفعل نبی ہونے کی بات کی تھی اس لیئے فرمایا ھذا نبی اللہ الذی یرسله الخ۔ اگر موصوف بقول خود دیانت داری سے کتب سیرت کا مطالعہ کرتے یا ہماری معروضات کو ٹھنڈے دل سے پڑھ لیتے تو انہیں یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔

○ رہا ان کا صحابہ میں شمار نہ کیا جانا؟ تو اوّلا: امام ابن مندہ اور امام ابونعیم جیسے محدثین نے انہیں صحابۂ کرام میں شمار فرمایا ہے خود شیخ محقق نے بھی مدارج النبوۃ کے باب دوم میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس کا شیخ کے حوالہ سے خود مصنف تحقیقات کو بھی اقرار ہے۔ ملاحظہ ہو: تحقیقات صفحہ ۲۱۷ ولفظہ: ابن منذر اور ابونعیم نے اسے صحابہ کرام میں سے شمار کیا ہے''۔ تو

ثانیاً: موصوف کے طور پر اگر ان کا صحابی نہ ہونا اس بناء پر ہے کہ حضور ﷺ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد نبی نہ تھے۔ تو ان کو صحابی قرار دینے کا مطلب کیا یہ نہ ہوا کہ امام ابن منذر اور امام ابونعیم کے نزدیک سید عالم ﷺ اس وقت بھی بالفعل نبی تھے؟

ثانیاً: اس سے قطع نظر حضرت بحیرا کو جن علماء نے صحابی قرار نہیں دیا تو ان کا بھی یہ مقصد نہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ اس وقت نبی نہ تھے کیونکہ اس کا ان سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے ان کا مقصود صرف اور صرف یہ ہے کہ صحابی ہونے کی جو شرائط جمہور ائمہ وعلماء اسلام نے مقرر فرمائی ہیں وہ ان میں پوری طرح سے نہیں پائی جاتیں جن میں سے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زیارت اعلان نبوت کے بعد ہو تو انہوں نے زیارت کا شرف تو حاصل کیا مگر قبل از اعلان نبوت۔ اس لیئے وہ حسب اصطلاح مذکور صحابی نہ کہلائے کہ ''اذافات الشرط فات المشروط''۔

ثالثاً: اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے شب معراج میں آپ ﷺ کی زیارت کی لیکن علماء نے بالاتفاق جس نبی کو آپ کے صحابہ میں شمار فرمایا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو یہاں بھی وہی شرائط والی بات ہے معاذ اللہ عدم نبوت کا شائبہ بھی نہیں کہ صحابی ہونے کے لیئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے والا اس دنیا کی زندگی میں ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں تو وہ صحابی قرار پائے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام نے زیارت کی مگر برزخ میں تشریف لے جانے کے بعد اس لئے جمہور کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق وہ صحابی قرار نہ پائے۔

اس کے علاوہ بھی اس کے متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مثلاً ابوجہل وامثالہ صحابی نہیں اس لیئے نہ کہ معاذ اللہ آپ نبی نہ تھے بلکہ اس لیئے کہ اس میں ایمان والی شرط مفقود ہے۔ اسی طرح حضور کے دور اقدس میں حضور کو خواب میں دیکھنے والا مسلمان محض خواب میں زیارت کی بناء پر صحابی نہیں کہ زیارت کا بیداری میں ہونا بھی شرط ہے۔ امام سیوطی ودیگر اکابر نے بیداری میں زیارت کا شرف حاصل کیا مگر وہ صحابی نہیں ہیں کہ سید عالم ﷺ کا اس دنیوی حیات طیبہ میں ہونا بھی شرط ہے۔ اسی طرح عالم رؤیا میں بھی قیامت تک آنے والے غلاموں نے حضور کو ملاحظہ فرمایا مگر وہ صحابی قرار نہ پائے۔ نیز آج اگر کوئی خوش نصیب بیداری یا خواب میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرے تو وہ بھی صحابی نہیں۔ کیوں؟ بفقد الشرائط۔ یونہی قبر میں زیارت اقدس سے بھی صحابیت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ بھی عدم وجود شرائط ہے نہ یہ کہ خاکم بدہن ان مواقع پر عدم نبوت ہے (نعوذ باللہ)۔

چنانچہ حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (جن کا نام ابن المؤلف نے خوش فہمی سے اپنے مؤیدین میں استعمال کیا ہے ملاحظہ ہو تحقیقات صفحہ ۲۵۲) صحابیت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: ''صاحب مشکوٰۃ نے آپ کو صحابہ میں کی فہرست میں لیا ہے۔ دیکھو اکمال۔ مگر قوی یہ ہے کہ ورقہ

صحابی نہیں کیونکہ صحابی وہ ہے جو شرعی مؤمن بن چکنے کے بعد حضور کا دیدار یا صحبت پائے۔اور شرعی ایمان' تبلیغ کی آیات آنے کی حضور کی تبلیغ اور دعوت اسلام دینے پر حاصل ہوتا ہے۔ورقہ نے وہ زمانہ نہ پایا (الیٰ) اعلان نبوت کے بعد جو شرعی ایمان لا کر حضور کو دیکھے وہ صحابی ہوتا ہے'' اھ ما اردنا ملخصاً بلفظہ ملاحظہ ہو (مرات' جلد ۸ صفحہ ۹۷)۔

الغرض حضرت بحیرا کی عدم صحابیت جمہور کی مقرر کردہ شرائط صحابیت کے فقدان کے باعث ہے۔اس کی وہ وجہ نہیں جو مصنف تحقیقات کا مقصود ہے کہ آپ ﷺ بالفعل نبی تھے تو حضرت بحیرا صحابی کیوں نہ بن سکے۔ پس حضرت شیخ محقق بھی اسی عدم وجود شرط کی بناء پر ان کی عدم صحابیت کو مختار اور قول صحابیت کو خلاف مختار قرار دے رہے ہیں۔ان کے نزدیک عدم نبوت بالفعل اس کی وجہ متصور ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ حضور انور ﷺ کے بالدوام بالفعل نبی ہونے کے قائل ہیں جو خود موصوف کے اقرار سے ابھی گزرا ہے (لاحظ تحقیقات' صفحہ ۲۰۷)

اور اب اس کا اقرار بھی ان سے دیکھ لیجئے کہ حضرت شیخ محقق نے حضرت بحیرا کے صحابی نہ ہونے کو جو مختار کہا ہے وہ اسی فلسفۂ شرائط کی بناء پر ہی ہے۔ چنانچہ معترض موصوف نے مدارج النبوۃ صفحہ ۲۶ کی ایک عبارت نقل کر کے اس کے اردو ترجمہ میں لکھا ہے کہ ''(ابن منذر اور ابو نعیم نے اسے صحابہ کرام میں سے شمار کیا ہے تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ محقق نے فرمایا): ''ان کا یہ دعویٰ اس قول پر مبنی ہے کہ صحابی کی تعریف میں صرف اس امر کا اعتبار ہے کہ اس نے نبی مکرم ﷺ کا شرف دیدار حاصل کیا ہو اگر چہ نبوت سے پہلے ہی کیوں نہ ہو۔اور مختار اس کا خلاف ہے (الیٰ) اور اس امر کی تحقیق کہ صحابیت کا دار و مدار کس پر ہے دوسری جگہ مذکور ہے'' اھ ملخصاً بلفظہ۔ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۱۸)۔

اقول: ''اس قول پر مبنی ہے'' کے الفاظ سے واضح ہے کہ صحابی کی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ نیز یہ کہ شیخ محقق حضرت بحیرا ﷺ کی عدم صحابیت کو مختار بھی صحابیت کی شرائط کی بناء پر قرار دے رہے ہیں نہ کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کے عدم نبوت کو۔وھو المقصود۔پس بے ساختہ نوک قلم پر آیا چاہتا ہے کہ

ع　　مدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تحریف معنوی:

حضرت شیخ محقق کی مذکورہ جس عبارت کا موصوف نے ترجمہ کیا ہے اس میں یہ لفظ تھے ''اگر چہ پیش از نبوت باشد'' جن کا صحیح لفظی ترجمہ یہ ہے کہ: ''اگر چہ نبوت سے پہلے ہو'' اور اس سے شیخ کی مراد ہے ''پیش از ظہور نبوت'' یعنی ظہور نبوت سے پہلے۔کیونکہ آپ حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کے دوام کے قائل ہیں جس میں سلب زوال یا انقطاع کا شائبہ نہیں ہے۔علاوہ ازیں آپ نے اپنی کئی کتب میں کئی مقامات پر ''ظہور'' کی تصریح

بھی فرمائی ہے جس کی تفصیل ابھی کچھ پہلے گزری ہے۔ لیکن ''مولانا و بالفضل اولانا'' نے اس کا ترجمہ لکھنے کے بعد ''یعنی'' کر کے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ''یعنی نبوت ملنے کے بعد شرف زیارت حاصل کرنے والا ہی صحابی کہلا سکتا ہے'' (تحقیقات صفحہ ۲۱۸)۔

جوان کا خود ساختہ مفہوم ہے اور مذکورہ تفصیل کے مطابق ''توجیه القول بما لا یرضٰی به قائله'' ہی نہیں بلکہ موصوف کی سخت مجرمانہ تحریف معنوی ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ یہ ہیں وہ حضرت جو شروع بحث میں ''دیانتداری'' سے کام لینے کی بات کر رہے تھے۔ فیا للعجب۔

مصنف تحقیقات کی مخصوص زبان:

اعتراض ہٰذا کے اختتامیہ کے طور پر موصوف مخصوص زبان استعمال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ایسی تصریحات کی موجودگی میں ایسی روایات کو ادلہ قطعیہ کے طور پر پیش کرنا اور آغاز ولادت سے بالفعل نبوت ثابت کرنا کسی عقل مند آدمی کا کام نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ ان کو بنیاد بنا کر دوسرے لوگوں کو جوان کے دعووں سے متفق نہ ہوں، ضلالت اور گمراہی وغیرہ کے فتووں سے نوازا جائے اور اپنے آپ کو عقل کل اور مجسمۂ خرد ودانائی سمجھا جائے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۱۸)۔

تنبیہ: شروع باب ہشتم سے شروع باب ہشتم سے یہاں تک کی تحریر بلدہ طیبہ مکۃ المکرّمۃ زادہا اللہ شرفاً میں عمل میں آئی۔ عبدالمجید سعیدی بقلمہ ۲ محرم ۱۴۳۲ھ بروز بدھ۔ آگے صفحہ ۳۸۶ کی ابتدائی سطور تک کا حصہ مدینہ منوّرہ میں لکھا گیا۔

جواب:

تصریحات کجا مولانا موصوف، حضرت شیخ محقق کی کوئی ایک تصریح بھی ایسی پیش نہیں کر سکے جوان کے دعوٰی کی دلیل بن سکے جب کہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ کی پیش کردہ عبارات بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے ہی موقف کی دلیل ہیں۔ نیز حضرت بحیرا رضی اللہ عنہ کی روایت کو جو موصوف نے اپنے دعوٰی کے اثبات کے لئے عبارۃ النص کے طور پر پیش کیا اس کا بھی مغالطہ دہی یا موصوف کی غلط فہمی پر مبنی ہونا ہم نے واضح کر دیا ہے۔

بناءً علیہ حسب مذکوران روایات کا مانحن فیہ کے لیۓ پیش کیا جانا بالکل صحیح ہے نیز وہ اس زمانہ میں آپ ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کا ثبوت ہونے کے لیے لائق احتجاج وصالح استدلال ہیں۔

پھر جن محدّثین اور اہل سیر نے انہیں روایت فرمایا، ان میں سے خصوصیت کے ساتھ جس جس نے حدیث ''متٰی وجبت لك النبوة ؟'' قال وآدم بین الروح والجسد'' وامثالہ کو بھی استناداً لیا ہے، کسی سے

بھی واقعۂ حضرت بحیرا ﷺ کے ہمارے موقف کی دلیل ہونے کی تردید ثابت نہیں ہے اس لیے اصولی طور پر وہ سب اس کے قائل ہوئے۔ مثلاً مشہور سنی عالم حضرت مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ مدارج النبوۃ کے ترجمہ میں متعلقہ مقام پر لکھتے ہیں کہ ''بحیرا ان میں سے ایک ہیں جو حضور ﷺ پر آپ کے اظہار نبوت سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ (جلد۲' صفحہ۵۱' طبع ممتاز لاہور)

اقول: ''اظہار نبوت'' کے لفظوں سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ اس وقت بھی بالفعل نبی تھے۔ لہٰذا مولانا نے حسب مذکوران روایات پر اعتقاد رکھنے والوں کو اپنی مخصوص زبان میں جو غیر عقل مندی یعنی احمقیت اور بے وقوفیت کی گالی دی ہے ان کی وہ گالی صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ اس کے نشانہ پر وہ سب حضرات بھی آ گئے جو قائل نبوت ہیں جو سلف کی شان میں ان کی شدید سبّ اور سخت توہین و گستاخی ہے۔ نیز ''اپنے آپ کو ان کے مقابلہ میں مجسمہ خرد و دانائی سمجھنا بھی ہے۔ اور خود کو 'ضلالت اور گمراہی وغیرہ کے فتووں سے نوازا' جانے کا اہل و محل بنانا بھی۔ (اس شق کی مکمل تفصیل باب اوّل میں کر دی گئی ہے۔ فمن شاء الاطلاع علیه فلیرجع الیه)۔

لغت پر عبور:

فرماتے ہیں ''اعاذ نا الله عن ذلك '' (تحقیقات صفحہ۲۱۸) حالانکہ صحیح من کا صلہ ہے قال الله تعالیٰ انی اعیذها بك و ذریتها من الشیطن الرجیم (وغیرہ)۔

آگے موصوف کا ایک اور اعتراض مع جواب ملاحظہ کیجئے؛

اعتراض:

''بحیرا راہب کی ملاقات تو عمر شریف کے بارہویں سال یا بیسویں سال ثابت ہے تو اس دوران بالفعل نبی ہونا آپ کے لیئے کیونکر ثابت ہو سکتا ہے جب کہ نزول وحی کا پہلا مرحلہ سچے خواب تھے اور ان کا دورانیہ مشہور قول کے مطابق چھ ماہ تھا حالانکہ اس میں بھی آپ کا منصب نبوت پر فائز ہونا مختلف فیہ ہے۔ شیخ محقق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: علماء وحی را مراتب عدیدہ ذکر کردہ اند۔ اول رؤیائے صالحہ (الیٰ) کہ آں شش ماہ بود و در نبوت ایں مدت سخن است (ملخّصاً بلفظہ)۔ (مدارج' جلد۲' صفحہ۳۵) ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ۲۱۸'۲۱۹)۔

جواب:

مولانا نے تقریباً دو صفحے پہلے لکھا ہے کہ حضرت بحیرا ﷺ کی آپ ﷺ سے دو بار ملاقات ہوئی ایک بارہ سال اور دوسری بیس سال کی عمر شریف میں۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ۲۱۶) عبارت پہلے لکھی جا چکی ہے جب کہ ان کی پیش نظر عبارت سے ایک ملاقات کے ہونے کا تاثر ملتا ہے' اسے کیا کہیئے؟

پھر جب اس ملاقات کے موقع پر ظہور معجزات (سجود حجر و شجر' بادل کا سایہ کرنا نیز سایۂ درخت کا آپ کی جانب مڑ جانا) وغیرہ سے آپ ﷺ کا بالفعل نبی ہونا ثابت کیا جا چکا ہے تو اس کے باوجود'' کیونکر ثابت ہوسکتا ہے'' کی رٹ لگائے جانا ہٹ نہیں تو اور کیا ہوسکتی ہے؟

باقی حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت انہیں کچھ مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ اس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے ظہور نبوت کی مدت کے آغاز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے ان چھ ماہ کی مدت کو بھی اس میں شامل فرمایا ہے جس میں باقاعدگی سے سچے خوابوں کی صورت میں تسلسل کے ساتھ وحی اتاری گئی اور بعض نے اس مدت کو شامل قرار نہیں دیا بلکہ وہ اس مدت کا آغاز اس وقت سے سمجھتے ہیں جس میں قرآن مجید کی شکل میں وحی جلی کا سلسلہ جاری ہوا۔

الغرض اس عبارت میں ظہور نبوت کی مدت کے شروع کے وقت کی بحث ہے نہ کہ آپ ﷺ کے نبی بنائے جانے کی جب کہ ہم کچھ پہلے گزشتہ صفحات میں شیخ کی عبارات نیز مصنف تحقیقات کے اقرار سے بھی ثابت کر آئے ہیں کہ آپ ﷺ زمانۂ قبل تخلیق حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام سے بعد کے تمام ادوار میں انقطاع' سلب اور زوال کے بغیر بالدوام بالفعل نبی ہیں۔

نیز حضرت شیخ کے نزدیک بعثت سے مراد آپ کا شان نبوت کے ساتھ ظہور ہے نہ کہ وجود۔

نیز دلیل نمبر ۲۰۴ کے تحت یہ بھی ثابت کر آئے ہیں کہ نبی کے لیے کسی طرح کی وحی کا ہونا کافی ہے اور یہ کہ آپ پر اس طرح وحی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہا اور یہ کہ اس کے لیے وحی جلی کا ہونا کچھ ضروری نہیں جس کے صحیح جواب سے مولانا عاجز ہیں اور عاجز ہی رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور ''وحی را مراتب عدیدہ'' کے الفاظ سے اس کو مان گئے ہیں کہ نبی کے لیے وحی ایک قسم کی نہیں ہوتی بلکہ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ سبحٰن اللہ۔

دبے لفظوں میں یہاں اس سب کا اقرار موصوف بھی کر گئے ہیں۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں کہ: ''اس میں بھی آپ کا منصب نبوت پر فائز ہونا مختلف فیہ ہے کیونکہ منصب نبوت پر فائز ہونے کا مطلب آپ ﷺ کا شان نبوت کے ساتھ ظہور پذیر ہونا ہے جسے ہم نے ''ظہور نبوت'' سے تعبیر کیا ہے یا حکم تبلیغ پانا تو لامحالہ سچے خوابوں کی صورت میں وحی کے سلسلہ کی مدت کے بارے میں علماء کا جو اختلاف ہے وہ ظہور نبوت ہی کے متعلق ہے نہ کہ وجود نبوت کے بارے میں۔

''مختلف فیہ ہے'' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ علماء اس طرف بھی ہیں کہ یہ چھ ماہ کی مدت بھی ظہور نبوت

کی مدت کا حصہ ہے جس سے کم از کم یہ تو متعین ہو گیا کہ وہ حضرات اس مدت میں آپ کے بالفعل نبی ہونے کے قائل ہیں جس سے ان کے نزدیک چالیس سال کی عمر شریف سے چھ ماہ پہلے آپ ﷺ کا بالفعل نبی ہونا ثابت ہوا اور نبی کے لیئے چالیس سال کی عمر کے شرط ہونے کے نام نہاد تحقیقاتی کلیہ قطعیہ کا بھی غلط ہونا واضح ہوا۔ پھر بر تقدیر تسلیم و بفرض تسلیم اس مدت میں اختلاف سے مراد آپ ﷺ کے نبی ہونے یا معاذ اللہ نہ ہونے کا امر ہے تو جب آپ کے نبی ہونے کے قائلین کے پائے جانے کا بھی جناب کو اقرار ہے اور اس میں آپ ﷺ کی عظمت کا پہلو بھی ہے تو اس کو چھوڑ کر اس کے مقابلہ میں نفی کے پہلو کے اختیار کرنے کی آپ کو کیا مجبوری ہو گئی تھی اور کیا حکمت آڑے آ گئی تھی؟ بایں ہمہ عاشق رسول ﷺ ہونے کا زعم بھی ہے۔ کیا عاشق وہی ہوتا ہے جو محبوب کی زلفیں سنوارنے کی بجائے اسے میلی آنکھ سے دیکھے اور پروانہ وار دل و جان سے محبوب کے ہر کمال کو ہر ممکن حد تک سر اور آنکھوں پر رکھنے کی بجائے اس سے بغاوت اور غداری کا اقدام کرے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات تازہ کیجئے

ظالمو! محبوب کا حق تھا یہی؟
عشق کے بدلے عداوت کیجئے؟
کرے مصطفیٰ ﷺ کی اہانتیں
کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہے کیا نہیں ہوں میں محمدی؟
ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں!
ذکر روکے فصل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر بھی کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی (ﷺ)

مزید اعتراض کرتے ہوئے "اس عاشق" نے لکھا ہے:

اعتراض:

"بلکہ حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس سید عالم ﷺ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی معیت میں تشریف لے جانا اور غار حراء میں پیش آمدہ واقعہ اور اقراء باسم ربك الذی خلق الآیۃ کے نزول کی اطلاع دینا حصول نبوت سے پہلے تھا یا بعد میں؟ اس کے متعلق اسی شیخ اجل اور برکۃ المصطفی الکریم فی الہند کا نظریہ معلوم کریں (الیٰ) ورقہ وفات یافت و زمانۂ ظہور دعوت در نیافت (الیٰ) و زمانۂ نبوت را در نیافت (صفحہ ۳۲) (الیٰ)

حضرت ورقہ فوت ہوگئے اور نبی کریم ﷺ کی دعوت کے ظہور کا زمانہ نہ پایا (الی) لیکن انہوں نے آپ کا زمانۂ نبوت نہیں پایا۔

عظیم محدّث کے نزدیک اگر سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کا زمانہ پانے والے اور آپ سے شرف ملاقات کرنے والے اور آپ سے براہِ راست آیات سننے والے نے نبوت کا زمانہ نہیں پایا بلکہ یہ دورانیہ مبادیات نبویہ اور تمہیدی کاروائی کا تھا تو بحیرا راہب سے ملاقات کا دور بالفعل نبوت کا دور کیسے ہوگیا؟ ''فاعتبروا یا اولی الالباب'' اھ ملخصاً بلفظہ (تحقیقات، صفحہ ۲۱۹، ۲۰۰)۔

جواب:

یہ عبارت بھی موصوف کو کسی طرح مفید نہیں کیونکہ اس میں ''زمانۂ نبوت'' کے الفاظ میں ''نبوت'' سے مراد ''رسالت'' ہے جب کہ جلد اوّل باب ہفتم میں باحوالہ گزر چکا ہے کہ نبوت بول کر اس سے رسالت مراد لینا بھی علماء شان میں شائع وذائع ہے۔

علاوہ ازیں حضرت شیخ نے اپنی اسی عبارت میں زمانۂ نبوت سے اپنی مراد کو بیان بھی فرمادیا ہے چنانچہ اس میں الفاظ مذکورہ کے متبادل کے طور پر یہ لفظ موجود ہیں جنہیں خود موصوف نے بھی نہ صرف یہ کہ نقل کیا بلکہ ان کا اردو ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں: ''ورقہ وفات یافت وزمانۂ ظہور دعوت در نیافت''۔

موصوف اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ''حضرت ورقہ فوت ہوگئے اور نبی کریم ﷺ کی دعوت کے ظہور کا زمانہ نہ پایا''۔

اور ابھی کچھ پہلے حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت حضرت ورقہ رضی اللہ عنہ کی عدم صحابیت کی توجیہ میں پیش کی جا چکی ہے کہ وہ صحابی نہیں ہیں کیونکہ صحابی وہ ہے جو شرعی مؤمن بن چکنے کے بعد حضور کا دیدار یا صحبت پائے اور شرعی ایمان تبلیغ کی آیات آنے کی حضور کی تبلیغ اور دعوت اسلام دینے پر حاصل ہوتا ہے۔ ورقہ نے وہ زمانہ نہ پایا (الی) اعلان نبوت کے بعد جو شرعی ایمان لاکر حضور کو دیکھے وہ صحابی ہوتا ہے (ملخصاً) (مرات، جلد ۸، صفحہ ۹۸)۔

الغرض موصوف نے غلط فہمی سے یا عمداً مغالطہ دہی سے ''زمانۂ نبوت'' کے الفاظ سے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے جن سے مراد خود شیخ کے حسب تصریح مصنف تحقیقات کے حسب تحریر ''زمانۂ ظہور دعوت'' ہے۔

اس کی مزید دلیل یہ ہے کہ حضرت ورقہ، حضور اقدس ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے نبی ہونے کے

قائل تھے تفصیل جلد اوّل میں دلیل نمبر۱۳۲ وغیرہ کے تحت گزر چکی ہے۔

نیز حضرت شیخ محقق کا بھی عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ بالدوام بالفعل نبی ہیں جس کا خود موصوف کو بھی اقرار ہے۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۴۰۷)۔

لہٰذا موصوف کا یہ متعجبانہ سوال خود بخود اڑ گیا کہ ''بحیرا راہب سے ملاقات کا دور بالفعل دور کیسے ہو گیا''؟

رہا ان کا یہ کہنا کہ ''یہ دورانیہ مبادیات نبوت اور تمہیدی کاروائی کا تھا''؟ تو اس کا یہ معنٰی لینا کہ آپ ﷺ کو نبوت آہستہ آہستہ دی گئی' بالکل غلط اور حقائق واقعیہ نیز قرآن وسنت وسیر کے دلائل اور نصوص ائمہ وعلماء شان کے قطعاً خلاف ہے جیسا کہ جلد اوّل میں پیش کیے گئے تقریباً ڈھائی سو دلائل سے خوب واضح ہے۔

برتقدیر تسلیم الفاظ ''مبادیات وتمہیدی کاروائی'' ان کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت بالفعل کو یک دم ظاہر کرنے کی بجائے محض لوگوں کے لئے آہستہ آہستہ مختلف طریقوں سے اس کی راہ ہموار کی گئی (پوری بحث باب نہم میں آرہی ہے)۔

اتنی سی بات تھی اندیشۂ عجم نے جسے بڑھا دیا فقط زیب داستاں کے لئے

مصنف تحقیقات حضرت ورقہ بن نوفل کی روایت سے استدلال کررہے تھے تو انہیں حضرت' حضرت کرکے لکھا ہے جب کہ حضرت بحیرا کی روایت مزاج معلّٰی کے خلاف محسوس ہوئی تو ان کا نام ''بحیرا راہب'' کرکے لکھا ہے جو سنّی طریق سے بالکل ہٹ کر ہے پھر بھی شاکی ہیں کہ انہیں خواہ مخواہ وہابیہ سے ملا دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ محقق کے یہ القاب وآداب بھی محض اپنے حوالہ کی اہمیت بڑھانے کے لئے ہیں' ماننے کی نیت سے نہیں ورنہ ان کے موقف کو تسلیم کرتے۔

پھر ظلم کی انتہاء دیکھئے کہ اس عبارت میں موصوف سورۂ علق کی آیات کے نزول اور وحی جلی نیز ملک وحی حضرت جبریل علیہ السلام کے آجانے کے باوجود نہ صرف یہ کہ سید عالم ﷺ کے نبی ہونے کا انکار کررہے ہیں بلکہ ازراہ افتراء اسے حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منسوب کررہے ہیں۔

پھر قدرت کا کرشمہ یہ بھی دیکھتے جایئے کہ ان کی اسی کتاب نام کی تحقیقات کے تتمہ میں موصوف کے بیٹے نے استناداً ایک حوالہ پیش کرتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ: ''ہمارے رسول ﷺ کو نبوت عطا اسی وقت ہوئی جب سورۂ علق کی پہلی آیت اقراء باسم ربک نازل ہوئی'' ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۵۲)۔

اس میں ابن المؤلف نے بھی جو کمال دکھایا ہے اس کا بیان باب نہم میں آرہا ہے' سردست یہ بتانا مقصود

ہے کہ باپ کہتا ہے کہ آپ ﷺ سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد بھی معاذ اللہ نبی نہ بن سکے۔
بالفاظ دیگر ان کے حوالہ سے مشہور تھا کہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ آپ ﷺ چالیس سال کے بعد نبی بنے اور اب وہ بات بھی ختم ہوگئی جب کہ بیٹا اس کے برعکس لکھ رہا ہے اور تصریح بھی کر رہا ہے کہ ''اب یہ واضح امر ہے کہ اقراء باسم ربک چالیس سال کے بعد نازل ہوئی''۔ (تحقیقات' صفحہ مذکورہ) جس کا لازمی نتیجہ دونوں میں سے ایک کا ضرور خطرناک کیفیت پر ہوتا ہے کہ باپ نے نبی کو غیر نبی کہا جب کہ بیٹے نے اس کے برعکس غیر نبی کو نبی کہا۔ کذلك العذاب و العذاب الاٰخرة اکبر لو کانوا یعلمون۔
اب تو انہیں یہ واویلا ختم کر دینا چاہئے کہ علماء اہل سنت نے انہیں کفر وضلالت اور گمراہی کے فتووں سے خواہ مخواہ گھائل کیا ہے حالانکہ و ما ظلمنا هم و لکن کانوا انفسهم یظلمون صدق اللہ العظیم۔
موصوف نے پوری آیت اقرأ لکھنے کے بعد لکھا ہے ''الآیة'' حالانکہ یہ لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب آیت کا کچھ حصہ نقل کیا ہو اور کچھ حصہ باقی ہو فیا للعجب و لضیعة العلم و الادب۔
آخر میں ناصحانہ انداز میں فرماتے ہیں: ''فاعتبروا یااولی الالباب''۔
جواباً عرض ہے: فاتقوا اللہ یااولی الالباب لعلکم تفلحون۔

آخری اعتراض:

''رہا آپ پر ایمان لانے کا معاملہ؟ تو آپ کی ولادت پاک سے بھی آپ پر ایمان لانے والے ایمان لاتے رہے۔ تبع بادشاہ نے شہر مدینہ کی بنیاد رکھی اور اپنے مذہب کے تین سو علماء کے لئے مکانات تیار کیے۔ بڑے عالم کو اپنی طرف سے یہ عریضہ لکھ کر دیا اور آپ کو پیش کرنے کی وصیت کی جس میں اپنے ایمان لانے اور اطاعت بجا لانے کا عہد تھا۔ حالانکہ یہ ہجرت سے ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ شیخ محقق فرماتے ہیں صرف ورقہ کی کیا خصوصیت ہے بلکہ پوری جماعت ہے ان حضرات کی جو کہ آپ کی صورت عنصری اور جسمانی شکل کے وجود اور ظہور سے قبل آپ پر ایمان لا چکے تھے مثل حبیب نجار وغیرہ بلکہ چند اشخاص کی کیا خصوصیت ہے ''تمام رسل و انبیاء علیہم السلام و امم ایشاں بآنحضرت ﷺ ایمان آوردہ اند'' تمام رسل کرام اور سبھی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ پر ایمان لا چکی تھیں بلکہ آپ کے ظہور سے قبل آپ کے طفیل اور توسل سے کفار کے خلاف فتح طلب کرتے تھے۔ لہٰذا ایمان لانے کے لیۓ آپ کا بالفعل اس جہان میں موجود ہونا بھی ضروری نہیں چہ جائیکہ بالفعل وصف نبوت کے ساتھ موصوف ہونا۔ فتأمل حق التأمل'' ملخصاً بلفظہ (صفحہ ۲۲۲)۔

جواب:

یہ صحیح ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کا بصورت بشریہ ظہور نہیں ہوا تھا لیکن آپ اس وقت بالفعل نبی بھی نہ تھے؟ بالکل غلط ہے۔ جس کے غلط ہونے کو ثابت کرنے کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ یہی مصنف تحقیقات جواب ''چہ جائیکہ بالفعل وصف نبوت کے ساتھ موصوف ہونا'' کہہ رہے ہیں، اپنی دیگر کتب میں متعدد تصریحات کے علاوہ خود اپنی اس انوکھی ''تحقیقات'' میں کم وبیش ۲۳ مقامات پر اس امر کا صراحت کے ساتھ اقرار کر رہے ہیں کہ سید عالم ﷺ اس عالم میں بالفعل نبی تھے جو ملٰئکہ وارواح انبیاء کرام علیہم السلام کی تربیت فرماتے اور انہیں فیض دیتے تھے جب کہ اس کے بعد اس نبوت کا معاذ اللہ تعطل، سلب یا زوال بھی ثابت نہیں۔ لہٰذا حضور کی ظاہری جلوہ گری سے قبل تبّع حمیری، حبیب نجار اور سابقہ انبیاء ورسل کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کا آپ پر ایمان لانا اسی بناء پر تھا کہ آپ اس وقت بھی بالفعل نبی تھے۔

موصوف بات بات پر حضرت شیخ محقق کی کوئی نہ کوئی عبارت پیش کرتے چلے آرہے ہیں جس سے مقصود ان کے نام نامی سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے جب کہ ان کی کوئی عبارت موصوف کا ساتھ نہیں دے رہی گویا انہوں نے حضرت شیخ پر افتراء برافتراء کی قسم کھالی ہے ورنہ حضرت شیخ نے یہ کہاں فرمایا ہے کہ تمام انبیاء ورسل کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ ﷺ پر اس کے باوجود ایمان لے آئے کہ آپ اس جہان میں بالفعل موجود تو کجا بالفعل وصف نبوت سے موصوف بھی نہ تھے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور تھوڑی سی عقل والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ آپ کے وجود باوجود کے بغیر آپ پر ایمان لانا اور آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا متصور ہی نہیں ہوسکتا۔

آخر میں دعوت فکر دیتے ہوئے لکھا ہے: ''فتأمل حق التأمل'' یعنی ایسے سوچ جیسے سوچنے کا حق ہے۔

جواباً گزارش ہے کہ یہ الفاظ موصوف نے اپنی اس کتاب میں کئی مقامات پر استعمال کئے ہیں تو

اوّلاً: یا تو یہ ان کا تکیۂ کلام ہے۔

ثانیاً: اگر اس سے وہ اپنے قاری کو دعوت فکر دینا چاہتے ہیں تو عرض ہے کہ ساری تلقینیں صرف قائلین نبوت مصطفیٰ ﷺ کے لئے ہیں یا تم بھی کچھ سوچو گے اور تم بھی اس کے پابند ہو؟

ثالثاً: موصوف کے ان لفظوں کا مطلب یہ بن رہا ہے کہ خبردار ایسا نہ بن جانا کہ آپ ﷺ کی شان کو آنکھیں بند کر کے مانتے چلے جاؤ بلکہ اس کے لئے ایک بار نہیں بلکہ سو بار سوچیئے گا کہ کہیں آپ ﷺ کی عظمت کو مان ہی نہ بیٹھو۔

پس موصوف سوچیں کہ وہ پہلے کیا تھے اور اب کیا بن گئے اور کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں۔ ؎

آپ ہی اپنی جفاؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

نوٹ: واقعہ ہذا کے حوالہ سے مصنف تحقیقات نے ایک اعتراض مزید آیت حتی اذا بلغ اشدہ کے تحت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بنیاد بنا کر کیا ہے اس کا جواب ہم بھی ان کے دلائل کے جوابات میں (باب نہم میں) پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

○ **نوٹ**: مودودی صاحب نے واقعات حضرت بحیرا و نسطورا رضی اللہ عنہما پر سخت چوٹیں کی ہیں ملاحظہ ہو: (سیرت سرور عالم ﷺ صفحہ ۱۰۶ تا ۱۰۸ طبع لاہور)۔ تنبیہات جلد اوّل، میں ہم نے دلائل سے واضح کیا ہے کہ مصنف تحقیقات نے مجموعی طور پر مسئلہ ہذا کا ایندھن مودودی صاحب سے لیا ہے پس قرین قیاس یہی ہے کہ اس مقام پر بھی ان کا سلف مودودی صاحب ہی ہوں۔

دیگر دلائل اثبات پر اعتراضات کے جوابات

ثم جاء کم رسول" پر اعتراضات کے جوابات:

مصنف تحقیقات لکھتے ہیں: ''اگر چہ آپ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے اور دیگر انبیاء علیہم السلام آپ سے مستفیض اور مستفید ہوتے رہے لیکن آیت کریمہ میں یہ مراد نہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے وہاں ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیا گیا بلکہ اس قول باری تعالیٰ میں دنیوی بعثت کے متعلق ان سے عہد لیا گیا تھا۔ ہر مفسر نے اس کا یہی معنٰی بیان فرمایا ہے۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے اور علی قاری نے تفسیر بغوی کے حوالے سے یہی تصریح فرمائی ہے۔

- آیت کریمہ میں انبیا علیہم السلام سے کتاب وحکمت عطا ہونے کے بعد یہ مطالبہ کیا گیا جب کہ روز میثاق تو ان کو کتاب وحکمت نہیں دی گئی تھی تو پھر اس عہد کی وفا کیسے پائی گئی اور ان کے لئے آپ کی رسالت اس آیت سے کیسے ثابت ہوگئی؟
- یہاں مستقبل کے صیغے ہیں لتؤمنن بہ ولتنصرنہ ۔تو ماضی والا معنٰی مراد لینا کیونکر روا ہوسکتا ہے۔ جب وہ مکلّف عالم اجسام کے لحاظ سے ہیں تو رسول مصدق ہونا بھی عالم اجسام کے لحاظ سے ہوگا لہٰذا اس آیت سے غار حراء سے قبل رسول ہونے کا اثبات سراسر دھاندلی اور تحکم ہے۔
- ان کو بھی النبین کے وصف سے موصوف کیا گیا ہے وہ اس وقت بالفعل وصف نبوت کے ساتھ موصوف نہیں تھے تو آپ کا اس وقت یا پیدا ہوتے ہی مصدق لما معکم ہونا کس طرح ثابت ہوگیا؟

حضرت علی مرتضٰی سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد والے حضرات سے محمد کریم ﷺ کے متعلق یہ عہد لیا کہ اگر آپ ان کی زندگانی میں مبعوث ہوئے تو وہ ضرور بالضرور ان کے ساتھ ایمان لائیں گے اور ان کی اعانت کریں گے اور یہ حکم بھی ان کو دیا کہ وہ اپنی امتوں سے بھی یہ عہد لیں ۔روح المعانی، جلد۳، صفحہ ۱۸۵، ابن کثیر جلد ۱، صفحہ ۳۳۷۔ کبیر جلد ۳، صفحہ ۴۷۲ ملخّصاً بلفظہ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۲۷، ۲۹،۲۸)۔

جواب:

راقم الحروف کے نزدیک آیت مذکورہ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ عندالجمہورعلی الصحیح نبی اور رسول میں فرق ہے یعنی انہیں مترادف سمجھنا درست نہیں نیز یہ کہ انسانوں میں سے جو رسول ہوگا وہ لازمی طور پر نبی بھی ہو گا۔اس سب کی مکمل باحوالہ مع مالہ وماعلیہ تفصیل جلداوّل میں دلیل ۲۰۴ کے تحت گزر چکی ہے۔

نیز باب سوم میں یہ بھی مفصلاً گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ کو قبل تخلیق آدم علیہ السلام بالفعل نبی بنایا گیا جس کا موصوف کو بھی اقرار ہے جوان کی پیش نظر عبارت میں بھی موجود ہے۔پس اللہ تعالیٰ نے جب ''ثم جاء کم نبی مصدق ''نہیں بلکہ ''رسول مصدق ''فرمایا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ نبی پہلے سے تھے وھو المقصود۔

بناءً علیہ موصوف کے مذکورہ بالا تمام اعتراضات ایک ایک کر کے سب اڑ گئے کیونکہ ان سب کی بنیاد حسب احکام عالم اجسام میں اثبات رسالت ورسول پر ہے جب کہ ہمارا دعویٰ قبل اعلان نبوت آپ کے نبی ہونے کا ہے۔لہٰذا اب غارِ حراء سے قبل آپ کو نبی نہ ماننا سراسر ہیرا پھیری اور غداری ہوگا۔ ﷺ۔

کچھ تفصیل پہلے بھی گزری ہے۔''النبیین ''کے متعلق تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔

اس مقام پر موصوف نے لفظ ''رسول'' استعمال کیا ہے تھوڑا آگے جا کر انہیں شاید احساس ہوا کہ یہ تو اپنے خصوم کے موقف کو راستہ دینے والی بات ہے تو کہنہ مشقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے لیئے انہوں نے انتہائی چیڑے چیڑے الفاظ رکھ کر اسے یکسر بدل دیا۔چنانچہ صفحہ ۲۷ پر یوں لکھا ہے کہ ''پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے'' جب کہ صفحہ ۲۰۸ پر اسے یوں بنا دیا: ''پھر تمہارے پاس یہ محبوب تشریف لائیں'' جب کہ محبوب ہونے کے لیئے نبی یا رسول ہونا لازم نہیں کہ صدیقین وشہداء وصالحین (جو غیر انبیاء ہوں وہ) بھی خدا کے محبوب ہیں قال اللہ تعالی فی کلامہ المجید ''''یحببکم اللہ ''وقال ایضاً یحبھم ویحبونہ وفی القدسی حتی احببتہ۔وفی الحدیث اذا احب اللہ عبداً الخ۔

ہاں! یہ ممکن ہے کہ اس سے وہ اپنے اس مخصوص نظریہ کو بیان کرنا چاہتے ہوں کہ آپ ﷺ اعلان نبوت سے پہلے صرف ولی تھے (معاذ اللہ) پھر نبی بنے اس کے بعد رسول قرار پائے (تحقیقات'صفحہ ۲۲۹) لیکن اس سے ان کے ان دونوں ترجموں میں تعارض تو بہر حال رہے گا۔نتیجۃً کسی ایک کو ماننے سے موصوف پر حکم آئے گا۔صفحہ ۲۷' کے مطابق ان کے طور پر غیر نبی کو نبی اور صفحہ ۲۰۸ کے مطابق نبی کو غیر نبی ماننا لازم آئے گا۔جب کہ وہ دونوں کفر ہیں۔پس یہ ان کے لیئے گلے کا کانٹا ہوا۔اگلتے بنے نہ نگلتے بنے۔

علم نبی ﷺ میں شک کا علاج:

اس مقام پر موصوف نے سید عالم ﷺ کے علم شریف کے متعلق شکیہ انداز میں لکھا ہے کہ: ''نبی بنائے جانے کا علم علیحدہ امر ہے اور بالفعل نبی ہونا علیحدہ امر ہے لہٰذا نبی مکرم ﷺ عمر شریف کے ابتدائی حصہ میں اپنے نبی بنائے جانے کا علم رکھتے ہوں' یہ محل کلام یا موضوع بحث نہیں ہے بحث اور کلام عملی طور پر اور بالفعل منصب نبوت کے مالک ہونے اور فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کا مکلّف ہونے میں ہے'' اھ بلفظہ (تحقیقات' صفحہ ۲۰۶)۔

اقول: و باللہ التوفیق۔ جہاں تک آپ ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کے معنٰی اور مطلب کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت کتاب ہٰذا کے کئی مقامات پر پورے شرح وبسط کے ساتھ کردی گئی ہے کہ آپ ﷺ کو قبل تخلیق آدم علیہ السلام بالفعل نبی بنایا گیا جس کے بعد کسی بھی زمانہ میں اس نبوت کا سلب یا زوال یا تعطّل ثابت نہیں پس آپ بلا انقطاع اسی نبوت کے وصف سے بمعنی حقیقی متصف رہے یہاں تک کہ آپ نے علی القول الصحیح چالیس سال کی عمر شریف میں بحکم الٰہی اپنے نبی ہونے کو ظاہر فرمایا پھر امر الٰہی کے آنے پر فریضۂ تبلیغ ما نزل من اللہ کو اداء فرمایا۔ چالیس سال سے پہلے (قبل از اعلان نبوت) فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کے مکلّف ہونے کے معنٰی میں آپ کا بالفعل نبی ہونا قائلین میں سے کسی نے بھی نہیں لکھا پس موصوف کا اسے از خود بنا کر قائلین کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانا ان کے لفظوں میں سراسر دھاندلی اور تحکم (سینہ زوری) ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۸) جس سے ان کی معروف شان علمی مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے ورنہ وہ بتائیں کہ قائلین میں سے آپ ﷺ کے اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کے بالفعل نبی ہونے کا آپ کا بیان کردہ من وعن یہ مطلب کس نے لکھا ہے؟ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔

رہے ان کے یہ الفاظ کہ ''نبی مکرم ﷺ عمر شریف کے ابتدائی حصہ میں اپنے نبی بنائے جانے کا علم رکھتے ہوں' یہ محل کلام نہیں ہے''؟ تو ان لفظوں کا واضح مطلب سید عالم ﷺ کے اپنی نبوت سے علم کی نفی ہے اور کم از کم یہ کہ اپنی نبوت کے متعلق آپ ﷺ کے علم شریف کے بارے میں موصوف کو شک ہے جو غلط اور تحقیق باحق اور حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔

جلد اوّل کے حصہ دلائل میں جو بکثرت احادیث اور روایات سیر وغیرہا پیش کی جاچکی ہیں ان میں متعدد حوالہ جات سے یہ بھی مذکور ہے کہ بے شمار احبار' رہبان' منجمین اور کاہنین نے آپ ﷺ کے بچپن مبارک میں گواہیاں دیں کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں جن میں حضرت بحیرا اور حضرت نسطورا رضی اللہ عنہما کے بیانات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خود حضور فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے آپ کو آپ کے بچپن مبارک میں بغور دیکھ کر آپ کے متعلق برملا کہا کہ یہ بچہ اس امت کا نبی ہے۔ ﷺ۔ نیز شجر و حجر آپ کو ''یا رسول اللہ'' کہہ کر سلام

کرتے تھے اوائل عمر شریف میں شق صدر مبارک کے موقع پر جبریل علیہ السلام نے آپ سے بالمشافہ کلام کرتے ہوئے عرض کی تھی ''انت محمد رسول اللہ'' آپ محمد رسول اللہ ہیں۔ ﷺ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ مجھے اسلام میں یارسول اللہ آپ کی نبوت کی ایک نشانی لے آئی جو یہ تھی کہ چاند آپ کے اشارے پر چلتا تھا جب کہ آپ گہوارے میں تھے تو آپ نے فرمایا میں تو عرش الٰہی کے نیچے اس کے سجدہ ریز ہوتے وقت پیدا ہونے والی آواز کو بھی سنتا تھا۔ والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہما نے اپنی وفات سے پہلے آپ سے کہا تھا فانت مبعوث الی الانام الخ میرے بیٹے تم اللہ کی جانب سے تمام مخلوق کے نبی مبعوث ہو۔ اور آپ کی ولادت باسعادت کے وقت جو نور عظیم ظاہر ہوا جس سے ملک شام کے محلات بھی چمک اٹھے تھے اور شرق تا غرب روشنی ہی روشنی پھیلی تھی ایسا مشہور امر تھا کہ شاید ہی کوئی اس سے بے خبر ہو۔ اس سے دیگر ہزاروں واقعات جو اس سلسلہ کی کڑی ہیں کسی اہل علم پر مخفی نہیں۔ تو ان حقائق کے ہوتے ہوئے یہ کیسے کہا اور باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے نبی ہونے کا علم نہ ہو؟ اس سے قطع نظر اس بارے میں خود آپ ﷺ کا ایک خصوصی ارشاد گرامی بھی منقول ہے جس کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ دلیل نمبر ۱۶۰ کے تحت مسند احمد، دارمی، بزار، ابونعیم، ابن عساکر، دلائل النبوۃ اور مجمع الزوائد وغیرہا کے حوالہ سے ایک حدیث پیش کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: ''کیف علمت انک نبی وبما علمت حتی استیقنت انک نبی''؟ یارسول اللہ آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم اور یقین کن ذرائع سے ہوا؟ تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے تو کچھ پتہ ہی نہیں تھا کہ میں نبی ہوں یا نہیں، خبردار ایسی بات آئندہ زبان پر کبھی مت لانا بلکہ آپ نے اس کا ایک ذریعہ بیان کرتے ہوئے اپنے شق صدر مبارک کا واقعہ ذکر فرمایا جو آپ کے بچپن مبارک میں ہوا تھا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس امر پر مہر تصدیق ثبت فرمائی کہ آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم بچپن مبارک ہی سے تھا۔ جس سے موصوف کے شک کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

اس سے قطع نظر اگر آپ کو معاذ اللہ اپنے نبی ہونے کا علم نہیں تھا تو جب جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر آئے تو آپ کو کیسے پتہ چلا تھا کہ یہ واقعی جبریل علیہ السلام ہیں اور ان کا لایا ہوا کلام، کلام الٰہی ہے اور آپ اس کلام کے مہبط اور خدا کے نبی ہیں؟ الغرض اگر علم نبی ﷺ کا عقیدہ نہ رکھا جائے تو دین اسلام کی پوری بنیاد ہی مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے لہٰذا جو یہ عقیدہ نہیں رکھتے وہ تحقیق حقیق سے دور ہیں۔

نہایت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ پاکستان میں جن لوگوں نے سب سے پہلے یہ نظریہ اختراع کیا تھا ان میں ایک رأس الوہابیہ مودودی صاحب اور دوسرے مشہور منکر حدیث اور غدار قرآن چوہدری غلام احمد

پرویز صاحب ہیں۔قرین قیاس یہی ہے کہ مصنف تحقیقات نے چونکہ یہ مسئلہ (انکار نبوت) مودودی صاحب وامثالہٗ سے سیکھا ہے (جس کی مدلل وضاحت شروع کتاب میں گزر چکی ہے) اس لیئے انکار علم یا شک فی علم النبی ﷺ کی وباء کا اثر بھی موصوف کو انہی لوگوں سے پہنچا ہے۔حوالہ کے لیئے ملاحظہ ہو (تفہیم القرآن‘ جلد۳‘ صفحہ ۶۶۷‘ طبع لاہور‘ مطبوعہ ۱۹۸۳ء۔ نیز سیرت سرورعالم (ﷺ) جلد۲ صفحہ ۱۰۸‘ ۱۰۹‘ ۱۳۲‘ ۱۳۶‘ ۱۳۸‘ طبع لاہور۔ نیز تحریک ختم نبوت“ تحریر کردہ چوہدری غلام احمد پرویز)۔

شقّ صدر مبارک پر اعتراض کے جوابات

اعتراض:

مصنف تحقیقات کہتے ہیں: ''شق صدر اسی کا ہوگا جس نے نبی ہونا ہوگا نہ یہ کہ جب سے شق صدر ہوا' نبوّت متحقق ہوگئی''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۲۵)۔

جواب:

یعنی یہ تو مان لیا ہے کہ شق صدر خاصّہ ٔ نبوت ہے۔ بلفظ دیگر شق صدر نبی ہی کا ہوتا ہے غیر نبی کا نہیں۔ رہ گیا یہ کہ ہوگا اسی کا جس نے نبی ہونا (یعنی مستقبل میں نبی بننا) ہوگا؟ تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ سرکار ﷺ اس کے بعد نبی نہیں بنے بلکہ آپ تو نبی پہلے سے بنے ہوئے تھے جس سے بنیادی طور پر موصوف کو بھی اختلاف نہیں (وقد مرّ غیر مرة)۔

نیز آپ ﷺ کا شق صدر مبارک تو اعلان نبوت کے بعد معراج شریف کے موقع پر بھی ہوا بناءً علیہ یہ دعوٰی ہی سرے سے بے بنیاد بلکہ حقائق کے خلاف ہے کہ ''شق صدر اسی کا ہوگا جس نے نبی ہونا ہوگا'' کیونکہ آپ ﷺ موقع معراج پر نبی ورسول بھی تھے اور آپ کا شق صدر مبارک بھی ہوا لہٰذا شق صدر سے نبوت ملی نہیں بلکہ شق صدر حضور کے پہلے سے نبی ہونے کی دلیل قرار پایا کہ آپ واقعی نبی ہیں۔

موصوف کے کلیہ کو صحیح مان لینے کی صورت میں معراج پاک کے موقع پر اعلان نبوت واظہار رسالت کے بعد بھی (خاکم بدہن منکر) آپ کی نبوت ورسالت سے انکار لازم آتا ہے (والعیاذ باللّٰہ)

موصوف کی ترقیٔ معکوس ملاحظہ کیجئے انہوں نے پہلے یہ نظریہ قائم کیا کہ چالیس سال کی عمر شریف تک آپ معاذ اللہ نبی نہیں تھے۔ پھر کہا کہ چالیس سال کے بعد سورۂ علق کی آیات کے نازل ہوجانے کے بعد بھی معاذ اللہ نبی نہیں تھے۔ اب وہ کہہ رہے ہیں کہ شق صدر اسی کا ہوگا جس نے نبی ہونا ہوگا یعنی آپ ﷺ کا شق صدر معراج شریف کے موقع پر ہوا تو اس وقت بھی نعوذ باللہ نبی نہیں تھے۔ اللہ خیر کرے۔

اعتراض:

پہلے دوسرے شق صدر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''گویا ان دونوں دفعہ کے شق صدر سے آپ میں عصمت وطہارت اور تزکیہ اور تصفیۂ نفس پیدا کرنا مقصود تھا جو کہ نبی بنائے جانے کی اساس اور بنیاد ہے''۔(تحقیقات،صفحہ ۲۲۵)۔

جواب:

''نبی بنائے جانے کی اساس اور بنیاد'' کہنا باطل ہے کیونکہ یہ اس وقت ہے کہ آپ اس وقت معاذ اللہ نبی نہ ہوں جب کہ دلائل وحقائق کی رو سے آپ پہلے نبی ہیں۔ ﷺ۔ یہ کہنا کہ ''عصمت پیدا کرنا مقصود تھا'' بھی کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ نبی قبل از اعلان نبوت بھی بالاتفاق معصوم ہوتا ہے موصوف بھی نہ صرف اس کے اجماعی ہونے کا اقرار کر چکے ہیں بلکہ اس کے منکر کو گمراہ اور جہنمی بھی قرار دے چکے ہیں۔ چنانچہ مدارج النبوۃ کے حوالہ سے امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول سے لکھا ہے: ''وے معصوم است پیش از نبوت و بعد از وے'' آپ نبوت سے پہلے بھی معصوم تھے اور نبوت کے بعد بھی معصوم تھے۔(تحقیقات،صفحہ ۱۸۰)۔

نیز صفحہ ۲۴۴ پر لکھا ہے: ''نبی کی ذات اقدس کا آغاز ولادت سے کفر وشرک اور اعمال سیئہ اور قابل نفرت افعال سے منزہ ومبرا ہونا اور معصوم ہونا لازم اور ضروری ہے''۔

نیز صفحہ ۲۴۰ پر لکھا ہے کہ: ''تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں اور جو اجماع امت کا مخالف ہو وہ سراسر گمراہ اور جہنمی ہے۔ کما قال اللہ تعالی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی و نصلہ جھنم وسأت مصیرا (النساء:۱۵۵)'' اھ بلفظہ۔

خلاصہ یہ کہ موصوف کا شق صدر مبارک (اوّل ودوم) کے حوالہ سے یہ عندیہ ایسا غلط ہے کہ خود ان کی تصریحات کے مطابق تمام اہل اسلام کے اجماع واتفاق یعنی اجماع امت کے خلاف اور گمراہی ہے جس کا انجام جہنم ہے اور مخالف سراسر گمراہ اور جہنمی ہے، شکر ہے اس مقام پر اپنا حکم متعین کرتے ہوئے وہ خود ہی بولے ہیں ورنہ ''ہم اگر عرض کرتے تو شکایت ہوتی''۔

اعتراض:

لکھتے ہیں: ''چوتھی دفعہ شق صدر کی حکمت یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلووں کی تاب لا سکیں اور اطمینان وسکون کے ساتھ شرف دیدار حاصل کرسکیں۔ نہ موسیٰ کلیم علیہ السلام کی طرح صفائی تجلی دیکھنے پر بے ہوش ہوسکیں اور نہ جبرئیل امین علیہ السلام کی طرح جل مرنے کا خطرہ محسوس کریں''۔(تحقیقات،صفحہ ۲۲۵)۔

جواب:

موصوف کی بیان کردہ یہ حکمت، شروع میں کئے گئے ان کے دعوٰی سے متصادم ہے ان کا دعوٰی یہ تھا (جس کا ثابت کرنا ان کے ذمہ بھی تھا) کہ ''شق صدر اسی کا ہوگا جس نے نبی ہونا ہوگا'' وجہ تصادم یہ ہے کہ اب وہ اس میں یہ اقرار کر رہے ہیں کہ یہ شق صدر اس لیئے نہ تھا کہ آپ کو نبی بنانا مقصود تھا بلکہ اس سے مقصود انوار و تجلیات میں اضافہ تھا لہٰذا اس سے ہمارا تو کچھ نہ بگاڑ سکے البتہ اپنے سمیت اپنے کلیہ کا صفایا کر گئے۔

باقی انہوں نے سید عالم ﷺ اور سید الملٰئکہ جبریل علیہ السلام کے متعلق معاذ اللہ جل مرنے'' کے جو کریہہ الفاظ استعمال کئے ہیں، ان کے بارے میں موصوف کا نام لیئے بغیر کسی بھی صحیح العقیدہ سنّی سے پوچھیں تو وہ یہی کہے گا کہ یہ کسی دریدہ دہن اور منہ پھٹ قسم کے گستاخ وہابی کا طرز بیان ہے جس میں شان نبوت و رسالت کا کچھ خیال نہیں رکھا گیا ہے قائل کے منہ میں جو آیا اس نے اسے بلا سوچے سمجھے اگل دیا ہے۔

اعتراض:

تیسرے شقِ صدر نیز مزید پہلے شق صدر کے حوالہ سے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے: ''تیسرے شق صدر میں حکمت یہ تھی کہ بار وحی اور نزول نبوت کے تحمل اور برداشت کی اہلیت وصلاحیت پیدا ہو جائے ورنہ طبیعت بشری اس بارگراں کو برداشت کرنے سے عاجز اور قاصر ہو جاتی''۔ تیسرے شق صدر نے تو ان مجتہد حضرات کے دعوٰی کا بھی صفایا کر دیا اور اس کو بھی پارہ پارہ کر دیا کیونکہ آپ آغاز ولادت سے ہی بالفعل نبی تھے تو پھر عمر عزیز کے چالیسویں سال باروحی اور ثقل نبوت کے برداشت کر سکنے کی تدبیر کرنے کا کیا مطلب؟ نیز پہلی دفعہ کے شق صدر نے بھی جزوی طور پر ان کے دعوٰی کو باطل ٹھہرا دیا کیونکہ وہ چوتھے سال میں ہوا تو اس سے قبل نبوت کا بالفعل تحقق اور ثبوت نہ پایا گیا تو آغاز ولادت سے ہی نبوت کا دعوٰی غلط اور بے بنیاد ٹھہرا۔ اس مجتہد صاحب نے اپنا دعوٰی ثابت کرنے کی بجائے الٹا اس کا رد کر دیا'' ملخصاً بلفظہ (تحقیقات صفحہ ۲۲۵، ۲۲۶)۔

جواب:

ہمارے نزدیک سید عالم ﷺ دائمی طور پر ہمیشہ ہمیشہ ترقی پر ہیں اور تنزلی سے بالکل پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لئن شکرتم لازیدنکم'' جب کہ آپ سے بڑھ کر اللہ کا کوئی شکر گزار نہیں جو اسم رسالت سے بھی واضح ہے اعنی ''محمد'' ﷺ۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم الحمد رأس الشکر۔ نیز ارشاد ہے وللاٰخرۃ خیرلك من الاولی ۔ نیز فرمان ہے: ورفعنالك ذکرك بناءً علیہ تحمل اور برداشت کی اہلیت و صلاحیت کے پیدا ہونے سے مراد اس میں مزید اضافہ ہے کیونکہ سب کمالات آپ کی ذات میں پہلے سے

موجود تھے لا نہ صلی اللہ علیہ وسلم اصل وجامع واولی بالکمالات ۔لہٰذا اضافہ ہی متعین ہوا۔ بہرحال اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ آپ نبی نہ تھے اس لیئے صلاحیت پیدا کی گئی کیونکہ یہ ترقیاں تو اعلان نبوت کے بعد بھی رہیں (لما مرّ انفاً) اور کسی بھی محقق نے اسے عدم نبوت کی دلیل نہیں بتایا یہ موصوف کا اپنا ذاتی اور متفردانہ قیاس ہے۔پس انہوں نے قائلین عظمت نبوت ﷺ کے لیئے یہاں ایک بار پھر جو ''مجتہد حضرات'' کی اپنی مخصوص اصطلاح بول کران پر چوٹ کی یعنی ''جہلا'' کہا ہے' اب وہ خود انصاف کرکے بتائیں کہ وہ خود ان پر لوٹ رہی ہے یا نہیں؟قال صلی اللہ علیہ وسلم '' فقد باء به احدهما'' ولنعم ما قيل من حضر بئراً لاخيه فقد وقع فيه۔

علاوہ ازیں موصوف اپنی اسی ''لاجواب تحقیقات'' میں علامہ بیضاوی کے حوالہ سے خود لکھ آئے ہیں کہ سید عالم ﷺ کی ذات پاک اس شان کی حامل تھی کہ اس میں مزید انوار وتجلیات کی پلٹ نہ بھی کی جاتی تو بھی اس میں براہ راست اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی صلاحیت تھی جس سے یہ امر ایک بار پھر متعین ہوجاتا ہے کہ صلاحیت پیدا کرنے سے مراد اس میں مزید اضافہ فرمانا ہی ہے۔عبارت مع ترجمہ از موصوف ملاحظہ ہو: ''ان الانبياء مافاقت قوتهم واشتعلت قريحتهم بحيث يكاد زيتها يضئ ولولم تمسسه النار' ارسل اليهم الملائكة ومن كان منهم اعلى رتبة كلمه بلاواسطه كما كلم موسٰى عليه السلام في الميقات ومحمداً ﷺ ليلة المعراج ''۔جب انبیاء علیہم السلام کی باطنی قوت اور روحانی استعداد وصلاحیت اپنے معراج کمال کو پہنچ جاتی ہے اور ان کی طبیعت اور فطرت میں استعداد روشن اور مستفید ہونے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ ان کی فطری استعداد کا زیتون آگ لگائے بغیر جل اٹھے اور روشن ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف ملٰئکہ کو مبعوث فرماتا ہے اور ان میں سے جو اعلیٰ درجہ کی استعداد باطنی اور روحانی صلاحیت کے مالک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ براہِ راست اور بلاواسطہ کلام فرماتا ہے جیسے کہ موسٰی علیہ السلام کے ساتھ میقات میں سر طور' اور محمد کریم ﷺ کے ساتھ شب معراج کو لامکاں میں کلام فرمایا''۔ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۴۷'۴۸'۴۹)۔

اقول: عبارت ہٰذا کے ابتدائی جملہ کے ترجمہ میں موصوف نے اگرچہ ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے کیونکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''چونکہ انبیاء علیہم السلام کی صلاحیت انتہائی فائق اور ان کا باطن نہایت روشن ہوتا ہے اس طرح سے کہ اسے مزید روشن کرنے کی بنیادی طور پر کچھ ضرورت نہیں ہوتی''۔

جب کہ موصوف نے اسے حسبِ پسند بناتے ہوئے ''چونکہ'' کو ''جب'' اور ''فائق وروشن ہوتی ہے'' کو ''ہوجاتی ہے'' بنادیا ہے۔تاہم مجموعی طور پر انہوں نے سید عالم ﷺ کی ذات بابرکات کی کمال درجہ صلاحیتوں کا

اقرار کرلیا ہے اور یہ بھی کہ صلاحیت پیدا کرنے سے مراد اس میں مزید اضافہ کرنا ہے۔

علاوہ ازیں ان کی کتاب کوثر الخیرات (صفحہ ۳۱۰ تا ۳۱۳) میں کی گئی ان کی تصریحات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے الوہیت ومعبودیت کے علاوہ ہر وصف کمال اور خلق حسن جو بھی کسی مخلوق کے شایانِ شان ہوسکتا ہے، علی الوجہ الاتم والاکمل اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرمادیا ہے اور تمام مخلوقات میں فرداً فرداً جو کمالات موجود تھے وہ ذات مصطفیٰ ﷺ میں یک جا فرمادیئے بلکہ ایسے مراتب ودرجات پر فائز فرمایا جو اور کسی فرد کے لیے ممکن ہی نہیں ہیں (الیٰ) رسول العالم ﷺ تمام کمالات ظاہرہ وباطنہ کے لیے معدن ہیں'' اھ

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

○ موصوف نے یہاں یہ صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ آپ کی ذات میں شق صدر نمبر ۳ کے ذریعہ آپ کی عمر شریف کے چالیسویں سال میں یہ اہلیت وصلاحیت رکھی گئی جس سے یہ بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ انہوں نے اپنے مکتوب (جس کا تفصیلی ذکر ابتدائیہ کتاب ہٰذا جلد اوّل میں آچکا ہے اس) میں نیز تحقیقات صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳ میں نیز ان کے بیٹے نے تتمہ تحقیقات صفحہ ۲۶۳، ۲۶۴ میں جو یہ تاویل کی تھی کہ آپ ﷺ آغاز ولادت باسعادت سے چالیس سال تک بالقوۃ نبی تھے (اور بعد میں بالفعل ہوئے) وہ بھی ایک شوشہ ثابت ہوئی پیش نظر عبارت سے موصوف نے اس کی بھی تغلیط کردی۔ بالفاظ دیگر بھولے بھالے یا نیازمند قسم کے سیدھے سادھے قسم کے علماء کے وفد کو جو چکمہ دیا تھا اس کی قلعی اس سے کھل گئی کہ درحقیقت موصوف آپ ﷺ کے بعمر چالیس سال کئے گئے اس شق صدر سے پہلے بالقوۃ نبی ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں کیونکہ وہ لکھ رہے ہیں کہ ''حکمت یہ تھی کہ بار وحی اور نزول نبوت کے تحمّل اور برداشت کی اہلیت وصلاحیت پیدا ہوجائے ورنہ طبیعت بشری عاجز اور قاصر ہوجاتی''۔ (ملخصاً بلفظہ)۔

ان سے پوچھ لیجئے کہ ''بالقوۃ'' کے الفاظ میں ''قوۃ'' اہلیت، صلاحیت اور استعداد کے معنٰی میں ہے یا نہیں؟ اگر پوچھنے والے لوگ تکڑے ہوئے تو ان شاء اللہ وہ مزید چکمہ نہیں دے سکیں گے۔

خلاصہ یہ کہ موصوف نے شق صدر سوم کی جو حکمت بیان کی ہے بہ ہیئت کذائیہ وہ ان کی ذاتی اختراع ہے اور فی الحقیقت کئی طرح سے ہے بھی ان کے خلاف۔ مجموعی طور پر بر تقدیر تسلیم ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس سے مراد صلاحیت میں مزید اضافہ پیدا کرنا ہے اور اس سے بھی قطع نظر وہ نبی ہونے کے قطعاً منافی نہیں ہے کہ ایسی ترقیاں تو اعلان نبوت کے بعد بھی جاری رہیں اور سب سے اہم یہ کہ آپ ﷺ پہلے سے نبی ہیں۔ والحمد للہ۔

○ ہمارے اس بیان سے موصوف کے اس اعتراض کا جواب بھی آگیا کہ اگر: ''آپ آغاز ولادت

سے ہی بالفعل نبی تھے تو پھر عمر عزیز کے چالیسویں سال...... برداشت کرسکنے کی تدبیر کا کیا مطلب؟

اقول: اس کا مطلب اضافہ و ترقی ہی ہے جو نبی ہونے کے منافی نہیں بلکہ عین اس کے مطابق ہے۔ دیگر تفاصیل وہی ہیں جو گزریں۔

○　اسی طرح شق صدر اوّل کے حوالہ سے ان کا یہ اعتراض بھی خود اڑ گیا کہ اس کا وقوع چار سال کی عمر شریف میں ہوا جب تحقق نبوت اس سے مانا گیا تو کم از کم چار سال سے پہلے تو نبی نہ مانا۔

اقول: گویا موصوف کو اس پر بہت قلبی مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ معاذ اللہ کچھ تو کمی شان ثابت ہوئی مگر انہیں اس پر خوش ہونے کی بجائے ماتم کرنا چاہئے کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہابیت کا جرثومہ ان میں سرایت کر کے اپنا اثر دکھانے لگا ہے پھر وہ احتجاج بھی کرتے ہیں کہ انہیں وہابیہ سے کیوں ملا دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے دوسرے کو کسی مسئلہ پر سمجھایا تو وہ کہنے لگا آپ میرے کیڑے نکالتے ہیں۔ اس نے جواب دیا ہوتے ہیں تو نکالتا ہوں۔ بہر حال اعتراض اس لیئے غلط ہے کہ ہمارے نزدیک کسی بھی شق صدر کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کو نبوت ملی نہیں بلکہ شق صدر اس امر کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ پہلے سے نبی ہیں۔ فرق آپ کو معلوم نہ ہو یا معلوم ہو اور آپ اسے عمداً چھپا کر اس پر خوش ہوں پھر بھی صفایا ہمارے دعوٰی کا ہوا اور پارہ پارہ ہونے کا حکم بھی اسی پر لگے۔ نیز باطل، غلط اور بے بنیاد بھی وہی ٹھہرے۔ خدا خدا کریں۔ اندھیر نگری تھوڑی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے خدّام اور غزالیٔ زمان کے کفش بردار بفضلہٖ تعالیٰ ابھی زندہ ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ اپنے لفظوں میں ''مجتہد صاحب'' بھی آپ ثابت ہوئے اور اپنا دعوٰی ثابت کرنے کی بجائے الٹا اس کی خلاف ورزیاں بھی آپ نے کیں ہماری معروضات بالا دوبارہ پڑھیں ؎

کلک رضا ہے خنجر برق بار　　　اعداء سے کہہ دو خیر منائیں

اعتراض:

''اگر ایسے مجتہد حضرات کے ہاتھ میں اہل سنت کے عقائد و نظریات کے تحفظ کی ذمہ داری آ گئی تو (العیاذ باللہ) نہ جانے کون کون سے گل کھلائیں گے؟''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۲۶)۔

جواب:

یعنی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلک کی ساری باگ دوڑ آپ کے ہاتھ میں دے دی جائے تا کہ آپ اس جیسے گل اور بھی کھلائیں اور رہی سہی کسر بھی پوری کر دیں۔ لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔

جناب اس طرز سے بات اس کے متعلق کی جاتی ہے جس سے کوئی شکایت ہو۔ بحمدہ تعالیٰ۔ ہم سے

ایسی کوئی شکایت نہیں ہے۔ ہم تو پہلے بھی سرکار ﷺ کے گن گا رہے تھے اور اب بھی آپ کی ناموس پاک کی پاسبانی کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ (خدانخواستہ) ہر اٹھنے والی ایسی گرد کو اچھالنے والوں پر دفع کرتے رہیں گے۔ لہذا ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت   دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

مگر آپ ہیں کہ خود کو سمجھانے اور غلطی کا اعتراف کر کے قبر و آخرت سنوارنے کی بجائے الٹا آنکھیں بھی حضور انور ﷺ کی عظمت کے پاسبانوں کو دکھاتے ہیں۔ خیریت تو ہے؟

اعتراض:

مصنف تحقیقات نے ''دراصل بحث'' کا عنوان دے کر کچھ تمہیدی الفاظ کے بعد تفسیر کبیر اور روح المعانی کی ایک عبارت پیش کر کے مسئلہ شق صدر کے حوالہ سے مزید کچھ اعتراضات کئے ہیں، مختصر خلاصوں میں ان کا بیان پھر جوابات حاضر ہیں۔

موصوف نے پہلی بات یہ کی ہے کہ: معتزلہ نے شق صدر اوّل و دوم سے انکار کیا وجہ یہ بتائی کہ یہ معجزہ ہے جب کہ معجزہ نبی کا ہوتا ہے اور ''نبوت آپ کو چالیس سال بعد ملی لہذا پہلے دو شق صدر تسلیم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے جو روایات اس پر دلالت کرتی ہیں وہ نا قابل اعتبار ہیں''۔

کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت نے اس کا جواب یہ دیا کہ انبیاء علیہم السلام سے جو خلاف معمول کام سرزد ہوتے ہیں وہ صرف معجزہ میں منحصر نہیں ہوتے بلکہ ان خوارق عادات کو جو قبل از نبوت صادر ہوں ارہاص کہا جاتا ہے جس کا معنٰی ہے بنیاد رکھنا۔ اور بعد از نبوت صادر ہونے والے خلاف معمول امور کو معجزہ کہتے ہیں۔ اگر ارہاص کو کوئی معجزہ کے لفظ سے تعبیر کر دیتا ہے تو یہ از روئے اصطلاح (مجازی استعمال ہے کہ معجزہ کے مشابہ بھی ہے اور وہ ہستی مستقبل میں نبی بھی بننے والی ہے تو اس کو معجزہ کہہ دینا صحیح ہے لیکن اہل کلام کی اصطلاح کے مطابق وہ ارہاص ہے نہ کہ معجزہ۔ لہذا شق صدر نمبر ۱، نمبر ۲، درحقیقت ارہاص ہیں (ملخّصاً) ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹)۔

جواب:

اوّل: موصوف نے یہ لمبی چوڑی تقریر چھیڑی تو اس ارادہ سے تھی کہ وہ قائلین نبوت کو مار دے دیں مگر اللہ کے کرنے سے وہ پڑ گئی خود ان پر۔ کیونکہ وہ اس میں واضح طور پر یہ لکھ رہے ہیں کہ معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ ''نبوت آپ کو چالیس سال بعد ملی'' جس کے بعد اب اس میں کچھ ابہام نہ رہا کہ موصوف اس مسئلہ میں

معتزلہ کی راہ پر چل رہے ہیں جب کہ معتزلہ پرانے دور میں وہی کچھ تھے جو دور حاضر میں مختلف شکلوں میں وہابیہ ہیں۔لہٰذا علماء اہل سنت کا موصوف کو اس میں وہابیہ کے موافق بتانا کچھ بے جا یا کوئی غلط الزام نہیں بلکہ عین حقیقت کے مطابق ہے۔آگے چلیے:

O رہا ان کا اس پر زور دینا کہ شق صدر سمیت جملہ خوارق جو نبی کریم ﷺ سے قبل اعلان نبوت صادر ہوئے وہ معجزہ نہیں بلکہ ارہاص ہیں پھر اس کا یہ مطلب لینا کہ قبل از اعلان نبی ہوتے تو خوارق قبلیہ کو بھی معجزہ کہا جاتا؟ تو یہ انہیں کچھ مفید یا ہمیں کچھ مضر نہیں ہے کیونکہ:

اولاً: ارہاص اور معجزہ کا فرق محض اصطلاحاً ہے جس سے مقصود آپ ﷺ کے احوال مبارکہ کو قدم بہ قدم محفوظ کرنا ہے ورنہ حقیقت میں ان میں کچھ فرق نہیں جیسے پورا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔مگر کچھ حصے کو مکی اور کچھ کو مدنی کہا جاتا ہے تو کیا اس فرق کی بناء پر معاذ اللہ کچھ حصے کی قرآنیت کمزور کہلائے گی۔

ثانیاً: علماء شان کے کلام میں خوارق قبلیہ پر بھی معجزات کا اطلاق موجود ہے۔چنانچہ امام جلال الملۃ والدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں شب میلاد مبارک میں ظاہر ہونے والے کمالات کو معجزات کا عنوان دیا ہے' ان کے لفظ ہیں: "باب ماظاهر فى ليلة مولده ﷺ من المعجزات والخصائص" یعنی آپ ﷺ کے ان معجزات وخصائص کا بیان جو شب میلاد شریف میں ظاہر ہوئے۔(جلد ا' صفحہ ۴۵' طبع مصر پاکستان)۔

نیز حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (جن کے نام کو موصوف نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیئے بہت زیادہ استعمال کیا ہے' انہوں) نے مدارج النبوۃ فارسی (جلد ۲' صفحہ ۸' طبع سکھر) میں معجزات کی تین قسمیں لکھی ہیں: نمبر ا، جو قبل از نبوت ظاہر ہوئے پھر انہیں ارہاصات کے نام سے بھی یاد فرمایا۔ نمبر ۲: جو زمانۂ نبوت میں ظاہر ہوئے اور نمبر ۳: جو زمانۂ نبوت کے بعد ظاہر ہوئے جنہیں کرامات اولیاء کے نام سے بیان فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوارق قبلیہ اسی طرح بعدیہ بھی معجزات ہی ہیں جنہیں زمانۂ ظہور وغیرہ کے فرق کی بنیاد پر الگ الگ نام دیئے گئے لیکن موصوف کے طور پر جو خوارق حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد اولیاء امت کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے' ان میں معاذ اللہ شان نبوت پر کچھ دلالت نہیں حالانکہ محققین کی تصریحات موجود ہیں کہ ولی کی کرامت در حقیقت اس کے نبی کا معجزہ ہوتی ہے۔

فقیر نے علامہ سیوطی کا یہ حوالہ ۲۰۰۷ء میں لکھ کر موصوف کو بھیجا تھا مگر تا حال جواب ندارد اس کے

باوجود اس قدر تحکم؟ اسے کیا کہئے؟ رہا یہ کہ علم کلام کی اصطلاح میں خوارق قبلیہ کو صرف ارہاص کہا جاتا ہے؟

تو **اولاً**: امام سیوطی اور شیخ محقق رحمہما اللہ تعالیٰ ان جامع شخصیات میں سے ہیں جنہیں علم کلام پر بھی کامل دسترس اور مہارت ومزاولت وممارست تامہ حاصل تھی۔ پھر بھی انہوں نے خوارق قبلیہ کو ''معجزات'' کا نام وعنوان دیا ہے۔لہٰذا علم کلام کی اصطلاح والا عذر رفع ہوگیا اور دفع بھی۔

ثانیاً: نیز کسی طبقہ کی اصطلاح سے یہ کب لازم آیا کہ دوسرا کوئی اپنی اصطلاح مقرر ہی نہ کر سکے۔اگر ایسا ہے تو ''ولامشاحۃ فی الاصطلاح'' کا مطلب ومصرف کیا ہے؟

ثالثاً: بعض علما کلام نے تو بعد از اعلان نبوت ظاہر ہونے والے خوارق کو بھی دو قسموں پر منقسم کیا ہے:

نمبرا: جن کا ظہور مطالبہ کے بغیر ہو اور **نمبر۲**: جن کا ظہور مطالبہ کے بعد ہو۔

قسم اوّل کو وہ ''آیۃ'' اور قسم ثانی کو ''معجزہ'' کا نام دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو التحریر للامام ابن الہمام رحمہ المنعام۔

تو کیا اب وہ یہ کہنا شروع کر دیں کہ معاذ اللہ بعد از اعلان نبوت بھی نبوت میں ابھی کچھ کمی باقی رہ گئی تھی جس پر انہوں نے تحقیقات کے بعد مزید تنقیحات پیش کرنی ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔

رہا یہ کہ ''ارہاص'' کا معنٰی ہے بنیاد رکھنا جس سے عدم نبوت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس ہستی کی نبوت کی بنیاد رکھی جا رہی ہے جس پر اس کا ظہور ہوا؟

تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس کا معنٰی تاسیس اور بنیاد رکھنا ضرور ہے مگر حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق کسی بھی ژرف نظر سنّی محقق نے یہ معنٰی نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف اس کا ایسا کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکے۔

ہمارے نزدیک ''ارہاص'' کا معنٰی حضور ﷺ کو نبوت دینا شروع کرنا نہیں کیونکہ آپ ﷺ تو قبل تخلیق آدم علیہ السلام بالفعل نبی بنا دیئے گئے جس کا موصوف نے بھی اپنی دیگر کتب کے علاوہ بالخصوص تحقیقات میں تقریباً دو درجن مرتبہ اقرار کیا ہے (بحوالہ تفصیل کئی بار گزری ہے)۔لہٰذا اس کا تعلق لوگوں سے ہے یعنی لوگوں کے لیئے اس کے ظہور کی بنیاد رکھنا۔ بالفاظ دیگر یک دم ظاہر کرنے کی بجائے مختلف طریقوں سے قابل قبول بنانے کے لیئے اسے ظاہر کرنا اور اس کے لیئے راہ ہموار کرنا۔ جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ موصوف نے اس مقام پر جس علامہ الوسی اور جس علامہ رازی (کی کتب) کے حوالے دیئے اور ان کی عبارت کے نقل کرنے سے پہلے انہیں ''علماء کرام اور مقتدایان انام'' لکھا ہے (تحقیقات' صفحہ ۲۲۶)۔

وہ دونوں اعلان نبوت سے قبل بھی آپ ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کے قائل ہیں جن کے حوالے

۲۰۰۷ء میں موصوف کو دیئے جا چکے ہیں جن کا صحیح جواب آج تک ان سے نہیں بن پڑا پس ان کی عبارتیں پیش کرنے کا انہیں کیا فائدہ ہوا؟

ع　جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

پھر اپنے دل خواہ حوالے ہوں تو وہ ''علماء'' کے ساتھ ''کرام'' بھی ہیں اور ''مقتدایان انام'' بھی۔ برعکس ہوں تو ان کا کچھ اعتبار ہی نہیں ہے؟ میٹھا ہپ کڑوا تھو؟ خدارا دوہری پالیسی تو مت اپنائیں۔

نوٹ: علامہ رازی اور علامہ الوسی علیہما الرحمۃ کے اقوال شروع باب ہشتم میں ''وہ دلائل جن کا جواب مصنف تحقیقات نے نہیں دیا'' کے تحت نمبر۴ تا نمبر۷ پر گزر چکے ہیں۔

اعتراض:

لکھتے ہیں: ''پیغمبران کرام علیہم السلام سے سرزد ہونے والے خلاف معمول امور کو معجزہ میں منحصر ماننا معتزلہ کا مذہب ہے نہ کہ اہل سنت کا۔ تو گویا ہمارے زمانے کے بزعم خویش مجتہد اور محقق دعوے تو کرتے ہیں سنی ہونے کا اور استدلال میں معتزلی نظریات کو اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں جو تجاہل ہے یا بھرپور جہالت ہے یا فریب کاری اور دھوکا بازی''۔ (صفحہ۲۲۹)۔

جواب:

''معجزہ میں منحصر ماننا معتزلہ کا مذہب ہے'' اس کی بنیاد کیا ہے؟ موصوف اس بحث کے شروع میں اس کی وضاحت کر آئے ہیں کہ معتزلہ کے نزدیک ''معجزہ کا ظہور حصول نبوت کے بعد ہوسکتا ہے نہ کہ اس سے قبل' اور نبوت آپ (ﷺ) کو چالیس سال بعد ملی لہٰذا اس سے پہلے ظہور معجزہ کا کوئی جواز نہیں ہے تو جو روایات اس پر دلالت کرتی ہیں وہ ناقابل اعتبار ہیں'' ملخصاً ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ۲۲۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ معتزلہ چونکہ چالیس سال تک آپ ﷺ کو معاذ اللہ نبی نہیں مانتے اس لئے وہ چالیس سال سے قبل آپ سے خوارق عادات کے ظہور کے قائل ہی نہیں کیونکہ نبی ہوں گے تو معجزہ ہوگا کہ معجزہ غیر نبی کا ہوتا ہی نہیں ہے۔ جب کہ قائلین نبوت (جنہیں موصوف نے دانت پیستے ہوئے طنزیہ انداز میں مجتہد اور محقق کہا ہے جس کا مطلب ہے ٹامک ٹوئیاں مارنے والے پرلے درجے کے جاہل لوگ۔ پھر کھول کر تجاہل' بھرپور جہالت' فریب کاری اور دھوکا بازی سے متہم بھی کیا ہے' ان) کا نظریہ یہ ہے کہ سید عالم ﷺ زمانہ قبل اعلان نبوت سمیت ہر آن اور ہر لحظہ نبی ہیں صرف ظہور و عدم ظہور کی بات ہے۔ اس لئے آپ سے قبل از اعلان نبوت بھی آپ سے خوارق عادات کا ظہور نہ صرف یہ کہ ہوسکتا ہے بلکہ واقع میں ہوا ہے جنہیں معجزات بھی کہا

جاسکتا ہے اور قبل اعلان و بعد اعلان نبوت کی نوعیت کے فرق نیز آپ کے احوال مبارکہ کو قدم بہ قدم محفوظ کرنے کی غرض سے ''ارہاصات'' بھی کہہ سکتے ہیں یا معتزلہ کی زبان بند کرنے کی غرض سے بھی اس اصطلاح کو استعمال کیا گیا جیسا کہ روح المعانی اور کبیر کی پیش کردہ عبارت میں اسی فلسفہ کا کارفرما ہونا مترشح ہے۔

لہٰذا موصوف کا اہل سنت کو اس مسئلہ میں معتزلہ سے ملا دینا اور اپنے ماننے والوں کو خوش کرنے کے لیۓ علماء اہل سنت کے متعلق نازیبا الفاظ کا استعمال کرنا ان کی شدید تلبیس اور سخت ہیرا پھیری ہے بناءً علیہ اپنے ان الفاظ کے حقیقۃً مصداق بھی وہ خود ہی ہیں جس کی وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ موصوف کے فرقہ کا مسئلہ ہٰذا میں موقف یہ ہے کہ آپ ﷺ معاذ اللہ چالیس سال تک نبی نہیں تھے اس کے ساتھ ساتھ انکا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ سے چالیس سال قبل خوارق کا ظہور بھی ہوسکتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے چالیس سال تک نبی نہ ہونے کا عقیدہ معتزلہ سے لے لیا اور چالیس سال سے قبل ظہور خوارق کا نظریہ اہل سنت سے ہتھیا لیا ہے جو کئی طرح کی چستیوں پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ معتزلہ کے قدم بہ قدم خود ہیں اس کا الزام دوسروں پر رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خوارق قبل اعلان نبوت کا قول اس لیۓ کیا تاکہ بھولے بھالے سنّی عوام کو دھوکہ دے کر میلاد شریف کی محفلیں سنبھال سکیں کیونکہ میلاد شریف اس کے بغیر ممکن نہیں۔ تیسرے یہ کہ خوارق قبلیہ کو عوام کے سامنے اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ گویا وہ پروانے ہیں اور دیوانے بھی مگر حقیقت میں اس کے منکر ہیں کہ انہیں معجزات نبی ﷺ کا نام دینے کے لیے سوسوتاؔویلیں کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں لوگوں کے سامنے وہ حضور شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا نام لیتے ہیں اور انہیں بڑے بڑے القاب سے یاد کرتے ہیں گویا ان کے بڑے قائل ہیں (تفصیل کچھ پہلے گزر چکی ہے) لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ یہاں وہ انہیں تجاہل' بھرپور جہالت' فریب کاری اور دھوکہ بازی وغیرہ کی گالیاں دے رہے ہیں کیونکہ حضرت شیخ بھی ان خوارق کو معجزات کے نام سے یاد کرتے ہیں جیسا کہ ابھی کچھ پہلے مدارج ۲ صفحہ ۸ سے ہم لکھ آئے ہیں اور یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ موصوف کو اس کا علم نہ ہو۔ نیز موصوف کی یہ گالیاں کم وبیش پچھتّر مرتبہ بیداری میں سیّد عالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے والے امام علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ہوئیں کیونکہ انہوں نے بھی ان خوارق کو ''معجزات'' کا عنوان دیا ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ مگر ''حق بہ صاحب حق رسید'' کے پیش نظر یہ سب گالیاں موصوف ہی کو لوٹ گئیں جس کا اندازہ یہاں سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ''بھرپور جہالت'' کی گالی بھی علماء اہل سنّت کو دی ہے جب کہ وہ یہاں یہ لفظ لکھ رہے ہیں: ''پیغمبران کرام علیہم السلام سے سرزد ہونے والے خلاف معمول امور''۔ جب کہ عرف میں سرزد ہونے'' کے لفظ ان امور کے لیۓ استعمال ہوئے

ہیں جو غلط قسم کے ہوں (والعیاذ با للہ تعالیٰ)۔ چنانچہ غلطی یا برائی سرزد ہوئی تو کہتے ہیں لیکن نیکی سرزد ہوئی نہیں کہا جاتا۔

خلاصہ یہ کہ مصنف تحقیقات معتزلہ کی راہ پر خود ہیں اسی طرح اپنے لفظوں میں تجاہل' بھرپور جہالت' فریب کاری اور دھوکا بازی کے مرتکب بھی خود ہیں مگر انتہائی چابک دستی سے ذمہ لگا رہے ہیں دوسرے بے گناہوں کے فوا اسفا و یا للعجب ولضیعة العلم والادب۔

اعتراض:

کہتے ہیں کہ: ''معتزلی نے اپنے زعم کی بناء پر نبوت سے پہلے کے شق صدر کا انکار کر دیا لیکن نبوت چالیس سال کے بعد ہی تسلیم کی لیکن ان حضرات نے ان سے سبقت لے جاتے ہوئے بچپن ہی سے نبوت کا تحقق تسلیم کر لیا۔ گویا نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ نہ اہل سنت والا نظریہ اپنایا اور نہ ہی معتزلہ والا مسلک برقرار رکھا''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۲۹)۔

جواب نمبر ۱:

اہل سنت وجماعت کا نظریہ یہی ہے کہ آپ ﷺ ولادت باسعادت سے چالیس سال کی عمر شریف تک بھی اللہ کے نبی تھے۔ لہٰذا وہ ''حضرات'' بفضلہٖ تعالیٰ اسی پر قائم ہیں پس نبوت کے چالیس سال بعد ملنے کو اہل سنت کا عقیدہ بتانا خلاف واقعہ ہے۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو تنبیہات' جلد اوّل' باب سوم' نیز ہفتم۔ تو اہل سنت والا نظریہ نہ اپنانے کا الزام سراسر غلط قرار پایا البتہ معتزلہ کو جوتے کی نوک پر رکھنے کی بات درست ہے۔

جواب نمبر ۲:

قائلین نبوت کو معتزلہ سے سبقت لے جانے والا کہنا بھی نہایت درجہ غلط اور بالکل بے جا ہے کیونکہ سبقت تو تب متصور ہے کہ جس چیز کا انہوں نے انکار کیا ہے۔ خدانخواستہ وہ اس میں ان سے بڑھ گئے ہوتے بچپن مبارک میں نبی ماننا معتزلہ کی مخالفت اور ان کا پُر زور ردّ ہے کہ وہ جس چیز کے منکر ہیں' ہم اس کے قائل ہیں لہٰذا مخالفت اور ردّ کو سبقت سے تعبیر کرنا ''خرد کا نام جنوں اور جنوں کا نام خرد'' رکھنے کے مترادف ہے پس

ع　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جواب نمبر ۳:

ابھی ہم کچھ پہلے باحوالہ لکھ آئے ہیں کہ موصوف عقیدہ بدلنے کے بعد شروع میں پہلے یہ کہتے تھے کہ آپ ﷺ چالیس سال تک معاذ اللہ نبی نہ تھے۔ یہ ان کی معتزلہ سے موافقت ہوئی۔ اب انہوں نے یہ لکھ دیا ہے

کہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد بھی معاذ اللہ نبی نہ تھے۔ یہ معتزلہ سے ایک قدم آگے بڑھنا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ لکھا کہ ''شق صدر اسی کا ہوگا جس نے نبی ہونا ہوگا''۔ اور یہ بھی وضاحت کردی کہ آپ ﷺ کا شق صدر چار بار ہوا جن میں سے چوتھا شب معراج میں ہوا (تحقیقات' صفحہ ۲۲۵) جس سے لازم آیا کہ آپ ﷺ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد شب معراج تک نبی نہ تھے۔ جو معتزلہ سے ایک مزید قدم اور بڑھنا ہے۔

اس سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ انکار نبوت میں وہ معتزلہ سے دو قدم مزید سبقت لے گئے ہیں مگر الزام وہ دوسروں پر رکھ رہے ہیں پس اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنا جرم دوسروں پر ڈالنے کے فن میں بھی انہیں بڑی مہارت ہے۔

جواب نمبر ۴:

علاوہ ازیں ''جو نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے'' وہ بھی حضرت خود ہی ہیں جسے بڑے تجربہ سے انہوں نے ڈال دیا ہے ان پر جنہیں اس سے دور کا واسطہ بھی نہیں انہی کے اٹھائے گئے نکتے کے حوالہ سے اس کی دلیل یہ ہے کہ معتزلہ نے خوارق قبلیہ سے دو طرح سے انکار کیا۔ ایک انہیں معجزہ کا نام دینے سے۔ دوسرا خود ان کے وقوع سے۔ جب کہ اہل سنت ان کے معجزہ ہونے کے بھی قائل ہیں اور معتزلہ کا منہ بند کرنے وغیرہ کی غرض سے ان کے لیے ''ارہاصات'' کی اصطلاح کے استعمال کرنے کے بھی قائل ہیں' مصنف تحقیقات نے تیسرا دروازہ نکالا کہ ان کے وقوع کے قائل بن گئے مگر انہیں معجزہ سمجھنے سے انکاری ہوگئے۔ لہٰذا ان کے یہ لفظ خود انہی پر پلٹ گئے کہ ''گویا نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے' نہ اہل سنت والا نظریہ اپنایا اور نہ ہی معتزلہ والا مسلک برقرار رکھا''۔ سچ ہے

ع	وہ الزام ہمیں دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

جواب نمبر ۵: وبطریق آخر:

موصوف آپ ﷺ کو بچپن پاک میں نبی ماننے کو ''نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے'' سے تعبیر کرتے ہیں جس کا مزید جواب یہ ہے کہ موصوف خود بھی چند سال پہلے تک اپنی زندگی کے بیشتر حصہ میں اپنے الفاظ کے مطابق ''نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے'' ہیں یعنی اسی کے قائل رہے ہیں کہ آپ ﷺ بچپن مبارک سمیت پورے زمانہ قبل از اعلان نبوت میں بھی بالفعل نبی تھے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب تنویر الابصار' ۲۲' ۲۳۔ نیز کوثر الخیرات اور سیرت سید الانبیاء ﷺ (وغیرہا)۔

لیکن اب وہ کچھ ادھر ہو گئے ہیں اور کچھ ادھر ہو گئے ہیں یعنی چالیس سال تک نبی نہ ہونے کے عقیدہ میں معتزلہ کے ساتھ ہیں اور قبل از اعلان نبوت امور خارقہ للعادۃ کے نظریہ میں آدھے اہل سنت کے ساتھ ہیں کہ ان کے وقوع کا خود کو قائل ظاہر کرتے ہیں البتہ انہیں معجزہ نہ سمجھنے میں (یعنی مزید آدھے) معتزلیوں کے ساتھ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اب وہ ادھر کے بھی ہیں ادھر کے بھی مگر ایسوں کو کوئی بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا کیونکہ انہیں اِدھر سے رنجش ہو جائے تو ان سے اُدھر چلے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور اُدھر سے خفگی ہو جائے تو اِدھر شامل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ نتیجہ وہی نکلا کہ ''نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے''۔

جناب ناراض بالکل نہیں ہونا۔ بولے ہیں تو ٹھنڈے دل سے سنیں بھی سہی۔

ع　　تنگ کیتا ای تے تنگ ہونڑاں پئے گا

خلاصہ یہ کہ شق صدر مبارک حضور سید عالم ﷺ کے قبل از اعلان نبوت' بالفعل نبی ہونے کی واقعی عمدہ دلیل ہے جس کے توڑنے سے موصوف سخت عاجز و ناکام ہیں اور رہیں گے ان شاءاللہ تعالیٰ۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے بزعم خویش جتنے لاینحل اعتراضات اٹھائے ہیں وہ تار عنکبوت سے بھی کمزور ہیں۔ جو خود انہی پر پلٹ گئے ہیں۔

جواب آخر:

اس سب سے قطع نظر اس کا سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ خود حضور سرور عالم ﷺ نے شق صدر کو اپنے نبی ہونے کی دلیل ٹھہرایا ہے جو دل سے کلمہ پڑھنے والے کے لیئے حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے جس سے انکار کرنے والے کو مزید جواب درکار ہو' تو حضور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے رابطہ کرے۔ آپ اس کی انتظار میں ہیں مکمل تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (کتاب ہٰذا کی جلد اوّل' دلیل نمبر ۱۲۴ تا ۱۲۹ نیز دلیل نمبر ۱۵۷ تا ۱۶۰)

کچھ تفصیل ''موازنہ بالامّت پر اعتراضات کے جوابات'' میں بھی آ رہی ہے۔ واللہ الموفق۔

○　**یقول المصنف:** ''واللہ الھادی الی الصراط المستقیم'' (صفحہ ۲۲۹)۔

اقول: ونحن ندعو اللہ ان یھدیک الیہ لکنہ مقید بمن یشاء فمن یضلل فلن تجدلہ ولیاً مرشداً (والعیاذ باللہ العظیم)

''موازنہ بالامّت''پراعتراضات کے جوابات

متعدد احادیث میں باسانید مختلفہ والفاظ متنوعہ حضرت ابوذرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت شداد اور حضرت عتبہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے شق صدر اول و دوم کے موقع پر ایک فرشتے نے اپنے ساتھی فرشتہ سے کہا کہ انہیں ان کی امت کے دس افراد کے ساتھ تولو۔ حضور فرماتے ہیں کہ میرا وزن ان سے زیادہ نکلا۔ پھر سو کے ساتھ اس کے بعد پھر ہزار کے ساتھ میرا وزن کیا گیا تو بھی میں ان سے وزن میں زیادہ ہوا۔ کہنے لگے بس کرو اگر انہیں ان کی پوری امت سے بھی تولوگے تو بھی ان کا وزن سب سے زیادہ نکلے گا۔ مکمل تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو (تنبیہات جلداوّل صفحہ۱۲۴ نیز ۱۶۰)۔

اقول: یہ احادیث آپ ﷺ کے قبل از اعلان نبوت نبی ہونے کی دلیل ہیں کیونکہ ان میں آپ کے افراد امت کے ساتھ موازنہ کا ذکر ہے جب کہ امّت نبی کی ہوتی ہے۔ اس پر مصنف تحقیقات نے جو اعتراضات کئے ہیں مع جوابات حسب ذیل ہیں:

اعتراضات: موصوف کہتے ہیں کہ:

۱　''ایسے مستدلین حضرات نے دوران استدلال اپنے عقول واذہان کو چھٹی دے رکھی ہوتی ہے اور ذرہ بھر غور وفکر سے کام نہیں لیتے۔ ان مجتہد حضرات سے کون پوچھے کہ اعلان نبوت کے بغیر امت کا تصور کیسے ہوسکتا ہے جب کہ چالیس سال سے پہلے اعلان نبوت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اس دلیل سے آپ کے لئے بالفعل امت بھی ثابت کردی اور وہ بھی ہزاروں کے حساب سے''۔

۲　امت دو قسم ہوتی ہے امت اجابت اور امت دعوت۔ تو جب تک لوگوں کو دعوت توحید ورسالت ہی نہ پہنچی تو ان کا امت ہونا کیونکر متصور ہوسکتا ہے اور موازنہ کا اور بھاری ہونے کا تصور کیسے ہوسکتا ہے؟

۳　جن کے ساتھ موازنہ کیا گیا وہ امت اجابت ہے۔ ذرا سوچ کر بتلایا جائے کہ دس سال کی عمر شریف میں بالفعل امت اجابت کہاں تھی اور وہ بھی اس کثرت کے ساتھ۔ الغرض نہ اس وقت امت اجابت بلکہ نہ ہی امت دعوت اور نہ ہی اس سے بالفعل نبوت ثابت ہوسکتی ہے۔

۴　حقیقت حال یہ ہے کہ یہ عالم مثال کا معاملہ ہے تو اس میں آئندہ جو مرتبہ و مقام آپ کو ملنے والا تھا اس کی بشارت دی جا رہی تھی۔ بظاہر وزن جسم اقدس کا امت کے اجسام سے کیا جا رہا ہے لیکن درحقیقت باطنی اور روحانی مراتب کے لحاظ سے فضیلت ثابت کی جا رہی تھی۔ خوشخبری سنائی جا رہی تھی فتدبر حق التدبر'' ملخصاً بلفظہ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۲۳' ۲۲۴' ۲۲۵)۔

جواب نمبر۱:

موصوف نے جواب کا باقاعدہ آغاز گالی سے کیا ہے جو علماء کی شان نہیں اور یہ کیفیت عموماً اس کی بنتی ہے جو دلائل سے قلاش ہو جائے کہ اس طریقہ سے اہل علم نہ سہی اصحاب جہالت تو اتنے غصے کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ آخر ان کا کوئی حق مارا گیا ہے تو اس قدر گرم ہیں۔

○　موصوف کے الفاظ ''اپنے عقول و اذہان کو چھٹی دے رکھی ہے ذرہ بھر بھی غور و فکر سے کام نہیں لیتے'' کا معنٰی یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے فارغ' پاگل اور احمق ہیں نیز مجتہد حضرات کے لفظ انہوں نے جہلاء کے معنٰی میں بولے ہیں انہیں اتنی بھی سوچ نہ آئی کہ ان کی یہ گالی ان کے موجود خصوم سے تجاوز کر کے صحابہ و تابعین و اتباع تک جا پہنچی ہے جنہوں نے موازنہ بالامت کی حدیث کو روایت کیا اور اسے امت تک پہنچایا کیونکہ موصوف کے خصوم نے یہ بات اسی حدیث کو بنیاد بنا کر ہی تو کہی ہے۔ حالانکہ قائلین نبوت کی یہ بات قطعاً معیار عقل کے خلاف نہیں۔ ہر ذی عقل سمجھتا ہے کہ جیسے رعایا اور عوام حکمران کی ہوتی ہے' شاگرد استاذ کے ہوتے ہیں' مرید پیر کے ہوتے ہیں اسی طرح بلاشک و شبہ امت نبی ہی کی ہوتی ہے۔ اگر آپ اس وقت نبی نہ تھے تو فرشتوں (حضرت جبریل علیہ السلام وغیرہ) نے اس موقع پر ''امتہ'' کے لفظ بول کر ان افراد کو ''آپ کی امت'' کیوں کہا؟ اور جب ملک وحی یہ لفظ استعمال کر رہے ہیں اور حضور اقدس ﷺ سن کر اسے برقرار رکھ رہے ہیں جب کہ فرشتے آتے ہیں تو رب کے حکم سے' کچھ کہتے اور کرتے ہیں تو اس کے حکم سے۔ تو قطعی طور پر ''امتہ'' کے یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے کہلوائے۔ تو اس کے باوجود پھر بھی جو آپ کی نبوت پر شک کرے یا ان افراد کے امت ہونے کو تسلیم کرنے میں لیت و لعل سے کام لے اور خود ساختہ تاویلیں کرے تو اسے واقعی اپنا علاج کرانا چاہئے۔

○　بناءً علیہ یہ کہنا کہ ''مستدلین نے اس دلیل سے بالفعل امت ثابت کر دی'' خود اس کے قائل کے حق میں مضحکہ خیز ہے کیونکہ جب حدیث میں آ گیا ہے تو اس کو مان لینا ہی لائق ستائش ہے نہ کہ اس پر دانت پیسنا۔ پھر بالفعل امت مانی ہے تو عالم مثال کے مطابق مانی ہے یہ کب کہا ہے کہ وہ افراد اس وقت عالم اجسام میں بالفعل امت تھے۔

○ اس بیان سے موصوف کا یہ اعتراض بھی اڑ گیا کہ امت کی دو قسمیں ہیں اجابت و دعوت جب کہ امت دعوت کی کچھ حیثیت نہیں پس یہ موازنہ امت اجابت کے ساتھ واقع ہوا تو دس سال کی عمر شریف میں بالفعل امت اجابت کہاں تھی؟ کیونکہ وہ تو اعلان نبوت کے بعد متصور ہے وغیرہ۔ کیونکہ انہوں نے یہ ''عالم مثال کا معاملہ ہے'' کہہ کر خود ہی اس کا جواب دے دیا ہے کہ وہ امت عالم مثال سے آئی تھی۔

○ باقی ان افراد کے اجساد کے مثالیہ ہونے سے آپ ﷺ کی نبوت میں معاذ اللہ کیوں فرق پیدا ہوسکتا ہے کیونکہ آپ کا وجود مبارک تو اس وقت عالم مثال والا نہیں تھا بلکہ وجود حقیقی تھا۔

○ پھر ان افراد کا اپنے حقیقی وجود سے مستقبل میں آپ ﷺ کی امت بننا صحیح ہے کہ اس پر قرینہ قائم ہے مگر آپ ﷺ کے نبی ہونے کو بھی مستقبل سے منسلک کرنا درست نہیں کیونکہ دلائل و شواہد اور قرائن اس کے خلاف قائم ہیں۔ اعنی آپ ﷺ کا پہلے سے بالفعل نبی ہونا ٹھوس دلائل (حدیث کنت نبیا وادم بین الروح والجسد وغیرہ) نیز مسلمات مخصم سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہوا کہ آپ اس جہان میں بالفعل نبی تھے تو ان افراد کا بھی اسی جہان میں بالفعل امت ہونا لازم آیا۔

○ اگر نبی و امت کا حسب مذکور ایک ہی جہاں میں ہونا نبی ہونے کے لئے یا امتی ہونے کے لئے لازم ہو تو اس کا مطلب یہ بنے گا کہ آپ ﷺ کی وفات مقدسہ کے بعد جو امتی ہوئے، ہو رہے ہیں اور تا قیامت ہوتے رہیں گے تو معاذ اللہ حضور کمزور نبوت سے ان کے نبی ہوں ﷺ۔ یا بعد والے وہ لوگ محض ٹمپرائری اور کاغذی قسم کے امتی ہوں یا امت سے خارج ہوں۔ ایسا حکم لگانا ہو تو خدارا اسے اپنے تک محدود رکھئے گا۔ پیشگی درخواست ہے۔ کسی اور کا بیڑا غرق مت کیجئے گا۔

○ نیز اگر یہ درست ہو تو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس ارشاد سے کیا جواب ہوگا کہ ''تمام انبیاء و مرسلین (علیہم السلام) اپنے عہد میں بھی حضور کے امتی تھے اور اب بھی امتی ہیں۔ ﷺ۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، صفحہ ۱۲، طبع امجدیہ کراچی)۔

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تھا کہ حضور ﷺ خود تو عالم ارواح و اصلاب و ارحام طیبہ میں روحی اور نوری صورت میں تھے جب کہ آپ کے امتی (انبیاء و مرسلین علیہم السلام) عالم اجسام میں صورۃ جسمیہ دنیویہ میں تھے پھر ایسا وقت آیا کہ آپ ﷺ خود تو عالم اجسام میں بصورت بشریہ مبارکہ تھے جب کہ آپ کے ''امتی عالم برزخ میں تھے اعنی انبیاء و مرسلین علیہم السلام الا ماشاء اللہ۔ بناء بریں جب یہ ہوسکتا ہے تو اس طرح کیوں نہیں ہوسکتا کہ آپ جب اس عالم میں خصوصاً پیش نظر صورت کے مطابق دس برس کی عمر شریف میں تھے تو

آپ کی امت عالم مثال میں ہو۔

○ موصوف شاید اس سے بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب امت اس جہان کے حسب تقاضا نہیں تھی تو آپ ﷺ نبی کس کے تھے؟

تو اس کا ایک جواب گزرا کہ عالم مثال سے یہ سلسلہ وابستہ کیا گیا تھا۔

علاوہ ازیں جب آپ کا پہلے سے بالفعل نبی ہونا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اور آپ اصل کل ہونے کی حیثیت سے کائنات کے ذرّہ ذرّہ کے نبی ہیں تو اگر اس جہان کے انسانوں کا اس جہان کے اصولوں پر بظاہر سلسلہ نہیں تھا تو کیا ہوا' کائنات کے دیگر افراد ملٰئکہ وغیرہم تو تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کسی روایت میں اس کا صریحی بہ ہیئت کذائیہ ذکر نہیں ملتا۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ عدم ذکر' ذکر عدم کی دلیل نہیں۔ بالفاظ دیگر عدم ذکر' عدم وجود کو مستلزم نہیں یعنی کسی امر کے روایت میں نہ آنے سے اس کے وجود کی نفی لازم نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو پہلے سے علم تھا کہ ایک شخص تحقیقات (نام کی) رسوائے زمانہ کتاب وضع کر کے بدعقیدگی کی بنیاد رکھے گا۔ لیکن کسی آیت یا حدیث میں صراحت کے ساتھ اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس پر کیا کہیئے گا؟ مگر ایسی نصوص بھی موجود ہیں جن سے اس امر کا استدلال کہا جا سکتا ہے جیسے وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين وغیرہ۔ اگر موصوف کے اس قول کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے ایک خرابی یہ بھی لازم آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اس وقت تک خالق ورازق نہ سمجھا جائے جب تک مخلوق ومرزوق کا وجود نہ ہو حالانکہ حسب تصریح ائمہ شان کتب کلام میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ جب مخلوق ومرزوق کے کسی فرد کا کوئی وجود نہ تھا اس وقت بھی اللہ تعالیٰ بے شائبہ مجاز بمعنیٰ حقیقی خالق ورازق تھا جب کہ یہ بھی اٹل ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد قدیم نہیں بلکہ ہر ہر فرد حادث (بعد کی پیداوار) ہے۔

چنانچہ فقہ اکبر میں حضور امام اعظم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: وكان الله خالقا قبل ان يخلق ورازقاً قبل ان يرزق ''یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کو بنانے اور مرزوق کو موجود فرمانے سے پہلے بھی اسی طرح خالق ورازق تھا جس طرح اس کے بعد۔

علامہ علی القاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''ولعل الامام الاعظم رحمه الله تعالىٰ كرر هذا المرام للاعلام بان هذا هو المعتقد الصحيح الذي يجب ان يعتمده الخواص والعوام '' یعنی امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس پر زور دینے سے مقصود یہ بتانا ہے کہ صحیح عقیدہ جس کا اپنانا ہر ایک پر فرض ہے

یہی ہے یعنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ مخلوق ومرزوق کا وجود نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ خالق ورازق کیوں کر ہوسکتا ہے۔

نیز امام علامہ زرکشی کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: ''اطلاق نحو الخالق والرازق فی وصفه سبحنه قبل وجود الخلق والرزق حقيقة (الٰی) لو كان مجازالصح نفيه والحال ان القول بانه ليس خالقاً وقادرا فی الازل امر مستهجن لا يقال مثله ''یعنی مخلوق ومرزوق کے وجود سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ پر خالق ورازق کی صفات کا اطلاق بمعنی حقیقی ہے۔ اگر مجازی طور پر ہوتو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے اس وقت خالق ورازق نہ سمجھنا بھی درست ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان لفظوں کو منہ پر لانا بھی بہت قبیح امر ہے کہ وہ ازل میں خالق رازق اور قادر نہ تھا۔

اقول: خدا کرے کہ موصوف اب اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے بالقوۃ خالق ورازق اور قادر تھا جس پر معلوم نہیں کتنا مدت صرف ہوئی اس کے بعد اس نے مخلوق پیدا کرنا' مرزوق کا موجود فرمانا اور مقدور کو عدم سے وجود میں لانا شروع فرمایا تو پھر وہ بالفعل خالق' بالفعل رازق اور بالفعل قادر قرار پایا۔ والعياذ بالله العظيم۔

جواب نمبر:

اس سے قطع نظر اس کا سب سے بہتر حل یہ ہے کہ ہم اس بارے میں یہ دیکھ لیں کہ خود سرکار ﷺ کا فیصلہ مبارکہ کیا ہے؟ تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے موازنہ بالامت کے قضیہ کو اپنے نبی ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وبارك وسلم۔

چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ''كيف علمت انك نبی و بما علمت حتی استقنت انك نبی ''یعنی آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم اور یقین کن ذرائع سے ہوا؟

تو آپ نے اس کا ایک ذریعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اتانی ایتان'' وفی روایة اتانی ملكان وانا ببعض بطحاء مكة الخ یعنی میں مکۃ المکرّمہ کے ایک پتھریلے علاقہ میں موجود تھا کہ میرے پاس دوفرشتے آ گئے (اس کے بعد شق صدر نیز موازنہ بالامت اور خاتم نبوت کو بین الکتفین الشریفین مزید اجاگر کرنے کی تفصیل مذکور ہے) ملخصاً ملاحظہ ہو (الخصائص الکبریٰ' جلد ا' صفحہ ۶۴' بحوالہ دارمی' بزار' ابونعیم' ابن عساکر' نیز المواہب اللدنیہ' جلد ا' صفحہ ۳۰۳۔ نیز البدایہ والنہایہ' جلد ۲' صفحہ ۲۳۴' نیز مسند احمد جلد ۴' صفحہ ۱۸۴' ۱۸۵' دلائل النبوۃ صفحہ ۱۶۷۔ مجمع الزوائد' جلد ۸' صفحہ ۲۵۶)۔

خلاصہ یہ کہ موازنہ بالامت کے حوالہ سے مولانا نے جتنے اعتراضات کئے ہیں وہ سب انتہائی سطحی اور بوگس قسم کے ہیں جن کی علم وتحقیق اور حقائق ودلائل کے مطابق کچھ وقعت نہیں دیگر دلائل کو نہ بھی دیکھا جائے تو ان کے غلط ہونے کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ خود سید عالم ﷺ کے فیصلہ کے مطابق موازنہ بالامت کا یہ واقعہ آپ کے بالفعل نبی ہونے کی دلیل ہے۔

○　موصوف نے یہاں ''چالیس سال کے بعد اعلان نبوت'' کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جب کہ یہ ان کے ہاں نا قابل معافی جرم ہے۔ اور آخر میں کہا ہے ''فتدبر حق التدبر'' جواباً عرض ہے: ''دیگراں را نصیحت خود را فضیحت'' ایش هذا؟

والحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على من كان نبيا وآدم بين الماء والطين وعلى آله وصحبه اجمعين۔

''عصمت'' کے دلیل نبوّت ہونے پر اعتراضات کے جوابات

''عصمت'' (گناہوں سے معصوم ہونا) نبی ورسول کا خاصّہ ہے اور اس پر بھی فریقین کا اتفاق ہے کہ نبی جیسے بعد از نبوت معصوم ہوتا ہے' ایسے ہی قبل از نبوت بھی معصوم ہوتا ہے۔ ہاں ''قبل از نبوت و بعد از نبوت'' کے معنٰی میں اختلاف ہے۔ فریق ثانی کہتا ہے کہ اس کا معنٰی ہے نبی بننے سے پہلے اور بعد۔ جب کہ ہم اہل سنت کے نزدیک اس کا معنٰی ہے: قبل از اعلان و اظہار وظہور نبوت و بعدہ''۔

مصنف تحقیقات نے بھی جگہ جگہ اس کی تصریح کی نیز اسے تمام اہل اسلام کا مجمع ومتفق علیہ قرار دیا اور اس کے منکر کو مخالف قرآن' سراسر گمراہ اور جہنمی ٹھہرایا ہے۔ ان کی عبارات ابھی کچھ پہلے شق صدر کی بحث کے آغاز میں گذر چکی ہیں۔

پس عصمت جب خاصّۂ نبوت ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت بھی نبی تھے لیکن موصوف کو اس پر بھی تسلی نہیں ہے اس لیۓ انہوں نے اس پر بھی اعتراضات کیۓ ہیں جو مع جوابات حسب ذیل ہیں۔ چنانچہ اس حوالہ سے وہ لکھتے ہیں کہ:

اعتراض: ''ہر نبی کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے نہ کہ صرف ہمارے نبی ﷺ کے لیۓ۔ تو اس دلیل کی رُو سے تمام انبیاء علیہم السلام کو بچپن سے ہی نبی ماننا ضروری ٹھہرا۔ یہ لازم بدیہی البطلان ہے تو لامحالہ ملزوم بھی باطل ہوا۔ مسلم قاعدہ ہے بطلان اللازم یستلزم بطلان الملزوم'' دوسرے انبیاء علیہم السلام میں صرف دو حضرات حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰ علیہما السلام کے بارے میں بالفعل نبی ہونے کے اقوال بعض اکابر کی طرف سے دستیاب ہیں''۔ ملخّصاً بلفظہ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۲۲)۔

جواب: لازم کو بدیہی البطلان کہا باطل سمجھنا بھی بذات خود باطل ہے تو لامحالہ ملزوم بھی باطل نہیں۔ قاعدہ اپنی جگہ درست مگر اس کا استعمال غلط طور پر ہوا۔ کلمة حق ارید بها باطل'' اس کا بھی مفہوم یہی ہے کہ لازم کا عدم بطلان ملزوم کے وجود یا عدم بطلان کو مستلزم ہے۔

سؤال یہ ہے کہ عصمت نبی کے لیۓ وجوبی امر یہ ہے یا جوازی؟

دوم کا کوئی قائل نہیں موصوف بھی اس کے وجوب کا اقرار کر چکے ہیں۔ملاحظہ ہو(تحقیقات' صفحہ۲۲۲' ۲۳۰' ۲۲۴)۔عبارتیں نقل کی جا چکی ہیں۔پس عصمت کے امر کے وجوبی ہونے کے حوالے سے صاحب عصمت کا نبی ہونا ضروری ٹھہرا۔س پر سلف کی بعض نقول ملاحظہ ہوں۔

حضرت غوث دباغ پھر علامہ احمد سلجماسی پھر علامہ نبہانی رحمہم اللہ(جن سے موصوف نے بکثرت استناد کیا ہے)فرماتے ہیں:''نورالنبوة اصلی ذاتی حقیقی مخلوق مع الذات فی اصل نشأتها ولذا کان النبی معصوماً فی کل احواله''یعنی(انوار ولایت محضہ کے برعکس)نور نبوت اصلی ذاتی اور حقیقی ہوتا ہے جو نبی کی ذات میں بنیادی عنصر اور قوام ہونے کی حیثیت سے تخلیق کیا جاتا ہے اسی لیۓ نبی اپنے تمام احوال میں معصوم ہوتا ہے(ایسا ممکن نہیں ہے کہ کسی حالت میں نبی عصمت سے خالی ہو' عصمت نبی کے لیۓ وجوبی امر ہے)۔ملاحظہ ہو(جواہر البحار' جلد۲' صفحہ۲۶۳' طبع مصر' بحوالہ ابریز شریف)۔

نیز امام اہل سنت احناف علامہ ابوالشکور سالمی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب''تمہید''میں فرماتے ہیں:متقشفہ کرامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ''ان النبی قبل الوحی لایکون نبیا ولکن یکون معصوما لانه یکون ولیا''یعنی نبی وحی جلی کے آنے سے پہلے نبی نہیں ہوتا لیکن وہ معصوم ہوتا ہے اس لیۓ کہ وہ اس زمانہ میں ولی ہوتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں:رہے معتزلہ؟ تو ان میں سے بعض نے کہا''ان النبی قبل الوحی یکون نبیا و یکون معصوما''یعنی نبی' وحی جلی کی آمد سے قبل نبی ہوتا ہے اور معصوم بھی ہوتا ہے۔

اور بعض نے کہا:''لایکون نبیا ولایکون معصوما''نبی وحی کے نزول سے قبل نبی بھی نہیں ہوتا معصوم بھی۔

نیز فرماتے ہیں:''وقال اهل السنة والجماعة ان الانبیاء صلوات الله علیهم قبل الوحی کانوا انبیاء معصومین واجب العصمة''یعنی اہل سنت وجماعت کا اس بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم وحی جلی کی آمد سے پہلے نبی تھے واجب العصمۃ معصوم تھے۔

نیز''والمعنی فیه وهو ان العصمة للانبیاء قبل الوحی من موجبات الضرورة وبعد الوحی اولی لانه لو لم یکن معصوما عن الکذب والمعاصی فانه یورث الشبهة وتقع الشبهة فی دعواه''۔یعنی اس کی توضیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا وحی جلی کی آمد سے قبل معصوم ہونا امور ضروریہ میں سے ہے اور وحی کے نزول کے بعد مزید ضروری ہے کیونکہ نبی اگر جھوٹ اور گناہوں سے معصوم نہ ہو تو دین مشکوک ہو جاۓ گا

اوراس کے دعویٰ نبوت کی صداقت بھی یقینی نہیں رہے گی۔

نیز فرماتے ہیں: ''فوجب ان یکون معصوما قبل الوحی من طریق الوجوب لا من طریق الجواز لان کل ما کان فی حیزالجواز یستوی فیه المرسل وغیره ''یعنی نبی کا وحی جلی کی آمد سے پہلے معصوم ہونا بطور وجوب لازم ہے بطور جواز نہیں کیونکہ جوازی صورت میں نبی غیر نبی برابر ہیں۔

نیز فرماتے ہیں: ''لان النبوۃ امر ثابت قبل الوحی من الانبیاء ''یعنی وحی جلی کی آمد سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی نبوت ایک واقعی امر ہے۔

نیز ارقام فرماتے ہیں: ''لایجوز زوال العقل وقصوره فی حق الانبیاء صلوات الله علیهم صبیا کان اوبالغا وکذلك فی حق الملئکة لان النبی کان نبیا قبل البلوغ وقبل الوحی کما انه نبی بعدالوحی وبعد البلوغ ''۔یعنی انبیاء علیہم السلام زوال عقل اور کمی عقل سے بچپن میں بھی اور بلوغ کے بعد بھی قطعاً پاک ہوتے ہیں کیونکہ نبی بلوغ سے اوروحی جلی کی آمد سے پہلے بھی ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے بلوغ اوروحی کے بعد۔ملٰئکہ کرام بھی کمی اورزوال عقل سے پاک ہوتے ہیں۔ملاحظہ ہو(صفحہ ۶،۶۷،۴۷،۶۷، طبع حزب الاحناف لاہور)۔

توثیق امام سالمی از امام ربانی حضرت شیخ مجدد و خود مصنف تحقیقات سے:

امام سالمی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام اوران کی تالیف منیف ''تمہید'' کے متعلق گزشتہ صفحات میں شذرہ گزرا ہے۔مزید سنیئے امام ربانی حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''شیخ ابوشکور سالمی کہ از اکابر علماء حنفیہ است''یعنی حضرت ابوشکور سالمی اکابر علماء حنفیہ سے ہیں۔ملاحظہ ہو(مکتوبات،جلد۱،جز نمبر۴،صفحہ۵۹، طبع کوئٹہ)۔

اورخود مصنف تحقیقات سے لیجئے۔لکھتے ہیں: ''حضرت علامہ ابوالشکور سالمی جو حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ کے معاصر ہیں اوران کی اس کتاب کو مرکز اہل سنت حزب الاحناف لاہور سے حضرت علامہ شیخ الحدیث والتفسیر وفقیہ اعظم سید ابوالبرکات السید احمد القادری نے شائع کروایا اوراس کو درس نظامی کے نصاب میں داخل کرنے کی وصیت فرمائی ہے''۔(تحقیقات،صفحہ۲۳۹)۔

اقول: اس سے معلوم ہوا کہ کتاب ''تمہید'' بہت معتبر کتاب ہے اوراس کے مصنف ائمہ شان اورعلماء ثقات سے ہیں جس سے خود مصنف تحقیقات کو بھی مفر نہیں۔

بہرحال اس مستند کتاب کی عبارات بالا سے دو باتیں واضح ہوگئیں۔ایک یہ کہ ''عصمت'' انبیاء علیہم

السلام کے لئے بہ طریق وجوب ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اسی عصمت کی وجہ سے صاحب عصمت حضرات، قبل از اعلان ہی نہیں بلکہ قبل از بلوغ بھی انبیاء تھے علیہم السلام۔ عبارت میں ''صبیاً کان او بالغاً'' کی تصریح موجود ہے تو موصوف جس امر کو بدیہی البطلان پھر اس کی بنیاد پر ملزوم کو بھی ''لامحالہ'' کے ساتھ باطل کہہ رہے تھے، خود ان کی توثیق کردہ کتاب سے حق اور سچ ثابت ہوا اور اس کی ''رو سے تمام انبیاء علیہم السلام کو بچپن سے ہی نبی ماننا ضروری ٹھہرا۔

رہا یہ کہ جب دیگر تمام انبیاء علیہم السلام بچپن ہی سے نبی ہیں تو صراحت صرف دو ہی کے بارے میں کیوں ہے؟ تو اس لئے نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام معاذ اللہ نبی نہ تھے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ظہور نبوت بچپن میں ہوا قال تعالیٰ ''وتیناہ الحکم صبیا''۔ وقال ''کان فی المھد صبیا قال انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا''۔

نوٹ: دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کے بارے میں مزید تفصیل ''میثاق النبیین'' کی بحث میں آ رہی ہے۔

اعتراض:

''انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں تو جب سے معصوم ہوں تب سے ہی نبی ہونا لازم ہو تو ان کے نبی بننے سے پہلے نبی ماننا لازم آ جائے گا کیونکہ وہ سبھی واجب العصمۃ ہیں اور وجوب عصمت نبوت کو مستلزم ہے تو لازم آیا کہ انبیاء علیہم السلام نبوت ملنے سے پہلے نبی ہوں جب کہ ہر عقل مند انسان کے نزدیک تقدم الشیٔ علی نفسہ محال ہے اور یہاں اس کا اقرار و اعتراف لازم آ رہا ہے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۲۲، ۲۲۳)۔

جواب:

اس اعتراض کی بنیاد اسی مفروضہ پر ہے کہ انبیاء علیہم السلام بچپن میں نبی نہیں ہوتے جس کا غلط ہونا ہم نے ابھی جواب بالا میں باحوالہ عرض کر دیا ہے لہٰذا جب بنیاد نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی گئی استدلال کی پوری عمارت خود بخود زمین بوس ہوگئی۔ پس اسے تقدم الشئی علی نفسہ اور نبی بننے سے پہلے نبی ماننا ہرگز لازم نہ آیا تو اس کو تقدم الشئی الخ کے قبیل سے سمجھنا عند اہل العقل صحیح نہ رہا۔

علاوہ ازیں موصوف کا اصل مقصود معاذ اللہ حضور ﷺ سے نبوت کی نفی کرنا ہے جب کہ وہ آپ علیہ السلام کو مطلقاً دیگر انبیاء علیہم السلام پر قیاس کر رہے ہیں اور انہیں مقیس علیہم ٹھہرا رہے ہیں جو غلط ہے غلط ہے کیونکہ سید عالم ﷺ قطعی طور پر پہلے سے بالفعل نبی ہیں۔ لہٰذا اس واویلا اور ورق سیاہی کا انہیں کچھ فائدہ نہ ہوا

جب کہ وہ آپ میں اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا اس مسئلہ میں فرق ہونا بھی تسلیم کر چکے ہیں چنانچہ ان کے لفظ ہیں: ''انبیاء علیہم السلام کی نبوت خارج میں موجود و متحقق نہ تھی صرف علم الٰہی میں نبی تھے جب کہ آپ بالفعل اور خارج میں نبی تھے اور انبیاء و رسل اور ملائکہ کے مربی اور فیض رساں تھے'' (تحقیقات' صفحہ ۲۲۱)۔

اقول: اسی طرح تحقیقات کے دیگر متعدد صفحات پر بھی لکھا ہے۔

نیز عبارت ہذا میں ''انبیاء و رسل'' کہہ کر ایک طرح سے ان حضرات کرام کی نبوت و رسالت کا اقرار بھی کر لیا ہے۔ سبحٰن اللہ۔

علاوہ ازیں پھر بھی نہ مانیں تو کم از کم اسی پر غور کر لیں کہ موصوف کے بقول اگر یہ نبی بننے سے پہلے نبی ماننا ہے اور تقدم الشئ علی نفسہ ہے جو درست نہیں تو نبی ہونے سے پہلے خاصۂ نبوت (عصمت) کا بھی تو تصور نہیں کیا جاسکتا ورنہ کیا صفت' موصوف کے بغیر پائی جاسکتی ہے؟ کچھ تو بولیں۔

علاوہ ازیں عصمت' نبوت کو مستلزم نہیں کا یہ مطلب نکلے گا کہ نبوت کے لئے عصمت کچھ لازم نہیں جب کہ اسے لازم بھی خود کہہ چکے ہیں۔ الغرض قبل از اعلان نبوت' عصمت کا لازماً پایا جانا' صاحب عصمت کے نبی ہونے کی علامت اور قرینہ ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اعتراض:

''اس مستدل کو اتنا خیال نہ آیا کہ میں اس دلیل سے خود کو زمرۂ عقلاء سے بھی خارج کر رہا ہوں اور اپنے نظریے کو بھی باطل ٹھہرا رہا ہوں۔ کیونکہ بالعموم انبیاء علہم السلام کا چالیس سال کے بعد منصب نبوت پر فائز کیا جانا مسلمہ حقیقت ہے۔ (صفحہ ۲۲۳)۔

جواب:

گزشتہ سطور سے جو حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے اس سے ہر منصف مزاج سمجھ لے گا کہ خود کو زمرۂ عقلاء سے کس نے خارج کر دیا اور اپنے نظریے کو کس نے باطل ٹھہرایا ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب بچپن سے نبی ہیں تو لامحالہ بالعموم چالیس سال کے بعد حسب حکمت خداوندی ان کی شان نبوت کا ظہور ہوا ہے نہ یہ کہ اس معنیٰ میں انہیں نبی بنایا گیا ہے کہ وہ اس سے قبل کسی طرح سے نبی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ صحیح قوت فکر یہ عطا فرمائے اور فکر سقیم سے محفوظ رکھے۔ آمین بحرمة من کان نبیا وآدم بین الماء والطین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وعلینا معھم اجمعین۔

نوٹ: یہاں تک مؤرخہ ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۸/ دسمبر ۲۰۱۰ء شب ہفتہ کو بوقت تقریباً سوا ایک بجے بمقام مدینہ طیّبہ حفظہا اللہ تعالیٰ زیر سایہ حرم نبی صلی اللہ علیٰ صاحبہ وسلم نزد باب سبیل زمزم مسجد نبوی شریف زادشرفہ لکھا گیا۔

تکملۂ فی پاکستان: وبطریق آخر:

امام اہل سنّت حضرت مولانا الشاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے المعتقد میں عصمت کو خصائص نبوۃ سے شمار فرمایا (خاصّہ نبوت قرار دیا) ہے۔ جب کہ امام اہل السنۃ اعلیٰ حضرت مجدد الملۃ رحمہ اللہ نے اس کے حاشیہ المعتمد میں اسے برقرار رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۱۷ طبع لاہور)۔

علامہ بدایونی کے لفظ ہیں: ''وھا انا اذکر ما یجب لھم علیھم السلام فمنہ العصمۃ وھی من خصائص النبوۃ علی مذھب اھل الحق خلافاً للملاحدۃ الباطنیہ ''یعنی توجہ سے سنو اب میں ان امور کو بیان کرنے لگا ہوں جن کا انبیاء علیہم السلام کے لئے ہونا ضروری ہے۔ پس ان میں سے ایک عصمت ہے اور وہ اہل حق کے حسب نظریہ خصائص نبوت سے ہے جب کہ بے دین فرقہ باطنیہ نے اس میں اس کے برخلاف نظریہ اپنایا ہے (یعنی ایک سازش کے تحت انہوں نے بلا دلیل اپنے ائمہ مزعومین کو بھی معصومین گرانا ہے)۔

علاوہ ازیں خود موصوف نے بھی اسے نبی کے لئے ''لازم'' اور ''ضروری'' لکھا ہے حیث قال: ''نبی کی ذات اقدس کا آغاز ولادت سے (الیٰ) معصوم ہونا لازم اور ضروری ہے''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۴۴)۔

فاقول وباللہ التوفیق: پس آسان لفظوں میں عرض ہے کہ مثلاً ''اربعۃ'' کو زوجیّت (جفت ہونا) ''ثلثۃ'' کو فردیّت (طاق ہونا) اسی طرح حبشی کو سواد (سیاہ ہونا) لازم ہے یعنی زوجیت' فردیّت اور سواد (کلیات عرضیہ سے ہیں جو مثلاً) اربعہ' ثلثہ' اور حبشی کے بغیر موجود نہیں ہو سکتے۔ بلفظ دیگر ایسا نہیں ہوسکتا کہ زوجیت تو ہو مگر مثلاً اربعہ کا وجود نہ ہو' فردیّت تو ہو لیکن مثلاً ثلثہ نہ ہو۔ سواد تو ہو پر مثلاً حبشی نہ ہو۔ بالفاظ دیگر زوجیت' فردیت اور سواد لازم جب کہ اربعہ ثلثہ اور حبشی ملزوم ہیں۔ لازم' ملزوم کے بغیر موجود نہیں ہوسکتا۔ لازم کا ہونا اس امر کو ضروری کرتا ہے کہ ملزوم بھی ہو تو جب عصمت' نبی کا خاصّہ اور نبی کے لئے لازم ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عصمت تو ہو مگر صاحب عصمت ہی نہ ہو۔ الغرض عصمت کو خاصّہ' لازم اور ضروری مان کر صاحب عصمت کو نبی نہ ماننا ملزوم کے بغیر لازم کو موجود ماننے کے مترادف ہے جو موصوف کی منطق'' کے خصائص ولوازم سے لگتا ہے اور ایسی ہی منطق سے بزرگوں نے روکا ہے وللہ در القائل علی

ماقال ؎

چند ے خوانی حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں ہم بخواں

نوٹ: امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیت میثاق کا دلیل عصمت انبیاء علیہم السلام ہونا نقل فرمایا ہے وہ بھی مقام ہٰذا کے مناسب ہے۔عبارت ’’میثاق النبیین‘‘ کی بحث میں آ رہی ہے فليلاحظ ذلك هناك۔

نمقہ الفقیر: عبدالمجید سعیدی بقلمہ
(۲۲/ محرم الحرام مطابق ۲۹/دسمبر ۲۰۱۰ء
رحیم یار خان۔پاکستان

مصنف تحقیقات کے استاذ گرامی حضرت محدثِ اعظم رحمہ اللہ کا فیصلہ

اگر مصنف تحقیقات پھر بھی نہ مانیں تو حرف آخر اور اتمام برا تمام حجت کے طور پر اس سلسلہ میں اپنے استاذ گرامی محدثِ اعظم حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ سردار احمد صاحب چشتی صابری قادری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اور فیصلہ ہی دیکھ لیں۔

چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح عربی کے اپنے زیر مطالعہ نسخہ کے حاشیہ پر قبل از اعلان نبوت عصمت کو دلیل نبوت بناتے ہوئے آپ نے اپنے قلم مبارک سے لکھا ہے: ''انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان نبیا بعد الولادة و قبل الولادة من عالم الارواح ولکن ظهر نبوته ورسالته عند الناس بعد البعث بعد الاربعین والتحقیق عند المحققین انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان معصوما فی الاحوال کله ظاهره وباطنه قبل البعثة وبعد البعثة کیف هو صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نور اللہ تعالٰی علی الاطلاق''۔

ملاحظہ ہو۔ (مشکوٰۃ عربی' صفحہ ۱۲۸' حاشیہ بر حاشیہ صفحہ نمبر ۴ مطبوعہ نور محمد دہلی و کراچی)۔

نوٹ: مذکورہ نسخہ مشکوٰۃ' کتب خانہ حضور محدث اعظم' جامعہ محدّث اعظم' اسلامک یونیورسٹی' رضا نگر چنوٹ میں موجود ہے جس کا عکس مع ترجمہ وتشریح بنام رضوی تشریحات' نگران کتب خانہ حضرت مولانا علامہ ابوالحسنین محمد فضل رسول رضوی مدظلّہ نے افادۂ عام کے لئے شائع فرمایا ہے۔ اور اسے نیٹ پر بھی دے دیا گیا ہے۔ فقیر کو اس کی کاپی سرمایۂ ملت حضرت برادرم ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی (آف جہانیاں) نے مہیا فرمائی۔ اللہ تعالٰی انہیں اس کی جزاء خیر عطا فرمائے۔ حضرت مولانا رضوی صاحب کو بھی جنہوں نے اس کو شائع کیا' حضرت محدّث اعظم کے جانشین محترم کو بھی جنہوں نے اسے محفوظ فرمایا۔

آمدم برسر مطلب! علامہ فضل رسول رضوی موصوف نے اس کا اردو ترجمہ اس طرح کیا ہے: ''نبی کریم ﷺ ولادت کے بعد اور ولادت سے پہلے عالم ارواح میں (بھی) نبی تھے البتہ لوگوں کے نزدیک بعد از بعثت چالیس سال کے بعد آپ کی نبوت ورسالت کا ظہور ہوا اور محققین کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ ظاہر و باطن' بعثت سے پہلے اور بعد تمام احوال میں معصوم ہیں۔ یہ کیسے نہ ہو حالانکہ آپ ﷺ تو علی الاطلاق اللہ

تعالیٰ کا نور ہیں'' ۔ ملاحظہ ہو (رضوی تشریحات' صفحہ۱۴' نبی کریم ﷺ کے پیدائشی نبی ہونے پر محدث اعظم پاکستان قدس سرہ' کی محققانہ تحریر'')۔

پھر اس کی تشریح میں لکھا ہے: اس عبارت میں حضرت محدث اعظم قدس سرّہ العزیز نے اعلان نبوت سے پہلے آپ کی نبوت پر دلیل پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ معصوم ہونا انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہے اور نبی کریم ﷺ جس طرح اعلان نبوت کے بعد معصوم ہیں اسی طرح آپ اعلان نبوت سے پہلے بھی معصوم ہیں۔ اگر اعلان نبوت سے پہلے نبی نہ ہوتے تو معصوم بھی نہ ہوتے۔ لہٰذا اعلان نبوت سے پہلے آپ کا معصوم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی ہیں (صفحہ۱۸)

صفحہ نمبر ۱۹' صفحہ نمبر ۲۰ پر لکھا ہے: ''عصمت انبیاء کو حضرت محدث اعظم پاکستان قدس سرہ العزیز نے بعثت سے پہلے نبوت مصطفیٰ ﷺ کی دلیل بنایا ہے''۔

خلاصہ یہ کہ مصنف تحقیقات کے استاذ گرامی حضرت مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمۃ جن سے موصوف نے حدیث شریف کا درس لیا اور دورۂ حدیث پڑھا' کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عصمت بالفعل نبوت کی دلیل ہے کیونکہ انہوں نے زمانۂ قبل و بعد ولادت والی نبوت کو عالم ارواح والی نبوت کی مد میں رکھا ہے۔ کسی کو کچھ منوانے کے لئے پیر استاذ آخری واسطہ ہوتے ہیں مگر موصوف اس مقام پر ماننے کی بجائے عصمت کو دلیل نبوت بنانے والوں کو غیر عقل مند انسان' اہل نظریہ باطلہ اور ''زمرۂ عقلا سے بھی خارج'' قرار دیتے ہیں یعنی وہ اپنے استاذ گرامی کی بات بھی تسلیم نہیں کر رہے جس کے بعد دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطاء فرمائے۔

باسمہ تعالیٰ شانہ' شب ۲۷/ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۸/ اگست ۲۰۱۱ء شب یکشنبہ' بوقت ۳۰-۳ بجے

مہر نبوت کے دلیل نبوّت ہونے پر اعتراضات کے جوابات

سید عالم ﷺ کے پیدائشی نبی ہونے کی ایک دلیل فقیر نے بشمول بخاری و مسلم متعدد کتب حدیث و سیَر کے حوالے سے یہ لکھی تھی کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان آپ کے نبی ہونے کی خاص نشانی قدرتی طور پر ثبت تھی جسے ''مہر نبوت'' کہا جاتا ہے جو مجموعی طور پر بالتواتر ثابت اور حدیث و سیَر کی سینکڑوں کتب میں مذکور اور خاتم النبوۃ وغیرہ کے زیر عنوان مرقوم و مزبور ہے' کتب سابقہ میں بھی اس کا ذکر

پایا جاتا ہے۔

امام جلال الملۃ والدین السیوطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ مہر نبوت پیدائشی تھی یا بعد از ولادت باسعادت ثبت کی گئی۔

جس کا صریح مفاد یہ ہے کہ مہر نبوت کے ثبوت میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں یہ بھی ہمارے موقف کی دلیل اور اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ ﷺ اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی تھے اور آپ کی یہ علامت مبارک سب پر عیاں تھی۔ ورنہ غیر نبی کے جسم پر مہر نبوت کے کیا معنیٰ؟

ملاحظہ ہو (دعوت رجوع، صفحہ ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۳، مطبوعہ فدایان ختم نبوت، پاکستان لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء)۔

اس پر جانب مخالف سے کچھ سطحی نوعیت کے اعتراضات کیئے گئے ہیں جن کی تفصیل مع ترکی بہ ترکی جوابات حسب ذیل ہے:

اعتراض اول: ''خصائص کبریٰ (جلد اوّل صفحہ ۹۷ پر) امام سیوطی نے تحریر فرمایا کہ جبریل علیہ السلام جب وحی لے کر آئے تو اس وقت سرکار علیہ السلام کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہر ثبت کی'' (تحقیقات، صفحہ ۲۵۸)۔

جواب: فقیر نے حسب مقام کئی دلائل دیئے تھے مثلاً شب ولادت باسعادت میں ایک یہودی تاجر کا یہ اعلان کہ ''ولد هذه الليلة نبي هذه الامة الاخيرة بين كتفيه علامة'' یعنی آج رات اس آخری امت کے نبی کی ولادت ہو چکی ہے جن کے دونوں کندھوں کے درمیان ان کے نبی ہونے کی علامت ثبت ہے۔ پھر آپ ﷺ کی زیارت کر کے اس کا غش کھا کر گر جانا اور افاقہ ہونے پر یہ کہنا کہ ''واللہ ذهبت النبوة من بني اسرائيل'' قسم بخدا نبوت خاندان بنی اسرائیل سے ختم ہو چکی ہے جس کے لیے اسی خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۴۹ ہی کا حوالہ پیش کیا تھا۔ (دعوت رجوع، صفحہ ۲۹)۔

نیز اسی خصائص (جلد ۱، صفحہ ۵۶ تا ۵۸) کے حوالہ سے سید عالم ﷺ کا یہ ارشاد پیش کیا تھا کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آپ کا جب (پہلی بار) شق صدر ہوا اور آپ کے قلب مبارک کو انوار و تجلیات سے مزید لبریز کیا گیا تو آپ نے اس نور کے بارے میں فرمایا ''وذلك نور النبوة والحكمة'' یہ نبوت و حکمت کا نور تھا۔

پھر آپ کو اس کے بعد جب ایک کاہن کے پاس لے جایا گیا تو اس نے آپ کی زبانی شق صدر کی تفصیل سن کر مہر نبوت کو دیکھا اور چیخ اور چلا کر کہنے لگا اس بچہ کو ابھی قتل کر دو ورنہ یہ جو دین لانے والا ہے اس نے زبردست انقلاب برپا کر دینا ہے۔ (دعوت رجوع، صفحہ ۲۰، ۲۱)۔

نیز جامع ترمذی (جلد ۲، صفحہ ۲۰۲) نیز (الخصائص الکبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۸۳، صفحہ ۸۴) کے حوالہ سے حضرت بحیرا

راہب کا یہ قول بھی پیش کیا تھا کہ انی اعرفه بخاتم النبوة الخ میں انہیں مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جوان کے شانے پر ہے۔ (دعوت رجوع، صفحہ ۲۲، ۲۵)۔

نیز خصائص (جلد ا صفحہ ۶۰) سے امام علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول لکھا تھا کہ "اختلف العلماء هل ولد وهو به او وضع بعد ولادته" یعنی علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ مہر نبوت پیدائشی تھی یا بعد از ولادت باسعادت ثبت کی گئی تھی۔

جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اس بارے میں امام سیوطی کے نزدیک صرف دو قول ہیں:

نمبرا: ولادت باسعادت کے ساتھ یا نمبر۲: پھر فوری بعد ان کے نزدیک اس کے علاوہ عند البعثت وغیرہ کا کوئی قول نہیں ہے ان کے علم میں ایسا کوئی قول ہوتا تو وہ اسے یہاں ضرور لاتے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس پوری تفصیل کو ان لوگوں نے پڑھا ورنہ جواب کس بات کا دینے کی کوشش کی۔ بناءً علیہ دیانت داری کا تقاضا یہ تھا کہ ان دلائل کی توجیہ پیش کی جاتی لیکن وہ ان سے آنکھیں بند کر کے آگے گزر گئے جو دلیل عجز ہے۔

نیز وہابیہ کے طرز پر محض خانہ پری کرتے ہوئے ایک روایت نقل کر دی باقی عمداً چھپالیں جو ان کی گمراہی کی کافی دلیل ہے پھر بھی یہ شکوہ کرتے ہیں کہ انہیں وہابیہ کے ساتھ کیوں ملایا جا رہا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ یہ خود مل گئے ہیں ازخود کسی نے ان کو ان کے ساتھ ملایا نہیں ہے۔

ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا تم ہمارے کیڑے نکالتے ہو۔ اس نے جواباً کہا ہوتے ہیں تو نکالے جاتے ہیں۔ پس ؎

آپ ہی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

امام سیوطی کی نقل کردہ روایت کو ان کی تحریر کہنا کمزور بات ہے کیونکہ تحریر کا متبادر معنیٰ اپنا عندیہ پیش کرنا ہوتا ہے (عند اہل العلم) بناء بریں امام جلیل کی تحریر وہ ہے جو ہم نے پیش کی ہے کہ نفس مسئلہ میں علماء کے صرف دو قول ہیں۔

رہی روایت؟ تو اس کے ماخذ کی نشاندہی کر کے امام موصوف بریُ الذمہ ہو گئے کہ اس کی جرح وتعدیل اب ذی علم قارئین کی ذمہ داری بن گئی۔

فاقول وبالله التوفيق: پیش کردہ روایت صحیح نہیں کیونکہ امام موصوف نے اس کے لیے طیالسی،

حارث بن ابی اسامہ اور ابونعیم کا حوالہ دے کر لکھا ہے "من طریق یزید بن بابنوس عن عائشه" (خصائص، جلد ا، صفحہ ۹۶)۔

جب کہ طیالسی میں اس کی مکمل سند اس طرح ہے: "ابوداؤد قال حدثنا حماد بن سلمه قال اخبرنی ابوعمران الجونی عن رجل عن عائشه"۔ (مسند ابی داؤد طیالسی، صفحہ ۲۱۵، حدیث نمبر ۱۵۳۹، طبع گوجرانوالہ)۔

علامہ سیوطی کی صراحت سے ظاہر ہے کہ اس کی سند میں "رجل" سے مراد "یزیدبن بابنوس" ہے۔ اب سنیئے یزید مذکور اسم بامسمّٰی ہے۔ امام ابوحاتم نے فرمایا "مجھول" یعنی کچھ پتہ نہیں کون اور کیسا تھا۔ امام ابوداؤد نے فرمایا "کان شیعیا" شیعہ (رافضی) تھا۔ امام بخاری، دولالی پھر ابن القطان نے فرمایا "ھو من الشیعة الذین قاتلوا علیا" یہ ان شیعوں میں سے ایک ہے جنہوں نے امام حق امیر المؤمنین شیر خدا سے باغی ہو کر ان پر تلوار اٹھائی تھی۔ (یعنی رافضی تھا جو بعد میں خارجی ہو گیا تھا) ملاحظہ ہو (میزان الاعتدال، جلد ۴، صفحہ ۴۲۰، طبع مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، تہذیب التہذیب، جلد ۱۱، صفحہ ۳۶۷، طبع ملتان)۔

علاوہ ازیں حماد بن سلمہ کے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ "کان ثقة له اوھام" ثقہ تو تھے لیکن انہیں روایت میں بہت وہم لگ جاتا تھا۔

"تحایده البخاری" امام بخاری نے صحیح بخاری میں مسنداً اس کی روایت کے لانے سے سخت احتیاط برتی ہے (میزان الاعتدال، جلد ا، صفحہ ۵۹۰، ۵۹۴، طبع مذکور)۔

امام بیہقی نے کہا ائمہ مسلمین میں سے تھے لیکن "انه لما کبرساء حفظه فلذا ترکه البخاری" جب سن رسیدگی کو پہنچے تو ان کی قوۃ حافظہ بگڑ گئی تھی اسی بناء پر امام بخاری نے اسے ترک فرمادیا تھا۔

نیز امام ابن سعد نے فرمایا کہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہونے کے باوجود "ربما حدث بالحدث المنکر" منکر حدیثیں بھی بیان کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۳، صفحہ ۱۴، ۱۳، طبع ملتان)۔

خلاصہ یہ کہ پیش کردہ روایت کی سند پر کلام ہے، جس کا مرکزی راوی کٹا رافضی اور خارجی ہے جب کہ دیگر راوی منکر حدیثیں بیان کرنے کے عیب سے متّہم ہے۔

اس سے قطع نظر اس میں نہ تو مہر نبوت کی صراحت ہے اور نہ ہی دو کندھوں کے درمیان اس کے لگانے کی وضاحت ہے۔ روایت کے لفظ ہیں: "ثم ختم فی ظھری حتی و جدت مس الخاتم فی قلبی" یعنی بعد ازاں جبریل علیہ السلام نے میری "ظہر" پر خاتم رکھی جس کے اثرات میں نے اپنے دل میں محسوس کیئے۔ (خصائص، جلد ا، صفحہ ۹۷)۔

لسان العرب (جلد۴ صفحہ ۵۲۰ طبع ایران) اور القاموس (صفحہ ۳۹۱) میں ہے: ''الظهر خلاف البطن'' یعنی لغت عرب میں ظہر' پیٹ کی مخالف سمت کا نام ہے۔

لہٰذا یہ روایت اس امر میں بالکل غیر واضح ہے کہ یہ مہر پشت مبارک کے کس حصہ پر لگائی گئی جب کہ یہ مہر' نبوۃ کی قید سے مقید بھی نہیں پس ''جانب مخالف'' کا مدّعا اس سے ثابت نہ ہوا۔

نیز آنجناب کا یہ کہنا کہ ''دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ثبت کی'' خود ساختہ اور ایجاد آں بندہ ہے۔ روایت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ ''دونوں کندھوں کے درمیان'' ہو یا مہر سے نبوت کی مہر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خود مردِ مرد دنے بھی یہاں نبوۃ کا لفظ لکھنے سے پرہیز کی ہے۔ سبحان اللہ۔

برتقدیر تسلیم ہمیں کچھ مضر اور انہیں کچھ مفید نہیں کیونکہ ''کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد'' کی رو سے آپ ﷺ پہلے سے نبی تھے۔ جب کہ اس کے بعد انقطاع نبوت کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

نیز ہمارے پیش کردہ دلائل کی رُو سے مہر نبوت بھی پہلے سے لگی ہوئی تھی۔ لہٰذا اگر وقت بعثت مہر پر مہر لگا دی گئی ہو تو اسے ''نورٌ علی نور'' کہا جائے گا۔ جب کہ یہ امر بھی عقائد اہل سنت کا حصہ ہے کہ آپ ﷺ تنزلی سے دائماً محفوظ اور ہمیشہ ہمیشہ ترقی پر ہیں۔ آپ کے ہر کمال میں ہر آن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بار بار کا شق صدر مبارک بھی اسی کی رہنمائی کرتا ہے وقال اللہ تعالیٰ وللآخرة خیرلك من الاولیٰ۔

نیز قرآن مجید کی بعض سورتوں اور بعض آیتوں کا کئی بار نازل ہونا بھی اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے۔

الغرض مہر نبوت کا شروع سے شانۂ اقدس پر ثبت ہونا ایک ناقابل تردید حقیقت ثابتہ ہے جس کی پیش کردہ روایت سے کسی طرح نفی ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جانب مخالف کو اس واویلا سے کچھ فائدہ نہ ہوا و للہ الحمد۔

معترض کی مت ماری گئی:

مہر نبوت کا مبارک شانوں کے درمیان نشان ہونا ہمارے نبی ﷺ کی عظمت نبوت کا نشان اعظم ہے لیکن معترض نے اس پر ''ایک شبہ کا ازالہ'' کا عنوان لگا کر اسے شان کی بجائے شبہ سے تعبیر کیا ہے (خدا کی پناہ)۔ تو کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ معترض کی مت ہی ماری گئی ہے۔

اعتراض دوم:

''ہم تقریباً دس صحابہ کرام کے اقوال پیش کر چکے ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ سرکار ﷺ کو نبوت چالیس برس کے بعد عطا ہوئی۔ تو کیا ان کو مہر نبوت کا علم نہیں تھا''۔ (صفحہ ۲۵۸)۔

الجواب:

ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ آپ ﷺ چالیس برس سے پہلے نبی نہیں تھے اس لئے یہ سؤال خودبخود غلط ہو گیا کہ کیا ان کو مہر نبوت کا علم نہیں تھا''۔

باقی ان میں سے بعض روایات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں اور جو ثابت ہیں ان میں کوئی ایسی صراحت نہیں ہے کہ نبوت آپ ﷺ کو چالیس برس کے بعد عطا ہوئی بلکہ عموماً اس کے لیے ''ب ع ث'' کا مادّہ استعمال ہوا ہے جیسے نبی بننے اور اس سے قبل نبی نہ ہونے کے معنٰی میں لینا شدید غلطی یا نافہمی یا مغالطہ آفرینی ہے۔ معترض نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مبارکہ کو غلط رنگ دے کر عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے جو اخلاص فی الدین کے سراسر منافی ہے۔ مکمل تفصیل باب نہم میں آ رہی ہے۔

اعتراض سوم:

''نیز جن حضرات نے مہر نبوت والی روایت کو نقل کیا ہے کہ سرکار علیہ السلام پر بوقت ولادت ہی مہر نبوت موجود تھی تو انہوں نے خود اس امر کی بار بار تصریح کی ہے کہ سرکار علیہ السلام کو نبوت چالیس سال کے بعد عطا ہوئی اور کتب سیر ان تصریحات سے بھری پڑی ہے، تو کیا ان ناقلین کو مہر نبوت والی روایت کا مطلب سمجھ نہ آیا؟''

(تحقیقات، صفحہ ۲۵۸، ۲۵۹)

الجواب:

آپ نے یہاں ایسی کوئی عبارت پیش نہیں کی ہے صرف اتنا لکھ دینے سے بات پوری نہیں ہوئی کہ ''کتب بھری پڑی ہے'' اس لیۓ اس کے پیش کیۓ بغیر ہم سے اس کے جواب کا مطالبہ کرنا کوئی عقل والی بات نہیں ہے البتہ قدرت نے آپ سے یہ لکھوا اور منوالیا ہے کہ بوقت ولادت باسعادت مہر نبوت کے موجود ہونے کی حدیث بھی موجود ہے اور اس کے قائلین کی جماعت کا وجود بھی مسلم ہے۔ فللہ الحجۃ السامیۃ۔ سبحان اللہ۔ مناظر ہوں تو ایسے ہوں۔ ع مدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اعتراض چہارم:

گزشتہ اوراق میں ہم ایسی عبارات پیش کر چکے ہیں جن میں مذکور ہے کہ سرکار علیہ السلام کو چالیس برس کے بعد نبوت ملنے پر اجماع ہے تو کیا پوری امت کے علماء اس دلیل سے بے خبر تھے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۵۹)۔

الجواب:

کون سی عبارت ہے کس مقام پر ہے؟ اس کی نشاندہی نہیں کی گئی تا کہ غور کیا جاتا اور جواب کا فریضہ سرانجام دیا جاتا۔ ہم نے بھی عبارات تو کجا ایک عبارت بھی ایسی کہیں نہیں دیکھی جس میں معترض کے حسب دعویٰ سید عالم ﷺ کو چالیس برس کے بعد نبوت کے ملنے پر اجماع کا ہونا مذکور ہو۔ اجماع ہے تو کب ہوا، کس قسم کا ہوا، عجیب اجماع ہے کہ کسی کو اس کی خبر ہی نہیں پھر اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو اجماع کا منکر تو کافر یا گمراہ ہوتا ہے پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام سے لے کر بعد کے وہ تمام ائمۂ شان اور علماء اسلام (صوفیاء وفقہاء نیز محدثین اور متکلمین) جو چالیس سال سے پہلے بھی آپ ﷺ کو نبی مانتے ہیں جس کی تفصیل ہم نے دعوت رجوع نیز تنبیہات بجواب تحقیقات جلد اوّل میں کر دی ہے اور جس کا خود مصنف تحقیقات کو بھی اقرار ہے کہ اس کے بھی قائلین ہیں، وہ سب معاذ اللہ دائرۂ اسلام سے خارج اور کم از کم یہ کہ گمراہ تھے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر۔

اس تفصیل کے پیش نظر معترض کا یہ سؤال خود بخود باطل اور کافور ہو گیا کہ ''پوری امت کے علماء اس دلیل سے بے خبر تھے'' کیونکہ اس کی بنیاد دعویٰ اجماع مذکور پر ہے جو بے بنیاد ہے جس سے نتیجہ خود بخود غلط قرار پایا۔

البتہ بعض وہ عبارات کہ جن میں اعلان نبوت کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف کی بحث ہے کہ چالیس برس تھی یا اس سے کم وبیش؟ وہ قطعاً ان کے مفید مدعا نہیں جنہیں ان کا اپنی دلیل سمجھنا نا سمجھی یا پھر دانستہ دھوکہ دہی کی مذموم سعی ہے اس کی مکمل تفصیل ''باب نہم'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اسے کیا کہیے؟ تحقیقات کی فہرست عنوانات نیز اس کے صفحہ ۲۴۶ پر دی گئی وضاحت کے مطابق یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ صفحہ ۲۴۶ سے پہلے کا حصہ مولانا کا اور مذکورہ صفحہ سے آخر تک کا حصہ ان کے بیٹے کا تحریر کردہ ہے لیکن پیش نظر عبارت میں (جو صفحہ ۲۵۹ کی ہے اور قطعی طور پر صفحہ ۲۴۶ کے بعد کی ہے) واضح طور پر لکھا ہے کہ ''گزشتہ اوراق میں ہم ایسی عبارات پیش کر چکے ہیں''۔ یعنی کیا کہا جائے کہ یہ ''ہم'' فلسفۂ رضا پر مبنی ہے، یا گزشتہ اوراق بھی انہی صاحب کی محنت ہیں یا دونوں حصوں میں صاحبان کی مشترکہ کاوش کارفرما ہے؟

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے؟
ناطقہ سر بہ گریباں ہے اس کیا کہیے؟

اعتراض نمبر ہشتم:

''اللہ رب العزت کو مہر نبوت کا علم ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے اعلان کروایا۔

فقد لبثت فیکم عمراً من قبله' ما کنت ترجوا ان یلقی الیك الکتاب الا رحمة من ربك ۔ نیز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا فو الله ماھممت و لا عدت بعدھما لشئ من ذلك حتی اکرمنی الله بنبو ته (خصائص کبریٰ' صفحہ ۸۹' شفاء شریف' جلد اول' صفحہ ۸۰)۔

حسب نقل امام سیوطی' حافظ ابن حجر نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے۔ امام حاکم نے فرمایا امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ علامہ ذہبی امام حاکم کی موافقت کی (ملخّصاً) (تحقیقات' صفحہ ۲۵۹)۔

الجواب:

پیش کردہ دونوں آیتوں کے الفاظ سے معترض نے وجہ استدلال واضح نہیں کی' نہ ہی ان کا ترجمہ کیا ہے۔ نیز ان میں سے کسی کا کوئی ایسا لفظ نہیں جس میں یہ صراحت ہو کہ آپ ﷺ چالیس سال سے پہلے نبی نہیں تھے (معاذ اللہ)۔ یا مہر نبوت' دلیل نبوت نہیں۔

اسی طرح تحریر کردہ روایت کا بھی اس طرح کوئی لفظ نہیں ہے۔

''اکرمنی الله بنبو ته'' کے الفاظ بھی معترض کی دلیل نہیں کیونکہ بر تقدیر تسلیم ان الفاظ میں ''نبوۃ'' وحی جلی کے معنی میں ہے جب کہ وحی جلی کا آغاز قطعی طور پر اس وقت ہوا جب آپ ﷺ کی عمر شریف چالیس برس ہوئی اور بفضلہٖ تعالیٰ ہم اس کے قائل نہیں۔ پس معترض کو اس کی اس تقریر کا بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ان کے مکمل تفصیلی جوابات کے لیۓ ملاحظہ ہو باب نہم کتاب ہٰذا

اعتراض ہفتم:

''امام سیوطی نے خصائص کبریٰ اور شاہ عبدالحق محدّث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں تصریح فرمائی ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام پر وقت ولادت سے ہی مہر نبوت موجود تھی لیکن ان انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ہوتی تھی اور آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی تو اگر فریق ثانی کی یہ دلیل صحیح ہے تو پھر سارے انبیاء علیہم السلام کو بچپن سے نبی ماننا پڑے گا حالانکہ پوری امت میں کوئی اس کا قائل نہیں ہے''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵۹)۔

الجواب:

معترض نے اپنے اعتراض اول میں امام سیوطی کے حوالہ سے جس امر کا انکار کیا تھا بفضلہٖ تعالیٰ ان کے ساتھ حضرت شیخ محقق کو شامل کر کے اسی امر کو ایک بار پھر تسلیم کر لیا ہے اور خدا کے کرنے سے جس امر کو سرکار ﷺ کے لیۓ ماننا ان کے لیۓ بارِ گراں ہو رہا تھا اب وہ اسے تمام انبیاء علیہم السلام کے لیۓ مان گئے ہیں۔

رہا یہ کہ اس سے تمام انبیاء علیہم السلام کو شروع سے نبی ماننا پڑے؟ تو جواباً عرض ہے کہ ہمارے مطالعہ کے مطابق صحیح یہی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پیدائشی نبی ہیں' محققین امت اصولی طور پر اسی کے قائل ہیں جب کہ عدم ذکر ذکر عدم کو اور عدم ورود عدم وجود کو مستلزم نہیں اور ہماری تحقیق کے مطابق پوری امت میں صرف یہ انوکھا گروپ ہی اس کا منکر ہے۔ مکمل تفصیل اسی باب میں ''میثاق النبین'' کی بحث میں عنقریب آ رہی ہے۔

معترض ''ماننا پڑے گا'' کے الفاظ ایسے دل تنگی سے لکھ رہا ہے جیسے کسی کو موت کے لیۓ گھسیٹ کر لے جایا جا رہا ہو حالانکہ اللہ کے محبوبوں کی عظمت وشان کو مان لینا غلامی ہے اور غلامی میں حیات ہے قال اللہ تعالیٰ ''وھو مؤمن فلنحیینه حیٰوۃ طیبة'' یعنی حیٰوۃ طیبہ اسے ملے گی جو اہل ایمان ہو

اور ایمان کی بنیاد کیا ہے؟ حبِّ مصطفیٰ ﷺ۔ کما قال علیہ السلام لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین (رواہ الشیخان وغیرہ)۔

اہل محبت کا مشہور نعرہ ہے: غلامیٔ رسول میں' موت بھی قبول ہے۔ طیبہ بطیّب خاطر ماننے کا مقتضی ہے۔ پس نہ معلوم موصوف کو اس قدر دل تنگی کیوں؟

اعتراض ہشتم:

''امام زرقانی نے ارشاد فرمایا کہ بعض علماء کا قول ہے کی عیسیٰ علیہ السلام اور یحیٰ علیہ السلام بچپن سے نبی تھے لیکن صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ ان کو بھی باقی انبیاء علیہم السلام کی طرح چالیس برس کے بعد نبوت حاصل ہوئی''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵۹)۔

الجواب:

مہر نبوت کی بحث میں ان دو برگزیدہ پیغمبروں سیدنا عیسیٰ اور سیدنا یحیٰ علیہما السلام کی نبوت کی نفی کی وجہ محض اس لیۓ ہے کہ ان حضرات کو ان کے بچپن مبارک سے نبی مان لینے کی صورت میں غلامان حضور کے لیے بچپن سے نبی ماننے کی راہ کھلے گی۔ پس معترض کی اندر کی بیماری نے اسے مجبور کیا کہ وہ آخر میں اس شبہ کا بھی ازالہ کر کے دل کی پوری بھڑاس نکال لے لیکن جس چیز سے وہ بھاگنا چاہتے تھے قدرت نے ان سے اسی کا اقرار کرا کر چھوڑا اور وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ کچھ حضرات' سیدنا عیسیٰ ویحیٰ علیہما السلام کے بچپن سے نبی ہونے کے قائل ہیں اور ہیں بھی وہ علماء۔ جہلاء نہیں ہیں۔ جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اس مسئلہ میں گنجائش ہے ورنہ ان ''بعض علماء'' کو کافر یا گمراہ قرار دینا لازم آئے گا۔ لہٰذا ان بھلے مانسوں کو نبوت سید عالم ﷺ کا انکار کرتے ہوئے یا قائلین پر دفعات عائد کرتے ہوئے بھی کچھ لحاظ کرنا چاہیۓ۔

پھر انتہائی پُر لطف بات یہ ہے کہ وہ یہاں اس کو بعض علماء کا قول کہہ رہے ہیں اور مختار و صحیح اس کے برخلاف کو قرار دے رہے ہیں جب کہ وہ اپنی اسی کتاب میں اس کے برعکس سیدنا عیسٰی و یحییٰ علیہما السلام کے بچپن سے نبی ہونے کو قرآن وحدیث کا فیصلہ لکھ آئے ہیں جس سے وہ بقلم خود قرآن کے منکر قرار پا گئے اور ''اس گھر کو آگ لگی گئی گھر کے چراغ سے''۔

چنانچہ لکھتے ہیں: ''حضرت عیسٰی اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا معاملہ قرآن و احادیث سے صراحۃً ثابت ہے''۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ ۴۳)۔

نیز دوسری جگہ پر سید عالم ﷺ کی نبوۃ کے انکار کے جوش میں آ کر کہتے ہیں: ''حضرت عیسٰی علیہ السلام میں ..... حقیقت نوریہ پر طاری ہونے والا حجاب بالکل خفیف تھا۔ لہٰذا ابتداء ہی سے نبوت ورسالت کی اہلیت واستعداد موجود تھی اس لیے ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا اور نبی مکرم ﷺ کا (حجاب) نسبتاً کثیف تھا اس لیے اس کی کثافت کو..... جب لطیف کر دیا گیا..... تب آپ کو یہ منصب سونپا گیا''۔ (آگے انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لیے تجویز کردہ حجاب کو چاند کے آگے سفید اور باریک بدلی سے تعبیر کیا اور حضور سید عالم ﷺ کے لیے منتخب کردہ حجاب کو دوپہر کے سورج کے آگے سیاہی مائل اور دبیز تہہ والے بادل سے تشبیہ دے کر عظمت نبوت پر ناروا حملہ کیا ہے۔ والعیاذ باللہ)۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۰۴)۔

الغرض موصوف جس چیز سے جان چھڑانا چاہتے تھے قدرت نے ان سے اس کا اقرار کرا لیا نیز اسی بات کو انہوں نے قرآن وحدیث کا صریح فیصلہ بھی کہا پھر اس کے برخلاف کو مختار و صحیح بھی قرار دیا جس سے ان کی کیفیت اب یہ ہے کہ ''نہ اگلتے بنے نہ نگلتے بنے''۔

نوٹ: عبارت زرقانی وغیرہ کے مضمون کے حوالہ سے مکمل تحقیق عنقریب ''وجعلنی نبیا'' اور ''واتیناہ الحکم صبیا'' کے تحت آ رہی ہے۔

تحریرِ مہرِ نبوت سے استدلال: حضرت شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: ''خاتم نبوۃ'' کی تحریر کلمہ طیبہ تھی، دو لائنیں تھیں اوپر کی لائن میں ''لا الٰہ الا اللہ'' اور نیچے والی میں ''محمد رسول اللہ'' لکھا تھا۔
(خصائص کبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۵۷ بحوالہ ابن عساکر بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما)۔

علاوہ ازیں ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ کا نقش ہونا حضرت سلمان اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کے قول سے بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو (خصائص کبریٰ، جلد ۱، بحوالہ ابن عساکر، تاریخ نیسابور للحاکم، ابونعیم)۔

اقول: یہ روایات بھی ما نحن فیہ کی مؤید ہیں کیونکہ ''محمد رسول اللہ'' جملہ اسمیہ خبریہ ہے جو دوام پر

دلالت کرتا ہے۔ آپ ﷺ اس وقت نبی نہ تھے تو محمد رسول اللہ کی تحریر مہر کا کیا مطلب؟ یہ الفاظ جب اور جہاں ہوں ان کا یہی معنٰی ہوتا ہے۔ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ﷺ۔ وللہ الحمد۔

رسول اللہ ﷺ کے سچے خوابوں پر اعتراض کا جواب

فقیر نے ''دعوت رجوع'' میں لکھا تھا: ''متفق علیہ حدیث میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اول مابدئ به رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیا الصادقة فی النوم فکان لایریٰ رؤیا الاجاء ت مثل فلق الصبح (الی) حتی جاء الحق وهو فی غار حراء الخ یعنی (وحی جلی کے نزول سے قبل) رسول اللہ ﷺ کو وحی' نیند میں سچے خواب سے شروع ہوئی۔ پس آپ جو بھی خواب دیکھتے' وہ صبح صادق کی طرح سچا ثابت ہوتا (الی) یہاں تک کہ آپ پر حق کا نزول ہوا (وحی جلی اتری) جب کہ آپ غارِ حرا میں تھے''۔ (صحیح بخاری' جلد۱' صفحہ۲' صحیح مسلم' جلد۱' صفحہ۸۸' مشکوٰۃ صفحہ۵۲۱)۔

اقول: یہ حدیث اپنے اس مفہوم میں واضح ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ پر وحی خفی کا سلسلہ جاری تھا جو قبل از اعلانِ نبوت آپ کے نبی ہونے کی بیّن دلیل ہے''۔ (دعوت رجوع' صفحہ۱۲' ۱۳)۔

ثم اقول الآن: نبی کے خواب پر وحی کا اطلاق مذکورہ حدیث میں موجود ہے۔ ﷺ۔ نیز قرآن مجید میں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے حوالہ سے ہے کہ انہوں نے اپنے فرزند ارجمند سے فرمایا تھا: ''یا بنّی انی اریٰ فی المنام انی اذبحك الخ'' میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو اس بارے میں تم کیا کہو گے؟ انہوں نے عرض کی: یا ابت افعل ماتؤمر الخ ابا جان جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے آپ وہ کر گزریں میں ان شاء اللہ صبر کر کے دکھاؤں گا۔ (الصافات)۔

یہ بھی ہمارے موقف کی دلیل ہے ورنہ خواب کو ماتؤمر کہنے کا کیا مطلب نیز خواب کی بنیاد پر بیٹے کو ذبح کر دینے کا کیا جواز؟

نیز صحیح حدیث میں ہے ''رؤیا الانبیاء وحی'' انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری) اس پر معترض فریق کی طرف سے حسب ذیل اعتراضات کیے گئے ہیں پڑھیے مع جوابات۔

اعتراض نمبرا: اس امر پر تمام محدّثین اور سیرت نگار شارحین حدیث اور مفسرین کرام متفق ہیں کہ سرکار علیہ السلام کو سچے خواب چالیس سال کے بعد دکھائی دینے شروع ہوئے تو یہ تو ہماری دلیل ہے کہ سرکار علیہ السلام چالیس

برس کے بعد نبی بنے''۔(تحقیقات'صفحہ۲۶۱)۔

الجواب: تمہاری دلیل نہیں ہے کیونکہ ''اس پر تمام متفق ہیں کہ سچے خواب چالیس سال کے بعد شروع ہوئے'' بالکل جھوٹا دعویٰ ہے جس کے غلط ہونے کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ موصوف اس کے ثبوت میں اس سلسلہ کی کوئی ایک عبارت بھی نہیں لا سکے بلکہ اگلے اعتراض میں موصوف کے کچھ الفاظ ایسے ہیں جو اس کا ابطال کر رہے ہیں۔عبارت آ رہی ہے۔

یہ ہو بھی نہیں سکتا کہ مذکورہ اہل علم حضرات اس پر متفق ہو جائیں کیونکہ مسئلہ ہٰذا کی بنیاد صحیحین وغیرہما کی ہماری پیش کردہ منقولہ بالا حدیث ہے جب کہ اس میں سچے خوابوں کے ذریعہ وحی اور وحی جلی کی آمد کے درمیان فاصلہ کا ہونا صریحاً مذکور ہے۔

پھر چونکہ معترض فریق کا سارا زور اسی پر ہے کہ آپ ﷺ نبی چالیس سال کے بعد بنے جس کا آغاز سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے نزول سے ہوا اس لیے قطعی طور پر یہ بات فیصل ہوگئی کہ سچے خوابوں کا سلسلہ عمر شریف کے چالیس سال ہونے سے پہلے کا ہے۔لہٰذا چالیس سال بعد شروع ہونے کا دعویٰ بھی یقینی طور پر جھوٹ ہوا۔پھر یہ فاصلہ کچھ بھی ہو۔بہر صورت اس سے چالیس سال کے بعد نبی بننے کا ان کا دعویٰ خاک میں مل جاتا ہے۔

○ مزید تصریحات لیجیے: عمر شریف کے چالیس سال ہونے سے کافی پہلے کا واقعہ ہے سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مرّ علیّ جبرئیل و میکائیل علیهما السلام و انا بین النائم و الیقظان بین الرکن و زمزم فقال احدهما للاخرهو هو ؟قال نعم و نعم هو لو لا انه یمسح الاو ثان الخ یعنی میں مطاف کعبہ میں رکن اسود اور چاہ زمزم کے درمیان لیٹا یا بیٹھا ہوا تھا۔تھوڑی سی نیند کی کیفیت تھی کہ جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کا مجھ سے گزر ہوا' ان میں سے ایک نے میرے متعلق دوسرے سے کہا: کیا یہ وہی ہیں؟انہوں نے جواباً کہا ہاں وہی تو ہیں ان کے نام پیغام ہے کہ بتوں کو طواف کے درمیان چھونا نہیں۔ملاحظہ ہو۔(خصائص کبریٰ'جلد۱'صفحہ۸۹'بحوالہ ابو نعیم عن المؤمنین الصدیقہ)۔

اقول: حدیث ہٰذا اعلان نبوت سے عرصہ سے پہلے خواب میں وحیٔ الٰہی ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

○ نیز علامہ علی القاری نے قونوی شرح عمدۃ النسفی کے حوالہ سے آپ ﷺ کی قبل از اعلان نبوت عبادت کے تناظر میں ارقام فرمایا: ''بالوحی و الکشوف الصادقة ''یعنی آپ ﷺ اس دور میں جب کہ شریعت مطہرہ نہ آئی تھی' وحی اور سچے کشفوں کے ذریعے ملنے والی ہدایات الٰہیہ کے مطابق عبادت فرماتے تھے۔(شرح فقہ اکبر'

صفحہ ۶۰، طبع کراچی)۔

O　علامہ پرہاروی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''والنبی یجوز ان یأتیہ الوحی بوجہ آخر من الھام او منام ''یعنی نبی کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس کے پاس الہام والقاء یا خواب کے ذریعہ ہدایات آئیں۔

ملاحظہ ہو (النبراس، صفحہ ۵۵، نیز مجموع الحواشی ملا احمد جلد اوّل، بحوالہ بیضاوی)۔

O　علامہ رحمتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ان النبی من اوحی الیہ ولو فی النوم ''یعنی نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس مطلقاً وحی آتی ہو اگرچہ صرف نیند میں ہو۔

ملاحظہ ہو (العقد النامی فی شرح الجامی، جلد ۱، تحت عبارت خطبہ و جامی و الصلٰوۃ علٰی نبیہ)۔

اقول: ان عبارات کے الفاظ ''الکشوف''''او منام''اور''ولو فی النوم ''ہمارے موقف کی دلیل ہیں کہ صرف نوم میں ہدایات محض اس وقت متصور ہو سکتی ہیں جب وحی جلی کی آمد کا سلسلہ ابھی جاری نہ ہوا ہو۔

O　اس سب سے قطع نظر سید عالم ﷺ حدیث صحیح ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد ''کی رُو سے پہلے سے نبی ہیں اور زمانۂ اعلان نبوت تک کسی دور میں اس کا انقطاع (نبوت کا منقطع ہو جانا) ثابت نہیں اور خواب زندگی کا حصہ ہیں تو اس عرصہ میں آپ نے جتنے خواب دیکھے وہ سب نبی کے خواب قرار پائے۔ ﷺ۔

چنانچہ علامہ محمد ابن جعفر کتانی امام علامہ نابلسی کے حوالہ سے لکھتے ہیں فکان نبیا ورسولا بالفعل عالما بنبوۃ ورسالتہ فی عالمی الحقائق والارواح کما مر ثم فی عالم الاجسام والذر واتصلت نبوتہ بجمیع الخلائق من غیر انقطاع الٰی زمن وجود جسدہ المکرم فبعث بجسدہ فی عالم الاجسام (الٰی) وبہ یفھم معنی قولہ علیہ الصلاۃ والسلام کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد ''۔خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ عالم حقائق سے لے کر عالم اجساد میں جلوہ گر ہونے تک ہر جہان اور ہر دور میں برابر سے بغیر کسی انقطاع کے ہمیشہ ہمیشہ بالفعل نبی ورسول رہے۔ حدیث ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد'' کا یہی مفہوم اور حدیث مذکور اس کی دلیل ہے۔

ملاحظہ ہو۔ (جلاء القلوب، جلد ۱، صفحہ ۳۸۵ طبع بیروت، نیز الحدیقۃ الندیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۹، ۳۰، سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے)۔

علامہ ابو الفیض کتانی فرماتے ہیں حدیث کنت نبیا الخ اپنے حقیقی معنٰی پر ہے جو بعد ولادت باسعادت تا اعلان نبوت سمیت تمام ادوار کو محیط ہے۔ ولادت باسعادت تا اعلان نبوت آپ کو نبی نہ ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ ''ان النبوۃ التی البسھا اللہ ایاہ سلبھا'' وہ نبوت اللہ تعالیٰ نے آپ سے سلب کر لی اور چھین لی تھی یعنی جب کہ سلب نبوت محال ہے۔ (الکشف والتبیان، صفحہ ۱۵۴)۔

خلاصہ یہ کہ سچے خوابوں کا سلسلہ اعلان نبوت سے قبل سے جاری رہا۔ یہ نہ بھی ہوتا تو بھی آپ اس دور میں نبی تھے۔ ﷺ ۔

نوٹ: کتاب ہٰذا کے جلد اوّل کے باب ہفتم میں اس کی مکمل باحوالہ تفصیل کردی گئی ہے فمن شاء الاطلاع علیه فلیرجع الیه۔

اتمام حجت: معترض کے بزرگوار نے لکھا ہے کہ: تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ رؤیائے صادقہ صالحہ کا سلسلہ آپ کو چالیس سال کی عمر شریف کے قریب پیش آیا اور چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا"۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۳۴)۔

ع　اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اعتراض نمبر ۲: "اگر مان بھی لیا جائے کہ ساڑھے انتالیس سال کے بعد سچے خواب شروع ہوئے تو اگر ساڑھے انتالیس سال کے بعد نبوت تسلیم کرنا گستاخی نہیں ہے تو اگر مزید چھ مہینے کا وقفہ تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ گستاخی کیسے ہوجائے گی"۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۱)۔

الجواب: جب آپ ﷺ کی نبوت ہر دور میں بلا انقطاع ثابت ہے تو پڑھ سمجھ لینے کے باوجود اسے تسلیم نہ کرنا یقیناً بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں سوء ادبی اور آپ کے فرمان ذیشان کو وقعت اور کچھ اہمیت نہ دینے کے مترادف ہے۔ ساڑھے انتالیس سال تک کوئی نہ مانے یا صرف مزید چھ ماہ کا قول کرے دونوں مجرم ہیں۔ لہٰذا اس اگر' اگر' اگر' کی رٹ کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

الحمدللہ معترض فریق نے اس سے یہ اشارہ دے دیا ہے کہ سچے خوابوں کا سلسلہ چھ ماہ قبل از اعلان نبوت شروع ہونے کے بھی دلائل ہیں تب ہی تو ساڑھے انتالیس کا حساب پیش کررہے ہیں البتہ اس سے ان کا عوام کو یہ تأثر دینا کہ قائلین نبوت ساڑھے انتالیس سال تک معاذ اللہ ثم معاذ اللہ آپ ﷺ کو نبی نہیں مانتے بلکہ سچے خوابوں کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد ہی آپ کو نبی مانتے ہیں' موصوف کی کج فہمی یا پھر عمداً دھوکہ دہی اور دیدہ دانستہ مغالطہ آفرینی ہے جو بہت بڑی زیادتی اور ہم پر ان کا سراسر جھوٹا الزام ہے جس سے ہم ہزار بار بری ہیں۔ ہم نے یہ بات کب اور کہاں کہی ہے ذرہ بھر بھی صداقت اور جرأت ہے تو اس کا ثبوت پیش کریں اور ہم سے منہ مانگا انعام پائیں۔ ہم نے تو صرف یہ کہا کہ قبل از اعلان نبوت آپ ﷺ کے واقعی نبی ہونے کا ایک قرینہ سچے خوابوں کی شکل میں آپ پر وحی کی آمد بھی ہے اور ان پر وحی کا اطلاق صحیحین کی متفق علیہ حدیث سے پیش کیا جاچکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے صرف یہی سچے خوابوں والی دلیل پیش نہیں بلکہ اس سلسلے کے ملے جلے بے

شمار دلائل دیئے ہیں۔ پس ان کے اس جھوٹے تأثر کے پھیلانے پر ہم سراپا احتجاج ہیں جس سے انہیں معذرت کرنی ہوگی ورنہ روزِ حساب تو کہیں نہیں گیا۔

رہا یہ کہ ''تو پھر یہ گستاخی کیسے ہوجائے گی''؟ تو جواباً عرض ہے کہ یہ گستاخی ایسے ہوجائے گی کہ ''کنت نبیاو آدم بین الروح والجسد ''اٹل فیصلہ نبوی ہے جو اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔ اس کے بعد اس کے بے اثر ہوجانے کی کوئی صحیح معیاری شرعی دلیل نہیں ہے۔ جس کے بعد آپ کو نبی نہ ماننا نبوت کے سلب ہوجانے کے نظریہ پر منتج ہوتا ہے جیسا کہ ابھی اعتراض نمبر ا کے جواب میں علامہ ابوالفیض کتانی قدس سرہ النورانی وغیرہ سے نصاً گزرا ہے۔ دوبارہ غور سے دیکھیں شاید کچھ احساس ہوجائے۔ و اللہ الھادی۔

مزید یہ کہ معترض کے بزرگوار نے تسلیم کیا ہے کہ محدثین کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چھ ماہ تک مرتبہ نبوت تک محدود اور مخصوص رہے'' (تحقیقات' صفحہ ۱۳۵) سبحٰن اللہ۔

اعتراض نمبر۳: ''امام نووی نے شرح مسلم (جلد اوّل صفحہ ۸۸ پر) اعلیٰ حضرت کے والد گرامی مولانا نقی علی خاں نے اپنی کتاب انوار جمال مصطفیٰ (صفحہ ۱۱۲) پر تحریر فرمایا ہے کہ اگر سرکار علیہ السلام کو پہلے سچے خواب نہ دکھائے جاتے اور اچانک صریح نبوت آجاتی تو آپ ﷺ برداشت نہ کرسکتے'۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۱)۔

الجواب: ان عبارتوں کا کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ ترجمہ یا مطلب ہو کہ آپ کو سچے خواب اس لیئے دکھائے گئے کہ آپ اس وقت نبی نہیں تھے پس یہ سب معترض کی پیوندکاری اور ذاتی اختراع ہے۔

○ ان عبارتوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس دنیا کے حسب اصول آپ ﷺ کی بشریت مقدسہ کو متوجہ کرنے کے لیئے کثرت سے آپ کو سچے خواب دکھائے گئے ورنہ اس طرح کے خوابوں کا سلسلہ تو پہلے بھی موجود تھا جس کی کئی مثالیں ہم ابھی اعتراض نمبر ا کے جواب میں بھی پیش کرآئے ہیں جب کہ عدم توجہی نبوت کے منافی نہیں جیسا کہ نفی علم غیب کے بعض دلائل کے جواب میں ہمارے اسلاف نے منکرین کے جواب میں یہی موقف اختیار فرمایا ہے کہ عدم توجہ' عدم علم کی ہرگز دلیل نہیں۔

تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو۔ (حضرت غزالیٔ زماں علیہ الرحمۃ والرضوان کا رسالہ مبارکہ ''تقریر منیر'' مشمولہ مقالات کاظمی' جلد۲' صفحہ ۱۲۵' ۱۳۰ طبع مکتبہ فریدیہ ساہیوال)۔

○ علاوہ ازیں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کے لفظ ہیں فلا یحتملھا القوی البشریۃ'' نیز حضرت رئیس المتکلمین کی عبارت میں اس طرح ہے: ''بنائے بشریت منہدم ہوجاتی ہے''۔ جس سے یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ بشریت مقدسہ ہی کو اس جانب متوجہ کرنا مراد ہے۔ بالفاظ دیگر آپ کی بشریت مطہرہ والا

پہلو مراد ہے نہ کہ پوری ذات مقدسہ۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ''آپ ﷺ برداشت نہ کر سکتے''۔ معترض کی خانہ ساز عبارت اور اس کا اپنا ملاوٹی قول ہے' علامہ نووی اور علامہ نقی علی خاں علیہما الرحمۃ نے یہ لفظ قطعاً استعمال نہیں فرمائے۔

○ اسے یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ سید عالم ﷺ ہمیشہ ترقی میں ہیں۔ بار بار کا شق صدر مبارک بھی اس کی عمدہ مثال ہے ورنہ شق صدر مبارک سے پہلے معاذ اللہ کیا کمی تھی؟ لہٰذا سچے خوابوں کا سلسلہ بھی ترقی کا حصہ ہے جو قطعاً منافیٔ نبوت نہیں۔

○ اگر بشریت مقدسہ کے اس طرح کے حالات اور کیفیات کی بنیاد عدم نبوت ہو تو وہ تو اعلان نبوت کے بعد بھی پائے گئے ہیں مثلاً واقعۂ طائف میں آپ ﷺ کا کفّار نابکار کے حملوں سے لہولہان ہو جانا' نعلین مبارک کا خون مبارک سے بھر جانا' آپ کا سحر کے اثر کو قبول فرمانا اور سخت علیل ہو جانا نیز میدان احد میں شدید زخمی ہونا اور دانت مبارک کے کنارا کا شہید ہو جانا اور آپ کے بخار کا کئی گنا زیادہ ہونا۔

اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے اس طرح کے بیسیوں واقعات بھی ہیں جیسے بلاء ایوب علیہ السلام زکریا علیہ السلام کے جسم مبارک کا آری سے چیرا جانا' یحییٰ علیہ السلام سمیت بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام کا کفار ناہنجار کے ہاتھوں سخت بے دردی سے شہید کیا جانا نیز ساحرین سے مقابلہ کے وقت حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا نیز آنے والے مہمانوں کے کھانے کو ہاتھ نہ لگانے پر حضرت خلیل علیہ السلام کا احساس خوف وغیرہ۔

تو کیا معترض یہاں بھی سید عالم ﷺ سمیت ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتوں کی معاذ اللہ نفی کر دے گا کہ نبی ہوتے تو ان کی بشریت ان امور سے کیوں متأثر ہوتی؟ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

○ قرآن مجید کی زیارت سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پاک بشریتوں کے عوارض کے حوالہ سے ان کی نبوتوں کا انکار کرنا پرانے زمانے کے کفار و مشرکین کا طرز عمل تھا۔

سورۃ مومنون میں ہے کفار نے اللہ کے نبی کے متعلق کہا: یاکل مما تأکلون منه ویشرب مما تشربون یعنی یہ وہی چیزیں کھاتا پیتا ہے جو تم کھاتے پیتے ہو۔

نیز سورۂ فرقان میں ہے وقالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسوق الآیۃ۔ یعنی کفار نے کہا یہ رسول ہوتا تو نہ کھانا کھاتا اور نہ بازاروں میں آتا جاتا۔

○ رہے علامہ نووی علیہ الرحمۃ کے الفاظ ''ویأتیه صریح النبوۃ بغتة'' یعنی اچانک صریح نبوۃ کے آنے پر مذکورہ کیفیت ہوتی؟ تو یہ بھی معترض کو کسی طرح مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ یہاں ''نبوۃ'' سے مراد وحی

ہے تو صریح النبوۃ'' کا معنیٰ ہے وحی جلی۔ جو عین ہمارے مطابق ہے کیونکہ ہم اسی کے قائل ہیں کہ وحی جلی کا آغاز اس دنیا میں چالیس برس کی عمر شریف کے بعد ہوا۔

نیز ان الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وحی جلی جب بعد میں آئی تو وحی خفی پہلے سے جاری تھی اور یہ بھی ہم ابھی ثابت کر آئے ہیں کہ نبی کے لیئے کسی بھی طرح کی وحی خفی کا ہونا کافی ہوتا ہے۔ اور اگر معترض پھر بھی نہ مانے اور کہے کہ یہاں نبوۃ سے مراد وحی نہیں بلکہ نبی ہونا ہے تو یہ بھی اسے سخت مضر ہے کیونکہ اس میں صرف ''النبوۃ'' کے لفظ نہیں اس کے ساتھ ''صریح'' کا لفظ بھی ہے جس کا واضح مطلب یہ بنے گا کہ ''نبوۃ'' آپ کی ذات مقدسہ میں پوشیدہ تھی جو چالیس برس کی عمر شریف میں ظاہر ہوئی جو عین ہمارا موقف ہے۔ الغرض علامہ نووی و مولانا نقی علی قدس سرہما القوی کی یہ عبارتیں نفی کی ہرگز نہیں بلکہ نبوت کا بیّن ثبوت ہیں۔

○ **وطریق آخر**: ان شیخین جلیلین کی ان عبارتوں سے ہٹ کر بھی کوئی ایسی صریح عبارت نہیں ہے جس میں چالیس سال قبل آپ ﷺ کے معاذ اللہ نبی نہ ہونے کی صراحت کی گئی ہو بلکہ ان سے اس کے برعکس ثابت ہے لہٰذا ان عبارتوں کو نفی نبوت پر محمول کرنا قطعی طور پر توجیه القول بما لایرضٰی به قائله ہے۔

علامہ نووی کے حوالہ سے مسئلہ ہٰذا میں ان کے نظریہ کی نشاندہی ابھی ان کی عبارت کی توجیہ میں ہم نے کر دی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے والد گرامی کے اس سلسلہ کے موقف کی مکمل تفصیل باب نہم میں آ رہی ہے۔ سر دست تکمیل عنوان کی غرض سے ان کی بعض عبارات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ اپنی اس کتاب انوار جمال مصطفیٰ ﷺ میں (جس کا معترض نے حوالہ پیش کیا ہے) ارقام فرماتے ہیں: ''قلم نے زمین اور آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے لوح پر لکھا ان محمدا خاتم النبین بے شک محمد خاتم پیغمبروں کے ہیں''۔ (صفحہ ۸۵، طبع شبیر برادرز، لاہور)۔

نیز جناب باری نے جب ہمارے حضرت کا نور مبارک پیدا کیا (پھر عرش و کرسی اور ملٰئکہ وغیرہم مخلوقات کو اس کے توسط سے پیدا فرمایا تو ان) سب کو اپنی وحدانیت اور حضرت کی رسالت سے آگاہ فرمایا کہ ملأ اعلیٰ میں شور لا اله الا الله محمد رسول الله کا بلند ہوا'' (ملخّصاً) (صفحہ ۸۵)۔

نیز کسی نے اس جناب سے پوچھا کہ آپ کو منصب نبوت کب سے حاصل ہوا؟ تو فرمایا جب خدا نے عرش کو بنایا اور آسمان اور زمین کو پھیلایا اور عرش کو اٹھانے والوں کے کندھوں پر رکھا اس وقت ساق عرش پر قلم قدرت سے لکھا لا اله الا الله محمد رسول الله خاتم الانبیاء''۔ (صفحہ ۸۵، ۸۶)۔

نیز ''ایک بار صحابہ نے گزارش کیا آپ کب سے پیغمبر ہوئے؟ فرمایا جب کہ آدم درمیان روح وجسد

کے تھے'' (صفحہ ۸۶)۔

نیز حضرت آمنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وقت ولادت باسعادت آسمان سے ایک آنے والے نے آ کر مجھے دودھ سے سفید' مشک سے زیادہ خوشبودار اور شہد سے زیادہ میٹھا پانی پیش کیا جسے میں نے سیر ہو کر پیا تو وہ اپنا ہاتھ میرے پیٹ سے ملنے لگا اور کہا: اظھر یا سید المرسلین اظھر یاسیدالعٰلمین اظھر یا خاتم النبین اظھر یا نبی اللہ اظھر یارسول اللہ الخ۔(صفحہ ۱۰۳)

نیز ''جب آپ پیدا ہوئے خدا کو سجدہ کیا اور فرمایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔سواء خدا کے کوئی معبود نہیں' میں بے شک خدا کا رسول ہوں''۔(صفحہ ۱۰۴)

نیز ''اس وقت آپ نے جناب الٰہی میں سجدہ کیا اور کہا رب ھب لی امتی خدایا میری امت کو میرے واسطے بخش دے''۔(صفحہ ۱۰۴)۔

نیز لکھا ہے ''بحیرا راہب آپ کو علامات نبوت سے پہچان کر تعظیم کے لیے اٹھا اور ابوطالب سے کہا ھذا سید العالمین ھذارسول رب العٰلمین الخ یہ تمام عالم کے سردار اور رسول پروردگار ہیں''۔(صفحہ ۱۱۱)

علاوہ ازیں اسی کتاب کی تلخیص میں حدیث کنت نبیا وادم بین الروح والجسد کے حوالہ سے لکھا ہے: ''یہاں سے معلوم ہوا ہے کہ روح مبارک قبل از وجود یا وجود بھی متصف برسالت تھی'' الخ۔ملاحظہ ہو (سرور القلوب بذکر المحبوب ﷺ صفحہ ۲۲۳' طبع شبیر برادرز' لاہور)۔

اقول: ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے والد ماجد' سید عالم ﷺ کی نبوت کے متقدم اور دائمی واستمراری ہونے کے قائل ہیں بناءً علیہ ان کی زیر بحث غیر صریح عبارت کو قبل از اعلان نبوت نبی نہ ہونے کے معنٰی میں بتانا قطعی طور پر معترض کی سخت کشیدہ کاری اور والد اعلیٰ حضرت پر افتراء پردازی ہے۔

ایک تازہ سوال کا جواب:

اگر معترض کہے کہ پیش کردہ مثالوں میں بعد از اعلان نبوت بشریت مقدسہ کے خاص وحی سے متاثر ہونے کی کوئی مثال نہیں ہے؟ تو جواباً عرض ہے کہ اگرچہ مدعا ان مثالوں سے ثابت ہے تاہم اس کی خاص مثالیں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ صحیحین وغیرہما کی حدیث میں ہے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ولقد رأیتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ وان جبینہ لیتفصد عرقا'' یعنی میں نے سخت سردی کے موسم میں چشم سر سے دیکھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ کی جسمانی کیفیت یہ ہوگئی کہ آپ کی پیشانی مبارک سے کثرت سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ملاحظہ ہو (صحیح بخاری' جلد ۱' صفحہ ۲' طبع کراچی)۔

نیز اعلیٰ حضرت کے والد گرامی اپنی اسی کتاب میں جسے معترض نے پیش کیا ہے' ارقام فرماتے ہیں: ''صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ جس وقت آپ پر وحی نازل ہوتی' ایک آواز مثل آواز جوش دیگ کے آپ کے سینہ سے نکلتی اور رنگ چہرہ مبارک کا متغیر ہو جاتا' جاڑے کے دنوں میں پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگتا الخ۔ (انوار جمال مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ۶۰' طبع مذکور)۔

خلاصہ یہ کہ وحی سے نبی کی بشریت کے پہلو کی کیفیات کو معترض کا عدم نبوت کی دلیل سمجھنا اس کی کم علمی اور کج فہمی ہے کیونکہ یہ امر تو بعد از اعلان نبوت بھی آپ سے ثابت ہے (ﷺ) جس پر اصرار کا نتیجہ بہت خراب ہے۔ (ونعوذ باللہ من سوء العاقبۃ) ھذا والحمد للہ۔

''قبل اعلان تبلیغ نہ فرمائی کہ حکم نہ آیا تھا'' پر اعتراض کا جواب

معترض و منکر فریق کی جانب سے جب یہ آواز اٹھائی گئی کہ آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت' نبی تھے تو آپ نے تبلیغ کیوں نہ فرمائی؟ جس کا بعض غلاموں (قائلین نبوت) کی طرف سے جواب دیا گیا کہ آپ ﷺ پر اس کا حکم نہ آیا تھا۔ جب حکم آ گیا تو تبلیغ شروع فرما دی۔ اس پر معترض کا اعتراض پھر اس کا جواب' ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

اعتراض: ''ان حضرات کی خدمت میں شرح عقائد اور المعتقد المنتقد کی یہ عبارت پیش کی جاتی ہے:
الانبیاء معصومون مأمونون من خوف الخاتمة مکرمون بالوحی و مشاھدۃ الملك مأمورون بتبلیغ الاحکام وارشاد الانام''۔

علماء کلام تو فرماتے ہیں کہ انبیاء تبلیغ پر مأمور ہوتے ہیں مگر ہمارے مہربان کچھ اور ہی فرما رہے ہیں اور ہم تو بہرحال اپنے اسلاف کے تابع ہیں''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۷)۔

الجواب: نوٹ: عبارت ہٰذا شرح العقائد (صفحہ ۱۱۴ طبع ایچ ایم سعید کراچی) کی ہے۔

المعتقد المنتقد میں یہ صیغ جمع نہیں بلکہ واحد کے صیغوں سے ہے نیز اس میں ''خوف'' کی بجائے ''سوء'' کا لفظ واقع ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۱۳۲ طبع حامدیہ لاہور)۔ جو بنیادی طور پر ان بعض کرامیہ و ملاحدہ متصوفہ کے ردّ میں ہے جن کے عقائد باطلہ سے ہے کہ ولی' نبی سے مرتبہ میں بڑھ سکتا ہے معاذ اللہ۔

اب لیجئے اس کا پڑھئے جواب:

- اس کا جواب انہیں فروری ۲۰۰۶ء میں دیا جا چکا ہے کہ علامہ تفتازانی خلاف جمہور نبی و رسول میں تساوی کے قائل ہیں لہٰذا یہ تعریف درحقیقت نبی کی نہیں بلکہ رسول کی ہے جب کہ عندالجمہور نبی کے لیۓ کسی طرح کی وحی کا آنا کافی ہے۔ مأمور بالتبلیغ ہونا رسول کے لیۓ ہے۔ ملاحظہ ہو (دعوت رجوع' صفحہ ۸ تا ۱۲)۔

بناءً علیہ ہر وہ عبارت جس میں نبی کے لیۓ مأمور بالتبلیغ ہونے کی نفی پائی جاتی ہے وہ ہمارے موقف کی دلیل ہے جس کی مکمل تفصیل مع مالہ و ماعلیہ' تنبیہات جلد اوّل میں دلیل نمبر ۲۰۴ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

یہ معترض فریق کی چابک دستی ہے کہ جو چیز ان کے ذمہ ہمارا واجب الاداء قرض تھی اور جس کی ادائیگی ان کے ذمہ فرض تھی اور تاحال فرض ہے جس کو کم وبیش ساڑھے پانچ سال کا عرصہ ہوگیا ہے' انتہائی چستی سے اسے ہم پر اچھال رہا ہے فوا اسفا والی اللہ المشتکی۔

○ معترض نے چونکہ یہاں المعتقد المنتقد کا نام لیا ہے اس لیے قطع نزاع کے لیے مناسب مقام اس کی عبارت سے برکت لے لیتے ہیں چنانچہ بحوالہ سنوسی اس میں لکھا ہے: "النبوۃ اختصاص بسماع وحی من اللہ بواسطۃ الملک اودونہ فان امر مع ذلک بتبلیغہ فرسول "جس ہستی پر فرشتہ کے توسط سے یا کسی اور طریقہ سے منجانب اللہ صرف وحی آئی وہ نبی ہے اگر س کے ساتھ وہ مأمور بالتبلیغ بھی ہو تو وہ رسول ہے۔ اس کے بعد المسایرہ کے حوالہ سے نبی ورسول کے مابین فرق کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بارے میں مجموعی طور پر تین اقوال ہیں پہلا قول یہ لکھا ہے: "الفریق بینھما بالامر بالتبلیغ وعدمہ "نبی کو تبلیغ کا حکم نہیں ہوتا جب کہ رسول مأمور بالتبلیغ ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں "وھو الاول المشھور" پہلا اور مشہور قول یہی ہے۔

آگے لکھتے ہیں: "النبی ھم اعم من الرسول اذالرسول من امر بالتبلیغ و النبی من اوحی الیہ اعم من ان یؤمر بالتبلیغ ام لاقال القاضی عیاض و الصحیح الذی علیہ الجمھور ان کل رسول نبی من غیر عکس (الی) ونسب ھذا المذھب الی الجمھور "یعنی نبی ورسول میں فرق کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ نبی' رسول سے اعم ہے رسول وہ ہوتا ہے جو مأمور بالتبلیغ ہو اور نبی وہ ہوتا ہے جس پر وحی آتی ہے مأمور بالتبلیغ ہو یا نہ ہو۔ امام قاضی عیاض کہ حسب ارشاد صحیح اور جمہور (علماء ومحققین کی واضح اکثریت) کا مذہب یہ ہے کہ (انسانوں میں) ہر رسول تو نبی ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس (ہر نبی' رسول) نہیں ہوتا ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۱۰۴'۱۱۴ طبع مکتبہ حامدیہ لاہور)۔

معترض فریق کی پیش کردہ کتاب المعتقد المنتقد کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ جمہور علماء شان کے مذہب کے مطابق مأمور بالتبلیغ ہونے کی شرط رسول کے لیۓ ہے نبی کے لیۓ صرف وحی کا ہونا کافی ہے۔ پس پیش کی گئی عبارت کا تعلق بھی رسول سے ہے نبی سے نہیں لہٰذا وہ ہماری دلیل ہے معترض کی نہیں۔

○ **وبطریق آخر**: مأمورون بالتبلیغ وارشادالانام" کا تعلق' بعد بعثت کے حصہ زندگی سے ہے جب کہ بحث قبل بعثت والے حصۂ حیات طیبہ کے بارے میں ہے لہٰذا عبارت کو معترض کے دعویٰ سے کچھ مطابقت نہیں۔

○ **وبنا حیۃ اخریٰ**: "مأمورون بالتبلیغ "عین ہمارے مطابق ہے کہ جب تک حکم نہ آیا تبلیغ نہ فرمائی اور

جب حکم آ گیا تو میدان میں آ گئے۔

اقول: ''حکم نہ آیا تھا جب حکم آ گیا تو تبلیغ شروع فرمادی'' صرف صحیح توجیہ ہی نہیں بہت وقیع بھی ہے کیونکہ یہی روٹین خود وحی جلی کے نزول کے بعد بھی تا وفات رہی یعنی ایسا نہ تھا کہ سورۃ اقرأ کی آیات اتریں تو اس کے بعد آپ ﷺ نے ہر وقت چوبیس گھنٹے تبلیغ ہی فرمانی جاری فرمادی بلکہ ان آیات کے اترنے کے بعد آپ نے انہیں اپنے متعلقین کے سامنے رکھا۔ اس کے کافی عرصہ کے بعد سورۂ مدثر شریف کی ابتدائی آیتیں اتریں جن میں آپ کو حکم دیا گیا قم فانذر آپ لوگوں کو میرے عذاب سے ڈرانے کے لیۓ اٹھیں۔ لیکن اس میں بھی کھل کر تبلیغ کا حکم نہ آ تا صرف تبلیغ کا حکم تھا اس لیۓ آپ نے خفیہ طور پر لوگوں کو دعوت اسلام دے کر تبلیغ فرمانی شروع فرمائی۔ تین سال اسی حالت میں گزرے۔

اس کے بعد کھل کر علانیہ تبلیغ کرنے کا حکم آیا ''فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشركين'' نیز ''وانذر عشيرتك الاقربين'' یعنی آپ کو جس امر کا حکم دیا جاتا ہے اسے کھول کھول کر بیان کریں اور بات مشرکین کی طرف سے کھڑے کیے جانے والے حالات کی کچھ پروا نہ کریں۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان کو سمجھائیں جو آپ کے انتہائی قریبی رشتہ والے ہیں (الحجر، الشعراء)۔

اس کے بعد سنہ ۶ تک (نماز کا حکم آ جانے پر) نماز بھی خفیہ طور پر ادا فرماتے رہے اور سر عام حرم کعبہ میں پہلی نماز کھل کر اس وقت پڑھی گئی جب سید عالم ﷺ کی دعا مبارک کے نتیجہ میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب نے اسلام قبول کر کے دنیاء کفر میں تہلکہ برپا کر دیا اور کفار کو للکارا۔

معلوم ہوا حکم نہ آیا تھا والا جواب بہت وقیع ہے۔

اس کی مزید بھی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ پہلے پنجگانہ نمازیں کیوں نہ پڑھتے تھے، معراج کے بعد کیوں شروع کیں؟ اس لیۓ کہ حکم نہ آیا تھا۔ حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی تو ان کی نماز جنازہ کیوں نہ پڑھی اور ہجرت کے بعد سب سے پہلی نماز جنازہ حضرت اسعد زراہ کی کیوں پڑھی؟ مکی زندگی میں نہ جمعہ پڑھا نہ تراویح پڑھی نہ رمضان شریف کے روزے (بطور فرض) رکھے نہ کسی کو ان مین سے کسی چیز کا حکم دیا۔ کیوں؟ اس لیۓ کہ حکم نہ آیا تھا (وغير ذلك من الامثله الكثيره)۔

مزید سنئے: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک بار حضرت فاروق اعظم نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں وضو کے لیۓ پانی پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''یہ کیا ہے؟ عرض کی حضور کے وضو کا پانی۔ فرمایا مجھے حکم نہ دیا گیا کہ ہر پیشاب کے بعد وضو فرماؤں وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ

سُنَّۃً اور میں ایسا کرتا تو سنت ہو جاتا''۔(ذیل المدعا لاحسن الوعا ءصفحہ۱۳۷'۱۳۸' طبع ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی سلسلہ اشاعت' مطبوعہ ۱۹۸۵ء)

نیز صحیحین کی متفق علیہ حدیث میں حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت ہے ''کان النبی ﷺ یحب موافقة اهل الکتاب فیما لم یؤمر فیه الخ یعنی (بعد از اعلان نبوت بھی) نبی کریم ﷺ کو جس امر میں واضح حکم نہیں ہوتا تھا' آپ اس میں اہل کتاب سے موافقت کو پسند فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔(مشکوٰۃ المصابیح' عربی' صفحہ ۳۸۰ باب الترجل)۔

''فیما لم یؤمر فیه '' کے الفاظ اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ اعلان نبوت کے بعد بھی بعض امور غیر مأمور بہ ہوتے تھے بناءً علیہ آپ لوگوں کو ان کا پابند نہیں فرماتے تھے۔

علاوہ ازیں وہ تمام آیات واحادیث بھی اس مد میں آئیں گی جن کا مضمون یہ ہے کہ آپ ﷺ قولاً عملاً اتباع وحی فرماتے تھے۔ان اتبع الا ما یوحی الی یعنی میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھے وحی کی جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قبل از اعلان نبوت' تبلیغ نہ فرمانا اس بناء پر سمجھنا کہ آپ معاذ اللہ اس وقت نبی نہیں تھے' قطعاً غلط ہے اور اس کا یہ جواب وقیع ووجیہ ہے کہ اس وقت آپ کو اس کا حکم نہ آیا تھا۔

مصنف تحقیقات سے بھی اس کی تصدیق لے لیجئے۔فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ چھ ماہ تک مرتبۂ نبوت تک محدود اور صرف اپنے نفس کی تہذیب کے مکلّف تھے بعد ازاں آپ دعوت خلق اور تبلیغ پر مأمور ہوئے نبی کے لیئے مبلغ ہونا ضروری نہیں صرف وحی نبی ہونے کے لیئے کافی ہے'' (ملخصاً) (تحقیقات' صفحہ ۱۳۵'۱۳۶)۔

قبل از اعلان نبوت مطلق تبلیغ کا ثبوت:

اس کا ایک جواب بطریق ''منع'' ہے یعنی آپ ﷺ سے قبل از اعلان نبوت مطلق تبلیغ ثابت ہے پس یہی کہا جائے گا کہ آپ کو چالیس برس سے قبل کی مدت میں جس طرح وحی سے حکم ہوا اور جتنا ہوا نیز جب تک ہوا' آپ اسی طریقہ سے اور اتنا اس پر گامزن' عامل وفاعل اور مبلغ رہے اور جس طرح سے چالیس برس کے بعد حکم ہوا تو آپ نے حسب الحکم اس کو اپنایا۔

بناء بریں صرف نوعیت کا فرق تھا نبی آپ پہلے بھی تھے بطریق خاص اس کا ظہور بعد میں ہوا۔سابقہ مدت میں حسب مذکور عدم ظہور تھا خلو نہیں جب کہ عدم ظہور وعدم اظہار عدم وجود کو قطعاً مستلزم نہیں۔

○ چنانچہ آپ ﷺ اعلان نبوت سے پہلے بھی جملہ امور خیر پر کاربند اور تمام امور قبیحہ سے سخت نفور تھے اور

کسی نہ کسی طرح اپنے قول وعمل مبارک سے لوگوں کو بھی اعمال صالحہ کی ترغیب دیتے اور اعمال سیئہ کی تردید اور ان پر تنقید فرماتے تھے جس میں آپ ضرب المثل تے اور سب کے لیۓ اسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ۔ اسی بناء پر دنیا کو آپ کو صادق وامین کے بلند پایہ القاب سے یاد کرتی تھی۔

چنانچہ بتوں کے نام کا ذبیحہ آپ نے کبھی تناول نہیں فرمایا۔ بعمر ۹ یا بروایت دیگر ۱۲ برس شام کے شہر بصریٰ میں بحیر الراہب نے جب آپ کو آزمائشاً لات وعزّیٰ کے ناموں کا واسطہ دے کر سلسلۂ گفتگو چلانا چاہا تو آپ نے بت پرستوں کی موجودگی میں انہیں جھٹک کر فرمایا تھا آپ مجھ سے لات وعزّیٰ کا واسطہ دے کر کچھ مت پوچھیں "واللہ ما ابغضت بغضمها شيئا قط "قسم بخدا مجھے جتنی نفرت ان سے ہے اور کسی چیز سے نہیں ہے۔ بحیرا نے کہا اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔ فرمایا: "سلنی عما بدالك "جو جی میں آئے پوچھیں۔ (الخصائص الکبریٰ، جلد ا صفحہ ۸۴، بحوالہ بیہقی)۔

○ مکۃ المکرّمہ میں ظلم کی روک تھام اور مظلوموں کی فریادرسی کے لیۓ "حلف الفضول" کے نام سے ایک تنظیم تشکیل دی گئی تو اسے کامیاب بنانے اور ترقی دینے میں سب سے بنیادی کردار آپ ہی کا تھا، اسی کے متعلق آپ نے اعلان نبوت کے بعد فرمایا تھا کہ اس وقت اس کی خلاف ورزی کے لیۓ مجھے سرخ (اعلیٰ نسل) کے اونٹوں کی بھی پیش کش ہوتی تو بھی میں قبول نہ کرتا (اس وقت آپ کی عمر شریف بیس برس تھی) اس زمانہ میں ایک بدو حج ادا کرنے کی غرض سے مکۃ المکرّمہ آیا جس کے ساتھ اس کی خوب رُو بیٹی بھی تھی۔ اسے مکۃ المکرّمہ کے ایک تاجر نے اغوا کرلیا۔ بدو نے بہت چیخ وپکار کی۔ ناکام رہا۔ آخر حضور کے نوٹس میں یہ بات آئی تو آپ نے نوجوانان قریش کو کعبہ شریف میں جمع کر کے مظلوم کی مدد کے لیۓ آمادہ فرمایا اور ان سے حلف لیا جس کے نتیجے میں اس دولت مند کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور مرعوب ہوکر اس نے بچی واپس کی۔ (ﷺ)۔

○ اسی طرح ابوجہل نے ایک پردیسی تاجر سے کچھ سامان خرید کر قیمت ادا کرنے سے انکار کردیا۔ اس نے اپنے قبیلہ سے استمداد کی مگر اس نے کمزور ہونے کے باعث معذرت کی۔ سرکار ﷺ تک بات پہنچی تو آپ نے بہ نفس نفیس ابوجہل کے پاس تشریف لے جاکر تاجر کو اس کے سامان کی قیمت دلوائی۔ کتب سیر میں ان کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔

○ نیز صحیحین کی متفق علیہ حدیث میں وارد ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے قبل از اعلان نبوت کے آپ کے احوال کریمہ کا حوالہ دے کر آپ سے عرض کی تھی: "کلاو اللہ لایخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم وتصدق الحديث و تحمل الكل وتكسب المعدوم وتقرى الضيف وتعين

علی نوائب الحق ''۔اللہ کی قسم' ایسا بالکل نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع فرمادے کیونکہ آپ سراپا خصال خیر ہیں۔آپ صلۂ رحمی فرماتے ہیں' ہمیشہ سچی اور کھری بات کرتے ہیں' عاجز وناتواں کی سرپرستی اورنگہبانی فرماتے ہیں' نادار کو کما کر کھلاتے ہیں' مہمان نوازی آپ کا وطیرہ ہے اور حق سچ کے معاملات لوگوں کی اعانت فرمانا آپ کا شیوہ ومعمول ہے۔(مشکوۃ عربی' صفحہ۵۲۲' بحوالہ صحیح بخاری مسلم عن ام المؤمنین الصدیقۃ)۔

- نیز تنبیہات حصہ اوّل باب ہفتم میں امام آجری شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل عبارت گزر چکی ہے ہمارے نبی سید عالم ﷺ زمانہ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے لے کر بعد کے تمام ادوار میں نبی تھے''حتی ینزل علیہ الوحی وامر بالرسالۃ '' یہاں تک کہ آپ پر وحی جلی نازل ہوئی اور آپ کو تبلیغ کا حکم دیا گیا۔(کتاب الشریعۃ صفحہ۳۵۱)۔

- نیز تلمیذ صدر الشریعۃ حضرت مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''چالیس سال کی عمر میں تبلیغ کا حکم ہوا تو حضور نے اعلان نبوت فرمایا'' نیز اس کے منکر کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ''وہ جاہل نہیں تو گمراہ ہے اور گمراہ نہیں تو جاہل ہے''۔(فتاویٰ فیض الرسول' جلد۱' صفحہ۱۳' ۱۴)۔

- نیز مصنف تحقیقات کے تلمیذ حضرت علامہ قاضی عبدالرزاق بھترالوی چشتی گولڑوی جو کئی کتب کے مصنف' مؤلف' محشی اور مترجم بھی ہیں' حضرت سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں: ''آپ کو نبوت یا کتاب عطاء تو اسی وقت فرمادیں جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے البتہ لوگوں کو تبلیغ کرنے اور اعلان نبوت کا حکم بعد میں دیا گیا''۔(پھر اس سے متصلاً لکھتے ہیں)''تمام انبیاء کرام کی صورت حال یہی ہے''۔(تذکرۃ الانبیاء' صفحہ۶۵۱' طبع مکتبہ ضیائیہ' پنڈی' مطبوعہ ستمبر۲۰۰۲ء)۔

قدرت نے خود مصنف تحقیقات کے قلم سے بھی یہ بات لکھوادی ہے۔

مصنف تحقیقات سے اس کا ثبوت:

چنانچہ تین روایات نقل کر کے لکھا ہے: ''نبی مکرم ﷺ آغاز نبوت میں خفیہ طور پر لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے حتی کہ پھر آپ کو کھل کر وحی اور نبوت اور اسلام کی طرف علانیہ دعوت دینے کا حکم دیا گیا اور خفیہ طور پر دعوت دینے کا عرصہ حصول نبوت کے بعد تین سال تک تھا''۔(تحقیقات' صفحہ۱۴۳)۔

نیز قرآن مجید کی ایک آیت کریمہ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے تبلیغ احکام کا پابند نہیں کیا تھا اور یہ ذمہ داری نہیں سونپی تھی' میں نے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور تمہیں اتباع وطاعت کا حکم نہیں دیا''۔(تحقیقات' صفحہ۲۵)۔ ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

الغرض قبل از اعلان نبوت بھی آپ ﷺ سے مطلق تبلیغ ثابت اور ایک نا قابل تردید حقیقت ہے نیز یہ کہ اس عرصہ میں کھل کر تبلیغ نہ فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ حکم نہ آیا تھا جس کا ہم نے دیگر دلائل کے علاوہ خود معترض فریق کی گواہی سے ثبوت مہیا کر کے اتمام حجت کر دیا ہے۔ لیهلك من هلك عن بينه ويحي من حي من بينه۔

پیش گوئیوں میں موجود لفظ نبی پر اعتراض کا جواب

فقیر نے دعوت رجوع (صفحہ ۲۰ تا ۲۶) میں کتب حدیث وسیر سے احبار ورہبان اور کاہنین وغیرہم کی رسول اللہ ﷺ کے متعلق جو پیش گوئیاں نقل کی ہیں جن میں آپ کی بحیثیت نبی آمد کی خبریں دی گئی ہیں، ان کے بارے میں جانب مخالف سے یہ کہا گیا ہے (نیز تنبیہات جلد اوّل، باب پنجم، ششم وہفتم میں پیش کیئے گئے اس طرح کے شواہد کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے) کہ ان سب کا تعلق، مستقبل سے ہے کہ ایک نبی نے آنا ہے اس وقت نبی ہونا مراد نہیں جب کہ آپ چالیس سال کی عمر شریف میں مبعوث ہوئے (ملخّصاً)۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۱۴ تا ۲۲۲)۔

الجواب: تو جواباً گزارش ہے کہ دعوت رجوع (صفحہ ۱۹) میں مختصراً اور تنبیہات جلد اوّل باب پنجم میں دلیل نمبر ا کے بعد ''ضروری وضاحت'' کے زیر عنوان کچھ تفصیل سے اس کا جواب دیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ کی کسی بھی روایت کے مطالعہ کے وقت اس وضاحت کو ضرور ملحوظ رکھا جائے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ اس استدلال کی بنیاد محض اس سلسلہ کی خالی روایات پر نہیں بلکہ دو امور پر ہے۔

نمبر ا: یہ کہ ان میں آپ ﷺ کے لیئے قبل از اعلان نبوت، نبی کا اطلاق پایا جاتا ہے اور اصول ہے کہ اذاثبت الشئ ثبت بجميع لوازمه۔ اور

نمبر ۲: یہ کہ تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل آپ ﷺ کا بالفعل نبی ہونا احادیث صحیحہ کثیرہ بانواعہا سے ثابت ہے جس کے بعد کسی دور میں آپ کی اس نبوت کا سلب وانقطاع یا غیر معتبر ہونا کسی بھی معتبر فی الباب دلیل سے ثابت نہیں ہے نیز بعض دیگر دلائل ایسے بھی ہیں جنہیں مستقبل پر محمول نہیں کیا جا سکتا لہٰذا یہ پیش گوئیاں ایسی ذات بابرکات سے متعلق ہیں جو پہلے سے نبی ہے پس انہیں مستقبل سے جوڑنا حقائق ودلائل کے خلاف اور غلط نیز سینہ زوری بھی ہے۔

عبارت روح المعانی ''کان له علیه الصلاة والسلام فی کل حال الوحی'' **پر اعتراضات کے جوابات**:

فقیر نے ''دعوت رجوع'' میں لکھا تھا کہ: ''علامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں: ''و کان له علیه الصلاة والسلام فی کل حال من احواله فیها نوع من الوحی'' یعنی اعلان نبوت سے قبل کی مدت میں بھی آپ پر کسی نہ کسی شکل میں وحی کے آنے کا سلسلہ جاری رہا۔(روح المعانی' جلد۱۳' صفحہ۳۶' الشوریٰ طبع ملتان)۔(دعوت رجوع' صفحہ۱۵)۔

اس پر کیئے گئے اعتراضات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

اعتراض نمبر۱:

''بخاری شریف میں باب بدءالوحی موجود ہے صحیح بخاری کے اندر وحی کا آغاز چالیس سال کے بعد تسلیم کیا گیا ہے تو پھر بخاری شریف کی روایت کو ترجیح ہوگی''۔(تحقیقات' صفحہ۲۶۳)۔

الجواب: **اولاً**: بخاری شریف میں یہ باب ضرور موجود ہے لیکن اس کے ''اندر'' آپ ﷺ پر چالیس سال کے بعد وحی کے آغاز ہونے کی کوئی صراحت نہیں ہے۔اگر ایسی بات تھی تو الفاظ نقل نہ کرنے میں کیا حکمت تھی؟اب بھی ذرہ بھر جرأت اور صداقت ہے تو صحیح بخاری سے اس کی صراحت دکھائیں اور منہ مانگا انعام پائیں ورنہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر بولے گئے اس جھوٹ اور باندھے گئے اس افتراء سے توبہ کریں۔

ثانیاً: یہ جواب معترض کی جہالت کا آئینہ دار ہے کیونکہ ہم نے جو پیش کیا ہے وہ علامہ الوسی کا قول ہے جب کہ معترض نے صحیح بخاری کے حوالہ سے یہ تأثر دیا ہے کہ اس میں اس کے حسب دعویٰ حدیث شریف موجود ہے۔جیسا کہ ''بخاری شریف کی راویت'' کے اس کے الفاظ سے ظاہر ہے۔اور ترجیح حسب اصول اس وقت دی جاتی ہے جب آپس میں متعارض امور کا درجہ برابر ہو یعنی معترض کا قول صاحب روح المعانی اور صحیح بخاری کی حدیث نبوی کا درجہ برابر مانا تو طریق ترجیح کو اختیار کیا۔لہٰذا یہ نہ صرف جہالت بلکہ یک نوع بارگاہِ نبوت میں سوءادبی بھی ہے۔

ثالثاً: اس سے قطع نظر تعارض اس وقت ہوتا جب دونوں میں وحی کی نوعیت ایک ہوتی جب کہ عبارت روح المعانی میں ''وحی خفی'' کا ذکر ہے اور صحیح بخاری میں ''وحی جلی'' کا بیان ہے جیسا کہ عنوان باب نیز اس کے تحت لائی گئی احادیث کے مضمون سے واضح ہے۔ذہول ہوگیا ہے تو باب وحدات ثمانیہ وغیرہ کو دوبارہ تازہ کریں۔

معترض کو ان خرابیوں کا علم نہیں تھا تو اس نے جہالات کا ارتکاب کیا ہے

○ اور علم تھا تو ہیرا پھیری سے کام لیا ہے جس کے بعد یہ ظنّ پختہ ہو جاتا ہے کہ اس پر وہابیت کا بھوت سوار ہو کر کافی حد تک کنٹرول کر چکا ہے ورنہ عظمت نبوت پر یہ حملے چہ معنیٰ؟ اور اس طرح کی اس قدر بے اعتدالیوں کی کیا وجہ؟

اعتراض نمبر۲:

''علامہ الوسی نے خود اس آیت ما کنت تدری ماالکتاب و لاالایمان کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ نبی پاک ﷺ وحی سے پہلے نبی نہ تھے''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۳)۔

الجواب: یہ اعتراض جیسے دو نمبر پر واقع ہے حقیقت میں بھی دو نمبر ہی ہے اور بڑے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ معترض نے یہاں شدید کذب بیانی اور سخت افتراء پردازی سے کام لیتے ہوئے سفید جھوٹ بولا اور علامہ الوسی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت بڑا بہتان باندھا اور انتہائی جھوٹا الزام لگایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے عربی عبارت نقل نہیں کی تاکہ اس کی اس ہاتھ کی صفائی کو بآسانی پکڑا نہ جا سکے اور سوچا یہ کہ ہر کوئی کب اصل کتاب اٹھا کر حوالہ چیک کرے گا فی الحال تو اس کا الو سیدھا ہوتا ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو اسی کو موضوع بحث بنا کر ہم سے مناظرہ کر لیں جس میں شرط یہ ہوگی کہ اس مقام سے ''نبی پاک ﷺ وحی سے پہلے نبی نہ تھے'' والی بات نہ دکھا سکے تو باپ بیٹے دونوں کو نبوت سید عالم ﷺ کے خلاف اختیار کیے گئے اپنے موقف سے تحریراً تائب ہونا پڑے گا۔ ''ہمیں گوی وہمیں میداں''۔ دیدہ باید۔ فھل من مبارز؟؟؟

باقی آیت کی تفسیر کی بجائے ''تشریح'' کے لفظ کے استعمال سے آنجناب کی جو علمیت مترشح ہوتی ہے' اس پر بھی داد دینے کی ضرورت ہے۔

باتیں تو چلتی رہیں گی سر دست علامہ الوسی رحمۃ اللہ علیہ کی ثبوتِ نبوت کی ایک اور باطل شکن عبارت ملاحظہ کیجیے: ''انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لم یزل موحی الیه وانه علیه الصلاۃ والسلام متعبد بما یوحی الیه'' الخ۔ یعنی آپ ﷺ پر قبل از اعلان نبوت کے عرصہ میں بھی ہمیشہ وحی آتی رہی اور آپ اس سے قبل جو عبادت کرتے تھے وہ بھی آپ کی طرف کی گئی وحی کی بنیاد پر تھی اھ ماار دنا۔ ملاحظہ ہو۔ (جلد ۱۳' صفحہ ۶۰' تحت ما کنت تدری ماالکتاب' طبع ملتان)۔

اعتراض نمبر۳:

''اسی طرح کی عبارت تفسیر جمل کے اندر موجود ہے''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۳)۔

الجواب: دیکھنے میں یہ اعتراض تیسرے نمبر پر ہے مگر عرفی معنیٰ میں یہ بھی ''دو نمبر'' ہے اور سفید جھوٹ

پس اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو ابھی اعتراض نمبر۲ کے جواب میں گزری ہے۔ خدا کی پناہ ''اتنے بڑے بزرگ'' کہلا کر اتنا بڑا جھوٹ بڑے جھوٹ پر۔

اعتراض نمبر۴:

''مزید علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ جب نبی پاک ﷺ وحی سے پہلے گمراہ نہیں ہوئے اور نبوت سے قبل بھی سرکار علیہ السلام گمراہی سے معصوم تھے تو نبوت کی گھٹی ملنے کے بعد اور نبی بنائے جانے کے بعد آپ ﷺ گمراہ کس طرح ہوسکتے ہیں (زیرآیت وما ینطق عن الھوی ان ھوا لا وحی یوحی''۔(تحقیقات' صفحہ۲۶۳)

الجواب: معترض کا مضمون مذکور کو علامہ الوسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور فرمان قرار دینا اس کی جہالت یا پھر بددیانتی اور غلط بیانی ہے۔ پوری عبارت ملاحظہ کیجیے۔ علامہ الوسی لکھتے ہیں: ''وفی الکشف ان فی قولہ تعالٰی ''وما ینطق ''مضارعاً مع قولہ سبحانہ ''ما ضل ''''وما غویٰ ''مایدل علی انہ علیہ الصلاۃ والسلام حیث لم یکن لہ سابقۃ غوایۃ وضلال منذ تمیز وقبل تحنکہ واستنبائہ لم یکن لہ نطق عن الھویٰ کیف وقد تحنک ونبی''' (روح المعانی' جلد۱۴' صفحہ۴۷' تحت وما ینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحی۔ طبع ملتان)۔

اقول: عبارت کے شروع میں ''وفی الکشف '' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اگلی عبارت الکشف کی ہے جس سے یہ امر متعین ہوگیا کہ علامہ موصوف اس کے ناقل ہیں قائل نہیں جس سے عموماً مؤلفین کا مقصود جمع اقوال ہوتا ہے جن سے ان کا متفق ہونا ضروری نہیں ہوتا بناءً علیہ معترض کے حسب ترجمہ اس سے ان کا قائل ہونے کا لزوم ثابت نہ ہوا۔

○　بفرض تسلیم چونکہ علامہ الوسی قبل از اعلان نبوت بھی آپ ﷺ کے نبی ہونے اور اس دوران آپ پر وحی خفی کے تسلسل کے ساتھ نازل ہوتے رہنے قائل ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں ابھی گزرا ہے تو اس عبارت کے ضمن میں مذکور نبوۃ سے مراد وحی جلی ہی ہے لاغیر جس کی یقیناً اپنی شان ہے۔ نبوت بمعنی وحی جلی کی تفصیل باب نہم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

○　اور جب یہ امر (قبل از اعلان نبوت' نبی ہونا) دلائل شرعیہ کثیرہ (بشمول فیصلہ نبویہ کنت نبیا الخ) سے ثابت ہے اور مسلمان میں اصل اسلام وایمان ہے تو صاحب الکشف کے قول کی بھی یہی تاویل لازم ہوئی جب کہ ان سے اس کی نفی بھی ثابت نہیں ہے۔ بناءً علیہ ''نبی بنائے جانے کے بعد'' کا ترجمہ معترض کا خود تراشیدہ اور اس کی مخصوص ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ نُبِیَّ کے الفاظ پر کچھ بحث باب نہم میں بھی آرہی ہے۔

○ معترض نے آپ ﷺ کے حق میں ''نبوت سے قبل معصوم تھے'' کے لفظ استعمال کر کے خدا کے کرنے سے قبل از اعلان نبوت آپ ﷺ کے نبی ہونے کا اقرار کرلیا ہے مگر طوعاً نہیں بلکہ کرہاً اس لیۓ مستحق اجر بھی نہیں ہے کیونکہ عصمت خاصۂ نبوت ہے اور اس وصف سے متصف ہستی کے نبی ہونے کی دلیل۔ والحمد لله العلی الجلیل۔ اس امر پر مکمل بحث اسی باب میں' کچھ پہلے گزر چکی ہے۔

نوٹ: پیش نظر عبارت روح المعانی میں مذکور ''الکشف'' ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی/ثعالبی نیشا پوری متوفی ۴۲۷ھ کی مؤلفہ تفسیر ہے جس کا پورا نام ''الکشف والبیان عن تفسیر القرآن''۔

اعتراض نمبر۵:

''کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام کی نبوت کا آغاز غار حراء میں ہوا''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۳)

الجواب: اصل الفاظ یہ ہیں: ''وذلك عند حراء فی مبادی النبوة'' یعنی سید عالم ﷺ کا جبریل علیہ السلام کو پہلی مرتبہ انکی چھ سو پروں والی صورۃ اصلیہ میں دیکھنا'' مبادیٔ النبوۃ'' میں جبل حراء کے پاس واقع ہوا (روح المعانی جلد ۱۴' صفحہ ۴۷' تحت آیت والنجم فاستوی الآیۃ)۔

اقول: مبادیٔ النبوۃ میں نبوۃ سے مراد وحی جلی ہے جیسا کہ سابقہ اعتراض کے جواب کے ضمن میں گزرا ہے کیونکہ علامہ الوسی موصوف قبل از اعلان نبوت آپ ﷺ کی نبوت نیز آپ وحی خفی کے نزول کے قائل ہیں۔ کچھ عبارتیں ابھی کچھ پہلے گزری ہیں۔ ایک عبارت دعوت رجوع (صفحہ ۱۶) میں پیش کی جا چکی ہے جو یہ ہے:

''فهو علیه الصلاة والسلام اولی بان یوحی الیه ذلك النوع من الا یحاء صبیا ایضاً ومن علم مقامه صلی الله علیه وسلم وصدق بانه الحبیب الذی کان نبیا وآدم بین الماء والطین لم یستبعد ذلك'' یعنی یہ بات آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی شان سے زیادہ قریب ہے کہ آپ کی بچپن کی عمر شریف میں بھی آپ کی طرف اس طرح کی وحی کی جاتی ہو اور جو شخص آپ کے مقام سے باخبر اور آپ کی اس عظمت پر یقین رکھتا ہو گا کہ آپ اللہ کے وہی حبیب ہیں جو آدم علیہ السلام کے معرض وجود میں آنے سے بھی پہلے نبی تھے تو آپ کے بچپن میں بھی آپ کے نبی ہونے کو مستبعد نہیں سمجھے گا۔ ﷺ۔ (روح المعانی' جلد ۱۳' صفحہ ۶۰' طبع ملتان)۔

اقول: یعنی قبل از اعلان نبوت آپ کے نبی ہونے سے انکار کرنے والا'' چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است'' صلی الله تعالی علیه وسلم۔

اور یہ بھی علامہ الوسی سے لے لیجئے کہ ''نبوۃ'' وحی جلی کے معنٰی میں بھی آتی ہے چنانچہ شیعہ کے (اس) ڈھکوسلے کے جواب میں (کہ ''فاذا فرغت فانصب'' بکسر الصاد ہے اور معنٰی یہ ہے کہ فاذا فرغت من

النبوۃ فانصب علیا للامامۃ یعنی جب آپ نبوت سے فراغت پائیں تو علی کو امامت کے لیۓ نامزد کریں' چنانچہ آپ نے غدیر خم کے موقع پر نامزد کیا) فرماتے ہیں کہ سنّی کی طرف سے جواب' قبل وصال آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ مروا ابابکر فلیصل بالناس" ابوبکر کو میرا یہ حکم پہنچادوں کہ میرے مصلیٰ پر لوگوں کی امامت کر کے انہیں نماز پڑھائیں۔ غدیر خم کے واقعہ کی اس آیت سے مناسبت نہیں بنتی کیونکہ "فانہ لا یظھران زمانہ فراغ من النبوۃ" واضح بات ہے کہ وہ زمانہ نبوت سے فراغت کا زمانہ نہیں ہے جب کہ امامت صدیق کا زمانہ اس کے عین مطابق ہے (ملخّصاً ما رادنا) ملاحظہ ہو (روح المعانی' جلد ۱۵' پ ۳۰' صفحہ ۱۹۹)۔

اقول: اس سے کم از کم یہ واضح ہو گیا کہ نبوۃ ہمیشہ ایک معنٰی (نبی ہونے کا منصب وعہدہ) کے معنٰی میں نہیں آتا اگر یہاں اسے منصب وعہدہ کے معنٰی میں لیا جائے تو معنٰی ہوگا جب آپ نبوت کے منصب اور پوسٹ سے فارغ ہو جائیں جو غلطی ہی نہیں کفر یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے۔

اعتراض نمبر ۶:

"نیز آیت کریمہ الم نشرح لك صدرك کی تشریح کرتے ہوئے علامہ آلوسی نے فرمایا کہ سرکا علیہ السلام کا شق صدر پایا جانا یہ آپ ﷺ کا ارہاص ہے۔ ارہاص نبوت سے پہلے ہو سکتا ہے۔ (روح المعانی' پارہ نمبر ۳۰) (تحقیقات' صفحہ ۲۶۳)۔

الجواب: علامہ کی عبارت اس طرح ہے: "فان تقدم الخارق علی النبوۃ جائز عندنا وتسمی ارھاصاً (روح المعانی' جلد ۱۵' صفحہ ۱۹۳)۔

اس عبارت میں بھی "نبوۃ" سے مراد وحی جلی ہے پس اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو ابھی گزری ہے یا پھر علی النبوۃ میں حذف مضاف ہے اعنی علی اعلان النبوۃ او الاظھار کیونکہ علامہ الوسی علیہ الرحمۃ اعلان نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے نبی ہونے اور اس مدت میں وحی خفی کے نزول کے سختی سے قائل ہیں جیسا کہ تھوڑا پہلے بار بار گزر رہا ہے۔ لہٰذا یہ بھی معترض کو کچھ مفید اور ہمیں کسی طرح مضر نہیں۔

باقی "ارہاص" بھی آپ ﷺ کی نبوت کے منافی نہیں بلکہ اس کی دلیل ہے کیونکہ یہ معجزہ کی قسم ہے جب کہ معجزہ نبی کا ہوتا ہے علاوہ ازیں متعدد علماء نے قبل از اعلان نبوت ظہور پذیر ہونے والے خوارق کو بھی معجزات کے نام سے یاد کیا ہے جس کی مکمل باحوالہ تفصیل دعوت رجوع اور تنبیہات جلد اوّل میں موجود ہے۔ اور یہ اصطلاح محض قبل از اعلان نبوت اور بعد از اعلان نبوت ظاہر ہونے والے کمالات میں فرق کرنے کے لیۓ ہے اور اس میں جو تاسیس کا مفہوم ہے اس سے مراد راہ ہموار کرنا ہے یعنی وحی جلی کی آمد سے پہلے اس

کے لیۓ حالات سازگار کرنا' نبی کو اس طرف متوجہ کرنا اور لوگوں کا اس کے لیۓ ذہن بنانا۔اس معنٰی میں نبی بنانا ہرگز مراد نہیں کہ آپ ﷺ وصف نبوت سے معاذ اللہ خالی تھے کہ یہ بلا دلیل بھی ہے اور خلاف دلیل بھی۔قال ﷺ کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد''۔

ارہاص پر مکمل بحث ابھی کچھ پہلے 'شق صدر'' کی ابحاث میں گزری ہے۔

مزید سنئے: علامہ الوسی نے اس مقام پر آپ ﷺ کے شق صدر مبارک کی باحوالہ تفصیلات بیان فرمائی ہیں جب کہ تنبیہات جلد اول میں ہم نے مدلل طور پر اس کا کئی وجوہ سے دلیل نبوت ہونا ثابت کیا ہے۔لہٰذا علامہ کی اس سلسلہ کی عبارات آپ ﷺ کے قبل اعلان نبوۃ' نبی ہونے کا ثبوت ہیں۔ بلکہ خود علامہ نے بھی اس سلسلہ کی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ لاکر اس پر صاد کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی ''یارسول اللہ ما اول مارأیت من امر النبوۃ''یعنی اے اللہ کے رسول! اوائل میں آپ نے اپنی نبوت کی کون سی بات مشاہدہ فرمائی تھی۔تو آپ ﷺ اس کے جواب کے لیۓ تشریف فرما ہوۓ اور آپ نے اس کے لیے بیس سال کچھ ماہ کی عمر شریف میں ہونے والے اپنے شق صدر کا واقعہ بیان فرمایا۔(اخرجہ ابن احمد فی زوائد المسند عن ابی بن کعب ؓ)(روح المعانی جلد ۵' صفحہ ۱۹۱' ۱۹۲)۔

علاوہ ازیں و وضعنا عنك وزرك کی تفسیر میں بحوالہ ابوحیان لکھا ہے:''وضع الوزر کنایة عن عصمته صلی اللہ تعالی علیه وسلم عن الذنوب وتطهره من الادناس ''یعنی وضع الوزر سے مراد ازراہ کنایہ آپ ﷺ کا گناہوں اور قابل نفرت امور سے معصوم اور پاک ہونا ہے۔(روح المعانی' جلد ۱۵' صفحہ ۱۹۵)۔

نیز ''ورفعنالک ذکرک'' کے تحت ارقام فرماتے ہیں: ''بالنبوۃ وغیرھا''یعنی معنٰی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کے لیے نبوت اور اس کے علاوہ دیگر امتیازات سے رفعت ذکر عطا فرمایا۔(روح المعانی' جلد ۱۵' صفحہ ۱۹۵)

اقول: طرز امتنان سے ذکر کرنے سے اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ نبوت بھی آپ کو ممتاز شان سے عطا کی گئی جو دیگر دلائل کی رُو سے اس کی اقدمیت (سب سے مقدم ہونا) ہے جس سے مانحن فیه پر خوب روشنی پڑتی ہے۔الغرض علامہ الوسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارہاص کی اصطلاح کے استعمال کرنے سے مقصود قبل از اعلان نبوت' نبوت مصطفٰی ﷺ کی نفی نہیں پس اسے نفی کی دلیل سمجھنا معترض کی خوش فہمی یا خوامخواہ مغالطہ دہی ہے۔

اعتراض نمبر ۷:

''نیز علامہ آلوسی نے آیت کریمہ حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنة کی تشریح کرتے ہوۓ لکھا ہے کہ نبی پاک ﷺ کو چالیس برس کے بعد نبوت حاصل ہوئی''۔(تحقیقات' صفحہ ۲۶۳)۔

الجواب: علامہ رحمۃ اللہ علیہ پر معترض کا یہ ایک اور افتراء ہے ان کی عبارت میں ایسے الفاظ قطعاً نہیں ہیں جن میں یہ صراحت ہو کہ آپ ﷺ کو نبوت چالیس سال کے بعد حاصل ہوئی یعنی چالیس سال سے پہلے آپ معاذ اللہ نبی نہ تھے بعد میں بنے اس لیئے موصوف نے ان کی عربی عبارت نقل نہیں کی تا کہ عوام کو پیٹ بھر کر مغالطہ دے سکیں۔ البتہ ان کی عبارت میں ''بِعْثَة'' اور نُبِّیَٔ کے الفاظ ہیں ''وصرح جمع بان الاعم الاغلب كون البعثة على رأس الاربعين كما وقع لنبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم'' (الیٰ) فلما نبئ وهوابن اربعين آمن به وهوا بن ثمانية وثلاثين ''یعنی ایک گروہ کے حسب تصریح اعم واغلب یہ تھا کہ ہر نبی کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت چالیس سال کی عمر شریف میں ہوئی (الیٰ) پس آپ پر جب نبوۃ نازل کی گئی تو آپ بعمر چالیس سال تھے جب کہ حضرت صدیق اڑتیس برس کے تھے۔ (روح المعانی، جلد ۱۴، صفحہ ۱۹، الاحقاف)۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ اوّلاً انبیا علیہم السلام کی بعثت کے چالیس سال کی عمر میں ہونے کا مسئلہ مجمع ومتفق علیہا نہیں بلکہ یہ بعض کا قول ہے علامہ موصوف اس سے پہلے تصریح فرما آئے ہیں کہ امام فخر الدین رازی اور علامہ سعد الدین تفتازانی وغیرہما اس کے قائل نہیں ہیں۔

ثانیاً: بعثت کا معنٰی ارسال ہے جو ہماری دلیل ہے کہ نبی پہلے سے تھے انہیں بھیجا چالیس سال کی عمر میں گیا۔ نیز نَبِّیَٔ کے ضمن میں مذکور ''نبوۃ'' سے مراد وحی جلی ہے جب کہ اس سے قبل ہم وحی خفی کے قائل ہیں۔ پس یہ بھی ہمارے خلاف نہیں۔ یہاں نُبِّیَٔ بمعنی بُعِثَ بھی درست ہے۔

ثالثاً: علامہ علیہ الرحمۃ نے بھی یہ الفاظ چالیس سال قبل نبوت کی نفی کے لیئے استعمال نہیں فرمائے کیونکہ وہ منفی نظریّہ کے قائل ہی نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں اس مقام پر وہ اس بحث میں کہ نبی کی بعثت کے لیئے بلوغ شرط ہے یا نہیں؟ فرماتے ہیں کہ لقانی نے بعض سے اس کا شرط ہونا ذکر کیا ہے لیکن ''يترجح عندى اشتراطه فيه دون اصل النبوة'' میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ بلوغ، بعثت کے لیے شرط ہے نفس نبوۃ کے لیئے نہیں ''لما ان النفوس فى الاغلب تأنف عن اتباع الصغيروان كبر'' کیونکہ طبیعتیں فطری طور پر اپنے سے چھوٹے کی پیروی کو عموماً پسند نہیں کرتیں اگر چہ وہ کتنا ہی عظیم ہو۔ (روح المعانی، جلد ۱۳، صفحہ ۱۹)۔

اقول: علامہ کے الفاظ ''دون اصل النبوة'' اپنے منطوق میں صریح ہیں کہ وہ نبی ہونے کے لیئے چالیس سال کی عمر تو کجا، اس کے لیئے بالغ ہونا بھی ضروری نہیں سمجھتے بناءً علیہ معترض کا بعثۃ اور نبّیَٔ کے الفاظ

سے عدم نبوت پر استدلال کر کے علامہ الوسی کو اس کا قائل بتانا خود علامہ موصوف کی تصریح سے مردود ہے۔ وللہ الحمد۔

نوٹ: آیت کی تفسیر وتاویل کی بجائے تشریح کے لفظ معترض نے ایک بار پھر بولے ہیں جس سے یہ واضح ہے کہ یہ ان کی عدم توجہی نہیں عادت کریمہ ہے۔

اعتراض نمبر ۸:

''نیز علامہ آلوسی کی جو عبارت ہمارے مخالفین پیش کرتے ہیں کہ سرکا علیہ السلام پر ہر وقت وحی آتی تھی تو اس وحی سے مراد وحی الہام ہے کیونکہ المعتقد المنتقد میں تصریح ہے کہ وحی دو قسم کی ہے وحی نبوت اور وحی الہام۔ تو روح المعانی کی عبارت میں وحی سے مراد وحی الہام ہے اور الہام اولیاء کرام کی طرف ہوتا ہے تو روح المعانی کی عبارت ہماری دلیل تھی نہ کہ ہمارے مخالفین کی''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۳)۔

الجواب: معترض نے المعتقد شریف کی عبارت نقل نہیں کی جس سے اس امر کی پکی نشان دہی ہوتی ہے کہ اس کا سید عالم ﷺ سے تعلق نہیں یعنی اس میں یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی قبل اعلان نبوت والی وحی' وحی الہام تھی جو اولیاء کرام کی طرف ہوتی ہے۔ اگر اس میں اس قسم کی تصریح ہوتی تو وہ اسے نقل ہی نہ کرتے بغلیں بجا کر اسے بہت موٹا اور نمایاں کر کے لکھتے اور قلبی سکون محسوس کرتے۔

○　برتقدیر تسلیم دراصل صاحب' المعتقد اس سے اسماعیل دہلوی کی تردید کے علاوہ علماء کلام کے نہج پر ایک سؤال کا جواب دینا چاہتے ہیں یعنی اس تقسیم سے ان کا مقصود ردّ دہلوی کے ساتھ ساتھ ایک سؤال کا جواب دینا ہے۔ سؤال یہ تھا کہ وحی کی نسبت قرآن میں غیر انبیاء بلکہ غیر ذوی العقول کے لیۓ بھی وارد ہے جب کہ وحی کا تعلق نبی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واوحینا الی ام موسٰی الآیۃ نیز اذ اوحینا الی امّك ما یوحٰی نیز واوحٰی ربك الی النحل الآیۃ نیز وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیھم الآیۃ؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ وحی کا اطلاق اولیاء کرام وغیرہم کی طرف کیۓ گئے القاءات پر بھی ہوتا ہے لہٰذا ان آیات میں وحی سے مراد الہام والقاء ہے وحی نبوت ورسالت نہیں۔ پس سؤال کافور اور ہباء منثور ہو گیا

ایک جگہ فرماتے ہیں: ''والاحتجاج بالوحی یبطل بقولہ واوحٰی ربك الی النحل فانہ لیس بوحی شرعاً'' یعنی واوحینا الی ام موسٰی الآیہ وغیرہا میں مذکور وحی سے امّ موسٰی علیہا السلام کی نبوت کے باطل ہونے کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے واوحٰی ربك الخ یعنی تمہارے رب نے شہد کی مکھیوں کو وحی فرمائی کیونکہ شرعاً وہ وحی ہے ہی نہیں (بلکہ ان مکھیوں کو شہد کے بنانے کے کام پر لگانا مقصود

ہے)۔ (المعتقد المنتقد' صفحہ ۱۲۳)۔

○ اس سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ عبارت المعتقد قطعی طور پر سرکار ﷺ کی اس وحی کے متعلق نہیں ہے جو قبل از اعلان نبوت آپ کی طرف ہوتی تھی۔ بناءً علیہ یہ عموم سے خصوص پر استدلال ہو کر بھی مردوداور مستدل کی شدید جہالت پر شاہد عدل ہے۔

○ پھر یہ بھی عجیب استدلال ہے کہ مراد صاحب روح المعانی کی متعین کرنی تھی جس کے لیۓ عبارت پیش کی جارہی ہے حضرت شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرّہ کی۔ دونوں کو ملا کر معنٰی یہ بنے گا مجھ الوسی بغدادی متوفّی ۱۲۷۰ھ کی روح المعانی' جلد ۳' صفحہ ۶۰' ۶۳ میں مذکور اپنی عبارت میں ذکر کی گئی وحی سے میری مراد وحی الہام ہے جس کی دلیل علامہ شاہ فضل رسول بدایونی ہندی کی المعتقد المنتقد کی ایک عبارت ہے جو سید عالم ﷺ کی اس وحی سے کسی طرح تعلق بھی نہیں رکھتی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

○ علاوہ ازیں معترض کو اس تقسیم کا فائدہ تب تھا کہ حضرت علامہ الوسی اور حضرت شاہ فضل رسول رحمہما اللہ تعالیٰ قبل از اعلان نبوت آپ ﷺ کی نبوت کے قائل نہ ہوتے جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ علامہ آلوسی کی اس سلسلہ کی عبارات ابھی گزری ہیں۔ حضرت شاہ فضل رسول رحمۃ اللہ علیہ بلا استثناء عموم رسالت کے قائل ہیں۔ جس کے لیۓ انہوں نے حدیث اُرسِلتُ اِلَی الخَلق کافۃ سے بھی استدلال فرمایا۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت نے اس کی تعلیق میں توثیق فرمائی جو لائق مطالعہ ہے۔ ملاحظہ ہو المعتقد المنتقد مع المعتقد المستند صفحہ ۱۲۶ مع حاشیہ ا' طبع مکتبہ حامدیہ لاہور)۔

عموم میں اولین و آخرین سب شامل ہیں جو ان کے نزدیک آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی اقدمیت کی دلیل ہے جب اس کے برخلاف (قبل از اعلان نبوت کی مدت میں نبی ہونے کی نفی) بھی ان سے ثابت نہیں۔ معترض نے بھی ایسا کوئی ثبوت ان سے پیش نہیں کیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ دونوں حضرات آپ ﷺ کی آفاق گیر نبوت کے قائل ہیں۔ لہٰذا معترض کو اس کی اس تقریر کا بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔

○ معترض نے بفضلہٖ تعالیٰ یہ مان لیا ہے کہ قبل از اعلان نبوت آپ ﷺ پر وحی آتی تھی البتہ وہ اسے الہام کا نام دیتے ہیں اب ہم یہ دکھائے دیتے ہیں کہ نبی اور رسول کی طرف کی جانے والی وحی پر بھی الہام والقاء کا اطلاق دلائل شرعیہ اور کلام ائمۂ شان میں شائع و ذائع اور مروّج ہے۔ چنانچہ شفاعت کی طویل حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''فأستأذن علی ربی فیؤذن لی ویلھمنی محامد احمدہ بھا'' میدان

محشر میں' میں اپنے رب سے کلام کا اذن طلب کروں گا تو مجھے اس کا اذن دیا جائے گا اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ مجھے (اعلیٰ درجہ کے ممتاز) کلمات حمد کا الہام فرمائے گا جنہیں میں بارگاہِ ایزدی میں ثناء الٰہی کی غرض سے زبان سے اداء کروں گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح عربی' صفحہ ۴۸۸' بحوالہ صحیح بخاری وصحیح مسلم عن انس ﷺ)۔

حدیث ہٰذا میں ''یلھمنی ربی '' کے الفاظ ہمارے موقف کی دلیل قاطع ہیں لیکن سخت خطرہ ہے کہ معترض کا اگلا قدم کہیں یہ نہ ہو کہ چونکہ روزِ محشر ایک اور جہان میں واقع ہے جب کہ نبوت ورسالت (خاکم بدہن) اس دنیا میں رہ گئی تھی اور اگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں ہے تو ''کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد '' کا مضمون بعد ولادت باسعادت تا اعلان نبوت معاذ اللہ بے کار اور موقوف کیوں؟ وجہ فرق کیا ہے؟

مزید سنئے علامہ عبدالعزیز پرہاروی وغیرہ فرماتے ہیں: ''والنبی یحوزان یأتیه الوحی بوجه آخر من الھام او منام ''یعنی نبی کے لیئے اتنا کافی ہے کہ اس کے پاس الہام والقاء یا خواب کے ذریعہ وحی آئے۔ ملاحظہ ہو (النبراس' صفحہ ۵۵' نیز مجموع الحواشی حاشیہ ملا احمد جلد ۱' صفحہ ۵۴' بحوالہ بیضاوی) نیز دعوت رجوع' صفحہ ۱۱۔

علاوہ ازیں حضرت میر سید علیہ الرحمۃ کتاب التعریفات صفحہ ۱۰۵ میں فرماتے ہیں: النبی من اوحی الیه بملك اوالھم فی قلبه او نبه بالرؤ یا الصالحة الخ۔ عبارت مع ترجمہ تنبیہات جلد ۱ میں گزر چکی ہے۔

خود علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انه صلی اللہ علیه وسلم لم یزل موحی الیه وانه علیه الصلاۃ والسلام متعبدا بما یوحی الیه الا ان الوحی السابق علی البعثة کان القاء و نفثا فی الروع ''یعنی آپ ﷺ پر نزول وحی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ نیز یہ کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام قبل اعلان نبوت عبادت بھی وحی کی بنیاد پر کرتے تھے۔ فرق یہ ہے کہ بعد از اعلان نبوت وحی دیگر صورتوں پر آئی جب کہ اس سے قبل کی وحی الہام والقاء کی صورت پر تھی۔ ملاحظہ ہو۔ (روح المعانی' جلد ۱۳' صفحہ ۶۰)۔

اقول: اس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ الوسی بھی ان کا مکمل ساتھ چھوڑ گئے

ع　جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

○　علاوہ ازیں صحف سماویہ (آسمانی کتب) کو الہامی کتب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس سے بھی مسئلہ ہٰذا پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز شروح بخاری وغیرہ میں علماء شان نے اعلان نبوت کے بعد وحی کی جو اقسام بیان فرمائی ہیں ان میں ایک قسم وحی تلقّی بالقلب بھی ہے جس کے ثبوت میں یہ حدیث نبوی پیش کی گئی ہے ''ان روح القدس نفث فی روعی ''یعنی روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ''کان ھذا حال داؤد علیه السلام ''یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے حالات مبارکہ کے مطالعہ سے لگتا ہے کہ آپ پر جو

وحی آتی تھی وہ اسی قسم (تلقی بالقلب) کی تھی۔ (صحیح بخاری، جلد۳، صفحہ۲۱)۔

○ **طریق آخر**: معترض کے استدلال کی بنیاد عبارت المعتقد میں کی گئی تقسیم وحی پر ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ المعتقد پر ان کا ایمان ہے۔ مگر ہمیں تو یہ بھی انکار زبانی جمع خرچ لگتا ہے جو ٹمپرائری اور وقتی مفاد کی حد تک ہے ورنہ وہ بتائیں کہ اسی المعتقد میں تو یہ بھی لکھا ہے "الصحیح الذی علیہ الجمہور ان کل رسول نبی من غیر عکس" "صحیح اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی کا رسول ہونا لازم نہیں (المعتقد المنتقد صفحہ۱۱۴)۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اور رسول میں مساوات نہیں جب کہ تم اس میں مساوات کے قائل ہو جیسا کہ اس کی اختیار کی گئی تمہاری تعریف سے ظاہر ہے۔

نیز اسی میں ۱۱۷ پر لکھا ہے کہ عصمت ان امور میں سے ہے جو نبی کے لیے لازم ہیں "وھی من خصائص النبوۃ علی مذھب اھل الحق"۔ اور اہل حق کے مذہب پر وہ خصائص نبوت سے ہے۔

جس کا ایک صریح مفاد یہ ہے نبی ہمہ وقت اور ہر حال میں نبی ہوتا ہے جب کہ آپ لوگ بھی اس کا اقرار کرتے ہیں کہ قبل از وقت از اعلان نبوت بھی نبی معصوم ہوتا ہے (تحقیقات صفحہ۲۴۴ وغیرہا)۔ پھر تم اسے کیوں نہیں مانتے؟ علاوہ ازیں اسی میں تمہاری مسلّم و مستند کتاب "التمہید" کے حوالہ سے لکھا ہے "ومن جوز زوال النبوۃ من نبی فانہ یصیر کافراً" "یعنی جو کسی بھی نبی سے نبوت کے زائل ہونے کو درست کہے تو وہ اس نظریہ کی وجہ سے شرعاً کافر شمار ہوگا۔ ملاحظہ ہو (المعتقد المنتقد، صفحہ۱۱۷)۔

الغرض عبارت روح المعانی میں مذکور آپ ﷺ پر ہونے والی وحی کو اس الہام سے تعبیر کرنا جو غیر انبیاء و اولیاء کرام علیہم السلام کی طرف ہوتا ہے از حد غلط ہے جو نہ صاحب روح المعانی کی مراد ہے اور نہ ہی صاحب المعتقد کا مقصود ہے بلکہ یہ معترض کا ان پر جھوٹا الزام ہے۔ پھر جس امر کو اس نے اپنے دعویٰ کی بنیاد بنایا ہے یعنی آپ ﷺ کا چالیس سال سے قبل معاذ اللہ نبی نہ ہونا، وہ بھی بے بنیاد ہے بلکہ حدیث نبوی کے مزاحم ہونے کے باعث قطعاً واجب الرد ہے۔

معترض نے یہاں "وحی الہام" اور "الہام اولیاء کرام کی طرف ہوتا ہے" کے الفاظ بول کر ایک بار پھر دوٹوک فیصلہ دے دیا ہے کہ وہ چالیس سال سے قبل کی مدت میں آپ ﷺ کی نبوت کے منکر ہیں جب کہ تحقیقات صفحہ۱۵ پر عوام کو یہ تاثر دیا تھا کہ انکار نبوت ان پر ان کے مخالفین کا الزام ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

عبارت شرح فقہ اکبر پر اعتراضات کے جوابات

فقیر نے رسالہ ''دعوت رجوع'' میں علامہ علی القاری علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے لکھا تھا کہ وہ اس امر کی مکمل بحث کے بعد کہ آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت' سابقہ شرائع میں سے کسی شریعت کے پابند نہیں تھے' لکھتے ہیں: وفیہ دلالة علی ان نبوته لم تکن منحصرة فیما بعدالاربعین کما قال جماعة بل اشارة الی انه من یوم ولا دته متصف بنعت نبوته الخ یعنی کسی شریعت کا پابند ہونے کی بجائے آپ ﷺ کا وحی پر عامل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ چالیس سال کے بعد نبی نہیں بنے جیسا کہ ایک گروہ کا کہنا ہے بلکہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اپنے یوم پیدائش سے وصف نبوت سے متصف (اور نبی) تھے (شرح فقہ اکبر' صفحہ ۶۰' طبع قدیمی)''۔ (دعوت رجوع' صفحہ ۱۶' ۱۷)۔

جانب مخالف سے اس پر کیئے گئے اعتراضات کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

اعتراض نمبر ۱:

''کما قال جماعة'' کا ترجمہ لکھا ہے: ''جیسے کہ ایک جماعت کا خیال ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۱)

الجواب: یہ ترجمہ غلط ہی نہیں انتہائی جاہلانہ بھی ہے کیونکہ ''قال'' افعال قلوب سے نہیں اور نہ ہی خیال کرنے کا ترجمہ دیتا ہے۔ نیز معترض کا یہ ترجمہ حقیقی معنٰی سے عدول بھی ہے جس سے موصوف کا مقصد یہ ہے کہ کہیں آپ ﷺ کی شان نبوت ثابت نہ ہو جائے۔ اگر وہ اس کا صحیح اور صاف ترجمہ کرتے ہوئے یہ لکھ دیتے کہ ''جیسا کہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے'' تو ان کے پورے پروپیگنڈہ پر پانی پھر جاتا اور اس کا جواب ان سے بن نہ پڑتا اس لیئے انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ اس کا ترجمہ ہی گول کر دیا جائے۔ یہ ہے ان کا خلوص' للّٰہیت اور جذبہ حب رسول ﷺ۔

اعتراض نمبر ۲:

''اسی کتاب میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ نبی پاک ﷺ نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد کفر و شرک اور دیگر کبائر اور صغائر سے معصوم تھے''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۱)۔

الجواب: جھوٹ ہے۔علامہ نے یہاں ''نبوۃ'' نہیں وحی کے لفظ استعمال فرمائے ہیں اور یہ لکھا ہے ''قبل الوحی وبعده'' یعنی وحی جلی کے آنے سے پہلے اور بعد۔ملاحظہ ہو(شرح فقہ اکبر صفحہ ۵۹ طبع قدیمی) جو ہمارے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے کہ وحی جلی کا نزول یقیناً بعد میں ہوا۔اسی لیۓ معترض نے اس کی عربی عبارت نقل نہیں کی تاکہ اس کی کذب بیانی کو بآسانی نہ پکڑا جاسکے۔

اگر وہ کہیں کہ یہاں ''وحی'' سے مراد نبوت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ''وحی'' اور ''نبوۃ'' مترادف ہیں اور یہ اس کے لیۓ بہت بڑی مصیبت ہوگی کیونکہ جب نزول وحی (بطریق مّا) چالیس برس سے قبل بھی ثابت ہے تو اس عرصہ میں آپ ﷺ کا نبی ہونا ثابت ہوگیا۔نیز معترض کی پیش کردہ وہ تمام عبارات جن میں قبل وبعد النبوۃ کے الفاظ ہیں وہ بھی اس کی مؤید نہ رہیں گی کیونکہ ان کا معنیٰ بنے گا وحی جلی کے نزول سے پہلے اور بعد۔

علاوہ ازیں جب علامہ خود تصریح فرمارہے ہیں کہ ''انه من یوم ولادته متصف بنعت نبوته'' تو یہ اس امر کا قرینہ ہوا کہ قبل النبوۃ کا معنیٰ ہے قبل اظہار واعلان النبوۃ۔پس قبل النبوۃ کے الفاظ کو چالیس سال سے پہلے نفی نبوت کے معنیٰ میں لینا توجیہ القول بمالا یرضٰی به قائله' ہے جس کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔

علاوہ ازیں علامہ نے اسی بحث (عصمت) میں کچھ پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیۓ یہ لفظ استعمال فرمائے ہیں ''قبل ظهور مراتب النبوة او بعد ثبوت مناقب الرسالة '' یعنی مراتب نبوت کے ظہور سے پہلے اور مناقب رسالت کے ثبوت کے بعد (شرح فقہ اکبر' صفحہ ۵۷)۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دیگر انبیاء علیہم السلام سے بھی قبل بعثت نبوت کی نفی کے قائل نہیں ہیں اس لیۓ وہ لفظ ''ظہور'' کو استعمال فرمارہے ہیں پس آپ ﷺ کے لیۓ قبل النبوۃ کے الفاظ نفی نبوت کے معنیٰ میں وہ کیونکر لے سکتے ہیں؟

علاوہ ازیں معترض نے ہماری پیش کردہ عبارت کی توجیہ پیش کرنے کی بجائے ادھر ادھر کے حوالے نقل کردیئے ہیں جو اس کا واضح عجز ہے۔

علاوہ ازیں معترض کے اقرار سے علامہ نے حضور ﷺ کو چالیس سال کے عرصہ میں بھی ہر طرح کے گناہ سے معصوم لکھا ہے اور ہم نے عصمت کے دلیل نبوت ہونے کی بحث میں دیگر دلائل کے علاوہ مصنف تحقیقات کے استاذ گرامی حضرت محدث اعظم مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح سے ثابت کیا ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ کا معصوم ہونا اس مدت میں بھی آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیه

وسلّم۔

لہٰذا علامہ کی یہ عبارت انہیں کچھ مفید ہونے کی بجائے سراسر مضر ہے۔

اعتراض نمبر۳:

''ملاعلی قاری نے اپنی آخری کتاب میں شرح شفاء فرمایا کہ سرکار علیہ السلام کو نبوت جبریل علیہ السلام کے وحی لانے کے بعد حاصل ہوئی اور اس سے پہلے چھ مہینے سچے خواب دکھائے گئے (ملاحظہ ہو شرح شفاء للقاری جلد۴ صفحہ ۴۵ تا ۴۸)''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۱'۲۶۲)۔

الجواب: فقیر کے پاس شرح الشفاء للقاری کا جو نسخہ موجود ہے وہ شرح الشفاء للخفاجی کے حاشیہ پر ہے اور مطبعہ ازہریہ مصریہ کا مطبوعہ ہے' سن طباعت ۱۳۲۷ھ ہے جس کا عکس ملتان سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کے جلد نمبر۴ صفحہ ۴۵ تا ۴۸ پر اس قسم کی کوئی عبارت نہیں ہے۔ معترض نے بھی عربی عبارت نقل نہیں کی۔ پس اصولی طور پر اس کا جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ عین ممکن ہے کہ اس میں بھی موصوف نے الٹ پلٹ سے کام لیا ہو جیسا کہ اس کی عادت ہے۔ جس کی وضاحت ابھی اعتراض نمبر۲ کے جواب میں بھی ہو چکی ہے

اس سے قطع نظر و بر تقدیر تسلیم یہاں نبوّت سے مراد رسالت (بہ ہئیت کذائیہ) ہے جس سے چالیس سال کی مدت میں نبوت کی نفی نہیں ہوتی جس کی ایک دلیل خود معترض کے یہ لفظ ہیں کہ ''اس سے پہلے چھ مہینے سچے خواب دکھائے گئے'' جب کہ ہم اسی باب میں کچھ پہلے آپ ﷺ کے ان خوابوں کا آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہونا دلائل سے ثابت کر آئے ہیں۔

پس اس واویلا سے بھی معترض کو اس کے مفید مطلب کچھ حاصل ہونے کی بجائے الٹا نقصان ہی اٹھانا پڑا۔

مزید یہ کہ محولہ جلد کے صفحہ ۴۵ پر متنِ شرح کے لفظ ہیں ''فھو معصوم فی الازل'' جب کہ ہم ایہ بھی بھی ثابت کر آئے ہیں کہ عصمت دلیل نبوت ہے۔

نیز اسی کے صفحہ ۴۷ پر لکھا ہے: ''الا بالھام او وحی'' جس کا مطلب یہ ہے کہ بعد از اعلان نبوت ہونے والی وحی خفی پر ''الھام'' کا اطلاق درست ہے پس قبل اعلان نبوت ہونے والی وحی کو الہام کہہ دینے سے نفیٔ نبوت ثابت نہیں ہوتی جب کہ عبارت روح المعانی کے جواب میں معترض لکھ چکا ہے کہ الہام کا تعلق اس ولی کے ساتھ ہوتا ہے جو نبی نہ ہو پوری بحث ابھی کچھ پہلے گزری ہے۔ نتیجۃً یہی کہنا پڑے گا کہ

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے۔ والحمد للہ علی ذلك۔

اعتراض نمبر۴:

"اس طرح علامہ علی قاری نے شرح شفاء جلد اوّل پر بھی تحریر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوتے ہیں (صفحہ ۴۸۶)۔ حضرت کی عبارت مطلق ہے تمام انبیاء علیہم السلام کو شامل ہے"۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۲)۔

الجواب: ہمارے پاس موجود نسخہ کے مذکورہ جلد وصفحہ پر پیش کردہ عبارت کا کوئی نام ونشان نہیں ہے برتقدیر تسلیم اس میں بعثت کا ذکر ہے جو منافیٔ نبوت نہیں' دعوت رجوع نیز تنبیہات جلد اوّل میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے نیز ابھی کچھ پہلے عبارت روح المعانی وغیرہا کی بحث میں بھی اس کی کچھ تفصیل گزری ہے۔ مکمل تفصیل باب نہم میں بھی آرہی ہے۔

معترض کی حالت زار لائق دید ہے کہ وہ اپنے اس "حوالہ" کی دکان کو چمکانے کے لیئے علامہ علی القاری علیہ الرحمۃ کو "حضرت" کہہ رہا ہے پھر مطلق عبارت میں زبردستی تمام انبیاء علیہم السلام کو اس میں شامل کر رہا ہے جب کہ اسی تحقیقات کے صفحہ ۴۳ پر اس کے برزگوار نیز صفحہ ۲۶۶ پر وہ خود بھی حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام کا اس سے مستثنیٰ ہونا لکھ چکے اور قرآن کا فیصلہ کہہ چکے ہیں۔ پھر حضرت علامہ علی القاری رحمہ اللہ الباری جب یہ تصریح فرما چکے ہیں کہ آپ ﷺ بعد ز ولادت باسعادت تا عمر شریف چالیس برس بھی متصف بہ نبوت تھے تو بعثت کو گزشتہ مدت میں عدم نبوت پر محمول کر کے علامہ کو حضور کی نبوت کا منکر ظاہر کرنا کمال درجہ عیاری نہیں تو اور کیا ہے؟

علامہ علیہ الرحمۃ کا نبوت سید عالم ﷺ کے متعلق ایک انتہائی ایمان افروز اور باطل سوز فیصلہ پیش نظر بحث ہٰذا کے آخر میں آرہا ہے۔ اسے ملاحظہ کیجئے اور معترض کی کمال علمیت ودیانت کو داد دیجئے۔

اعتراض نمبر۵:

نیز حضرت نے اپنی کتاب جمع الوسائل میں تحریر فرمایا کہ چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔ حضرت نے یہ بات حضرت انس کی اس بات کی تشریح کرتے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کو چالیس کی عمر میں مبعوث فرمایا"۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۲)۔

الجواب: یہ بھی قطعاً خلاف واقعہ ہے یا پھر معترض کی نافہمی کیونکہ اس میں بھی بعثت کا ذکر ہے۔ جس کا منافی نبوت نہ ہونا ابھی مذکور ہوا ہے۔ پھر علاّمہ نے اسے ارسال کے معنیٰ میں لیا ہے جس کا معنیٰ ہے بھیجنا۔ جس میں آپ ﷺ کے نبی ہونے کا واضح اشارہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لفظ ہیں: "بعثہ اللہ تعالٰی

علی رأس اربعین سنة ''یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کی عمر شریف کے چالیسویں سال کے سرے پر مبعوث فرمایا۔

علامہ نے اس کی شرح میں ارقام فرمایا ہے: ''ای ارسله الحق الی الخلق للنبوة والرسالة و تبليغ الاحكام والحكم للامة ''یعنی اس کا معنٰی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو خلق کی طرف بھیجا نبوت، رسالت، تبلیغ احکام اور حکم للامت کے لیۓ (اپنی ذات وصفات کی سچی خبر دینے اور اس کی تفصیلات پہنچانے نیز دیگر احکام کی تبلیغ اور امت کے مسائل کے حل کرنے کے لیۓ)۔ ملاحظہ ہو۔ (جمع الوسائل، جلد ا، صفحہ ۱۴، طبع نور محمد کراچی)

پوری اور اصل عبارت کے دیکھنے سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ اس مقام پر معترض نے ''نبوت عطا فرمائی'' کے لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر حضرت علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کذب بیانی سے کام لیا ہے فويل للذين يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عندالله ليشتروا به ثمنا قليلا فويل لهم مما كتبت ايديهم وويل لهم مما يكسبون ۔ صدق الله العظيم ونحن على ذلك لمن الشاهدين۔

اعتراض نمبر ۲:

''نیز مرقاۃ اور زبدہ کی عبارات پہلے پیش ہوچکی ہیں کہ آپ کو نبوت چالیس سال کے بعد عطا ہوئی''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۶۲)۔

الجواب: مرقاۃ کی عبارت کا کوئی نشان پتہ ہمیں نہیں ملا، معترض نے بھی اس کی نشاندہی نہیں کی البتہ زبدہ کا پیش کردہ حوالہ تحقیقات صفحہ ۲۵۰ پر موجود ہے لیکن عبارت اس کی بھی ناپید ہے۔ لہٰذا اپنے الٹے سیدھے اردو الفاظ کو علاّمہ کی عبارت کہنا غلط ہی نہیں ان پر افتراء بھی ہے جب کہ اردو میں جو کہا گیا ہے وہ ان کی عبارت کا صحیح مفہوم بھی نہیں ہے۔

چنانچہ ''امام بوصیری اور ملا علی قاری علیہما الرحمۃ کا ارشاد'' کا عنوان دے کر معترض نے لکھا ہے امام بوصیری فرماتے ہیں کہ ''سرکار علیہ السلام کو سچے خواب اس وقت شروع ہوئے جب نبوت کا زمانہ قریب آیا۔ اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ علی قاری زبدہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور آپ کا نبوت کا آغاز چالیس سال کے بعد ہوا''۔ (زبدہ شرح قصیدہ بردہ، صفحہ ۱۸۲ اسی طرح علامہ نور بخش توکلی نے اپنی شرح میں تحریر فرمایا) (تحقیقات، صفحہ ۲۵۰)۔

جب کہ اصل عبارت اس طرح ہے: ''یعنی وذلك الوحی المعظم والحال المکرم کان فی ابتداء من نبوته وفی بدء بدوّ رسالته ﷺ و قد نبئ علی رأس اربعین سنة وھو حد مبتدأ النبوة الخ (الزبدة العمدة فی شرح البردہ' صفحہ ۸۲' طبع پیر جو گوٹھ (سندھ))۔

اس عبارت میں ''نبوۃ'' سے مراد وحی جلی ہے پہلے سے نبی نہ ہونے کے معنٰی سے نبی بننا نہیں دلیل یہ ہے کہ اس کے شروع میں سچے خوابوں کا ذکر ہے جنہیں علامہ علی القاری الوحی المعظم اور الحال المکرّم کے لفظوں سے یاد فرما رہے ہیں جو بذات خود دلیل نبوت ہیں جس کی تفصیل ابھی گزری ہے۔

نیز علامہ کی عبارت کے الفاظ ''بدوّ رسالته'' (آپ کے ظہور رسالت) سے بھی آپ ﷺ کے اس سے قبل نبی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ معنٰی اس لیئے بھی ضروری ہے کہ علامہ چالیس سال کی عمر شریف سے پہلے بھی آپ ﷺ کے نبی ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ زیر بحث عبارت میں ان کی صراحت موجود ہے۔ ''انه من یوم ولادته متصف بنعت نبوته'' جس کا معترض سے جواب نہیں بن پڑا۔

بلکہ خود پیش کردہ کتاب ''الزبدۃ'' کے متعدد مقامات پر اس کا (آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے نبی ہونے کا) ثبوت موجود ہے۔ بطور نمونہ بعض حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

○ چنانچہ امام بوصیری کے ارشاد ''لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم'' (آپ نہ ہوتے تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی) کے تحت علامہ اس کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام نے عرش الٰہی پر کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا دیکھا تو اس سے متاثر ہو کر سید عالم ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی تو اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ چونکہ آپ نے ان کا واسطہ دے کر مانگا اس لیئے میں نے آپ کی دعا کو قبول کیا پھر فرمایا ''لولا محمد ما خلقتك''۔ اگر میرا محبوب نہ ہوتا تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔ (الزبدۃ العمدۃ' صفحہ ۵۲' ۵۳ بحوالہ حاکم وبیہقی) ﷺ۔

○ نیز قول بوصیری محمد سید الکونین الخ ﷺ کے تحت مختلف اقوال سے لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ تمام افراد کائنات (تمام انبیاء وملٰئکہ کرام' جملہ جن وانس بلکہ حجر وشجر نباتات وجمادات حیوانات وجمیع مخلوقات) کے نبی ہیں یعنی کوئی فرد مخلوق آپ کے دائرۂ نبوت ورسالت سے باہر نہیں۔ (صفحہ ۵۳)۔

○ نیز عبارت بردہ انه شمس فضل ھم کواکبھا الخ (آپ ﷺ شان میں بمنزلۂ آفتاب اور دیگر انبیاء علیہم السلام ستاروں کی مانند ہیں) کی شرح میں لکھتے ہیں: انھم یستمدون من نور نبوته

القدیمة و لیستنیرون من ضیاء رسالته القویمة یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام آپ کی نبوت قدیمہ سے فیض اور آپ کی آفاق گیر رسالت سے روشنی لینے والے اور آپ کے ضرورت مند ہیں۔ (صفحہ ۶۴)۔

○ نیز الفاظ متن و النار خامدة الخ (یعنی آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت نار فارس بجھ گئی) کی شرح میں رقم طراز ہیں: "خمدت وھمدت عند ظھور نور ولادته واشعة شمس نبوته و ولایته "یعنی نار فارس (جو ہزار سال سے دہک رہی تھی) آپ ﷺ کے نور ولادت نیز آپ کی نبوت وولایت کے آفتاب کی شعاعوں کی ہیبت سے یک دم بجھ گئی اور سرد پڑ گئی۔ (صفحہ ۷۰، نیز صفحہ ۷۲ نحوہٗ فی معنٰی ظہور انوار النبوۃ)

سطور بالا کی روشنی میں الزبدہ کی اس عبارت کا یہ معنٰی ہوگا کہ سچے خوابوں کی کیفیت اور وحی معظم آپ ﷺ پر اترنے والی وحی جلی کے اوائل اور آپ کی رسالت کے ظہور کے ابتدائی زمانہ میں تھی اور آپ وحی جلی سے عمر مبارک کے چالیسویں سال کے سرے پر مشرف فرمائے گئے اور یہی وحی جلی کے آغاز کا ابتدائی زمانہ ہے۔

اقول: "ھو حد مبتدأ النبوة" کے الفاظ سے علامہ کا مقصود یہ بتانا ہے کہ وحی جلی کے نزول کے وقت آپ کی عمر شریف کیا تھی؟ اس میں اہل تحقیق کی مختلف آراء ہیں ان کے نزدیک چالیس سال والی رایت معتمد اور راجح ہے جس کی تفصیل انہوں نے جمع الوسائل (جلد ا، صفحہ ۱۴) میں بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا نبوت کا آغاز چالیس سال کے بعد ہوا" کو اس معنٰی میں لینا کہ آپ اس سے قبل نبی نہ تھے، خلاف حقیقت بھی ہے اور معترض کی جہالت یا تجاہل بھی۔ فافھم و لا تکن من الغافلین۔

اعتراض نمبر ۷:

"نیز اسی شرح فقہ اکبر کے اندر حضرت علامہ علی القاری نے لکھا ہے کہ یزید چھٹا خلیفہ تھا اور ان خلفاء میں سے تھا جن کے دور میں دین نے ترقی کی۔ ہمارے ناقدین ملا علی قاری کی اس عبارت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ مرقاۃ کی طرف رجوع کرتے ہیں"۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۶۲)۔

الجواب: معترض کا مقصد الزامی طور پر اپنے خصوم کو اس امر کا پابند کرنا ہے کہ چونکہ انہیں شرح فقہ اکبر کی ایک اور عبارت پر اعتراض ہے اس لیۓ اثبات نبوۃ والی عبارت پر بھی یقین نہیں ہونا چاہیۓ اور اللہ کے لیۓ اسے بھی چھوڑ دیں تا کہ اس بے چارے کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جو ایک سطحی بات ہے کیونکہ کسی کتاب کا حرف حرف صحیح ہو جسے بلا کلام ماننا لازم ہو یہ صرف کتاب اللہ کی شان ہے۔ اس کے علاوہ کے مندرجات کو دلائل وحقائق کے معیار پر چیک کرنا ہوتا ہے جب کہ اثباتِ نبوت والی زیر بحث عبارت کا مضمون صحیح ثابت شدہ حدیث نبوی کے

زیر سایہ ہے۔ عظمت نبوت کی حامی بھی ہے اس لیۓ واجب التسلیم ہے۔ معترض کی اس قدر ورق سیاہی سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری پیش کردہ عبارت ایسی زوردار ہے کہ جس نے معترض کی نیند حرام کر دی ہے۔

اگر یہ تفصیل درست نہیں تو کیا معترض فریق جس کتاب (مرقاۃ کی طرف رجوع لانے ترغیب دے رہا ہے' اس کی ایک ایک بات سے بالکلیہ متفق ہے یا کیا شرح فقہ اکبر کے دیگر مندرجات سے اسے اختلاف نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دراصل اس کے دل میں محض شان نبوت والی عبارت سے ہی بخار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یزید کے متعلق علامہ قدس سرّہ العزیز کا نہ یہ قول ہے نہ فیصلہ نہ عقیدہ۔ انہوں نے یہ کسی کا قول نقل کیا ہے پس اس میں ان کی حیثیت محض ناقل کی ہے جس سے مقصود حسب طریقۂ مؤلفین جمع اقوال ہے لہٰذا اسے علامہ کے کھاتے میں ڈالنا معترض کی ناانصافی یا کم علمی یا نافہمی ہے۔

علامہ نے شروع بحث میں خود بھی اس کی تصریح فرما دی ہے ان کے لفظ ہیں: ''قال شارح العقيدة الطحاوية'' یعنی رسالہ العقیدۃ الطحاویہ کے شارح کا کہنا ہے کہ الخ (شرح فقہ اکبر' صفحہ ۶۹' طبع قدیمی کراچی)۔

اس سے مراد قاضی علی بن علی بن محمد بن ابی العزّ الدمشقی (متولد ۷۳۱ھ متوفّٰی ۷۹۲ء) جنہوں نے شرح العقیدۃ الطحاویہ کے نام سے رسالہ مذکورہ کی شرح لکھی ہے۔

چنانچہ اس کے شروع میں شرح فقہ اکبر کے متعلق حاشیہ میں لکھا ہے: ''وفي هذا الشرح نقول كثيرة عن شرح ابن ابی العزّ هذا لكنه لا يصرح باسمه'' یعنی علامہ قاری کی شرح فقہ اکبر میں ابن ابی العزّ کی اس شرح کے بکثرت حوالہ جات ہیں لیکن صراحت کے ساتھ اس کا نام لیۓ بغیر۔ ملاحظہ ہو (مہذب شرح العقیدۃ الطحاویہ' صفحہ ۱۹' حاشیہ نمبر ۱' مکتبہ الغرباء جامعہ ستاریہ کراچی' مطبوعہ ۱۹۹۸ء)۔

شرح فقہ اکبر میں لائی گئی یزید کے متعلق پیش نظر عبارت کتاب مذکور کے صفحہ ۴۰۳ ذکر عشرہ مبشرہ کے تحت موجود ہے۔

شارح اگرچہ فروع میں حنفی ہے لیکن نظریاتی طور پر (اس کتاب کی رُو سے) تیموی ہے۔ اس نے ابن تیمیہ کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ موصوف ۷۲۸ھ میں اس جہان سے گیا جب کہ ابن ابی العزّ کی ۷۳۱ھ میں پیدائش ہوئی مگر اس کے حلقۂ اثر سے بہت متاثر ہے۔

چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۱۷۰ پر توسّل کا بعینہٖ ابن تیمیہ کے نہج پر رد مذکور ہے۔ بلکہ شرح العقیدۃ الطحاویہ مطبوعہ کراچی کے مقدمۃ الناشر میں تصریحاً لکھا ہے کہ شارح نے اپنی اس شرح میں بوجوہ نام لیۓ بغیر

ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتب سے بکثرت اقتباسات (حتیٰ کہ بعض مقامات پر صفحات کے صفحات) بھرتی کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۵، صفحہ ۶ حیث قال ''و المؤلّف یکثر من النقل عن کتب شیخ الاسلام ابن تیمیه و تلمیذه ابن القیم من غیر احالة علیها'' نیز ''انه نقل عنهما فی کتابه نقولا جمة'' اھ۔ جس سے (بر تقدیر ثبوت کتاب و صحت نسبت) مؤلّف کا سخت تیموی ہونا اظہر من الشّمس ہو جاتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے ماننے والے اسے بہت پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، آخر کیوں؟ موصوف کی یہ کتاب بھی انہی (تیمویوں) کی شائع کردہ ہے۔ مشہور نجدی دکتور عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی اور معروف وہابی شعیب ارناؤوط وغیرہما کے زیر اہتمام اس کی طباعت ہوئی۔ ناصر البانی نے بھی اس پر کام کیا، مفتی سعودیہ نے اس پر تعلیق لکھی۔ پیش نظر نسخہ پاکستانی وہابیوں کے ہاتھوں منظر عام پر آیا ہے بلکہ سب سے پہلے اسے عبداللہ بن حسن من ذریة ابن عبدالوہاب نے سعودیہ سے چھپوایا پھر احمد شاکر غیر مقلد نے مصر سے طبع کرایا (شرح العقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۶، طبع قدیمی کراچی)۔

زاہد الکوثری نے اس کے مؤلّف کے حنفی ہونے سے انکار کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶، طبع قدیمی)۔ نیز شارح دمشق کا باشندہ تھا اور وہیں پر ہی جبل قاسیون کے میدانی علاقہ میں مدفون ہے جب کہ یزید وغیرہ اموی بھی دمشقی تھے عین ممکن ہے کہ وہ یزیدی ہو یا کم از کم یہ کہ اس کے بارے میں نرم گوشہ رکھتا ہو۔ پس عبارت کا اصل ذمہ دار شارح مذکور ہی ہے نہ کہ علامہ علی القاری۔

علامہ علی القاری رحمہ اللہ قطعاً یزید کے طرف دار نہیں ہیں جس کی وضاحت خود اسی شرح فقہ اکبر سے بھی ہوتی ہے۔ بعض نقول ملاحظہ ہوں:

چنانچہ اسی شرح فقہ اکبر (صفحہ ۱۴۸) میں یزید کو ظالم و فاسق لکھ کر اس قسم کے خلیفہ کا حکم شرعی ''یستحق العزل اتفاقاً'' یعنی ایسا خلیفہ مستحق عزل ہوتا ہے اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کسی کو اس میں کچھ اختلاف نہیں۔

نیز صفحہ ۷۳ پر لکھا ہے کہ یزید کو کافر کہنے کا مسئلہ مختلف فیہا ہے ''قال الامام احمد رحمة الله بتکفیره'' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے اسے کافر قرار دیا ہے۔

اسی طرح مسئلہ لعن بر یزید کے بارے میں لکھا ہے ''اختلفوا فی یزید بن معاویة (الی) و بعضهم اطلق اللعن علیه'' اس میں یزید بن معاویہ کے متعلق علماء کی مختلف آراء ہیں بعض نے کھل کر اس پر لعنت کی ہے (صفحہ ۷۲)۔

یہاں یہ ذہن میں ہونا چاہیے کہ ''النهی عن لعنه لیس المقصور فی حبهم بل لقواعد

الشرع‘‘(النبراس،صفحہ۵۵۵)۔

نیز فرماتے ہیں کہ:’’واما ماتفوہ بہ بعض الجھلۃ من ان الحسین کان باغیافباطل عند اھل السنۃ والجماعۃ ولعل ھذا من ھذیانات الخوارج، الخوارج عن الجادۃ‘‘یعنی بعض جہلاء جو یہ بدزبانی کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ باغی تھے،ان کا یہ قول باطل ہے اور یہ اہل سنت وجماعت کا نظریہ نہیں۔لگتا ہے کہ یہ خارجیوں کی بکواسات سے ہے جوراہ مستقیم سے ہٹے ہوئے (اور گمراہ) ہیں۔ملاحظہ ہو۔ (شرح فقہ اکبر،صفحہ۱۲۷)۔

بہرحال معترض کا حضرت علامہ قاری کو یزید کا طرف دار بتانا بھی غلط ہے اور اس بناء پر شرح فقہ اکبر کی اثبات نبوت والی عبارت کو غیر معتبر بنانا بھی سطحیت ہے جو معترض کی قلت علمی یا کم فہمی کا نتیجہ ہے۔

اعتراض نمبر ۸:

’’نیز ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے نبی پاک ﷺ کے والدین معاذ اللہ مسلمان نہیں تھے۔ ہمارے ناقدین اس عبارت کے جواب میں ملا علی قاری کی آخری کتاب شرح شفاء کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ ان کی آخری کتاب ہے لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا۔تو کیا ہم ان سے اس مقام پر اس انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ میں بھی ان کی آخری کتاب کے حوالے کو ہی معتبر اور مستند سمجھیں گے؟(تحقیقات،صفحہ۲۶۲)۔

الجواب: اعتراض نمبر ۷ میں معترض نے’’مرقاۃ‘‘ کی جانب رجوع کرنے کا اشارہ دیا تھا جب کہ انکار ایمان کا مسئلہ مرقاۃ (جلد۴،صفحہ۱۱۳ طبع ملتان باب زیارۃ القبور) میں بھی موجود ہے۔تو کیا اس کا اس پر ایمان ہے؟ بلفظ دیگر معترض علامہ قاری کا قائل ہے یا نہیں؟ نہیں ہے تو ان سے استناد کیوں کیا؟ قائل ہے تو اس جیسے حوالہ جات پر اپنی گوشمالی کرنے کی بجائے،ہمیں ہی کوسنے کی کیا وجہ ہے؟

چاہئے تو یہ تھا کہ معترض حقائق کو لاتا اور عطر تحقیق پیش کرتا مگر وہ بار بار محض لایعنی طریقہ سے ادھر ادھر کی عبارات لا رہا ہے،جس سے یہ امر واضح ہے کہ اس کا اصل مقصد صحیح توجیہ اور تسلی بخش جواب دینے کی بجائے شرم مٹانے کی غرض سے ورق سیاہی کرنا اور قارئین کو مزید الجھا کر راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

علامہ علی القاری سے یہ غلطی ضرور ہوئی تھی مگر انہوں نے بالآخر اس سے توبہ کر لی تھی۔ چنانچہ النبراس (صفحہ۵۲۶،حاشیہ۵) میں ہے:نقل توبتہ عن ذلک فی القول المستحسن یعنی کتاب القول المستحسن میں ہے کہ علامہ علی القاری اس سے تائب ہو گئے تھے۔

حضرت غزالیٔ زماں علیہ الرحمۃ والرضوان اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ انہوں نے ''اخیر میں رجوع کر لیا اور توبہ کر کے دنیا سے رخصت ہوئے'' (آگے فرماتے ہیں) ''انہیں توبہ کی توفیق نصیب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس مسئلہ کے سوا باقی تمام مسائل میں خوش عقیدہ تھے۔ ظاہر ہے کہ خوش عقیدگی ضائع ہونے والی چیز نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق ان کے شامل حال ہوئی اور وہ اس قول شنیع سے تائب ہوئے الخ''۔ ملاحظہ ہو۔ (مقالاتِ کاظمی، جلد ا، صفحہ ۶۴، طبع مکتبہ فریدیہ ساہیوال، مطبوعہ ۱۳۹۷ھ)۔

رہی آخری کتاب کو مان لینے کی بات اور اس پر معترض کا مطالبۂ انصاف؟ تو

اولاً: یہ امر اس وقت درست تھا کہ جب علامہ علی القاری نے صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہوتا کہ آپ ﷺ ولادت باسعادت سے اعلان نبوت تک کے عرصہ میں معاذ اللہ نبی نہیں تھے یا یہ ہوتا کہ وہ لکھتے کہ میں نے شرح الفقہ الاکبر میں جو یہ لکھا تھا ''انہ من یوم ولادتہ متصف بنعت نبوتہ ''میں اس سے رجوع کرتا ہوں تو پھر ہم یہ مان لیتے کہ علامہ کے نزدیک عبارت شرح فقہ اکبر ان کی عبارت نہیں رہی بلکہ وہ مرجوع عنہ اور منسوخ ہوگئی ہے اور اس قابل نہیں رہی ہے کہ اسے لائق استدلال سمجھ کر پیش کیا جا سکے۔ پس جب ایسا نہیں ہے اور اس کے برعکس شرح الشفاء کی وہ عبارت بذات خود سرکار ﷺ کے چالیس سال سے قبل بھی نبی ہونے کی دلیل ہے (کما مر) تو معترض کا مطالبہ بے کار رہا بلکہ مضحکہ خیز بھی قرار پایا کہ نسخ ورجوع کے ثبوت کے بغیر مرجوع عنہ اور منسوخ تسلیم کر لینے کا مطالبہ عقل کی بات نہیں ہے۔

علاوہ ازیں علامہ نے شرح فقہ اکبر کی عبارت کو حدیث صحیح ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد'' سے مدلل فرمایا ہے جس سے وہ عبارت حدیث کا مضمون قرار پائی بناءً علیہ اس کے منسوخ ہونے کا سؤال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس سے رجوع کر لینے کا معنٰی یہ ہوگا کہ وہ حدیث نبوی کے ماننے سے انکار کر گئے ہیں جو کسی طرح درست نہیں۔

ثانیاً: ہم خود معترض سے اس کے مقرر کردہ اس ضابطہ کے تحت گزارش کرتے ہیں کہ اگر وہ اس میں واقعی مخلص ہیں تو ہم ان کے حسب پسند اس سلسلہ کا ان کے لفظوں کے مطابق علامہ علی قاری کی اس آخری کتاب سے دوٹوک فیصلہ پیش کر رہے ہیں جس کے بعد وہ فوری طور پر نفیٔ نبوت کے موقف سے توبہ کریں اور ''توبۃ السرّ بالسرّ والعلانیۃ بالعلانیۃ'' کے پیش نظر تحریراً تقریراً اس کا اعلان کریں۔

چنانچہ حضرت علامہ رحمہ اللہ اپنی اس آخری کتاب میں فرماتے ہیں: ''ان اعطاء النبوۃ فی سن الاربعین غالب العادۃ الالٰھیۃ وعیسٰی ویحییٰ (علیہما السلام) خصا بھٰذہ المرتبۃ الجلیلۃ کما

ان نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم خُصَّ بما و رد عنه من قوله کنت نبیا وان آدم لمنجدل بین الماء والطین ''یعنی بہ ہیئت کذائیہ نبوت کے عطاء کرنے میں عموماً عادت الٰہیہ یہ رہی کہ وہ نبی کی چالیس سال کی عمر میں ہوتا تھا جب کہ حضرت عیسیٰ وحضرت یحییٰ علیہما السلام کو اس مرتبہ جلیلہ کے لیۓ اس کے عموم سے مخصوص کر کے انہیں یہ منصب ان کے بچپن میں دیا گیا جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ کو آپ کے اس وارد شدہ ارشاد کے مطابق (کہ کنت نبیا الخ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں تھے) اس عموم سے مستثنیٰ کیا گیا یعنی آپ کو چالیس سال کے بعد نبوت عطاء نہیں کی گئی بلکہ اس وقت دی گئی کہ ابھی ابوالبشر آدم علیہ السلام بھی معرض وجود میں نہیں آئے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (شرح الشفاء للقاری' جلدا' صفحہ ۴۸۵ فصل الخصال المکتبۃ طبع المطبعۃ الازھریۃ مصر 'نیز جلدا' صفحہ ۲۴۳ طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت مطبوعہ ۲۰۰۷ء فصل مذکور)۔

اقول: اب پتہ چلے گا کہ معترض میں کتنی للّٰہیت وخلوص ہے واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

لطیفہ: معترض صاحب جوش میں آکر مرقاۃ کو شرح فقہ اکبر کے بعد کی تالیف قرار دے گئے ہیں جیسا کہ اعتراض نمبر ۷ کی ان کی عبارت کو اعتراض نمبر ۸ کی عبارت کے ساتھ ملانے سے ظاہر ہوتا ہے حالانکہ خود شرح فقہ اکبر کے ایک مقام سے واضح ہے کہ مرقاۃ اس سے پہلے کی تالیف ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۱۴ پر ہے:

''واماماورد من حدیث فلا تخیرونی (الی) فمؤول بما بیناہ فی المرقاۃ شرح المشکوٰۃ ''۔

جس کی وضاحت دعوت رجوع (صفحہ ۴۳) میں بھی کی جا چکی ہے مگر انہیں شاید سوچنے کے لیۓ وقت نہیں ملا۔

قولِ امام رازی رحمہ اللہ پر اعتراضات کے جوابات

فقیر نے دعوت رجوع میں شرح فقہ اکبر کے حوالہ سے لکھا تھا کہ: ''قال الامام فخر الدین الرازی الحق ان محمدا ﷺ قبل الرسالة ماکان علی شرع نبی من الانبیاء علیهم الصلاة والسلام وهو المختار عند المحققین من الحنفیة لانه لم یکن امة نبی قط لکنه کان فی مقام النبوة قبل الرسالة وکان یعمل بما هو الحق الذی ظهر علیه فی مقام نبوته بالوحی والکشوف الصادقة من شریعة ابراهیم الصلاة والسلام وغیرها کذانقله القونوی فی شرح عمدة النسفی'' خلاصہ یہ کہ امام فخر الدین رازی اور محققین حنفیہ کا فیصلہ اور صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ اعلان نبوت سے پہلے سابقہ شرائع میں سے کسی شریعت کے پابند نہیں تھے ورنہ آپ اس شریعت کے حامل نبی کے امتی قرار پائیں گے جب کہ آپ کسی نبی کے امتی نہیں بلکہ آپ تمام نبیوں کے نبی ہیں۔ آپ ﷺ ظہور رسالت سے قبل بھی نبی تھے اس لیئے آپ وحی اور سچے کشفوں کے مطابق عمل فرماتے تھے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ آپ کے اس عمل کا توافق شریعت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام (وغیرہا) سے ہو جاتا تھا۔ علامہ قونوی نے شرح عمدة النسفی میں یونہی نقل فرمایا ہے۔ (شرح فقہ اکبر، صفحہ ۶۰، طبع کراچی) ملاحظہ ہو (دعوت رجوع، صفحہ ۴۳)۔

اس پر کیئے گئے اعتراضات کے جوابات ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

اعتراض نمبرا:

''ہمیں امام رازی کا یہ قول ان کی کسی کتاب میں نہیں ملا'' (تحقیقات، صفحہ ۲۶۵)۔

الجواب: یہ محض دفع وقتی، سخن سازی اور خانہ پُری ہے ورنہ ناقل جب معتمد علیہ ہو تو اس قسم کی بحث کی گنجائش نہیں ہوتی جس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کے نور مبارک کی حدیث (یا جابر ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نوره) کئی اکابر نے امام عبدالرزاق صاحب مصنّف

کے حوالہ سے اپنی کتب میں لکھی جیسے علامہ قسطلانی نے مواہب میں عجلونی نے کشف الخفاء میں اور علامہ علی القاری نے المورد الروی میں (وغیرھم فی غیرھا)۔

جب کہ اس کے مأخذ کو یار لوگوں نے غائب کر کے مطالبے کیئے کہ حدیث ہے تو دکھاؤ امام عبدالرزاق سے۔ جس کے جواب میں یہی کہا جاتا رہا کہ ناقلین جب معتبر و معتمد ہیں تو اصل مأخذ نہ بھی ملے تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔

مصنف تحقیقات بھی انہیں میں سے ہیں تنویر الابصار میں انہوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے کہ اصل مأخذ پیش کرنے کی بجائے حدیث مذکور کو ناقلین کے حوالہ سے لائے ہیں۔

مدتوں بعد حضرت علامہ عیسیٰ بن مانع الحمیری دامت برکاتہم آف دبئی اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے پیر خانہ مارہرہ شریف کی مشترکہ کوششوں سے اب جا کر کہیں مصنف کا وہ جزء مفقود دستیاب ہوا ہے جسے علامہ موصوف نے بیروت سے شائع کرایا ہے جس سے مخالفین کا منہ کچھ بند ہوا ہے لیکن وہ جزء نہ بھی حاصل ہوتا تو ان اکابر کی نقل پر اعتماد کلی کے باعث اس کی ضرورت نہیں سمجھی جا رہی تھی۔

اسی طرح ''انگوٹھے چومنے کی حدیث بروایت حضرت صدیق اکبر ﷜ مسند الفردوس دیلمی کے حوالہ علامہ سخاوی علیہ الرحمۃ نے المقاصد الحسنہ میں علامہ عجلونی نے کشف الخفاء میں اور علامہ علی القاری نے کتاب الموضوعات الکبیر میں لکھی ہے لیکن اس کے مأخذ کو بھی غائب کر دیا گیا۔ اب مسند الفردوس چھپی ہے مگر حدیث مذکورہ کو اس سے نکال دیا گیا ہے۔ اس کے لیئے بھی ان علماء ناقلین کی نقل کو کافی سمجھا جا رہا ہے۔

بناءً علیہ علامہ علی القاری مانحن فیہ میں جب امام رازی کا قول پیش فرما رہے ہیں جس کے لیئے انہوں نے شرح عمدۃ النسفی للقونوی کا حوالہ بھی دے دیا ہے تو اصل مأخذ ہمیں ملے یا نہ ملے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا جب کہ مسئلہ بھی عظمت مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔ ہاں اگر انہیں نقل میں غیر معتبر گردانا گیا ہوتا تو پھر کلام کرتے ہوئے بھی اچھے لگتے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یزید کے چھٹا خلیفہ ہونے کے متعلق اسی شرح فقہ اکبر میں ان کے نقل کیئے گئے حوالہ کو آنکھیں بند کر کے کیوں مان لیا گیا ہے؟

بالفاظ دیگر ہمارا معترض فریق سے سؤال ہے کہ علامہ علی القاری کو نقل حوالہ جات میں معتمد علیہ مانتے ہو یا نہیں؟ بصورت اوّل یہ اعتراض کیوں اور بصورت ثانی ان کی تحریرات کو آپ لوگوں نے استناداً کیوں لیا ہے؟ بلکہ دیگر متعدد علماء کی پیش کردہ نقول کو بھی نام کی تحقیقات میں بلا جھجک اور بلا چون و چرا آنکھیں بند کر کے لے لیا گیا ہے لیکن اس مقام پر بحث کے سارے دہانے کھول دیئے گئے ہیں۔ آخر یہ دوہرا معیار کیوں؟ کیا یہ بھی کوئی جذبۂ حبِ رسول ہے (ﷺ)؟

نہ شرم نبی نہ خوف خدا
یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں (اعلیٰ حضرت)

اعتراض نمبر۲:

''جو کچھ ہمیں ان کی کتب میں ملا ہے وہ ہم ہدیۂ قارئین کرتے ہیں: ماضل صاحبکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ای ماضل حین اعتزلکم وما تعبدون فی صغرہ وماغویٰ حین اختلٰی بنفسہ ورای منامہ ما رای ومایںطق عن الھویٰ الآن حیث ارسل الیکم وجعل رسولا شاھداً علیکم'' (تحقیقات'۲۶۵)۔

الجواب: معترض نے نہ تو اس کا اردو ترجمہ کیا اور نہ ہی وجہ استدلال لکھی اور نہ ہی اعتراض کی وضاحت کی ہے گویا اپنے جہلاء کو خوش کرنے کے لیۓ ان پر عربیّت جھاڑ دی ہے۔

اس عبارت کا کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا یہ معنٰی ہو کہ آپ ﷺ چالیس سال سے پہلے معاذ اللہ نبی نہیں تھے بلکہ یہ آپ کے اس عرصہ میں بھی نبی ہونے کی دلیل ہے جس کی ایک دلیل اس کا پہلا حصہ ہے جس میں ''فی صغرہ'' کے لفظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ بچپن میں بھی امور کفر سے پاک تھے جس کی بنیاد ظاہر ہے کہ عصمت تھی جب کہ عصمت دلیل نبوت ہے (کما قد مرّ مراراً)۔

نیز ''ارسل'' کے لفظ بھی اس کی دلیل ہیں کیونکہ اس کا معنٰی ہے آپ کو بھیجا گیا یعنی نبی پہلے سے تھے بھیجے بعد میں گئے۔ جب کہ رسالت نبوۃ کے منافی نہیں۔ تنبیہات' جلد اوّل میں حضرت میر سید کے حوالہ سے ہم لکھ آئے ہیں کہ ''فالرسول افضل بالوحی الخاص الذی فوق وحی النبوۃ'' (باب ہفتم)۔

الغرض پیش کردہ عبارت معترض کی نہیں ہماری دلیل ہے۔ والحمد للہ علٰی ذلك۔

اعتراض نمبر۳:

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ''فانہ صلی اللہ علیہ وسلم انتھی وبلغ الغایۃ وصار نبیا کما صار بعض الانبیاء نبیا یأتیہ الوحی فی نومہ و علی ھئیتہ (صفحہ۲۳۸)'' (تحقیقات'صفحہ۲۶۵)۔

الجواب: سبحٰن اللہ! یہ ہے چوٹی کا حوالہ۔ نہ کتاب کا نام نہ جلد نمبر کی نشاندہی اور نہ ہی اس کے مقام کی وضاحت اور نہ ہی وجہ استدلال کا بیان۔ صرف ''صفحہ۲۳۸'' پس دیکھتے رہو علامہ رازی کی ہر کتاب پھر اس کے ہر طرح کے نسخے بھی جمع کرو کیا معلوم کس چھاپے کا یہ صفحہ نکلے۔

عبارت کے شروع میں ''ف'' سے پتہ چل رہا ہے کہ اس کا سیاق وسباق بھی ہے جس کو اس کے ساتھ

ملائے بغیر عبارت ادھوری ہے۔ بناءً علیہ ہم جواب دیں تو کس چیز کا۔

الغرض اعتراض مکمل نہ ہونے کے باعث اصولی طور پر اس کا جواب ہمارے ذمّہ نہیں۔ اس اقدام سے معترض صاحب کی بہادری کا بھی پتہ چلتا ہے اور للّٰہیت کا بھی کہ قارئین کو بار بار پریشانی میں ڈال رہے ہیں۔

اعتراض نمبر۴:

آیت مبارکہ حتّٰی اذا بلغ اشده کی تفسیر میں فرماتے ہیں والنبی صلی الله علیه وسلم بعث عندالاربعین (جلد نمبر۱۰، صفحہ۱۹۱)۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۶۵)

الجواب: بعثت نبی ہونے کے منافی نہیں (کما قدمرّ مراراً وسیأتی فی ب ۹ قریباً) نیز اس میں عندالاربعین ہے جب کہ آپ لوگ بعدالاربعین کے قائل ہیں۔ اس لیۓ اس سے بھی آپ کو کچھ فائدہ نہ ہوا

اعتراض نمبر۵:

"آیہ مبارکہ واتیناه الحکم صبیا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰ علیہما السلام تو بچپن میں مبعوث ہوگئے مگر نبی کریم ﷺ اور حضرت موسٰی علیہ السلام چالیس سال کے بعد مبعوث ہوئے"۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۶۶)۔

الجواب: عبارت میں چالیس سال کے الفاظ بالکل نہیں ہیں۔ عبارت اس طرح ہے: لا کما بعث موسٰی ومحمداً علیهما السلام (جلد ا، صفحہ ۱۹۱)۔

پھر اس میں بھی بعثت کا مفہوم ہے جو منافیٔ نبوت نہیں (کما قدمرّ)۔

علاوہ ازیں کبیر میں اس مقام پر "الحکم" کے بارے میں لکھا ہے: "انه النبوة" یعنی حکم سے مراد نبوت ہے (صفحہ ۱۹۱)۔

جب کہ معترض اس سے پانچ صفحات پہلے اس کا ردّ کر آیا ہے اس کے لفظ ہیں: "یہاں حکم سے مراد اعلٰی درجہ کی فہم و فراست ہے" (اور نبوت والے قول کو بالفرض کی مد میں رکھا ہے) ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۲۶۰)۔

نیز معترض کے بزرگوار کے بیانات (حضرت عیسٰی وحضرت یحیٰ علیہم السلام کے بارے میں) ڈانواں ڈول قسم کے ہیں چنانچہ صفحہ ۱۰۵ ایران کے متعلق ان کا ایک بیان اس طرح ہے: "ان کا بھی بچپن میں بالفعل نبی ہونا اجماعی اور متفق علیہ امر نہیں ہے"۔ پس ایک ہی کتاب میں باپ بیٹے کا یہ تصادم یقیناً لوگوں کی توجّہ کا طالب ہے۔

اعتراض نمبر۶:

معترض نے اپنے موقف کی تائید میں مزید الذی انقض ظهرك کی ماتحتی ایک عبارت کا حصہ بھی نقل

کیا ہے جس میں ''قبل البعثة'' اور ''فلما جاء ته النبوة'' کے الفاظ ہیں۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۶)۔

الجواب: علامہ رازی نے اس کی نو تفسیریں (یا تاً ویلیں) لکھی ہیں پیش کردہ الفاظ نویں تفسیر (یا تاً ویل) کے ہیں تو کیا معترض دیگر تفسیرات و تاً ویلات کا بھی قائل ہے؟ بصورت نفی ان کے نہ ماننے اور اس ایک کے اختیار کرنے کی وجہ؟

نیز ابھی گزرا ہے کہ بعثت کا معنٰی نبی نہ ہونے کے بعد نبی بننا نہیں جب کہ ''النبوۃ'' سے مراد وحی جلی ہے اور وہ بھی عدم نبوت کی دلیل نہیں کہ نبی ہونے کے لیۓ کسی طرح کی وحی خفی کا ہونا کافی ہے (وقد مرّ)۔

علاوہ ازیں کبیر کے اسی مقام پر ''ورفعنالك ذكرك'' کی تفسیر میں لکھا ہے: ''انه عام فی كل ما ذكروه من النبوة وشهرته فی الارض والسمٰوٰت اسمه مكتوب علی العرش الخ یعنی آپ ﷺ کا ہمہ قسم رفعت ذکر اس میں داخل ہے جس کی تفصیلات علماء نے بیان فرمائی ہیں جیسے آپ کی نبوت' چودہ طبقوں میں آپ ﷺ کا شہرہ نیز عرش الٰہی پر آپ کے اسم کریم کا لکھا ہونا وغیرہ (ملخّصاً) (کبیر جز ءنمبر ۳۲' صفحہ ۵)۔

اقول: حضور کی نبوت سب سے اقدم ہے۔ ﷺ اور آپ کا اسم کریم عرش الٰہی پر آپ کی نبوت و رسالت کے حوالہ سے لکھا ہے (وقد مرّ ایضاً)۔

جس سے واضح ہو گیا کہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال کی عمر شریف سے قبل کے زمانہ میں نفیٔ نبوت کے قائل نہیں ہیں بلکہ آپ کی نبوت کی اقدمیت کے معتقد ہیں۔ لہٰذا معترض کا انہیں اس کا انکاری بتانا خلاف واقعہ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ عاجز ہے اور علامہ علی القاری نے آپ ﷺ کے چالیس سال سے پہلے نبی ہونے کا ان کا جو حوالہ پیش فرمایا تھا وہ اپنی جگہ قائم اور درست ہے۔ والحمد للہ علی ذلك۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا دو ٹوک حوالہ جو معترض کے لیۓ قیامت سے کم نہیں:

آخر میں لیجئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلہ کا ایک خصوصی صریحی حوالہ جو معترض کے لیۓ قیامت سے کم نہیں اور جو ان شاء اللہ تعالیٰ تابوت معترض میں آخری کیل کا فائدہ دے گا۔

چنانچہ آپ اپنی معرکۃ الآراء کتاب جامع العلوم کے حصہ پنجم میں سید عالم ﷺ کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ''عمر مبارکہ کے چالیس سال پورے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے اظہار کا حکم دیا''۔ ملاحظہ ہو۔ (جامع العلوم مترجم اردو' صفحہ ۱۱۵' ترجمہ سید محمد فاروق القادری صاحب' طبع فرید بک سٹال' لاہور' جولائی ۱۹۸۸ء)۔

الغرض امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے معترض کا پروپیگنڈہ بھی غلط ثابت ہوا۔

''نبوّۃ لتہذیب النفس'' کے حوالہ سے اعتراضات کے جوابات

مصنف تحقیقات نے بعض حضرات قائلین کے حوالہ سے نبوۃ لتہذیب النفس کے فلسفہ کا ذکر کر کے اس پر یہ اعتراضات کیے ہیں: ''نبی کا معنٰی علمائے عقائد نے بیان فرمایا انسان بعثه الله تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام 'اور نبوت کا معنٰی السفارة بین الله و بین العباد ۔تو جب تبلیغ احکام اور سفارت متحقق نہیں ہوئی تو آپ کے لیئے اس دور میں نبی ہونے کا دعویٰ کیونکہ قابل تسلیم ہوگا؟

علاوہ ازیں اگر یہ مانا جائے تو یہ کون سا اعزاز آپ کو حاصل ہوا؟ عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام اور ملٰئکہ کے لیئے بالفعل معلم و مربی ہوں اور یہاں آ کر چالیس سال تک صرف اپنی ذات کی تربیت میں مصروف رہیں۔نیز کیا عالم ارواح میں اپنی تربیت کئے بغیر دوسروں کے نبی بن گئے تھے؟ تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ چالیس سال کے عرصہ تک آپ کی نبوت وہ نبوت نہیں تھی جو عالم ارواح میں آپ کو بالفعل حاصل تھی (ملخصاً) (تحقیقات' صفحہ ۴۵'۴۶)۔

جواباً عرض ہے کہ موصوف نے نہ تو اس کے قائلین کی نشاندہی کی اور نہ ہی ان کے دلائل کا ذکر کیا ہے تاکہ غور کیا جاتا کہ انہوں نے کیا لکھا اور موصوف نے کیا سمجھا نیز دونوں کا اس سلسلہ میں موازنہ کیا جاتا۔ تاہم گزارش ہے کہ بعینہٖ یہی بات علامہ پرہاروی نے النبراس میں لکھی ہے جب کہ وہ موصوف کے مستند و مسلّم علماء سے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے نبوت سیدنا آدم علیہ السلام کی بحث میں لکھا ہے: ''یجوز الوحی لتکمیل نفس النبی بلا تبلیغ ''یعنی وحی صرف' ذات نبی کی تکمیل (کمال پر پہنچانے) کے لیئے بھی ہوتی ہے جو بلا تبلیغ ہوتی ہے یعنی اس میں دوسروں کو پابند بنانے میں دوسروں تک اس کے پہنچانے کا حکم نہیں ہوتا۔ملاحظہ ہو (النبراس' صفحہ ۲۳۶ طبع نورانی کتب خانہ' پشاور)۔

اس کی تائید امام قاضی ابو نعیم رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: ''ان یحییٰ علیہ السلام کان نبیا

ولم یکن مبعوثا الی قومه و کان منفرداً بمراعاة شانه یعنی اللہ کے نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود اپنی قوم کی طرف مبعوث نہیں فرمائے گئے تھے بلکہ وحی الٰہی کے حوالہ سے وہ محض اپنی ذات کی دیکھ بھال تک محدود تھے (جواہر البحار، جلدا، صفحہ ۸۱، طبع مصر)۔

اقول: قصة شهادته علیه السلام و غیرها مماتدل علیٰ خلاف ذٰلك۔ لاحظ البدایة والنهایة و اللہ تعالیٰ اعلم۔

نیز تفسیر مظہری (جلد ۶، صفحہ ۱۵، طبع کوئٹہ) میں ہے: ''واما الاحکام التی یوحی بها افراد الانبیاء الذین لم یبعثوا الی الامم بل اوحی الیهم لصلاح انفسهم او امتثال امور بینهم و بین اللہ تعالیٰ فان تلك الاحکام تکون غالباً مبنیة علی حکمة لا یظهر وجه صلاحها علی العامة'' اھ (مظہری کا یہ حوالہ قبلہ استاذی الکریم دامت برکاتہم کے عطایا خصوصیّہ سے ہے)۔

اقول: اس سے ان حضرات کا یہ مدعا بہر حال ثابت ہو جاتا ہے کہ نبی ہونے کے لیے تبلیغ کو شرط قرار دینا درست نہیں ورنہ زمانۂ قبل از حکم تبلیغ میں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت سے انکار لازم آئے گا جو صحیح نہیں۔ الغرض اس سے حسب مذکور کلیۂ تبلیغ ٹوٹ جاتا ہے جو مخالف کے موقف کے فاسد ہو جانے کے لیے کافی ہے۔

○ علاوہ ازیں مصنف تحقیقات نے اس امر کو مختار اور راجح قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ کو تبلیغ والی نبوت اس وقت ملی جب کہ ملٰئکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کو پیدا کر لیا گیا (تحقیقات، صفحہ ۹۷)۔ جب کہ تنبیہات حصۂ اوّل میں ہم نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ اس سے بھی پہلے نبی تھے۔ تو اس سے بھی اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ نبوت تھی مگر مولانا کے موقف والی تبلیغ بعد میں شروع ہوئی۔

○ نیز موصوف نے یہ بات بھی نہایت غیر مبہم الفاظ میں لکھی ہے کہ سورۂ اقراء کی ابتدائی آیات جب اتریں تو آپ نبی بن گئے جب کہ آپ کی عمر شریف چالیس برس تھی۔ پس اس کے ساتھ ہی آپ نے تبلیغ شروع نہیں فرمادی بلکہ اس کے تین سال کے بعد بعمر تینتالیس برس تبلیغ کا آغاز فرمایا ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۱۵۲)۔ جس واضح مطلب یہ ہوا کہ تین سال کے عرصہ میں نبوت تھی مگر تبلیغ نہ تھی پس نبی ہونے کے لیے تبلیغ کو شرط قرار دینا خود اس بے ہوش مناظر کے قلم سے ثابت ہوا۔

نیز تین سال کے اس عرصہ میں نبی مان کر پھر نبی کے لیے تبلیغ کو شرط کہہ کر مولانا بقلم خود حضور کی نبوت کے منکر ٹھہرے اور اپنے ہی فیصلہ سے دائرۂ ایمان سے نکل گئے۔ کذلك العذاب و العذاب الآخرة اکبر لو کانوا یعلمون۔

نوٹ: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کے والد ماجد نے آیات علق کے نزول کے زمانہ کو مرتبۂ رسالت اور باقاعدہ حکم تبلیغ آنے کے زمانہ کو رسالت کاملہ سے تعبیر فرمایا' جو یقیناً ایک نفیس بات ہے ملاحظہ ہو۔(سرور القلوب صفحہ ۳۰) رحمہما اللہ تعالیٰ۔

○ علاوہ ازیں پیش نظر عبارت میں موصوف کے الفاظ ہیں ''چالیس سال کے عرصہ تک آپ کی نبوت وہ نبوت نہیں تھی''یعنی نبوت تو بہر حال تھی لیکن عالم ارواح والی نبوت سے مختلف تھی۔ اور اس سے قبل یہ لفظ بھی دیئے ہیں کہ ''لامحالہ ماننا پڑے گا''یعنی چالیس سال کے عرصہ تک آپ کی نبوت اور آپ کے نبی ہونے کو ماننا لازم ہے۔

سبحٰن اللہ جس امر کا ردکرنے چلے تھے اسی کو مان بیٹھے۔

پھر چالیس سال کے عرصہ تک والی نبوت کو وہ بالقوۃ پر بھی محمول نہیں کر سکتے کیونکہ اسی کے ساتھ وہ آپ کی نبوت کا عالم ارواح میں بالفعل ہونا تسلیم کر چکے ہیں جب کہ کسی امر کے بالفعل ہونے کے بعد اس کا بالقوۃ ہونا ختم ہو جاتا ہے کہ القوۃ والفعل ضدان لا یجتمعان۔ مکمل تفصیل کے لیۓ تنبیہات جلد اوّل کا متعلقہ مقام ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

○ رہیں پیش کردہ عربی عبارات؟ تو ہم دعوت رجوع' تنبیہات حصہ اوّل نیز اسی حصہ میں کچھ پہلے دلائل سے واضح کر چکے ہیں کہ ان کا تعلق ''رسول'' سے ہے نبی سے نہیں۔ نیز یہ کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ پس وہ انہیں کچھ مفید نہ ہوئیں۔

○ رہا یہ کہنا کہ یہ کون سا اعزاز آپ کو حاصل ہوا الخ؟

تو جواباً عرض ہے کہ اس مدت میں وحی خفی کا سلسلہ تھا جب کہ وحی بذات خود ایک اعزاز ہے اور بہت بڑا شرف ہے کہ آپ کو براہِ راست قلب مبارک میں ہدایات اتاری جاتی تھیں۔ اور یہ تربیت ذات مبارکہ پہلے سے ملنے والے اعزاز کے خلاف نہیں کیونکہ آپ ہمیشہ ترقی میں ہیں جس کی مثال شق صدر مبارک بھی ہے کہ اس موقع پر آپ کے دل مبارک میں انوار و تجلیات کی پلٹ کی گئی جب کہ اس سے پہلے بھی اس کی کمی نہ تھی (معاذ اللہ) پس یہ نور علی نور ہوا۔

○ ہمارے اس بیان سے اس کا بھی جواب آ گیا کہ ''عالم ارواح میں کیا اپنی تربیت کے بغیر دوسروں کے نبی بن گئے تھے''؟ کہ تربیت پانے کے بعد ہی تربیت فرمائی جو اللہ تعالیٰ سے حاصل فرمائی تھی اس کے بعد بھی اسی سے لی مزید تسلی کے لیۓ پڑھئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وقل رب زدنی علما۔ نیز وللاخرة خیرلك من الاولی۔

○ پس یہ کہنا بھی غلط ہوگیا کہ اس عرصہ والی نبوت وہ نہیں تھی جو ''عالم ارواح میں آپ کو بالفعل حاصل تھی''۔ کیونکہ موصوف نے بالفعل مان لینے کے بعد اس کے معطل یا سلب ہو جانے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا بلکہ پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی پیش کر سکتے ہیں' بیشک مزید طبع آزمائی کر کے دیکھ لیں تو لامحالہ وہ نبوت وہی تھی جسے مرتبۂ استتار میں رکھنے کے بعد مقام ظہور پر لایا گیا۔

○ موصوف نے یہ کہہ کر کہ ''آپ کے لیۓ اس دور میں نبی ہونے کا دعویٰ کیونکر قابل تسلیم ہوگا''۔ ایک بار پھر واضح کر دیا ہے کہ وہ واقعی اس شرف نبوت کے منکر ہیں جب کہ اوائل کتاب میں انہوں نے اسے اپنے خلاف نوجوان' نوخیز واعظین ومقررین کا پروپیگنڈہ اور شور شرابا (غلط الزام) کہا تھا۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۵)۔

ع　مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

الغرض ''نبوۃ لتہذیب النفس'' کے بے بنیاد ہونے کا موصوف نے جو تأثر دیا تھا وہ بھی اس کے برعکس ثابت ہوا اور اس پر کیۓ گۓ ان کے اعتراضات بھی بوگس ثابت ہوۓ والحمد للہ علی ذلک۔

تذییل: لگے ہاتھوں موصوف سے خود نبوۃ لتہذیب النفس اور چالیس سال سے پہلے نبی ہونے کی تصریح بھی لے لیجیۓ فرماتے ہیں: تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ رؤیاۓ صادقہ صالحہ کا سلسلہ آپ کو چالیس سال کی عمر شریف کے قریب پیش آیا اور چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا (الیٰ) نبی کی ذات اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتی ہے' پہلے اللہ تعالیٰ ان کی تہذیب نفس فرماتا ہے (کچھ آگے شیخ محقق کے حوالہ سے لکھا ہے) محدثین کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چھ ماہ تک مرتبۂ نبوت تک محدود ومخصوص رہے اور صرف اپنے نفس کی تہذیب وتربیت کے مکلّف تھے (الیٰ) ان کے مذہب میں نبی کے لیے داعی اور مبلغ ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر اس کی وحی کی جاۓ صرف اس کی اصلاح نفس کے لیے تو یہ بھی اس کے نبی ہونے کے لیے کافی ہے''۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ نمبر ۱۳۴' ۱۳۵' ۱۳۶ ملخّصاً)۔　ع　مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

بحث "اَلنَّبِیّٖن" (کہ دیگر انبیاء علیہم السلام نبی کب بنے؟)

"مصنف تحقیقات کا نظریہ" آیت میثاق النبیین کے حوالہ سے "ثُمَّ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ" کی ابحاث کے ضمن میں مصنف تحقیقات نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بھی یہ موقف اختیار کیا اور نظریہ بنایا ہے کہ وہ بھی عالم دنیا میں آنے کے بعد اپنی بعثتوں سے پہلے کے تمام ادوار بالخصوص بعد از ولادت تا اعلان نبوت کے زمانہ میں معاذ اللہ نبوت سے خالی (اور نبی نہیں) تھے اس سے قبل وہ محض علم الٰہی میں نبی تھے ان کی نبوتیں خارج میں بالکل موجود و متحقق نہ تھیں۔ چنانچہ شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ جلد اوّل صفحہ ۴۷ میں تصریح فرمائی ہے کہ "نبوت انبیاء دیگر در علم الٰہی بود نہ در خارج۔

آیت میثاق میں آپ ﷺ پر ان کے ایمان لانے کا جو ذکر ہے اس کا تعلق دنیا میں آنے کے بعد دنیوی بعثت سے ہے عالم ارواح میں ہونے سے نہیں۔ جو لوگ انہیں بعثت سے پہلے نبی مانتے ہیں وہ اسلاف کے افکار کے خلاف ہیں۔ اگر وہ نبی ہوں تو سوال یہ ہے کہ کس کے نبی تھے حضور کے تو ہو نہیں سکتے اور نہ ہی اپنی امت کے ارواح کے ہو سکتے ہیں تو اس کا کوئی جواز نہ رہا۔ الغرض پیغمبران کرام علیہم السلام کو نبوت عطا کرنے کی تقدیر اور قضا عالم ارواح بلکہ ازل میں ثابت ہے لیکن عملی طور پر اس کا حصول اور وصول نیز اظہار و اعلان عالم اجسام میں ہزاروں سال بعد پایا گیا (ملخّصاً) (تحقیقات صفحہ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۰۷، ۲۰۸)۔

الجواب: جواباً عرض ہے کہ ان کا یہ موقف بھی کئی خطیات اور مقام انبیاء کرام علیہم السلام سے سخت غفلت پر مشتمل ہے کیونکہ مسئلہ ہٰذا خالصۃً امور غیبیہ سے ہے جس میں کھل کر اتنا ہی کہہ سکتے ہیں جتنے کا ثبوت قرآن و حدیث سے ملتا ہو۔ یوں نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ اس طرح نہیں ہے اس طرح نہیں ہے۔ لہٰذا یہ نہیں وہ نہیں۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوا۔ کیونکہ غیب حواس اور بدیہۃ العقل کی رسائی سے بالاتر ہوتا ہے لانہ ھو الخفی الذی لا یدرکہ الحس و لا یقتضیہ بداھۃ العقل (کما فی تفسیر البیضاوی وغیرہ)۔

جس کی ایک مثال حضرات اصحاب الکہف کا معاملہ بھی ہے کہ ان کے غار میں ہمیشہ کے لیے چلے جانے

کے بعد کچھ لوگوں نے جب ان کی تعداد کے متعلق بے بنیاد طریقہ سے تبصرے کرنے شروع کیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے ''رجما بالغیب'' (بغیر علم کے امر غیب کے بارے میں عقلی ڈھکوسلے لگانا) قرار دیا حالانکہ وہ آسمان پر نہیں اٹھالیئے گئے تھے بلکہ اسی زمین سے اسی زمین کے ایک پہاڑ کی ایک غار میں آرام فرما ہوئے تھے اب بھی وہ اسی میں ہیں۔

پس وہ عوالم جن کی ہوا بھی اس دنیا میں کسی کو نہ لگی ہو ان کے احوال پر اپنی محدود عقل کے اندازوں سے اس کا تبصرے کرنا اور وہ بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے روحانی کمالات کے بارے میں جو قطعی طور پر بحر بے کنار ہیں نیز جن کا ادب واحترام بجالانا دین وایمان کا اوّلین فرض ہو یقیناً رجم بالغیب ہے۔

لہٰذا ان کے متعلق قرآن وحدیث سے ثبوت کے بغیر سیدھا یہ حکم عائد کر دینا کہ وہ عالم ارواح سے لے کر اپنی بعثتوں کے زمانہ سے پہلے تک کسی بھی دور میں نبی نہیں تھے' ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہے جو بہت غلط طرز عمل اور سخت جسارت ہے جب کہ دلائل اس کے خلاف پر بھی قائم ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ ان کے بعض ادوار کی تفصیلات قرآن وحدیث میں وارد نہیں ہیں جب کہ عدم ورود' عدم وجود کو بھی مستلزم نہیں۔

''تمام انبیاء علیہم السلام پیدائشی نبی تھے''

دلائل صحیحہ شرعیہ کی رو سے صحیح نظریہ یہ ہے کہ دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی پیدائشی نبی تھے جن کی بعثت اور نبوتوں کا ظہور حسب حکمت خداوندی مختلف اوقات میں ہوا فرق یہ ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی نبوت اقدم ہے جب کہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتیں متقدم ہیں۔ بعض دلائل حسب ذیل ہیں:

دلیل نمبر ۱:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ''واذ اخذنا من النبین میثاقھم ومنك ومن نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسٰی بن مریم واخذنا منھم میثاق غلیظا'' یعنی اس وقت کو یاد کیجیے جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور اے محبوب آپ سے عہد لیا اور نوح وابراہیم نیز موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے لیا اور لیا بھی پختہ عہد۔ (پارہ ۲۱' الاحزاب' آیت نمبر ۷)۔

مذکور فی الآیۃ میثاق وعہد' تبلیغ رسالت اور دین متین کی دعوت کے بارے میں تھا۔

مؤلف کنز الدقائق' مفسر قرآن امام جلیل حافظ الدین نسفی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''اخذنا میثاقھم بتبلیغ الرسالۃ والدعاء الی الدین القیم'' یعنی معنیٰ یہ ہے کہ ہم

نے نبیوں سے رسالت کے پہنچانے اور لوگوں کو دین متین کی طرف بلانے کا عہد لیا تھا (تفسیر النسفی، جلد ۳، صفحہ ۱۳۶۱، طبع قدیمی کراچی) وھکذا فی غیر واحد من کتب التفسیر بالفاظ مختلفہ ایضاً۔

نیز آیت میں مذکور یہ عہد و میثاق، اس دنیا میں ان کی تشریف آوری سے پہلے عہد اَلست کے موقع پر لیا گیا تھا۔ تلمیذ حضرت ابن عباس امام تفسیر مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ھذا فی ظھر آدم علیہ الصلاۃ والسلام ''یعنی یہ عہد اس وقت لیا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے پشت آدم علیہ السلام سے ان کی جملہ اولاد کو نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تھا۔ (قرطبی جزء نمبر ۱۴، صفحہ ۸۵ طبع بیروت، ابن کثیر جلد ۳، صفحہ ۴۸۶، طبع کراچی لفظہ ''وھذا قول مجاھد ایضاً)''

نیز علامہ نبہانی نے شفاء شریف سے بحوالہ علامہ سمرقندی لکھا ہے: ''والمعنی اخذ اللہ علیھم المیثاق اذا اخرجھم من ظھر آدم کالذر'' (ترجمہ حسب بالا)۔ (جواہر البحار، جلد ۱، صفحہ ۱۲، طبع مصر)۔

ابن کثیر نے امام مجاہد کے بارے میں لکھا ہے ''کان آیۃ فی التفسیر ''یعنی وہ تفسیر القرآن میں سب سے نمایاں اور حجت تھے مزید امام سفیان ثوری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ فرماتے تھے ''اذا جاء ك التفسیر عن مجاھد فحسبك بہ ''جب کسی آیت کی تفسیر حضرت مجاہد سے مل جائے تو پھر مزید کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ (ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۴، ۵ طبع قدیمی کراچی)۔

ان دونوں امور (میثاق کی مذکورہ نوعیت نیز اس کے عہد اَلست پر ہونے) کی تائید صحابیٔ جلیل، سید القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے آیت کریمہ واخذ ربك من بنی آدم من ظھورھم الآیۃ کی تفسیر کے ضمن میں عہد اَلست کی تفصیل کے بیان میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر پوری ذریّت آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میں تم پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں (اور ان میں رہنے والی مخلوقات) نیز تمہارے باپ آدم کو گواہ بنا کر تم سے کہتا ہوں (اور یہ بات اس لیئے کہہ رہا ہوں کہ تم روزِ قیامت یہ عذر نہ کر سکو کہ ہمیں اس کی خبر نہ ہوئی تھی) یقین رکھو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں کوئی پروردگار نہیں اور کسی چیز کو میرا شریک مت ٹھہرانا (میرا اور تمہارا یہ عہد ہو گیا): ''سأرسل الیکم رسلی یذکرونکم عھدی ومیثاقی وانزل علیکم کتبی ''میں تمہیں اپنا یہ عہد معاہدہ یاد دلانے کے لیئے تمہارے پاس اپنے پیغمبروں کو بھیجوں گا اور اس کے لیئے ان کے ذریعہ اپنی کتابیں بھی تمہیں دوں گا۔

حضرت ابی نے مزید فرمایا کہ اس موقع پر حضرت آدم علیہ السلام نے بالتفصیل اپنی تمام اولاد کو دیکھا اور ''رأی الانبیاء فیھم مثل السراج علیھم النور خصوا بمیثاق اٰخرفی الرسالۃ والنبوۃ وھوقولہ

تبارك وتعالٰى واذاخذنا من النبين ميثاقهم الخ اس دوران انبیاء کرام علیہم السلام کو ان میں دیکھا جب کہ ان کی ایک امتیازی شان تھی کہ وہ ان روشن چراغوں کی طرح تھے جن سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں' ان سے خصوصیت کے ساتھ نبوت ورسالت کا عہد لیا گیا تھا (بلفظ دیگر انہیں نبوت ورسالت کے عہد سے خاص کیا گیا تھا) اللہ تعالیٰ کے ارشاد واذاخذنا من النبين ميثاقهم الخ میں جس میثاق کا ذکر ہے اس سے مراد بھی (نبوت ورسالت کا) عہد ہے الخ۔

ملاحظہ ہو۔ (مشکوٰۃ عربی' صفحہ ۴۲' بحوالہ احمد طبع کراچی' نیز مستدرک حاکم' جلد ۲' صفحہ ۳۲۳' نیز تفسیر ابن کثیر جلد ۳' صفحہ ۴۸۶ بحوالہ ابوجعفر الرازی' نیز کتاب الروح لابن القیم' صفحہ ۲۴۳ طبع منصورہ مصر' نیز بیان القرآن تھانوی' جلد ۲' جزء ۹' صفحہ ۳۷' بحوالہ مشکوٰۃ طبع کراچی)۔

ابن قیم نے حاکم کے حوالہ سے لکھا ہے "هذا اسناد صحيح" یعنی اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

نیز محشّی نے اسے مستدرک پر محول کر کے لکھا ہے "صححه ووافقه الذهبی" امام حاکم نے اسے صحیح کہا اور علامہ ذہبی نے ان کی تردید کرنے کی بجائے اس میں ان سے موافقت کی ہے۔ (کتاب الروح' صفحہ وطبع مذکور مع حاشیہ نمبر ۱)۔

پھر چونکہ حضرت ابی کا یہ قول امور قیاسیہ سے متعلق نہیں ہے جس میں غیب کی خبریں ہیں اس لیۓ وہ حکماً مرفوع (قول رسول ﷺ) ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی نے اگرچہ اسے رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے بیان نہیں فرمایا "لیکن درحکم مرفوع است چہ امثال ایں اخبار بے سماع از سید ابرار ﷺ ممکن نباشد" لیکن یہ حکماً مرفوع ہے کیونکہ اس جیسے امور کا بیان سید الابرار ﷺ سے سنے بغیر ممکن نہیں (اشعۃ اللمعات جلد ۱' صفحہ ۱۱۲ طبع سکھر) پس آپ کی مذکورہ تفسیر درحقیقت تفسیر نبوی ہے۔

نوٹ نمبر ۱: ابن کثیر نے آیت آل عمران (واذاخذالله ميثاق النبين الآية) اور آیت احزاب (واذاخذنا من النبين ميثاقهم الآية) دونوں کو ایک ہی مضمون کا حامل بتایا ہے ملاحظہ ہو (تفسیر ابن کثیر' جلد ۳' صفحہ ۴۶۹' طبع کراچی) لیکن تحقیق یہ ہے کہ دونوں میثاق الگ الگ ہیں یعنی آیت احزاب میں جس میثاق کا ذکر ہے وہ خود ان انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتوں کے متعلق ہے جب کہ آیت آل عمران مذکورہ' میثاق حضور سید عالم ﷺ کے بارے میں جو ان سے لیا گیا دیگر دلائل کے علاوہ نظم قرآن بھی اسی کی مؤید ہے۔

نوٹ نمبر ۲: نیز پیش نظر روایت ابی ﷺ کے سیاق وسباق نیز آیت عہد الست کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے صرف نبوت ورسالت کا عہد لیا گیا تھا۔ "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے مخاطبین اولاد آدم علیہ السلام کے وہ افراد ہیں جو انبیاء ورسل کرام علیہم السلام کے علاوہ ہیں۔ علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حدیث ابیؓ ﷺ کے الفاظ خُصُّوا بميثاق الخ میں مذکور میثاق کے حوالہ سے انہوں نے لکھا ہے: "وهذا الميثاق الخاص يحتمل ان

یکون بعد العام والاظہران یکون قبلہ فی عالم الارواح تعظیما لھم وتکریما ولذاقال علیہ الصلاۃ والسلام کنت نبیا وآدم بین ال روح والجسد ویدل علیہ قولہ کان ای عیسیٰ فی تلک الارواح فارسلہ الی مریم علیھما السلام'' (مرقاۃ جلد ا صفحہ ۱۹۵)۔

بناءً علیہ اس سلسلہ کی بندہ کی پہلے کی وہ تحریرات جن میں انبیاء ورسل کرام علیہم السلام کا عہد الست میں شامل ہونا مذکور ہے مرجوع عنہا تصور کی جائیں نیز یہ کہ آپ ﷺ کا عہد اَلَسْتُ میں بَلٰی کہنا انہی نفوس بنی آدم علیہ السلام کی رہنمائی کے لیے تھا جو اس کے مخاطبین تھے اقول قولی ھذا واستغفر اللہ العظیم۔

خلاصہ یہ کہ آیت نیز اس کی مذکورہ تفسیر نبوی اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتیں روزِ میثاق بیک نوع خارج میں بھی متحقق ہوگئیں اور ان کے نبی ہونے کا فیصلہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے عالم ذرّ میں عہد الست کے موقع پر تمام ذریت آدم علیہ السلام کو اپنا وہ فیصلہ سنا بھی دیا تھا۔ لہٰذا اس روز سے وہ محض علم الٰہی میں نبی نہ رہے بلکہ اس کا اظہار بھی کر دیا گیا جس کا مزید ظہور دنیا میں تشریف لانے کے بعد ہوا لہٰذا ثابت ہوا کہ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام بھی سب پیدائشی نبی تھے پس ان کے مبعوث ہونے کا معنٰی بھی یہی ہوا کہ انہوں نے حسب حکم خداوندی اس کا اظہار واعلان متعینہ اوقات میں فرمایا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

آیت میثاق (آل عمران) کے حوالے سے دفعیہ وہم:

رہی آیتِ میثاق آلعمران؟ تو اس کا کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا یہ معنٰی ہو کہ دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی حیات دنیویہ میں بعثت سے پہلے نبوت سے خالی تھے جب کہ دیگر دلائل سے ان کا اس مدت میں نبی ہونا ثابت بھی ہے (کما مر انفا و سیئاتی ایضاً)

عبارت شیخ محقق رحمہ اللہ کا صحیح محمل:

رہی حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ عبارت؟ تو اس کا تعلق انبیاء کرام علیہم السلام کے سید عالم ﷺ کے نور مبارک کی زیارت کر کے آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کرنے نیز عالم ذُرّ اور روزِ میثاق سے پہلے کے ادوار سے ہے (زیارت نور والی روایت دلیل نمبر ۲ کے تحت آ رہی ہے) جو خود اس عبارت کے سیاق وسباق سے بھی متعین ہے۔ عبارت ہٰذا کے شروع میں اس طرح ہے: ''نبوت آنحضرت وکمالات وے ﷺ درعالم ارواح ظاہر کردہ بودند وارواح انبیاء ازاں استفادہ کردند چنانکہ فرمود کنت نبیا الحدیث (آگے مولانا کا مستدل بہا حصّہٗ عبارت ہے)۔ خدا کے کرنے سے یہ عبارت خود موصوف نے بھی نقل کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات صفحہ ۲۰۷)۔

دلیل نمبر۲:

حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ آیت سورۂ آل عمران ''واذا اخذ اللہ میثاق النبیین ''الآیۃ کے مفہوم کی تفصیلات کے بیان کے ضمن میں بعض احادیث کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب سید عالم ﷺ کے نور مبارک کی تخلیق ہوئی پھر اس سے انبیاء کرام علیہم السلام کے انوار کا ظہور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور مبارک کو ان انوار کی طرف دیکھنے کا حکم دیا۔ تعمیل ارشاد کی تو وہ انوار ماند پڑ گئے۔ انوار انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا مالک! یہ کون ہے جس کے سامنے ہمارے نور مدہم ہو گئے ہیں؟ فرمایا یہ محمد بن عبداللہ کا نور ہے۔ ﷺ۔ ''اگر ایمان آرید باوے مے گردانم شمارا انبیاء گفتند ایمان آوردیم یارب باوے وبا نبوت وے'' یعنی اگر تم ان پر ایمان لاؤ تو میں تمہیں نبی بناؤں گا سب نے کہا ہم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لائے۔ (مدارج النبوۃ فارسی' جلد۲' صفحہ۳' طبع نوریہ لاہور)۔

شیخ سلاوی نے بھی اس کا اشارہ دیا ہے ملاحظہ ہو (جواہر البحار' جلد۴' صفحہ۴۰۰)۔

شیخ سلاوی موصوف کو مصنف تحقیقات نے تحقیقات (صفحہ ۹۵) میں ''علامہ محقق'' لکھا ہے۔ بناءً علیہ ان کا یہ حوالہ موصوف پر حجت ہے۔

علاوہ ازیں خود موصوف نے بھی روایت ہٰذا کو استناداً پیش کیا ہے جس کے عربی الفاظ اس طرح نقل کیے ہیں ''ان آمنتم بہ جعلتکم انبیاء قالوا آمنا بہ و بنبوتہ'' (ترجمہ وہی ہے جو ابھی گزرا ہے)۔ ملاحظہ ہو (تنویر الابصار' صفحہ۸۲' ۱۰۷' نیز صفحہ۱۰۹' طبع ضیاء القرآن لاہور مطبوعہ ۱۹۸۵ء' بحوالہ مواہب مع الزرقانی جلد اوّل' صفحہ۴۰)۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نور مبارک کی زیارت کے موقع پر انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کا معاملہ ظاہر ہو چکا تھا۔ اور وہ اس وقت محض علم الٰہی کی حد تک نبی نہ تھے (ترتیب کے اعتبار سے یہ دلیل' ایک نمبر پر آتی ہے جسے رتبہ کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر رکھا گیا)۔

دلیل نمبر۳:

اس کی ایک دلیل قبل از اعلان نبوت' انبیاء کرام علیہم السلام سے خوارق کا ظہور بھی ہے جنہیں معجزات قبلیہ و بعدیہ میں فرق کرنے کی غرض سے اصطلاحاً ''ارہاص'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ بہار شریعت (جلد۱' صفحہ۳۸) میں ہے: ''نبی سے جو بات خلاف عادت قبل نبوت ظاہر اس کو ارہاص کہتے ہیں'' (کچھ تفصیل کتاب ہٰذا کے جلد اوّل میں نیز اسی باب میں کچھ پہلے شق صدر مبارک کی ابحاث میں بھی گزر چکی ہے)۔

ارہاص معجزہ کی قسم ہے کہ اس کا قسیم معجزہ ہی ہے جو ان حضرات بابرکات کے نبی ہونے کی دلیل ہے

کیونکہ معجزہ نبی کا ہوتا ہے' غیر نبی کا نہیں۔ دلچسپی رکھنے والے اہل علم وفہم حضرات ان کے حالات مبارکہ کی کتب کا مطالعہ کر کے ان کی فہرست بنا کر اپنا مطالعہ بڑھا سکتے ہیں۔ بعض مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کلیم اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے واقعات ولادت کے موقع پر ظاہر ہونے والے خوارق میں سے بعض کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بعد پیدائش فرعون کے شرّ قتل سے محفوظ رہنا' آپ کا دریا برد کیا جانا' دریا کا انہیں باامن وامان ساحل پر پہنچانا' فرعون کے پاس پہنچنا' اپنی والدہ ماجدہ کو واپس ہونا' فرعون کی زیر نگرانی پرورش پانا' کچھ مدت کے بعد اس کی داڑھی کے بال کھینچنا' پھر آزمائش کے وقت ہیرے کی بجائے انگارے کو منہ میں ڈال لینا وغیرہ۔ ملاحظہ ہو۔ (سورۃ طٰہٰ' والقصص مع تفاسیر)

اسی طرح حضرت کلمۃ اللہ کا بطن مادر میں القاء کیا جانا' آناً فاناً حمل کی تکمیل' والدہ ماجدہ کے لیے چشمہ شیریں اور تازہ کھجور کا انتظام ہو جانا وغیرہ' ملاحظہ ہو۔ (سورۂ مریم وغیرہا)۔

نیز سید عالم ﷺ کا مشہور ارشاد ہے" ورؤ یاامی التی رأت حین وضعتنی "یعنی میں اپنی والدہ ماجدہ کا وہ نور کا نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت کیا تھا جس کی مکمل باحوالہ تفصیل کتاب ہٰذا کے جلد اوّل میں دلیل نمبر ۱۸ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں" وکذلك تریٰ امهات النبین صلوات الله علیهم" وفی روایۃ" وکذلك امهات النبین ترین "یعنی ظہور کی یہ کیفیت ہر نبی کی ولادت کے وقت ہوئی جسے ان کی ماؤں نے سر کی آنکھوں سے ملاحظہ کیا۔ ملاحظہ ہو۔ (مسند احمد جلد چہارم' صفحہ ۱۲۷' ۱۲۸ طبع مکۃ المکرمہ عن العرباض بن سارية رضي الله عنه)۔

دلیل نمبر ۴:

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام قبل از اعلان نبوت بھی وجوباً معصوم ہوتے ہیں جس کی مکمل باحوالہ تفصیل جلد اول میں دلیل نمبر ۱۹۵ کے تحت گزر چکی ہے نیز اسی باب میں بھی اس کی مکمل بحث موجود ہے جب کہ عصمت خاصۂ نبوت ہے۔ یہ بھی قبل بعثت ان کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

دلیل نمبر ۵:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کے حضور آ کر کہا کہ ہم نے آپ سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کرنا ہے اگر آپ ان کی تفصیل بتا دیں تو ہمیں پتہ چل جائے گا کہ آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں اور ہم آپ کو مان بھی لیں گے۔ آپ نے ان سے اس کا حلف لے کر فرمایا" هاتوا "لاؤ

اپنے سوالات۔ تو انہوں نے کہا ''اخبرنا عن علامة النبی ''ہمیں یہ بتائیں کہ نبی کی کیا نشانی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا ''تنام عیناہ و لا ینام قلبه ''نبی کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ اس کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل نہیں سوتا الخ (مسند احمد، جلد ۱، صفحہ ۲۷۴، طبع مکۃ المکرمہ)۔

صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۰۴، طبع کراچی) میں حضرت انس ﷺ سے روایت ہے: ''والنبی ﷺ نائمة عیناہ و لاینام قلبه و کذلك الانبیاء تنام اعینهم و لا ینام قلوبهم ''حضور نبی کریم ﷺ اور دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ شان تھی کہ ان کی آنکھیں سوتی تھیں، مگر ان کے دل نہیں سوتے تھے۔

مصنف تحقیقات نے بھی یہ روایت استناداً لی ہے۔ ملاحظہ ہو (تنویر الابصار، صفحہ ۱۷۰)۔ اور تحقیقات میں نہایت درجہ غیر مبہم انداز سے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیئے اس شان کا ہونا ضروری ہے۔ نیز یہ کہ یہ شان ان میں پیدائشی طور پر ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳)۔

پس جب خاصۂ نبوت ان میں پیدائشی طور پر پایا جاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام پیدائشی نبی تھے (وہو المقصود)۔ مزید تفصیل جلد اول باب نمبر ۷، نیز پیش نظر باب میں مستقل عنوان میں دیکھی جاسکتی ہے۔

دلیل نمبر ۶:

کسی بھی نبی پر وحی جلی کی صورت میں جب وحی اتری تو انہیں کیسے پتہ چلا کہ وحی لانے والا فرشتہ ہے، جن نہیں؟ اس کا سب سے تسلی بخش جواب وہ ہے جو بعض اجلّہ نے دیا کہ نبی کی ذات میں ایک ایسی قوت ہوتی ہے جس سے وہ بڑی آسانی سے اس کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ پس اس قوۃ کا پایا جانا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے کیونکہ وہ قوت نبی کا خاصہ ہوتی ہے غیر نبی میں نہیں ہوتی۔

دلیل نمبر ۷:

علامہ احمد سلجماسی مالکی اپنے شیخ و مرشد غوث وقت حضرت سید عبدالعزیز دباغ (رحمۃ اللہ علیہ و علیہ) کے حوالہ سے پھر علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''نورالنبوۃ مباین لنورالولایة (الی) ان نورالنبوۃ الی ذاتی حقیقی مخلوق مع الذات فی اصل نشأتهاولذا کان النبی معصوما وفی کل احواله و نورالولایة بخلاف ذلك (الی) ولذا کان الولی غیر معصوم قبل الفتح و بعده' (ملخصاً بلفظہ)۔ یعنی نبوت کا نور اور ولایت کا نور ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ نبوت کا نور اصلی، ذاتی اور حقیقی ہوتا ہے جو نبی کی ذات کی جسمانی تخلیق کے ساتھ ہی اس میں جاری ساری کر کے اور رچا

بسا کر پیدا کیا جاتا ہے اسی لیئے نبی ہر حال میں معصوم ہوتا ہے جب کہ ولایت کا نور اس کے برعکس ہوتا ہے لہٰذا ولی فتوح سے پہلے اور بعد بھی غیر معصوم ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو (الابریز من کلام سیدی عبدالعزیز 'صفحہ ۲۱۷' طبع دار الکتب العلمیہ' بیروت' نیز جواھر البحار' جلد ۲' صفحہ ۲۶۳' طبع مصر)۔

نور نبوت کے ذات نبی کی اصل نشأت یعنی شروع تخلیق ہی سے اس میں رکھے جانے نیز نبی کے ہر حال میں یعنی قبل اعلان اور بعد اعلان نبوت کے زمانوں میں معصوم ہونے وغیرہ کی تصریحات اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پیدائشی نبی تھے اور حضرت غوث دباغ' علامہ سلجماسی اور علامہ نبہانی رحمہم اللہ کا اس بارے میں یہی عقیدہ اور یہی نظریہ تھا۔

دلیل نمبر ۸:

علامہ ابن رجب حنبلی کی ایک مفصل عبارت تنبیہات جلد اول باب پنجم میں ہم پیش کر آئے ہیں جس کا اردو خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ پیدائشی نبی ہیں جس کی ایک دلیل عالم ذُرّ میں آپ سے لیا گیا میثاقِ نبوت بھی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ دنیا میں آپ کی شان کا ظہور بعد میں ہوا جو قبل ظہور آپ کے نبی ہونے کے منافی نہیں جیسے کسی کو افسر پہلے سے بنا دیا جاتا ہے اس کا وضوح اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ کرسی اقتدار پر بیٹھ کر اپنے اختیارات کا استعمال شروع کرتا ہے۔ (لطائف المعارف' صفحہ ۹۸۸' طبع بیروت)۔

اقول: اس دلیل سے دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کے پیدائشی نبی ہونے کا بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ عالم ذر میں ان سے بھی میثاقِ نبوت لیا گیا تھا جس کی تفصیل آغاز بحث میں ابھی گزری ہے۔

نوٹ: سید عالم ﷺ یوم میثاق سے بھی پہلے بالفعل نبی تھے جو آپ کا خصوصی امتیاز ہے اس کی مکمل باحوالہ تفصیل کے لیے جلد اول کا مطالعہ کیا جائے۔ نیز یومِ میثاق میں بھی آپ سے ممتاز طریقہ سے عہد لیا گیا اس کی بھی تفصیل جلد اول میں کر دی گئی ہے۔

دلیل نمبر ۹:

معاصر حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ' معروف سنی حنفی ماتریدی متکلم امام ابو الشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ (جن سے مصنف تحقیقات نے بھی استناد کیا اور ان کی کتاب کو مضبوط فی العلم مانا' مکمل تعارف جلد اول میں پیش کیا جا چکا ہے' آپ) فرماتے ہیں: ''لان النبوۃ امر ثابت قبل الوحی من الانبیاء (علیہم السلام) یعنی وحی جلی کے نزول سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا نبی ہونا ایک حقیقت واقعیہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تمہید ابی الشکور السالمی' صفحہ ۱۷۶' طبع حزب الاحناف' لاہور)۔

فرماتے ہیں: ''لان النبی کان نبیا قبل البلوغ وقبل الوحی کما انه نبی بعدالوحی وبعد البلوغ والدلیل علیه قوله تعالٰی فی قصة عیسٰی علیہ السلام وکان فی المهد (الٰی) وجعلنی نبیا'' یعنی نبی بالغ ہونے کی عمر نیز وحی جلی کے آنے سے پہلے بھی ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے بالغ ہو جانے اور وحی جلی کے نازل ہونے کے بعد نبی ہوتا ہے جس کی دلیل حضرت عیسٰی علیہ السلام کے واقعہ کے بیان میں اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد بھی ہے کہ انہوں نے گہوارے میں شیرخوارگی کی بالکل بچپن کی عمر میں اللہ کے حکم سے کہا تھا ''وجعلنی نبیا'' یعنی اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ (تمہید صفحہ ۴۰)۔

نیز فرماتے ہیں کہ بعض معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی قبل نزول وحی نبی بھی ہوتا ہے معصوم بھی ہوتا ہے جب کہ بعض معتزلی یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ قبل نزول وحی جلی نہ نبی ہوتا ہے نہ معصوم ہوتا ہے۔ متقشفۂ کرامیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ''النبی قبل الوحی لا یکون نبیا ولکن یکون معصوم لانه یکون ولیا'' یعنی نبی وحی جلی سے پہلے نبی نہیں ہوتا لیکن وہ معصوم ہوتا ہے کیونکہ وہ ولی ہوتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں: ''وقال اهل السنة ان الانبیاء صلوات اللہ علیهم قبل الوحی کانوا انبیاء معصومین واجب العصمة والرسول قبل الوحی کان رسولا نبیا مأمونا وکذلك بعدالوفاة والدلیل علیه قوله سبحنه وتعالٰی خبرا عن عیسٰی بن مریم صلوات اللہ علیه تصدیقا له حیث کان فی المهد صبیا قال انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا (الٰی) وهذا نص من غیر تأویل ولا تعریض ومن انکر ذلك فانه یصیرا کافرا'' الخ۔ یعنی اس بارے میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جملہ انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم وحی جلی کے اترنے سے پہلے بھی واجب العصمۃ ہونے کے معنٰی میں معصوم اور نبی تھے اور ان میں جو رسول ہیں وہ نزول وحی جلی سے قبل معصوم بھی تھے، نبی اور رسول بھی۔ (اسی طرح یہ بھی ان کا عقیدہ ہے کہ نبی اور رسول حیات ظاہرہ میں نبی و رسول ہوتے ہیں ایسے ہی وفات کے بعد بھی وہ نبی اور رسول ہوتے ہیں) جس کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالٰی کا وہ ارشاد ہے جس میں اس نے حضرت عیسٰی علیہ السلام گہوارے کی بچپن والی عمر میں کلام کرنے کے واقعہ کو تصدیقی اور توثیقی انداز میں بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے کہا تھا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

یہ قرآن کا ایسا واضح دوٹوک ارشاد ہے جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے جو اس کا انکار کرے گا تو وہ کافر قرار پائے گا۔ (تمہید صفحہ ۶۷)۔

یہ عبارات اپنے منطوق میں صریح ہیں کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے اور حسب تصریح امام سالمی اہل

سنت وجماعت کا یہی عقیدہ ہے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے نبی کو نبی نہ ماننا صرف ولی ماننا متقشفۂ کرامیہ کا مذہب ہے جو بالاتفاق گمراہ ہیں۔ مصنف تحقیقات توجہ کریں کہ مسئلہ ہٰذا میں کس کے پیچھے چل پڑے ہیں۔ بہرحال وہ مانیں نہ مانیں امام سالمی نے یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ قبل از اعلانِ نبوّت نبی کو نبی نہ ماننا صرف ولی قرار دینا گمراہوں کا عقیدہ ہے' اہل سنت وجماعت کا مسلک نہیں بلکہ انہوں نے اسی کو قرآن کا فیصلہ قرار دے کر اس کے منکر کے لیے ''فانہ یصیر کافراً'' کا حکم شرعی بھی عائد فرمادیا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ موصوف بھی علامہ سالمی کی ثقاہت' علوّ رتبہ اور پیشوائی کو تسلیم کر چکے ہیں۔

ع　　آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

دلیل نمبر ۱۰:

معترض فریق نے ''تحقیقات'' میں حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی استناد کیا ہے (اگرچہ ان کا انہیں مسئلہ ہٰذا میں اپنا ہمنوا سمجھنا ان کی غلط فہمی یا غلط بیانی ہے) پس ان کی بھی سن لیں وہ کیا فرماتے ہیں ''ولایت' نبوت کا سایہ ہے' کبھی اس کا ظہور شروع سے ہوتا ہے' کبھی عرصہ بعد۔ جیسے بعض انبیاء کرام کی نبوت کا ظہور چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا اور بعض کا پیدائش ہی سے جیسے حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام''۔ (تفسیر نعیمی' پارہ ۳' صفحہ ۴۸۲)۔

یہ عبارت بھی اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے کیونکہ حضرت مفتی صاحب اس بات کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ بعض اولیاء مادرزاد ولی ہوتے ہیں' بعض کچھ عرصہ اور بعد طویل عرصہ کے بعد مرتبہ ولایت پر پہنچتے ہیں' ایسا کیوں ہے؟ تو فرمایا کہ ولی کی ولایت' نبوت نبی کا عکس ہوتی ہے اور ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتوں کے لئے بار بار ظہور بھی مختلف صورتوں سے ہے اس لئے یہ فرق ان کے عکوس میں بھی رہ گیا۔ پھر نبوت کے لئے بار بار (شروع میں' عرصہ بعد اور چالیس سال کی عمر شریف میں) ظہور ظہور بول کر اس کو مزید مؤید فرمادیا کہ نبی' بعثت سے پہلے کے زمانے میں بھی نبی ہوتا ہے پس کسی بھی نبی کے پیدائشی نبی ہونے میں کچھ شبہ نہ رہا۔

دلیل نمبر ۱۱:

معترض فریق نے اپنی اس کتاب میں امام اہل سنت حضرت غزالیٔ زماں علیہ الرحمۃ والرضوان سے بھی استناداً حوالہ جات پیش کیے ہیں بناءً علیہ آپ کے ارشادات بھی ان پر حجت ہیں۔ مسئلہ ہٰذا میں آپ کا ارشاد بھی سن لیں۔ آپ فرماتے ہیں: ''نبوت ایسی صفت نہیں کہ کسی نبی میں کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ نبی ہر وقت نبی ہوتا ہے

اورنورِنبوّت اس سے کسی حال میں سلب نہیں کیا جاتا''۔ملاحظہ ہو۔(رسالت عصمت انبیاء علیہم السلام مشمولہ مقالات کاظمی، جلد سوم، صفحہ ۵۶، طبع مکتبہ فریدیہ ساہیوال، مطبوعہ ۱۹۸۷ء)۔

دلیل نمبر ۱۲-۱۳:

مصنف تحقیقات کے تلمیذ صاحبِ تصانیف کثیرہ علامہ قاضی عبدالرزاق صاحب بھترالوی چشتی گولڑوی مدظلّہ نے حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کو نبوت یا کتاب عطاء تو اسی وقت فرمادیں جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے البتہ لوگوں کو تبلیغ کرنے اوا علان کا حکم بعد میں دیا گیا'' (اس کے بعد متصلاً لکھا ہے کہ) ''تمام انبیاء کرام کی صورت حال یہی ہے'' (تذکرۃ الانبیاء، صفحہ ۱۵۰، طبع پنڈی)۔

نیز موصوف کے ایک اور تلمیذ معروف اہل قلم علامہ مفتی محمد خاں قادری دام ظلّہ' لکھتے ہیں: ''نبی ہر حال میں نبی ہوتا ہے خواہ وہ ماں کے شکم میں ہو''۔(شرح سلام رضا، صفحہ ۳۹۲، طبع لاہور)۔

دلیل نمبر ۱۴:

دیوبندی مکتب فکر کے مشہور پیشوا مولوی انور کاش میری صاحب نے لکھا ہے: ''نبو اتھم ایضاً متقدمة علی الوجود العنصری لکن نبوة خاتم الانبیاء اقدم ''یعنی دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں بھی وجود عنصری سے پہلے کی ہیں لیکن خاتم الانبیاء کی نبوت بہت پہلے کی ہے۔

ملاحظہ ہو۔(مشکلات القرآن، صفحہ ۴۷، طبع ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان، مطبوعہ ۱۴۱۴ھ)۔

نوٹ: کاشمیری صاحب موصوف کا مکتب دیوبند میں جو مقام ہے محتاجِ بیان نہیں۔بجنوری صاحب اور بنوری صاحب کی تصدیق وتوثیق جو شروع کتاب ہٰذا میں موجود ہے، سے اس کے ماننے والوں کے لیے اس کے معتمد ہونے میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا دیوبندی مکتب فکر پر یہ کتاب حجت قاطعہ ہے ہی۔

اقول: مصنف تحقیقات سے اس حوالہ سے اتنا کہنا ہے کہ جب نہ ماننے میں علامت سمجھے جانے والے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اس شان نبوت کا اقرار کررہے ہیں تو جو شخص محبوبان خدا کی شان کے ماننے منوانے میں علامت سمجھا جاتا تھا اب ماننا اس کے لیۓ تکلیف دہ امر کیوں بن گیا؟

نبوّۃ سیدنا عیسٰی وسیّدنا یحیٰی علیہما السلام سے استدلال پر اعتراضات کے جوابات

ہمارے موقف کا خلاصہ:

ہمارے اس سلسلہ کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ ''حضور سیّد عالم ﷺ اصل کائنات ہیں۔ ہر قسم کی تمام نعمتیں جو ملیں، ملتی ہیں ملیں گی ان میں واسطہ آپ کی ذات پاک ہے۔ نیز وجود فرع، وجود اصل کی دلیل ہوتا ہے ورنہ اصل وفرع کا اختلاف لازم آئے گا۔ بناءً علیہ آپ ﷺ اولیٰ بالکمالات اور ہر کمال کی جامع ذات ہیں جو کمالات فرداً فرداً افراد کائنات میں تھے، ہیں، ہوں گے کسی نہ کسی طرح وہ سب آپ کی ذات بابرکات میں پائے جاتے ہیں۔ مزید ایسے کمالات بھی ہیں جو آپ ہی کی ذات پاک کا خاصّہ ہیں۔ اور یہ امور قرآن وسنت کی نصوص اور ائمہ شان کی تصریحات اور خود مصنف تحقیقات کے اعترافات سے ثابت ہیں۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو منصب نبوّت بالکل بچپن کی عمر میں عطا فرمایا گیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ کمال آپ ﷺ کی ذات پاک میں بھی آپ کی اس عمر میں پایا جاتا ہو پس حضور کے لیئے اسے مستبعد سمجھنا قطعاً غلط ہے۔

اور یہ دلیل مسئلہ ہٰذا کے تائیدی دلائل سے ہے اس کی اصل دلیل سید عالم ﷺ کا صحیح ثابت شدہ ارشاد کنت نبیا الخ ہے جس سے مقصود معترض فریق کے طرز پر منکرین نبوۃ مصطفیٰ ﷺ کو دعوت فکر دینا ہے۔ چنانچہ مسئلہ علم غیب نبی ﷺ کے حوالہ سے مصنف تحقیقات کے بیٹے نے دیوبندیوں کے متعلق تنقیدی جائزہ میں لکھا ہے: اگر کوئی عیسائی دیوبندیوں سے کہے کہ ہمارے نبی کی شان تمہارا قرآن بیان کر رہا ہے کہ وہ گھروں میں چھپی ہوئی چیزوں کی خبر دیتے تھے جب کہ تم جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہو انہیں تو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں ہے۔ للہذا ہمارا مذہب قبول کرلو تو کیا جواب دو گے؟ شرم کرو توبہ کرو عیسائیت کی راہ ہموار نہ کرو''۔

ہم بھی یہی کچھ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی عیسائی تم سے کہے کہ ہمارے نبی کی شان نبوۃ ''وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا'' تمہارا قرآن بیان کر رہا ہے کہ انہوں نے گہوارے میں اپنے نبی ہونے کی خبر دی جب کہ تم جس نبی کا کلمہ

پڑھتے ہو وہ تو اپنی ولادت سے چالیس سال کی عمر تک نبوت سے خالی تھے۔ لہٰذا ہمارا مذہب قبول کرلو تو کیا جواب دو گے؟ (اگلے الفاظ چاہو تو خود ہی دہرالو) جب کہ دیوبندیوں نے مسئلہ علم غیب میں صرف وسعت علمی کے ایک کمال کا انکار کیا اور تم سیدھا سرچشمۂ کمالات (نبوت) پر ہاتھ صاف کر کے تمام کمالات کے ماننے سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اور یہ امر بھی سلف سے صریحاً ثابت ہے۔ چنانچہ علامہ سید محمد الوسی بغدادی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں فرمایا: ''واذا کان بعض اخوانه من الانبیاء علیهم السلام قداوتی الحکم صبیا ابن سنتین او ثلث فهو علیه الصلاة والسلام اولیٰ بان یوحیٰ الیه ذلك النوع من الایحاء صبیا ایضا ومن علم مقامه صلی الله علیه وسلم وصدق بانه الحبیب الذی کان نبیا وآدم بین الماء والطین لم یستبعد ذلك''۔

نیز علامہ علی القاری رحمہ اللہ کی یہ عبارت ابھی گزری ہے کہ: ان اعطاء النبوة فی سن الاربعین غالب العادة الالٰهیة وعیسٰی ویحییٰ علیهما السلام خصا بهذه المرتبة الجلیلة کما ان نبینا صلی الله علیه وسلم خص بما ورد عنه من قوله کنت نبیاوان آدم لمنجدل بین الماء والطین۔

اس سب کی مکمل باحوالہ تفصیلات کے لیۓ ملاحظہ ہو (دعوت رجوع صفحہ ۲۹، ۳۲، نیز تنبیہات جلد ۱، باب ہفتم، دلیل نمبر ۲۰۲، ۲۰۳)

اس پر بھی جانب مخالف سے اعتراضات کیے گئے ہیں پس پڑھیۓ ان کے جوابات:

نبوت سیّدنا یحییٰ علیہ السلام کے حوالہ پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبر ۱:

''اس کے بارے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ امام سیوطی نے درمنثور میں اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں نبی پاک ﷺ کا فرمان اور حضرت ابن عباس کا ارشاد نقل فرمایا کہ یہاں حکم سے مراد اعلیٰ درجہ کی فہم وفراست ہے کیونکہ جب بچوں نے انہیں کہا کہ آ ؤمل کر کھیلیں تو انہوں نے کہا ہم کھیلنے کے لیۓ پیدا نہیں کیۓ گئے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۶۰)۔

الجواب: ○ درمنثور میں ''حکم سے مراد اعلیٰ درجہ کی فہم وفراست'' والی بات بحوالہ ابن ابی حاتم نہ تو نبی کریم ﷺ کے قول مبارک سے مذکور ہے اور نہ ہی حضرت ابن عباس کے ارشاد کے طور پر۔ البتہ بروایت

ابن عباس آپ ﷺ سے بحوالہ ابونعیم وابن مردویہ ودیلمی مرقوم ہے۔

اسی طرح ''آؤمل کر کھیلیں'' والی روایت بھی ابن ابی حاتم کے حوالہ سے اس میں نہیں ہے بلکہ تاریخ حاکم کے حوالہ سے لکھی ہے۔

ہاں حکم سے مراد ''فہم'' بحوالہ ابن حاتم امام مجاہد کے قول سے اور ''کھیلیں'' والی روایت معمر بن راشد کے قول سے درمنثور میں موجود ہے ع ناطقہ سربہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

○ معترض نے اس سے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اس آیت میں ''الحکم'' سے سے مراد ''النبوۃ'' ہونے کا کوئی قول نہیں اور کم ازکم یہ کہ ایسا قول ہے بھی سہی تو غلط ہے جو اس کی بددیانتی اور دھوکہ دہی یا قلت علمی ہے کیونکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ الحکم سے النبوۃ کی تفسیر بھی منقول ہے، محققین علماء تفسیر نے الفہم والی روایت کو فنی اعتبار سے مرجوح اور النبوۃ والی تفسیر کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے۔ نیز یہ کہ جمہور مفسرین اسی کے قائل ہیں کہ یہاں الحکم سے مراد ہے نبوّت اور خصوصیت کے ساتھ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ نظم قرآنی نیز آیت کا سیاق وسباق بھی اسی کا مؤید ہیں۔ بعض حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

چنانچہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ: ''قال ابن عباس رضی اللہ عنهما النبوة (صبيا) وهو ابن ثلث سنين'' یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں الحکم سے مراد نبوت ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ وہ اس وقت صبی تھے۔ اس کے متعلق منقول ہے کہ ان کی عمر تین برس تھی۔ ملاحظہ ہو (معالم التنزیل، جلد۳، صفحہ ۱۹۰، طبع ملتان)۔ نیز تفسیر الماتریدی، حاشیہ نمبر۵، بحوالہ تفسیر البغوی، جلد۳، صفحہ ۱۹۰)۔

نیز علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قال ابن عباس رضی اللہ عنهما الحكم النبوة''

(روح البیان، جلد۵، صفحہ ۳۱۹، طبع کوئٹہ)۔

آگے لکھا ہے: ''استنباه الله تعالى وهو ابن ثلث سنين او سبع وانما سميت النبوة حكما لان الله تعالى احكم عقله فى صباه واوحى اليه'' والی یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان کی تین سال یا بروایت سات سال کی عمر میں مبعوث فرمایا اور یہاں نبوت کو ''حکم'' کا نام محض اس لیے دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بچپن کی عمر میں ان کی عقل کو محکم فرمایا یعنی حالت شباب والی کیفیت عقلیہ کو ان کی چھوٹی عمر میں ظاہر فرما دیا اور انہیں وحی فرمائی (جلد وصفحہ مذکورہ)۔ علامہ بیضاوی نے فرمایا ''قيل النبوة'' (تفسیر بیضاوی، جلد۲، جزء۴، صفحہ۷، طبع بیروت) اس کے تحت علامہ خفاجی نے لکھا: هو مروى عن ابن عباس رضى الله عنهما۔ (حاشیہ الشهاب علی البیضاوی، جلد۶، صفحہ ۲۵۶ طبع بیروت)۔

نیز علامہ خازن رقم طراز ہیں: قال ابن عباس یعنی النبوۃ (تفسیر خازن، جلد ۳، صفحہ ۲۳۰، طبع مردان)۔

نیز حضرت صدر الافاضل ارقام فرماتے ہیں۔ نیز حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے۔ (خزائن العرفان، صفحہ ۴۵۷، حاشیہ نمبر ۱۷، طبع حامد کمپنی)۔

امام ابوالسعود حنفی علیہ الرحمۃ نے ارقام فرمایا: ''قال ابن عباس رضی للّٰہ عنہما الحکم النبوۃ'' (تفسیر جلالین، صفحہ ۲۵۴، حاشیہ ۲۸، بحوالہ تفسیر ابی السعود، طبع کراچی)۔

نیز امام اہل سنّت ابومنصور ماتریدی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''قال بعضهم الحکم النبوۃ حال صباہ ''یعنی الحکم کی تفسیر میں علماء کے ایک طبقہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی بچپن کی عمر میں عطا فرمائی۔ ملاحظہ ہو۔ (تأویلات اہل السنۃ، جلد ۷، صفحہ ۲۲۳، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت، حاشیہ میں ہے کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباس سے منقول ہے)۔

امام ابومنصور اس تفسیر کی توثیق فرماتے ہوئے تھوڑا سا آگے لکھتے ہیں ''وفی قولہ ''یایحییٰ خذ الکتاب بقوۃ ''دلالۃ انہ کان نبیا حیث کان اخبر انہ اتاہ الکتاب ''یعنی آیت کریمہ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ (یحییٰ! میری کتاب کو بہت مضبوطی سے لو) کے الفاظ اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بچپن میں مبعوث ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس نے ان کو کتاب عطا فرمائی تھی۔ (تأویلات جلد ۷، صفحہ ۲۲۴، طبع مذکور)۔

نیز علامہ علی القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ لکھ کر ''نبأہ طفلاً'' (اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بچپن میں مبعوث فرمایا) لکھتے ہیں: ''وقضیۃ یحیی علیہ السلام صریحۃ ایضاً فی هذا المعنیٰ'' یعنی اس حوالہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی واضح ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ان کی بچپن کی عمر میں مبعوث فرمایا) ملاحظہ ہو (شرح الشفاء للقاری، بر ہامش خفاجی، جلد ۱، صفحہ ۴۸۵، فصل الخصال الکمتسبۃ، طبع ملتان)۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبوت کی شرائط میں سے ایک مرد ہونا ہے۔ نیز عقل، فہم و فراست اور قوۃ رائے میں کامل ہونا بھی اس کے شرائط سے ہے ''ولو فی الصبا کعیسیٰ ویحییٰ علیہما السلام ''اگر چہ یہ شرط بچپن کی عمر میں بھی ہوں جس کی مثال حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام ہیں (شرح المقاصد، جلد ۳، صفحہ ۳۱۷، طبع مطبع اشاعت اسلام پشاور)۔

نیز تفسیر روح المعانی تحت حتیٰ اذا بلغ اشدہ)

حضرت حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ نے ''وآتیناہ الحکم صبیاً'' کے تحت لکھا

ہے: ''معلوم ہوا کہ یحییٰ علیہ السلام ان رسولوں میں سے ہیں جنہیں بچپن ہی سے نبوت ملی''۔ (نور العرفان' صفحہ ۴۸۷' طبع نوری لاہور)۔

نیز علامہ سیّد محمود الوسی بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وقیل النبوۃ وعلیہ کثیر قول ''یعنی ایک قول میں الحکم سے مراد نبوت ہے زیادہ علماء اسی کے قائل ہیں (روح المعانی' جلد ۹' صفحہ ۲۷' طبع ملتان)۔

علامہ ابوحیان نے لکھا ہے: ''الحکم النبوۃ '' (النہر الماد علی ہامش البحر المحیط' جلد ۶' صفحہ ۱۷۱ طبع بیروت' کلاھما لہ) نیز تفسیر الجلالین میں آیت ہٰذا کے تحت مرقوم ہے ''الحکم النبوۃ ''۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ایک قول پر الحکم سے مراد حکمت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عقل ہے'' والثالث انہ النبوۃ فان اللہ تعالیٰ احکم عقلہ فی صباہ واوحی الیہ و ذلک لان اللہ تعالیٰ بعث یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام وھما صبیان ''۔ تیسرا قول یہ ہے کہ الحکم سے مراد نبوت ہے جب کہ نبوۃ کو حکم سے تعبیر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کی بچپن کی عمر ہی میں ان کی عقل کے جوبن کو ظاہر فرمادیا تھا اور انہیں وحی فرمائی تھی اور یہ معنٰی اس بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان کے بچپن کی عمر میں مبعوث فرمایا تھا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔

اس سے آگے لکھتے ہیں کہ'' والاقرب حملہ علی النبوۃ ''یعنی نبوت والا معنٰی ہی دلائل وحقائق اور سیاق وسباق کے ساتھ جوڑ کھاتا ہے (اس کے بعد آپ نے اس کے دلائل پیش فرمائے ہیں)۔ ملاحظہ ہو۔ (تفسیر کبیر' جزء ۲۱' صفحہ ۱۹۱' طبع مصر وایران)۔

آخر میں ملاحظہ فرمایئے خصوصیت کے ساتھ دور حاضر میں مہر تصدیق کے طور پر'' لا عطر بعد العروس '' کی شان والے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد ملت امام احمد رضا خان اور ان کے اجل الخلفاء صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہما کا دوٹوک فیصلہ:

اعلیٰ حضرت کنز الایمان شریف میں اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی''۔

اس کے تحت حاشیہ نمبر ۱۷ میں حضرت صدر الافاضل ارقام فرماتے ہیں: ''جب کہ آپ کی عمر شریف تین سال تھی (الیٰ) ''حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے''۔ (مزید اس پر دلائل قائم فرمانے کے بعد لکھا ہے)'' لہٰذا اس آیت میں حکم نبوت مراد ہے۔ یہی قول صحیح ہے''۔ (خزائن العرفان' صفحہ نمبر ۴۵۶' طبع چاند کمپنی لاہور)۔

الغرض معترض نے جس قول کو نظر انداز کرتے ہوئے گوشۂ خفا میں ڈالنے کی کوشش کی ہے عند المحققین

وہی صحیح ثابت اور اکثریت کا عندیّہ ہے جس سے اس کی کمال دیانت داری یا کمال علمیت کا پتہ چلتا ہے۔

○ اس سے قطع نظر الفھم والحکمة اورالنبوة کی تفسیروں میں کوئی تنافی بھی نہیں ہے کیونکہ ''نبوت کے لیۓ کمال عقل لازم ہے نیز تین سال کی چھوٹی عمر میں کمال عقل کا ظہور معجزہ ہے اور معجزہ نبی کا ہوتا ہے غیر نبی کا نہیں۔ لہٰذا الحکم سے الفہم کے مراد لینے پر اصرار کا بھی معترض کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ علامہ نیشاپوری اس کے متعلق مختلف اقوال کو لانے کے بعد لکھتے ہیں: ''وکل ھذہ الاوصاف علی الاقوال من الخوارق کما فی حق عیسٰی علیہ السلام فلا استبعاد من حیث العاد'' (تفسیر نیشاپوری برہامش طبری' جلد ۸' صفحہ ۳۴' طبع بیروت)۔

معترض پھر بھی نہ مانے تو اپنی پیش کردہ مرفوع روایت کی مکمل سند پیش کرے۔

نیز ''حضرت ابن عباس کا ارشاد'' کہہ کر در منثور کے حوالہ سے جو روایت ان سے منسوب کی ہے' پیش کرے۔ بر سبیل تنزل کتب شان میں سے کسی سے بھی ثابت کر کے دکھادے۔ الفہم کی تفسیر کا مقصور فی ہٰذا المعنٰی ہونے کا اثبات ابھی ان کے ذمہ باقی ہے ورنہ ''القرآن ذو وجوہ و حجة من جمیع الوجوہ'' کے اصول و فلسفہ کا کوئی مصرف نہیں رہے گا اور دنیا کی بے شمار مقبول و معتمد کتب تفسیر بے کار اور مفسرین' قرآن وسنت کے باغی شمار ہوں گے (والعیاذ باللہ العظیم)۔

اب پڑھیۓ اعتراض نمبر۲ اور اس کا جواب۔

اعتراض نمبر۲:

'اگر مان بھی لیا جاۓ کہ حکم سے مراد نبوت ہے تو سیّدنا موسٰی اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی بچپن سے ہی نبی ماننا پڑے گا کیونکہ وہ دونوں حضرات حضرت یحیٰی علیہ السلام سے بالاتفاق افضل ہیں'' (تحقیقات' صفحہ ۲۶۰)۔

الجواب: صد افسوس کہ جو امر عند المحققین واقع میں صحیح راجح اور جمہور کا موقف ہے وہ ''اگر'' (بالفرض) کی مد میں آ گیا ہے تو　ع　جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے۔

پس یہ اعتراض واقعی نمبر۲ ہے۔

رہا افضلیت کی بنیاد پر نبی ماننا؟ تو سید عالم ﷺ کی نبوت کے لیۓ استدلال کی بنیاد افضلیت محضہ پر نہیں بلکہ افضلیت من حیث الاصلیة پر ہے کہ آپ ﷺ اصل جملہ کمالات ہیں اس لیۓ دیگر انبیاء علیہم السلام کا اس پر قیاس' قیاس مع الفارق ہے پس اعتراض غلط ہے۔

رہا یہ کہ ''ماننا پڑے گا؟'' تو یہ انتہائی صدمہ کی بات ہے جو لوگ کچھ مدت پہلے' محبوبانِ خدا کی شان کو ماننے کے حوالے سے علامت شمار ہوتے تھے۔ آج ان کے لیۓ ''ماننا'' موت کی کیفیت کے طاری ہو جانے

کے برابر ہو گیا ہے۔

رہا یہ کہ ''سیدنا موسیٰ اور سیدنا ابراہیم علیہم السلام'' کو بھی بچپن سے ہی نبی ماننا پڑے گا؟''

تو انہیں کس نے کہہ دیا ہے کہ ہم اس کے قائل نہیں ہیں بفضلہ تعالیٰ ہمارا اس پر بھی ایمان ہے اور ہمارے حسب مطالعہ قرآن وسنت نیز دیگر دلائل وحقائق کی رو سے صحیح بھی یہی ہے کہ اپنے اپنے حسب درجہ ہر نبی پیدائشی نبی ہے جن کی نبوتوں کا ظہور حسب حکمت خداوندی مختلف اوقات میں خدا کے حکم سے ہوا۔ جس کی تفصیل ابھی النبین کی بحث میں گزر چکی ہے وقد اشرنا الیه فی المجلد الاول من هذا الکتاب ایضاً۔

اعتراض نمبر۳:

''حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن سے نبوت ملنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی پیدائش بطور خرق عادت ہوئی نبوت بھی ان کو بطور خرق عادت جلدی مل گئی''۔ (تحقیقات صفحہ ۲۶۰)۔

الجواب: محض اسی بنیاد پر نبوت کا ملنا دعویٰ ہے معترض نے جس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی پس یہ لَا یُسْمَعُ کے درجہ میں ہے۔ پھر چونکہ مسئلہ کا تعلق امر غیب سے ہے اس لیۓ اس کی وضاحت کے لیۓ بھی اسی معیار کی دلیل کام دے گی (اعنی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث)۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش بطور خرق عادت ہونے جیسے تمام کمالات محبوبان خدا پر ہمارا دل وجان سے ایمان ہے لیکن کیا امام الانبیاء ﷺ کی ولادت باسعادت خوارق سے خالی ہے اور اس کی معاذ اللہ کچھ اہمیت نہیں جب کہ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ سراپا معجزہ اور قدرت خداوندی کا شاہکار اعظم ہیں۔

کچھ تفصیلات جلد اوّل کے باب ہفتم میں آ چکی ہیں ادھر ملاحظہ کر کے انصاف کیجیۓ اور سنیۓ خالق کائنات کا یہ ارشاد یاایها الناس قد جاء کم برهان من ربکم الآیة لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سب سے محکم اور سب سے اعلیٰ دلیل آ گئی ہے۔

اس کا مصداق بالاتفاق سید عالم ﷺ کی ذات بابرکات ہے (لاحظ الکبیر وغیره من کتب التفسیر والحمد لله العلی الکبیر)۔

اعتراض نمبر۴:

''نیز یہ جزوی فضیلت ہے لہٰذا اگر یحییٰ علیہ السلام بچپن سے ہی نبی ہوں تو ان کا سرکار علیہ السلام سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونا ثابت نہیں''۔ (تحقیقات صفحہ ۲۶۰)۔

الجواب: اس اعتراض کی بنیاد بھی اس مفروضے پر ہے کہ سیّد عالم ﷺ چالیس سال سے قبل معاذ اللہ نبی نہیں تھے جس کا غلط ہونا ہم نے دلائل وحقائق سے ثابت کر دیا ہے۔

پس جب اعتراض ہی بے بنیاد ہے تو اس کے سہارے قائم کی گئی ''جزوی فضیلت'' کی عمارت بھی خود بخود منہدم اور زمین بوس ہوگئی۔

بالفاظ دیگر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بعثت ان کی پیدائش کے بعد ہوئی۔ سیّد عالم ﷺ کی بعثت خود تم نے عالم ارواح سے مان لی ہوئی ہے جس کے بعد آپ ﷺ کی نبوت کا انقطاع یا سلب اور معطل ہو جانا بھی آپ لوگ ثابت نہیں کر سکے تو ''جزوی فضیلت'' کے قول کی کچھ گنجائش ہی نہ رہی البتہ حضرت کلیم وحضرت خلیل علیہما السلام کے حوالہ سے اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ مگر اس سے سیّد عالم ﷺ کی نبوت کے مسئلہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا (وھو المقصود) والحمد للہ الغفور الودود۔

اعتراض نمبر۵:

''دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کو بچپن میں ہی نبوت عطا کی جائے کیونکہ آپ یحییٰ علیہ السلام سے افضل ہیں لیکن ہمارے معترضین عالم ارواح میں ملنے والی نبوت کا دوام تسلیم کرتے ہیں اور انقطاع ماننے کو کفر تسلیم کرتے ہیں اور یہاں پر خود اس نبوت کا انقطاع اور نئی نبوت کا حصول ثابت کرنے کے درپے ہیں اور آپ اپنے فتوے کی زد میں ہیں''۔ (تحقیقات، صفحہ ۳۶۰)۔

الجواب: آپ لوگوں کی زبان زیادہ تر چالیس سال سے قبل اور ولادت باسعادت کے بعد کے استعمال میں چلتی ہے ہم نے بھی اسی کا ردّ کرنے کی غرض سے اسی مفہوم کو استعمال کیا ہے۔ بالفاظ دیگر مخصم کی زبان میں جواب دیا ہے۔

مرزائی ختم نبوّت پر اعتراض کرتا ہے جس کا جواب مسئلۂ ختم نبوت پر مرکوز رکھ کر دیا جاتا ہے اس کا یہ مطلب کہاں ہے کہ حضور کے اوصاف میں اور کوئی وصف ہی نہیں ہے۔

تنویر الابصار آپ لوگوں نے مسئلۂ نورانیت کی وضاحت میں مرتب کی تھی تو کیا مطلب مختار کل وغیرہ کے قائل نہیں ہو۔ علیٰ ہذا القیاس ام المؤمنین کی پاک دامنی کے علم کے اثبات میں صرف اسی پر گفتگو ہوتی ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کو بس صرف اسی کا علم ہے۔

الغرض یہ قید احترازی نہیں اور نہ ہی ایک کا ذکر غیر مذکور کی نفی کو مستلزم ہے اور نہ ہی ہم نے کہیں انقطاع کی صحت کا قول کیا جس کا خود معترض بھی اس عبارت میں اقرار کر رہا ہے۔ لہٰذا یہ معترض کا خیالی پلاؤ ہے اور اس

امر کی بیّن دلیل کہ اس کے پاس ہم پر الزام رکھنے کے لیئے اسی کی بنی بنائی ہوائی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

پھر شان نبوت کے حامیوں کو معترض کہنا بھی مضحکہ خیز بات ہے کیونکہ عرف میں معترض نہ ماننے والا ہوتا ہے ماننے والا غلام معترض نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں موصوف کے بزرگوار نے اقرار کیا ہے کہ حضرت شیخ محقق اور علامہ شیخ سلیمان الجمل وغیرہا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کی عالم ارواح والی نبوت کے دائم' باقی اور مستمر ہونے کے قائل ہیں۔ (تحقیقات' صفحہ ۹۳'۲۰۷)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حضرات بھی اس ''معترض فریق'' سے ہیں۔ لہٰذا ان کا ان اکابر سے تعلق نہ رہا۔

نیز قائلین کو یہ طعنہ دے کر کہ وہ ''انقطاع ماننے کو کفر تسلیم کرتے ہیں'' موصوف نے یہ اشارہ دے دیا ہے کہ وہ اس نبوت کے سلب کے قائل ہیں جب کہ سلب نبوت کا قول کفر ہے جس کے قائل کے لیئے حضرت شاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے ''یصیر کافراً'' کے لفظ لکھے ہیں۔

خود موصوف کے بزرگوار نے بھی تحقیقات (صفحہ ۱۹۸) میں تسلیم کیا ہے کہ سلب نبوت جائز نہیں اس کی مکمل تفصیل تنبیہات میں گزر چکی ہے۔ پس اپنے فتوے کے زد میں وہ خود (باپ بیٹا) ہیں ہم نہیں ہیں۔

ع جلا کر راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

اعتراض نمبر ۱:

''اگر یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت ملی ہے تو سرکار علیہ السلام کو سب سے پہلے عالم ارواح میں نبوت ملی ہے جیسے کہ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حدیث پاک ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے نبوت کا آغاز بھی مجھ سے کیا اور نبوت کا اختتام بھی میرے اوپر کیا۔ تو کیا ان کے نزدیک اس روحانی نبوت سے آپ کو انبیاء علیہم السلام پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہوئی؟ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۰'۲۶۱)۔

الجواب: جب آپ نے مان لیا ہے اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک کے حوالہ سے کہ نبوت کا آغاز آپ سے ہوا۔ پھر اس کے بعد انقطاع وغیرہ کا ثبوت دیئے بغیر اس کے انقطاع وسلب کا قول بھی کرتے ہو تو آپ کے بقلم خود اپنے فتوے کے زد میں ہونے میں کچھ شبہ نہ رہا۔

آپ ہم سے پوچھتے ہیں کہ فضیلت اور برتری کو ثابت مانا کہ نہیں۔ اس بھلے مانس کو کون سمجھائے کہ جب سارا جھگڑا ہی اسی کا ہے کہ وہ اس فضیلت اور برتری کے انکار کے درپئے اور بفضلہٖ تعالیٰ ہم اس کے پرچار میں لگے ہوئے ہیں تو یہ سوال ہمارا بنتا ہے یا ان کا؟

موصوف کی یہاں مثال اس وکیل کی ہے جو نشے میں دھت ہوکر مقدمہ لڑنے کٹہرے میں جا کھڑا ہوا اور خاص کیفیت کے باعث اپنے مخالف کے خلاف دلائل قائم کرنے کی بجائے اپنے ہی مؤکل کے خلاف تابڑ توڑ دلائل پیش کیئے پتہ اس وقت چلا جب اس کا مؤکل، مجرم بن چکا تھا اور جج اس پر دفعہ لگا چکا تھا۔

موصوف سے تو انصاف کی توقع نہیں ہے اس کے مؤکل ہی فیصلہ کرلیں کہ ان کے بلا اجرت وکیل نے انہیں بری طرح پھنسوا دیا ہے یا نہیں؟ اور اس کی تقریر خود اس کے خلاف ہے یا ہمارے؟

ع آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

نبوۃ سیّدنا عیسٰی علیہ السلام کے حوالہ پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبرا (عیسٰی علیہ السلام نصف بشری اور نصف روحانی تھے):

مصنف تحقیقات نے اس سلسلے کا پہلا اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے: ''امام کبیر عارف شہیر قطب وقت ابوالعباس تیجانی فرماتے ہیں: ''لم یکن بشر یا محضا انما کان نصیفن نصف بشری و نصف روحانی اذانشأ من نفخة الروح الامین فی امر فقوی فیه ضعف البشریة وزاد بذلك قوة علی النبین فلذلك بعث قبل الاربعین للقوة التی اعطیها من نفخ الروح الامین فی امه۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام محض بشر نہ تھے وہ نصف نصف تھے۔ آدھے بشر تھے اور آدھے روحانی تھے کیونکہ وہ حضرت جبریل امین علیہ السلام کے پھونک سے پیدا ہوئے تھے تو ان میں بشریت والا نصف قوت میں بدل گیا اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر قوت برداشت میں زائد ہو گئے تو والدہ ماجدہ میں روح الامین کے نفخ کی وجہ سے حاصل ہونے والی قوت کی وجہ سے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ان کو مبعوث فرما دیا گیا جو حضرات بطور اولویت کے نبی مکرم ﷺ کے لیئے بھی آغاز ولادت سے نبوت ثابت کرتے ہیں' انہیں عارف تیجانی کے اس ارشاد پر بھی ذرا غور کرنا چاہیئے کہ وہاں باپ کے مادہ کی آمیزش نہیں ہے بلکہ نفخ جبریل کی آمیزش ہے اور وہ آدھے ملک ہیں ۔لہٰذا ان پر دوسرے انبیاء علیہم السلام کا قیاس' قیاس مع الفارق کے قبیل سے ہے ورنہ حضرت موسٰی علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی بچپن سے ہی نبی تسلیم کریں کیونکہ وہ بھی بالاتفاق حضرت عیسٰی سے افضل ہیں۔ اگر وہاں قیاس نہیں ہوسکتا تو پھر یہاں بھی اس کو جاری نہیں کیا جاسکتا۔ یہی ہمارے مجمع البحرین اسلاف کا نظریہ ہے ہم تو انہی کے متبع ہیں نہ کہ اپنی طرف سے عقائد و نظریات کا اختراع کرنے والے ہیں۔ (ملخصاً بلفظہ) (تحقیقات' صفحہ ۱۰۰' ۱۰۱' ۱۰۳)۔

الجواب: موصوف کا مسئلہ ہٰذا سے متعلق اپنے موقف میں متبع اسلاف ہونے اور مخترع نہ ہونے کا دعویٰ قطعاً خلاف واقعہ ہے۔ اسلاف (بصیغہ جمع) کہا ہے۔ قول صرف ایک شخص حضرت شیخ تیجانی کا پیش کیا ہے

اور وہ بھی غیر موافق کیونکہ شیخ ممدوح کئی طرح سے قبل بعثت آپ ﷺ کے نبی ہونے کے قائل ہیں جیسے آپ ﷺ کی اصالت کل (عبارت عنقریب آ رہی ہے)۔

نیز چالیس سال سے قبل کے عرصہ میں وہ نبوت کے آپ علیہ السلام کی ذات اقدس میں استتار کے قائل ہیں جس کا خود موصوف کو بھی اعتراف ہے ان کے لفظ ہیں: ''ضرب الحجاب'' (الی) ''رفع الحجاب'' (تحقیقات صفحہ ۹۹، بحوالہ شیخ تیجانی)۔

علاوہ ازیں شیخ تیجانی کی پیش کردہ عبارت اس بارے میں صریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد ولادت نہ صرف یہ کہ اللہ کے نبی تھے بلکہ آپ کی بعثت بھی اسی بچپن کی عمر میں ہوئی جب کہ موصوف اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ اس کا رد بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں: ''ان کا بھی بچپن میں بالفعل نبی ہونا اجماعی اور متفق علیہ امر نہیں ہے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۰۵)۔

نیز لکھا ہے: ''قابل اعتماد اور لائق اعتبار یہی امر ہے کہ آپ کو چالیس کی عمر میں نبی بنایا گیا'' (کچھ آگے اس کے متعلق لکھا ہے): ''راجح اور مختار اور معتبر و معتمد علیہ'' (صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶)۔ نیز ۲۵۱ نحوہ، من ابن المؤلف۔

بناءً علیہ موصوف کس طرح کہہ رہے ہیں کہ وہ قطب تیجانی جیسے مجمع البحرین اسلاف کے متبع ہیں، مخترع نہیں ہیں ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے؟

رہا شیخ تیجانی کے حوالہ سے یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ نصف بشری اور نفخ جبرئیل علیہ السلام کے باعث نصف روحانی تھے اس لیئے ان میں ابتداء ہی سے قوت برداشت پائی گئی اور بچپن میں ان کی بعثت ہوگئی جب کہ سیّد عالم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام میں ان کے بقول شروع سے یہ شان نہ تھی اس لیئے جب وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے اور ان کے قویٰ مضبوط ہو گئے تو ان کی بعثتیں ہوئیں؟

تو عرض ہے کہ: یہ ان کی ذاتی رائے ہے جس پر قرآن و حدیث سے ثبوت پیش نہیں کیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ ان کی جلد بعثت کی وجہ یہ تھی کہ وہ نصف بشری تھے جب مسئلہ بھی غیب کا ہے اس لیئے ہم اس کے مکلّف کیونکر ہو سکتے ہیں؟

○ نیز نصف بشری نصف روحانی کا نتیجہ بچپن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہے جسے مولانا، مانتے نہیں ہیں تو ان کے نزدیک سرے سے یہ عبارت ہی غیر معتبر ٹھہری پس جسے وہ خود نہیں مانتے ہم پر وہ اسے کس طرح ٹھونستے ہیں؟

○ اس سے قطع نظر قول مذکور محل نظر بھی ہے کیونکہ جس امر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بچپن میں بعثت کے

لیئے بنیاد قرار دیا گیا ہے وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام میں موجود نہیں پھر بھی ان کی بعثت بچپن میں ہوئی جس کی مکمل تفصیل مستقل عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔

○ علاوہ ازیں چالیس سال کی عمر میں قویٰ کے مضبوط ہو جانے کو بعثت ہونے کی بنیاد بتانا بھی محل نظر ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچے جس میں جسمانی نقاہت آ جاتی ہے اس زمانہ میں ان پر وحی کا سلسلہ بند کر دیا گیا جس کا کوئی قائل نہیں بلکہ یہ از حد غلط اور خلاف حقائق بھی ہے تمام انبیاء علیہم السلام پر وحی کا سلسلہ ان کی سن رسیدگی کی عمر میں بھی برابر سے جاری رہا۔ حضرت سیّدنا نوح، سیّدنا خلیل اور سیّدنا زکریا علیہم السلام پر ان کی مبارک عمروں کے آخری حصوں میں وحی کے آنے کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ خود سیّد عالم ﷺ کی سن رسیدگی میں ظاہری جسمانی نقاہت کا ذکر صحیحین وغیرہما میں مذکور ہے جس کے نتیجہ میں آپ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ مبارک رکھ کر چلنے کا شرف بخشا نیز نماز بھی بیٹھ کر ادا فرمائی۔ وتروں کے بعد کے نوافل کو بیٹھ کر پڑھنے کی توجیہ بھی علماء احناف نے یہی فرمائی کہ یہ سن رسیدگی کے باعث تھا۔ نیز گھوڑے سے نیچے تشریف لاتے ہوئے زخمی ہو جانے پر آپ نے جو بیٹھ کر نماز پڑھائی، وہ بھی اسی مد میں آتی ہے۔ ﷺ۔ لیکن اس سب کے باوجود آپ ﷺ پر سلسلۂ وحی کے روک دیئے جانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

الغرض قول مذکور میں جس امر کو عدم بعثت کی بنیاد بتایا گیا ہے، حقائق کے خلاف ہے۔

○ **اسی طرح باپ کے مادہ کی آمیزش** سے خصوصیت کے ساتھ حضور سیّد عالم ﷺ کے متعلق یہ مطلب نکالنا کہ اس سے آپ ﷺ کی بشریت میں معاذ اللہ کثافت پیدا ہوگئی یا بالفاظ دیگر اسے آپ کی بشریت میں کثافت کے پیدا ہو جانے کی دلیل بتانا بھی مصنف تحقیقات کی ذاتی ایجاد ہے اور وہ اس کا ''اپنی طرف سے اختراع کرنے والے ہیں''۔ سیّد عالم ﷺ قطعاً اس سے پاک ہیں کیونکہ:

○ ہر آدمی کی بشریت کے لیئے بچہ دانی میں ماں باپ کے مادہ میں خاک کی آمیزش کی جاتی ہے۔ آیت کریمہ ''منہا خلقنا کم وفیہا نعید کم الخ'' کی تفسیر میں حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یونہی منقول ہے۔ ملاحظہ ہو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مجموعہ فتاویٰ فتاویٰ افریقہ، صفحہ ۱۰۰، طبع مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، بحوالہ نوادر الاصول للامام الحکیم الترمذی ولفظہ: ''ویأخذ التراب الذی یدفن فی بقعتہ و تعجن بہ نطفتہ'' ''فرشتہ وہاں کی مٹی لیتا ہے جہاں اسے دفن ہونا ہے اسے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے'')۔

بناءً علیہ کثافت اگر آ سکتی ہے تو اسی خاک ہی کے حوالہ سے آ سکتی ہے جب کہ آپ ﷺ کے حق میں ان خاکی اجزاء کے حوالہ سے بھی کثافت کسی طرح متصور نہیں ہو سکتی اور حضور اقدس ﷺ اس حوالہ سے بھی بوجوہ

ممتاز شان رکھتے ہیں۔

نمبرا' یہ کہ آپ کی بشریت مقدسہ کے لیئے خاکی اجزاء کو ماں باپ کے مادوں کی آمیزش کے وقت نہیں لیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان اجزاء مبارکہ کو تمام عناصر کلیہ جامعہ سے پہلے خلق فرمایا

پھر نمبر۲' ان اجزاء کو آبِ تسنیم سے گوندھ کر انہیں انہار جنت میں غوطہ زن کر کے نہایت درجہ صاف شفاف کیا گیا

پھر نمبر۳' انہیں آپ کے نورمبارک (جو بمعنی حقیقی اوّل الخلق ہے) مخلوط کر کے پشت آدم علیہ السلام میں رکھا گیا

پھر نمبر۴' انہی کو والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے مادّوں میں گوندھ کر صورۃ مقدسہ بشریّہ عطاء فرمائی گئی بناء بریں آپ کی بشریت مقدسہ میں کسی قسم کی کثافت کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا موصوف کا یہ کثافت والا قول بے بنیاد بھی ہے خلاف حقائق اور خلاف دلائل بھی دعوت رجوع نیز تنبیہات جلد اول میں حضرت غزالیٔ زماں کی کتاب التبیان سے بحوالہ ثعلبی نیز امام ابن الجوزی کی کتاب الوفاء سے اس سلسلہ کے کچھ حوالہ جات گزر چکے ہیں۔ مزید سنئے:

- چنانچہ امام علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ الشیخ علی ددہ البوسنوی (متوفّٰی ۱۰۰۷ھ) کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: "اول ماخلق اللہ تعالٰی من العناصر الکلیۃ الجامعۃ کماقال ابن وھب رحمہ اللہ تعالٰی جوھرۃ مضیئۃ وھی طینۃ خاتم الانبیاء الخ" یعنی امام ابن وہب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حسب ارشاد اللہ تعالیٰ نے عناصر کلیہ جامعہ میں سے سب سے پہلے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ حضور خاتم الانبیاء ﷺ کے اجزاء بشریّہ کی خاک پاک ہے جو (آبِ تسنیم سے گوندھے جانے اور انہارِ جنت میں غوطہ زن کیے جانے کے بعد) نہایت درجہ صاف شفاف اور روشن ہیرے کی مانند تھی۔

ملاحظہ ہو۔ (جواہر البحار' جلد۴' صفحہ۱۶۸'۱۶۹)۔

- نیز حضرت الشیخ محمد المغربی (متوفّٰی ۱۲۴۰ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس طینہ مبارکہ کو پیدا فرمانے کے بعد "عجنھا بماء التسنیم ثم غمسھا فی انھار الجنۃ حتی صارت کالدرۃ البیضاء" الخ (جواہر' جلد۳' صفحہ۳۲۲)۔

- نیز امام ہمام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے رقم طراز ہیں: حتّٰی صارت کالدرۃ البیضاء الخ (جواہر' جلد۳' صفحہ۲۳۱) (دونوں کا ترجمہ حسب بالا ہے)۔

• نیز امام ذیشان علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور سیّد عالم ﷺ کے نور مبارک کو پیدا فرمایا'' وذلك النور كان مادة روحه وجسده ﷺ '' وہی نور آپ ﷺ کے روح مبارک اور جسد کریم کے لیے بھی اصل اور بنیادی جزء ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (جواہر البحار' جلد۳' صفحہ ۳۰۵)۔

• امام السید احمد عابدین (متوفّی ۱۳۲۰ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ جس طرح روحی اور نوری حیثیت سے تمام انبیاء علیہم السلام سے اول ہیں اسی طرح جسمانی اعتبار سے بھی ان سے پہلے ہیں: ''لان مادة جسده ﷺ خلقت قبل سائر المواد لحديث كعب الاحبار '' کیونکہ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کی اس سلسلہ کی صریح روایت کے مطابق آپ ﷺ کے جسد اطہر کا مادّہ بھی دیگر تمام مادّوں سے پہلے تخلیق فرمایا گیا (جواہر' جلد۳' صفحہ ۳۵۷)۔

• اسی لیئے بعض اجلّہ نے تصریح فرمائی کہ ''انه ﷺ متقدم روحاً وجسداً (ملخّصاً) (جواہر البحار' جلد۳' صفحہ ۳۵۷ جلاء القلوب' صفحہ ۳۸۴)۔

• خود مصنف تحقیقات نے علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا اور اس کا اردو ترجمہ بھی کردیا ہے کہ ''ان الله خلق نوره ﷺ وعنصره الذى عجن بالتسنيم وهو الطف شئ فاودعه فى صلب آدم واهبطه فيه '' اللہ تعالیٰ نے آپ کے نورانور کو پیدا فرمایا اور اس عنصر جسدانی کو جو ماء تسنیم کے ساتھ گوندھا گیا اور انتہائی لطیف جوہر بن گیا تو اس کو آدم علیہ السلام کی پشت میں رکھا۔ ملاحظہ ہو (تنویر الابصار' صفحہ ۸۸ٔ۸)۔

خلاصہ یہ کہ باپ کے مادہ کی آمیزش کی بناء پر آپ ﷺ کی بشریت مبارکہ کے متعلق کثافت کا قول' متعدد ائمہ شان اور خود معترض موصوف کی تصریحات کی رو سے بھی نہایت درجہ غلط اور ازحد باطل ہے۔

• علاوہ ازیں سیّد عالم ﷺ کی بشریّت مقدسہ کے ہر قسم کی کثافت سے پاک ہونے کی ایک عمدہ دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کی بشریت بھی ایسی منور تھی کہ آپ کے جسم مبارک کا تاریک سایہ نہ تھا جب کہ اس کی بھی کوئی صحیح صریح دلیل نہیں کہ آپ کو یہ شان اعلان نبوت کے بعد حاصل ہوئی ہو۔ لہٰذا یہی کہنا پڑے گا کہ ذات پاک میں یہ شان شروع سے پائی جاتی تھی اس پر قرآن وسنت کے دلائل اور اقوال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ بیسیوں اکابر وائمہ شان کی بے شمار تصریحات موجود ہیں۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرّہ کے رسائل مبارکہ صلاۃ الصفاء' القمر التمام اور ہدی الحیران نیز حضرت غزالیٔ زماں نور اللہ

مرقدہ کی کتاب لاجواب ظل النبی ﷺ اور حضرت شیخ القرآن علامہ فیضی برداللہ مضجعہ کی معرکۃ الآراء کتاب مقام رسول ﷺ۔ بلکہ خود موصوف کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تنویر الابصار وغیرہ)۔

اب بطور نمونہ یہ بھی پڑھ لیں کہ کئی اکابر نے آپ ﷺ کی اس شان (عدم سایہ) کو آپ کی بشریت مقدسہ سے ہر قسم کی کثافت سے پاک ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

• چنانچہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ، امام اہل سنت ابن حجر مکی قدس سرّہ کی کتاب افضل القری کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: ''قد خلصه الله من سائر الكثافات الجسمانية وصيره نورا صرفا لا يظهر له ظل اصلاً ''یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام جسمانی کثافتوں سے پاک اور ایسا نور خالص پیدا فرمایا کہ آپ کے جسم مبارک سے کبھی کسی صورت میں تاریک سایہ نمودار نہ ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ (صلاۃ الصفاء، صفحہ ۵، طبع کراچی) مشمولہ مجموعہ رسائل نور و عدم سایہ)۔

• نیز مکتوبات امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''سایہ ہر شخص از شخص لطیف تر است چوں لطیف ترے از روئے ﷺ در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت دارد''۔ نیز ''ہرگاہ محمد رسول اللہ ﷺ را از لطافت، ظل نبود خدائے محمد را چگونہ ظل باشد''۔

دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ امر حقائق سے ہے کہ ہر سایہ دار چیز کا سایہ خود چیز سے الطف (زیادہ لطیف) ہوتا ہے چونکہ پوری کائنات میں آپ ﷺ سے بڑھ کر لطیف چیز کوئی نہیں ہے اس لیئے آپ کا تاریک سایہ ہونا متصور نہیں ہوسکتا۔ پھر جب لطافت کی بنیاد پر حضور محمد ﷺ کا تاریک سایہ نہ تھا تو آپ کے رب کا ایسا سایہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (نفی الفیئ، صفحہ ۱۳، طبع تحقیقات امام احمد رضا کراچی، مشمولہ مجموعہ مذکورہ)۔

• عدم سایہ کی بحث میں خود اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ آپ ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسم انسانی رکھتے ہیں مگر ارواح وملٰئکہ سے ہزار جگہ الطف'' (نفی الفیئ صفحہ ۱۸، طبع مذکور)۔

عبارت ہٰذا اپنے اس مفہوم میں صریح ہے کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک خود ملٰئکہ کرام کے اجسام لطیفہ سے بھی ہزار گنا زیادہ لطیف ہے جن میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی شامل ہیں تو ان کے نفخ کو حوالہ بنا کر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے جسم مبارک کو آپ ﷺ کے جسم مبارک سے زیادہ لطیف قرار دینا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔

• مزید سنئے اعلیٰ حضرت کثافت کے قول پر خصوصیت کے ساتھ اظہار غضب فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ تو بالیقین معلوم کہ سایہ جسم کثیف کا پڑتا ہے نہ جسم لطیف کا۔ اب مخالف سے پوچھنا چاہئے تیرا ایمان

گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جسم اقدس لطیف نہ تھا؟ عیاذاً باللہ کثیف تھا؟" نفی الفی، صفحہ ۱۸)۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس صراحت سے معلوم ہوا کہ بشریت مقدسہ کے متعلق کثافت کا قول ایمان کے تقاضوں کے خلاف اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں سوءِادبی ہے ورنہ اس کے لیے "تیرا ایمان گواہی دیتا ہے" اور "عیاذاً باللہ" جیسے تنبیہی الفاظ تنبیہی کے استعمال کا کیا مطلب؟ فاتح قادیانیت حضرت گولڑوی رحمہ اللہ اس حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: "معراج شریف کی نسبت قادیانی صاحب کا لکھنا کہ "اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں گئے تھے" سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ گو کہ جسم شریف کی کثافت بہ نسبت روح مطہر ہی کے خیال کی جائے (الیٰ) آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کا سایہ زمین پر کبھی دیکھا نہیں گیا اس لیئے کہ وہ روح کی طرح لطیف تھا (الیٰ) کسی نوع کی بے ادبی کا مرتکب بجناب نبوی بلکہ کل انبیاء علیہم السلام کی نسبت خواہ مسلمان بھی کیوں نہ ہو واجب القتل ہے"۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا "مخالف" اسی کو کہا جائے گا جو حضور کی کسی شان سے انکاری ہو نہ کہ آپ کی شان کو ماننے اور تحفظ فراہم کرنے والا (ﷺ) پس موصوف کا ہمیں بار بار "ہمارے مخالفین" کے لفظوں سے یاد کرنا محض بے جا ہے جس پر یہی کہا جائے گا کہ ع جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

وبطریق آخر: حدیث شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ وہ روز میثاق اجسام (ذُرّ) کی بجائے "فی تلك الارواح" "روحوں کے زمرے میں رہے جسے بالآخر حضرت مریم علیہا السلام کی طرف القاء فرمایا گیا۔ (مشکوٰۃ عربی، صفحہ ۲۴، طبع کراچی، مرقاۃ جلد ا، صفحہ ۱۹۵ طبع ملتان شرح شفاء جلد)۔

جب کہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ سیّد عالم ﷺ کا جسم مبارک ارواح سے بھی ہزار درجہ الطف ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی بشریت مقدسہ اس طور پر بھی خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ لطیف ہے وھو المقصود۔

امام الصوفیاء شیخ عبدالکریم جیلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی اس مقام سے مناسبت رکھتا ہے کہ آپ ﷺ کی بشریت مقدسہ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی بشریتوں کی بہ نسبت زیادہ منور تھی (جواہر البحار، جلد ا، صفحہ ۲۵۰)۔

وبطریق آخر: اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نفخ جبریل علیہ السلام کی بنیاد پر اس قدر شان لطافت اور شروع ہی سے قوۃ واستعداد مل گئی (جس سے ہمیں قطعاً انکار نہیں ہے) تو جو محبوب نور من نور اللہ ہو یعنی جس کے نور کو اللہ تعالیٰ نے کسی بھی فرد مخلوق کی وساطت کے بغیر براہِ راست پیدا فرمایا ہو اور نورٌ علیٰ نور ہو بلکہ نور گر بھی ہو ان کی بشریت قطعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت مقدسہ سے کتنی الطف، اصلح اور اقویٰ ہوگی، پیدا کرنے والا ہی

جانتا ہے۔ یہ ہے بطریق اولیٰ اور دلالۃ النص سے ثبوت کی کچھ تفصیل۔

امام اہل سنت نے اسی کو یوں بیان فرمایا ؎

انبیاء اجزاء ہیں تو بالکل ہے جملہ نور کا
اس علاقے سے ہے ان پر نام سچا نور کا

(حدائق، صفحہ ۴/۲)

اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں اولویت سے مراد ایسی اولویت ہے جو آپ ﷺ کے اصل کل کمالات، ہونے کی بنیاد ہے۔ اس طرح سے یہ استدلال بالکل وقیع ووجیہ ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفخ جبریل علیہ السلام کے اثر سے معرض وجود میں آئے، نفخ جبریل علیہ السلام سے صادر ہوا اور حضرت جبریل علیہ السلام گروہ ملٰئکہ سے (اور سیّد الملٰئکہ) ہیں۔ جب کہ ملٰئکہ، حضور اقدس ﷺ کے نور مبارک کے جلوے ہیں جیسا کہ حدیث جابر میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مکمل باحوالہ تفصیل جلد اوّل میں گزر چکی ہے جس کا خود موصوف کو بھی اقرار ہے۔ ملاحظہ ہو موصوف کی کتاب (تنویر الابصار، صفحہ ۱۶)۔

نیز حضرت تیجانی علیہ الرحمۃ نے بھی آپ کی اس شان (اصالت کل) کو دوٹوک الفاظ میں مکمل تفصیل سے بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ جملہ عوالم کی تمام نعمتوں کے حصول کا بنیادی واسطہ آپ ہیں جس کو جو ملا، مل رہا ہے، ملے گا سب آپ کے توسط سے ہے جو یہ نہ مانے وہ جاہل ہے اس سے توبہ نہ کرے تو دنیاو آخرت میں خائب وخاسر ہے۔ (جواہر جلد ۳، صفحہ ۵۶)۔

بناءً علیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے نور مبارک کی بالواسطہ فرع ہوئے جب کہ فرع میں کسی وصف کا وجود اس کی اصل میں اس کے پائے جانے کی دلیل ہوتا ہے نیز فرع اپنے وجود میں اپنے اصل کی محتاج ہوتی ہے اور محتاج، شان میں محتاج الیہ سے کم ہوتا ہے۔ لہٰذا نفخ جبریل علیہ السلام کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سیّد عالم ﷺ سے زیادہ استعداد والا بتانا قطعاً باطل ہوا۔

وجہ اخریٰ: یہ امر دلائل وبراہین کی رو سے اٹل ہے کہ سیّد عالم ﷺ کی ذات بابرکات تین اجزء مبارکہ پر مشتمل ہے [۱] یعنی بشریت مقدس بواسطہ والدین [۲] روح مبارک اور اصل [۳] کل نور مبارک (یعنی [۱] بشریت [۲] روحانیت اور [۳] نورانیت یا [۱] بشریت [۲] ملکیت اور [۳] محمدیّت وحقیقت)

جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات پاک ان اجزاء پر مشتمل ہے۔ [۱] بشریت بواسط حضرت مریم، [۲] روح مبارک اور [۳] نفخ جبریل علیہ السلام۔

اس تفصیل سے ہمارے حضور ہر حوالہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کامل واکمل ہیں۔ چنانچہ وہ جس نور (نفخ جبریل علیہ السلام) کا اثر ہیں وہ آپ ﷺ کے نور کا نتیجہ اور جلوہ ہے (کما هو مذكور في حديث جابر رضی اللہ عنہ)۔ ان کی روح مبارک کی تخلیق بعد میں ہوئی جب کہ آپ ﷺ کی روح مبارک بھی ارواح سے پہلے اور عالم ارواح میں عیسیٰ علیہ السلام سمیت تمام ارواح انبیاء وملٰئکہ کرام علیہم السلام کی مربیّ تھی اس حوالہ سے ان کی روح مبارک آپ ﷺ کی روح پاک کی شاگرد، مستفیض ومستفید اور محتاج ہوئی اور آپ ﷺ کی روح مبارک ان کی روح پاک کی استاذ، مفیض ومفید اور محتاج الیہ ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت مبارکہ بواسطہ والدہ ماجدہ اور آپ ﷺ کی بشریت مقدسہ والدین ماجدین دونوں کے توسط سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ پس آپ بشریت میں بھی ان سے کامل اوراکمل ہوئے۔

جب کہ بشریت میں کامل واکمل ہونا انوار وتجلیات الٰہیہ کا زیادہ مخزن ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ ملٰئکہ کرام سے اللہ تعالیٰ نے جب تخلیق آدم علیہ السلام کا پروگرام ظاہر فرمایا اور ملٰئکہ کرام نے جواب میں عرض کیا کہ ہمارے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت تو نہیں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''انی اعلم ما لا تعلمون'' بلاشبہ اس میں پوشیدہ حکمت کو جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

حسبِ تصریح محققین اس کا مفاد یہ ہے کہ تم ارواح مجردہ ہو جن میں میرے انوار جمع اور مستور ہونے کی بجائے گزر جاتے ہیں یعنی جیسے شیشہ دونوں طرف سے صاف ہو تو روشنی اس سے آر پار ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کے ایک طرف کیمیکل لگا ہو تو سامنے آنے والی ہر چیز اس میں دکھائی دیتی ہے (واللہ اعلم)۔

پس اس طرح سے بھی سید عالم ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہ نسبت زیادہ مہبط انوار ہیں۔ لہٰذا اس تفصیل کی رو سے بھی بطریق اولیٰ والا استدلال بالکل درست اور بجا ہے اور اسے غلط قرار دینا بذات خود غلط ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے: ''ولم یعلموا ان الترکیب یفید ماتقصر عنه الآحاد (الی) والیه اشار تعالی اجمالاً بقوله قال انی اعلم مالاتعلمون یعنی ملٰئکہ کرام نے یہ جواب اس امر کی طرف توجہ کیئے بغیر دیا کہ کئی اجزاء سے بنائی گئی (مرکب) چیز ایک ایک جزء سے بنی ہوئی (مجرد ومفرد) چیزوں سے زیادہ مفید ہوتی ہے ''انی اعلم مالاتعلمون'' فرما کر اللہ تعالیٰ نے اسی کی جانب اشارہ دیا ہے۔ (بیضاوی مع حاشیہ الشہاب، جلد۲، صفحہ۱۸۷، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

○ ہمارے اس بیان سے موصوف کے قیاس مع الفارق کے اعتراض سے بھی جواب ہو گیا کیونکہ اسے مع

الفارق کہنا غلط ہے (لما مرّ)۔

نیز فلسفۂ نصف نصف بچپن ہی میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بعثت ہونے پر متفرع ہے جب کہ موصوف اس کے قائل نہیں ہیں۔ پس جب مقیس علیہ ہی سرے سے ان کے طور پر باقی نہ رہا تو انہوں نے خود ہی اس بحث کا خاتمہ کر دیا۔

○ اسی طرح حضرت خلیل وکلیم علیہما السلام کے حوالہ سے کیئے گئے اعتراض کا جواب بھی آ گیا کیونکہ

اولاً: حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ان کی افضلیت واولویت سید عالم علیہ السلام کی طرح بر بناء اصلیت کل نہیں ہے۔

ثانیاً: اس سے قطع نظر ہم حضرت خلیل وکلیم علیہما السلام کو بھی پیدائشی نبی مانتے ہیں جب کہ صحیح اور تحقیقی امر بھی یہی ہے جس کی مکمل تفصیل مستقل عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی پیدائشی نبی ہیں فرق یہ ہے کہ جعلنی نبیا کا اعلان یا بعثت بچپن میں ہوئی۔ باقی حضرات کی بعثتوں کا متعینہ دیگر اوقات میں۔ جوانی کی عمر میں کچھ کو بعثت دی تا کہ کوئی بچپنے یا بڑھاپے کا طعنہ نہ دے سکے۔ بعض کو بچپن میں بعثت دی تا کہ کوئی ان کے پیدائشی نبی ہونے کا انکار نہ کر سکے۔ الغرض بلوغ یا جوانی کی عمر شرط نبوت نہیں (کمافی روح المعانی، پارہ ۲۶، الاحقاف)۔

مزید جواب وہی ہے جو خود موصوف نے دیوبندیوں کو دیتے ہوئے کہا ہے کہ: "یہ طریقہ قطعاً درست نہیں کہ اپنے آپ کو حدیث رسول ﷺ کے تابع کرنے کی بجائے حدیث کو اپنے تابع کریں" (تنویر الابصار، صفحہ ۱۰۴)۔

پس مذکورہ بالا تمام ابحاث سے قطع نظر صحیح صریح فیصلہ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ "کنت نبیا" الخ کو کسی غیر معصوم قول سے کیونکر رد کیا جا سکتا ہے؟

○ نیز یہ تو ہم بار بار کہہ چکے کہ یہ دلیل حضور سیّد عالم ﷺ کے پیدائشی نبی ہونے کے بنیادی دلائل سے نہیں (اگر اپنی جگہ درست ہے) بلکہ اس سے بنیادی مقصود معترض فریق کے طور پر اور ان کی زبان میں انہیں مسئلہ ہٰذا میں دعوت فکر دینا ہے۔ چنانچہ موصوف کے (واحد سہارا ان کے) بیٹے نے مسئلۂ علم غیب للنبی ﷺ میں دیوبندی وہابیوں کو کوستے ہوئے کہا ہے (اور ان کی یہ عبارت پہلے بھی گزر چکی ہے) کہ "اگر کوئی عیسائی، دیوبندیوں سے کہے کہ ہمارے نبی کی شان تمہارا قرآن بیان کر رہا ہے کہ وہ گھروں میں چھپی ہوئی چیزوں کی خبر دیتے تھے۔ اور جو کچھ لوگ کھا کر آئیں اس کی خبر بھی دیتے تھے۔ جب کہ تم جس نبی ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہو انہیں تو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں ہے لہٰذا ہمارا مذہب قبول کر لو تو کیا جواب دو گے؟ (الیٰ) شرم کرو عیسائیت کی راہ ہموار نہ کرو، توبہ

کرو' ملاحظہ ہو(عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ' صفحہ ۲۴۴' ۲۴۵ طبع جہلم)۔

اقول: جب ایک فضیلت علمی کے انکار پر منکروں کو عیسائیت کی راہ ہموار کرنے والا قرار دے کر انہیں شرم کرو کہہ کر توبہ کرو کی تلقین کی جارہی ہے تو حدیث صحیح سے ثابت شدہ اور بقلم خود اقرار کردہ فضیلت نبوت جو تمام کمالات کا سرچشمہ ہے' کے انکار پر اس سب کو کیوں فراموش کیا جارہا ہے؟ یہ دہرا معیار نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

خلاصہ یہ کہ شیخ تیجانی کی پیش کردہ عبارت مصنف تحقیقات کے مفید مدعا ہرگز نہیں جس کے بے شمار دلائل ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ عبارت خود ان کے لیئے بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اسے غلط ماننے سے عبارت غیر مفید اور دلیل ختم ہوجاتی ہے جب کہ اسے صحیح ماننے سے بچپن کی عمر میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا ماننا لازم آتا ہے جسے مولانا خود نہیں مانتے۔

اور دیگر تفاصیل سے قطع نظر ہمیں بھی یہ کچھ مضر نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک تمام انبیاء کرام بشمول حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام پیدائشی نبی ہیں۔ لہٰذا جب وہ نبی پہلے سے ہیں تو ان میں سے کسی کی بعثت چالیس سال کی عمر شریف میں ہو یا اس کے بعد یا بچپن کی عمر مبارک میں' اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا بناءً علیہ نصف بشری اور نصف روحانی کی بحث سے بھی نفس مسئلہ پر کچھ زد نہیں پڑتی۔ البتہ مولانا خود اس کی سخت زد میں ہیں کیونکہ شیخ تیجانی کی اس عبارت سے (جس میں قبل اربعین بعثت کا فیصلہ ہے) ان کا بعد اربعین والا نظریہ غلط قرار پاتا ہے نیز اس کے برعکس موصوف کے نظریہ کو صحیح مان لینے کی صورت میں ان کی پیش کردہ یہ عبارت بالکل غلط قرار پاتی ہے یعنی اس کو اپنی دلیل کے طور پر پیش کرنے کے بعد اگر وہ اسے صحیح کہتے ہیں تو بھی غلط قرار پاتے ہیں غلط کہتے ہیں تو بھی غلط قرار پاتے ہیں اور بصورت انکار عبارت امام ابوالشکر سالمی رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلہ کے اس فیصلہ کی تلوار بھی ان پر لٹک رہی ہے کہ جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے بچپن کی عمر شریف میں نبی نہ مانے یصیر کافراً (ترجمہ خود کرلیں کیونکہ ہمارا مقصود مسئلہ کو اس کی صحیح صورت میں پیش کرنا ہے کسی کو خواہ مخواہ کافر قرار دینا ہمارا نہ مشن ہے نہ مقصود)۔

بشریت مستورہ کے لیے "سیاہ دبیز بادل" کی مثال کا محاسبہ مؤاخذہ:

مصنف تحقیقات نے اپنے مفروضہ مذکورہ کو ایک مثال سے واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "اس حقیقت کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ چودھویں کے چاند کے آگے سفید اور باریک بدلی ہو مگر دوپہر کے سورج کے آگے سیاہی مائل اور دبیز تہہ والا بادل ہو تو چاند کی چاندنی محسوس ہوتی رہے گی جب کہ سورج کی دھوپ

اور شعاعیں محسوس نہیں ہوں گی حالانکہ نور القمر مستفاد من نور الشمس، مسلم امر ہے کہ چاند کا نور سورج سے حاصل ہونے والا ہے''۔ (تحقیقات، صفحہ۱۰۴)۔

جواباً عرض ہے کہ موصوف کا یہ حصۂ کلام ان کے سابقہ کلام کی فرع ہے جس کی بنیاد شیخ تیجانی کی عبارت ہے جس کا خود ان کے نزدیک ناقابل اعتماد اور واجب الرد ہونا ہم ابھی ثابت کر آئے ہیں۔ پس موصوف کی یہ تقریر بھی ان کی تقریر سابق کی طرح باطل و عاطل قرار پائی۔ لہٰذا ان کا اس کے لیے ''اس حقیقت'' کے الفاظ بول کر اسے حقیقت اور امر واقعی قرار دینا بھی بالکل بے بنیاد اور قطعاً خلاف واقعہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے چودھویں کے چاند کے آگے سفید اور باریک بدلی اور حضور اقدس ﷺ کے لیے ''سیاہی مائل اور دبیز تہ والے بادل'' کی مثال تجویز کر کے موصوف نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ ﷺ پر بلا وجہ فضیلت دی اور انہیں آپ سے بڑھا دیا ہے جو سوء ادبی ہے۔

اسی طرح حضور کی بشریت مطہرہ منوّرہ کو سیاہی مائل دبیز تہہ والے بادل سے تشبیہ دینا بھی بذات خود سوء ادبی، خلاف سنت الٰہیہ اور طریق اہل سنت سے ہٹ کر ہے جو شان نبوت سے کسی طرح جوڑ نہیں کھاتی۔ سیاہ بادل وہ بھی دبیز تہہ والا ظلمت ہے جب کہ حضور اقدس علیہ السلام ہر طرح کی ظلمت سے پاک ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سیاہ بدل کی مثال کفار کے لیے منتخب فرمائی ہے جب کہ اسی قرآن میں اسی مقام پر آپ ﷺ کے لیے انوار و تجلیات کی مثال کا انتخاب فرمایا اور ''نورٌ علیٰ نور'' کے الفاظ ارشاد فرمائے۔

چنانچہ ایک تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کے بارے میں فرمایا (کما فی الشفاء والمظهری وغيرهما والقرآن ذو وجوه وحجة من جميع الوجوه) ارشاد ہوتا ہے: ''**مثل نوره كمشكوة فيها مصباح المصباح في زجاجة الزجاجة كانها كوكب دري يوقد من شجرة مباركة زيتونة لا شرقية ولا غربية يكاد زيتها يضئ ولو لم تمسسه نار نورٌ علىٰ نور** '' یعنی اس شان والے کے نور کی مثال انوار و تجلیات میں گھرے ہوئے ایک طاق سی ہے جس میں ایک چراغ ہو اور وہ چراغ ایک ایسے صاف چمکیلے شیسہ میں رکھا ہو جیسے وہ روشن ستارہ ہو، چراغ کو بہت برکت والے زیتون کے تیل سے روشن کیا گیا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی ہو (ہر قسم کی ملاوٹ اور گرد و غبار سے پاک ہو)۔ ایسا شفاف ہو کہ گویا آگ لگائے بغیر ہی روشنی دینے لگ جائے الغرض ''نورٌ علیٰ نور'' ہو (پارہ۱۸، النور آیت ۳۵)۔

پھر تھوڑا سا آگے اعمال کفار کے لیے مثال دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''او كظلمت في بحر لجي يغشه موج من فوقه موج من فوقه سحابٌ ظلمات بعضها فوق بعض '' یعنی کفار کے اعمال کی

مثال وہ ظلمتیں ہیں جو گہرے سمندر کی مختلف طغیانیوں کی تہہ میں ہوں جس کے اوپر (سیاہ) بادل چھایا ہوا ہو الغرض اندھیروں پر اندھیرے ہوں۔ (پارہ ۱۸، النور آیت ۴۰)۔

معلوم ہوا کہ سیّد عالم ﷺ کے لیئے سیاہ بادل کی مثال سنّت الٰہیہ اور قرآنی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

مزید سنئے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سید عالم کو سورج چاند سے تشبیہیں دی ہیں۔ مگر بدلیوں اور بادلوں کی مثالوں کے بغیر۔

چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ ؓ فرماتے ہیں میں نے آپ ﷺ کو سخت انتہائی چاندنی رات میں سرخ دھاری دار حلہ زیب تن فرمائے ہوئے دیکھ کر اور آپ کے رخِ انور کو اور دوسری طرف چاند کو تقابلی طرز سے بار بار دیکھا "فاذا هو عندي احسن من القمر" تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ آپ کا رخ زیبا، چاند سے بڑھ کر حسین ہے۔ (رواہ الامام الترمذی فی الشمائل صفحہ۲)۔

نیز ایک صحابیہ سے کسی نے آپ ﷺ کے چہرے مبارک کی رعنائیوں کے متعلق سؤال کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: "يا بني لو رأيته رايت الشمس طالعة" بیٹے! اگر تم آپ کو دیکھتے تو یوں لگتا جیسے سورج تازہ تازہ نکل رہا ہو۔ (جمع الوسائل، جلد۱، صفحہ ۵۷، طبع کراچی)۔

نیز کأنه قطعة من القمر (بخاری جلد۱، صفحہ ۵۰۲) یتلألؤ وجه تلألؤ القمر ليلة البدر (شمائل، صفحہ۲)۔

مذکورہ پہلی روایت میں حضرت کعب صحابی نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارکہ کو چاند کا ٹکڑا کہہ کر اس کے اس حصہ سے تشبیہ دینے سے پرہیز کی ہے جس میں چھائیاں ہوتی ہے۔ دوسری روایت میں حضرت ہند پھر حضرت امام حسن نے رخ انور کو چاند سے تشبیہ دی ہے مگر ہر رات کے چاند سے نہیں بلکہ صرف چودھویں کے چاند سے جو مکمل طور پر نکھرا ہوتا ہے رضی اللہ عنہم۔

پس موصوف خود فیصلہ کریں کہ انہوں نے سیّد عالم ﷺ کے لیئے دبیز تہہ والے سیاہ بادل کی مثال تجویز کر کے صحابۂ کرام کی روش سے انحراف برتا ہے یا نہیں؟

نیز ابھی شروع بحث میں گزرا ہے کہ متعدد اسلاف اور ائمہ اہل سنت نے آپ کی بشریت مقدسہ کے لیئے "جوهرة مضيئة" اور "درة بيضاء" (روشن ہیرے اور آب دار موتی) کے الفاظ استعمال فرمائے اور یہ عمدہ مثالیں تجویز فرمائی ہیں۔

پس موصوف کو یوں کہنے کی توفیق کیوں نہ ہوئی کہ آپ کی بشریت مقدسہ ایسے صاف چمکیلے شیشے کی

طرح تھی جس پر روشنیوں کی برسات ہو یا ایسے شیش محل کی طرح جس میں آفتاب پوری آب وتاب کے ساتھ ضوء فشانی کررہا ہو۔ لہٰذا موصوف زندگی کے باقی ماندہ حصہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے پہلی فرصت میں اپنی اس سنگین غلطی سے توبہ کریں اور قبر وآخرت کو بچانے کی فکر کرتے ہوئے اس پر ضرور نظر ثانی کریں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

پھر خدا کا کرنا دیکھئے کہ مولانا جس امر کا ردّ کرنے چلے تھے اللہ تعالیٰ نے اسی کو ان سے منوا کر چھوڑا ہے۔ فرماتے ہیں سورج کے آگے سیاہی مائل دبیز تہہ والے بادل کے آنے سے ''نور القمر مستفاد من نور الشمس'' بھی باقی رہتا ہے یعنی بادل کا آجانا سورج کے مفید اور چاند کے مستفید ہونے کو مانع نہیں ہوتا لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ سیّد عالم ﷺ کے نور حقیقت پر آپ کی بشریت مقدسہ کے حجاب کے آنے سے آپ کے مفید و مفیض نیز اصل کمالات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مستفید و مستفیض اور فرع ہونے پر بھی کچھ زد نہیں پڑتی۔ بالفاظ دیگر اس سے آپ ﷺ کے اصل کمالات ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا اور بصورت بشریہ جلوہ گری کے بعد بھی خصوصیت کے ساتھ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیۓ اصل کی حیثیت رکھتے ہیں

ع　　مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اس سب سے قطع نظر ''مولانا'' کی اس تقریر کی بنیاد بھی شیخ تیجانی کے پیش کردہ قول پر ہے جس کے بچپن میں سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہونے کے بیان والے حصے کو وہ خود صحیح نہیں مانتے۔ لہٰذا ان کی یہ تقریر بھی بقلم خود باطل قرار پائی۔ وھو المقصود والحمد للہ المعبود۔

اعتراض نمبر۲ (اصل کمالات آپ ﷺ کا نور ہے نہ کہ آپ کی بشریت) **سے جواب**:

''بعض ''محققین'' کی ایک غلط فہمی کا ازالہ'' کا عنوان دے کر موصوف نے اس مقام پر لکھا ہے کہ ''بعض بزعم خویش محققین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کا جوہر پاک بھی عظیم نور ہے اور بقیہ انوار ان سے مستفاد ہیں تو آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس لحاظ سے بھی فضیلت حاصل ہے تو آپ کا بھی آغاز سے نبی تسلیم کرنا ضروری ہے۔ تو جواباً گزارش یہ ہے کہ یہاں نور حقیقت میں تقابل نہیں کیا جارہا ہے بلکہ اس پر جو حجاب بشریت ہے اس میں کلام کیا جارہا ہے کہ دوسرے حضرات میں ابدان کی تخلیق ماں باپ کے دونوں مادوں کی آمیزش سے ہوتی ہے۔ بالخصوص لڑکے میں باپ کا مادہ تولید ماں کے مادہ تولید کی نسبت غالب ہوتا ہے بخلاف لڑکی کے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں چونکہ باپ کا مادہ تولید سرے سے شامل ہی نہیں تھا بلکہ نفخ جبرائیل علیہ السلام کی وجہ آدھا بدن ملکی ہوگیا (بلکہ آدھے سے بھی زیادہ)۔ لہٰذا ان میں حقیقت نوریہ پر طاری ہونے والا

حجاب بالکل خفیف تھالہٰذا ابتداء سے ہی نبوت ورسالت کی اہلیت واستعداد موجود تھی اس لیئے ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرمادیا گیا اور نبی مکرم ﷺ کا لباس بشری ماں باپ دونوں کے مادہ تولید کی آمیزش سے تیار ہوا۔لہٰذا وہ نسبتاً کثیف تھا۔اس لیئے اس کی کثافت کو بار بار کے شق صدر اور چلہ کشی وغیرہ کے ذریعے جب لطیف کردیا گیا اور حقیقت نوریہ کا ہم رنگ۔تب آپ کو یہ منصب سونپا گیا'' اھ بلفظہ۔(تحقیقات صفحہ ۱۰۴)۔

الجواب: مولانا اپنی اس پوری طویل تقریر میں بفضلہٖ تعالیٰ اس کا انکار نہیں کرسکے کہ وہ نورِ حقیقت جسد ِاقدس میں واقعۃً موجود تھا جس سے انہوں نے اپنے اس استدلال پر خود ہی پانی پھیر دیا ہے کیونکہ:

- اس نور پاک کی ایک جھلک حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں آئی تو اس سے ان کی پیشانی جگمگا اٹھی جس کی تعظیم کے لیئے ملٰئکہ کرام علیہم السلام کو اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کا حکم دیا گیا۔

چنانچہ امام اہل سنت حضرت غزالیٔ زماں علیہ الرحمۃ والرضوان نے تفسیر کبیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ ریز ہونے کا حکم اس لیے ہوا کہ لاجل ان نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کان فی جبھۃ ادم علیہ السلام۔ان کی پیشانی سے حضور اقدس ﷺ کا نور چمکتا تھا۔ملاحظہ ہو(التبیان جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ پارہ ۱ تحت واذقلنا للملٰئکۃ اسجدو الادم الایۃ) جس سے موصوف کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔

- پس جب حضور کے جسد پاک میں مکمل طور پر اس کی جلوہ گری ہوئی تو اس کی تابانیوں کا کیا عالم ہوگا پھر جسد اطہر میں کسی قسم کی کثافت کیونکر متصور ہوسکتی ہے جب کہ اجزاء بشریت بذات خود بھی منور ہی منور تھے اور جسم مبارک اجسام ملٰئکہ سے ہزار گنا زیادہ لطیف تھا جس کا باحوالہ تفصیلی بیان ابھی گزرا ہے۔

نیز ابھی ہم تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ امتزاج مادّہ کی بنیاد پر بشریت مقدسہ کو مصنف تحقیقات کا کثیف بتانا ان کی ذاتی اختراع ہے اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں بہت بڑی جسارت نیز رجم بالغیب بھی ہے جس کی مطلوبہ معیار کی کوئی دلیل وہ پیش نہیں کرپائے اور نہ ہی پیش کرسکتے ہیں بے شک طبع آزمائی کرکے دیکھ لیں۔''ہمیں گوی وہمیں میداں''۔

- پھر یہ بات انہوں نے محض عامۃ الناس پر قیاس سے کہی ہے جو مع الفارق ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت مقدسہ کے لیے منتخب کیئے گئے مادّے بالاتفاق ازکیٰ واطہر تھے۔سیّد عالم ﷺ کی عظمت کے کیا کہنے۔جب کہ غیر انبیاء علیہم السلام کے لیئے یہ اصول نہیں ہے۔

نیز آپ ﷺ کا عامۃ الناس پر قیاس کرنا جرم عظیم بھی ہے۔حدیث شریف میں ہے''لایقاس بناء احد'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انظر کیف ضربوا لک الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا۔

• علاوہ ازیں نفخ جبریل ﷺ سے جب اتنی لطافت پیدا ہوگئی تو جس ذات میں وہ نور تھا جو خود نور جبریل علیہ السلام کے لیئے بھی اصل ہے۔ بالفاظ دیگر جو ذات خود عین نور ہے اس کی بشریت پاک کی لطافتوں کا کیا عالم ہوگا؟

• اس سب سے قطع نظر مصنّف تحقیقات کے اس حصہ بحث کی بنیاد بھی شیخ تیجانی کے قول مذکور پر ہے جس میں شیخ موصوف نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی گہوارے کی اور کم از کم چالیس سال سے بہت پہلے کی عمر میں بعثت ہونے کا ذکر فرمایا ہے جس کے مصنف تحقیقات قائل ہی نہیں ہیں تو جب بنیاد ہی خود انہوں نے باطل مان لی تو اس کے سہارے قائم کی گئی ان کے استدلال کی عمارت خود بخود منہدم اور زمین بوس ہوگئی۔ مبارک ہو تماشا نیچے دیکھیئے۔

چنانچہ موصوف نے ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے'' پر عمل پیرا ہو کر یہاں یہ لکھ دیا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بچپن ہی میں ''اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا''۔

جب کہ دوسرے مقام پر گول مول کر کے یوں لکھا ہے: ''چالیس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ان کو مبعوث فرما دیا گیا'' ملاحظہ ہو (۱۰۳)۔

پھر تیسرے مقام پر اس طرح کہا: ''ان کا بھی بچپن میں بالفعل نبی ہونا اجماعی اور متفق علیہ امر نہیں ہے'' (صفحہ ۱۰۵)۔

اور چوتھے مقام پر صاف صاف کہہ دیا ہے: ''راجح، مختار، معتبر و معتمد علیہ اور قابل اعتماد ولائق اعتبار یہی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبی بنایا گیا'' (ملخصاً) ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶)

ع　　ہم سے کچھ غیروں سے کچھ دربان سے کچھ

خلاصہ یہ کہ مولانا کے اس استدلال کے باطل ہونے کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ جس عبارت کو انہوں نے دلیل بنا کر پیش کیا تھا اس کے مضمون کو انہوں نے خود ہی مرجوح، ناپسندیدہ اور قابل اعتماد و اعتبار قرار دے دیا ہے۔

بالقوۃ نبی و رسول ہونے سے بھی انکار:

موصوف نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا حضور سرور عالم علیہ السلام سے تقابل کرتے ہوئے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ ان میں ابتداء ہی سے نبوت و رسالت کی اہلیّت اور استعداد تھی جب کہ آپ ﷺ جو اصل کل اور امام الانبیاء ہیں علیہم السلام کی ذات پاک میں ابتداء عمر سے لے کر چالیس سال کی عمر شریف تک نبوت و رسالت کی اہلیت

واستعداد نہ تھی بلکہ چلّوں، مجاہدوں، ریاضتوں اور بار بار کے شق صدر اور آپ پریشنوں کے بعد کہیں جا کر معاذ اللہ آپ میں اہلیت بنی تو پھر آپ کو بعمر چالیس سال یہ منصب سونپا گیا۔

جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ چالیس سال کی اس پوری مدت میں ''حضرت صاحب'' سیّد عالم ﷺ کے بالقوۃ نبی ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا اب تک جوان کے حوالہ سے یہ مشہور تھا کہ وہ ولادت باسعادت تا اعلان نبوت آپ کے بالقوۃ اور بعد اعلان بالفعل نبی ہونے کا نظریہ رکھتے ہیں بالکل غلط اور محض ڈھونگ ثابت ہوا۔ نیز علماء کے مختلف وفود سے انہوں نے جو بالقوۃ اور بالفعل کی تقریریں فرمائیں اور تحریریں دیں، وہ بھی سب معذرت کے ساتھ چکر ہی نکلیں کیونکہ وہ یہاں صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ حضور کی ذات میں نبوت ورسالت کی اہلیّت واستعداد چالیس سال کی عمر شریف ہو جانے پر ہی پیدا ہوئی۔

مزید اس کی وضاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے موازنہ کرتے ہوئے ان کی اس صراحت سے ہوتی ہے کہ ان میں نبوت ورسالت کی اہلیت واستعداد ابتداء عمر ہی سے موجود تھی ''اس لیے ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا''۔ قدبدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم اکبر۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا کے حوالہ پر کیے گئے دس اعتراضات کے جوابات

مصنّف تحقیقات نے ’’وجعلنی نبیًّا ‘‘ کے حوالہ پر دس اعتراضات کیے ہیں پچھلے دو اعتراضات کو شامل کر کے جن کے ترتیب وار جوابات حسب ذیل ہیں:

اعتراض نمبر۳:

حضرت عیسٰی علیہ السلام سے حضرت موسٰی علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی افضل ہیں تو دلالۃ النص کا تقاضا وہاں بھی یہی ہوگا کہ ان کو بچپن سے نبی مانا جائے حالانکہ کوئی صاحبِ علم اور مالک عقل ودانش یہ قول نہیں کرسکتا تو کیا حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ان حضرات پر فضیلت دینا لازم آئے گا اور یہ ان کی بارگاہ اقدس میں بے ادبی اور گستاخی نہیں ہوگی؟ اور کیا پیغمبران کرام میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور گستاخی جائز نہیں باقی جتنے بھی بلند مرتبہ اور عالی مقام ہوں کیا ان کی بے ادبی اور گستاخی جائز اور روا ہے’’ نعوذ با للہ من ذلك‘‘۔(تحقیقات،صفحہ ۱۹۱،۱۹۲)۔

الجواب: گستاخی اور بے ادبی کسی بھی پیغمبر کی روا نہیں بلکہ کفر ہے مگر پیش نظر بحث میں گستاخی کا مسئلہ ہے ہی نہیں کیونکہ اعتراض ہی سرے سے غلط اور بے جا ہے۔ وجہ یہ کہ علی التحقیق صحیح یہی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پیدائشی نبی ہیں جس کی مکمل باحوالہ تفصیل ’’النبین‘‘ کی بحث میں اسی باب میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا اس کے لیے دلالۃ النص ہونے نہ ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تمام انبیاء علیہم السلام پیدائشی نبی ہیں البتہ ان کی بعثتیں حسب حکمت خداوندی مختلف اوقات میں ہوئیں۔ اور ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ مسئلۂ نبوت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی مثال کا لانا محض معترض فریق کے طرز پر اسے دعوت فکر دینا ہے جیسا کہ خود انہوں نے بھی مسئلۂ علم غیب میں اس کو اختیار کیا ہے۔ مکمل باحوالہ تفصیل شیخ تیجانی کے قول کی بحث وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

نیز یہ کہ سیّد عالم ﷺ کے حوالہ سے ہمارے نزدیک اولویت سے علی الاطلاق اولویت نہیں بلکہ آپ ﷺ کی اصالت کل والی اولویت مراد ہے جب کہ حضرت خلیل وکلیم علیہما السلام کی حضرت عیسٰی علیہ السلام سے

فضلیت اس معنٰی (اولویت بر بناء اصلیت) کے اعتبار سے نہیں اس کی تفصیل بھی بحث مذکور وغیرہ میں گزر چکی ہے لہٰذا سرے سے اعتراض ہی صحیح نہیں ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان پر بہ ہئیت کذائیہ فضل جزئی ہوگا جو گستاخی اور بے ادبی کی مد میں قطعاً نہیں آتا لیکن سیّد عالم ﷺ کے حوالہ سے پھر بھی فضل جزئی نہیں ہے کیونکہ آپ تو ان سے بھی پہلے نبی مبعوث ہیں جس کا خود معترض فریق کو بھی اقرار ہے۔ والحمد للہ۔

اعتراض نمبر۲:

کتاب عطا ہونے کا ذکر پہلے ہے اور نبی بنائے جانے کا بعد میں۔تو کیا کتاب آپ کو اس وقت مل چکی تھی اور پنگھوڑے میں آپ کے پاس موجود تھی اور آپ نے ان معترضین کو دکھلائی تھی' سنائی تھی۔اگر معطوف علیہ میں ماضی کا صیغہ اپنے اصل معنٰی پر نہیں ہے تو معطوف میں اصل معنٰی پر ہونے کا دعویٰ کیونکر قابل قبول ہوسکتا ہے؟ بلکہ معطوف علیہ میں مستقبل کو مجاز بالمشارفتہ کے طور پر ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے تاکہ اس کے زمانہ مستقبل میں یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے پر تنبیہ ہوجائے جیسے کہ قول باری تعالیٰ نفخ فی الصور میں یہی حکمت اور مصلحت کارفرما ہے ورنہ لازم آئے گا کہ نزول قرآن سے بھی پہلے صور میں پھونکا جاچکا ہو اور قیامت قائم ہوچکی ہو۔لہٰذا ہمیں قیامت کے بارے میں کوئی خوف اور اندیشہ نہیں ہونا چاہئے حالانکہ یہ لازم بدیہی البطلان ہے''۔(تحقیقات' صفحہ۱۹۲)۔

الجواب: علی التحقیق صحیح اور راجح یہی ہے کہ''اتانی الکتاب وجعلنی نبیا'' کے الفاظ اپنے حقیقی معنٰی پر ہیں۔علماء شان کی اکثریت اسی کی قائل ہے انہیں مجاز بالمشارفتہ پر محمول کرنا سخت محل نظر ہے اور اس پر کیا گیا کلام مذکور نہایت سطحی ہے' معیاری نہیں۔اس کی تفصیل میں کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

○ اصول مسلّمہ سے ہے کہ''تحمل النصوص علی ظواھرھا'' یعنی اصل یہ ہے کہ آیات واحادیث کو ان کے ظاہر پر رکھا جائے۔کتاب ہٰذا کے جلد اوّل میں فتاویٰ رضویہ شریف نیز خود معترض کی کتاب تنویر الابصار سے اس کی باحوالہ تفصیل گزر چکی ہے۔جس کی ایک مثال''ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیٔ'' کے قرآنی الفاظ بھی ہیں کہ بعض علماء تفسیر نے''کل شیٔ'' سے کل احکام کا مراد ہونا لکھا ہے مگر محققین بالخصوص امام المحققین اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے اسے درخور اعتناء نہ قرار دیتے ہوئے سیّد عالم ﷺ کی جمیع ماکان ومایکون پر محیط فضیلت وسعت علمی کے لیئے ثبوت کے طور پر پیش فرمایا جو مذکورہ اصول پر مبنی ہے۔اسی طرح آیت''رحمۃ للعٰلمین'' میں العٰلمین سے صرف جن وانس کے مراد ہونے کو بھی ائمۂ شان نے

تسلیم نہیں فرمایا اور اس کے ظاہر سے استدلال فرماتے ہوئے کائنات کا ایک ایک فرد مراد لے کر سب کے لیے اس سے حضور اقدس ﷺ کے اصل اور واسطۂ کل ہونے کا اثبات فرمایا۔

قاعدہ ہٰذا کی رو سے پیش نظر الفاظ قرآنی کا بھی تقاضا یہی بنتا ہے کہ یہ اپنے حقیقی معنٰی پر ہوں جب کہ یہ امر صراحت کے ساتھ سلف سے بھی ثابت ہے۔

چنانچہ امام اہل سنت، مجدد ملت مولانا فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں: ''وقوله اتانی الکتاب ''یدل علی کونه نبیا فی ذلك الوقت فوجب اجراؤه علی ظاهر ''یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''اتانی الکتاب'' اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان الفاظ کے بولنے کے وقت نبی تھے پس اس کا ظاہر (اور حقیقی معنٰی) پر رکھنا ضروری ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۷، صفحہ ۵۳۴، طبع کوئٹہ)۔

تھوڑا سا آگے مزید فرماتے ہیں: ''والظاهر انه من قبل ان کلمهم اتاه اللہ الکتاب وجعله نبیا وامره بالصلاة والزکوة وان یدعوالی اللہ تعالی والی ماخص به من الشریعة ''۔یعنی ''اتانی الکتاب وجعلنی نبیا '' کے الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں سے ان کے اس کلام سے پہلے کتاب بھی عطا فرمادی ہوئی تھی انہیں نبی بھی قرار دے دیا ہوا تھا اور انہیں نماز اور زکوٰۃ کا امر بھی فرمادیا ہوا تھا۔ نیز انہیں یہ بھی حکم دے دیا ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اپنی شریعت کے خاص احکام کی دعوت بھی دیں۔ (تفسیر کبیر، جلد ہفتم، صفحہ ۵۳۵، طبع مذکور)

شرح الشفاء، جلد ا، صفحہ ۴۸۵) میں علامہ علی القاری نے بھی ظاہر آیت کا تقاضا بتاتے ہوئے یہی استدلال فرمایا ہے: ولفظہ ''والظاهر المتبادر انه جعله نبیا فی ذلك الحال من غیر توقف علی الاستقبال فلا یحتاج الی تأویله و یؤیده ماروی عن الحسن اکمل اللہ عقله ونبأه طفلاً''۔ یعنی الفاظ آیت کا ظاہر متبادر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے معاملہ کو مستقبل سے منسلک کیئے بغیر اسی وقت نبی بنایا تھا لہٰذا اسے مؤول ٹھہرانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں جس کی تائید حضرت امام حسن بصری کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے کمال عقل کے ساتھ ان کے بچپن میں مبعوث فرمایا تھا۔

○ بلفظ دیگر ''اتانی'' اور ''جعلنی'' بمعنٰی ''سیؤتینی''، ''وسیجعلنی'' مجازی معانی ہیں جب کہ اصل یہ ہے کہ حقیقی معنٰی سے بلا وجہ عدول جائز نہیں۔ مانحن فیہ میں بھی مجاز کی طرف جانے کی کوئی وجہ وجیہہ نہیں جس کا پیش کرنا تا حال موصوف کے ذمہ باقی ہے۔ بناءً علیہ ان کا حقیقی معنٰی میں ہونا ہی صحیح اور راجح ہوا۔

○ نیز ان الفاظ کا حقیقی معنٰی میں ہونا ان کا تفسیری معنٰی (تفسیر) ہے جب کہ مجازی معنٰی میں لینا تأویلی معنٰی (تأویل) ہے۔ تفسیر سے مراد یہ ہے کہ آیت کے مرادی معنٰی کی وضاحت کے لیے دُوسری آیت ہو یا حدیث نبوی ﷺ یا قول صحابی یا علی الاقل قول تابعی ہو۔

بناء بریں تفسیر کی کتب لکھنے والے حقیقی معنٰی میں مفسر نہیں بلکہ ناقلین اور علماء تفسیر ہیں۔

اصول میں طے ہے کہ تفسیر و تأویل متعارض ہوں تو تفسیر مقدم ہوتی ہے۔

اس حوالہ سے بھی اتانی اور جعلنی کا حقیقی معنٰی میں ہونا ہی راجح ہوا۔ چنانچہ صحابی جلیل حضرت خادم الرسول ﷺ انس بن مالک ؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ''کان عیسٰی بن مریم قد درس التورٰته واحکمها وهو فی بطن امه فذلك قوله انی عبد الله اتانی الکتاب وجعلنی نبیا ''یعنی آیت کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰی بن مریم (علیہما السلام) نے پوری تورات اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ ماجدہ کے بطن پاک میں پڑھی اور مکمل طور پر اسے ذہن نشین فرمایا۔

ملاحظہ ہو۔ (ابن ابی حاتم، جلد ۷ صفحہ ۲۴۰۸، درمنثور جلد ۵ صفحہ ۴۴۵، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۳، روح المعانی پارہ ۱۶، صفحہ ۸۹، طبع ملتان)۔

نیز علامہ ابن الجوزی ارقام فرماتے ہیں: ''انه اتاه الکتاب وهو فی بطن امه قال ابو صالح عن ابن عباس ''یعنی ابو صالح نے ترجمان القرآن، حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے کہا کہ آپ نے ان قرآنی الفاظ کا یہ مفہوم بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اس وقت اپنی کتاب عطا فرمائی تھی کہ جب آپ اپنی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں تھے۔ (زاد المسیر، جلد ۵ صفحہ ۲۲۹)۔

علامہ سیّد محمود الوسی بغدادی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وقیل اکمله الله تعالٰی عقلاً و استنبأه طفلا وروی ذلك عن الحسن ''یعنی ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بچپن کی عمر میں ان کے کمال عقل کا ظہور فرما کر انہیں مبعوث فرمایا اور یہ حضرت امام حسن بصری ؓ سے منقول ہے (روح المعانی، جلد ۱۶ صفحہ ۸۹)۔

نیز امام نسفی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں: ''روی عن الحسن انه کان فی المهد نبیا ''(مدارک، جلد ۳ صفحہ ۹۷۸)۔ یعنی حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام گہوارہ میں نبی تھے۔

علامہ خازن علیہ الرحمۃ رقم طراز ہیں: ''وعن الحسن انه الهم التورٰة وهو فی بطن امه ''یعنی حضرت حسن بصری ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو تورات شریف القاء فرما دی گئی تھی جب آپ

اپنی مقدس ماں کے پیٹ میں تھے (تفسیر الخازن، جلد۳، صفحہ۲۳۴)۔

نیز تفسیر مظہری جلد۶، صفحہ۹۴، نیز تفسیر بغوی، جلد۳، صفحہ۱۹۴۔

موصوف کے تلمیذ علامہ قاضی عبدالرزاق بھترالوی صاحب نے ابن ابی حاتم کی روایت سے اس طرح لکھا ہے: ''درس الانجیل و الحکمۃ فی بطن امہ ''یعنی حضرت عیسٰی نے انجیل شریف اور حکمت اللہ تعالیٰ سے بطن مادر پاک میں پڑھی تھی۔ ملاحظہ ہو۔ (تذکرۃ الانبیاء، صفحہ۵۶۰)۔

خلاصہ یہ کہ دو صحابہ (حضرت ابن عباس اور حضرت انس) اور ایک تابعی (حضرت حسن بصری) رضی اللہ عنہم کے حسب بیان اتانی الکتاب اور جعلنی نبیا اپنے حقیقی معنٰی پر ہیں اور یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کلام فرمانے سے پہلے کے زمانہ میں نبی تھے اور کتاب بھی آپ کو مل چکی تھی پس ان قرآنی الفاظ کے جن معانی کو تفسیر کہا جا سکتا ہے یہی ہیں۔

○ اس سے اتانی الکتاب کی جعلنی نبیا سے تقدیم کی وجہ بھی واضح ہوگئی کہ چونکہ کتاب انہیں بالکل قریب کے زمانۂ ماضی میں ملی تھی اس لیۓ اسی قرب کے لحاظ سے اس کا ذکر پہلے فرمایا اور نبوت چونکہ روزِ میثاق سے متعین ہوئی تھی اس لیۓ اس کا ذکر بعد میں فرمایا جس کی مثال تنازع فعلین کی بحث میں اعمال کے لیے عند البعض قرب و جوار کا ملحوظ رکھنا بھی ہے۔

قول عکرمہ سے جواب: ○ رہا یہ کہ مجاز بالمشارفۃ (ماضی بمعنی مستقبل) والا معنٰی عکرمہ بربری سے منقول ہے جو کہ تابعی مفسر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا شاگرد بھی ہے۔

چنانچہ تفسیر عبدالرزاق (جلد۲، صفحہ۳۶۱، ۲۷۷ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت) میں ہے کہ ان الفاظ کی تفسیر میں عکرمہ نے کہا ''قضی ان یؤتینی الکتاب ''یعنی اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ مجھے کتاب عطا فرمائے گا نیز (ابن کثیر جلد۳، صفحہ۱۲۳)۔

نیز تفسیر طبری (جلد۷، صفحہ۴۹۷، طبع دارالحدیث القاہرہ) میں بھی مذکورہ الفاظ کے علاوہ مختصراً یوں بھی ہے ''قال القضاء''۔ نیز ابن کثیر میں بھی یہ روایت مذکور ہے نیز در منثور (جلد۴، صفحہ۲۷۰) میں بحوالہ عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتم بھی مرقوم ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (ابن جریر، جلد۷، صفحہ۵۰۷، حاشیہ نمبر۱)۔

اس کا جواب ○ یہ ہے کہ اس کی تفسیر میں عکرمہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں: ''اتانی الکتاب من قبل ان یخلقنی ''معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا فرمانے سے پہلے مجھے کتاب عطا فرما دی تھی۔ ملاحظہ ہو (تفسیر طبری، جلد۷، صفحہ۵۰۷، طبع قاہرہ، حاشیہ نمبر۱، بحوالہ تفسیر الثوری، صفحہ۱۸۵)۔ یہ معنی ہمارے ذکر کردہ معنی کے

موافق ہے جس سے ''قضی ان یؤتینی'' والا معنٰی کم از کم یہ کہ مشکوک ہوگیا۔

○　اس سے قطع نظر عکرمہ فرقۂ خوارج میں شامل ہوکر خارجی بلکہ سرغنۂ خوارج ہوگیا تھا۔

تفصیل کے لیے دیکھئے (میزان الاعتدال للذہبی اورتہذیب التہذیب للحافظ ابن حجر العسقلانی ترجمۂ عکرمہ البربری)۔

بناءً علیہ اس معنٰی کی بنیاد ایک خارجی کا قول ہوئی۔

بالفاظ دیگر یہ اہل سنّت والا معنٰی نہیں۔لہٰذا جن اہل سنت مؤلّفین تفاسیر نے اس کو اختیار کیا ہے تو یہ ان کی بے توجہی کا نتیجہ ہے۔اگر ان کو متوجہ کیا جاتا تو وہ یقیناً اس سے رجوع فرمالیتے۔

امام اہل سنت فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عکرمہ کی اس روایت کا بھرپور انداز میں رد فرمایا ہے۔ ان کے لفظ ہیں ''وقولہ اتانی الکتاب یدل علی کونہ نبیا فی ذلک الوقت اجراؤہ علی ظاہرہ بخلاف ماقالہ عکرمۃ یعنی قرآنی الفاظ ''اتانی الکتاب'' اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اس وقت نبی تھے پس انہیں اپنے ظاہر پر رکھنا (اور حقیقی معنٰی میں لینا) واجب ہے۔عکرمہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ملاحظہ ہو۔(تفسیر کبیر، جلد ۷، صفحہ ۵۳۵، طبع کوئٹہ)۔

الغرض عکرمہ کی یہ روایت کسی طرح لائق اعتبار نہیں۔

رہا یہ کہ تفسیر کبیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''روی عن عکرمۃ عن ابی عباس رضی اللہ عنہما انہ قال المراد بان حکم وقضی بانہ سیبعثنی من بعد''۔(جلد ۷، صفحہ ۵۳۳، طبع کوئٹہ)؟

توجواباً عرض ہے کہ عکرمہ کی یہ روایت بطور قول سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما مسنداً کہیں نظر سے نہیں گزری متعدد کتب تفسیر میں باسناد مختلفہ یہ روایت مذکور ہے مگر کسی میں حضرت ابن عباس سے اس کا اسناد مرقوم نہیں بلکہ وہ محض عکرمہ کے طور پر ہی لکھی ہے۔حوالہ جات ابھی گزر رہے ہیں۔زاد المسیر الابن الجوزی کے حوالہ سے ان سے اس کے برخلاف بھی گزرا ہے خود اسی تفسیر کبیر میں اس عبارت سے تھوڑا سا آگے اس کا ذمہ دار عکرمہ کو ٹھہرا کر اور اسی کا قول قرار دے کر اس کا رد موجود ہے۔ولفظہ ''بخلاف ماقالہ عکرمۃ'' نیز اسے بصیغۂ تمریض (رُوِیَ) لانا بھی اس کے رد کی طرف اشارہ ہے۔پس اگر یہ تسامح نہیں ہے تو صاف صاف ملاوٹ ہے یا پھر یہ مراد ہے کہ عکرمہ چونکہ جھوٹی باتیں اپنی طرف سے بنا کر حضرت ابن عباس سے منسوب کرتا تھا (کما فی غیر واحد من کتب اسماء الرجال)۔

اس لیۓ حضرت امام رازی نے اس نسبت کو جھوٹا قرار دیتے ہوئے اسے بہرصورت عکرمہ کا قول قرار

دیا۔والحمد للہ علی ذلک۔

○ مجاز بالمشافہ(اتانی اورجعلنی بمعنی سیؤتینی وسیجعلنی)والامعنٰی تأ ویلی نیز بر بناء باطل ہونے کے علاوہ قول بعض بھی ہے۔جمہور اور علماء شان کی اکثریت ان الفاظ کے حقیقی معنٰی میں ہونے کی قائل ہے۔ایسی صورت میں بھی حقیقی معنٰی والے قول کو ترجیح ہے سیّد عالم ﷺ کا ارشاد ہے''علیکم بالجماعة''نیز''اتبعوا السواد الاعظم''۔

اس مد میں آنے والے متعدد حوالہ جات وہ ہیں جو ابھی گزرے ہیں۔مزید ملاحظہ ہو:

چنانچہ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:''وقیل اکمل اللہ عقله واستنبأه طفلا''(تفسیر بیضاوی،جزء۴،صفحہ۱۴)

علامہ خفاجی فرماتے ہیں:''فان عیسٰی علیہ السلام کـامـر نبیٔ فی سنّ الصبا''(حاشیۃ الشہاب علی البیضاوی،جلد۸،صفحہ۴۷)۔

علامہ شیخ زادہ نے لکھا ہے:''فـانـه تعالٰی جعله نبیا من اول الصبا''(حاشیۃ الشیخ زادہ علی البیضاوی،جلد۷،صفحہ۵۵۹)۔

علامہ نظام الدین نیشاپوری رقم طراز ہیں:وقیل اکمل اللہ عـقله واستنبأه طفلابل فی بطن امه(الی) والاول اظهر''(تفسیر نیشاپوری،پارہ۱۶،صفحہ۵۲)۔

علاّمہ ابوالحیّان اندلسی فرماتے ہیں:''انـه تـعالٰی نبأه حال طفولیة اکمل اللہ تـعالٰی عقله و استنبأه طفلاً''(النہر الماد،جلد۶،صفحہ۱۸۶،طبع بیروت)۔

ان سب عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ان کے بچپن کی عمر میں اور ایک روایت کے مطابق بطن مادر پاک میں ہی منصب نبوت پر فائز فرمایا تھا نیز اس کے لیئے کمال عقل کی جو شرط ہے اسے بھی اس وقت ظاہر فرما دیا تھا۔بقول علامہ نیشاپوری حال طفولیت والی روایت اظہر ہے۔

علامّہ الدہر سند المتکلمین بحر العلوم علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب شرح المقاصد میں فرماتے ہیں:''مـن شـروط الـنبـوة الـذکورة وکمال العقل والذکاء والفطنة وقوة الـرأی ولـوفـی الـصبـا کـعیسٰـی ویـحیـیٰ علیهما السلام''یعنی مرد کامل العقل،کامل الفہم،کامل الفراست اور رائے میں پختہ ہونا نبی کے لیئے شرط ہے اگر چہ یہ اوصاف بچپن میں بھی پائے جائیں جیسے حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰ علیہما السلام میں پائے گئے۔

علامہ طبری(متوفی ۳۱۰ھ)''اتانی الکتاب''کے تحت لکھا ہے:''یقول القائل اواتاه الکتاب

والوحی قبل ان یخلق اوفی بطن امه ''یعنی کچھ قائلین اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور وحی سے اس وقت نوازا تھا جب ان کی تخلیق نہیں ہوئی تھی یا بلفظ دیگر وہ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن پاک میں تھے۔ (تفسیر طبری' جلد ۷' صفحہ ۴۹۷' طبع قاہرہ)۔

نوٹ: اس عبارت سے اتنا بتانا مقصود ہے کہ اس کے قائلین کا وجود ایک حقیقت مسلمہ ہے۔ فافهم)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس میں دو قول ہیں کہ وقت تکلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کیا تھی۔ ابو القاسم بلخی نے کہا کہ قریب بہ بلوغ تھے۔

پھر تھوڑا سا آگے ان کے اس قول کو بعید (مردود) قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں ''فالجمهور علی انه قال هذا الكلام حال صغرة'' جمہور اس کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام حالت صغر میں فرمایا تھا

پھر فرماتے ہیں کہ آپ کی نبوت کے بارے میں قائلین کے دو طبقے ہیں جن میں سے ایک کا نظریہ یہ ہے کہ ''انه كان فی ذلك الصغر نبیا'' آپ اسی بچپن کی عمر میں نبی تھے۔

اس کے بعد فریقین کے بعض دلائل کا ذکر فرما کر اسی طبقہ کی تائید میں فرمایا ''فثبت بهذا انه لا امتناع فی كونه نبیا فی ذلك الوقت ''یعنی اس بحث سے ثابت ہوا کہ بچپن کی اس عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی ممانعت کی کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

آگے لکھتے ہیں: ''فقیل هذا الوحی نزل علیه وهو فی بطن امه وقیل لما الفصل من الامّ اتاه الله الكتاب والنبوة وانه تكلم مع امه واخبرها بحاله واخبرها بانه یكلمهم بما یدل علی براءة حالها ''یعنی ایک قول پر آپ پر یہ وحی اس وقت اتری تھی جب آپ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن میں تھے۔ دوسرے قول کے مطابق بعد از ولادت اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب و نبوت سے نوازا نیز یہ کہ آپ نے سب سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ سے کلام فرما کر انہیں اپنے مقام سے آگاہ فرمایا اور یہ بتایا کہ وہ کچھ وقت بعد لوگوں سے کلام فرماتے ہوئے آپ پر لگائی گئی ان کی تہمت سے آپ کی برأت کو بیان کریں گے۔ (تفسیر کبیر' جلد ۷' صفحہ ۵۳۳' ۵۳۴' طبع کوئٹہ)۔

علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ کی (شرح الشفاء کی) یہ عبارت جلد اول کے باب ہفتم میں نیز اسی باب میں بھی گزر چکی ہے: ''ان اعطاء النبوة فی سنّ الاربعین غالب العادة الالهیة وعیسٰی و یحییٰ علیهما السلام خصابهذه المرتبة الجلیلة كما ان نبینا ﷺ خص بما و رد عنه من قوله كنت نبیا وان ادم لمنجدل بین الماء والطین''۔

علامہ ثعالبی لکھتے ہیں: ''وقالت فرقۃ ان عیسٰی علیہ السلام کان اوتی الکتاب وھو فی سن الطفولۃ وکان یصوم ویصلی ''یعنی علماء کا ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو کتاب بچپن میں عطا کی گئی تھی اور آپ اس وقت روزہ رکھتے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔ (تفسیر ثعالبی' جلد۲' صفحہ ۳۲۶' طبع بیروت)۔

معترض موصوف کے شاگرد رشید علامہ قاضی عبدالرزاق بھترالوی صاحب نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے: آپ کو نبوت یا کتاب عطاء تو اسی وقت فرمادیں جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے۔الخ''۔ (تذکرۃ الانبیاء' صفحہ ۶۵۱)۔

اب سنئے اس پر تصریحات کہ علماء وائمۂ شان کی اکثریت کا یہی نظریہ ہے۔ چنانچہ امام محی السنۃ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں: ''وقال الاکثرون اوتی الانجیل وھو صغیر طفل ''یعنی علماء کی واضح اکثریت اس کی قائل ہے کہ آپ کو انجیل شریف آپ کے بچپن میں دی گئی تھی (معالم التنزیل' جلد۳' صفحہ ۱۶۳)

علامہ علی الخازن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''وقال الاکثرون انہ اوتی الانجیل وھو صغیر وکان یعقل الرجال الکمّل ''یعنی اکثرین نے فرمایا کہ آپ کو انجیل بچپن میں عطا کی گئی اور آپ اس وقت پوری عمر کے مردوں کی فہم پر جلوہ گر تھے۔ (تفسیر الخازن' جلد۳' صفحہ ۱۸۷) نیز تفسیر بغوی' جلد۳' صفحہ ۱۹۴)

نیز علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''والجمھور علیٰ ان عیسٰی علیہ السلام اتاہ اللہ الانجیل والنبوۃ فی الطفولیّۃ وکان یعقل عقل الرجال کما فی بحرالعلوم ''۔یعنی بحرالعلوم میں ہے کہ جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بچپن ہی میں کتاب (انجیل) نبوت عطا فرمائی تھی اور آپ کی اسی عمر میں ہی ان میں کمال عقل کا ظہور ہوا تھا۔ (روح البیان' جلد۵' صفحہ ۳۳۱)۔

الغرض جب جمہور کا مذہب یہی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو نبوت و کتاب بچپن میں ہی عطاء ہوئی اور جمہور کی اتباع مأمور بہ بھی ہے تو راجح اور صحیح یہ ہوا کہ ''اتانی الکتاب وجعلنی نبیا'' کو ان کے حقیقی معنٰی پر رکھا جائے۔

○ موصوف نے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بھی بہت پروپیگنڈہ کیا ہے کہ وہ انہیں بہت مانتے ہیں۔ پس اگر وہ اس پر واقعی قائم ہیں تو اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو ہی فیصل مان لیں۔ آپ فرماتے ہیں ''انہیں ماں کے پیٹ یا گود میں کتاب عطا فرمائی' نبوت دی گئی' قال انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا''۔ (الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی' صفحہ ۷)۔

○ موصوف شیخ تیجانی (ان کی لفظوں میں امام کبیر عارف شہیر اور قطب وقت) کا یہ قول استناداً نقل کر کے کہ "فلذلك بعث قبل الاربعین" اس کا یہ مطلب لکھ چکے ہیں کہ "ان میں ابتداء ہی سے نبوت ورسالت کی اہلیت واستعداد موجود تھی اس لیے ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا"۔ (تحقیقات صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۴)۔

○ بلکہ وہ مزید خود اپنے لفظوں میں بھی لکھ چکے ہیں "کہ حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰی علیہما السلام کا معاملہ قرآن اور احادیث سے صراحۃً ثابت ہے"۔ (تحقیقات صفحہ ۴۳)۔

خلاصہ یہ کہ "اٰتانی الکتاب" اور "جعلنی نبیا" بوجوہ اپنے حقیقی معنٰی پر ہیں یعنی یہ کلام فرمانے سے پہلے ہی کتاب ونبوت سیّدنا عیسٰی علیہ السلام کو حاصل تھیں۔ جمہور ائمۂ وعلماء شان کا یہی نظریہ ہے۔ نیز یہ کہ حقیقی معنٰی پر ہونا تفسیر اور مجاز میں لینا تاویل ہے۔ لہٰذا ان الفاظ کو مجاز بالمشارفۃ پر محمول کرنا مرجوح اور غیر صحیح ہے جس کی عدم صحت خود کلام معترض سے بھی ثابت ہے۔

اعتراض مذکور کا ترکی بہ ترکی جواب:

اگرچہ ہمارے اس بیان سے موصوف کے مذکورہ اعتراض کی ایک ایک شق کا جواب آ گیا ہے تاہم ترکی بہ ترکی جواب بھی حاضر ہے تاکہ وہ ہر حوالہ سے مکمل ہو جائے۔ تو لیجئے پڑھئے:

قولہ "کتاب عطا ہونے کا ذکر پہلے ہے اور نبی بنائے جانے کا بعد میں۔ تو کیا کتاب آپ کو اس وقت مل چکی تھی اور پنگھوڑے میں آپ کے پاس موجود تھی اور آپ نے ان معترضین کو دکھلائی تھی یا سنائی تھی؟"

اقول: سطور بالا میں متعدد دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ الفاظ قرآنیہ اپنے حقیقی معنٰی پر ہیں نیز ان کا حقیقی معنٰی میں ہونا تفسیر بھی ہے۔ نیز حضرت انس، حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم سمیت جمہور ائمہ ملّت اور علماء شان کا یہی نظریہ ہے، اعلیٰ حضرت بھی اسی کے قائل ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ خود معترض سے بھی ثابت ہے تو لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ کتاب آپ کو اس وقت یقیناً مل چکی تھی بناءً علیہ آپ کے پاس موجود تھی مکتوب صورت میں ہو یا سینہ میں محفوظ ہونے کی شکل میں، ہمارا ہر طرح سے ایمان ہے اور مدعا ثابت۔ کیونکہ "اذا ثبت الشیٔ ثبت بجمع لوازمہ" اصول مسلّمہ سے ہے یعنی کوئی چیز جب ثابت ہو جائے تو وہ اصولی طور پر اپنے تمام لوازم کے ساتھ ثابت شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ جب الشمس طالعۃ کو مان لیا جائے تو یہ پوچھنے کی حاجت نہیں ہوگی کہ دن بھی ہے یا نہیں۔ لہٰذا "معترضین کو دکھلائی تھی یا سنائی تھی" کا سوال خود بخود غلط ہو گیا کیونکہ اس کا تعلق حکمِ الٰہی سے ہے۔ حکم ہوا ہوگا تو دکھلائی اور سنائی ہوگی ورنہ نہیں اور ظاہر ہے

کہ اس طرح کی تفصیلات کا ملنا مشکل ہے لیکن نہ دکھلانے یا نہ سنانے سے کتاب کی موجودگی پر تو زد نہیں پڑتی۔

نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ معترض کا یہ سوال وہابیہ کے طرز پر ہے کیونکہ وہ بھی جگہ جگہ عدم ذکر کو ذکر عدم اور عدم ورود کو عدم وجود کی دلیل بناتے ہیں۔ مثلاً اہل سنّت جب اپنے معمولات کے لیئے عموم واطلاق نصوص سے استدلال کرتے ہوئے اجیب دعوۃ الداع اذا دعان سے دعا بعد نماز جنازہ کے جواز نیز ''صلوا علیہ وسلموا تسلیما'' سے صلوٰۃ وسلام عندالاذان کے استحباب کو ثابت کرتے ہیں تو جانب مخالف سے فوراً کہہ دیا جاتا ہے کہ اگر یہ واقعۃً درست ہیں تو صحابۂ وتابعین اور اتباع سے صریحاً دکھاؤ کہ انہوں نے بھی یہ کام کئے تھے ورنہ ہم نہیں مانیں گے۔ اور تو اور رہا حدیث صحیح صریح ثم صلّوا عَلَیّ (کہ اذان کے بعد مجھ پر صلوٰۃ بھیجو رواہ احمد و مسلم وغیرہما) کے ہوتے ہوئے بھی کہتے ہیں حضرت بلال سے دکھاؤ کہ انہوں نے بھی اس پر عمل کیا بھی یا نہیں جو یقیناً سخت بے اعتدالی ہے۔ کیونکہ جب پہلے حکم انہیں ہوا اور وہ تھے بھی جانثاری کی حد تک فرماں برداری کرنے والے تو اس کی تفصیل علیٰحدہ سے ملے یا نہ ملے قطعی طور پر یہی کہا جائے گا کہ انہوں نے اس پر بھی دل وجان سے عمل کیا اور انہیں سمجھانے کے لیئے یہی اصول پیش کیا جاتا ہے کہ عدم ذکر، ذکر عدم کو اور عدم ورود، عدم وجود کو قطعاً مستلزم نہیں۔ اور انہیں اس طرح کا جواب پیش کرنے میں خود معترض بھی شامل تھے مگر اب وہ خود ان کی بولی بولنے لگے ہیں فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

علاوہ ازیں بعینہ یہی سوال حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق بھی جاری ہوسکتا ہے حیث قال تعالیٰ ''یٰیحییٰ خذ الکتاب بقوۃ واتیناہ الحکم صبیا'' تو کیا یہاں بھی یہی تشکیک چلے گی؟

قولہ: اگر معطوف علیہ میں ماضی کا صیغہ اپنے اصلی معنٰی پر نہیں ہے تو مطعوف میں اصل معنٰی پر ہونے کا دعویٰ کیونکر قابل قبول ہوسکتا ہے۔

اقول: ''اگر'' کی بنیاد مطعوف علیہ کے (صیغۂ ماضی کے) اپنے اصلی معنٰی پر نہ ہونے کے نظریہ پر ہے لیکن جب اس کا اپنے اصلی معنٰی پر ہونا ہم نے ثابت کر دیا ہے تو انصاف کا تقاضا یہ بنتا ہے کہ معطوف میں بھی ماضی کا اپنے اصل معنٰی پر ہونا مان لیا جائے۔ بالفاظ دیگر اتانی الکتاب کو ظاہر پر رکھنے کا لزوم ثابت ہوگیا ہے تو لازم ہے کہ جعلنی نبیا کو بھی لازماً اس کے ظاہر پر رکھا جائے۔

مولانا نے ''اصلی معنٰی پر نہیں ہے'' کہہ کر اس کا واضح اشارہ دے دیا ہے کہ اس مقام پر ان کی حیثیت مدّعی کی ہے لہٰذا ان الفاظ آیت کے اپنے اصلی معنٰی میں نہ ہونے کی دلیل کا لانا بھی ان کے ذمّہ ہوا۔

ہمارے لیے ظاہر قرآن کافی ہے۔ اور ابھی گزرا ہے کہ نصوص میں اصل یہ ہے کہ انہیں ان کے ظاہر پر

رکھا جائے جب کہ ایسی دلیل وہ پیش نہیں کر پائے جو ظاہر آیت کو اس کے غیر ظاہر پر محمول کرنے کے لیئے حسب اصول فقہ مطلوب ہوتی ہے وہاں تو ہمارے ائمہ کے نزدیک خبر واحد جو صحیح ثابت ہو بھی کام نہیں دیتی چہ جائیکہ قیاس مجتہد سے کام لیا جائے جب کہ معترض صاحب یہاں معیاری دلیل تو کجا خبر واحد اور قیاس مجتہد کو بھی نہیں لاسکے۔ محض اپنا ذاتی قیاس لائے ہیں یا پھر اقوال لائے ہیں جو حسب اصول لیس بشیٔ ہیں جو علمی دنیا میں قیامت سے کم نہیں ہے۔

قولہ: بلکہ معطوف علیہ میں مستقبل کو مجاز بالمشارفۃ کے طور پر ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے تا کہ اس کے زمانہ مستقبل میں یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے پر تنبیہ ہو جائے۔

اقول: یہ موصوف کا ایک ایسا دعویٰ ہے جو دلیل کے لیے ابھی تک ان کا منہ تک رہا ہے فأتوا برھانکم ان کنتم صادقین نیز ابھی مفصلاً با حوالہ گزرا ہے کہ علی التحقیق اس نظریّہ کی بنیاد ایک خارجی کے قول پر ہے۔ ماشاء اللہ۔

قولہ: ''جیسے کہ قول باری تعالیٰ نفخ فی الصور میں یہی حکمت اور مصلحت کارفرما ہے ورنہ لازم آئے گا کہ نزول قرآن سے بھی پہلے صور میں پھونکا جا چکا ہو اور قیامت قائم ہو چکی ہو۔ لہٰذا ہمیں قیامت کے بارے میں کوئی خوف اور اندیشہ نہیں ہونا چاہیئے حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے''۔

اقول: ''نفخ فی الصور'' کو مجاز بالمشارفۃ کی مثال تو کہا جا سکتا ہے لیکن وہ ''آتانی الکتاب وجعلنی نبیا'' کے مجاز بالمشارفۃ کے لیئے ہونے کے دعویٰ کی دلیل (اور ان الفاظ کی تفسیر) قطعاً نہیں ہے۔

بالفاظ دیگر نفخ فی الصور کا کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا یہ معنیٰ میں ہو کہ ''آتانی الکتاب وجعلنی نبیا'' اپنے حقیقی اور اصلی معنٰی میں نہیں ہے بلکہ مجازی معنٰی میں ہے جو مجاز بالمشارفۃ ہے۔ بناءً علیہ موصوف کو اس کے پیش کرنے کا کچھ فائدہ نہ ہوا پس نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو کلام فرمانے سے پہلے کتاب ونبوت حاصل تھیں جب کہ صور میں پھونکا نہیں جا چکا بلکہ پھونکا جائے گا قیامت قائم ہو نہیں چکی قائم ہو گی۔ البتہ آیت کو صحیح محمل سے ہٹانا قیامت کے قائم ہو چکنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا مولانا کو اپنی زندگی کے بقیہ لمحات کو غنیمت سمجھتے ہوئے قیامت کی پیشی سے ڈرنا چاہیئے اور اپنی غلطی سے توبہ کر لینی چاہیئے۔ اسی میں ان کا وقار ہے۔ نیز اللہ ورسول کے حضور اعزاز بھی (جلّ جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) جس کے صحیح واقعی اور یقینی ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ واللہ الموفّق۔

فائدہ مائدہ: جن بعض حضرات نے آتانی بمعنیٰ سیؤتینی اور جعلنی بمعنیٰ سیجعلنی کی تاؤیل

کی ہے۔ دلائل وحقائق کی روشنی میں اس سے مراد حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بہ ہیئت مخصوصہ بعثت اور تبلیغ احکام پر مأمور ہونا ہے۔ اصل نبوت مراد نہیں کیونکہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے جس کی تفصیل ''النبیین'' کی بحث میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس کی مزید تائید امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ان عبارات سے بھی ہوتی ہے: ''قال بعضهم اخبرانه نبي ولكنه ما كان رسولا لانه في ذلك الوقت ماجاء بالشريعة''۔ نیز ''لم لا يجوز ان يقال مجرد بعثته اليهم من غير بيان شئ من الشرائع والاحكام جائز ثم بعدالبلوغ اخذ في شرح تلك الاحكام'' (تفسیر کبیر، جلد ۷، صفحہ ۵۳۳، ۵۳۵، طبع مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور)۔

نیز علامہ فہامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے: ''يقول الفقير المشهور انه اوحى اليه بعد الثلاثين فتكون رسالته متأخرة عن نبوته'' یعنی فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مشہور قول یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف وحی جلی آپ کی عمر شریف کے تیس برس ہو جانے کے بعد آئی تھی پس اس کی بناء پر آپ کی رسالت آپ کی نبوت سے متأخر شمار ہوگی۔ ملاحظہ ہو۔ (روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۳۳۱، طبع بیروت)۔

نیز اس کی تائید ائمہ وعلماء شان کے ان اقوال سے بھی ہوتی ہے جن میں آپ کے شیر خوارگی میں عمر میں کلام فرمانے کو آپ کا معجزہ قرار دیا گیا ہے جب کہ معجزہ نبی کا ہوتا ہے غیر نبی کا نہیں۔ بعض حسب ذیل ہیں:

امام نسفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ: ''وجعلني نبيا'' کے تحت ارقام فرماتے ہیں: ''وعن الحسن انه كان في المهد نبيا وكلامه معجزة'' یعنی محور سلاسل عالیہ صوفیہ صافیہ، امام المفسرین والمحدثین والفقہاء جلیل القدر تابعی اور حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بیٹے حضرت سیّدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام گہوارے کی عمر میں منصب نبوت پر فائز تھے اور آپ کا گہوارے کی عمر والا کلام آپ کا معجزہ تھا۔ (تفسیر مدارک التنزیل، جلد ۲، صفحہ ۹۷۸، طبع کراچی)۔

نیز امام موصوف ''تكلم الناس في المهد'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اى تكلمهم طفلا اعجازا'' (تفسیر نسفی، جلد ۱، صفحہ ۴۳۱)۔ یعنی روزِ قیامت اللہ تعالیٰ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ میں نے آپ کو یہ شان دی تھی کہ آپ نے گہوارے میں لوگوں سے کلام کیا تھا جو آپ کا معجزہ تھا۔

نیز تفسیر خازن (جلد ۱، صفحہ ۲۵۰، ۵۳۸) میں ہے ''هى معجزه عظيمه'' وفي المقام الثاني ''هذه'' یعنی یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

اعتراض نمبر۵:

''نیز قول باری تعالیٰ ہے ''بـرابـوالـدتـی '' کا عطف ''نبیـا '' پر ہے اور محصل عبارت یوں بنے گی: جعلنی برّابو الدتی ''مجھے ماں کے ساتھ نیکوکار اور محسن بنایا تو لازم آئے گا کہ آپ نے اس دوران والدہ ماجدہ کے ساتھ نیکی اور احسان کیا جب کہ ولادت شریفہ پر دو تین دن گزرے تھے۔ تو لامحالہ یہاں بھی معنیٰ یہی ہوگا کہ مستقبل میں مجھے والدہ ماجدہ کے ساتھ بر واحسان کرنے والا بنائے گا اور عاصی و نافرمان نہیں بنائے گا بلکہ مطیع اور فرماں بردار بنائے گا''۔ (تحقیقات، صفحہ۱۹۲)۔

الجواب: اس کی بنیاد بھی اعتراض نمبر۲ میں مذکور اسی دعویٰ پر ہے کہ آیت ہذا میں ماضی کا صیغہ اپنے حقیقی اور اصلی معنٰی میں نہیں بلکہ مجاز بالمشارفۃ کے طور پر مجازی معنٰی میں (بمعنیٰ مستقبل) ہے جس کا بے بنیاد اور غلط ہونا ہم نے ٹھوس دلائل سے ثابت کر دیا ہے پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی گئی استدلال کی عمارت خود بخود منہدم اور زمین بوس ہوگئی اور واضح ہوگیا کہ یہاں بھی بمعنیٰ حقیقی والدہ سے حسن سلوک کرنے والا ہونا مراد ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نافرمانی گناہ ہے اور گناہ شان نبوت کے منافی ہے اور نبی قبل اعلان بھی معصوم ہوتا ہے۔ لہٰذا بـرًّا بو الدتی والی صفت خلقی تھی اور یہ کیا کم نیکی اور احسان ہے کہ آپ نے یہ کلام فرما کر اپنی والدہ ماجدہ کا لگائی گئی تہمت سے بری ہونا علانیہ بیان فرما دیا۔ پس یہی کہا جائے گا کہ آپ کی یہ صفت پیدائشی تھی البتہ جتنی اس کے اظہار کی ضرورت ولادت باسعادت کے بعد پڑی اتنا اسے اس وقت ظاہر فرمایا اور جس قدر کی بعد میں حاجت ہوئی بعد میں اس کا ظہور ہوا اور یہ ایسی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سیّدہ مریم علیہا السلام کو بشارت کے طور پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو پیدا فرمانے سے بھی پہلے بتا دی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ''اذقـالـت الـملـئکة یمریم ان الله یبشـرك بـکلمة منه اسمه الـمسیح عیسٰی بن مریم (الٰی) ویکلم الناس فی المهد و کهلا ''یعنی فرشتے نے حضرت مریم سے کہا بلاشبہ اللہ آپ کو اپنے ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام المسیح عیسٰی بن مریم ہے جو دنیا و آخرت میں بڑی وجاہت والا اور مقربین بارگاہ سے ہے جو گہوارے میں لوگوں سے کلام کرے گا اور از حد طویل العمر ہوگا۔ (پارہ۳، آل عمران، آیت نمبر۴۵، ۴۶)۔

علاوہ ازیں اسی آیت میں ''برًّا بو الدتی '' کی مزید توضیح کے طور پر یہ الفاظ بھی ہیں ''ولم یجعلنی جبّـارًا شقیاً ''یعنی اللہ نے مجھے اپنی والدہ سے حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے متکبر اور بد بخت نہیں بنایا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم بعض علماء کے حوالہ سے لکھتے ہیں "لا تجد العاق الا جبارا شقیا وتلا "وبرًّا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا "یعنی آیت کے ان الفاظ کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ماں باپ کا نافرمان محض وہی ہوگا جو جبار شقی ہوگا (تفسیر کبیر' جلد ۷' صفحہ ۵۳۶)۔

جب کہ اس حصۂ کلام میں "لم یجعل "فعل جحد ہے جو زمانہ ماضی کے لیے متعین ہوتا ہے جو "جعلنی " کے ماضی (حقیقی واصلی معنٰی) کے لیۓ متعین ہونے کی دلیل ہے۔

مصنف تحقیقات نے اس سے بالکلیہ صرف نظر کرلیا ہے تاکہ ان کے استدلال پر آنچ نہ آنے پائے۔ فیا للعجب۔

نیز وبرًّا بوالدتی سے کچھ پہلے "وجعلنی مبارکا اینما کنت "کے الفاظ بھی ہیں جو "اینما کنت " کی دلیل سے وقت تکلم سمیت تمام اوقات وامکنہ کو حاوی ہوکر ماضی کے لیۓ متعین ہے یعنی اللہ نے مجھے یہ شان بھی دی ہے کہ میں جہاں بھی ہوں گا برکتیں ہی برکتیں ہوں گی۔

موصوف نے اس کو بھی چھوا تک نہیں ہے تاکہ انہیں جواب دینے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔

وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ سے پہلے وجعلنی نبیا کے بعد "وجعلنی مبارکا " ہے بناءً علیہ بَرًّا کا عطف مبارکا پر بھی ہوسکتا ہے۔ للقرب والجوار۔

موصوف بھی یہ صورت نکال سکتے تھے مگر انہوں نے ایک ہی فیصلہ دے کر اس پر منفی تبصرہ کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے نفی ہی نفی کی ٹھان لی ہوئی ہے۔

جب کہ ائمہ تفسیر کی تصریحات موجود ہیں کہ برًّا کا منصوب ہونا مبارکا پر عطف کی بناء پر ہے یا پھر وہ فعل مقدر کا معمول ہے لاغیر۔ لہٰذا مولانا کا اسے نبیا کا معطوف بتانا ان مفسرین سے ہٹ کر ہے۔

چنانچہ امام احناف علامہ نسفی فرماتے ہیں: "وبرابوالدتی عطفا علی مبارکا" ای بارا بها اکرمها واعظمها" (مدارک جلد ۲' صفحہ ۹۷۸)۔

علامہ حقی لکھتے ہیں: وبرابوالدتی عطف علی مبارکا ای جعلنی بارابها محسنا لطیفا (روح البیان' جلد ۵' صفحہ ۳۳۱)۔

علامہ مظہری رقم طراز ہیں: "وبرا ای بارًّا بوالدتی عطف علی مبارکا او منصوب بفعل دل علیه اوصانی ای وکلفنی برًّا وحینئذ مصدر " (تفسیر مظہری' جلد ۶' صفحہ ۹۴)۔

علامہ الوسی ارقام فرماتے ہیں: وبرا بوالدتی عطف علی مبارکا علی ماقال الحوفی

وابوالبقاء وتعقبہ ابو حیان بان فیہ بعداللفصل بالجملة ومتعلقها اختار اضمار فعل ای وجعلنی بارّا بها (روح المعانی' جلد۹۰)۔

علامہ سلیمان الجمل نے لکھا ہے: فیہ تأویلان احدهما انہ منصوب نسقا علٰی مبارکا ای وجعلنی برّا والثانی انہ منصوب باضما رفعل الخ (حاشیہ جلالین' جلد۳' صفحہ۶۱)۔

رہا یہ کہ اس تکلم کے وقت آپ دو تین دن کے تھے؟

تو اوّلاً اعتراض نمبر۶ میں دوٹوک طور پر ''تین دنوں کے'' لکھا ہے۔

ثانیاً تفسیر مدارک جلد۲' صفحہ ۹۷۸' نیز جلالین حاشیۃ ۳۰ میں بحوالہ مدارک اور بغوی جلد۳' صفحہ۱۹۴' میں ایک دن اور چالیس دن کے اقوال بھی ہیں: وھو ابن اربعین یوماً وقال مقاتل بل ھو یوم ولد'' اللفظ للبغوی۔

نیز ملاحظہ ہو (تفسیر الخازن' جلد۳' صفحہ۲۳۴' تفسیر مظہری جلد۶' صفحہ۹۳' (وغیرہا))۔

اعتراض نمبر۷:

''نیز ارشاد باری تعالٰی واوصانی بالصلوة والزكوة مادمت حيّا تو کیا ولادت کے ساتھ ہی آپ کو نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم مل چکا تھا کیونکہ اوصانی بھی ماضی کا صیغہ ہے۔ نیز مادمت بھی ماضی کا صیغہ ہے تو ان تین دنوں کے عرصہ میں آپ اس عبارت کے ساتھ مکلّف ٹھہرائے گئے ہوں گے؟ کیا کوئی عقل مند آدمی یہ تسلیم کرسکتا ہے؟

الحاصل جب ماقبل اور مابعد والے صیغے اپنے ماضی والے معنٰی میں نہیں تو لامحالہ جعلنی بنیا میں بھی مستقبل میں حاصل ہونے والے اعزاز واکرام کا بیان ہے۔ ان امور کو صیغہ ماضی کے ساتھ تعبیر کردیا گیا تا کہ تیقن وقوع پر دلالت پائی جائے (ملخصاً بلفظہ) (تحقیقات' صفحہ۱۹۲' ۱۹۳)۔

الجواب: اس کی بنیاد بھی بنیادی طور پر ''آتانی الکتاب'' کے اپنے حقیقی معنٰی میں نہ ہونے کے دعوٰی پر ہے جس کا غیر صحیح ہونا ہم ابھی وقیع دلائل سے ثابت کر آئے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ ''جعلنی نبیا'' کے حقیقی معنٰی میں ہونے کو بھی بفضلہٖ تعالٰی ہم نے حقائق ودلائل سے ثابت کردیا ہے۔ لہٰذا اصولی طور پر اوصانی الخ کے الفاظ کے حوالہ سے کیا گیا ان کا اعتراض بھی خود بخود کافور اور ہباء منثور ہو گیا جب کہ علیحدہ سے بھی اس کی کوئی دلیل انہوں نے پیش نہیں کی۔

نیز قرآن مجید میں یہ طرز بھی نہیں چلتا کہ چونکہ یہ یوں ہے۔ تو وہ بھی یوں ہے۔ مولانا اس طرح سے

لکھتے جارہے ہیں جیسے وہ کسی عام کتاب کی شرح کررہے ہوں۔

بحث یہ نہیں ہے کہ ماضی کبھی مستقبل کا معنٰی بھی دیتا ہے جس سے مقصود تیقن وقوع پر دلالت ہوتی ہے بلکہ بحث اس میں ہے کہ یہاں ماضی کے اسی معنٰی میں ہونے کی کیا دلیل ہے جب کہ مسئلہ بھی غیب کا ہے جس کے لیئے معیاری دلیل ہی کام دے سکتی ہے۔

نیز معاملہ بھی شان نبوت کا ہے جس میں ایسے امور کے ظہور میں عقلاً یا شرعاً کوئی استحالہ بھی نہیں ہے۔ ماقبل ومابعد کا سہارا لے کر (وہ بھی حسب زعم خویش اور بر بناء فاسد) اس طرح کا استدلال بھی علمی معیار سے ہٹ کر ہے۔

بعض حضرات نے سورۂ فتح کی آیت لیغفر لك الله الخ کے حوالہ سے کنز الایمان شریف پر اسی طرز کا اعتراض کیا کہ اس کے ماقبل ومابعد میں جب حضور سیّد عالم ﷺ کا ذکر خیر ہے تو درمیان میں امّت کا ذکر کیسے آ گیا جس کا انہیں یہی جواب دیا گیا تھا کہ یہ بھی آیت کا ایک ثابت شدہ معنٰی ہے۔ پس اسے قبول کرنے سے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

اور پر لطف بات یہ کہ مولانا بھی ان کے خلاف کمر بستہ ہوگئے تھے پھر صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آپ طویل سفر کرکے ان کے پاس جا کر انہیں اس سے رجوع کرنے پر بھی مجبور کرنے بھی گئے تھے۔ اب شاید اس کا ایک حل یہی ہو کہ مسئلہ ہٰذا میں موصوف کے لیئے ان علامہ صاحب کو زحمت دی جائے۔ بدلے کا بدلہ بھی ہو جائے گا اور مسئلے کا مسئلہ بھی۔ احباب توجہ فرمائیں۔

جب کہ مانحن فیہ کا حقیقی معنٰی میں ہونے کا معاملہ بھی سلف سے ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر ثعالبی سے ہم ابھی لکھ آئے ہیں کہ ''وکان یصوم ویصلی''۔

نیز امام اہل سنت مجدّد ملت علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان قرآنی الفاظ کے تحت باقاعدہ سے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو حالت صغر میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم کیسے دیا گیا جب کہ چھوٹا بچہ مرفوع القلم ہوتا ہے پھر اس کا ایک جواب یہ دیا ہے اور اس پر دلائل بھی دیئے ہیں جو اس کی دلیل ہے کہ یہی ان کا مختار ہے کہ ''التعلیل دلیل التعویل''۔

فرماتے ہیں: ''لعل الله تعالی لما انفصل عیسی علیہ السلام عن امہ صیرہ بالغا عاقلا تامّ الاعضاء والخلقة وتحقیقه قوله تعالی ''ان مثل عیسی عند الله کمثل آدم'' فکما انه تعالی خلق آدم تامًا کاملاً دفعة فکذا القول فی عیسی علیہ السلام وهذا القول اقرب الی الظاهر لقوله ما

دمت حیا ''یعنی یوں لگتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنی والدہ ماجدہ کے بطن پاک سے اس جہان میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فوری طور پر عمر بلوغ پر پہنچا کر کمال عقل پر فائز فرمایا اور انہیں کامل الاعضاء اور تامّ الخلقۃ بنا دیا جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم یعنی اللہ کے ہاں حضرت عیسیٰ کی مثال حضرت آدم کی مثال جیسی ہے۔ پس جیسے اس بلند شان نے حضرت آدم علیہ السلام کو یک دم کامل و مکمل طور پر پیدا فرمایا تو یہی تفصیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے اور یہ قول اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مادمت حیا'' کے ظاہر کے بہت مطابق ہے (تفسیر کبیر، جلد ۷، صفحہ ۵۳۵، ۵۳۶، طبع لاہور)۔

نیز ''مَادُمْتُ حَیًّا'' کے بارے میں لکھتے ہیں: ''فانه یفید ان هذا التکلیف متوجه علیه فی جمیع زمان حیاته ''یعنی ان الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ آپ ولادت کے بعد کے وقت سمیت اپنی حیات کے تمام لمحات میں اس امر الٰہی کے مکلّف رہے۔ (کبیر، جلد ۷، صفحہ ۵۳۶)۔

اس کے بعد امام موصوف نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر واقعی ایسا تھا تو لوگوں نے آپ کو صغیر السن قرار دے کر اظہار تعجب کیوں کیا؟ (فرماتے ہیں) ''انه تعالیٰ جعله مع صغر جثته قوی الترکیب کامل العقل بحیث کان یمکنه اداء الصلاة والزکاة والآیة دالة علی ان تکلیفه لم یتغیر حین کان فی الارض وحین فرع الی السماء وحین ینزل مرة اخریٰ''۔

خلاصہ یہ کہ لوگوں کو تعجب اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم مبارک کے حجم کو اس عمر کے بچوں کے مطابق رکھ کر اس میں عالم شباب کے جملہ لوازمات کو اجاگر فرما دیا اس طرح سے کہ آپ نماز وزکوٰۃ کی ادائیگی فرماتے۔ آیت کے یہ الفاظ اس امر کی دلیل ہیں کہ آپ اپنی عمر کے تمام مراحل میں ان امور کے برابر سے مکلّف تھے۔ اس وقت بھی کہ جب آپ زمین پر تھے۔ نیز اس وقت کہ جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا نیز اس وقت بھی کہ جب آپ دوبارہ زمین پر نزول اجلال فرمائیں گے۔ (کبیر، جلد ۷، صفحہ ۵۳۶)۔

نیز البحر المحیط جلد ۶، صفحہ ۱۸۷، النہر الماد جلد ۶، صفحہ ۱۸۶، میں ہے ''وفی مادمت مصدریة ظرفیة ای مدة دوام حیاتی''۔

نیز مظہری، جلد ۶، صفحہ ۹۴ میں ہے: ''ما دمت حیا'' ظرف للصلوة والزکوة یعنی اوصانی بان اصلی وازکی مدة حیاتی''۔

اقول: دیگر عبارات بالعموم اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارات خصوصیت کے ساتھ معترض کے اس اعتراض کی ایک ایک شق کا مکمل جواب ہیں ایسے لگتا ہے کہ جیسے انہوں نے مولانا کو سامنے رکھ کر اس کا

جواب لکھا ہو۔ نیز مولانا کے ان لفظوں سے بھی ایسے لگتا ہے کہ انہوں نے جوابی کاروائی کرتے ہوئے مہربانی کے اپنے یہ الفاظ امام موصوف سے کہے ہوں کہ ’’کیا کوئی عقل مند آدمی یہ تسلیم کرسکتا ہے؟‘‘ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اقول: جس کا جواب یہ ہے کہ نبوت کی شان کو ہر اس آدمی کی عقل تسلیم کرے اور اس میں وہ کسی قسم کے لیت ولعل اور چون وچرا کا دخل بھی نہیں دے گی جو صفت ایمان سے صحیح معنٰی میں بہرہ ور ہوگی۔ والحمد للہ۔

اس سب سے قطع نظر اگر ’’اوصانی بالصلوۃ والزکوۃ‘‘ کے مضمون کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات پاک کے اس حصہ سے بھی منسلک مان لیا جائے جو مستقبل سے متعلق تھا تو اس سے پھر بھی وقت تکلم آپ کے نبی ہونے پر کچھ اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اصل نبوت اور آپ کا پیدائشی نبی ہونا دیگر دلائل سے ثابت ہے (کما مرّ مراراً)۔ بالفاظ دیگر ’’جعلنی نبیا‘‘ کا حقیقی معنٰی میں ہونا ٹھوس دلائل سے ثابت اور ایک نا قابل تردید حقیقت واقعیہ ہے۔ والحمد للہ۔

مصنفِ تحقیقات کی بیان کردہ حکمتِ تکلّم، نفیٔ نبوّت کا ثبوت نہیں

مصنف تحقیقات نے ’’تحقیقی جواب اور حقیقت حال کا بیان‘‘ کا عنوان دے کر وقت تکلم حضرت سیّدنا عیسٰی علیہ السلام کے معاذ اللہ نبی نہ ہونے کو مزید ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور کچھ سوالات اٹھائے ہیں جن کا ترکی بہ ترکی جواب حسب ذیل ہے۔ پڑھیئے اور ’’صحیح صورت حال‘‘ معلوم کیجئے۔

قال: حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبانی یہ اعلان اس وقت کرانے کی ایک خاص حکمت تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ پر تہمت لگائی گئی اور آپ خود بھی اس کی زد میں آرہے تھے تاکہ بعد والے دور میں اعلان نبوت ورسالت پر کوئی مفسد اور بد باطن اعتراض نہ کرسکے۔ لہٰذا حاصل ہونے والی کتاب اور منصب نبوت اور اہم قسم کے شرعی احکام بھی بیان فرمائے۔ اس سے ان کا عقل کامل والا ہونا اور امور کے حقائق پر مطلع ہونا بھی لازم نہیں آتا چہ جائیکہ ان کے بالفعل حصول کے ساتھ موصوف اور متصف ہونا ضروری ہو (ملخّصاً بلفظہ) (تحقیقات، صفحہ ۱۹۳، ۱۹۵)۔

الجواب: اقول: ’’خاص حکمت‘‘ کا مطلب ہے صرف یہی حکمت تھی اور کوئی حکمت نہ تھی جو صحیح نہیں جس کے غلط ہونے کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی جو کہ ان کی ذمہ داری تھی

کیونکہ تخصیص دعویٰ ہے اور مخصّص مدعی جب کہ دلیل کا لانا مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔

یہ حکمت کیوں نہیں ہوسکتی کہ یہ اعلان اس لیے کرایا گیا تا کہ واضح ہو کہ نبی ہر حال میں نبی ہوتا ہے' بعثت اس کے اظہار کا نام ہے جو حسب حکمت خداوندی متعینہ اوقات میں ہوتی ہے اور تا کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ بعثت کا مطلب نبی بننا ہے جو ایک نا قابل تردید حقیقت بھی ہے جس کی تفصیل ''النبین'' کی بحث میں گزر چکی ہے۔

علاوہ ازیں خود معترض بھی یہاں ''اعلان نبوت ورسالت'' کے لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ نیز معترض کے لیے ''مفسد'' اور ''بد باطن'' کے لفظ بھی بول گئے ہیں۔ واہ خدا تیری شان۔

اسی طرح ان کا اللہ کے برگزیدہ پیغمبر کے متعلق امر غیب کے بارے میں یہ کہنا کہ اس سے ان کا عقل کامل والا اور حقائق پر مطلع ہونا لازم نہیں آتا بھی نہایت درجہ غلط ہے جو ظاہر قرآن کے منافی رجم بالغیب اور محض عقلی ڈھکوسلا ہے اور جمہور ائمہ شان کی تصریحات کے خلاف ہے جو ابھی گزری ہیں مثلاً کان یعقل عقل الرجال' ان اللہ اکمل عقله واستنبأ ه طفلا نیز امام علم الکلام علامہ تفتازانی کی یہ نص صریح کہ نبوت کے لیے کمال عقل شرط ہے اگر چہ بچپن میں ہو پھر مثال کے لیے حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کا نام لیا۔ امام رازی کا کلام بھی اس سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔

مصنف تحقیقات نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ''لازم نہیں آتا'' جو کہہ رہے ہیں' یہ کب لازم آتا ہے کہ نہ کمال عقل ہو نہ حقائق پر مطلع ہونا جب کہ یہ شان نبوت کے آگے بڑی بات بھی نہیں۔ نیز اس پر تصریحات اکابر بھی موجود ہیں۔ پس یہ بات انہوں نے محض عام لوگوں پر قیاس کرتے ہوئے کہی ہے۔

نیز اس کا غلط ہونا اس عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے: قال وهب اتاها زكريا عليه السلام عند مناظر تهاد اليهود فقال لعيسىٰ عليه السلام انطق بحجتك ان كنت امرت بها فقال عند ذلك عيسىٰ عليه السلام ''یعنی معروف تابعی وہب نے فرمایا یہود حضرت مریم سے بحث کر رہے تھے اتنے میں زکریا علیہ السلام بھی پہنچ گئے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا اگر آپ کو اللہ کی طرف سے حکم ہے تو آپ ان لوگوں پر اپنی حجت قائم فرمائیں۔ پس اسی وقت حضرت عیسیٰ نے کلام شروع فرمایا۔ (بغوی جلد ۳' صفحہ ۱۹۴' خازن' جلد ۳' صفحہ ۲۴۳' مظہری' جلد ۶' صفحہ ۹۳)۔

باقی رہا ان کا بعد والے دور میں حاصل ہونے والی کتاب وغیرہ کے الفاظ کا استعمال کرنا؟ تو یہ وہی مجاز بالمشارفۃ والی بات ہے جو انہوں نے پہلے کی ہے جس کا ٹھوس دلائل سے رد کر دیا گیا ہے۔

رہا یہ کہنا کہ ''چہ جائیکہ ان کے بالفعل حصول کے ساتھ موصوف اور متصف ہونا ضروری ہو''؟ تو اس کا

غلط ہونا خود ان کے ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ : ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں ابتداء سے ہی نبوت و رسالت کی اہلیت استعداد موجود تھی ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا''۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۰۴)۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

قال: ''آپ اس وقت اس قدر کلام فرمانے کے بعد خاموش رہے اور جس طرح معمول کے مطابق بچے کلام کرنے کے قابل ہوتے ہیں آپ نے بھی اسی مدت میں کلام شروع فرمایا (تحقیقات' صفحہ ۱۹۳' ۱۹۴)۔

اقول: یہ غیب کا مسئلہ ہے جس کے لیۓ اس کے معیار کی دلیل درکار ہے جو پیش نہیں کی گئی عدم ذکر بھی دلیل نہیں۔ تاریخی حیثیت سے بھی اجماعی اور متفق علیہ نہیں ہے مسئلہ بھی عام انسان کا نہیں ہے اس لیے دوٹوک فیصلہ صادر کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

روح المعانی جلد ۱۵' صفحہ ۱۴۱' ۵ طبع کوئٹہ و ملتان میں ہے و اختلف فی انہ الخ یعنی یہ امر مختلف فیہ ہے۔

قال: ''چنانچہ امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے تفسیر درمنثور میں فرمایا کہ ابن ابی شیبہ' ابن حاتم اور ابن عساکر نے مجاہد کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے ''ما تکلم عیسیٰ بعد الآیات التی تکلم بھا حتی بلغ مبلغ الصبیان (جلد چہارم' صفحہ ۱۷۱) (تحقیقات' صفحہ ۱۹۴)۔

اقول: روایت ہٰذا کا مضمون ظاہر قرآن نیز جمہور ائمۂ شان کے مؤقف کے تقاضوں کے خلاف ہے جن میں دیگر بے شمار اکابر کے علاوہ حضرت انس حضرت حسن بصری اور خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین بھی شامل ہیں کیونکہ جب تورات و انجیل اور حکمت کی تعلیم انہیں بطن مادر یا گود مبارک کے زمانہ میں دے دی گئی۔ نیز کمال عقل کا ظہور بھی ہو گیا اور بہت سے ائمہ کے حسب مذہب اسی عمر شریف میں بعثت بھی ہو گئی تو اس سب کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ کم از کم یہ کہ معیاری کلام فرما سکتے ہوں۔ اس کی سند پر کلام کا حق ابھی محفوظ ہے۔ امام سیوطی نے بھی اس میں صحیح روایات کے رکھنے کا التزام نہیں فرمایا۔ بلکہ محض جمع قوال و روایات کے فن کی پاسداری کی ہے جو خود کتاب کے نام سے بھی ظاہر ہے۔ یعنی وہ منظوم نہیں درمنثور رہے۔

قال: اسی طرح تفسیر قرطبی میں ہے (جس کا خلاصہ موصوف کے کیۓ گیۓ اردو ترجمہ کے مطابق یہ ہے) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ان آیات کے ساتھ کلام فرمایا تھا پھر عام بچوں والی حالت پر ہو گئے تا آنکہ بچوں کے بولنے کی میعاد کو پہنچے۔ یہ اس کی مانند ہے جیسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کے اعضاء کو قوت گویائی عطا فرمادے گا۔ یہ منقول نہیں ہے کہ اس کے بعد بولتے رہے' نماز ادا کرتے رہے۔ اگر جاری رہتی تو یہ امور کسی سے پوشیدہ کیونکہ رہ سکتے تھے'' وھذا کلہ یدل علی علی فساد القول الاول و یصرح

بجہالۃ قائلہ ''لہٰذا یہ تمام' بچپن ہی نبی ہونے والے قول کے بطلان اوراس کے قائل کی جہالت کی تصریح کر رہی ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۹۴' ۱۹۵ بحوالہ قرطبی' جلد ۱۱' صفحہ ۰ ۷)۔

اقول: یہ برتقدیر تسلیم علامہ قرطبی کی خالصۃً ذاتی رائے ہے جس میں دعوے ہی دعوے ہیں دلیل نام کی کوئی چیز نہیں ہے جس کا جواب ہمارے ذمہ بنتا ہو۔ قیامت کے دن بندوں کے اعضاء پر قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اعضاء غیر ذوی العقول ہیں اوران کا وہ کلام روزِ حساب کے حسب اصول خبری ہے جو مانحن فیہ کے بالکل برعکس ہے کہ یہاں اللہ کے برگزیدہ پیغمبر کی زبان مبارک کا کلام ہے جو خالصۃً وحیٔ الٰہی اورامر خداوندی سے ہے جیسا کہ ابھی بغوی وغیرہ سے صراحۃً گزر راہے۔ نیز اس کی نبیاد عدم نقل پر ہے جو علمی دنیا میں لیس بشئ ہے۔

باقی انہوں نے جو ''روی'' کے لفظ استعمال کیۓ ہیں اگراس سے مراد حضرت ابن عباس سے منسوب مذکور بالا روایت ہے تو اس کا جواب ابھی گزرا ہے۔ کوئی اور روایت ہے تو اس کی سند اور مآ خذ پیش نہیں کیۓ گئے۔ پھراس کے لیۓ انہوں نے صیغۂ تمریض کو استعمال کیا ہے جس سے اس کا ضعف ظاہر ہے یعنی ''آواز آندی اے''۔

○ ''اگرایسا ہوتا تو یہ امور کسی سے پوشیدہ کیونکر رہ سکتے تھے'' والی بات بھی انتہائی سطحی ہے کیونکہ جب نظم قرآنی موجود ہے تو پوشیدہ کیونکر رہی مسلمان کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس کا ذکر قرآن مجید میں آ گیا ہے۔ معجزۂ شق القمر کے متعلق کچھ لوگوں نے یہی طرز اپنایا تو اہل علم نے اسے قطعاً درخور اعتنا نہیں سمجھا۔

خودمانحن فیہ میں تسلسل تکلم تو کجا بہت سے لوگ سرے سے کلام سیدنا عیسٰی علیہ السلام سے بھی انکاری ہیں

چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں: ''ان الیھود والنصاریٰ ینکرون ان عیسٰی علیہ السلام تکلم فی زمان الطفولیۃ ''یعنی یہود ونصاریٰ' حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ طفولیت کے اس تکلم کو تسلیم نہیں کرتے (تفسیر کبیر' جلد ۷' صفحہ ۵۴۶' طبع لاہور)۔

تو کیا اب حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نفس تکلم سے بھی صرف اس بناء پر معاذ اللہ انکار کر دیا جائے کہ ان لوگوں میں اس کی شہرت نہیں ہے۔ الغرض علامہ قرطبی کی یہ عبارت بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے۔ قائلین نبوت عیسٰی علیہ السلام کو اس میں جو جہالت وغیرہ کی گالی دی گئی ہے' اس پر مستزاد ہے جس کی زد میں بڑے بڑے اساتین اسلام آ رہے ہیں جیسے حضرت انس' حضرت ابن عباس' حضرت حسن بصری' علامہ بغوی' علامہ تفتازانی' علامہ خازن' علامہ حقی' علامہ بیضاوی' علامہ خفاجی' علامہ شیخ جمل' امام رازی اور امام اہل سنّت اما احمد

رضا خاں وغیرہم ائمۂ شان علیہم الرحمۃ والرضوان۔تو کیا مولانا ان سب حضرات کو فاسد العقول' باطل العقیدہ اور جہلاء قرار دیئے جانے پر راضی اور خوش ہیں۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔بریں عقل ودانش بباید گریست۔

قال: اس لیئے علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو نبوت کب ملی؟ بعض حضرات نے اگرچہ بچپن سے نبوت کا قول کیا ہے لیکن دوسرے حضرات نے تیس سال اور بعض نے چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے جانے کا قول کیا' اصرار کیا اور آخری قول کو معتمد علیہ قرار دیتے ہوئے فرمایا''والمعتمد انه علیه السلام نبئ علی رأس الاربعین وعاش نبیا ورسولا ثمانین سنة فلم یرفع الا وھو ابن مائة وعشرین سنة (تفسیر جلالین وحواشی)۔الغرض جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بچپن میں نبی بنائے جانے پر اجماع نہیں بلکہ چالیس سال والے قول کو راجح' مختار' معتبر اور معتمد علیہ قرار دیا گیا ہے تو دلالۃ النص کے طور پر محبوب کریم ﷺ کو آغاز ولادت سے نبی بنائے جانے کے دعوے پر استدلال کی حیثیت کیا ہوگی؟ (ملخصاً بلفظہ) (تحقیقات' صفحہ ۱۹۶'۱۹۵)۔

اقول: شکر ہے کہ مولانا نے ایک بار پھر یہ مان لیا ہے کہ یہ امر حقیقت واقعیہ ہے کہ علماء وائمہ اسلام کا ایک طبقہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بچپن مبارک سے ان کے نبی ہونے کا قائل ہے۔

رہا ان کا یہ کہنا کہ''بچپن میں نبی بنائے جانے پر اجماع نہیں''؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے اقوال پر بھی اجماع اتفاق نہیں ہے۔

رہا یہ کہ بعض نے چالیس کے قول کو معتمد علیہ' معتبر اور راجح ومختار قرار دیا ہے؟

تو **اولاً** مولانا نے ان قائلین کی نشان دہی نہیں کی تاکہ دین ومذہب اور علم وتحقیق میں ان کے مقام ومرتبہ کو دکھا جاتا۔

ثانیاً پیش کردہ عبارت میں چالیس سال میں نبی بنائے جانے' اس کے بعد اسی سال گزار کر ایک سو بیس سال کی عمر شریف میں آسمان پر تشریف لے جانے کے معتمد ومعتبر نیز راجح ومختار ہونے کی وجہ اور دلیل بھی مذکور نہیں ہے تاکہ اس کی صحت وعدم صحت نیز مطابقت وعدم مطابقت کا جائزہ لیا جاتا۔

مولانا نے یہ عبارت جلالین صفحہ ۵۱' حاشیہ نمبر ۱۶' سے لی ہے جب کہ حاشیہ مذکورہ میں اس کے ماٴخذ کی نشاندہی بھی نہیں کی گئی ہے۔تعجب ہے کہ وہ اس قدر مجہول قسم کی بے سروپا عبارت کو بنیاد بنا کر کیسے نازاں وفرحاں ہیں؟

ثالثاً فاتح قادیانیت بحرالعلوم حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب سیف چشتیائی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان کی جانب تشریف لے جانے کے وقت عمر شریف تینتیس برس لکھی اور اسے ''علی الصحیح'' کہا نیز ایک سو بیس کو شاذ اور بعید (یعنی قول مردود) قرار دیا ہے۔

رابعاً مولانا خود بھی بچپن والے قول کو ترجیح دے چکے ہیں ملاحظہ ہو تحقیقات' صفحہ ۱۰۴' عبارت کچھ پہلے پیش کی جا چکی ہے۔ بناءً علیہ بچپن میں نبی ہونے کا قول ہی صحیح ہوا۔

خامساً اس سب سے قطع نظر عند الفقیر علماء کے اس اختلاف کا تعلق محض اس امر سے ہے کہ وقت بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف کیا تھی؟ بالفاظ دیگر کس سن میں بعثت ہوئی جس کا اصل نبوت سے کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ ہر نبی پیدائشی نبی ہے (النبیین کی بحث میں مکمل باحوالہ تفصیل گزر چکی ہے) اس میں خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کے پیدائشی نبی ہونے کے لیے امام شان ابوشکور سالمی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا ''وجعلنی نبیا'' سے استدلال اور اس کے منکر کے لیے ''یصیر کافرا'' کا انعام پیش فرمانا لائقِ ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تمہید' صفحہ ۱۷۶،۱۷۷)۔

لہٰذا نبوت عیسیٰ علیہ السلام سے نبوت سیّد عالم ﷺ کے لیے استدلال کا درست ہونا بجا اور اپنی جگہ قائم ہے اور ''محبوب کریم ﷺ'' کہہ کر ''حیثیت کیا ہوگی'' کے کرخت لفظ استعمال کرنے کا بہت بڑی جسارت ہونا بھی اظہر من الشمس ہے۔

تو لیجئے اب پڑھیئے اگلا اعتراض اور اس کا جواب۔

اعتراض نمبر ۷:

جزوی امور میں دلالۃ النص کا سہارا لینا درست نہیں ہوتا۔ ورنہ وہ بن باپ پیدا ہوئے تو ان سے افضل حضرات کو بھی بن باپ پیدا ہونے والے ماننا ضروری ہونا چاہئے۔ حضرت آدم علیہ السلام ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تو جو ان سے افضل ہیں ان کا بھی ماں باپ کے بغیر پیدا ہونا تسلیم کرنا ضروری ہونا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روحانی مطب کھولا ہوا تھا روزانہ پچاس پچاس ہزار مریض جمع ہو جاتے آپ ہاتھ پھیرنے سے قاصر رہتے تو اپنے مستعمل کپڑے دے دیتے تو مریض ان کے ذریعے شفا حاصل کر لیتے تو کیا ان سے افضل حضرات کو ان سے بھی بڑا روحانی مطب کھولنا لازمی تھا۔ لہٰذا جزوی فضیلت جو ایک ضرورت کے تحت ظاہر کی گئی اس کو بنیاد بنا کر نبی مکرم ﷺ کے حق میں نبوت ثابت کرنا' اس کو قطعی عقیدہ ٹھہرا لینا' اختلاف کرنے والوں کو گستاخ' بے ادب' ضال و مضل اور کافر قرار دینا سینہ زوری اور اصول شریعت سے ناواقفی اور لاعلمی کی دلیل ہے

(ملخصاً بلفظہ) (تحقیقات صفحہ ١٩٦)۔

الجواب: بحث ہذا میں اعتراض نمبر ٣ کے جواب وغیرہ میں گزر چکا ہے کہ دلیل ہذا دعوت فکر کے طور پر دی گئی ہے نیز یہ کہ سیّد عالم کی اولویت و افضلیت سے مراد وہ اولویت ہے جو آپ کے اصل کمالات ہونے کی بنیاد پر ہے۔ نیز عقیدۂ جامعیّت جملہ کمالات بھی صرف آپ کے بارے میں ہے ہر ہر نبی کے متعلق نہیں۔ صلی اللہ علیہ وبہ علیہم وسلم ۔قال تعالٰی ورفع بعصھم درجت' وقال ورفعنالك ذكرك' وللاٰخرة خیرلك من الاولٰی' وقال ومآارسلنٰك الا رحمة للعٰلمین'وقال صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم و خازن و اللہ یعطی ۔لہٰذا دیگر انبیاء علیہم السلام کو مثال کے طور پر یہاں لانا جو حضرت عیسٰی علیہ السلام سے افضل ہیں' غلط ہوا کہ ان کی افضلیت بر بناء اصلیت نہیں۔ نیز حضرت عیسٰی علیہ السلام کی جزوی فضیلت کا تعلق بھی انہی حضرات سے ہوگا۔ سیّد عالم ﷺ سے نہیں' خصوصیت کے ساتھ مانحن فیہ (مسئلہ نبوت) میں قطعاً نہیں۔

پھر حضور اقدس ﷺ کی اس اولویت و افضلیت اور جامعیّت کا مطلب ائمۂ شان کے حسب تصریحات یہ ہے کہ ''الحق کسی نبی نے کوئی آیت و کرامت ایسی نہ پائی کہ ہمارے نبی اکرم نبی الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کو اس کی مثل اور اس سے اَمثل عطاء نہ ہوئی'' (شمول الاسلام' صفحہ ٣١' تصنیف لطیف اعلٰی حضرت علیہ الرحمۃ والبرکۃ)۔

نیز علمائے امت نے جب کسی فرد مخلوق میں کوئی ایسا کمال پایا جواز روئے دلیل بہ ہئیت مخصوصہ اس کے ساتھ مختص نہیں تو اس کمال کو حضور ﷺ کے لیے اس بناء پر تسلیم کر لیا کہ حضور ﷺ عالم کے وجود اور اس کے ہر کمال کی اصل ہیں' جو کمال اصل میں نہ ہو فرع میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا فرع میں ایک کمال کا پایا جانا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اصل میں یہ کمال ضرور ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ اصول بالکل صحیح ہے'' (ملخصاً بلفظہ) (مقالات کاظمی' جلد ٢' صفحہ ٢٦٣ تالیف منیف حضرت غزالئ ماں علیہ الرحمۃ والرضوان)۔

اعلٰی حضرت اور غزالئ زمان رحمہما اللہ تعالٰی کے بیان فرمودہ اس اصول کی رُو سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا وہ عظیم مطب روحانی' حضور ﷺ ہی کے فیض اور آپ کی شان کا ان سے ظہور تھا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بغیر باپ کے ولادت اور حضرت ابوالبشر علیہ السلام کی ماں باپ دونوں کے بغیر تخلیق ان کے کمالات ہیں جو حضرت سیّد عالم ﷺ کو اعلٰی حضرت کے لفظوں میں ''اس سے اَمثل'' صورت میں عطا ہوئے جو آپ کی ''حقیقت مقدسہ نوریہ'' کی شکل میں پائے گئے جس کے لیے نہ ماں متصور ہے نہ باپ' اس کی تخلیق بھی بلا واسطہ احد یکس ہوئی اور وہ بالفاظ غزالئ زمان حضرت ابوالبشر اور حضرت عیسٰی علیہما السلام کے وجود اور ان کے ہر کمال کی اصل ہے''۔

بناءً علیہ مولانا کی بیان کردہ یہ مثالیں آپ ﷺ کے لیے قطعاً بے جا ہیں۔

رہے ان کے یہ الفاظ کہ ''جزوی فضیلت جو ایک ضرورت کے تحت ظاہر کی گئی؟'' تو ان سے موصوف کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت معاذ اللہ نبوت سے خالی تھے جو بلا دلیل اور خلاف دلیل نیز خود ان کی اپنی تصریحات کے برعکس ہونے کے باعث واجب الرد ہے۔ کیونکہ نبوت کا کمال بلکہ سرچشمۂ کمالات ہونا ان کے ہاں بھی مسلّم ہے اور وہ خود لکھ چکے ہیں کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں چونکہ ابتداء سے ہی نبوت و رسالت کی اہلیت و استعداد موجود تھی اس لیۓ ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا''۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۰۴)۔

جب کہ سیّد عالم ﷺ کے بارے میں وہ اس اصول کو بھی نہایت درجہ غیر مبہم اور دوٹوک انداز سے اعترافاً لکھ چکے ہیں کہ ''اس اعتراف و اقرار کے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے الوہیت و معبودیت کے علاوہ تمام مخلوقات میں فرداً فرداً جو کمالات موجود تھے وہ ذات مصطفیٰ ﷺ میں یک جا فرما دیۓ بلکہ ایسے مراتب و درجات پر فائز فرمایا جو اور کسی فرد کے لیۓ ممکن ہی نہیں، آپ تمام عالم کے کمالات ظاہرہ و باطنہ کے لیۓ معدن ہیں۔ تمام مخلوقات نے جتنے فیوض و برکات حاصل کیۓ ہیں وہ سب حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کا فیض ہے۔ عالم شہادت آپ کا فیض ظاہر اور عالم غیب آپ کا فیض باطن ہے''۔ ملخصاً)

ملاحظہ ہو موصوف کی کتاب (کوثر الخیرات، صفحہ ۳۱۰ تا ۳۱۳۔ تفصیلاً عبارات جلد اوّل میں پیش کی جا چکی ہیں)۔

اس تفصیل کی رُو سے نبوت سیّد عیسیٰ علیہ السلام سے نبوت سیّد عالم ﷺ کے لیے استدلال بالکل صحیح ہے۔

نیز یہ کہ مولانا اب تک جب اس سب کو پہلے مانتے اور منواتے رہے تو اب اس کے برعکس چل پڑنا ان کا اختلاف نہیں بلکہ بغاوت و انکار ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے اسے گستاخی، بے ادبی، ضلالت، واضلال اور کفر کہہ دیا ہے تو کسی حد تک موجہ ہے۔ اور یہ تحکم اور سینہ زوری نہیں، قرآن و سنت کا فیصلہ ہے۔ اصول شریعت سے لاعلمی اور ناواقفی نہیں بلکہ مزاج شرع کی عین ترجمانی ہے۔

ع　　بہ بیں تفاوت کہ رہ از کجا است تا بہ کجا

نوٹ: ''جزوی امور میں دلالۃ النص الخ'' پر ابھی بحث کی گنجائش ہے۔

اعتراض نمبر ۸:

''اگر بقول مستدل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت کتاب بھی عطا ہو چکی تھی تو اس طرح آپ کا بچپن میں رسول ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ جو نبی صاحب کتاب ہو وہ رسول بھی ہوتا ہے خواہ پہلے نبی کی کتاب دوبارہ اس

پر نازل کردی جائے یا مستقل اور مخصوص کتاب ہو اور یہاں پر مستقل اور مخصوص کتاب آپ کو عطا کی گئی تھی تو آپ اس حالت میں رسول بھی بن چکے ہوں گے جب کہ نبی مکرم ﷺ پر کتاب کا نزول چالیس یا تینتالیس سال کے بعد ہی ثابت کیا جا سکتا ہے تو ظاہر ہے رسالت بھی اسی وقت سے ثابت کی جا سکتی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کی آپ پر فضیلت لازم آ جائے گی کیونکہ مقام رسالت، مقام نبوت محضہ سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے'' فافهم و تدبر ولا تكن من الغافلين''۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۹۶، ۱۹۷)۔

الجواب: جو حضرات بچپن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک آپ واقعۃً اسی حالت میں رسول بھی تھے۔ اس سلسلہ کی بعض عبارات اعتراض نمبر ۴، ۵، ۶ کے تحت (امام رازی وغیرہ علماءِ اسلام سے) پیش کی جا چکی ہیں۔

علاوہ ازیں مولانا کی یہ عبارات بھی بارہا پیش کی جا چکی ہے کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں چونکہ ابتداء سے ہی نبوت و رسالت کی اہلیت و استعداد موجود تھی اس لیۓ ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا'' (تحقیقات، صفحہ ۱۰۴)۔

رہا یہ کہ انہیں رسول مان لینے سے ان کی آپ ﷺ پر فضیلت لازم آئے گی؟ تو یہ اعتراض خود مولانا پر متوجہ ہو رہا ہے کیونکہ عبارت متذکرہ میں انہوں نے خود ہی اس امر کو تسلیم کیا ہے حیث قال: ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا۔

بلکہ گزشتہ اعتراض نمبر ۷ کی عبارت میں ۱۹۶، پر نیز قول شیخ تیجانی کی بحث میں صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴ پر نیز ۱۹۱، ۱۹۲ پر بھی آپ ﷺ پر حضرت عیسیٰ ﷺ کی جزوی فضیلت ہونے کا تصور دیا ہے۔

نیز ۱۹۱، ۱۹۲ پر یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ نظریہ بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے۔ جب کہ زیر بحث عبارت میں اس کے برعکس تأثر دے رہے ہیں پس دونوں میں سے ایک امر تو ضرور صحیح اور دوسرا غلط ہوگا اور اسی کے مطابق کوئی نہ کوئی حکم شرعی لاگو ہوگا۔ لہٰذا اپنا فیصلہ آپ خود ہی کر لیں کیونکہ

ع　　ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

علاوہ ازیں پیش نظر عبارت میں مولانا نے سیّد عالم ﷺ کو کتاب (قرآن مجید) کے ملنے کے بارے میں دو باتیں لکھی ہیں:

نمبر ۱، اس کا نزول چالیس سال کے بعد ہوا

نمبر ۲، یا تینتالیس سال بعد ہوا۔ جبکہ پہلے وہ یہ لکھ آئے ہیں کہ معتمد معتبر راجح اور مختار یہ ہے کہ حضرت

عیسٰی علیہ السلام بعمر چالیس سال نبی بنائے گئے۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۹۵'۱۹۶)۔

اس تقدیر پر اگر سیّد عالم ﷺ کو تینتالیس سال کے بعد کتاب ملی تو مولانا کے حسب اصول ان کی آپ ﷺ پر فضیلت لازم آئی کیونکہ ان کو آپ ﷺ سے تین سال پہلے کتاب ملی اور مذکورہ حکم عائد ہوا۔ جب کہ چالیس سال والی صورت میں ان کے طرز پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آپ ﷺ سے مساوات اور برابری لازم آئی۔ تو کیا وہ اس پر خوش ہیں؟

ہمارے نزدیک اس صورت میں بھی آپ ﷺ پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی فضیلت کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ

اولاً: مولانا کی اصولی خطاً یہ ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا ہوا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام' حضور سیّد عالم ﷺ سے پہلے نبی بنے اور آپ ان کے بعد بنے جو صحیح نہیں ہے۔ حق حقیق اور تحقیق انیق یہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ بھی پیدائشی نبی ہیں اور حضرت عیسٰی ﷺ بھی پیدائشی نبی ہیں۔ البتہ ہمارے حضور کی نبوت کے بہت امتیازات ہیں جو کسی نبی کی نبوت کے نہیں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت عالم ارواح یا عالم ذرّ میں فیصل ہوئی جس کا باقاعدہ اظہار روز میثاق کر دیا گیا جب کہ آپ ﷺ کی نبوت اس سے بھی پہلے نہ صرف فیصل ہوئی بلکہ بالفعل کے درجہ پر فائز ہو کر حضرت عیسٰی علیہ السلام سمیت تمام ارواح انبیاء علیہم السلام کے لئے مفیض و مربی ہوئی پس ان عوالم میں حضور کی نبوت دیگر انبیاء کرام بشمول حضرت عیسٰی علیہم السلام اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے لفظوں میں اکمل صورت میں تھی۔

علیٰ ہٰذا القیاس عالم اجسام میں بھی آپ ﷺ کی نبوت حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت سے اکمل شکل پر جلوہ فگن ہوئی۔ اس طرح سے کہ ظاہر قرآن نیز موقف جمہور کے مطابق ان کی بعثت بچپن میں ہوئی اور آپ ﷺ کی بعثت عالم شباب میں ہوئی۔ بچپن کی عمر والی نبوت دنیا اور عامہ اذہان کے مطابق عجوبہ تھی جس پر طرح طرح کے سوالات لازمی طور پر اٹھے مثلاً یہ کہ بالکل چھوٹی عمر والے کے پیچھے چلنا عام حالات میں بڑی عمر والوں کے لئے عار تصور کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ جب کہ عالم شباب میں اس طرح کے سوالات قطعاً نہیں اٹھتے۔ پس آپ ﷺ کی عالم شباب کی بعثت مخالفین کے بہت سے سوالات کا خود جواب ہونے کے باعث منکرین و معاندین کے لئے مسکت' مسقط اور مبہت تھی اور ہے اس پر بعض عبارات' عبارت روح المعانی کی بحث میں گزر چکی ہیں جن میں اہل تحقیق کی تصریح ہے کہ من حیث العموم بلوغ کو شرط بعثت تو کہا جا سکتا ہے مگر وہ شرط نبوت ہرگز نہیں ہے۔ تفصیل ادھر دیکھی جائے۔ نیز کتب شان میں اکابر ائمۂ شان کی خصوصی نصوص بھی

موجود ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کے مقابلہ میں آپ ﷺ کی نبوت کا یہ وصف عالی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا اور آپ کی نبوت کی ان کی نبوت پر اس طرح سے فضیلت ثابت فرمائی گئی ہے صلی اللہ علیہ و بہ علیہ و سلم۔

الغرض تمام عوالم میں بالخصوص عالم اجسام میں سید عالم ﷺ کی نبوت و رسالت کا ظہور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے ظہور سے اکمل صورۃ پر ہوا۔ بناءً علیہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آپ ﷺ پر فضیلت کے لازم آنے کا مصنف تحقیقات کا قول سراسر غلط ہے فاقول کما قال ''فافهم و تدبر و لا تکن من الغافلین''۔

تنبیہ:

مولانا نے اپنی اس عبارت میں یہ بھی مان لیا ہے کہ نبوت و رسالت میں مساوات نہیں بلکہ وہ دونوں الگ الگ منصب ہیں جیسا کہ ان کے الفاظ سے خوب واضح ہے کہ ''مقام رسالت، مقامِ نبوت محضہ سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے''۔ جس سے انہوں نے بیک جنبش قلم وہ بات ڈنکے کی چوٹ پر تسلیم کر لی ہے جو ہم ان سے کم و بیش عرصہ پونے پانچ سال سے منوانا چاہتے تھے یعنی نبوت و رسالت میں فرق ہونے کی بنیاد پر حضور سید عالم ﷺ کے لیئے بعد از ولادت باسعادت تا عمر شریف چالیس برس کے زمانہ میں نبی ہونے کا اثبات۔

تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو۔ دعوت رجوع نیز تنبیہات جلد اوّل، دلیل نمبر ۲۰۴، باب ہفتم۔ فلیحفظ فانه ینفع کثیرا. و الحمدلله حمداً کثیراً۔

اعتراض نمبر ۹:

''آپ کو نبوت ملی تو فوراً اعلان کر دیا اور جو لوگ حضرت مریم عفیفہ علیہا السلام کے حق میں بدظنی اور بدگمانی اور غیبت کی وجہ سے گنہگار ہو رہے تھے اور غلط راہ کو اپنائے ہوئے تھے ان کی ہدایت کا سامان کر دیا لیکن نبی مکرم ﷺ نے چالیس سال تک اس نبوت کو اس طرح چھپائے رکھا کہ اخص الخواص اور مقرب ترین حضرات پر بھی اس کا انکشاف نہ کیا اور کسی طرح کی راہنمائی اور ہدایت و ارشاد کا سامان کسی کے لیئے بھی نہ فرمایا تو اس لحاظ سے بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی فضیلت اور برتری لازم آ جائے گی اور اس دلالت النص کا یہاں پر اجراء مستدل صاحب کو مہنگا پڑ جائے گا''۔ (تحقیقات صفحہ ۱۹۷)۔

الجواب: ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہے البتہ ان کی بعثتیں حسب حکمت خداوندی متعینہ اوقات میں ہوئیں۔ لہٰذا یہاں بحث نبوت کے ملنے نہ ملنے کی نہیں بلکہ حکم موصول ہونے نہ ہونے کی بات آئے گی۔ مولانا تحقیقات کے صفحہ ۱۹۲ پر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام وقت تکلم دو تین دن

کے تھے تو سوال یہ ہے کہ آپ اتنے دن کیوں خاموش رہے اور ایک روایت چالیس دن کی بھی ہے۔ اور والدہ ماجدہ کی برأت کو اس سے پہلے بیان فرما کر لوگوں کو بدظنی' بدگمانی اور غیبت کے گناہ اور غلط راہ سے بچاتے ہوئے کیوں نہ ان کی ہدایت کا سامان کر دیا؟ جس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ جب انہیں حکم ہوا تو کلام فرمایا اور جب تک حکم نہ ہوا تھا خاموش رہے۔ یہی جواب سرکار ابد قرار ﷺ کے بارے میں ہے جس کی مکمل باحوالہ تفصیل ''تبلیغ کیوں نہ فرمائی پر اعتراضات کے جوابات'' کے زیرِ عنوان گزر چکی ہے۔

مولانا پھر بھی نہ مانیں تو اتنا بتا دیں کہ وہ آپ ﷺ کو قبل از اعلان نبوت ولی تو مانتے ہیں تو کیا ولی پر نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا لازم نہیں ہوتا؟ نیز اس کی بھی ضاحت ان کے ذمہ ہے کہ اگر حکم ملنے نہ ملنے کا فلسفہ درست نہیں تو آپ ﷺ نے آیات اقرأ کے نزول کے بعد تین سال تک تبلیغ کیوں نہ فرمائی۔ نیز کچھ عرصہ تک چھپ کر نمازیں کیوں ادا فرمائیں اور پوری مکی زندگی میں کفار کے شدید مظالم کے خلاف تلوار کیوں نہ اٹھائی اور اپنے وابستگان کو اس کا حکم کیوں نہ دیا؟

پھر موصوف کا یہ کہنا بھی سخت خلاف واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے قبل از اعلان نبوت کسی کی کسی طرح رہنمائی نہ فرمائی اور ہدایت کا سامان نہ فرمایا۔ ہم نے ''دعوت رجوع'' نیز تنبیہات کے جلد اوّل کے باب ہفتم میں صحیح بخاری وغیرہ (کتب سیر وتواریخ واحادیث) سے متعدد مثالیں پیش کی ہیں کہ آپ ﷺ ہمیشہ برائیوں سے روکتے رہے اور نیکی کا حکم دیتے رہے مثلاً بتوں کے نام کی قسم اٹھانے اور بتوں کے نام کا ذبیحہ کھانے سے آپ کا منع فرمایا نیز بتوں کو چھونے سے روکنا' ظلم کے خلاف منظّم تحریک چلانا رذائل سے احتیاط برتنے اور فضائل سے آراستہ ہونے کی ترغیب دینا اور ہمہ قسم اچھائیوں کے پھیلانے اور برائیوں کے سدباب کے لیے کوشاں رہنا وغیرہ۔

موصوف کے سوال کو درست قرار دیا جائے تو یہ اعتراض حضور کی بجائے خود رب العلمین تک جا پہنچے گا کہ اس نے لوگوں کو فسق و فجور اور کفر و شرک سے بچانے کے لیۓ کیوں نہ جلد آپ کی بعثت فرمائی اور اتنا عرصہ کیوں لوگوں کو مبتلائے معاصی رکھا وغیرہ وغیرہ (والعیاذ باللہ) جس کی کچھ حیثیت نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نفع ونقصان اور نیکی وبدی کو پرکھ کر صحیح سمت متعین کرنے کے لیے عقل اور قوت فکریہ سے نوازا ہے نیز بندوں کے لیۓ اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ انبیاء ورسل کرام علیہم السلام کو ہدایت خلق کے لیۓ بھیجنا اس کی محض مہربانی ہے (تفصیل باب نہم میں آ رہی ہے) جس کے بعد اس کے مانے بغیر قطعاً کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہدایت خلق کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام حکمِ الٰہی پر ہی عمل پیرا ہوتے ہیں۔

اس تفصیل کی رو سے پیش نظر صورت میں آپ ﷺ پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی فضیلت اور برتری ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ اگر اس سے فضیلت اور برتری لازم آتی ہے اور ان کے دیئے گئے تأثر کے مطابق گستاخی بھی ہے تو اس کے مرتکب وہ خود ہیں کیونکہ صفحہ ۱۰۴ وغیرہ پر وہ خود لکھ چکے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ان کے بچپن میں ہی اس نعمت سے سرفراز فرمادیا گیا۔ نیز یہ کہ یہ ان کی آپ ﷺ پر جزوی فضیلت ہے (کما مر آنفا) اور پیش نظر عبارت میں مزید لکھ رہے ہیں کہ انہیں ''نبوت ملی تو فوراً اعلان کردیا'' جس سے واضح ہے کہ وہ اس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بچپن میں نبی ہونے سے انکار نہیں کررہے بلکہ نبوت سید عالم ﷺ کے لیۓ اس سے دلالۃ النص کے استدلال پر اعتراض کرکے اسے مستدل کے لیے مہنگا سودا بتا رہے ہیں جس کے بعد ہم یہ کہنے میں قطعاً حق بجانب ہیں کہ معاملہ اس کے بالکل الٹ ہے بفضلہٖ تعالیٰ دلالۃ النص کا اجراء ''مستدل'' کو کچھ مہنگا پڑنے کی بجائے خود ''سائل صاحب'' کو لینے کے دینے پڑ گئے ہیں اور کچھ حاصل ہونے کی بجائے انہیں بہت کچھ اداء کرنا پڑ گیا ہے۔ سچ ہے ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اعتراض نمبر ۱۰:

''نیز حضرت عیسٰی علیہ السلام نے نبوت ملتے ہی اعلان فرمادیا تو اس سے یہ امر ثابت ہوجائے گا کہ نبی کو نبوت ملتے ہی اظہار کرنا ضروری اور اخفاء قطعاً ناروا ہے۔ تو پھر عمر شریف کے دوتہائی حصہ تک آپ کا نبوت کو چھپائے رکھنا کیونکر جائز ہوگا۔ اگر حصول نبوت میں دلالۃ النص کا لحاظ ضروری ہے تو اعلان میں کیوں ضروری نہیں آخر اس تفریق کا جواز کیا ہے''۔ (ملخّصاً) (صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸)۔

الجواب: اس کا جواب بھی وہی ہے جو اعتراض سابق کے جواب میں گزرا ہے کہ جب حکم الٰہی مل جائے تو اظہار ضروری اور اخفاء ناروا ہوتا ہے لہٰذا اسے خواہ مخواہ چھپائے رکھنا نہیں بلکہ حکم الٰہی سے چھپائے رکھنا اور اذنِ الٰہی نہ ملنے کی بناء پر عدم اظہار کہا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آیات اقرأ کے نزول کے بعد بھی آپ ﷺ نے فوری طور پر کسی سے یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ کا نبی و رسول ہوں۔ پھر اظہار کا مطلب ظاہر ہے کہ تبلیغ ہے۔ جب خود مولانا کو یہ تسلیم ہے کہ تین سال تک آپ نے کھل کر تبلیغ نہیں فرمائی۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۴۳) بلکہ خدا کے کرنے سے وہ یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ جب تک آپ ﷺ کو حکم نہیں ہوا تو آپ نے نبوت و رسالت کا دعویٰ نہیں فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے کفار سے فرمایا: ''جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے تبلیغ احکام کا پابند نہیں کیا تھا اور یہ ذمہ داری نہیں سونپی تھی میں نے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور تمہیں اتباع و اطاعت کا حکم نہیں دیا''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۵)۔ ع مدّعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اعتراض نمبر۱۱:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عالم ارواح میں ہوتے ہوئے نبوت والے منصب پر فائز ہونے کا دعویٰ نہیں فرمایا تھا بلکہ عالم اجسام میں جلوہ گری پر ملنے والی نبوت کی خبر دی تھی تو دلالۃ النص کے طور پر نبی مکرم ﷺ میں جو نبوت ثابت کی جائے گی وہ بھی یہی عالم اجسام میں حاصل ہونے والی نبوت ہوگی نہ کہ عالم ارواح میں ملنے والی نبوت کا تسلسل اور دوام اس کے ساتھ ثابت کیا جا سکے گا جب کہ مستدل حضرات کا نظریہ یہی ہے کہ وہی نبوت دائم اور قائم تھی کیونکہ نبوت کا حصول کے بعد زوال اور سلب ہونا جائز نہیں ہے جب کہ پہلی نبوت کے تسلسل پر اس سے استدلال کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ جب کہ مستدل کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد کو اپنی دلیل بنائے ہوئے ہیں تو اس نبوت کے تسلسل پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام والے دعویٰ سے استدلال کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت موسیٰ اور حضرت خلیل علیہم السلام بھی افضل ہیں اور وہ بالاتفاق عالم اجسام میں چالیس سال کے بعد اس منصب پر فائز فرمائے گئے تو عالم اجسام والی نبوت میں بھی یہ دلالۃ النص جاری نہ ہوسکی تو عالم ارواح والی نبوت کے دوام اور تسلسل میں اس کے اجراء اور اس کے ساتھ استدلال کا جواز کیا ہوسکتا ہے؟ (ملخصاً بلفظہ) (تحقیقات، صفحہ ۱۹۸)۔

الجواب: اس کا جواب بھی وہی ہے جو بارہا گزرا ہے (خصوصاً جواب اعتراض نمبر۷ میں) کہ مسئلہ ہذا میں آپ ﷺ کی جس اولویّت وافضلیت سے استدلال کیا گیا ہے اس سے مراد وہ اولویت ہے جو آپ کے اصل کل کمالات ہونے کی بناء پر ہے مطلقاً اولویت نہیں۔ لہٰذا مولانا کا حضرت کلیم اور حضرت خلیل علیہما السلام کی مثال پیش کرنا بے جا ہے کہ ان افضلیت سرکار ﷺ کی بیان کردہ افضلیت جیسی نہیں۔

پس موصوف کی یہ پوری تقریر کافور اور ہباءً منثورا ہوگئی۔

رہی سید عالم ﷺ کی عالم ارواح والی بالفعل نبوت کے دوام اور تسلسل کے ثبوت کی بات؟ تو وہ اپنی جگہ ایک ناقابل تردید حقیقت اور اٹل امر ہے اور نہایت ہی وزنی اور ٹھوس دلائل سے مزیّن وآراستہ و پیراستہ۔ جس کی مکمل تفصیل جلد اوّل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مزید یہ کہ مولانا نے اپنی اس عبارت میں بھی اسے تسلیم کرلیا ہے جس کے بعد کسی قسم کے چون وچرا کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ سیّدِ عالم ﷺ کی نبوت کے دوام و تسلسل کے لیۓ دو چیزیں ہم نے شروع سے (مراسلت پھر دعوت رجوع پھر تنبیہات جلد اول میں) لکھی تھیں۔ نمبر۱: حدیث نبوت "کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد" (اور اس مضمون کی دیگر احادیث) سے اس کا ثبوت۔ اور نمبر۲: اس ثبوت کے بعد اس کے

زوال وسلب وانقطاع کا عدم جواز وعدم ثبوت۔

مولانا نے اپنی اس اعتراضی تقریر میں حدیث مذکور بھی ذکر کردی ہے جس کی صحت وثبوت سے انکار بھی نہیں کیا اور یہ بھی صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ ''نبوت کا حصول کے بعد زوال اور سلب ہونا جائز نہیں ہے''۔جس کالازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی اسی نبوت کا دوام وتسلسل ایک حقیقت ثابتہ ہے۔سبحان اللہ وبحمدہ سبحان العظیم۔نبوۃ مصطفیٰ زندہ باد۔رسالت سیّدِعالم ﷺ پائندہ باد۔

اعتراض نمبر۱۲:

علمائے کلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد''جعلنی نبیا''کواور نبی مکرم ﷺ کے فرمان کنت نبیا وآدم بین الماء والطین کومستقبل میں حاصل ہونے والے منصب نبوت کے معنیٰ میں لیاہے۔علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے نبراس میں فرمایا: قال القاضی ابوبکر المتکلم کان عیسیٰ علیہ السلام رسولا من حین الصبا فی المھد وجعلنی نبیا واجیب بان کقولہ علیہ السلام کنت نبیا وآدم بین الماء الطین (صفحہ۴۳۰)۔

یہاں علامہ پرہاروی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلان کو کنت نبیا والی حدیث مبارکہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔حاشیہ میں اس تشبیہ کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے:فی انہ تعبیر عن المتحقق فیما یستقبل بزمان الماضی ۔اورمیر سید علیہ الرحمۃ نے اس پر دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا:من البین ان ثبوت النبوۃ فی مدۃ طویلۃ بلا دعوۃ ولا کلام مما لا یقول بہ عاقل (شرح مواقف،۶۶۷)۔

یہ امر مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کلام کرنے کے بعد نہیں بولے اور عام بچوں کی طرح معمول کے مطابق کلام کرنا شروع کیا جیسے کہ قبل ازیں تفسیر قرطبی کی عبارت ذکر کی جاچکی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کا آغاز ولادت میں یہ کلام کرنا اور اس کے بعد نہ کلام کرنا اور نہ نماز ادا کرنا آپ کے منصب نبوت پر فائز ہونے والے قول کے فساد کی دلیل اور س کے قائل ومعتقد ومعترف کی جہالت ولاعلمی کی برہان ناطق اور دلیل صادق ہیں۔ان کے متعلق ان حضرات کا کیا فتویٰ ہوگا۔ہم انتظار میں رہیں گے کہ ان پر بھی اس طرح کا فتویٰ سامنے آتا ہے یا نہیں جیسا کہ ہم غریبوں پر لگایا جارہا ہے۔(ملخصاًبلفظہ بتقدیم وتأخیر یسیر)۔ملاحظہ ہو۔(تحقیقات،صفحہ۱۹۸،۲۰۰)۔

الجواب: علماء کرام کی پیش کردہ سب عبارات کا ایک ایک کرکے مکمل جواب اسی باب (باب ہشتم) کے بالکل شروع میں''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد پراعتراضات کے جوابات''کے زیرعنوان

اعتراض نمبر ا سے جواب کے تحت دیا جاچکا ہے۔عبارت قرطبی کا جواب بھی پیش نظر (جاری عنوان) میں اعتراض نمبر ۶ کے بعد والے عنوان کے تحت پیش کیا جاچکا ہے۔اس سب کی تفصیل ادھر ہی دیکھ لی جائے اعادہ طوالت کا باعث ہے۔

باقی اس مقام پر مولانا نے تفسیر قرطبی کے حوالہ سے جو یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ''اس کے قائل اور معتقد و معترف کی جہالت ولاعلمی کی برہان قاطع اور دلیلِ صادق ہیں''۔نہایت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ موصوف نے اس میں ازخود سابقے لاحقے اضافہ کیئے ہیں۔اس میں خود مولانا کے حسب نقل اسقدر الفاظ ہیں''وھذا کله یدل علی فساد القول الاول ویصرح:بجها له قائله''۔ملاحظہ ہو(تحقیقات'صفحہ۱۹۴'بحوالہ تفسیر قرطبی)۔

اہل علم وفہم حضرات بآسانی فیصلہ کرسکتے ہیں کہ اس عبارت میں ایسے لفظ قطعاً نہیں ہیں جن کا معنیٰ ''برہان قاطع'' اور''دلیل صادق'' ہو۔اسی طرح ''معتقد ومعترف'' کے الفاظ بھی اس میں نہیں ہیں الا اینکہ انہیں قائل کی تفصیل کہا جائے۔

باقی ''بجهالة قائله'' کے لفظوں میں جو صحابہؓ وتابعین کرام ومن بعدہم جمہور سلف صالحین رضی اللہ اجمعین کو گالی دی گئی ہے اس پر شدید احتجاج مذکورہ مقام پر کیا جاچکا ہے۔

رہی فتویٰ لگانے کی بات؟ تو حضرت میر سیّد اور علامہ پرہاروی وغیرہما علمائے کلام کا حضور سیّد عالم ﷺ کی نبوت دائمہ مستمرہ کے بارے میں وہ نظریہ قطعاً نہیں تھا جو مصنف تحقیقات نے نکالا ہے۔ان کا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو جمہور کا ہے۔مصنف تحقیقات نے (صد افسوس کہ)ان سے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو مذکورہ مسطورہ مقام بحث۔

بناءً علیہ ان علمائے کلام پر وہ فتویٰ قطعاً عائد نہیں ہوگا جو ان ''غریبوں پر لگایا جارہا ہے''۔

اس کی تفصیل کے لیے دیکھئے تنبیہات جلد اول۔فقط والحمد لله تعالی والصلوة والسلام علی حبیبه المصطفی علیه وعلی آله التحیة والثناء وعلینا معهم الی یوم الجزاء۔

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ کا ارشاد:

علامہ اسمٰعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ''جعلنی نبیا'' کے تحت ارقام فرماتے ہیں''واما الفضیلة العظمیٰ والآیة الکبریٰ ان الله تعالی اکرم سیدالمرسلین علیه وعلیهم السلام فی الصبا و بالسجدة عند الولادة بانه رسول الله وشرح الصدر وختم النبوة وخدم الملئکة والحور عند

ولادته واکرم بالنبوة فی عالم الارواح قبل الولادة والصباوة وکفی بذلك اختصاصاً وتفضیلاً
یعنی اگر عیسیٰ علیہ السلام کو بعد پیدائش کلام کی فضیلت حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین علیہ وعلیہم السلام کو اس سے بڑی فضیلت اور بہت بڑے معجزے سے نوازا کہ آپ نے اپنی ولادت کے وقت رب کے حضور سجدہ ریز ہوکر اپنے پیغمبر خدا کی خبر دی۔ نیز آپ کو شرح صدر اور ختم نبوت کی شان دی اور آپ کی پیدائش کے وقت ملائکہ اور حوروں کو خادم بنا کر بھیجا۔ نیز قبل از پیدائش عالم ارواح میں آپ کو نبوت سے مشرف فرمایا اور یہ ایسی عظمت ہے جو آپ ہی کا خاصہ ہے۔ (روح البیان' جلد۵' صفحہ۳۳۰)۔

اقول: معترض نے جس امر سے آپ ﷺ کی نبوت کی نفی ثابت کرنے کے لیے پورا زور صرف کیا تھا علامہ حقی نے اسی سے آپ ﷺ کی اسی فضیلت کا اثبات فرما کر موصوف کی پوری کوشش پر پانی پھیر دیا اور قائلین کے اس ستدلال کی توثیق فرمادی۔ اللہ انہیں جزاء خیر اور انہیں ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

◆◆◆

باب نہم

نام نہاد دلائل نفی (یعنی مغالطات) کا ردّ بلیغ

برمکان عزیزی حاجی نورصمد صاحب قباء روڈ مدینہ طیبہ
۲۴/اکتوبر ۲۰۱۱ء مطابق ۲۶ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ
بروز ایمان افروز باطل سوز دوشنبہ مبارکہ

دلائل نفی کی نوعیت کا بیان:

مصنف تحقیقات نے اپنے موقف کے ثبوت میں جتنے حوالے پیش کیۓ ہیں ان کے تفصیلی جوابات سپرد قلم کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت کر دینا لازم ہے (جس کا ہمارے قارئین کو ذہن نشین کر لینا بھی ضروری ہے) کہ ان میں سے کوئی ایک بھی حوالہ ایسا نہیں ہے جو مطلوبہ معیار کا ہو جسے موصوف کے دعویٰ سے کچھ مطابقت ہو بلکہ وہ سب درحقیقت مغالطات ہیں جنہیں دلائل کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس سلسلہ کی دلیل کے معیاری ہونے کے لیۓ لازم ہے کہ وہ قائلین کی بنیادی اور مرکزی دلیل صحیح صریح حدیثِ نبوی ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد'' کا ابطال کرنے اور توڑ بننے کی صالح ہو یعنی قرآن مجید کی ایسی صریح آیت یا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی صحیح صریح حدیث ہو جو حدیث ہٰذا کی ناسخ ہو یا اس میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور ہو کہ اس حدیث میں ذکر فرمائے گئے زمانۂ نبوت کے بعد کے ادوار میں کسی دور میں آپ ﷺ سے اس نبوت کو معاذ اللہ سلب کر لیا گیا یا آپ کی وہ نبوت العیاذ باللہ زائل یا کم از کم یہ کہ تعطل کا شکار ہو گئی یا عالم اجسام میں جلوہ گری کے بعد (ولادت باسعادت سے اعلان نبوت تک) اسے چھین لیا گیا یا کالعدم اور غیر مؤثر قرار دے دیا گیا۔ اس کے بغیر موصوف کی تقریب تام نہیں ہو سکتی۔ اور معترض فریق کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔

نیز اس کے مقابلہ میں کسی کی محض ذاتی رائے یا محض ذاتی قول بھی کام نہیں دے سکتے کیونکہ مسئلہ امور غیبیہ سے ہے جس کی وضاحت قرآنی آیت یا صحیح (حقیقی یا حکمی) مرفوع حدیث سے ہی ممکن ہے نیز یہ کہ حسب اصول حدیث نبوی صلی اللہ علیٰ صاحبہ وسلم کسی غیر معصوم قول سے منسوخ اور ردّ یا مخصوص و مقید نہیں ہو سکتی۔

نیز اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ مولانا اپنی اس کتاب کے متعدد مقامات پر (اور اپنی دیگر کتب میں بھی) اسی حدیث کی بنیاد پر نہایت درجہ صراحت کے ساتھ اعتراف پر اعتراف اور مکمل اتفاق ظاہر کرتے ہوئے حدیث ہٰذا کا اپنے حقیقی معنیٰ پر ہونا' آپ ﷺ کا عالم ارواح میں بالفعل نبی بنایا جانا (اروح ملٰئکہ وانبیاء علیہم السلام کا مربی و مفیض ہونا) اور اسی کی رُو سے آپ کی اسی نبوت کے دوام و تسلسل کا وقوع اور صحت وصداقت بھی لکھ چکے ہیں۔ ان کی کئی کتب سے درجنوں عبارات شروع جلد اوّل میں نقل کی جا چکی ہیں تفصیل ادھر دیکھیں محض تکمیل عنوان کی غرض سے یہاں ان کی اس سلسلہ کی صرف دو عبارتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

موصوف نے لکھا ہے: ''محبوب کریم علیہ السلام عالم ارواح میں بالفعل اور خارج میں نبی تھے اور انبیاء و رسل اور ملٰئکہ کے مربی اور فیض رساں تھے جیسے کہ ''کنت اوّل النبین فی الخلق و اٰخرھم فی البعث'' اور ''قالوا متی وجبت لك النبوة قال وآدم بین والجسم'' سے ظاہر ہے'' (تحقیقات' صفحہ ۲۶)۔

نیز لکھا ہے کہ: ''صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پوچھنے اور سوٴال کرنے سے کہ آپ کب سے نبی بنے ہو پتہ چل گیا کہ جن کے گھر آپ پیدا ہوئے اور عمر شریف کے چالیس سال گزارے تھے اور اس قدر طویل عرصہ گزارنے کے بعد نبوت کا اعلان فرمایا جب وہ اس طرح کا سوٴال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کب سے نبی ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے ایمان نے گواہی دی کہ نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ نبوت کا اعلان اور اظہار چالیس سال کے بعد کیا لیکن آپ نبی بنے ہوئے پہلے کے تھے اس لیۓ یہ نہیں پوچھا کہ تم نے اعلان نبوت و رسالت کب فرمایا' بلکہ پوچھا ہے آپ کے لیۓ اے رسول اللہ! نبوت ثابت کس وقت سے ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کا یہ جواب کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا روح ابھی ان کے جسم میں پھونکا نہیں گیا تھا' صحابۂ کرام کے اس نظریہ وعقیدہ پر مہر تصدیق ہے کہ تم نے درست سمجھا' واقعی میں عمر شریف کے چالیس سال گزار کر نبی نہیں بنا بلکہ اس وقت سے یہ منصب اور اعزاز مجھے حاصل ہے جب کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے تن بدن میں جان نہیں آئی تھی (الیٰ) آنحضرت ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و ایجاد سے پہلے نبوت و رسالت اور خاتم النبین کے منصب پر فائز تھے'' (ملخصاً بلفظہ)

ملاحظہ ہو (تنویر الابصار، صفحہ۲۲، ۲۳)۔ مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو (تنبیہات جلد۱، صفحہ۴۴ تا ۵۴، نیز صفحہ ۲۲۱، ۲۲۲)۔

خلاصہ یہ کہ مانحن فیہ میں نفی کی دلیل صرف وہی معتبر ہوسکتی ہے جو ارشاد نبوی ''کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد'' کے مضمون کی مبطل ہو کر اس کا صحیح جواب بن سکے۔ جب کہ موصوف اپنے تمام نام نہاد دلائل میں ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کر پائے۔ پس ان کے پیش کردہ دلائل کی اصل پوزیشن کو سمجھنے کے لیئے اسی نکتہ کا ملحوظ رکھنا لازم ہے۔

موصوف کی اس پوری کتاب میں جہاں کہیں دلیل کے طور پر اس سلسلہ کی کوئی عبارت یا کوئی حوالہ مذکور ہے (مع بعض دیگر ممکنہ سوالات) ہم ان سب کو یکجا کر کے ایک خاص ترتیب سے سب کے جوابات پیش کر رہے ہیں جو حاضر ہیں۔ وما التوفیق الا باللہ۔

تو لیجئے پڑھیئے ترتیب وار موصوف کے نام نہاد دلائل فی الحقیقت مغالطات کے جوابات۔

مغالطہ نمبرا (امام غزالی نے حدیث'' ھذا کنت نبیاً ''الخ کو تقدیر پر محمول کیا ہے) **کا ازالہ**

اس مقام پر سب سے پہلا مغالطہ جو دیا جا سکتا ہے' یہ ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسئلہ کی بنیادی اور مرکزی دلیل (کنت نبیاو آدم بین الروح والجسد وامثالہ) کو تقدیر کے معنٰی میں ہونے پر محمول فرمایا ہے۔ پس اس بناء پر اس کا معنٰی یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرا نبی ہونا اس وقت مقدر فرمایا گیا جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی ابھی ان کی تخلیق نہیں ہوئی تھی۔

چنانچہ امام ابن حجر مکی نیز علامہ علی القاری اور علامہ صالحی دمشقی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: (واللفظ للثانی الذکر): واجاب الامام حجۃ الاسلام فی کتاب النفخ والتسوبۃ عن وصفہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نفسہ بالنبوۃ قبل وجود ذاتہ وتحقق کمالات صفاتہ بان المراد بالخلق ھنا التقدیر لا الایجاد فانہ قبل ان تحمل بہ امہ لم یکن مخلوقا موجوداولکن الغایات والکمالات سابقۃ فی التقدیر لاحقۃ فی الوجود وقال وھومعنٰی قولھم اول الفکرۃ آخر العمل وآخر العمل اول الفکرۃ فقولہ کنت نبیا ای فی التقدیر قبل تمام خلقۃ آدم اذلم ینشأ الا لینتزع من ذریتہ محمد ﷺ وتحقیقہ ان للدار فی ذھن المھندس وجودا ذھنیا سببا للوجود الخارجی وسابقا علیہ فاللہ تعالٰی یقدر ثم یوجد علی وفق التقدیر ثانیاً انتھی ملخصاً'' اھ بلفظہٖ۔

یعنی امام حجۃ الاسلام نے کتاب النفخ والتسویۃ میں آپ ﷺ کے اپنے جسد عنصری اور اس کے کمالات صفات کے متحقق ہونے سے پہلے خود کو نبوت سے موصوف ہونے کو بیان فرمانے کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ یہاں خلق سے مراد ایجاد نہیں' تقدیر ہے کیونکہ آپ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن پاک میں جلوہ گر ہونے سے پہلے جسد عنصری سے پیدا شدہ نہیں تھے لیکن نتائج اور کمالات تقدیر میں پہلے سے ملحوظ ہوتے ہیں جو موجود بعد میں ہوتے ہیں۔ نیز مزید فرمایا کہ اہل علم کے قول اول الفکرۃ الخ کا بھی یہی مفہوم ہے یعنی سوچ کا شروع' کارنامہ کا آخر نیز کارنامہ کا انجام' سوچ کا آغاز ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے ارشاد کنت نبیا (کہ میں اس وقت نبی تھا) کا بھی یہی مطلب ہے کہ میں خلقت آدم علیہ السلام کی تکمیل سے پہلے تقدیر الٰہی میں نبی تھا کیونکہ آدم علیہ السلام پیدا ہی اس لئے کیے گئے کہ ان کی اولاد سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود مبارک کو ظاہر کیا جائے جس کی تحقیق یہ ہے کہ عمارت کے بنانے سے پہلے انجینئر کے ذہن میں عمارت کا وجود ذہنی (خاکہ)

ہوتا ہے جو اس کے وجود خارجی کا سبب بنتا ہے اور اس کے وجود سے قبل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی پہلے ہر چیز کی تقدیر فرماتا ہے (اس کا اندازہ مقرر کرتا) ہے بعدازاں آئندہ مرحلہ میں اپنی اسی تقدیر کے مطابق اسے موجود کرتا ہے۔ امام حجۃ الاسلام کا کلام مکمل ہوا جسے ہم نے تلخیص کر کے پیش کیا ہے۔

ملاحظہ ہو۔ (المورد الروی فی المولد النبوی' صفحہ ۳۶' ۳۷ طبع لاہور' جواہر البحار' جلد ۲' صفحہ ۹۰' طبع مصر بحوالہ شرح الشمائل للامام المالکی' سبل الہدیٰ (المعروف سیرت شامیہ' جلد ۱' صفحہ ۸۱)۔

نیز علامہ مناوی فرماتے ہیں: ''قول الحجة المراد بالخلق التقدير لا الا يجاد فانه قبل ولا دته لم يكن موجوداً'' یعنی حجۃ الاسلام کا قول (ہے) کہ یہاں خلق سے مراد تقدیر ہے ایجاد نہیں کیونکہ آپ ﷺ اپنی ولادت سے پہلے جسد عنصری سے وجود میں نہیں تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (جواہر البحار' جلد ۲' صفحہ ۱۶۱' طبع مصر)۔

الجواب: یہ معترض فریق کو کسی طرح مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ:

اولاً: یہ سب علماء عبارت ہٰذا کو قبولاً و استناداً نہیں بلکہ رداً و تغلیطاً لائے ہیں بلفظ دیگر ان حضرات میں سے کسی نے بھی اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے اور اس کے مفہوم مذکور کو برقرار رکھنے کی بجائے اس کی تردید فرمائی ہے لہٰذا ان علماء کو اس کے مفہوم مذکور کا قائل یا حامی سمجھنا غلط ہے۔

چنانچہ امام صالحی (متوفی ۹۴۲ھ) علیہ الرحمۃ پیش نظر عبارت کا خلاصہ لانے کے بعد فرماتے ہیں: ''ورد عليه السبكي بكلام شاف'' یعنی امام تقی الدین سبکی (متوفی ۷۵۶ھ) نے ان کا شافی کلام سے ردّ فرمایا۔

ملاحظہ ہو (سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ﷺ جلد ۱ صفحہ ۸۱)۔

امام موصوف علامہ سبکی کے اس کلام کو اپنی اسی کتاب میں متعدد مقامات پر استناداً لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (جلد ۱' صفحہ ۸۱' ۹۱' ۹۲ نیز جلد ۱۰' صفحہ ۳۰۴)۔

مزید فرماتے ہیں: ''واثر كعب السابق اوّل الباب الاول يؤيد ماقاله''۔ نیز ''ولم يقف على اثر كعب السابق وهو اقوى من الادلة التى استدل بها'' یعنی علامہ سبکی کے موقف کی تائید حضرت کعب احبار کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو باب اوّل کے شروع میں گزری ہے جس کی طرف ان کی توجہ نہیں گئی اس لیئے وہ پیش نہیں کر پائے ورنہ وہ ان کے اس سلسلہ کے پیش کردہ دلائل میں سب سے قوی دلیل ہے کہ اس میں علامہ کے حسب موقف اس عالم میں آپ ﷺ کے مخلوق و موجود ہونے کا صریحاً ذکر ہے۔ (جلد ۱' صفحہ ۸۱)۔

اقول: امام صالحی کی مذکورہ روایت کعب الاحبار کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے اپنے حسبِ شان اپنے نور کا ایک قبضہ لے کر اسے فرمایا: 'کونی محمدا' محمد بن جا (ﷺ)۔ پس حضور بن گئے اور فوراً سجدہ ریز ہوئے۔ تکمیل سجدہ کے بعد سر اٹھا کر الحمد للہ کہا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اپنی حمد کے لیئے آپ کی تخلیق کی ہے''وسمیتك محمداً فبك ابدأ المخلوقات وبك ختم الرسل ''میں تمہارا نام محمد رکھتا ہوں تمہی سے مخلوقات کی ابتداء کر رہا ہوں اور تمہی پہ سلسلۂ نبوت کو مکمل کروں گا اھ۔

نیز امام ابن حجر مکی (متوفیٰ ۹۷۳/۹۷۴/۹۷۵ھ) رحمۃ اللہ رقم طراز ہیں: ''وذهب السبكي الى ما هو احسن وابين ''یعنی امام سبکی نے اس کے برخلاف جو اختیار فرمایا ہے وہ بہت خوب اور نہایت صاف وشفاف ہے (آگے ان کی عبارت لائے ہیں)۔

ملاحظہ ہو۔ (جواہر البحار' جلد۲' صفحہ۹۰' بحوالہ شرح شمائل الترمذی للامام ابن حجر المکی)۔

نیز علامہ فہامہ علی القاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: ''وذهب السبكي الى ما هواحسن وللمقصود ابين ''یعنی امام سبکی کا اس کے برعکس اختیار فرمودہ موقف' انتہائی اچھوتا اور مطلب کی وضاحت میں بہت عمدہ ہے (اس کے بعد علامہ نے بھی امام سبکی کا وہ کلام نقل فرمایا ہے) ملاحظہ ہو۔ (المورد الروی' صفحہ ۳۷)۔

نیز علامہ عبدالرؤف المناوی' (متوفی ۱۰۳۰ھ) لکھتے ہیں: ''فتعقبة السبكي بانه لو كان كذلك لم يختص به صلى الله عليه وسلم ''یعنی امام سبکی نے ان کا تعقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ امر آپ ﷺ کے خصائص سے نہ ہوتا (یعنی تقدیر میں تو سب انبیاء علیہم السلام تھے پھر آپ کی کیا خصوصیت ہوئی)۔

اس سے کچھ پہلے لکھا ہے: ''قد جعل الله حقيقته ﷺ تقصر عقولنا معرفتها وافاض عليها وصف النبوة من ذلك الوقت ''یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حقیقت کو جس کو کما حقہٗ سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں' پیدا فرما کر اسی دور میں اسے نبوۃ عطا فرمائی۔

ملاحظہ ہو (جواہر البحار' جلد۲' صفحہ۱۶۱' بحوالہ شرح **الجامع الصغير للاما السيوطی تحت روايت كنت اول الناس فی الخلق وآخرهم فی البعث**)۔

خلاصہ یہ کہ ان علماء وائمہ شان نے عبارت ہٰذا کے مذکورہ مفہوم کی توثیق فرمانے کی بجائے اس کی تردید فرمائی ہے لہٰذا انہیں اس کا مستند قرار دینا ان پر جھوٹا الزام ہوگا۔

ثانیاً: خود حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کے برخلاف منقول اور آپ سے یہ ثابت

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور کے نور مبارک کو پیدا فرما کر اسے خلعت نبوت عطا فرمائی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارك وسلم۔

چنانچہ آپ نے کائنات عالم کے دقیق امور کے موضوع پر دقائق الاخبار نامی ایک مستقل کتاب سپرد قلم فرمائی جس کا آغاز اس عنوان سے فرمایا ہے ''باب فی تخلیق نور محمد ﷺ ''یعنی حضور اقدس ﷺ کے نور مبارک کی تخلیق کا بیان۔ پھر اس کے بعد اس کی توضیح میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی اس سلسلہ کی ایک روایت استناداً لائے ہیں جس کے یہ الفاظ ہمارا محل استدلال ہیں: ''ثم خلق نورا لانبیاء من نور محمد صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ثم نظر الی ذلك النور فخلق الارواح فقالوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ''یعنی ایک مرحلہ پر اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے نور اور ان کی ارواح طیبہ کو پیدا فرمایا تو انہوں نے اپنی روحی اور نوری صورتوں میں اپنی خلقت کے فوراً بعد کلمہ طیبہ پڑھا اور کہا: ''لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ﷺ۔

ملاحظہ ہو (دقائق الاخبار مترجم اردو مع متن عربی' صفحہ ۱۵' ۱۷' ۱۸ طبع مکتبہ قادریہ سکندریہ لاہور)۔

نیز طب آپ (حجۃ الاسلام) نے جسمانی اور روحانی کے موضوع پر تحریر کردہ اپنی کتاب میں مستقل عنوان کے تحت مفصل بحث میں لکھا ہے: ''حضور علیہ السلام خود فرماتے ہیں اول ماخلق اللہ نوری یعنی پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔ اس نور کے اللہ تعالیٰ نے چار حصے کیے۔ ایک حصہ سے عرش بنایا' دوسرے حصہ سے قلم بنائی اور اس سے فرمایا کہ عرش کے گرد لکھ۔ اس نے عرض کیا میں کیا لکھوں؟ فرمایا: میری توحید اور میرے نبی کی فضیلت لکھ۔ تب قلم عرش کے گرد جاری ہوا اور اس نے لکھا: ''لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تیسرے حصے سے لوح کو پیدا کیا۔ چوتھے حصہ کے چار حصے کیے۔ پہلے سے عقل دوسرے سے معرفت تیسرے سے سورج چاند کے نور اور آنکھوں کی روشنی کو پیدا کیا' چوتھے حصے سے عرش کے حجابات پیدا کیے۔ پھر اس نور کو آدم علیہ السلام کے اندر ودیعت رکھا۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کے سجدہ کی اصل وہی نور محمد تھا' عرش کا نور' لوح' عقل' معرفت' آدم علیہ السلام دن اور آنکھوں کا نور' محمد کے نور سے محمد کا نور' جبار جل جلالہ کے نور سے ہے۔ ﷺ۔

یہ حدیث عزیز' حسن ہے جو بہت معانی کا مجموعہ ہے۔ اس کو محمد بن منکدر نے جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کا انکار وہی شخص کرے گا جو نبوت کے کمالات سے ناواقف ہے اور جو اس کو

خوب جانتا ہے جیسا کہ جاننا چاہئے اور اس کے دل میں حضور کا یہ فرمان جگہ پکڑے ہوئے ہے کنت نبیا وآدم بین الماء والطین ' وہ جانتا ہے کہ حضورﷺ کل موجودات سے اسبق اور کل مخلوقات سے اکمل ہیں (الیٰ) گویا یہ نور ابتداء میں معمار کا نقشہ تھا جو آخر میں مثل اس آخری اینٹ کے ظاہر ہوا جس پر مکان کی تعمیر ختم کی جاتی ہے پس یہ چیز علم الٰہی میں تھی اسی کے نور سے نورانیت کے آخر تک نور پہنچا اور کل اشیاء موجود ہوئیں۔ چنانچہ فرمایا ہے "کنت نبیا وآدم بین الماء والطین " اسی نور کے متعلق لکھا ہے کہ وہ آدمؑ سے منتقل ہوا شیثؑ میں آیا اور شیثؑ سے اسی طرح باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوا حضرت عبداللہ سے حضور کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے اندر منتقل ہوا اور وہاں اس نے صورۃ محمدی اختیار کی (ملخصاً)

ملاحظہ ہو (مجربات امام غزالی مقالہ سوم' باب اوّل فصل چہارم' صفحہ ۲۶۴' ۲۶۵ طبع الفیصل لاہور)۔

معلوم ہوا کہ حضرت حجۃ الاسلام' سید عالمﷺ کی نبوت کے قدم کے قائل ہی نہیں اسے احادیث سے ثابت مان کر اس کے مدوّن و مرّوج بھی ہیں اور اس کے منکر کو کمال نبوت سے ناواقف اور جاہل بھی قرار دیتے ہیں۔ نیز یہ کہ اس سلسلہ کی حدیث ان کے نزدیک عزیز اور حسن ہے جو اثبات مسئلہ کے لیئے لائق احتجاج ہے جس پر ان کی ان عبارتوں کا لفظ لفظ شاہد ہے کیونکہ آپﷺ اگر اس جہان میں نبوت ورسالت کے منصب جلیل پر فائز نہیں تھے تو انبیاء کرام علیہم السلام کا اس عالم میں محمد رسول اللہ کہہ کر آپ کی نبوت ورسالت کے اقرار کرنے کا کیا معنٰی ؟ (ﷺ)

پیش کردہ عبارت سے جواب:

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت حجۃ الاسلام آپﷺ کے بمعنی حقیقی اوّل الخلق نیز شروع ہی سے وصف نبوت سے موصوف ہونے کے قائل ہیں تو یہ ماننا لازم ہوا کہ آپ کی طرف نفی کی نسبت مخدوش ہے یعنی یا تو وہ آپ سے ثابت ہی نہیں یا وہ الحاقی اور مدسوس ہے جب کہ آپ کی کتب میں تدسیسات اور الحاقات (ملاوٹوں) کا پایا جانا بھی ایک امر واقعی ہے بلکہ آپ کی خداداد شہرت ومقبولیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بد دینوں اور بد مذہبوں نے بعض کتابیں گھڑ کر بھی آپ کے نام سے شائع کر دیں جیسے المنخول نامی کتاب جو حضور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ظاہر کی گئی جس کی امام ابن حجر مکی وغیرہ اجلّہ نے پُر زور تردید فرمائی۔ اس صورت میں پیش کردہ عبارت سے جن علماء نے جوابات لکھے ہیں وہ محض برتقدیر تسلیم ہیں یعنی یہ مان کر کہ اگر یہ آپ کی عبارت ہو اور ہو بھی اسی معنٰی پر تو اس کا یہ جواب ہے۔

یا یہ کہنا پڑے گا کہ اگر انہوں نے واقع میں یہ بات لکھی ہو تو وہ مرجوع عنہ ہے یعنی تحقیق ہونے پر

آپ نے اس سے رجوع فرمالیا تھا جب کہ مزید حقائق تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے کیونکہ آپ کی نسبت سے جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے (کتاب النفخ والتسویۃ) وہ دستیاب نہیں ہے' متداول ہونا تو بعد کی بات ہے اور جن علماء نے اس کا حوالہ دیا ہے' انہوں نے یہ تصریح نہیں فرمائی کہ اصل کتاب ان کے سامنے تھی پھر عبارت جو نقل کی ہے وہ بھی من وعن نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تلخیص ہے۔ چنانچہ ان سب میں اقدام علامہ محمد بن یوسف صالحی ۹۴۲ھ ہیں پھر امام ابن حجر مکی ۹۷۳ھ بعدہ' علامہ علی القاری ۱۰۱۴ھ اور آخر میں مناوی ۱۰۳۰ھ اول الذکر نے یہ کہنے کے باوجود کہ "وبسط الکلام علی ذلك" (حجۃ الاسلام نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے) چند سطروں میں اس کا خلاصہ لکھا۔

آخر الذکر نے بھی چند لفظوں میں اس کا ذکر کیا اور "کتاب النفخ والتسویۃ" کا نام تک نہ لیا۔ رہے علامہ مکی اور علامہ قاری علیہما الرحمۃ؟ تو انہوں نے اس کے چیدہ چیدہ جملے لیۓ ہیں جیسا کہ علامہ قاری کی نقل کردہ عبارت میں امام غزالی کے حوالہ سے "وقال" کے ضمنی الفاظ سے ظاہر ہے۔ نیز دونوں نے اس کی تلخیص لانے کی تصریح بھی فرمادی ہے۔

علامہ مکی کی نقل کردہ عبارت کے آخر میں ہے "انتھی ای کلام الغزالی ملخصاً" (جواہر' جلد ۲' صفحہ ۹۰)۔

علاوہ ازیں پیش کردہ تلخیصات کے الفاظ بھی ایک جیسے نہیں ہیں۔ چنانچہ "قبل وجود ذاته" کے بعد علامہ مکی کے لفظ ہیں "وعن خبرانا اول الانبیاء خلقا وآخرهم بعثا"۔ جب کہ علامہ قاری کے الفاظ ہیں: "وتحقق کمالات صفاته"۔

نیز "لاحقة فی الوجود" کے بعد علامہ قاری نے لکھا ہے وقال وهو معنٰی قولهم اول الفکرة الخ جب کہ علامہ مکی کی عبارت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں علامہ صالحی نے "قبل ان تحمل به امه" اور "قبل ان ولدته امه" کے لفظ لکھے ہیں جب کہ علامہ مناوی کے الفاظ ہیں "فانه قبل ولادته"۔

نیز علامہ مکی وقاری کی عبارت میں ہے "لم یکن مخلوقا موجوداً" جب کہ علامہ صالحی ومناوی کی عبارتوں میں اس طرح ہے لم یکن موجوداً۔

پھر علامہ قاری کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حجۃ الاسلام کے کلام کا تعلق حدیث کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد سے ہے جب کہ علامہ مکی نے شروع میں یہ ذکر کیا ہے کہ ان کے کلام کا تعلق اول

الانبیاء خلقا الخ اور کنت نبیا الخ دونوں سے ہے۔

جب کہ علامہ صالحی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حدیث کنت اول النبین خلقا سے متعلق ہے۔حیث قال: ''قال الغزالی فی کتاب النفخ والتسویۃ فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کنت اول النبین خلقاً''۔

علاوہ ازیں علامہ علی القاری کی کتاب المورد الروی میں اس عبارت کے شروع میں یہ الفاظ ہیں: ''واجاب الامام حجۃ الاسلام'' (صفحہ ۳۶)۔جب کہ شرح فقہ اکبر میں اس طرح ہے ''کما یفھم من کلام الامام حجۃ الاسلام'' (صفحہ ۶۰ طبع کراچی)۔

دونوں میں فرق ظاہر ہے کہ اول میں اس کے منصوص اور ثانی الذکر میں اس کے مفہوم ہونے کا ذکر ہے۔الغرض اس قدر اختلافات الفاظ اصل عبارت کے ناپید ہونے کی نشان دہی کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں پیش کردہ عبارت میں اللہ تعالیٰ کا مہندسین کے طرز پر کائنات کا بنانے والا بیان کیا گیا ہے جو قرآن کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں کیونکہ اللہ کی شان یہ بھی ہے کہ وہ ''بدیع'' ہے قال اللہ تعالیٰ ''بدیع السمٰوٰت والا رض ''یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو بغیر کسی مثال سابق کے بنانے والا ہے۔(البقرہ آیت ۱۱۷)۔

جب کہ مہندسین کسی عمارت کی بناء سے قبل کسی اور عمارت کا نقشہ سامنے رکھتے ہیں پس یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کلام امام حجۃ الاسلام کا نہیں ہوسکتا الا ایں کہ اسے تمثیل کے طرز پر رکھا جائے۔

خلاصہ یہ کہ پیش کردہ عبارت یا تو حجۃ الاسلام کی نہیں یا پھر مؤول اور مرجوع عنہا ہے۔

جواب آخر: پیش کردہ عبارت میں یہ تأویل بھی کی جاسکتی ہے کہ بفرض تسلیم امام حجۃ الاسلام کے اس کلام کا تعلق حدیث کنت نبیا الخ سے نہیں بلکہ وہ محض حدیث کنت اول النبین فی الخلق سے متعلق ہے اور اس میں خَلق بمعنی تقدیر ہی ہے جیسا کہ آیت خلق الموت میں موت کے عدمی ہونے کے قول پر خَلَقَ بمعنی قَدَّرَ ہے۔البتہ نفی کا محمل وجود عنصری ہے نہ کہ آپ ﷺ کا وجود نوری کیونکہ حجۃ الاسلام سے وجود مبارک نوری کا پہلے سے ہونے کا ثبوت موجود ہے۔

کلام کے حدیث مذکور کنت اوّل النبین فی الخلق سے متعلق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ علامہ صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص فرمائی ہے''قال الغزالی فی کتاب النفخ والتسویۃ فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کنت اول النبین خلقاً''۔(سبل الہدیٰ صفحہ ۸۱)۔

ان کے مابعد کے علامہ مکی علیہ الرحمۃ کی عبارت کے شروع میں بھی اسی مضمون کی روایت مذکور ہے: ''انا اوّل الانبیاء خلقا و آخر ھم بعثاً''۔ بناءً علیہ ہوسکتا ہے کہ اگلی عبارت ''فقولہ صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا الخ ان کا اپنا کلام ہو اور ممکن ہے کہ علامہ قاری نے جو عبارت پیش کی ہے وہ انہوں نے علامہ مکی سے لی ہو کیونکہ وہ علامہ قاری کے شیخ بھی ہیں جیسا کہ شرح لباب (المعروف مناسک علی القاری) وغیرہ میں مصرّح ہے۔ نیز طرز عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ وہ علامہ مکی کی عبارت کی تلخیص در تلخیص ہے۔ لہٰذا علامہ قاری کی عبارت علامہ مکی کی عبارت پر محمول ہوگی۔ بناءً علیہ کلام حجۃ الاسلام کا تعلق کنت اول النبین خلقا فی الخلق سے ہونا ہی سے لازم ہوا۔

پس (جمعاً بین العبارات) حسب تفصیل ہٰذا حجۃ الاسلام کا مقصود یہ بتانا ہوگا کہ کوئی اس حدیث کے لفظ خلقا کا یہ مطلب ہرگز نہ لے کہ آپ ﷺ کا وہی جسد پاک عنصری جو دنیا میں ظاہر فرمایا گیا اس عالم میں بھی اس کی پیدائش کردی گئی تھی۔

الغرض جب وہ اس عالم میں آپ ﷺ کے وجود نوری کے ثابت ہونے کے قائل ہیں تو اس سے ''لم یکن موجودا'' میں مذکور وجود سے مراد وجود عنصری ہونا متعین ہوا۔

اس صورت میں جن علماء نے حجۃ الاسلام کی نسبت سے ردود لکھے ہیں ان سے ان کا مقصود حجۃ الاسلام کو قائل نفی وجود نوری بتانا نہیں بلکہ یہ محض اس وہم کے ازالہ کے لیے قرار پائیں گے جو عام قاری کو حجۃ الاسلام کے اس کلام سے لگ سکتا تھا۔

ایک اور جواب: اس سب سے قطع نظر پیش کردہ عبارت میں کیے گئے اس دعویٰ کی کوئی دلیل مذکور نہیں کہ آپ ﷺ کے یہ ارشادات (کنت نبیا و آدم الخ وغیرہ) تقدیر اور علم الٰہی میں ہونے پر محمول ہیں جب کہ یہ مسئلہ غیب کا ہے اور ہے بھی عظمت نبوت سے متعلق جس کے لیے صریح آیت یا صحیح صریح مرفوع (حقیقی یا حکمی) حدیث ہی کام دے سکتی ہے بلفظ دیگر ایسی دلیل چل سکتی ہے جو حدیث نبوی کنت نبیا الخ کا تسلی بخش جواب بن سکے جو اس عبارت میں مذکور نہیں۔ لہٰذا یہ بلا دلیل دعویٰ ہوا اور ایسا دعویٰ لائق قبول نہیں ہوتا اور یہ ایسا مسلّمہ اصول ہے کہ خود حجۃ الاسلام بھی اپنی کتب شان میں لکھ چکے۔

آخری کیل: باب ہٰذا کے شروع میں ابھی ہم مصنف کی تحقیقات صفحہ ۲۶ سے پیش کرآئے ہیں کہ موصوف نے عالم ارواح میں سید عالم ﷺ کی نبوت کے متحقق اور آپ کے بالفعل نبی ہونے کا اعتراف کیا ہے جس کی دلیل میں وہ انہی دونوں حدیثوں کو لائے ہیں (یعنی کنت نبیا الخ اور اول النبین الخ) جس کا واضح

مطلب یہ ہوا کہ ان حدیثوں کو تقدیر کے معنٰی پر محمول کرنا خود موصوف کے نزدیک بھی صحیح نہیں۔ لہٰذا بالفرض اگر امام حجۃ الاسلام نے مذکورہ بات کہی بھی ہوتو بھی موصوف کے لیۓ اس حوالہ سے ان کا نام لینے کا کوئی جواز نہیں۔

کتاب النفخ والتسویہ علامہ زبیدی حنفی کی نظر میں:

فقیر یہ سب لکھ چکا تھا کہ بحر العلوم علامۃ الدہر سید مرتضٰی زبیدی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح احیاء العلوم کے مقدمہ کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ آپ نے اس میں مستقل عنوان دے کر ان کتب کی لسٹ پیش فرمائی ہے جنہیں اغیار نے اپنے مقاصد کے حاصل کرنے کی غرض سے از خود وضع کر کے امام حجۃ الاسلام سے منسوب کر دیا۔ ان سر فہرست کتابوں میں ایک کتاب النفخ والتسویہ بھی ہے جس سے ہمارے اس موقف کے صحیح ہونے کی زبردست تائید ہوتی ہے کہ ہمارے جن بزرگوں نے کتاب مذکور کی زیر بحث عبارت کے جوابات تحریر فرمائے ہیں، وہ واقعۃً محض بفرض تسلیم اسے حجۃ الاسلام کی صحیح ثابت شدہ کتاب قرار دے کر ہرگز نہیں۔ بناءً علیہ یار لوگوں کا دعوٰی ہی باطل ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام حدیث کنت نبیا الخ کے نبی مقدر ہونے کے معنٰے کے قائل تھے کیونکہ دعوٰی کی بنیاد اس کتاب النفخ والتسویہ پر ہے۔ جس کے علامہ زبیدی نے پرخچے اڑا کر اس کی دھجیاں فضاء میں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ ہم نے بھی تنبیہات کے مقدمہ میں حجۃ الاسلام کے حوالہ سے جو لکھا تھا وہ بھی اس کے ثبوت کی تقدیر پر تھا۔ پس جب کہ امر حجۃ الاسلام سے ثابت ہی نہیں ہے تو ہمارے ان الفاظ کا مصنف تحقیقات وامثالہ کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بہر حال فقیر کے ان الفاظ کو مرجوع عنہ تصور کیا جائے۔

مغالطہ نمبر۲ (امام بغوی اور علامہ مظہری نے اسے اخبار عما فی اللوح پر محمول کیا ہے) **کا رد:**

یہاں پر جانب مخالف سے امام بغوی اور علامہ مظہری کی وہ عبارتیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں جو ''وجعلنی نبیا'' کے تحت ان کی تفسیروں میں ہیں جو یہ ہیں: ''وقیل ھذ اخبار عما کتب فی اللوح المحفوظ کما قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم متی کنت نبیا؟ قال کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد''۔ (تفسیر بغوی، جلد۳، صفحہ۱۹۴، طبع ملتان، تفسیر المظہری، جلد۶، صفحہ۹۴، طبع کراچی)۔

الجواب: یہ عبارت بھی انہیں کچھ مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ اسے علامہ بغوی اور علامہ مظہری دونوں نے قیل (صیغۂ تمریض) سے ذکر کیا ہے جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے جسے وہ محض جمع اقوال کے ضمن میں لائے ہیں۔ اپنا نظریہ ہونے کے بیان کی غرض سے نہیں لائے جب کہ اس پر علیحدہ بھی ان کی صراحتیں موجود ہیں کہ وہ خود سید عالم ﷺ کی نبوت کے قدم کے قائل ہیں۔

چنانچہ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۷ کے الفاظ ومنك ومن نوح الخ میں آپ ﷺ کے مقدم الذکر ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہوئے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''وقدم النبی ﷺ بالذکر لما اخبرنا احمد بن ابراھیم الشریحی (الی) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اول النبین فی الخلق وآخرھم فی البعث'' قال قتادۃ (الی) فبداء به ﷺ قبلھم یعنی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو نبی کریم ﷺ کا ذکر دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے فرمایا ہے اس کی وجہ وہی ہے جو حدیث کنت اوّل النبین فی الخلق الخ میں مذکور ہے۔ مفسر قتادہ تابعی کا یہی قول ہے۔

اسی طرح تفسیر مظہری میں بھی ہے۔ علامہ مظہری اس کے ساتھ اس مقام پر حدیث کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد'' کو بھی استناداً لائے ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک حدیث ہٰذا کو ''اخبا عما کتب فی اللوح المحفوظ'' سمجھنا صحیح نہیں نیز یہ کہ وہ اس حدیث کے بمعنیٰ حقیقی ہونے کے قائل ہیں۔ (بغوی اور مظہری کے یہ حوالہ جات مفصلاً باب سوم میں گزر چکے ہیں)۔

علاوہ ازیں سورۂ نور کی آیت نمبر ۳۴ کے تحت لائی گئی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ مظہری آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی ہونے کے صریحاً قائل ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار سے فرمایا کہ آپ مثل نورہ

کمشکوۃ الخ کی تفسیر تو بیان فرمائیں۔انہوں نے کہا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی شان بیان فرمائی ہے۔چنانچہ مشکوٰۃ سے مراد آپ کا سینہ مبارک اور زجاجہ سے مراد قلب اقدس ہے جب کہ مصباح آپ کی نبوت ہے۔آپ ﷺ کا نور اور آپ کی شان لوگوں پر ایسی واضح تھی کہ ''ولو لم یتکلم انه نبی ''اگر آپ اپنا نبی ہونا ظاہر نہ بھی فرماتے تو بھی آپ کے نبی ہونے کا معاملہ عیاں تھا۔

علامہ مظہری فرماتے ہیں ''ولنعم ما قال کعب ''یعنی حضرت کعب کا یہ قول کیا ہی خوب ہے ''فھا انا اذکر فصلا فی ظھور امر نبوته قبل ان یبعث وقبل ان یتکلم انه نبی ''تو ہوش گوش سے سنئے اب میں ایک مکمل مضمون سپرد قلم کرنے لگا ہوں جس سے قبل از اعلان نبوت آپ کے نبی ہونے کا مسئلہ کھل کر سامنے آجائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے اس مضمون پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ''فصل فی معجزاته التی ظھرت قبل بعثته ﷺ ''یعنی ان معجزات کا بیان جو آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے ظاہر ہوئے (اس کے بعد وہ تقریباً چھ صفحات میں ان کی باحوالہ تفصیل لائے ہیں جسے طوالت کے خوف سے ترک کیا جارہا ہے دلچسپی رکھنے والے حضرات اسے ادھر ہی ملاحظہ فرمائیں۔ملاحظہ ہو (تفسیر مظہری جلد ۶ صفحہ ۵۲۵ تا ۵۳۲)۔

الغرض علامہ بغوی اور مظہری کی عبارت معترض کے مفید مدعا نہیں۔

''وجعلنی نبیا ''کے حوالہ سے بھی یہ معترض کو کچھ مفید نہیں کیونکہ اوّلاً اس میں قیل ہے جو اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ثانیاً علامہ بغوی نے اس کے بعد لکھا ہے وقال الاکثرون اوتی الانجیل وھو صغیر طفل وکان یعقل عقل الرجال (جلد ۳ صفحہ ۱۹۴)۔

جو اس کا رد ہے۔تفصیل وجعلنی نبیا کی بحث میں گزر چکی ہے۔ والحمد للہ۔

مغالطہ نمبر۳ (از ''اوّل الانبیاء آدم علیہ السلام و آخرہم محمد ﷺ'') **کا رد:**

''علماء کلام نے کتب عقائد میں تصریح فرمائی ہے اوّل الانبیاء آدم علیہ السلام و آخرھم محمد ﷺ۔ لہٰذا یہ بات تو طے شدہ اور مسلم حقیقت ہوئی کہ لباس بشری اور تخلیق عنصری کے لحاظ سے آپ آخری نبی ہیں'' (بلفظہ) (تحقیقات، صفحہ ۲۲)۔

الجواب: پیش کردہ عبارت ایک علامہ نسفی رحمہ اللہ کے رسالہ العقائد کی ہے مگر موصوف اس کا وزن بنانے کے لیئے جمع کے صیغے (علماء کلام اور کتب عقائد) لائے ہیں۔ فیا للعجب ملاحظہ ہو (شرح العقائد، صفحہ ۹۵، طبع کراچی)۔

لیکن وہ ہمارے کچھ خلاف اور ان کی کچھ مؤید نہیں کیونکہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کو منصب نبوت ان کی خلقت کے بعد عطا کیا گیا۔ لہٰذا اس میں ان کا تو نبی بننا مراد ہے مگر ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کو ان کی تخلیق سے بھی مدتوں پہلے اس پر فائز فرمایا گیا جس کا مولانا خود بھی اقرار کر چکے (تفصیل شروع کتاب نیز باب ہٰذا کے آغاز میں دیکھی جا سکتی ہے)۔

نیز عبارت کا کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو کنت نبیا الخ کے مضمون کی نفی کرتا ہو۔

نیز جب کہ علماء کلام معاذ اللہ حضور اقدس کی ﷺ نبوت کے قدم کے منکر بھی نہیں ہیں بلکہ وہ اس کے سختی سے قائل ہیں اس پر بھی باب ہفتم (وغیرہ میں) درجنوں عبارات پیش کی جا چکی ہیں۔ خصوصاً امام المتکلمین شیخ الاسلام حضرت میر سید سند شریف حنفی جرجانی قدس سرہ النورانی کی یہ عبارت ہم نقل کر آئے ہیں کہ اول ما خلق اللہ العقل، اول ما خلق اللہ القلم اور اول ما خلق اللہ نوری تینوں روایتوں میں کچھ منافات نہیں کہ یہ ایک ہی چیز کے تین مختلف اعتبارات ہیں۔ چنانچہ مجرد اور مبدأ ہونے کے اعتبار سے وہ عقل ہے، باقی موجودات کے صدور اور علوم کے ظہور کا واسطہ ہونے کے اعتبار سے وہ قلم ہے'' ومن حیث توسطہ فی افاضۃ انوار النبوۃ کان نور سید الانبیاء '' جب کہ انوار نبوت کی عطاء کا واسطہ ہونے کے اعتبار سے وہ حضور سید الانبیاء ﷺ کا نور ہے۔

ملاحظہ ہو (شرح المواقف، جلد ۷، صفحہ ۲۵۴، المرصد الرابع، طبع قم، ایران)۔

ولنعم ما قیل ؎

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود ہے الکتاب

جو ما نحن فیہ میں صریح ہے اور آپ ﷺ کے لیے ''سید الانبیاء'' کے الفاظ کے استعمال میں اس کا مزید اشارہ ہے معنٰے ہے' انبیاء کے آقاء اور مرجع وماً وی یعنی ان کو نبوت آپ کے توسط سے حاصل ہوئی مرکز اور اصل آپ ہیں' باقی سب آپ کی نسبت سے فرع کی حیثیت رکھتے ہیں ﷺ۔ صلی اللہ علیہ وعلیھم وسلم۔

پس مصنف تحقیقات کا علماء کلام کے بارے میں معاذ اللہ آپ کی نبوت کے منکر ہونے کا تأثر دینا غلط ہوا بلکہ ''بشری اور عنصری لحاظ سے'' کے الفاظ لا کر خود موصوف بھی اس حقیقت کو تسلیم کر گئے کہ ان کی پیش کردہ عبارت کے الفاظ ''آخرھم'' میں آپ کا ظہور مراد ہے کیونکہ لحاظ اور اعتبار ہم معنٰی ہیں۔ سبحٰن اللہ۔

ع انکار تیرا کسی سے بن نہ آیا

اب مولانا کے طرزِ کلام پر اس پر بھی ''علماء کلام'' کی صراحت لیجئے کہ اس عبارت میں آپ ﷺ کا اس دنیا میں نبی نہ ہونے کی بناء پر نبی بننا مراد نہیں بلکہ بدلیل کنت نبیا الخ وغیرہ آپ کی نبوت کا ظہور مراد ہے۔ ﷺ۔ چنانچہ مولانا برخوردار ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (جن سے معترض نے بھی استناد کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۱۹۹)۔ اس عبارت کے تحت ارقام فرماتے ہیں: قوله محمد ﷺ یعنی فی الظهور والا هو عليه السلام اول النبيين لحديث الاسرا جعلتك اول النبيين خلقا واٰخرهم بعثا اخرجه البزار واحمد وغيرهم ولحديث كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد رواه الحاكم و صححه ''یعنی اس عبارت میں آپ ﷺ کو جو آخر کہا گیا ہے اس سے مراد آپ کا نبی بننا نہیں بلکہ آپ کے نبی ہونے کا ظہور مراد ہے کیونکہ آپ نبی پہلے سے ہیں حدیث معراج میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے شب معراج آپ سے فرمایا تھا جعلتك الخ میں نے آپ کو تخلیق میں سب' نبیوں سے اول اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری بنایا (اسے محدث بزار اور امام احمد وغیرہما نے روایت کیا)۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے كنت نبيا الخ یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی معرض وجود میں نہ آئے تھے (اسے امام حاکم نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے)۔

ملاحظہ ہو۔ (تعلیقات علی النبراس' صفحہ ۴۳۵' ۳' طبع نورانی کتب خانہ پشاور)۔

مغالطہ نمبر۴ (متکلمین نے حدیث مذکور کو مستقبل پر محمول کیا ہے) **کاظمی**

موصوف کا کہنا ہے کہ: حضرت میر سید علامہ پرہاروی اور مولانا برخوردار وغیرہم علماء کلام نے (شرح مواقف صفحہ ۶۶۷' النبراس صفحہ ۴۳۰ اور حاشیۂ نبراس) میں حدیث کنت نبیا الخ کو مستقبل میں حاصل ہونے والے منصب نبوت کے معنیٰ میں لیا ہے (ملخصاً)۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۱۹۸ تا ۲۰۰)۔

الجواب: موصوف نے اس کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ قطعاً خلافِ واقعہ ہے۔ نیز برتقدیر تسلیم یہ عبارتیں ان کے کچھ مفید مدعا ہونے کی بجائے سراسر ان کے خلاف ہیں۔ مکمل مع مالہ وما علیہ جواب باب ہشتم میں ''کنت نبیا'' الخ پر اعتراضات کے جوابات'' کے زیرعنوان اعتراض نمبر ا کے جواب میں گزر چکا ہے۔ اعادہ موجب طوالت ہے اس لیۓ اسے ادھر ہی ملاحظہ کر لیا جائے۔

مغالطہ نمبر۵ (شیخ محقق نے اسے اظہار نبوت در ملٰئکہ وارواح کے معنیٰ میں لیا ہے) **کاظمی**

نیز موصوف نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بڑا محبّ اور عاشق صادق اور احادیث کے مطالب تک رسائی حاصل کرنے والا اور ان جیسا محقق ہندوستان میں نہیں گزرا۔ شیخ محقق کا جواب ملاحظہ فرماویں: ''مراد اظہار نبوت اوست صلی للہ علیہ وسلم پیش از وجود عنصری وے در ملٰئکہ وارواح الخ (اشعۃ ۴' صفحہ ۴۹۹) یعنی ''اس سے مراد آپ کی نبوت کا اعلان واظہار اور ملٰئکہ وارواح کے درمیان اس کی تشہیر واشاعت ہے''۔ اور یہ جواب علماء ظاہر کی طرف سے کیونکہ اس کو عرفاء کی توجیہ کے مقابل ذکر فرمایا ہے' گویا علماء ظاہر کا اس پر اجماع واتفاق ہے اس لیۓ اکثر یا بعض کا لفظ استعمال نہیں کیا لیکن عرفاء کا قول نقل کرتے ہوئے ''بعض'' کا ذکر فرمایا ہے بعضے از عرفاء گفتہ اند کہ روح شریف وے صلی اللہ علیہ وسلم نبی بود در عالم ارواح کہ تربیت ارواح میکرد الخ (اشعۃ جلد ۴' صفحہ ۴۹۹) (ملخصاً) (تحقیقات صفحہ ۲۰۳ تا ۲۰۹)۔

الجواب: حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ سید عالم ﷺ کے اس عالم میں بالفعل نبی ہونے کے سخت سے قائل نیز اس کے بعد آپ کی اس نبوت کے منقطع یا سلب ہونے کے نظریہ کے سخت مخالف ہیں۔

پیش کردہ عبارت میں آپ نے معترض سائلین اور دیگر لوگوں کی زبان میں گفتگو فرمائی ہے۔ یہ تاویل نہ کی جائے تو عبارت شیخ میں تعارض لازم آتا ہے۔

باقی علماء ظاہر اور عرفاء کے تقابل سے مقصود یہ بتانا ہے کہ دونوں اس نکتہ پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ اس عالم میں بالفعل اور واقع میں نبی تھے البتہ عرفاء نے ایک علمی بات علماء ظاہر سے زائد بتائی جو یہ ہے کہ یہاں نبوت' شرع کے بغیر متصور نہیں لہٰذا آپ کو اس جہان میں یہ نہیں کہ صرف نبی قرار دے دیا گیا ہو بلکہ آپ کو با قاعدہ مبعوث فرما کر ارواح ملٰئکہ وانبیاء کرام علیہم السلام کے لیے مُربی بھی بنایا گیا تھا۔

الغرض یہ دونوں قسم کی عبارتیں اس عالم میں آپ ﷺ کے بمعنی حقیقی' نبی ہونے کو بیان کرتی ہیں۔ لہٰذا خالی تشہیر والا معنیٰ صحیح نہیں اور نہ ہی یہ شیخ کا عندیہ اور ذاتی نظریہ ہے جس کا خود مولانا کو بھی اعتراف ہے۔

اس سے قطع نظر یہ عبارت مضمون حدیث کے ماضی سے متعلق ہونے کو بیان کر رہی ہے جب کہ مغالطہ نمبر ۲ میں مذکور عبارت علماء کلام میں اس کے مستقبل سے متعلق ہونے کو بیان کر رہی ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک ضرور غلط ہے کیونکہ ماضی اور مستقبل ایک دوسرے کے قسیم ہیں' قسیم ضد ہوتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ الضدان لا یجتمعان۔

اس سے بھی قطع نظر یہ موصوف کی ان تصریحات کے بھی خلاف ہے جن میں انہوں نے حدیث ہٰذا کی بنیاد پر اپنی کئی کتب میں خصوصیت کے ساتھ تحقیقات میں متعدد مقامات پر اس عالم میں آپ ﷺ کے بایں معنیٰ بالفعل نبی ہونے کے اعترافات کیئے ہیں کہ آپ اس جہان میں ارواح ملٰئکہ وانبیاء کرام علیہم السلام کی تربیت بھی فرماتے تھے۔

اس سب کی مکمل با حوالہ تفصیلات اور پیش کی گئی تمام شقوں کے ترکی بہ ترکی جوابات گزشتہ صفحات میں دیئے جا چکے ہیں۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو باب ہشتم عنوان: کنت نبیا الخ پر اعتراضات کے جوابات میں اعتراض نمبر ۲ سے جواب۔

مغالطہ نمبر ۶ (عالم ارواح کے احکام عالم بشریت سے جداگانہ ہیں سے انکار نبوت) **کا ازالہ**

مصنف تحقیقات نے اس پیرایہ میں اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیئے اپنے متعلقین کو خوش کرنے کی غرض سے بہت طوالت سے کام لے کر اس پر پورا زور صرف کیا ہے مگر بالکل بے سود۔ اس پر انہوں نے جو آٹھ دلائل دیئے ہیں ترتیب وار مع جوابات حسب ذیل ہیں:

مغالطہ نمبر ۶ کی نام نہاد دلیل نمبر ۱: (یوم الست سب مؤمن تھے یہاں پھر مکلّف اور بعض کافر و مشرک ہوئے) سے دس جوابات:

''محبوب کریم ﷺ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے (الیٰ) لیکن عالم بشریت اور وجود عنصری کا حکم جداگانہ ہے۔ تمام لوگوں نے وہاں ''الست بربکم'' کے جواب میں ''بلیٰ'' کہا اور ایمان لائے لیکن یہاں پھر ایمان لانے کیساتھ مکلّف بھی ہیں اور کافر مشرک اور مؤمن و موحد اور مخلص و منافق کی تمیز بھی ہے لہٰذا عالم ارواح میں نبی ہونے سے پیدا ہوتے ہی نبی و رسول ہونا لازم نہیں آتا''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۶)۔

نیز وہاں سبھی کے ارواح ''الست بربکم'' کا جواب بلیٰ کے ساتھ دے رہے تھے اور وہاں مؤمن تھے لیکن یہاں آ کر کوئی نمرود و شداد بن گیا اور کوئی فرعون و ہامان، اور کوئی ابولہب اور ابوجہل بھی۔ لہٰذا دونوں میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے''۔

ملاحظہ ہو (مکتوب محررہ بجواب سؤال فقیر بالواسطہ، مشمولہ دعوت رجوع صفحہ ۷، طبع لاہور)۔

الجواب اوّل: موصوف کا یہ استدلال بالکل بوگس قسم کا ہے جس کے کئی جواب ہیں بعض حسب ذیل ہیں:

جواب نمبر ۱: اس میں ایسی کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کی گئی جو مسئلہ کی مرکزی دلیل حدیث (متی وجبت لك النبوة قال وآدم بين الروح والجسد) کا ابطال کرتی ہو یعنی جس میں یہ صراحت ہو کہ سید عالم ﷺ کو اس عالم میں جو نبوت عطا کی گئی تھی، عالم بشریت اور وجود عنصری میں جلوہ گری کے بعد اعلان نبوت تک وہ غیر مؤثر اور غیر معتبر قرار دے دی گئی جب کہ اس کے بغیر تقریب تام نہیں ہو سکتی۔ (کما مرّ فی شروع البحث)۔

جواب نمبر ۲: پیش کردہ دلیل کا تعلق نبوت سید عالم ﷺ سے تو کجا مطلقاً نبوت سے بھی اس کا کچھ واسطہ نہیں یعنی اس میں یہ بھی نہیں ہے کہ ''نبوت'' عالم کے بدلنے سے غیر معتبر قرار پا جاتی ہے۔

جواب نمبر۳: بلکہ یہ قطعی طور پر غیر انبیاء سے متعلق ہے جو ''الست بربکم قالوا بلی '' کے الفاظ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے لہٰذا یہ استدلال دعویٰ آسمان اور دلیل ریسمان نیز سؤال گندم جواب چنا کے قبیل سے ہے۔

وطریق آخر: اس سب کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ''مولانا'' کے دعویٰ و دلیل میں کچھ مطابقت نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کی نوعیت یکساں ہے۔

دعویٰ نبوت کے بارے میں ہے جو یہ ہے کہ عالم کے بدلنے سے وہ غیر معتبر ہو جاتی ہے۔ جب کہ دلیل جو پیش کی ہے اس میں سرے سے اس کا کچھ ذکر ہی نہیں ہے۔

بلفظ دیگر دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام' وہ بھی غیر متعلق۔ یعنی دعویٰ خصوصیت کے ساتھ خاصہ خاصان رسل ﷺ کی نبوت کے بارے میں تھا دلیل ایسی لائے جس میں عام لوگوں بلکہ بدترین خلق (کفار مشرکین) کی ایک روحانی حالت و کیفیت بد کا بھی بیان ہے۔

دکھانا یہ تھا کہ آپ ﷺ کی نبوت اس عالم میں آپ کی جلوہ گری کے بعد اعلان نبوت تک غیر معتبر ہو گئی۔ جب کہ دکھایا یہ کہ شداد' فرعون' ہامان اور ابولہب کی حالت بگڑ گئی' ان کی کیفیت خراب ہو گئی' ان کی کیفیت کیا سے کچھ بن گئی' وہ اس عالم میں مسلمان تھے وہاں وہ بلی کہہ کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کر رہے تھے مگر یہاں بلاء بن گئے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ الغرض اس میں سراسر بے تکّی ہانکی گئی اور ''منطقی'' کی بجائے ''من تکّی'' کہی گئی ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جواب نمبر۴: استدلال ہٰذا کے باطل ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ بعض اشخاص کے بعض حالات کی تبدیلی کو کلیہ کا رنگ دے کر اس سے استفادہ کیا گیا ہے یعنی موصوف کے استدلال کی نوعیت یہ ہے کہ اس جہان سے اس جہان میں آنے کے بعد فلاں فلاں کی ایمانی حالت بدل گئی جو اس امر کی دلیل ہے کہ سب کو اس کا سامنا کرنا پڑا ہو گا پس سب اس سے دوچار ہو گئے جس کے فوری بعد بڑی پھرتی سے یہ پیوند لگا دیا گیا کہ قطعی طور پر سید عالم ﷺ کی نبوت کی بھی یہی کیفیت ہوئی جو سراسر مغالطہ ہے جس میں چابک دستی کا عنصر غالب طور پر شامل ہے۔

جواب نمبر۵: عالم وجود عنصری میں جلوہ گری کے بعد واقع ہونے والی اس تبدیلی کو کسی بھی لفظ سے تعبیر کریں' مآل یہی بنے گا کہ معاذ اللہ نبوت سلب یا زائل یا معطل ہو گئی جو شان نبوت کے منافی ہونے کے باعث صریح البطلان ہے۔ گزشتہ اوراق میں تمہید امام سالمی' المعتقد' فتاویٰ رضویہ شریف اور بہار شریعت وغیرہا کے

حوالہ سے مفصلاً گزر چکا ہے کہ نبوت سلب وزوال اور تعطل سب سے پاک ہوتی ہے نیز یہ کہ اس کے سلب وغیرہ کے جواز کا قول کفر اور قائل کافر ہے۔ جب کہ تنبیہات' جلد اوّل کے بالکل آخر میں امام ابوالفیض الکتانی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی پیش کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ کو چالیس سال تک نبی نہ ماننے کا یہی مطلب بنتا ہے کہ آپ کی اس نبوت کو اللہ تعالیٰ نے سلب کر لیا (ان النبوۃ التی البسھا اللہ ایاہ سلبھا) جب کہ آپ کا ہر کمال ''سلب پروف'' ہے' نبوت تو بہت ہی اونچا درجہ بلکہ سرچشمۂ جملہ کمالات ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ''لئن شکرتم لأزیدنکم'' و قال ﷺ۔ افلا اکون عبداً شکوراً۔ وقال تعالیٰ ایضاً وللاخرۃ خیرلک من الاولیٰ وایضاً ورفعنالک ذکرک لہٰذا مولانا کو اس بھیانک اقدام کے ہولناک نتیجہ سے خوف کھانا چاہئے۔

جواب نمبر۶: تحقیقات صفحہ ۲۶ وغیرہ سے ابھی کچھ پہلے گزر چکا ہے کہ موصوف نے اس عالم میں آپ ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ نیز اس کے صفحہ ۱۹۸ سے بھی ان کی یہ تصریح بھی گزری ہے کہ نبوت کا حصول کے بعد زوال اور سلب ہونا جائز نہیں ہے''۔ دونوں کو ملانے سے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ خود ان کی اپنی تحریرات کے مطابق بھی ان کا یہ استدلال مردود باطل ہے۔

جواب نمبر۷: موصوف کا یہ استدلال حقائق سے بھی متصادم ہے بناءً علیہ فاسد و باطل ہے۔ یعنی انہوں نے عالم کے بدلنے سے نبوت کے غیر معتبر ٹھہرنے کا جو عندیہ دیا ہے وہ بھی خلاف حقیقت ہے کیونکہ سیدھی سی بات ہے کہ جب آپ ﷺ کی بشریت مقدسہ اور وجود پاک عنصری میں آپ کے نور وروح مبارک وہی ہیں جو اس عالم میں متصف بالنبوۃ ہوئے تو اتصاف باقی وثابت ہوا جب کہ اس کے برخلاف کا بھی شرعی ثبوت نہیں ہے (باب ہشتم میں نبوت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ابحاث میں شیخ تیجانی کے قول کی توضیح کے ضمن میں اس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے)۔

نیز مولانا کے اس عندیہ کو صحیح مان لینے کی صورت میں اگر کوئی بدبخت یہ دریدہ ذہنی کردے کہ نیند فرمانے کے وقت (عالم نوم میں) نبوت نعوذ باللہ منقطع ہو جاتی تھی اور وفات کے بعد تو معاذ اللہ اس کا نام ونشان تک نہیں رہا کہ وہ عالم قبر وبرزخ کی چیز بن کر رہ گئی ہے تو مولانا کا تسلی بخش جواب کیا ہوگا؟

اس کے غلط ہونے کی مزید وزنی دلیل یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں گزشتہ انبیاء ورسل کرام علیہم السلام کو ان کے ظاہری ادوار کے بعد بھی نبی ورسول کے نام سے یاد فرمایا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' و یقتلون النبیین بغیرالحق ''فی مقام آخر'' ویقتلون الانبیاء بغیر حق ''نیز'' والنبیین من بعدہ ''نیز ''تلک الرسل ''نیز'' لانفرق بین احد من رسلہ ''نیز'' ورسلاً قد قصصنا ھم علیک من قبل

ورسلا لم نقصصهم عليك''۔

نیز حدیث معراج کے ایک طریق میں ہے کہ میں نے شب معراج مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی تو جبریل علیہ السلام نے (تعارف کرانے کی اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوئے) عرض کی: ''صلّٰی خلفك كل نبي بعثه الله قبلك ''یعنی اس وقت آپ کی اقتداء میں ہر اس نبی نے نماز ادا کی جسے اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے مبعوث فرمایا تھا۔

علاوہ ازیں ایمان مفصل میں کہا جاتا ہے: ''آمنت بالله وملئكته وكتبه ورسله''۔

نیز امام ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حالت نوم میں اور بعد از وفات' بقاء نبوت کو مجمع علیہ فرمایا ہے حيث قال فبعد الوفاة لاتزول عنه ولان النوم يقوم مقام الموت كما قال عليه السلام النوم اخ الموت الخ (تمہید' صفحہ ٦٧' طبع لاہور)۔

جواب نمبر ٨: مزید یہ کہ استدلال ہٰذا کی بنیاد خالصۃً موصوف کے ذاتی نوعیت کے قیاس پر ہے جیسا کہ ان کے اس دعویٰ کے بعد کہ عالم ارواح وعالم بشریت کا حکم جداگانہ ہے'قالوا بلى کی مثال پر اکتفا کرتے ہوئے فوری بعد لکھے گئے ان کے ان الفاظ سے بھی واضح ہے کہ: ''لہٰذا عالم ارواح میں نبی ہونے سے پیدا ہوتے ہی نبی ورسول ہونا لازم نہیں آتا'' یعنی موصوف نے دعویٰ کی مطابقی دلیل میں کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کی جو کہ غلط ہے کیونکہ:

وجہ اول: اولاً: مسئلہ غیبی امور سے ہے جس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیۓ قرآن وسنت کے نصوص درکار ہوتے ہیں جسے وہ نہیں لا سکے فاتضح ماقلناه۔

وجہ دوم: ثانیاً: پھر یہ کہ یہ قیاس مع الفاروق ہے کیونکہ یہ حدیث ''لا يقاس بنا احد'' سے متصادم ہے۔

نیز کافر اس دنیا میں اس عہد کو بھول گئے جب کہ انبیاء خصوصاً امام الانبیاء ﷺ کا اسے معاذ اللہ بھول جانا شان نبوت کیخلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے غیر انبیاء قائلین بلیٰ سے اسی عالم میں فرمایا تھا: ''انی سأرسل اليكم رسلي يذكرونكم عهدي وميثاقي ''یعنی میں دنیا میں تمہیں اپنا عہد و پیمان یاد دلانے کے لیۓ تمہارے پاس اپنے اپنے پیغمبروں کو بھیجوں گا۔'' (مشکوٰۃ عربی صفحہ ٢٤ بحوالہ مسند احمد)۔ نیز عام لوگوں کا بگڑ اور مکر جانا ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے۔

نیز ملفوظات اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ (جلد ا' صفحہ ٦٢' طبع کراچی) کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے

ابوبکرؓ سے فرمایا ''اتذ کر یوم یوم'' کیا تمہیں اس دن ولا دن یاد ہے؟ عرض کی ہاں یاد ہے۔ اور یہ بھی کہ اس دن سب سے پہلے حضور نے بلیٰ فرمایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر'' نیز ''هوالذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن'' ''نیز'' فلما جاء هم ما عرفوا کفروا به'' نیز اسی آیت میثاق بنی آدم میں ہے: ان تقولوا یوم القیٰمة انا کنا عن هذا غافلین او تقولوا انما اشرك آباء نا من قبل و کناذریة من بعدهم افتهلکنا بما فعل المبطلون۔ (وغیرها آیات کثیره)۔

لیکن کسی نبی کا اس طرح سے بدل جانا محال اور ناممکن ہے اور اس پر تمام مخلصین اہل اسلام کا اجماع ہے اور کم ازکم یہ کہ اس کے خلاف قطعاً ثابت نہیں ہے جس کی تفصیل آیت ''ماکنت تدری'' ''نیز'' ووجدك ضالاً فهدی'' کی تفسیر کے تحت کتب شان میں دیکھی جا سکتی ہے جیسے الشفاء نیز کتب تفسیر وکلام وغیرہا۔

نیز آیت میثاق النبین میں انبیاء کرام علیہم السلام سے نہایت درجہ اہتمام سے عہد سے لے کر یہ حکم لگایا ہے کہ اس سے پھر جانے والا فاسق ہوگا جس کا مفہوم یہ ہے کہ میرے نبیو عہد کی خلاف ورزی کرنا شان نبوت کے منافی ہے کہ فسق ہے جو ظلم ہے ولا ینال عهدی الظالمین۔ علاوہ ازیں آیت میثاق نبوت میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے واخذنا منهم میثاقا غلیظا ہم نے ان سے انتہائی پختہ عہد لیا تھا جس کا تقاضا تبدیلی سے پاک ہونا ہی ہے۔

نیز ایمان وعہد سے مکر جانا گناہ اور نافرمانی ہے اگر نبی سے اس کا صدور مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گناہ کرنا امت پر فرض ہے کیونکہ نبی واجب الاتباع ہوتا ہے جب کہ نبی خود پاک ہوتا اور دوسروں کو گناہ سے بچانے اور انہیں پاک کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ نبی کا پیمان وعہد سے بدل جانا ممکن نہیں۔

علاوہ ازیں باب ہشتم میں مستقل عنوان کے تحت علماء وائمہ شان کی تصریحات بلکہ خود مولانا موصوف کی صراحتوں سے بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ نبی قبل از اعلان نبوت بھی شان عصمت کا حامل اور لازمی طور پر کفر وگناہ سے معصوم ہوتا ہے جس کا منکر خائب وخاسر اور ضال ومضل ہے۔ یہ بھی موصوف کے اس قیاس کے مع الفارق ہونے کی زبردست دلیل ہے یعنی غیر انبیاء کے لیئے کسی وقت بھی عصمت نہیں جب کہ انبیاء علیہم السلام کے لیئے ہر لمحہ میں عصمت لازم ہے۔ فافترق الفریقان فی الحکم۔

نیز وہاں مؤمن یہاں کافر کا مطلب سلب وزوال ایمان ہے جب کہ نبی اس سے قطعاً پاک ہے۔ (کمامرّ)۔ یہ بھی مولانا کے اس قیاس کے مع الفارق اور غلط ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

نیز اگر قالوا بلیٰ سے بیان کردہ اس فلسفہ کو درست مان لیا جائے تو سوال یہ بھی ہے کہ کیا حدیث

''کل مولود یولد علی الفطرة فابواہ یهودانه او ینصرانه او یمجّسانه''میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی شامل ہیں۔اگر کہیں ہاں تو عصمت نہ رہی جو غلط ہے۔اور اگر کہیں نہیں تو قیاس ہٰذا کا مع الفارق ہونا لازم آیا وھوالمقصود۔

مولانا پھر بھی نہ مانیں تو کم از کم اس کی کوئی مثال تو پیش کی ہوتی کہ کوئی نبی معاذ اللہ کب ایمان سے محروم ہوا یا کسی نبی کو کب نبوت سے معطل کیا گیا یا کم از کم اس کے امکان کی ہی کوئی دلیل دی ہوتی؟ الغرض حقائق و دلائل کی رو سے مصنف تحقیقات کا یہ قیاس مع الفارق اور باطل ہے بلکہ صرف یہی نہیں کہ یہ صریح البطلان ہے بلکہ اس میں نبوت کا معاذ اللہ کفر سے اور حضور سراپا نور امام الانبیاء ﷺ کا العیاذ باللہ 'اولئك کالانعام بل هم اضل کی کیفیت رکھنے والے کفار اشرار سے موازنہ اور تشبیہ شان رسالت مآب ﷺ میں سخت سوء ادبی کا ارتکاب بھی ہے جس سے موصوف کی انتہائی عاجزی' بےبسی اور لاچاری اور ناگفتہ بہ علمی حالت زار کا بھی پتہ چلتا ہے کہ انہیں اس کے سوا کوئی مثال ہی نہیں ملی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جواب نمبر۹: پھر یہ بھی غلط ہے کہ وہاں تمام لوگ ایمان لائے اور بلٰی کہا جب کہ یہاں آ کر کچھ کافر و مشرک اور منافق ہوئے (شدّاد' فرعون' ہامان' اور ابولہب وغیرہم) کیونکہ علی التحقیق جو یہاں کافر و منافق ہو گئے وہ درحقیقت وہاں ہی بدنصیب اور بےقسمت رہے تھے اور انہوں نے اس عالم میں ''بلٰی'' کرہاً اور ناپسندیدگی سے بادل نخواستہ اور محض دیکھا دیکھی سے کہا تھا۔اس کے کچھ دلائل ملاحظہ ہوں۔

○ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے:''ان اللہ خلق خلقه فی ظلمة فالقٰی علیهم من نوره فمن اصابه من ذلك النور اهتدیٰ ومن اخطأہ ضل''یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے افراد جن وانس کی تخلیق اس حال میں فرمائی کہ وہ سب تاریکی میں تھے پھر ان پر اپنا خاص نور ڈالا تو جسے اس نور سے کچھ نہ کچھ روشنی مل گئی تو وہ ہدایت پا گیا اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا (الحدیث) (مشکوٰۃ عربی صفحہ ۲۲'بحوالہ احمد و ترمذی طبع دہلی و کراچی)۔

حدیث ہٰذا اپنے اس منطوق میں صریح ہے کہ اس جہان میں ہدایت محض انہی کو ملی جو اس عالم میں بہرہ مند ہوئے نیز یہاں وہی ایمان سے خالی رہا جو اس جہان میں بےبہرہ ہوا۔مزید پڑھیے:

○ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق فرمانے کے بعد اپنی قدرت سے ان کے دایاں کندھے سے ان کی کچھ اولاد کو ذرات کی مقدار میں باہر نکال کھڑا کیا جن کی صورتیں روشن تھیں۔پھر ان کے بایاں کندھے سے ان کی بقیہ اولاد کو باہر نکال جن کی

شکلیں کوئلے کی طرح سیاہ تھیں۔ پس دایاں کندھے والوں کے بارے میں فرمایا: ''الی الجنة ولا ابالی '' یعنی یہ سب جنتی ہیں اور یہ میرا فضل ہے۔ اور بایاں کندھے والوں کے متعلق فرمایا: ''الی النار ولا ابالی '' یعنی یہ سب جہنمی ہیں اور یہ میرا عدل ہے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ ۲۳، ۲۴ بحوالہ احمد)۔

اس سے بھی ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے ورنہ الی الجنة اور الی النار کی تقسیم اسی جہان سے کیوں؟ مزید دیکھئے:

○ خود آیت عہد اُلست کی تفسیر میں بروایت حضرت فاروق اعظم ﷛، رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے آپ نے فرمایا: ''ان اللہ خلق آدم ثم مس ظهره بيمينه فاستخرج منه ذرية فقال خلقت هؤلاء للجنة ويعمل اهل الجنة يعملون ثم مسح ظهره فاستخرج منه ذرية فقال خلقت هؤلاء للنار وبعمل اهل النار يعلمون ''۔ یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم ؑ کو پیدا فرمانے کے بعد ان کی پیٹھ پر اپنے حسب شان اپنے یمین قدرت کو پھیر کر ان کی کچھ اولاد کو باہر نکالا اور فرمایا یہ سب جنت کے لیئے ہیں جو اہل جنت والے عمل کریں گے۔ بعد ازاں ان کی پیٹھ پر اپنا ید قدرت پھیر کر ان کی بقیہ اولاد کو باہر نکالا اور فرمایا یہ سب دوزخ کے لیئے ہیں جو دوزخیوں والے عمل کریں گے (الحدیث)۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۱، بحوالہ مالک، ترمذی، ابوداؤد)

یہ حدیث بھی روزِ روشن کی طرح ہمارے موقف کی مؤید ہے (لما مرّ) اور رہے بھی مبحث فیہ آیت کے تحت۔

مزید اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے: ''ثم يبعث الله اليه ملكا باربع كلمات فيكتب عمله واجله ورزقه وشقي وسعيد '' یعنی نطفہ کے قرار پانے کے چار ماہ کے بعد رحم مادر میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج کر چار امور کے لکھ دینے کا امر فرماتا ہے۔ نمبر ۱: یہ کہ یہ کیسے عمل کرے گا۔ نمبر ۲: یہ کہ اس کی دنیوی زندگی کتنی ہوگی۔ نمبر ۳: اس کا رزق کتنا ہوگا اور نمبر ۴: یہ کہ یہ بدبخت ہے یا نیک بخت (الحدیث)۔

ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰، بحوالہ صحیحین بالاتفاق عن ابن مسعود ﷛ عن النبی ﷺ)۔

○ نیز حدیث ''ان الله خلق للجنة اهلا خلقهم لها وهم في اصلاب ابائهم وخلق للنار اهلا خلقهم لها وهم في اصلاب ابائهم '' یعنی اللہ تعالیٰ نے کچھ بندے جنت کی اہلیت رکھنے والے قرار دیئے جب کہ وہ اپنے باپ دادا کی پشتوں میں تھے اور بعض جہنم کی اہلیت رکھنے والے خلق کیئے جب کہ وہ اپنے باپ دادا کی صلبوں میں تھے۔ الحدیث۔

ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰، بحوالہ متفق عليه عن ام المؤمنين الصديقة رضي الله عنها عنه صلى الله

علیه وسلم)۔

○ نیز حدیث ”اعملوا فکل میسر لما خلق له “یعنی نیکی محنت سے کرو کیونکہ ہر شخص کے لیئے اسی کی آسانی پیدا کی جاتی ہے جس کے لیئے اسے خلق فرمایا گیا ہے۔الحدیث۔

ملاحظہ(مشکوٰۃ صفحہ۲۰ بحوالہ بخاری ومسلم متفقین علیه عن علی المرتضٰی کرم اللّٰه وجهه عنه ﷺ)۔

اقول: ان احادیث میں بھی یہ واضح اشارات موجود ہیں کہ دنیا میں محض وہی بے ایمان بنے جنہوں نے اس عالم میں دل سے ایمان قبول نہیں کیا تھا۔

نیز اس مجموعہ سے یہ بھی متعین ہوگیا کہ جن بعض احادیث میں لفظ ”کل“ سے یہ مذکور ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت پاک سے ان کی اولاد کو نکال کران میں سے ہر (ایک کی پیشانی پر روشنی ظاہر کی گئی تھی وجعل بین عینی کل انسان منهم وبیضا ای بریقا ولمعانا من نور۔مشکوٰۃ‘صفحہ۲۳‘عن ابی ہریرۃ مرفوعاً مع حاشیہ۱۱)۔

تو اس سے مراد طبقہ اہل جنت کے کل افراد مراد ہیں جس کا مزید قرینہ یہ ہے کہ اسی حدیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے ان افراد میں حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھ کران پر توجہ خاص فرمائی اور اپنی زندگی سے چالیس سال بھی انہیں عطا فرمائے جب کہ طبقۂ اہل جنت کا گروہ اہل نار سے مخالف سمت میں ہونا منقولہ بالا بعض احادیث سے متعین ہے۔فافهم۔

○ علاوہ ازیں ہمارے اس موقف کی تائید ائمہ شان کی تصریحات سے بھی ہوتی ہے بعض ملاحظہ ہوں:

چنانچہ تلمیذ امام اعظم‘ متفق علی امامته فی التفسیر والحدیث والفقه والورع والزهد حضرت امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے صحیحین کی متفق علیہ حدیث ”ما من مولود الا یولد علی الفطرة الخ (مشکوٰۃ صفحہ۲۱‘عن ابی ہریرۃ مرفوعاً ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے) کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”ای علی خلقته التی جبل علیها فی علم اللّٰه تعالٰی من السعادة والشقاوة فکل منهم صائر فی العاقبة الٰی ما فطر علیها فی الدنیا بالعمل المشاکل لها فمن امارات الشقاوة للطفل ان یولد بین یهودیین او نصرانیین فیحملانه لشقائه علٰی اعتقاد دینهما“۔

ملاحظہ ہو(تفسیر بغوی‘جلد۳‘صفحہ۴۸۳ تحت فطرة اللّٰه التی فطر الناس علیها۔نیز مظہری جلد ہفتم‘صفحہ۲۴۳ تحت آیت مذکورہ)۔

اقول: یہاں سے اطفال کفار ومشرکین کے متعلق امام اعظم کے نظریہ توقف کے حوالہ سے آپ کی

دقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ رحمة الله تعالیٰ رحمة واسعة كاملة۔

○ قدوۃ العارفین امام علامہ شعرانی قدس سرہ النورانی نے روح کے زمانۂ تکلیف کی وضاحت کرتے ہوئے (کہ وہ کب سے مکلّف ہے) فرمایا: ''هی مكلفة من يوم ألست بربكم فلولا ان تكليفها و فعلها موجود ذلك اليوم ما خوطبت ولا اجابت ''یعنی روح' عہدِ اَلست کے زمانہ سے مکلّف ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اسے اس دن مخاطب نہ فرمایا جاتا اور نہ ہی وہ اس کی جواب دہ ہوتی (الیواقیت والجواہر جزء اول صفحہ ۲۲۳ طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت' مطبوعہ ۱۹۹۸ء)۔

اقول: ادھر مکلّف ہونے کا مفاد یہ کہ اس عالم میں بھی ارواح کو من وجہ مختار بنایا گیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس اختیار کا استعمال یکساں نہ تھا لہٰذا سب کا دل سے ماننا ضروری نہ ہوا جس کی ایک عمدہ مثال یہ بھی ہے کہ خود اس جہان میں اظہار ایمان وقبول اسلام ایک طرح سے نہیں ہے۔کوئی دل سے مانتا ہے کوئی ڈر کر' کوئی کسی لالچ میں آ کر اور کوئی محض دیکھا دیکھی کلمہ پڑھتا ہے اور احکام پر عمل کرتا ہے۔

نیز سب اس پر متفق ہیں کہ حج' حج کرنے والے کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے نیز حج کو وہی جاتا ہے جس نے حضرت خلیل علیہ السلام کی بناء کعبہ کے بعد کی نداء پر عالم ارواح' خواہ اصلاب وارحام میں لبیک کہی تھی اور جتنی پر کہی اتنی بار اسے حاضری ملتی ہے جب کہ حج پڑھنے والوں میں وہ بھی ہوتے ہیں جن کے کفر وضلال اور جہنمی العقیدہ ہونے پر اجماع ہے پس اگر ان کی لبیک اس عالم میں واقعی دل سے تھی تو وہ دنیا میں کفریہ اور جہنم میں لے جانے والے عقیدہ پر کیوں ہیں؟ تو لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ اس عالم میں انہوں نے کرہاً جواب دیا جس کا دنیا میں انہیں ظاہری فائدہ بہر حال مل گیا مگر بایں ہمہ وہ رہے بے ایمان کے بے ایمان۔اب لیجئے اس کا خصوصی جزئیہ پڑھئے:

• امام علامہ احمد سلجماسی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کریم عمدۃ الواصلین حضرت سید عبدالعزیز بغدادی المعروف حضرت غوث دباغ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے عهد ألست کے موقع پر کفار ومشرکین کی جوابی کیفیت کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے خدام اہل ایمان آٹھ مواقع پر انوار وتجلیات الٰہیّہ سے دل کے جذبہ سے سیراب ہوئے اور سیرابی کے تفاوت کی بنیاد پر دنیا میں ان کے روحانی مدارج مختلف ہوئے فرمایا: ان مواقع میں سے ایک موقع ''يوم الست بربكم'' ہے۔پھر اس موقع پر کفار کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: واما ارواح الكفار فانها كرهت شرب ذلك النور وامتنعت منه فلما رأت ماوقع للارواح التي شربت منه من السعادة الابدية

والارتقاءات السرمدیة ندمت وطلبت سقیا فسقیت من الظلام والعیاذ باللہ ''یعنی یوم الست کے موقع پر ارواحِ کفار اس نور سے سیراب ہونے کو ناپسند کر کے ایک طرف کھڑی رہیں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس نور سے بخوشی سیراب ہونے والی روحوں کو ابدی سعادت حاصل ہوئی اور دائمی ترقیاں نصیب ہوئی ہیں تو انہوں نے نادم ہو کر اس نور کی سیرابی طلب کی تو انہیں نور کی بجائے ظلمت کی سیرابی دی گئی والعیاذ باللہ۔

ملاحظہ ہو (الابریز من کلام سیدی عبدالعزیز، صفحہ ۳۷۸ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت مطبوعہ ۲۰۰۲ء)۔

نیز فرمایا: ''وقال لھم ''الست بربکم'' فمن استحلی ذلك النور وکانت منه الیه رقة وحنو علیه اجاب محبة ورضا، ومن یستحله اجاب کرھا وخوفا ''یعنی اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اولادِ آدم علیہ السلام سے فرمایا ''الست بربکم '' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو جسے اس ارشاد کے نور کی چاشنی نصیب ہوئی اور وہ دل کی گہرائیوں سے اس کی طرف راغب ہوا تو اس نے محبت اور خوشی سے اس کا جواب عرض کیا۔ اور جسے اس کی حلاوت نہ ملی تو اس نے ناپسندیدگی سے اور محض ڈر کے مارے جواب دیا (کہ جواب نہ دوں تو کہیں کاروائی نہ ہو جائے)۔ ملاحظہ ہو (الابریز، صفحہ ۳۸۰)۔

نیز فرمایا: ''وقال الست بربکم فاما اھل السعادة فانھم استجابوا لربھم مع الفرح والسرور (الی) واما اھل الشقاء والعیاذ باللہ فانھم سمعوا الخطاب وتکدروا وتغیروا واجابوا کارھین ثم نفروا نفرة النحل اذا دخن علیه فحصلت لھا ذلة ''یعنی اللہ تعالیٰ نے ارواح اولادِ آدم علیہ السلام سے الست بربکم فرمایا (کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) تو جو ان میں خوش بخت تھے تو انہوں نے انتہائی خوشی اور مسرت سے جواب دیتے ہوئے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ مگر ان میں العیاذ باللہ جو بد بخت تھے وہ اس خطاب دلنواز کو سننے کے بعد پریشان ہو گئے اور ان پر بہت بری کیفیت طاری ہو گئی اور انہوں نے اس کا جواب بھی دیا تو کڑھتے ہوئے پھر وہ ایسے تتّر بتّر ہو گئے جیسے شہد کی مکھیاں آگ کا دھواں پہنچنے سے بھاگنے کا کرتی ہیں تو انہیں ذلت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ (الابریز، صفحہ ۴۵۳)۔

اقول: حضرت غوث دباغ رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات مانحن فیه میں نص صریح اور اس بارے میں نہایت واضح ہیں کہ کفار و مشرکین کی روحوں نے اس جہان میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار دل سے نہیں کیا تھا جو مصنف تحقیقات کے اس نظریہ کا ردّ بلیغ ہے کہ اس جہان میں سب مؤمن تھے الخ۔ اور ان پر حجت قاطعہ بھی ہے کیونکہ وہ حضرت کی ثقاہت وولایت کا اقرار کرتے ہوئے انہیں ''عظیم المرتبت ولی'' ''غوث کبیر''، ''ولی کامل'' اور ''عظیم ولی'' کے القاب سے یاد کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۶۸، ۷۰)۔

صرف یہی نہیں بلکہ نفس مسئلہ کی صحت وصداقت کو بھی وہ تسلیم کر چکے ہیں حوالہ ملاحظہ ہو:

○　چنانچہ موصوف نے ایک دیو بندی خصم کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اگران کو الست بربکم کے جواب میں اپنا بلٰی کہنا معلوم نہ ہوتو کیا کہا جائے گا کہ انہوں نے بلٰی نہیں کہا تھا' کہا تو کفار نے بھی تھا مگر اِکـرَاھاً اور ہیبت وجلالت خداوندی سے اور مؤمنین نے طوعاً واخلاصاً کہا تھا لیکن ظہور اس کا دنیا میں ہوگا کہ ازراہ اخلاص بلٰی کہنے والا کون تھا اور ازراہ اکراہ کون؟ ملاحظہ ہو۔ (تنویر الابصار' صفحہ ۱۰۹' طبع ضیاء القرآن' لاہور مطبوعہ ۱۹۸۵ء)۔

اقول:　ع　مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

رہا یہ کہ ''تمام لوگ وہاں ایمان لائے لیکن یہاں پھر ایمان لانے کے ساتھ مکلّف بھی ہیں'' (ملخّصاً)؟

تو اولاً: اس عالم میں بلا استثناء سب کے دل سے ایمان لانے کے نظریہ کے مخدوش ہونے کی تفصیل ابھی گزری ہے۔

ثانیاً: یہ صحیح ہے کہ اس جہان میں بھی انسانوں کو ایمان لانے کا مکلّف کیا گیا اور اس جہان میں بھی انہیں اس کا پابند کیا گیا لیکن بحث اس میں نہیں ہے کہ مختلف عوالم میں ایک ہی امر کا کسی کو مکلّف کیا جا سکتا ہے یا کیا گیا ہے یا نہیں؟ بلکہ بحث اس میں ہے کہ نبی نبوت کے حاصل ہونے کے بعد عالم کے بدلنے سے اپنی نبوت سے محروم ہوسکتا ہے یا اس کی نبوت دوسرے عالم میں غیر معتبر ہوسکتی ہے؟ اسی کو انہوں نے ثابت کرنا تھا مگر ان کا یہ دعویٰ' دلیل کے لیئے تا حال ان کا منہ تک رہا ہے اور صبح قیامت تک تکتا ہی رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لہٰذا موصوف کو اس کا بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔

خلاصہ یہ کہ مولانا کا یہ استدلال غلط اور بے بنیاد ہی نہیں' حقائق اور قرآن وسنت کے بے شمار ٹھوس دلائل کے خلاف نیز سخت سوء ادبی کے ارتکاب پر مشتمل بھی ہے (والعیاذ باللہ)۔

فیصلہ نبویہ: آخر میں ہم حرف آخر کے طور پر خود حضور سید عالم ﷺ کا اس سلسلے کا واضح فیصلہ سنائے دیتے ہیں جو آپ کی اس نبوت کے لیئے عالم ارواح اور عالم بشریت کے فرق کرنے کے باطل ہونے کا بین ثبوت اور شاہد عدل ہے۔

چنانچہ تنبیہات جلد اول میں کم وبیش چودہ کتب تخریج اور گیارہ کتب نقل کے حوالہ سے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول ﷺ اللہ کا یہ ارشاد مبارک لکھا جا چکا ہے کہ: ''انی عند اللہ فی ام الکتاب لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ'' (فی روایۃ "عبداللہ بدل عند اللہ) یعنی میں بلاشبہ اللہ

تعالیٰ کا وہ برگزیدہ بندہ ہوں کہ آدم علیہ السلام کا ابھی ڈھانچہ بھی نہیں بنا تھا کہ اللہ کے ہاں امّ الکتاب میں میرا خاتم النبین ہونا فیصل اور معین ہو چکا تھا۔

اقول: معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اس عالم میں صرف نبی ہی نہیں بنائے گئے تھے بلکہ خاتم النبین بھی متعین فرمائے گئے جو آپ کی اس نبوت کے ہمیشہ زوال سے پاک اور ہر عالم میں قائم ودائم ہونے کی دوٹوک دلیل ہے جس کی رو سے عالم بشریت میں صرف چارج سنبھال دینے کا مرحلہ پیش آیا جسے مرتبۂ ظہور کہا جاتا ہے۔اسی معنٰی پر علامہ ابن رجب اور حضرت غزالیٔ زماں علیہما الرحمۃ والرضوان سے خصوصی جزئیات جلد اول میں پیش کیے جا چکے ہیں بلکہ اس سب کو خود موصوف بھی ببانگ دہل تسلیم کر چکے ہیں۔

چنانچہ پیش نظر حدیث کا عربی متن اور اس کا اردو ترجمہ لکھنے اور بعض ائمہ حدیث سے اس کی تصحیح نقل کرنے کے بعد موصوف نے لکھا ہے کہ ''آنحضرت ﷺ حضرت علیہ السلام کی تخلیق وایجاد سے پہلے نبوت ورسالت اور خاتم النبین کے منصب پر فائز ہو چکے تھے'' (ملخّصاً) ملاحظہ ہو۔(تنویر الابصار، صفحہ ۱۹، ۲۳)۔

جواب نمبر۱۰: موصوف کی کتاب ''تنویر الابصار'' کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ ﷺ کے نور مبارک کو پیدا فرمایا یعنی حضور کا نور بمعنی حقیقی اول الخلق ہے پھر وہی نور آباء کرام اور امہات وجدات طیبات سے ہوتا ہوا والدین کریمین تک پہنچا جسے صورت بشریہ میں ملبوس فرمایا گیا۔لہٰذا آپ ﷺ بشر ہونے کے ساتھ ساتھ اس عالم میں نور بھی ہیں جس سے آپ ﷺ کے متعلق موصوف کے موقف کی تغلیط ہوگئی کہ جب اس جہان والا آپ کا وہ نور مبارک اِس جہان میں بھی قائم ودائم ہے تو آپ کی اس جہان والی نبوت کیونکر غیر معتبر ہوگئی۔(تلك عشرة كاملة)۔

الحمد للہ تعالیٰ حق ہر حوالہ سے آفتاب نیمروز کی طرح کھل کر سامنے آ گیا ہے، مولانا پھر بھی اپنے باطل موقف اور اپنی اَنا پر ڈٹے رہیں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان کی قسمت ہے۔واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

نوٹ: اس پورے جواب کی تسوید مؤرخہ ۲/ نومبر ۲۰۱۱ء مطابق ۶/ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ شب چہارشنبہ کو بوقت ۳ بجے مدینہ طیبہ سے مکۃ المکرّمہ (زادہما اللہ شرفاً) کے سفر مبارک کے دوران ساسکو سٹاپ سے بلدۂ طیبہ تک بس میں عمل میں آئی اور تبییض بعد میں کی گئی۔والحمد للہ۔

مغالطہ نمبر ۶ کی نام نہاد دلیل نمبر ۲: عالم ارواح میں آپ ﷺ مربی مگر عالم ناسوت میں جبریل علیہ السلام آپ کے معلم)**سے جواب**:

''کیا ارواح کاملین کا بشری لباس میں منتقل ہونا ان میں کوئی تغیر وتبدل پیدا کرتا ہے یا نہیں؟'' کا مستقل عنوان قائم کر کے اسے ''ممکن ہے'' کہہ کر اس سلسلہ کی مزید دلیل موصوف نے یہ دی ہے کہ: ''آپ ﷺ عالم ارواح میں نبی تھے' ارواح انبیاء علیہم السلام کو تعلیم دیتے اور ملائکہ بھی ان سے مستفید ہوتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ اور ان قدسیوں کے درمیان واسطۂ افاضہ واستفاضہ تھے۔ لیکن ناسوتی بدن میں آنے کے بعد جبریل علیہ السلام آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بن گئے' وحی لانا اللہ تعالیٰ کے احکام آپ تک پہنچانا ان کے سپرد ہو گیا آپ ان کی قرأت سن کر قرأت کرتے' وضو' نماز کا طریقہ باجماعت ادائیگی کی کیفیت آپ کو سکھلاتے ہیں۔ ابتداء میں اِقرأ سن کر آپ معذرت کرتے ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اور اس کے بار بار توجہ اتحادی کے ذریعہ بشریت کو مغلوب' روحانیت کو غالب اور عالم بالا کے ساتھ آپ کا تعلق قائم کرتے ہیں تب جا کر آپ وحی کی تلاوت فرماتے ہیں (ملخصاً بلفظہ) ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۵۱'۵۲)

الجواب: خدا کے کرنے سے مولانا اپنی اس تقریر میں بھی ایک بار پھر یہ اقرار کر گئے ہیں کہ ''آپ ﷺ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے'' جس کی مابعد کے ادوار میں نفی کے لیۓ معیاری دلیل درکار تھی مگر انہوں نے انتہائی سطحی قسم کا استدلال پیش کیا ہے کیونکہ ان کی بحث محض یہ ہے کہ صورت بشریہ میں جلوہ گر ہونے کے بعد آپ ﷺ کی اس عالم والی نبوت معاذ اللہ غیر معتبر یا تعطلی کا شکار ہو گئی جب کہ وہ دلیل اس امر کی دے رہے ہیں کہ عالم بشریت میں تشریف آوری کے بعد دیگر بعض احکام میں تبدیلی واقع ہوئی جو کہ خارج از بحث ہے۔ نیز ان دیگر امور میں بھی جبریل علیہ السلام کا آپ ﷺ کے لیۓ واسطہ اور وسیلہ ہونا محض ظاہراً اور صورۃً ہے۔ بالفاظ دیگر ان کی وہ تعلیم صوری ہے عند المحققین وہ آپ ﷺ کے حضور یہ سب کچھ خادمانہ حیثیت سے لائے جیسے بعد از وصال مزار شریف پر آپ کی خدمت میں امتیوں کے پیش کیۓ گئے درودوں کے عرض کرنے کے لیے فرشتے کی تعیناتی وغیرہ کہ اس کا یہ ابلاغ بھی خادمانہ حیثیت سے ہے اس لیۓ نہیں کہ آپ ﷺ معاذ اللہ اس ملک مؤکل کے محتاج ہیں۔

کچھ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حصولِ علم کے ذرائع دو طرح کے ہوتے ہیں: نمبر ۱' اختیاری کہ جن میں جانبَین سے استاذی شاگردی کا تحقق بالقصد مطلوب ہوتا ہے جیسے مدارس میں پڑھنے پڑھانے کے مروجہ سلسلے۔

اور نمبر ۲' جبری واضطراری ذرائع کہ جن میں مذکورہ امر مفقود ہوتا ہے مثلاً قلم ذریعۂ علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''الذی علم بالقلم'' بڑی کریم ذات ہے جس نے قلم کو ذریعۂ علم بنایا ہے جب کہ قلم کو کوئی بھی استاذ نہیں سمجھتا۔ اس کی نب ٹوٹ جائے تو کوئی نہیں کہتا ہے کہ استاذ جی قلم صاحب حادثے کا شکار ہو گئے ہیں وجہ یہی ہے کہ وہ ذریعۂ جبری ہے۔

اسی طرح حفظ القرآن وغیرہ کی کلاس کا مانیٹر اپنے کلاس فیلوز کے اسباق سن کر بعینہٖ استاذ جیسا کام کرتا ہے مگر کوئی بھی عرف میں اسے استاذ نہیں سمجھتا کہ وہ ذریعۂ اختیاری نہیں۔

بناءً علیہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے بمعنیٰ حقیقی معلّم نہیں کیونکہ نہ تو ان کو بحیثیتِ استاذ آپ کی طرف بھیجا گیا اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کا استاذ بننے کا قصد کیا تھا۔

اسی طرح اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کا شاگرد بننے کی نیت فرمائی تھی جب کہ حقائق ودلائل اور شواہد اس کے برخلاف قائم ہیں۔ چنانچہ قرآن پڑھ کر سنانے والے جبریل علیہ السلام تھے مگر اللہ نے آپ سے فرمایا: فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ''جب ہم آپ کو قرآن پڑھ کر سنا دیں تو آپ اس کی دہرائی مکمل سن لینے کے بعد کیا کریں۔ (پارہ ۲۹' القیٰمۃ)۔

نیز بعض امور کی تعلیم ظاہراً جبریل علیہ السلام دے رہے تھے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''الرحمن علم القرآن'' رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ (کنز الایمان)۔

نیز ان آیات سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے ''ومانتنزل الا بامرربك'' (پارہ ۱۶' مریم' آیت ۱۰۹)۔ لا یسبقونه بالقول وهم بأمره یعملون (پارہ ۱۷' الانبیاء' آیت نمبر ۲۷)۔ لا یعصون الله ما امرهم ویفعلون مایؤمرون (پارہ ۲۸' التحریم' آیت نمبر ۶)۔

رہی آیت ''علمه شدید القویٰ ''؟ تو اوّلاً: علّم کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے (قاله الامام الحسن وغیره)۔ ثانیاً: اگر حضرت جبریل علیہ السلام اس کا مرجع ہوں جیسا کہ ایک قول ہے تو بر تقدیر تسلیم ان کی تعلیم بمعنیٰ حقیقی نہیں بلکہ محض صورۃً ہے (لما ذکرنا)۔

بناءً علیہ موصوف کا یہ دعویٰ کہ ''اقراء سن کر آپ معذرت کرتے ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'' بلا دلیل اور ان کی ذاتی نوعیت کی رائے ہے کیونکہ آپ ﷺ نبی اُمّی ہیں یعنی کسی بھی فرد مخلوق سے کچھ نہ پڑھنے والے پس ما انا بقاری کا جواب دے کر آپ نے معاذ اللہ جبریل علیہ السلام سے کچھ معذرت نہیں فرمائی بلکہ اپنے نبی امی ہونے کی شان کا عملی اظہار فرمایا کہ تمہارے کہنے پر کچھ پڑھوں تو یہ میری نبی امی ہونے کی شان کے

منافی ہے۔لہٰذا معنٰی یہ ہوگا کہ آپ کے کہنے پر پڑھنے کا کام کرنے والا نہیں ہوں۔

جیسے حضرت سیدنا خلیل علیہ السلام نے الاؤ میں ڈالے جانے کے بعد جبریل علیہ السلام کی امدادی پیش کش کو قبول نہ فرمایا مزید انہوں نے جب یہ کہا کہ اللہ کے حضور کوئی درخواست ہو تو فرمائیں' آپ نے فرمایا وہ میرے حال کو بہتر جانتا ہے کیونکہ انہوں نے اسے شان توکل کے منافی تصور فرمایا۔

یوں بھی معنٰی کر سکتے ہیں کہ آپ کے کہنے پر نہ تو اب پڑھتا ہوں اور نہ ہی کبھی پڑھوں گا کیونکہ اس ترکیب میں اسم فاعل بمعنی فعل مضارع ہے جس میں زمانۂ حال واستقبال ہے جس کی تائید اسی روایت کے بعض طرق میں پائے جانے والے اس کے متبادل الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ''مَا اَنَا بِقَارِئٍ'' کی بجائے مَا اَقْرَأُ کے الفاظ آئے ہیں یعنی میں نہ پڑھتا ہوں نہ پڑھوں گا۔

ملاحظہ ہو (کرمانی شرح بخاری' جلد۱' صفحہ۳۴' طبع بیروت جاء فی روایة ما اقرأ قال النووی یحوزان تکون ما ھھنا ایضاً نافیة)۔

تلمیذ حضرت صدر الشریعۃ علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

ما انا بقارئ کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ میں پڑھا ہوا نہیں لیکن ہمارے مشائخ نے یہ ترجمہ کرایا ''میں نہیں پڑھتا'' یہ ترجمہ زیادہ انسب وارجح ہے.... یہ ترجمہ محاورۂ عرب کے مطابق بھی ہے کہ یہ ترکیب حال یا استقبال کے لیے استعمال کرتے ہیں جیسا کہ (الیٰ) حضرت صدیق اکبر نے فرمایا ما انا بفاعل (نزہۃ القاری' جلد۱' صفحہ۱۹۲' طبع برکاتی کراچی)۔

نیز علامہ سید غلام جیلانی علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں: ''انکار کرتے ہوئے فرمایا ''ما انا بقاری'' میں تو نہیں پڑھتا'' (بشیر القاری' ۱۰۹)۔

نیز حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں: عام شارحین اس کے معنٰی کرتے ہیں ہیں کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا میں امی ہوں مگر یہ قوی نہیں (الیٰ) مطلب یہ ہے کہ اے جبریل اس وقت میں نہیں پڑھنے والا (الیٰ) اس فرمان عالی میں اپنا منصب حضرت جبریل کی خدمت اور قرآن کے درجے کا تعیّن فرمایا ہے (مرآۃ ۸' صفحہ۹۵)۔

نیز حضرت مفتی شریف الحق امجدی نے لکھا ہے کہ آپ غار حرا میں مشاہدہ ذات وصفات میں مستغرق تھے اس کیفیت سے ان آیات کی طرف متوجہ کرنے کے لیے تین بار جھنجھوڑنے کی بجائے کہ ادب کے منافی تھا' سینے سے لگا کر قوت بھر دیا (ملخّصاً) (نزہۃ القاری' صفحہ۱۹۲'۱۹۳)۔

جس سے مصنف تحقیقات کے موقف کی بہر حال نفی ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے پوری آیت سناتے ہوئے کہا ''اقراء باسم ربك الذی خلق'' آپ اپنے خالق و مالک کا نام لے کر پڑھیں اور آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ وہ آپ کو پڑھانے والے نہیں بلکہ آپ تک آپ کے معلم حقیقی کا کلام پہنچانے والے ہیں تو آپ نے فوری طور پر پڑھنا شروع فرمادیا۔

علاوہ ازیں ''قاریٔ کا معنٰی ''پڑھا ہوا'' کرنا از حد غلط بھی ہے کیونکہ یہ اسم مفعول والا معنٰی (اور مقروٌ کا ترجمہ) ہے پس اس کا صحیح معنٰی ہے ''پڑھنے والا''۔ مولانا پھر بھی نہ مانیں تو اسی منوال پر وہ ان جملوں کے کیا معانی کریں گے۔ ماالله بغافل۔ ما انت بفاعل ۔ ما انت بتابع ۔ ما بعضهم بتابع۔ ما انت بمؤمن لنا۔ قول الصدیق لابی سفیان "ما انا بفاعل" کما فی ابن هشام۔

الغرض حضرت جبریل علیہ السلام کا وحی لانا وغیرہ خادمانہ حیثیت سے تھا مخدومانہ حیثیت سے یا بمعنی حقیقی معلّم ہونے کے حوالہ سے نہ تھا جس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شب معراج میں وہ آپ ﷺ کو براق پر سوار کرا کر آپ کی رکاب کو تھام کر چلے تھے ''اخذ جبریل علیہ السلام برکابه و میکائیل زمام البراق ''وهما من اکابر الملئکة'' حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کی رکاب پکڑی اور میکائیل علیہ السلام نے (آپ کی سواری) براق کی لگام تھامی جب کہ وہ دونوں اکابر ملئکہ سے ہیں۔ (المعراج الکبیر للامام نجم الدین الغیطی، صفحہ ۶۱، ۶۲ نیز نشر الطیب، صفحہ ۴۸)۔

نیز حضرت شیخ مصلح الدین سعدی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں ؎

خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد زمیں بوس قدر تو جبریل کرد

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف فرمائی ہے اور آپ کے بارے میں تعظیمی کلمات ارشاد فرمائے ہیں اور آپ کو واجب التعظیم قرار دیا ہے۔ نیز جبریل علیہ السلام کو آپ کے رتبہ کی زمین کا چومنے والا (خادم) بنایا ہے۔ (بوستان سعدی، صفحہ ۶، طبع قدیمی کراچی)۔

بعض اکابر بزرگان دین نے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے ان کا یہ مضمون ان الفاظ سے بھی پیش فرمایا ہے ؎

عرش است کمیں پایہ ز ایوان محمد (ﷺ) جبریل امین خادم و دربان محمد (ﷺ)

یعنی عرش الٰہی حضور کی بلند شان کے آگے ایسے ہے جیسے کسی اونچے محل کی سیڑھی کا نچلا قدم ہو نیز

حضرت جبریل امین علیہ التحیۃ والتسلیم آپ ﷺ کے خادم و دربان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ملاحظہ ہو۔ (مقام رسول ﷺ صفحہ ۳' از استاذ العلماء شیخ القرآن علامہ فیضی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

حضرت شیخ دباغ (جنہیں موصوف نے ''عظیم ولی کامل اور غوث کبیر'' لکھا ہے) نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضور سے فیض لینے کا محتاج قرار دیا اور فرمایا ہے: وسیدنا جبریل انما خلق لخدمة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''یعنی سیدنا جبریل علیہ السلام پیدا ہی اسی لیئے کیئے گئے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت کریں اور آپ کے خادم ہوں۔ (ابریز' صفحہ ۱۶۹'۳۹۱)۔

''**ربی توجہ اتحادی**'' کی بات؟ تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت جبریل ﷺ نے پیروں مرشدوں والا روحانی تصرف کر کے حضور کا عالم بالا سے ربط کرایا تب جا کر آپ کو وصول وحی کی قوت ہوئی جو اعلیٰ پائے کے مرتبہ شناسان نبوت' محققین کے موقف کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے تین بار معانقہ کر کے آپ کو کچھ دیا نہیں بلکہ الٹا آپ سے کئی فیوض و برکات حاصل کیے۔ چنانچہ حضرت غوث بغدادوسید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (جنہیں موصوف نے تحقیقات صفحہ ۶۸' ۷۰ میں عظیم المرتبت ولی کامل اور غوث کبیر تسلیم کیا ہے' آپ) کا اس بارے میں ارشاد ہے: ''الضمة الاولیٰ' لیتوسل به الی اللہ تبارك وتعالیٰ فی حصول الرضاء له الابدی الذی لا سخط بعده والضمة الثانية ليدخل ای جبریل فی جاه النبی ﷺ ويلوذ بحماه الشريف' والضمة الثالثة ليكون ای جبريل من امته الشريفة یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے پہلی وحی جلی کے موقع پر جو آپ ﷺ کو اپنی پوری قوت سے بھینچ کر آپ سے تین معانقے کیئے تھے ان میں سے پہلے معانقہ سے مقصود یہ تھا کہ انہیں آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی ایسی ذاتی خوشنود حاصل ہو جائے جس کے بعد کسی قسم کی ناراضگی نہ ہو' دوسرے معانقہ سے مقصود یہ تھا کہ انہیں نبی کریم ﷺ کا قرب اور آپ کے دامن رحمت میں پناہ مل جائے اور تیسرے معانقہ سے یہ مطلوب تھا کہ وہ با قاعدہ اور عملی طور پر آپ کی امت کریمہ کے فرد بن جائیں (الابریز' صفحہ ۱۶۹' طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت' مطبوعہ ۲۰۰۲ء طبعہ ثالثہ)۔

خلاصہ یہ کہ اس دنیا میں حضرت جبریل علیہ السلام کا حضور ﷺ کے پاس احکام الٰہی کا لانا خادمانہ حیثیت سے تھا نیز یہ کہ ''ماانا بقاریٔ ''فرما کر آپ نے ان سے استغناء ظاہر فرمایا اور آپ کا اِقراء سن کر پڑھنے سے انکار فرمانا آپ کے تلمیذ رحمٰن ہونے کی بناء پر تھا۔ نیز یہ کہ حسب تصریح ''عظیم ولی کامل وغوث کبیر'' جبریل علیہ السلام نے آپ سے لپٹ کر آپ کو فیض دیا نہیں بلکہ آپ سے فیض حاصل کیا۔ اور بر تقدیر تسلیم وہ کالقلم فی

ید الکاتب کی مثال پر محض خادمانہ حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی امانت اور حضور کی چیز حضور کی خدمت میں پہنچانے آئے تھے اور اسی حیثیت سے آتے رہے جو ان کے لیئے بہت بڑا اعزاز تھا جس سے اس مقام پر اس سلسلہ کے جملہ اقوال علماء میں مطابقت بھی ہوگئی۔ والحمدللہ علیٰ ذٰلك۔

اقول: آخر کعبہ شریف کے مقام ملتزم پر کعبہ سے چمٹ کر حضور نے دعا بھی تو فرمائی ہے نیز کعبہ کا طواف بھی فرمایا ہے تو کیا آپ اللہ کے انوار و تجلیات کو وصول فرمانے کے لیئے کعبہ کے معاذ اللہ محتاج تھے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ وصلی اللہ علی سیدنا وعلی آلہٖ وصحبہ اجمعین۔

مغالطہ نمبر ۶ کی نام نہاد دلیل نمبر ۳ (پہلی وحی کے موقع پر اضطرابی کیفیت طاری ہوئی) **سے جواب**:

مصنف تحقیقات لکھتے ہیں: ''گھر پہنچنے پر کس قدر اضطرابی کیفیت طاری ہوئی تھی؟ کتب احادیث اور کتب سیرت میں ان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۵۲)۔

الجواب ○:　اس سے ''کنت نبیا'' کے مضمون کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔

○　نیز مطلقاً خوف یا اضطرابی کیفیت بھی منافیٔ نبوت نہیں کیونکہ اس طرح کی بعض کیفیات تو اعلان نبوت کے بعد کے دور میں بھی اوقات نزول وحی کے وقت ظہور پذیر ہوتی تھیں۔ چنانچہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کے پاس وحی کس طرح سے آتی ہے، فرمایا: ''احیانا یأتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشده علی'' یعنی بعض اوقات گھنٹی کی ٹن ٹن کی طرح آتی ہے اور اس طرح کی وحی سے مجھے انتہائی سخت جسمانی کوفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت امّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ولقد رأیته ینزل علیه الوحی فی الیوم الشدید البرد فیصم عنه وان جبینه لیتفصد عرقا'' میں نے سخت سردی کے موسم میں کامل انہماک کے ساتھ آپ ﷺ کی نزول وحی کی کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کیفیت کے زائل ہونے کے بعد آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو (صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲، طبع کراچی)۔

خوف کے مطلقاً منافیٔ نبوت نہ ہونے کی ایک دلیل حضرت موسیٰ کلیم علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر انہوں نے اپنی لاٹھی کو زمین پر پھینکا تو وہ حکم الٰہی سے اژدہا بن گئی، حضرت کلیم نے گھبراہٹ محسوس فرمائی اور ادھر سے جانے لگے۔ فرمایا موسیٰ! واپس آجائیں ''ولا تخف انی لایخاف لدی المرسلون'' اور آپ مت ڈریں تو میرے رسول ہو۔ (قرآن مجید پ ۱۹، النمل رکوع ۱)۔

○　علاوہ ازیں یہ اضطرابی کیفیت (معترض کی زبان میں) بعمر چالیس برس پہلی وحی کے نزول کے بعد

کے زمانہ میں تھی جس میں آپ ﷺ کا نبی ہونا خود معترض کو بھی تسلیم ہے بلکہ موصوف نے یہ کتاب لکھی ہی اسی کے اثبات میں ہے پس جو زمانہ خود ان کے حسب اقرار آپ کے نبی ہونے کے ثبوت کا ہے اسے نبوت کی نفی کے طور پر پیش کرنا قطعی طور پر قطعی الثبوت نبوت کا انکار ہے جس کے کفر ہونے سے معترض کو بھی انکار نہیں ہوسکتا جس کا انہیں سمجھ نہ آنا سخت حیرت انگیز اور انتہائی تعجب خیز ہے۔ پناہ بخدا۔

مغالطہ نمبر ۲ کی دلیل نمبر ۴ (پہلی وحی کے موقع پر جبریل علیہ السلام کے دبانے سے قوت برداشت انتہاء کو پہنچ گئی) **سے جواب**:

اپنے دعویٰ مذکورہ کی مزید دلیل دیتے ہوئے مصنف تحقیقات نے لکھا ہے کہ: ''پہلی وحی: جبرائیل امین علیہ السلام آپ کو سینہ سے لگا کر دباتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں حَتّٰی بَلَغَ مِنِیَّ الْجُھُدُ (الجہد کے لفظ پر رفع) حتیٰ کہ میری قوت برداشت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی تھی اس کا اس سے زیادہ دبانا میرے لیئے نا قابل برداشت تھا۔ سؤال یہ ہے کہ عالم ارواح میں آپ ﷺ ان کے لیئے نبی ہوں' اللہ تعالیٰ سے براہِ راست فیوضات حاصل کر کے ان کی تربیت فرمائیں تو لامحالہ آپ کی روحانی قوت ان سے زائد ہونی چاہئے کہ لازم ہے کہ ہر نبی اپنی امت سے روحانی قوت میں زائد ہو تو پھر آپ کی قوت برداشت کا انتہاء کو پہنچنا اور اس سے زائد دباؤ برداشت نہ کر سکنا قابل تصور نہیں ہے'' (ملخصاً بلفظہ) ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۵۲)۔

الجواب: اس کے بھی کسی لفظ کا یہ معنیٰ نہیں کہ اس وقت ''کنت نبیا'' میں مذکور نبوت ختم، غیر معتبر یا معطل ہوگئی تھی نہ اس میں یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام کے دبانے سے قوت برداشت کا انتہاء کو پہنچ جانا نبی نہ ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔

اس سے قطع نظر یہاں جبریل علیہ السلام کا آپ کو دبانا آپ ﷺ کی روحانی قوت سے تقابل کے طور پر تھا ہی نہیں بلکہ اپنی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے تھا (کما قد مر قبیل ذلك) جو مصنف تحقیقات کے اگلے اعتراض سے بھی واضح ہے' اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھی آپ ﷺ روحانی قوت میں جبریل علیہ السلام سے بدرجہا بڑھ کر تھے۔ چنانچہ علامہ شیخ شنوانی علیہ الرحمۃ نے اس سؤال کا جواب دیتے ہوئے کہ بشریت قوت ملکی کی تاب نہیں لاسکتی پھر آپ ﷺ کی بشریت کیوں سالم رہی؟ ایک جواب یہ نقل کیا جاتا ہے کہ جبریل علیہ السلام بھی اس وقت صورت بشری میں تھے پس یہاں بشری قوت بمقابلہ بشری قوت تھی۔ اس کے بعد ارقام فرماتے ہیں: ''اجیب ایضا بان قوة النبی ﷺ اعظم من قوة جبریل علیہ السلام'' یعنی اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قوت' جبریل علیہ السلام کی قوت سے کئی گنا زیادہ ہے اس لیئے آپ کی بشریت مقدسہ'

ان کے دبانے سے فناء نہ ہوئی۔

ملاحظہ ہو (حاشیۃ الشنوانی علیٰ مختصر ابن ابی جمرۃ صفحہ ۲۵ طبع دار الفکر)۔ نیز صدر المدرسین شیخ الحدیث امام النحو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ جبریل ﷺ کے صورت بشری میں ہونے والے جواب کو علامہ طیبی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''بلکہ ظاہر یہی ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی پوری ملکی طاقت سے دبوچا تھا اس لیئے کہ بشری صورت میں آنے سے ملکی طاقت فناء نہیں ہوجاتی اور اس میں اصلاً استبعاد بھی نہیں چہ جائیکہ نادرست ٹھہرایا جائے کیونکہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اگرچہ زبردست طاقت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی طاقت کو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طاقت کے مقابل وہی نسبت ہے جو قطرہ کو دریا کے ساتھ یا ذرہ کو آفتاب سے (الیٰ) یہ دوسری بات ہے کہ اس خدائی طاقت کا ظہور کبھی ہوتا کبھی نہیں لیکن اس سے ملکی طاقت کی نبوی طاقت سے فزونی درکنار' مساوات بھی لازم نہیں آتی۔ پھر ظاہر معنیٰ کو ترک کر کے خلاف ظاہر اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ الخ۔ ملاحظہ ہو (بشر القاری' صفحہ ۱۱۱' طبع مکتبہ ضیاء السنہ ملتان)۔

علامہ شریف الحق امجدی فرماتے ہیں کہ الجھدُ کو مرفوع پڑھنے کی صورت میں ''ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مِنّی کے مِن کو تعلیل کے لیئے لیں یعنی لاجل عَظّی۔ معنی یہ ہوئے میرے دبوچنے کی وجہ سے فرشتے کی طاقت یا مشقت اپنی حد کو پہنچ گئی (الیٰ) مجھے دبوچنے کی وجہ سے فرشتہ اپنی کوشش کی انتہاء کو پہنچ گیا (ملخّصاً) (نزہۃ القاری' جلد ا' صفحہ ۱۹۴)۔

حضرت مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''یہاں لفظ مِـنـیّ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ میری طرف سے حضرت جبریل کو مشقت پہنچی کہ انہوں نے سارا ملکی زور ختم کر دیا''۔ (مراۃ جلد ہشتم' صفحہ ۹۵' طبع ضیاء القرآن' لاہور)۔

خلاصہ یہ کہ ''بلغ منی الجھد'' کے الفاظ سے مصنف تحقیقات کا یہ نتیجہ نکالنا کہ جبریل علیہ السلام کی قوت' آپ ﷺ کے صورت بشریہ میں ہونے کے باعث آپ کی روحانی قوت سے زائد تھی پھر اس سے اس وقت آپ کے نبی نہ ہونے پر ان کا استدلال بے بنیاد' خود ساختہ اور غلط ہی نہیں' ان علماء اہل سنت کی منقولہ بالا تصریحات کے خلاف بھی ہے۔

مغالطہ نمبر ۶ کی نام نہاد دلیل نمبر ۵ (جبریل کی قوت انتہاء کو پہنچ گئی) **سے جواب:**

موصوف نے اپنے دعویٰ کی مزید دلیل کے طور پر لکھا ہے کہ: ''حتی بلغ منی الجھد'' زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام مجھے دبانے میں اپنی قوت وطاقت کی انتہاء کو پہنچ گئے' اس سے

زیادہ دبانا ان کے بس میں نہیں تھا۔سوال یہ ہے کہ (الی) جبرائیل کی قوت وطاقت ایک شخص کو دبانے میں اپنی انتہاء کو پہنچ جائے جو کہ کوہ طور کو اٹھا کر فضا میں کھڑا رہا۔ زمین کو اٹھا کہ آسمان دنیا کے قریب لے جا کر الٹا دیا یہاں اتنا کمزور کیوں کہ ایک شخص کو دبانے میں اس کی قوت انتہاء پہنچ گئی تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ محبوب کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی روح اقدس کے بدن سے تعلق سے قبل قوت اور تھی جو بدن میں حلول وسریان کی وجہ سے ضعف وناتوانی سے دوچار ہوگئی تھی مگر جب معراج شریف سے اللہ تعالیٰ نے مشرف فرمایا تو اس وقت بدن اقدس بھی سراسر نور بنا ہوا تھا' اس لیے جبرائیل تمام تر قوتوں کے باوجود آپ کی رفتار اور اس بے پر نبی کی پرواز کا ساتھ نہ دے سکے اور بال برابر بھی آگے جانے کی ہمت نہ کر سکے۔لہٰذا عالم ارواح میں محبوب کریم ﷺ کی صلاحیتیں اس بشری حالت سے مختلف تھیں اور بشری حالت والی طاقت تجرد والی استعدادوں سے مختلف ہو چکی تھی۔یہی وجہ شراح حدیث نے بیان فرمائی کہ اب جبرائیل علیہ السلام بشری حالت میں تھے جب کہ اس وقت ملکی حالت میں تھے۔لہٰذا بشری حالت میں اتنا ہی زور ظاہر کر سکتے تھے۔

ملاحظہ ہو (عمدۃ القاری جلد۱' صفحہ ۵۷' ارشاد الساری' جلد۱' صفحہ ۹' مرقاۃ جلد۱۱' صفحہ ۱۰۸' اشعۃ اللمعات جلد۴' صفحہ ۵۳۲: لا شك ان جبريل في حالة الغط لم يكن على صورته الحقيقة (الى) فيكون استفراغ جهده بحسب صورته التي تجلى له وعظه الخ)۔

اگر صرف عارضی بشری روپ اس قدر حائل اور مانع ہو سکتا ہے تو کیا اصلی' حقیقی اور دائمی بشریت کا اثر ظاہر نہیں ہوگا اور مانع پیدا ہی نہیں ہوگا؟ یقیناً لازم اور ضروری ہے۔ یہ حقائق حدیثیہ اس کے شاہد صادق اور دلیل ناطق ہیں (ملخّصاً بلفظہ) (تحقیقات' صفحہ ۵۲' ۵۳' ۵۴' ۵۵)۔

الجواب: اس سے پہلے والی مولانا کی دلیل کے جواب میں ہم متعدد علماء اہل سنت کی کئی تصریحات پیش کر آئے ہیں کہ آپ ﷺ کی صورت بشری میں جلوہ گری کے بعد آپ کی روحانی قوت سے جبریل علیہ السلام کو زائد سمجھنا اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے تمثل بشریت میں ہونے کی حالت میں ان کی قوت ملکی کو کمزور کہنا دونوں غلط ہیں، نیز مصنف تحقیقات کی پیش کردہ اس عبارت کا صراحۃً رد بھی ان علماء سے نقل کیا جا چکا ہے۔

پھر یہاں مصنف تحقیقات کی یہ منطق بھی بڑی عجیب ہے کہ ان کے بقول اتنے کمزور ہوں معاذ اللہ جبریل علیہ السلام مگر اس سے لامحالہ تسلیم کرنا پڑے یہ کہ آپ ﷺ کی روح اقدس بدن میں حلول کی وجہ سے ضعیف و ناتوانی سے دوچار ہوگئی (العیاذ باللہ)۔

پھر انتہائی غیر محتاط انداز میں روح اقدس کے متعلق بے دھڑک ضعف وناتوانی کے الفاظ کا آزادانہ

استعمال بھی ساتھ اور وہ بھی محض اٹکل اور پچو سے جسے شاہد صادق اور دلیل ناطق کا درجہ بھی دے دیا گیا و لا حول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بر تقدیر تسلیم اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ظاہر ہو گا کہ بعض کیفیات میں کچھ تبدیلی آئی لیکن یہ کس لفظ کا معنی ہے۔ حضور کی کنت نبیا والی نبوت ختم یا غیر معتبر یا معطل ہوگئی۔ پھر اگر یہ درست ہے تو کیا جبریل علیہ السلام کی اس وقت صورت بشریہ میں آمد کی وجہ سے ان کی رسالت ختم یا غیر معتبر یا معطل ہوگئی تھی یعنی آپ اس وقت رسول نہیں رہے تھے اگر نہیں اور ہر گز نہیں تو حضور اقدس ﷺ کی نبوت پر یہ ظالمانہ حکم کیوں لگایا جا رہا ہے؟ خدارا انصاف۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر صورت بشریہ میں متمثل ہو کر آنے والے ملٰئکہ کرام علیہم السلام پر ''رسل'' کا اطلاق اور اس حالت میں بھی ان کی رسالت کا ثابت ہونا مذکور ہے صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اس وقت پتہ چلا جب انہوں نے اپنے رسول ہونے کو ظاہر فرمایا وھکذا نبینا ﷺ۔ چنانچہ وہ ملٰئکہ کرام جو سادہ رُو حسین لڑکوں کی شکل میں حضرت خلیل اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تھے ان کے بارے میں قرآن مجید میں ہے۔ ''ولقد جاءت رسلنا ابراھیم بالبشری'' و لما جاءت رسلنا لوطا ''قالوا یلوط انا رسل ربك''۔ (پارہ ۱۲ ہود ۶۹ ۷۷، ۸۱)۔

خود حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ جب وہ حضرت مریم کے پاس مکمل بشر بن آئے اور انہوں نے پریشانی ظاہر کی تو آپ نے ان سے فرمایا ''انما انا رسول ربك'' (پارہ ۱۶ مریم ۱۷، ۱۹)۔

رہا یہ کہ معراج شریف کے موقع پر حضور کا جسم مبارک سراسر نور بنا ہوا تھا اس لیئے آپ آگے گئے اور حضرت جبریل علیہ السلام بال برابر بھی سدرہ سے اوپر نہ جا سکے۔ تو کیا اس سے قبل اور بعد آپ کا جسم مبارک سراسر نور نہیں تھا؟ نہیں تھا تو اس کی دلیل؟ نیز آپ کی تنویر الابصار کا مصرف جو آپ ﷺ کے نور مبارک کے اول الخلق ہونے اور لباس بشری میں ملبوس ہو کر آنے کے اثبات میں ہے اور اس کی وضاحت میں کہ اسی نور کے باعث آپ کا بدن مبارک منور اور تاریک سایہ سے پاک تھا۔

اس سے قطع نظر اس کا زیادہ سے زیادہ مفہوم یہ ہوگا کہ شب معراج حضور کی اس قوت و طاقت کا ظہور ہوا جو پہلے موقع پر نہ ہوا جب کہ خود لکھ چکے ہیں کہ عدم ظہور اور ہے اور ثبوت و تحقق اور ہے۔ (تنویر الابصار صفحہ ۱۰۹)۔

جب کہ شب معراج بشریت مقدسہ بھی ساتھ تھی ورنہ وہ معراج جسمانی نہیں رہے گی محض روحانی قرار پائے گی جس کے مولانا بھی قائل ہیں تو لامحالہ یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ صرف ظہور و عدم ظہور کی بات ہے

عدم وجود وعدم ثبوت کا معاملہ نہیں۔ وللہ الحمد۔

مغالطہ نمبر ۶ کی نام نہاد دلیل نمبر ۶ (صورۃ بشریہ میں آنے کے بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ کا پھوٹنا) **سے جواب**:

بخاری مسلم کے حوالہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طمانچہ سے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ کے پھوٹ جانے کا واقعہ بیان کر کے لکھا ہے: ''سوال یہ ہے کہ اگر ملک الموت اپنی حالت میں ہوتے تو کیا ان کو موسیٰ علیہ السلام کا مکا لگ سکتا تھا اور کیا وہ اس سے متاثر ہو سکتے تھے اور اس تکلیف پر شکایت کی نوبت آ سکتی تھی؟ یقیناً نہیں۔ تو محالہ دونوں حالتوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اور اگر محض روپ بشری اختیار کرنے پہ تبدیلی پائی جا سکتی ہے تو حقیقی بشری بدن میں محبوس ہونے پر تغیر وتبدل والی حالت کیونکہ وقوع پذیر نہیں ہوگی؟ (ملخّصاً) ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ ۵۵)۔

الجواب: زیر بحث یہ امر نہیں کہ روح کے تعلق بالبدن کے بعد مطلقاً اس کے بعض حالات میں تبدیلی رونما ہوتی ہے بلکہ بحث صرف اور صرف اس میں ہے کہ خصوصیت کے ساتھ سید عالم ﷺ کے روح ونور مبارک کے آپ کے جسد پاک سے متعلق ہونے کے بعد آپ کی عالم ارواح والی بالفعل نبوت' غیر معتبر' کالعدم یا معطل قرار پا گئی تھی اور کم از کم یہ کہ روح اگر نبوت ورسالت سے بالفعل متصف ہو تو بدن میں آنے کے بعد اس کا وصف نبوت ورسالت کالعدم ہو جاتا ہے۔ جب کہ پیش کردہ روایت کا کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا یہ معنٰی ہو۔

- زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کا تمثلی جسم متاثر ہوا' اس سے ان کی ملکیت میں بھی فرق آیا؟ اس میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس کا یہ معنٰی ہو۔
- پھر مولانا نے اس میں سید عالم ﷺ کو محض اپنے قیاس سے شامل کیا ہے جب کہ مسئلہ امور غیب سے ہے اور بھی کیفیات ذات حضور امام الانبیاء کا جس میں قیاس قطعاً نہیں چلتا لہٰذا اس سے ''کنت نبیا'' والی نبوت کی نفی کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔
- نیز ''سوال یہ ہے کہ'' کیا اس حالت میں حضرت ملک الموت علیہ السلام کی رسالت کالعدم تھی یا ان کا متصف بالرسالۃ ہونا اس حالت میں بھی باقی تھا؟ بصورت اول اس کا ثبوت؟ بصورت ثانی حضور اقدس ﷺ سے اس کی نفی کیوں؟ پچھلے اعتراض کے جواب میں ہم قرآن مجید نیز تصریحات علماء سے ثابت کر آئے ہیں کہ لباس بشریت میں آنے کے بعد بھی ملٰئکہ کی ملکیت ورسالت قائم ودائم رہتی ہے۔ بلکہ مولانا خود بھی لکھ چکے ہیں کہ 'ملٰئکہ جب لباس بشری میں ظاہر ہوتے ہیں تو وہاں بشریت محض ایک روپ اور تخیل ہوتا ہے'' (تنویر الابصار'

صفحہ ۱۱۷)۔ پس تخیل کے متاثر ہونے کی بنیاد پر ملکیت ورسالت کو متاثر قرار دینا ایسے ہوگا جیسے کسی کے لباس پھٹ جانے پر خود اسے پھٹا ہوا کہہ دیا جائے۔

- مولانا کے اس ''لاجواب کلام'' کا یہ مطلب بن رہا ہے کہ نبی ورسول اگر جسمانی طور پر زخمی ہو جائے تو اس سے اس کی نبوت ورسالت پر بھی اثر پڑتا ہے جو صریح البطلان ہے۔ سید عالم ﷺ غزوۂ احد وغیرہ کئی مواقع پر زخمی ہوئے حتیٰ کہ شدت الم کے باعث بیٹھ کر نمازیں ادا فرمائیں بلکہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا گیا تو کیا معاذ اللہ وہ نبی اور رسول نہ رہے؟
- نیز خود پیش کردہ روایت سے بھی اس کا غلط ہونا واضح ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے طمانچہ سے آنکھ کے پھوٹ جانے کے بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں جو درخواست پیش کی اسے مولانا نے خود نقل کرکے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ''ارسلتنی الی عبد لا یرید الموت ''تو نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیج دیا جس کا مرنے کا ارادہ ہی نہیں تھا'' (تحقیقات، صفحہ ۵۵)۔

ارسلتنی کے الفاظ اس حالت میں بھی حضرت عزرائیل علیہ السلام کی رسالت کے باقی ہونے پر شاہد عدل ہیں والحمد للہ۔

مغالطہ نمبر ۶ کی نام نہاد دلیل نمبر ۷ (سچے خوابوں سے وحی کا آغاز ہوا تا کہ اچانک وحی سے بشریت فناء نہ ہو جائے) **سے جواب**:

موصوف نے اپنے دعویٰ کی مزید دلیل یہ دی ہے کہ: ''سید الانبیاء ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ساتھ کیوں کیا گیا جب کہ آپ عالم ارواح میں ارواح انبیاء وملٰئکہ کے لیے نبی اور ان کے معلّم تھے، کیوں نہ جبرائیل امین اپنی اصلی شکل میں وحی لے کر حاضر ہوئے؟ چھ ماہ تک سچے خوابوں پر اکتفا کیا گیا بعد ازاں جبرائیل علیہ السلام بشری حالت میں ڈھل کر حاضر ہوئے۔ چونکہ آپ بشری حالت میں تھے، اچانک پہلی دفعہ حضرت جبرائیل کا اپنی اصلی صورت میں نازل ہونا آپ کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا لہٰذا حکمت کا تقاضا ہوا کہ خوابوں کے ساتھ آغاز کیا جائے تا کہ عالم غیب سے آپ کا ربط قائم ہو جائے اور نزول وحی تک کی بدن اقدس میں استعداد ہو جائے۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں: ''انما ﷺ ابتدأ بالرئویا لئلا یفجأ الملك ویأتیه بالصریح النبوة بغتة فلا تحتملها القوی البشریة بدأ باوائل خصال النبوة ''۔ (ارشاد الساری، جلد ۱، صفحہ ۸۷، نووی شرح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۸۸)۔

نیز مرقاۃ جلد ۱۱، صفحہ ۱۰۵، عمدۃ القاری جلد ۱، صفحہ ۶۰، فتح الباری زیر حدیث ابتدائے وحی، اشعۃ

اللمعات' جلد۴' صفحہ ۵۳۰ سچے خوابوں کی مدت چھ ماہ تھی۔ (ارشاد الساری' جلد ا' صفحہ ۸۷' فتح الباری' صفحہ ۲۶)۔
(الغرض) نورانی حقائق والی ہستیاں جب بشری صورت میں ڈھلتی ہیں توان میں تغیر پایا جاتا ہےاور حالت تجرد والی قدر وصلاحیت برقرار نہیں رہتی اور بشری حالت خواہ عارضی ہی کیوں نہ ہوحجاب بن جاتی ہے چہ جائیکہ حقیقی بشریت حجاب نہ بنے۔اس لیئے مرحلہ وار آپ پر وحی نازل ہوئی تا کہ اچانک جبرئیل امین کے اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہونے پر آپ کی بنائے بشریت منہدم ہی نہ ہوجائے اور قوائے بشریہ مفلوج ہوکر ہی نہ رہ جائیں جب کہ اس حجاب بشریت سے الگ ہونے اور حقیقی جلوہ دکھانے پر ہوسکتا ہے کہ جبرئیل امین اپنے ہوش وحواس گم کر بیٹھیں کما قال مولائے روم۔ لہٰذا تجرد وتعلق والے مراتب کا بہم فرق ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے (ملخصاً) ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۵۵ تا ۶۲)۔

الجواب: یہ عبارات ہمارے خلاف نہیں اور نہ ہی مولانا کے کچھ مفید مدعا ہیں کیونکہ اس سے مقصود محض استیناس تھا جیسا کہ عبارت اشعہ میں اس کی صراحت موجود ہے جسے خود مولانا نے بھی نقل کیا ہے ''وحکمت دراں تحصیل استیناس ایتلاف بعالم ملکوت بود'' (تحقیقات صفحہ ۵۸ بحوالہ اشعہ)۔

اور تانیس بھی بدن مبارک کی مراد تھی جیسا کہ ان عبارات سے خوب ظاہر ہےاور خود مولانا کو بھی اس کا اعتراف ہے حیث قال ''بدن اقدس میں استعداد ہوجائے''۔ جب کہ بدن نبی میں کسی قسم کا تغیر نبوت کے منافی نہیں ورنہ علیل یا زخمی ہوجانے سے بھی نبوت میں فرق آجائے اور شہید ہوجانے سے تو بالکلیہ ختم متصور ہو جو قطعاً غلط ہے۔

نیز یہ حضور کی ترقی ہے جب ترقی ثبوت کی دلیل ہوتی ہے نفی کی نہیں قال تعالٰی وللآخرة خیرلك من الاولٰی۔

علاوہ ازیں ان علماء میں سے کسی نے بھی اپنی ان عبارات میں یہ نہیں کہا کہ کنت نبیا والی نبوت اس وقت غیر معتبر یا کالعدم تھی اور نہ ہی ان سے اس کا انکار ثابت ہے بلکہ وہ نصاً یا سکوتاً اس نبوت کے دوام کے قائل ہیں جس کی تفصیل جلد اوّل میں گزر چکی ہے۔ حضرت شیخ محقق کے متعلق خود مولانا اقرار کر چکے ہیں کہ وہ اس کے انقطاع کے قائل نہیں ہیں ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۰۷)۔

نیز پیش کردہ عبارت اشعہ میں قول استیناس کے باوجود ''ظہور نبوت'' کے الفاظ موجود ہیں جنہیں خود معترض نے بھی نقل کیا ہے کہ ''ایں حال پیش از ظہور نبوت بود'' (تحقیقات' صفحہ ۵۸' بحوالہ اشعہ)۔

پس اگر اس سے ان کی مراد نفی نبوت ہو تو ''ظہور نبوت'' کا کیا مطلب؟ لہٰذا یہ الفاظ اس امر کی تبیّن

دلیل ہیں کہ نبوت پہلے سے موجود تھی اس کا ظہور اپنے متعینہ وقت پر بعد میں ہوا جسے بعثت اور اعلان و اظہار نبوت بھی کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں باب ہشتم میں مستقل عنوان کے تحت یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ سید عالم ﷺ کے وہ سچے خواب بذات خود آپ کے اس وقت نبی ہونے کی مستقل دلیل ہیں۔ﷺ۔ فمن شاء الاطلاع علیه فلیرجع الیه۔

رہا مولائے روم کا ارشاد

(احمد ار بکشاید آں پر جلیل تا ابد بے ہوش ماند جبرئیل)؟ (تحقیقات، صفحہ ۶۲)

تو یہ ہماری دلیل ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی ذات میں پوشیدہ آپ کی شان کے اظہار کا بیان ہے جیسا کہ ”بکشاید“ کے فعل متعدی سے ظاہر ہے۔ اگر وہ شان آپ کی ذات میں ہے ہی نہیں تو ”ار بکشاید“ کا کیا مطلب؟ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ شان نبوت آپ کی بشریت مقدسہ کے ساتھ ہی جلوہ فرما ہے تو بشریت مطہرہ کے حالات اس کے منافی کب ہوئے ”ار“ یعنی اگر کی قید سے واضح ہے کہ اس کے اظہار و عدم اظہار میں حضور کا دخل ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

رہے فتح الباری کے منقولہ یہ الفاظ کہ ”وھب لہ النبوۃ“ نیز ”عن الشعبی انزلت علیه النبوۃ“ (تحقیقات، صفحہ ۶۰، ۶۲)۔ تو ان میں نبوت سے مراد فضیلت رسالت اور وحی جلی ہے جو کنت نبیا والی نبوت کے منافی نہیں۔

الغرض سچے خوابوں سے آغاز وحی بھی کنت نبیا والی نبوت کے نفی کی دلیل نہیں۔ لہٰذا اس تقریر سے بھی مولانا کو دل خواہ فائدہ حاصل نہ ہوا کیونکہ تفصیل مذکور کے علاوہ مولانا نے اپنی اس عبارت میں عالم ارواح میں آپ ﷺ کے بالفعل نبی ہونے کا ایک بار پھر اقرار کیا ہے مگر اپنی اس پوری تقریر میں ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کر پائے جسے اس کا توڑ یا تسلّی بخش معیاری جواب کہا جاسکے۔

مغالطہ نمبر ۶ کی نام نہاد دلیل نمبر ۸ (روح مجرد اور روح متعلق بالبدن کا فرق) **سے جواب**:

موصوف نے اپنے دعویٰ کی اس کی مزید دلیل یہ پیش کی ہے کہ: ”اس معاملہ میں کہ نبی مکرم ﷺ کی روح عالم میں ارواح میں بالفعل مربی ہو اور عالم اجسام میں چالیس سال تک بالفعل نبی نہ ہوں، اس امر کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ روح مجرد اور بدن سے متعلق روح کے درمیان بہت بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ روح انسانی جنس ملٰئکہ سے ہے جو قوت ان میں ہوتی ہے یہ ارواح بھی اسی قسم کی قوت سے بہرہ ور ہوتی ہیں مگر جب مادی ابدان سے متعلق ہوجاتی ہیں تو ان کی وہ قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور بدنی کثافت اور جسمانی کدورت کی وجہ سے

مغلوب ہوجاتی ہیں لیکن جب مجاہدات وریاضات میں اشتغال ہوجاتا ہے اور روحوں کو روحانی غذا ملنے لگتی ہے تو روح کے انوار کو ان ظلمات وکدورات پر غلبہ حاصل ہونے لگ جاتا ہے' بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کو قرب فرائض اور قرب نوافل سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی بدولت بندے کو فنائے صفات اور فنائے ذات حاصل ہوجاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات بلکہ اس کی ذات کے انوار وتجلیات کا مظہر کامل بن جاتا ہے جیسے کہ اس حدیث قدسی کا مدلول اور مقتضیٰ ہے (آگے حدیث بخاری کنت سمعه الذی یسمع به الخ لکھی ہے)۔

امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ان جوهرالروح لیس من جنس الاجسام الکائنة الفاسدة (الی) بل هو من جنس جواهرالملئکة (الی) الاانه لما تعلق بهذ البدن (الی) صار بالکلیة متشابها بهذا البدن الفاسد وضعفت قوته وذهبت مکنته ولم یقدر علی شئ من الافعال واما اذا استأنس بمعرفة الله ومحبته (الی) قویت علی التصرف فی اجسام هذا العالم مثل قوة الارواح الفلکیة علی هذا الاعمال وذلك هو الکرامات (تفسیر کبیر' جلد۵' صفحہ ۲۶۷' ۲۶۸)۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: فاذاتفرق (الی) حضرت الجلال والعزة (کبیر' جلد۵' صفحہ ۲۶۷' ۲۶۸)۔

علامہ اسمٰعیل حقی روح البیان میں علامہ کاشانی سے رقم طراز ہیں کہ روح بدن میں مقید ہو تو مجاہدات کی بدولت اس جہان میں اس کے خوارق اور معجزات وکرامات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ جب آزاد ہوجائے اور ملأ اعلیٰ کے ساتھ واصل ہوجائے تو بطریق اولیٰ اس طرح کے تصرفات ظاہر ہوسکتے ہیں۔ لان الجسد حجاب فی الجملة الاتری ان الشمس اشد احراقاً اذالم یحجبها الغمام او نحوه' (روح البیان' جلد۱۰' صفحہ ۳۱۶)۔

الغرض ارواح جتنی کامل سے کامل ترکیوں نہ ہوں ان کے مادی بدن سے تعلق کے بعد پہلی حالت برقرار نہیں رہتی جب تک کہ ان کی کثافت لطافت میں اور کدورت وظلمت نورانیت میں تبدیل نہ ہوجائے۔ لہٰذا اس پس منظر میں یہ تسلیم کرنا ضروری ٹھہرا کہ محبوب کریم ﷺ کی بشری لباس میں جلوہ فرما ہونے کا دورانیہ اس حالت سے جداگانہ ہے جس پر اس تعلق مادی سے قبل آپ تھے' یہاں روح مقدس آپ کے بدن شریف میں مقید ہوگئی اور وہ فی الجملہ مادیت اپنے اندر رکھتا ہے تو جب تک آپ کے بدن کو آپ کی روح اقدس کے ساتھ کامل تعلق حاصل نہ ہوجائے تب تک نہ آپ کا بدن روح اقدس کے انوار اور صلاحیت سے بہرور ہوسکتا ہے اور نہ دوسرے بشروں اور انسانوں کے لیے سرچشمۂ فیوض اور منبع رشد وہدایت بن سکتا ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ

پہلے آپ کے بدن اقدس اور روح پاک کے درمیان ربط کامل پیدا کیا جاتا۔ چنانچہ چار سال کی عمر میں شق صدر کیا گیا اور وساوس قبول کر سکنے والے بدنی مادہ کو دل سے نکال باہر کیا گیا۔ پھر دس سال کی عمر میں شق صدر کر کے آپ کے دل مبارک کے لیئے عالم نورانی کے پانی سے غسل اور صفائی کا انتظام اور شہوانی خیالات اور میلانات کے مبدأ کا قلع قمع کیا گیا۔ پھر چالیس سال کی عمر میں شق صدر کے ذریعے دل مبارک کو انوار و تجلیات کا گہوارہ بنایا گیا اور عالم ارواح اور ملائکہ کے ساتھ ارتباط کی صلاحیت و استعداد کو مطلوبہ معیار تک پہنچا دیا گیا تب وحی کا سلسلہ شروع کیا گیا اور وہ بھی پہلے سچے خوابوں کے ذریعے اور اس کے بعد فرشتہ کے ذریعے لیکن اس کو بھی بشری حالت میں بھیجا گیا تا کہ بشری قویٰ اور اس ملاقات کے متحمل ہو سکیں (اس کے بعد موصوف نے کچھ عبارات کو اپنی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے جن پر کلام اس کے بعد آئے گا) (ملخصاً بلفظہ) ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۶۳ تا ۶۸)۔

الجواب: موصوف نے اپنی اس ساری تقریر کی بنیاد نقل کردہ حدیث قدسی نیز علامہ رازی اور علامہ حقی کی عبارتوں پر رکھی ہے جب کہ وہ سب (غیر انبیاء) اولیاء کرام کے بارے میں ہیں انبیاء علیہم السلام سے ان کا قطعاً کوئی تعلق نہیں چہ جائیکہ انہیں حضور امام الانبیاء ﷺ سے متعلق کیا جائے۔

چنانچہ نقل کردہ الفاظ حدیث سے پہلے شروع حدیث میں یہ ارشاد باری موجود ہے من عادیٰ لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب یعنی جسے میرے کسی ولی سے عداوت ہو اس سے میرا اعلان جنگ ہے۔ (بخاری' جلد ۲' صفحہ ۹۶۳)۔

جو اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا اگلا حصہ ولی ہی کے متعلق ہے' نبی کے بارے میں ہرگز نہیں ہے کیونکہ نبی کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے جس کی کامل اتباع کی برکت سے ولی کو یہ شان ملتی ہے۔ عبارت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی قطعی طور پر ولی کے بارے میں ہے کیونکہ وہ "اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "کانوا من ایاتنا عجبا" کے تحت اصحاب کہف کے حوالہ سے ہے جب کہ اصحاب کہف اولیاء کرام تھے نہ کہ ابنیاء۔ علاوہ ازیں یہ اثبات کرامات کی مفصل بحث میں ہے جب کہ کرامات کا (حسب اصطلاح) تعلق اولیاء کرام سے ہوتا ہے۔

نیز علامہ رازی نے شروع بحث میں بلکہ دوران بحث میں بھی جگہ اس کی تصریحیں فرمائی ہیں۔

چنانچہ آغاز بحث میں فرماتے ہیں: "اجتح اصحابنا الصوفیة بھذہ الآیة علی صحة القول بالکرامات وھو استدلال ظاھر و نذکر ھذہ المسئلة ھھنا علی سبیل الاستقصاء" یعنی ہمارے مشائخ صوفیاء نے اس آیت کو ثبوت کرامات کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے جو بالکل بجا استدلال

ہے۔ مسئلہ ہٰذا کو ہم یہاں پوری تفصیل کے ساتھ لا رہے ہیں۔

اس کے بعد حضرت نے ولی اور کرامت کی تعریف بیان فرما کر کرامت کے ناقابل تردید حقیقت ہونے کے نقلی پھر عقلی دلائل ذکر فرمائے ہیں اور آخر میں منکرین کے شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے (کبیر، جزء ۲۱، پارہ ۱۵، صفحہ ۸۴ تا ۹۳)۔

مصنف تحقیقات کی پیش کردہ عبارت دلیل عقلی نمبر ۷ میں موجود ہے جس کے آخر میں امام موصوف نے مزید تصریح فرماتے ہوئے ارقام فرمایا ہے "وذلك هو الكرامات" یعنی اولیاء کرام کے مذکورہ روحانی تصرفات، کرامتیں ہی تو ہیں۔ (کبیر جزء مذکور، صفحہ ۹۱)۔

اوران الفاظ کو موصوف نے بھی خدا کے کرنے سے نہ صرف یہ کہ نقل کر دیا بلکہ ان کا اردو ترجمہ بھی کر کے یہ لکھ دیا ہے کہ "اور یہی کرامات ہیں"۔ (تحقیقات، صفحہ ۶۴، ۶۵)۔ سبحان اللہ۔

اسی طرح عبارت روح البیان میں بھی اس کا کسی طرح کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہ انبیاء کرام بالخصوص حضور امام الانبیاء علیہ وعلیہم السلام کے متعلق ہے جسے اپنا مؤید اور مفید مطلب بنانے کی غرض سے مولانا نے قبر وآخرت کی کچھ پروانہ کرتے ہوئے اس کے اردو ترجمہ میں ان الفاظ کا ازخود اضافہ کر دیا اور اس میں ملاوٹ کر دی ہے کہ "معجزات وکرامات ظاہر ہوتے رہتے ہیں"۔ (تحقیقات، صفحہ ۶۶)۔ حالانکہ اس میں "معجزات وکرامات" کے الفاظ بالکل نہیں ہیں۔ "ان يظهر منها آثار" کے الفاظ ہیں جنہیں کرامات کے معنٰی میں لیا جا سکتا ہے لیکن انہیں معجزات کے معنٰی اور مفہوم میں لینا قطعاً درست نہیں کیونکہ ان کے نبی کے بارے میں ہونے کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

علاوہ ازیں عبارت ہٰذا آیت کریمہ "فالمدبرات امراً" کے تحت ہے جس میں ارواح کے ابدان میں ہونے اور ابدان سے خارج ہو جانے کے زمانوں میں پائی جانے والی ان کی بعض کیفیات کا ذکر ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ان افراد انسانی کے بارے میں ہے جن کا وجود اس آیت کے نزول کے بعد ہے جو اولیاء ہی ہو سکتے ہیں کہ نبوت ہمارے حضور پر ختم ہو چکی اور حضور خود بھی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ "المدبرات" جمع کا صیغہ ہے جن سے مقصود آپ کے علاوہ اور افراد ہیں (ﷺ)۔

○ مولانا نے نقل کردہ عبارت روح البیان کو علامہ کاشانی کے قول کے طور پر بیان کیا ہے جو خلاف واقعہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ علامہ حقی کے اپنے الفاظ نہیں کیونکہ علامہ حقی نے "قال القاشاني" کہہ کر قاشانی کا قول پیش کرنے کے بعد "انتهى" کے لفظ لکھے ہیں یعنی قاشانی کا کلام ختم ہوا۔ اس کے بعد اپنا ذاتی بیان

لکھا ہے جس میں مولانا والے نقل کردہ الفاظ ہیں۔

ملاحظہ ہو (روح البیان، جلد ۱۰، صفحہ ۳۱۶، طبع کوئٹہ عکس مطبوعہ استانبول) فافہم۔

الغرض علامہ رازی اور علامہ حقی نے جو بات ارواح اولیاء کے متعلق لکھی تھی موصوف نے اسے بڑی پھرتی کے ساتھ ''تمام ارواح'' کے متعلق بتایا پھر بہت تیزی کے ساتھ اسے حضور امام الانبیاء ﷺ سے منسلک کر دیا ہے اور یقینی بنانے کے لیے ''معجزات وکرامات'' کے الفاظ از خود ملا دیئے ہیں لیکن ایک غلطی مزید ان سے یہ ہوگئی کہ ان عبارتوں کو نقل کرنے اور ان کا اردو ترجمہ لکھنے کے فوری بعد یہ لکھ بیٹھے کہ ''لہٰذا اس پس منظر میں یہ تسلیم کرنا ضروری ٹھہرا کہ محبوب کریم ﷺ کی (بھی یہی کیفیت تھی۔ سعیدی) (تحقیقات، صفحہ ۶۷)۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو دیگر افراد (اور وہ غیر انبیاء) پر قیاس کیا ہے جس کا صریحاً باطل ہونا کچھ محتاج بیان نہیں کیونکہ اولیاء کو بھی غیر اولیاء پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ''کما قال مولی الروم ''کار پاکاں را قیاس از خود مگیر''۔ چہ جائیکہ انبیاء کرام بالخصوص حضور سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کو ان پر قیاس کیا جائے۔ حدیث ''لا یقاس بنا احد'' اس پر مستزاد ہے۔

بناءً علیہ حضور سید عالم ﷺ کی اعلیٰ واقویٰ روح مبارک کے لیۓ مولانا نے جو ''کمزور'' کے سخیف الفاظ بولے اور اصفٰی، اجلیٰ، ازکیٰ اور انور والطف بدن مبارک کے لیۓ جو بدنی کثافت، جسمانی کدورت وظلمت بلکہ ظلمات وکدورات کے گندے لفظ استعمال کیۓ اور مہبط انوار وتجلیات الٰہیہ اطیب واطہر قلب مقدس کے لیۓ ''غسل وصفائی کا انتظام، نیز بلاتأ ویل لئیق ''وساوس قبول کر سکنے والے بدنی مادہ'' اور شہوانی خیالات ونفسانی میلانات کے مبدأ ومنشأ کا قلع قمع'' کے موہم اور نازیبا کلمات کا بے دھڑک اطلاق کر کے شدید سوء ادبی کا ارتکاب نہیں کیا تو اور کیا کیا ہے؟

جب کہ ٹھوس دلائل اور ائمہ شان کی تصریحات سے (نبوت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ابحاث میں) ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ آپ ﷺ کا جسد پاک بھی ہر قسم کی کثافت سے پاک اور اجسام ملٰئکہ سے بھی ہزاروں گنا الطف ہے اور یہ کہ اسے کثیف سمجھنا آپ کی توہین ہے بلکہ اسے ہم خود موصوف سے بھی ثابت کر آئے ہیں۔

اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ موصوف نے تحقیقات ۱۰۴ میں آپ ﷺ کے بدن اطہر کے لیۓ ''سورج کے آگے سیاہی مائل اور دبیز تہہ والا بادل'' جو تشبیہی الفاظ استعمال کیے تھے قرآن وسنت سے ان کا کوئی مأخذ ان کے پاس نہ تھا نہ ہے۔ انہوں نے اسے روح البیان کی پیش نظر عبارت کے الفاظ ''الا تری ان الشمس اشد احراقاً اذالم یحجبها الغمام'' میں ذاتی تصرفات سے بگاڑ کر بے محل استعمال کیا تھا۔

باقی شق صدر بوجوہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور آپ کی ترقی کی بنیاد پر کیونکہ آپ ہمیشہ ترقی پر ہیں اور تنزلی سے دائماً پاک ہیں قال تعالیٰ وللآخرۃ خیرلك من الاولیٰ"۔

باب ہشتم میں مستقل عنوان کے تحت تفصیل گزر چکی ہے۔

شق صدر نہ بھی ہوتا تو بھی شہوانی ونفسانی خواہشات ومیلانات کا کوئی تصور نہ ہوتا کیونکہ یہ بھی ہم کئی دلائل اور خود موصوف کے اقرار سے بھی یہ ثابت کر آئے ہیں کہ نبی کے لیۓ جس طرح بعد از اعلان نبوت' عصمت لازم ہے' قبل از اعلان نبوت بھی بالاجماع لازم ہے جس کا منکر ضال ومضل ہے اور جہنمی (تحقیقات' صفحہ ۲۳۰)۔

بناءً علیہ ان خلاف عصمتِ امور کا صدور یا امکان کیونکر متصور ہوسکتا ہے (کچھ تفصیل عنقریب' پیش کردہ عبارات کے جوابات میں بھی آرہی ہے)۔

اسی طرح سچے خوابوں کا دلیل نبوت ہونا بھی ثابت کیا جاچکا ہے لہٰذا ان سے آغاز وحی' پھر جبریل علیہ السلام کا خصوصاً پہلی وحی جلی کے موقع پر انسانی لباس میں آنا وغیرہ بھی نبوت کے منافی نہیں۔

پیش کردہ عبارات کو عمومی مفہوم میں رکھ کر بھی مولانا کا استدلال درست نہیں ہوسکتا کیونکہ دعویٰ خاص کے لیۓ دلیل عام معتبر نہیں ہوتی پھر وہ خلاف حقائق ودلائل بھی ہے۔

علاوہ ازیں یہ عبارات تمام اولیاء کرام پر (بلا استثناء) بھی صادق نہیں آتیں چہ جائیکہ ان کے عموم کو خلاف اصول اور بلادلیل بلکہ خلاف دلائل آپ ﷺ سے منسلک کیا جائے کیونکہ بہت سے اولیاء کرام ایسے بھی ہوئے ہیں جنہیں مجاہدات وریاضات کے بغیر یہ دولت نصیب ہوئی اور بہت سے مادرزاد ولی تھے جس کی بکثرت مثالیں کتب شان میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بطور نمونہ ایک مثال لیجئے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے برادرزادہ حضرت مولانا حسنین رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت کے متعلق ارقام فرماتے ہیں کہ آپ اپنے والد ماجد کی معیت میں بیعت ہونے کی غرض سے آستانہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف تشریف لے گئے۔ صاحب سجادہ حضرت مولانا سید آل رسول قدس سرّہ نے دیکھتے ہی فرمایا: آیئے ہم تو کئی روز سے آپ کے انتظار میں تھے حالانکہ یہ بالکل پہلی ملاقات تھی۔ آپ بیعت ہوئے اور اسی وقت تمام سلاسل عالیہ کی خلافت پائی۔ بعض اہل ارادت حاضرین اس پر بہت متعجب ہوئے اور عرض کی حضور اس بچے پر یہ کرم کہ مرید ہوتے ہی تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا ہوگئی۔ نہ ضروری ریاضت کا حکم ہوا نہ چلہ کشی کرائی؟ فرمایا تم کیا جانو یہ بالکل تیار آئے تھے انہیں صرف نسبت کی

ضرورت تھی جو یہاں پوری ہوگئی۔ پھر آبدیدہ ہوکر فرمایا رب العزت فرمائے گا کہ آل رسول تو دنیا سے ہمارے لیئے کیا لایا تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا (ملخّصاً) (سیرت اعلیٰ حضرت مع کرامات ٗصفحہ ۴۰ ٗ ۴۱ مؤلفہ علامہ حسنین رضا خان ٗ طبع مکتبہ اسلامیہ لاہور)۔

پس جب یہ کلیہ نہیں اور تمام افراد اولیاء کرام کو بھی شامل نہیں تو انبیاء کرام پھر سید الانبیاء ﷺ پر اسے معاذ اللہ لاگو کرنا بلاجواز اور سراسر زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟

جواب آخر: اس سے قطع نظر پیش کردہ عبارات ان افراد کے متعلق ہیں جنہیں ابھی معرفت ومحبتِ الٰہی حاصل نہ ہوئی ہو جب کہ آپ ﷺ شروع ہی سے عارف باللہ ہیں کیونکہ آپ پیدائشی نبی ہیں۔ معترض کے طور پر بھی آپ اس وقت عارف باللہ تھے کیونکہ ان کے حسبِ عقیدہ آپ اس وقت ولی تھے۔ چنانچہ بزعمِ خویش اپنی مؤید ایک عربی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ ”آپ ﷺ چالیس سال عمر شریف تک پہنچنے سے پہلے ولی تھے“۔ (تحقیقات ٗصفحہ ۲۳۷)۔

ایک جگہ عمومی انداز میں لکھا ہے کہ : ”ان مقدس ہستیوں کو قبل از نبوت اولیاء اللہ کے عظیم منصب کا مالک ماننا لازم اور ضروری ہے“ (تحقیقات ٗصفحہ ۲۳۱)

جب کہ ولی کی تعریف میں بنیادی چیز معرفتِ الٰہیہ ہے۔ چنانچہ موصوف کی معتمد ومستند اور پسندیدہ کتاب النبراس (صفحہ　طبع پشاور) میں ہے الولی هو العارف بالله تعالیٰ وصفاته بحسب ما يمكن الخ جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ آپ بہرصورت شروع سے عارف باللہ تھے۔

اقول: موصوف کی پیش نظر تقریر کا ایک ایک پرزہ اس امر کی نشاندہی کررہا ہے کہ مولانا آپ ﷺ کو اس زمانہ میں ولی بھی نہیں مانتے اور آپ کو ولی ماننے کی بات بھی محض ڈھونگ اور زبانی جمع خرچ ہے جس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں ورنہ پیش نظر تقریر میں چالیس سال تک معرفتِ الٰہیہ کے حصول سے انکار کا کیا مطلب؟

حرف آخر: کئی صفحات پر مشتمل اپنی اس قدر طویل تقریر میں بھی مولانا کوئی ایک بھی دلیل ایسی پیش نہیں کرسکے جو ”كنت نبيا“ والی نبوت کی نفی کا ثبوت ہوسکے۔ لہٰذا اس سے بھی موصوف کو ورق سیاہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ والحمد لله۔

اب ان عبارات کے جوابات پڑھیے جنہیں موصوف نے اپنی مذکورہ تقریر میں کیے گئے دعاوی کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔

تقریر مذکور میں کیے گئے دعاوی کے ثبوت میں پیش کی گئی عبارات سے جوابات

عبارت ابریز "زوال الستر" سے جواب:

''نبی مکرم ﷺ کے بدن اقدس اور روح اطہر کے درمیانی حجاب کا دور ہونا'' کا عنوان قائم کر کے موصوف نے لکھا ہے ''عظیم المرتبت ولی اور غوث کبیر شیخ عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں: ان المعرفة حصلت للنبی ﷺ حین کان الحبیب مع الحبیب والا ثالث معهما فهو ﷺ اول المخلوقات فهناك سقیت روحه الكريمة من الانوار القدسية والمعارف الربانية(الی) فلما دخلت روحه الكريمة فی ذاته الطاهرة (الی) فجعلت تمدها باسرارها(الی) شيئاً فشيئا من لدن صغره ﷺ الی ان بلغ اربعين سنة فزال الستر حينئذ الذی بين الذات والروح وانمحی الحجاب الذی بينهما بالكلية(الی) فارسله الله تعالیٰ (الی) حصلت لهم المشاهدة بلاشك لكن الستر لم يزل بالكلية وفی مشاهدة نبيا ﷺ زال بالكلية ''نبی مکرم ﷺ کو معرفت اس وقت سے حاصل ہے جب کہ حبیب اپنے حبیب کے ساتھ موجود تھا اور کوئی تیسری ذات موجود نہیں تھی۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ اولین مخلوق ہیں تو وہاں پر آپ کی روح مکرمہ کو انوار قدسیہ اور معارف ربانیہ سے سیراب کیا گیا۔ پھر جب آپ کی روح مکرمہ آپ کی ذات مقدس اور بدن مبارک میں داخل ہوگئی تو رواح کریمہ اس ذات اقدس کو اپنے اسرار کے ساتھ امداد سے نوازنے لگی اور لحہ بہ لحہ ترقی حاصل ہونے لگی بچپن سے لے کر چالیس سال کی عمر کو پہنچتے تک۔ تو اس وقت روح کریمہ اور جسم اقدس کا درمیانی حجاب بالکل زائل ہوگیا اور درمیانی ستر اور پردہ مکمل طور پر اٹھ گیا تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی بلا شک وشبہ مشاہدہ حاصل ہوا لیکن ان میں روح اور بدن کا پردہ اور حجاب مکمل طور پر زائل نہیں ہوا تھا اور ہمارے نبی مکرم ﷺ کے مشاہدہ میں مکمل طور پر وہ ستر اور پردہ زائل ہوگیا تھا (ملخصاً بلفظہ) ملاحظہ ہو (تحقیقات کے صفحہ ۶۸، تا ۷۰ بحوالہ ابریز شریف، جواہر البحار جلد ۲، صفحہ ۳۵۳، صفحہ ۲۵۴)۔

الجواب: یہ عبارت معترض کے خلاف ہے کیونکہ اس میں یہ صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ آپ ﷺ اس وقت سے عارف باللہ ہیں جب سے آپ کا نور مبارک پیدا کیا گیا جب اللہ کے حبیب کے نور کے سوا کوئی فرد مخلوق نہ تھا ولا ثالث معهما ۔ جب کہ موصوف اپنی پچھلی تقریر میں عبارت بیضاوی سے مغالطہ دیتے ہوئے یہ لکھ آئے ہیں کہ ولادت باسعادت کے بعد سے چالیس سال آپ معاذ اللہ اس کی صلاحیت بھی

نہیں رکھتے تھے۔

○ عبارت ہٰذا کا نفیٔ نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس سے غوث بغداد کا یہ مقصود ہے کیونکہ وہ تمام نبیوں کے بالعموم اور آپ ﷺ کے بالخصوص پیدائشی نبی ہونے کے قائل ہیں جس کی مکمل باحوالہ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

○ زیادہ سے زیادہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبوت کو آپ کی ذات مقدسہ میں چالیس سال تک مستور و محجوب فرمادیا گیا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر شریف میں اس کا ظہور واظہار ہوا جو ہمارے عین مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نے چالیس سال کے بعد کے لیئے ''جعله الله نبیا'' کے لفظ نہیں کہے کہ اس کے بعد آپ کو نبی بنایا گیا بلکہ ارسله الله تعالیٰ کہا ہے یعنی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مُرسَل فرمایا اور بھیجا جب کہ ''بھیجنا'' بذات خود پہلے سے نبی ہونے کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ اگر نبوت کے مستور کرنے سے وہ معاذ اللہ نامعتبر ہوگئی تو آپ کا اوّل الخلق نور بھی تو آپ کی ذات میں مستور کیا گیا پھر بھی وہ بدستور باقی ودائم رہا تو لامحالہ نبوت بھی دائم وباقی رہی۔

نیز مولانا کی پیش کردہ اسی عبارت میں یہ الفاظ بھی ہیں ''وفی کل لحظة یترقی و یعرج ''یعنی آپ ﷺ ہر آن اور ہر لحظہ ہمیشہ ترقی پر ہیں اور حضور کی شان تنزلی سے قطعاً پاک ہے۔

ملاحظہ ہو۔ (الابریز، صفحہ ۱۶۱، طبع بیروت، نیز جواہر البحار، جلد ۲، صفحہ ۲۵۴، سطر نمبر ۹، طبع مصر)۔

عالم ارواح میں بالفعل نبی ہونے کے بعد ہمیشہ ترقی پر ہونے کا واضح مطلب آپ کی نبوت کا بقاء و دوام ہے کیونکہ نبوت کا نامعتبر ٹھہرنا یا کالعدم ہوجانا تنزلی ہے جو ترقی کے منافی ہے وھو خلاف الموضوع

عبارت ہٰذا کے نفیٔ نبوت کے متعلق نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں تو یہ ہے کہ ''فزال الستر بالکلیه ''آپ کی روح کریمہ اور جسم اقدس کا درمیانی حجاب بالکل زائل ہوگیا لیکن دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اس طرح ہے کہ ''لکن الستر لم یزل بالکلیة'' لیکن ان میں روح اور بدن کا پردہ اور حجاب مکمل طور پر زائل نہیں ہوا تھا پیش کردہ عبارت کو نفی نبوت کے متعلق ماننے کی صورت میں دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کے ناقص اور نامکمل ہونے کا قول کرنا پڑے گا کیونکہ اس میں صراحت موجود ہے کہ ان کے حجاب کے بالکلیہ زائل ہونے کی وہ کیفیت آخری دم تک رہی۔

بناءً علیہ ''لامحالہ یہی تسلیم کرنا پڑے گا'' کہ اس میں درحقیقت نفس نبوت سے ہٹ کر حضور کے درجات نبوت میں سب سے فائق ہونے کو بیان کیا جارہا ہے۔ صلی الله علیه وعلیهم وسلم۔ قال تعالیٰ

"لانفرق بین احدمنهم"وقال فضلنا بعضهم علٰی بعض (الٰی)"ورفع بعضهم درجات"۔
خلاصہ یہ کہ پیش کی گئی عبارت ابریز بھی کسی طرح سے مولانا کے موقف کی دلیل نہیں والحمد لله علٰی ذلك۔

عبارت ابریز متعلقہ شق صدر مبارک سے جواب:

موصوف نے لکھا ہے کہ"یہی غوث کبیر اور ولی کامل شقِ صدر کے متعلق فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا شقِ صدر تین مرتبہ ہوا"اولها عند حليمة واستخرج منه حظ الشيطٰن وهو تقتضيه الذات المادية من مخالفة الامرواتباع الهوىٰ وثانيها عند عشر سنين ونزع منه اصل الخواطر الردية وثالثها عندالنبوة "پہلی دفعہ حلیمہ کے ہاں۔شیطانی وساوس کو قبول کر سکنے والا مادہ آپ کے دل سے نکال باہر کیا گیا جو خاکی مادہ کا مقتضی ہوا کرتا ہے یعنی امر خداوند تعالیٰ کی مخالفت اور خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرنا۔دوسری دفعہ دس سال کی عمر میں اور ردی اور ناپسندیدہ خیالات کا مبدا ختم کر دیا گیا اور تیسری دفعہ نبوت عطا کرتے وقت (چالیس سال کی عمر میں)۔(جواہرالبحار'صفحہ۲۵۹)۔

ان سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جسمانی طور پر نبوت چالیس سال کی عمر شریف میں عطا ہوئی اور یہ وقت کے عظیم ولی اور غوث کبیر کا نظریہ اور عقیدہ ہے نہ کہ کسی عام آدمی کا"(ملخصاً)(تحقیقات' صفحہ۷۰)۔

الجواب: جواہرالبحار میں عبارت ہٰذا اس کے جلد دوم میں ہے جس میں"هو تقتضيه الذات المادية"کی بجائے هو ما تقتضيه الذات الترابية کے لفظ ہیں۔نیز اصل کتاب میں بھی یونہی ہے۔ ملاحظہ ہو(ابریز'صفحہ۱۶۸)۔

باقی شق صدر مبارک آپ ﷺ کی شان ترقی کا حصہ ہے نہ بھی ہوتا تو بھی آپ وساوس شیطانیہ ومخالفت امر الٰہی اور خواطر ردیہ سے قطعاً پاک تھے کیونکہ نبی قبل وبعد اعلان نبوت ہمیشہ معصوم ہوتا اور عصمت اس کے لیۓ دائماً لازم ہوتی ہے۔

جس کا خود مولانا کو بھی اقرار ہے۔چنانچہ ان کے لفظ ہیں:"تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں اور جو اجماع امت کا مخالف ہو وہ سراسر گمراہ اور جہنمی ہے"۔ملاحظہ ہو(تحقیقات'صفحہ۲۳۰)۔

نیز صفحہ۲۲۴ پر ہے:"نبی کی ذات اقدس کا آغاز ولادت سے معصوم ہونا لازم اور ضروری ہے"۔

بناءً علیہ شقِ صدر کے موقع پر نکالے گئے ان اجزاء جسمیہ کے متعلق مذکورہ تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ عام لوگوں کے لیے وساوس وغیرہا کی راہیں یہی اجزاء ہوتے ہیں' ان کے باقی رکھنے کی صورت میں کوئی اعتراض اور عامہ پر قیاس کرتے ہوئے کہہ سکتا تھا کہ آپ ﷺ کی ذات میں بھی جب یہ اجزاء موجود ہیں تو وہ کام بھی کر رہے ہوں گے یا کم ازکم یہ کہ اس کا امکان پایا جاتا ہے جب کہ ان کی تخلیق تکمیل خلقت کے لیئے ہوئی اور ان کا نکال دینا مذکورہ بنیاد پر ہوا جو قطعاً قابل اعتراض نہیں۔

چنانچہ حضرت غزالیٔ زماں علیہ الرحمۃ والرضوان امام اہل سنت تقی الدین سبکی قدس سرہٗ کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: ''اس حدیث پاک سے یہی مراد ہے کہ حضور علیہ السلام کی ذات گرامی میں شیطان کا کوئی حصہ کبھی نہیں تھا''۔

تھوڑا سا آگے آپ کا ارشاد ہے کہ: ''اس حدیث کے یہ معنٰی نہیں کہ (معاذ اللہ) آپ کی ذات پاک میں واقعی شیطان کا کوئی حصہ ہے۔ نہیں اور یقیناً نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ذات پاک شیطانی اثر سے پاک اور طیب وطاہر ہے''۔ ملاحظہ ہو (مقالاتِ کاظمی' جلد ا' صفحہ ۶۷۷' طبع مکتبہ فریدیہ ساہیوال)۔

علامہ علی القاری اور علامہ خفاجی علیہم الرحمۃ نے تفہیم مسئلہ کے لیئے بدن انسانی میں اشیاء زائدہ قلفہ' ناخن اور میوے کی گٹھلی وغیرہا کی مثالیں دی ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (مقالات جلد ا' صفحہ ۶۷۷)۔

پس مولانا کا ان الفاظ کو شانِ نبوت کے مطابق تأویل صحیح کے بغیر لانا عوام کو سید عالم ﷺ کے بارے میں بدگمان بنانے کے مطابق (اور سخت موہم) ہے اور انتہائی برا اقدام۔

رہے یہ الفاظ کہ ''ثالثها عند النبوة''؟ تو ان کا مطلب اور حضرت شیخ کی مراد کو ان الفاظ کے حضرت شیخ سے روایت فرمانے اور کتاب (الابریز) کے تالیف کرنے والے حافظ الحدیث علامہ احمد سلجماسی نے خود واضح فرما دیا ہے۔ فرماتے ہیں: ''اما عند النبوة ای ابتداء البعثة'' یعنی یہاں عند النبوۃ سے مراد شروع بعثت کا وقت ہے (الابریز' صفحہ ۱۶۹)۔

جب کہ بارہا بیان ہو چکا (و سیئاتی بعضه ایضاً) کہ بعثت کا مطلب نبی بننا نہیں بلکہ ظہور و اظہار اور اعلان نبوت ہے جو منافیٔ نبوت نہیں۔

خود مولانا نے بھی گزشتہ عبارت ابریز کے الفاظ ''ارسله الله تعالیٰ'' کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا (تحقیقات' صفحہ ۶۸' ۶۹)۔

یعنی بعثت و ارسال کو مترادف مانا ہے علاوہ ازیں حضرت شیخ' سید عالم ﷺ کے پیدائشی نبی ہونے کے

قائل ہیں (کما مرّ) جو اس امر کا قرینہ ہیں کہ ان کے ان الفاظ کو ان کی مراد کے طور پر نفیِ نبوت کے معنیٰ میں نہیں لیا جا سکتا۔

پھر جب ان کی ولایت عظمیٰ اور غوثیت کبریٰ تسلیم ہے تو ان کا یہ عقیدہ اپنا لینے میں کون سی چیز مانع ہے؟ لہٰذا مولانا کا انہیں ''نبوت عطا کرتے وقت'' کے معنیٰ میں لینا غلط ہوا اور ان کا آپ ﷺ کے چالیس سال سے پہلے کے دور میں نبی نہ ہونے کا موقف کسی طرح ثابت نہ ہوا۔ والحمد للہ علی ذلك۔

عبارت تفسیر عزیزی بابت شق صدر سے جواب:

مولانا لکھتے ہیں کہ ''حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ بار بار شق صدر کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ا: **چار سال کی عمر میں شق صدر کی حکمت:** در اطفال دیگر از حب ملاعبت ولہو وعبث ودیگر حرکات ناشائستہ میباشد از دل مبارک ایشاں دور کردہ شود۔

ب: **دس سال کی عمر میں حکمت:** برائے عصمت از گناہائے کہ تعلق بایں دوصفت (شہوت وسورت غضب) دراند۔

ج: **وقت بعثت قریب آنے پر حکمت:** برائے تنقیہ وتقویت چاک کردند۔

د: **شب معراج شق صدر کی حکمت:** برائے آں بود کہ دل مبارک قوت سیرِ عالم ملکوت بہم رساند وطاقت دیدن تجلیات بدیہہ وانوار مثالیہ پیدا کند۔

ہ: الم نشرح صدرک کی تفسیر میں فرمایا: تا باروحی را تحمل کند واسرار الٰہی درآں سینہ پاک گنجائش نماید وغم دعوت وتبلیغ وغم امت (الی) درآں قرار گیرند وغل وغش وحقد وحسد وذمائم اخلاق بیروں روند ونور علم وایمان حکمت درآں محیط آید (صفحہ ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۷۲)۔ جب عالم ارواح میں آپ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے لیئے بالفعل نبی ورسول تھے اور وحیٔ خدا انہیں پہنچاتے اور انہیں ان کی استعداد کے مطابق اسرار الٰہیہ سے باخبر رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کے ساتھ منور ومستنیر فرماتے تھے لیکن لباس بشری پہننے کے بعد صورت حال یہ ہو رہی ہے۔ وہاں پر بے پردہ انوار الٰہیہ کا مشاہدہ ہوا کرتا تھا اب معراج کے موقع پر شقِ صدر اور اس میں انوار تجلیات بھرنے کی ضرورت پیش آ رہی ہے تو ثابت ہوا کہ روح مجرد کا معاملہ اور ہے اور بدن سے متعلق روح کا معاملہ اور ہے۔ (ملخصاً) ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۷۰ تا ۷۲)۔

الجواب: مولانا نے ایک بار پھر یہ اقرار کر لیا ہے کہ آپ ﷺ عالم ارواح میں واقعی بالفعل نبی تھے جس

کے بعد آپ کی اس نبوت معاذ اللہ نامعتبر یا کالعدم ہو جانے کی کوئی معیاری دلیل پیش نہیں کر پائے جس کا لازمی نتیجہ اس کا دوام و بقاء ہے۔

O جب کہ حضرت شاہ صاحب کی یہ عبارات ان کے مفید مدعا نہیں کیونکہ اس سے ان کا مقصود چالیس سال کے عرصہ میں آپ ﷺ کی نبوت کی نفی کرنا نہیں ان تمام عبارات میں ایسا کوئی ایک لفظ بھی نہیں ہے جس کا یہ معنٰی ہو اور نہ ہی شق صدر مبارک کی ذکر کردہ ان حکمتوں میں سے کسی حکمت میں یہ مذکور ہے کہ شق صدر مبارک اس لیۓ ہوا تھا کہ آپ نبی نہ تھے (معاذ اللہ) یا یہ کہ اس وقت کنت نبیا والی نبوت کالعدم تھی (والعیاذ باللہ)

اگر کوئی ایسا لفظ ہے تو مولانا اس پر انگلی رکھیں اور اس کی نشان دہی کریں جب کہ باب ہشتم میں ہم تفصیلاً با حوالہ لکھ آئے ہیں کہ شقِ صدر مبارک کئی وجوہ سے بذاتِ خود دلیل نبوت ہے۔ اسے ادھر ہی دیکھ لیا جائے اعادہ کی حاجت نہیں۔

O علاوہ ازیں مذکورہ عبارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نفس شقِ صدر نفی نبوت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس میں معراج شریف کے موقع پر بھی شقِ صدر مبارک کا ذکر ہے جب کہ آپ ﷺ اس وقت قطعاً حتماً جزماً منصبِ نبوت و رسالت پر فائز تھے لہٰذا شقِ صدر کو دلیل نفی سمجھنا غلط ہوا۔

O اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شاہ صاحب کا مقصود آپ ﷺ کے ترقی پر ہونے کو بیان فرمانا ہے۔ جس کی مزید دلیل یہ ہے کہ آپ نے شقِ صدر مبارک کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ ''دراں قصہ پر کردن دل بحکمت و ایمان نیز مذکور است'' یعنی اس واقعہ میں یہ بھی ہے کہ آپ کے دل مبارک کو ایمان و حکمت سے پُر کیا گیا۔ ملاحظہ ہو (تفسیر عزیزی پ ۳۰، صفحہ ۳۲۴، طبع دہلی)۔

نیز فتاویٰ عزیزی فارسی (جلد ۲، صفحہ ۵۵، طبع افغانستان) میں ہے: ''ملئ ایمانا و حکمة'' یعنی اس موقع پر آپ ﷺ کے قلب مبارک کو ایمان و حکمت سے لبریز کیا گیا اھ۔ جب کہ اس کی پہلے بھی معاذ اللہ کچھ کمی نہ تھی لہٰذا یہ عبارات بیان ترقی ہی کے لیۓ متعین ہوئیں۔

نیز وللاخرۃ خیرلك من الاولی کا معنٰی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یعنی والبتہ حالت آخر بہتر باشد ترا از معاملت اول'' معنے یہ ہے کہ آپ کے لیۓ آپ کی بعد والی حالت آپ کی پہلی کیفیت سے بہتر شکل پر ہوگی۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰، صفحہ ۳۱۱، طبع دہلی)۔

O اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی عبارات ایسی ہیں جو ہماری مؤید ہیں مثلاً: اسی تفسیر عزیزی (پ ۳۰، صفحہ ۳۲۳) میں ہے کہ حضرت حلیمہ جب آپ ﷺ کو لے کر اپنے گھر پہنچیں تو ان کی وہ بکریاں جو انتہائی لاغر تھیں اور

ان کے تھنوں میں دودھ کا نام ونشان نہ تھا آپ کی برکت سے ''شیر آور گشتند فربہ شدند'' موٹی تازی ہو گئیں اور وافر مقدار میں دودھ دینے لگیں۔

اقول: وجہ استدلال یہ ہے یہ کہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے جب کہ معجزہ نبی کا ہوتا ہے غیر نبی کا نہیں۔ نیز شقِ صدر اول کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ملٰئکہ کرام نے ''آنرا دوختہ بمہر نبوت مہر کردند'' دل مبارک کو سی کر اس پر مہر نبوت لگائی۔ (عزیزی، پ ۳۰، ۳۲۳)۔

اقول: ہمارے نزدیک اس سے مقصود اس شان میں مزید اضافہ ہے اور معترض کے لیے یہ کہ کم از کم اس کے بعد ہی نبی مان لیں۔

نیز اسی میں استناداً نقل فرماتے ہیں کہ ''ہر چہ در عالم ارواح است مصدر است و ہر چہ در عالم اجسام است مظہر است''، یعنی عالم ارواح کے ہر امر کی حیثیت منبع ومصدر کی ہے اور عالم اجسام میں اس کی حیثیت مظہر کی ہے۔ (عزیزی، پ ۳۰، صفحہ ۳۲۲، ۳۲۳)۔

اقول: مطلب یہ ہے کہ اس جہان میں وہی چیز معتبر ہے جس کا وجود عالم ارواح میں ہو پس شاہ صاحب کی یہ عبارت مولانا کے موقف پر ایٹمی بم کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ موصوف یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ نبوت جیسی لازوال نعمت بھی عالم اجسام میں نامعتبر ہو جاتی ہے جب کہ حضرت شاہ صاحب یہ فرما رہے ہیں کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی تب معتبر ہوتی ہے کہ عالم ارواح میں ہو۔

ع بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

نیز اسی میں (پ ۱، صفحہ ۱۴۱ پر) ہے کہ ابونعیم، بیہقی اور حاکم نے باسناد صحیحہ وطرق متعددہ روایت کیا ہے کہ قدیم زمانہ کے صحیح الایمان اسرائیلیوں کو جب اس وقت کے کفار سے جنگ کرنی پڑتی تو وہ ان الفاظ میں دعا کر کے مقابلہ کرتے (نتیجۃً فتح ان کے قدم چومتی): ''اللھم ربنا انا نسئلك بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی اخر الزمان الخ اے اللہ! اے ہمارے مالک! ہم تجھ سے اس نبی کے واسطہ سے فتح اور کامیابی کا سوال کرتے ہیں جن کا نام احمد ہے اور جو نبی امی ہیں جن کے متعلق تو نے ہم سے وعدہ فرما رکھا ہے کہ تو انہیں آخری زمانہ میں ہمارے لیۓ اور ہمیں نوازنے کے لیۓ ظاہر فرمائے گا۔

اقول: یہ نہیں کہا کہ تو انہیں ہمارے لیۓ نبی بنائے گا بلکہ یوں کہا کہ تو انہیں ہمارے لیۓ ظاہر فرمائے گا جو آپ کے پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہے اور اس امر کا بین ثبوت ہے کہ شاہ صاحب اسی کے قائل تھے۔ کیونکہ حدیث ہٰذا کو وہ استناداً آیت کی تفسیر میں لائے ہیں اور اس کی تغلیط وتردید کی بجائے انہوں نے

اس کی تصحیح بھی فرمادی (صحیح قرار دیا) ہے۔

نیز اسی میں لکھا ہے: انبیاء قبل از بعثت نیز از ضلال و کفر اصلی و طبعی معصوم و محفوظ اند بلکہ از معاصی نیز بہ تعمد (پ ۳۰، صفحہ ۳۲۴)۔ نیز آپ ﷺ کے متعلق رقم طراز ہیں: ''وایشاں را از ابتداء نور عصمت حاصل بود'' (پ ۳۰، صفحہ ۳۰۹)۔

دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کے لیے بعثت سے پہلے بھی عصمت لازم ہے بناءً علیہ آپ ﷺ آغاز ولادت سے معصوم تھے۔

اقول: عصمت خاصّہ نبوت ہے جو قبل از اعلان بھی نبی ہونے کی دلیل ہے اسی لیئے شاہ صاحب نے اس کے لیئے بعثت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ بلکہ مولانا کی پیش کردہ عبارت میں بھی آپ ﷺ کے لیے بعثت کا لفظ موجود ہے حیث قال ''چون ہنگام بعثت قریب رسید'' بعثت کا معنٰی ارسال ہے یعنی بھیجنا (کما مر امرارًا) بھیجا اسی کو جاتا ہے جو پہلے سے ہو جس کی نفی ثابت کرنے میں موصوف ناکام ہیں اور رہیں گے۔

پس ان کا یہ نعرہ بالکل بے سود ہے کہ ''روح مجرد کا معاملہ اور ہے اور بدن سے متعلق روح کا معاملہ اور ہے'' کیونکہ بحث مطلقاً بعض کیفیات میں تبدیلی میں نہیں، روح متصف بہ نبوت کے جسد نبی میں آنے کے بعد نبوت سے خالی قرار پانے میں ہے۔ اسی کو مولانا نے ثابت کرنا تھا جب کہ ان کا یہ دعویٰ دلیل کے لیئے تاحال ان کا منہ تک رہا ہے۔ ہم بھی انہیں دعوت انصاف دیتے ہوئے کہے دیتے ہیں کہ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت کا خاص خیال رکھیں کیونکہ محض بعض کیفیات کی تبدیلی اور چیز ہے جب کہ نبوت کے نامعتبر ہو جانے کا امر چیزے دیگر ہے۔ جیسی کہو ویسی سنو۔ باقی تفصیلات وہی ہیں جو عبارت ابریز کی توجیہ میں گزری ہیں۔

عبارت والد ماجد اعلیٰ حضرت متعلقہ شق صدر مبارک سے جواب:

مولانا نے اس سلسلہ کی ایک عبارت والد ماجد اعلیٰ حضرت رئیس المتکلمین علامہ نقی علی خان رحمہ اللہ کی بھی پیش کی ہے جس کے لیۓ ان کی کتاب انوار جمال مصطفیٰ ﷺ صفحہ ۴۵ کا حوالہ دیا ہے۔ جو تفسیر عزیزی کی گزشتہ عبارت کا خلاصہ ہے جس کا موصوف کو بھی اعتراف ہے۔ چنانچہ اس پر اپنا تبصرہ پیش کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ ''حضرت کی شق صدر کی حکمت کا بیان بالکل شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ والا ہے اور دونوں نے تیسری مرتبہ کے شق صدر کو حصول نبوت اور نزول وحی کا پیش خیمہ ٹھہرایا ہے۔ اگر جسمانی لحاظ سے نبوت کے حصول کی یہ مدت نہیں تھی تو اس شق صدر کو نبوت کے قریب ٹھہرانے کا کیا مطلب ہے؟ جب کہ بقول مخالفین حضرات کے' نبوت آپ کو بچپن سے ہی حاصل تھی۔ نیز جو صلاحیت وحی کے اخذ کی حالت تجرد میں تھی اگر بدن اقدس کے ساتھ تعلق کے بعد بھی وہ قائم ہوتی تو بار بار ملکوتی آپریشنوں کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ اور جو ملائکہ آپ ﷺ سے عالم ارواح میں استفادہ کے محتاج تھے وہ یہاں آپ کے ذاتی استفادہ کی صلاحیتیں اجاگر کرنے میں کیوں وسیلہ بن رہے ہیں؟ اور شق صدر' گلے لگانے' توجہ اتحادی اور ملکی انوار کو بدن مبارک کے اندر داخل کرتے توافق پیدا کرنے اور تباین کو دور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ (ملخّصاً بلفظہ) (تحقیقات' صفحہ ۲۷۲' ۲۷۳)۔

الجواب: جب یہ تسلیم ہے کہ عبارت ہٰذا' عبارت عزیزی جیسی ہے اور ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ نفیٔ نبوت کی کسی طرح دلیل نہیں ہے تو لامحالہ یہ عبارت بھی کسی طرح نفیٔ نبوت کی دلیل نہیں اور اس میں بھی حضور کی اسی ترقی کا بیان ہے جو عزیزی کی اس عبارت میں ہے۔ ﷺ۔ لہٰذا اس کے جواب میں وہی تفصیل ہے جو عبارت عزیزی کے تحت گزری ہے فليلاحظ ذلك هناك۔

باقی رہا یہ کہنا کہ دونوں حضرات نے تیسری مرتبہ کے شق صدر کو حصول نبوت اور نزول وحی کا پیش خیمہ ٹھہرایا ہے؟

تو یہ بھی مولانا کے کسی طرح مفید نہیں ہے کیونکہ ان دونوں عبارتوں میں سے کسی میں بھی بایں معنیٰ حصول نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ آپ ﷺ اس سے قبل نبی نہ تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اس کے لیۓ بعثت کے لفظ استعمال کیۓ ہیں جیسا کہ مولانا نے خود بھی لکھا

ہے ''چوں ہنگام بعثت قریب رسید'' (تحت صفحہ ۷۱)۔ جو رسالت کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں (کما مرّ قبیل ذلك)۔

جب کہ والد ماجد اعلیٰ حضرت نے ''نبوت کے قریب'' کے الفاظ لکھے ہیں۔ پس جب یہ سب عبارتِ عزیزی کا خلاصۂ ترجمہ ہے تو یہ اس امر کا قرینہ ہوا کہ عبارت ہذا میں بھی نبوت بمعنی رسالت ہے اور نزول وحی میں وحی سے مراد وحی جلی ہے جب کہ رسالت اور وحی جلی میں سے کوئی بھی منافیٔ نبوت نہیں لہٰذا موصوف کا ''حصول نبوت'' کے قول کو ان حضرات سے منسوب کرنا بالکل خلاف واقعہ ہے۔ ان لفظوں کا ان عبارتوں میں کوئی نام نشان نہیں ہے۔

کسی مرحلے کی تیاری بھی نبوت کے خلاف نہیں۔

اسی طرح ان کا یہ کہنا بھی جھول سے خالی نہیں ہے کہ ان کے مخالفین کا عقیدہ یہ ہے کہ ''نبوت آپ کو بچپن سے حاصل تھی'' کیونکہ اس کا معنیٰ یہ بن رہا ہے کہ قائلین اس سے پہلے شاید آپ کو معاذ اللہ نبی نہیں مانتے جو غلط ہے کیونکہ وہ زمانۂ تخلیق آدم علیہ السلام سے بھی پہلے سے آپ کے نبی ہونے کے قائل ہیں۔

باقی تمام باتوں (عالم ارواح میں خود مربی یہاں جبریل علیہ السلام وسیلہ' گلے لگانے' توجہ اتحادی نیز توافق وتباین سب) کے مکمل و مفصل جوابات حضرت جبریل علیہ السلام کی معلّمی کی بحث میں گزر چکے ہیں جن کا اعادہ موجب طوالت ہے انہیں ادھر ہی دیکھ لیا جائے۔

سید عالم ﷺ کے لیے ''ملکوتی آپریشنوں'' کے لفظ بہت ثقیل ہیں' معلوم نہیں کہ ان کے بے دھڑک بول دینے کے لیے علامہ موصوف نے ایسے دل گردے کہاں سے مستعار لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

جواب آخر:

علاوہ ازیں والد ماجد اعلیٰ حضرت کے بیان مذکور سے نفیٔ نبوت مراد نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت کے تقدم کے قائل ہیں جب کہ اس کے برخلاف ان سے صریحاً کچھ ثابت نہیں ہے۔ بعض حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

چنانچہ اپنی اسی کتاب (انوارِ جمال مصطفیٰ ﷺ جس کے موصوف نے حوالے دیئے ہیں) میں حضرت قدس سرّہ نے لکھا ہے کہ

○ عالم و آدم پیدا نہ ہوا تھا کہ اس کی پیغمبری اور رسالت کا شور عالم بالا میں بلند تھا (صفحہ ۸۲،۸۱)

○ (ورفعنا لک ذکرک کے تحت) ''بہشت کے ہر قصر و غرفہ اور دیوار و در اور پردہ اور ساقِ عرش معلّٰی اور اوراق سدرۃ المنتہٰی پر لکھا' ساتوں آسمان میں کوئی مکان نام نامی سے خالی نہیں' جس جگہ لا الــــہ الا اللہ مسطور ہے وہاں محمد رسول اللہ بھی ضرور ہے''۔ (صفحہ ۸۱' طبع شبیر برادرز' لاہور)۔

○ حضرت آدم علیہ السلام کے حوالہ سے منقول ہے کہ ''میں نے عرش کے دروازہ پر لکھا دیکھا: لا الــہ الا اللہ محمد رسول اللہ''۔ (صفحہ ۸۷)۔

○ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: جب میں نے عرش کو پانی پر قائم کیا' ہلتا تھا۔ اس پر لا الــہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا' ہلنا اس کا اس کلمہ کے لکھنے سے موقوف ہو گیا''۔ (صفحہ ۹۴)۔

○ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے بہشت کے دروزاہ پر اور ہر جگہ لکھا دیکھا ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''۔ (صفحہ ۸۶' ۸۷)۔

○ قلم نے زمین اور آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے لوح پر لکھا: ''ان مـحـمـدا خاتم النبیین'' بے شک محمد خاتم پیغمبروں کے ہیں۔ مجاہد' ابن عباس' ابن جریج اور مقاتل سے ہے کہ لوح محفوظ کے شروع میں لکھا ہے لا الہ الا اللہ وحدہ دینہ الاسلام و محمد عبدہ ورسولہ الخ (ملخصاً) (صفحہ ۸۵)

○ آدم علیہ السلام نے عرش کی طرف دیکھا نام حضرت کا خدا کے نام کے ساتھ لکھا پایا عرض کیا الٰہی یہ کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ پیغمبروں کا سردار اور تیرا فرزند ہے۔ (صفحہ ۸۷)۔

○ جب نور مقدس آپ کا آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا گیا' عرض کیا الٰہی یہ نور کیسا ہے؟ خطاب ہوا کہ یہ نور اس پیغمبر کا ہے کہ سب پیغمبروں کا سردار اور تیری اولاد میں بہتر ہے''۔ (صفحہ ۸۶)۔

○ ''رفتہ رفتہ اس نور نے آدم علیہ السلام کے تمام اعضاء میں سرایت کی اور ان کا جسم نور کا پتلا بن گیا پھر تو واسطے تعظیم اس نور کے حق جلّ وعلیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرایا''۔ (صفحہ ۸۶)۔

○ ''آدم علیہ السلام کثر اوقات ایک آواز خوش اپنی پیٹھ سے سنتے تھے۔ عرض کی الٰہی یہ آواز کیسی ہے؟ جواب ہوا کہ یہ تسبیح خاتم الانبیاء کی ہے کہ تیری پشت سے اس کو پیدا کروں گا'' الخ۔ (صفحہ ۸۶)۔

○ آدم علیہ السلام پر زمین پر تشریف لانے کے بعد بہت وحشت طاری ہوئی جس کے ازالہ کے لئے جبریل علیہ السلام نے اذان کہی جس میں ''اشھد ان محمد رسول اللہ'' کے الفاظ بھی تھے (ملخصاً) (صفحہ نمبر ۸۷)۔

○ نیز لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ کی طرف نور نبوت منتقل ہوا اس رات زمین و آسمان سے یہ آواز پیدا تھی کہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا وقت ہزار برکت کے ساتھ نزدیک آیا''۔ (صفحہ ۱۰۲)۔

○　جنگل کے جانوراور قریش کے چار پائے باہم مبارک باد دیتے اور حضرت آمنہ سے کہتے تھے کہ قسم خدا کی تمہارے حمل میں خدا کا رسول اور تمام دنیا کا سردار ہے (ملخّصاً)۔(صفحہ۱۰۲)۔

○　''ابراہیم علیہ السلام نے ان سے خواب میں فرمایا تجھے بشارت ہو کہ تیرے پیٹ سے وہ نبی پیدا ہوتا ہے جو صاحب اسماء حسنٰی اور آیات کبریٰ ہے۔(صفحہ۱۰۳)۔

○　متعدد معجزات نقل فرمائے ہیں جو بوقت ولادت باسعادت نیز اس کے بعد ظاہر ہوئے جب کہ معجزہ نبی کا ہوتا ہے۔جیسے انوار کی بارش' ستاروں کا زمین کے قریب آ جانا' مختلف مکانوں کا خوشی سے جھومنا' بتوں کا اوندھے گر جانا' بحیرہ ساوہ کا خشک' وادی سماوہ کا جاری ہونا اور نار فارس کا بجھ جانا جو ہزار برس سے جل رہی تھی۔ نیز ایوان کسریٰ کا پھٹ جانا اور اس کے چودہ کنگروں کا گر پڑنا' خانہ کعبہ کا سجدہ ریز ہو کر شکر الٰہی بجالانا' حضور کا پاکیزہ پیدا ہونا اور آپ کا اپنے نہلانے والوں سے بزبان فصیح فرمانا کہ میں آب رحمت سے غسل دیا گیا ہوں' ازل میں بھی پاک تھا اور اب بھی پاک ہوں۔نیز آپ کا حضرت حلیمہ کو دیکھ کر مسکرانا' دایاں پستان کا قبول اور بایاں کورد فرمانا' سواری کے جانور کا یہ کہنا کہ مجھ پہ وہ سوار ہے جو خدا پیارا' سب انبیاء سے بہتر اور سب رسولوں کا سردار ہے' بکریوں کا آپ کو سجدہ کرنا نیز سر مبارک پر بوسہ دینا' نیز یہ کہ جس جنگل میں جاتے ہرا ہو جاتا' دھوپ میں بادل آپ پر سایہ کرتا اور ساتھ پھرتا' ریت پر قدم کا نشان نہ پڑتا' پتھر خمیر کی طرح نرم ہو جاتا اور اس پر قدم شریف کا نشان بن جاتا' جنگل کے جانور آتے اور قدم چوم کر چلے جاتے وغیرہ وغیرہ۔ملاحظہ ہو۔(صفحہ۱۰۳' ۱۰۵' ۱۰۷' ۱۰۸' ۱۰۹' ۱۱۰' ۱۱۱)۔

○　نیز ارقام فرمایا کہ آپ کی ولادت کا ایک شور تھا' ایک پرند آسمان سے اترا آمنہ کہتی ہیں اپنا ہاتھ میرے پیٹ سے ملنے لگا اور کہا ''اظھر یا سید المرسلین اظھر یا سید العلمین' اظھر یا خاتم النبیین اظھر یا نبی اللہ اظھر یا رسول اللہ'' (ملخّصاً)(صفحہ۱۰۳)

○　جب آپ پیدا ہوئے خدا کو سجدہ کیا اور انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا'' لا الہ الا اللہ انی رسول اللہ'' سوا خدا کے کوئی معبود نہیں میں بے شک خدا کا رسول ہوں''۔(صفحہ۱۰۴)۔

○　اس وقت آپ نے جناب الٰہی میں سجدہ کیا اور کہا رب ھب لی امتی خدا میری امت کو میرے واسطے بخش دے''۔(صفحہ۱۰۴'۱۸۱)

○　احبار و رہبان وغیرہم کی تصدیقات کی روایات بھی نقل فرمائی ہیں جن سے ماَنحن فیہ کا ثبوت ملتا ہے مثلاً لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ کو ایک پیر مرد نظر آیا' حضرت کو دیکھتے ہی کہنے لگا یہ لڑکا ختم المرسلین ہے' حبشہ کے کئی

عالم آپ کو دیکھ کر بولے بے شک یہ لڑکا پیغمبر آخر الزماں ہے۔ ایک اور پیر مرد نظر آیا' اس نے کہا یہ خاتم الانبیاء ہیں انہیں کے پیدا ہونے کی حضرت عیسٰی نے خبر دی تھی۔ نیز بحیرا راہب آپ کو علامات نبوت سے پہچان کر تعظیم کے لیئے اٹھا اور ابو طالب سے کہا: ھذا سید العٰلمین ھذا رسول رب العٰلمین یبعثہ اللہ رحمۃ للعٰلمین ۔ یہ تمام عالم کے سردار اور رسول پروردگار ہیں اللہ تعالیٰ ان کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا۔ (ملخّصاً)۔ (صفحہ ۱۰۷'۱۱۱)۔

○ اس سے بھی مانحن فیہ کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت نے نزول وحی جلی کو منصب رسالت سے تعبیر فرمایا ہے حیث قال "منصب رسالت پر خدا کی طرف سے مأمور ہیں' نیز مرتبہ پیغمبری اور رسالت کا بخشا" نیز "آپ مشرف برسالت ہوئے"۔ (انوار جمال' صفحہ ۷۴۔۸۲)۔

○ آخر میں حضرت کے دوٹوک تین حوالے مزید پڑھ لیجئے فرماتے ہیں۔

نمبر۱: جناب باری نے جب ہمارے حضرت کا نور مبارک پیدا کیا' اس کی طرف بہ نظر عظمت دیکھا' ہیبت الٰہی سے اس کو پسینہ آ گیا اس سے عرش و کرسی' لوح و قلم پیدا کیئے اور زمین و آسمان بنائے اور ان سب کو اپنی وحدانیت اور حضرت کی رسالت سے آگاہ فرمایا کہ ملأ اعلیٰ میں شور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا بلند ہوا۔ (صفحہ ۸۵)۔

○ نمبر۲: کسی نے اس جناب سے پوچھا کہ آپ کو منصب نبوت کب سے حاصل ہوا؟ فرمایا جب خدا نے عرش کو بنایا اور آسمان اور زمین کو پھیلایا اور عرش کو اٹھانے والوں کے کندھوں پر رکھا اس وقت ساق عرش پر قلم قدرت سے لکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء۔ (صفحہ ۸۵)۔

○ نمبر۳: "ایک بار صحابہ نے گزارش کی آپ کب سے پیغمبر ہوئے؟ فرمایا جب کہ آدم درمیان روح وجسد کے تھے" (صفحہ ۸۶)۔

یہ سب حوالہ جات مع زائد والد ماجد اعلیٰ حضرت کی کتاب سرور القلوب میں بھی ہیں جو ان کی پیش نظر کتاب انوار جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی تلخیص ہے جس میں کچھ اضافے بھی ہیں اس کی متعدد عبارت گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں۔ ملاحظہ ہوں اس کے یہ صفحات: ۲۰' ۲۲۱ تا ۲۲۴' ۲۴۱' ۲۴۲' ۲۴۹' ۲۵۰' ۲۵۱' (وغیرہا) صفحہ ۲۲۳ پر تصریحاً لکھا ہے: "روح مبارک قبل از وجود باوجود بھی متصف برسالت تھی"۔

الغرض والد ماجد اعلیٰ حضرت' حضور سید عالم ﷺ کی بالفعل نبوت کے تقدم کے قائل ہیں اس لیئے ان کی پیش کردہ شق صدر مبارک کے بیان والی عبارت کو نفی نبوت کے معنیٰ میں لینا توجیہ القول بما لا یرضٰی بہ

قائلہ' اور غلط ہے۔

حرف آخر: اس سے قطع نظر حضرت نے آگے چل کر لکھا ہے کہ چار سال کی عمر شریف میں ہونے والے شق صدر کے موقع پر ملٰئکہ کرام نے آپ ﷺ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور آپ کو یا رسول اللہ کہہ کر آپ سے کلام کیا تھا (۱۰۹)۔

جس سے مولانا کا استدلال پیوند خاک ہوکر رہ جاتا ہے کہ آپ اس وقت نبوت سے خالی تھے تو ان کا آپ کو یا رسول اللہ کہنا چہ معنٰی؟ والحمد للہ تعالٰی۔

سچے خوابوں کے ساتھ آغاز وحی سے استدلال کا رد

مولانا نے روح مجرد اور روح متعلق بالبدن میں فرق کی ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ آپ ﷺ پر وحی جلی کے نزول سے قبل سچے خوابوں سے وحی کا آغاز کیا گیا یہ سلسلہ چھ ماہ رہا۔ پھر جبریل علیہ السلام کے ذریعے وحی اتری۔ مفسرین، شراح حدیث اور علماء سیر نے اس کی وجہ صرف یہی بیان کی ہے کہ بدن کو صلاحیت میں ترقی کے بغیر نزول وحی سے اعضاء بدن مفلوج ہوکر رہ جاتے۔ جس کے لیے موصوف نے عمدۃ القاری، جلد ا، صفحہ ۱۰۴، اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۵۰۵، ۵۳۲ مدارج النبوۃ جلد ۲، صفحہ ۴۰، ۳۴۳، ۳۱۔ مولد برزنجی بحوالہ جواہر البحار جلد ۳، صفحہ ۳۶۸، شرح سفر السعادۃ صفحہ ۲۵، تفسیر عزیزی، صفحہ ۲۴۴، پ عم، اور انوار جمال مصطفٰی ﷺ، صفحہ ۱۱۲ کے حوالے پیش کیے ہیں اور لکھا ہے کہ اس سے روح کے تجرد اور تعلق بدنی کا بھی فرق واضح ہوگیا اور عالم ارواح کی نبوت اور عالم اجسام کی نبوت کا فرق بھی (ملخّصاً)۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ ۷۳ تا ۷۸)۔

الجواب: اقول وباللہ التوفیق۔ موصوف بعینہ یہی مضمون ''عالم ارواح اور عالم عناصر کے احکام کے جداگانہ ہونے کی بحث میں بھی لکھ آئے ہیں ملاحظہ ہو (باب ہٰذا مغالطہ نمبر نام نہاد دلیل نمبر ۷) جسے انہوں نے الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی سے یہاں دوبارہ رکھ دیا ہے۔ بعض عبارات مزید ضرور پیش کی ہیں مگر مضمون کے ایک ہونے کے باعث ان کی حیثیت علیحدہ دلیل کی نہیں ہے لہٰذا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ وہی پرانی اور فرسودہ بات ہے جس کا مکمل رد پیش کیا جا چکا ہے اور ٹھوس دلائل سے ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ یہ ''کنت نبیا'' والی نبوت کی نفی کی دلیل ہرگز ہرگز نہیں ہے بلکہ مستقلاً ثبوت نبوت کی دلیل ہے نیز نام نہاد دلیل نمبر ۸ جس کی تائید میں وہ عنوان ہٰذا کو لائے ہیں، بھی اس نبوت کی نفی کی کسی طرح دلیل نہیں ہے پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی گئی استدلال کی عمارت خود بخود منہدم قرار پائی۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔ باعث طوالت بھی ہے اس لیئے سب تفصیلات ادھر ملاحظہ کی جائیں۔

مزید یہ کہ صفحہ ۷۵٬۷۶ پر پیش کی گئی عبارات اشعہ ومدارج وشرح سفر السعادۃ میں ''پیش از ظہور نبوت'' اور ''نور نبوت ظہور کرد'' کے الفاظ موجود ہیں جو ہمارے موقف کی بیّن دلیل اور موصوف کے نظریہ کی قالع وقامع ہیں کیونکہ ''ظہور نبوت'' کے لفظوں سے صاف ظاہر ہے کہ نبوت پہلے موجود تھی جو بعد میں ظاہر ہوئی۔

مولانا تنویر میں خود لکھ چکے ہیں کہ عدم تحقق اور عدم ظہور دو الگ چیزیں ہیں (وقد مرّ)۔

نیز پیش کردہ عبارت مولد برزنجی (بر صفحہ ۷۵) میں ''بعثہ اللہ'' کے الفاظ ہیں جو عدم نبوت نہیں نبوت کی دلیل ہیں جس کی کچھ تفصیلات باب ہٰذا میں کچھ پہلے گزر چکی ہیں۔

غطِ جبریل علیہ السلام سے استدلال کا رد:

موصوف نے روح مجرد اور روح متعلق بالبدن کے فرق کے ثبوت میں غط جبریل علیہ السلام سے بھی استدلال کیا ہے کہ پہلی وحی کے موقع پر جبریل علیہ السلام نے تین بار معانقہ کر کے آپ ﷺ کو توجہ اتحادی دی جس کے لیے انہوں نے انوار جمال مصطفیٰ ﷺ صفحہ ۱۱۲ اور تفسیر عزیزی پ عم صفحہ ۲۴۵ کی عبارتیں پیش کیں۔

نیز رؤیا صالحہ سے ابتداء وحی کا عنوان دے کر امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بحوالہ جواہر البحار جلد ۲ صفحہ ۷۷٬۸۷ بھی پیش کیا جس میں حکمۃ الغطّ کا ذکر ہے اور تبصرہ میں کہا ہے کہ اگر آپ ﷺ کو بچپن سے نبوت حاصل ہوتی تو سچے خوابوں سے ابتداء اور جبریل علیہ السلام کو معانقوں اور توجہ اتحادی کی ضرورت کیوں پیش آتی۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ روح اقدس کے بدن مبارک میں حلول سے قبل اور بعد جداگانہ معاملہ ہے اور تعلق والی حالت کا تجرد والی حالت پر قیاس سراسر باطل ہے۔ حالت تجرد میں کمالات بالفعل اور بعد بالقوۃ رہ گئے تھے لیکن جبریل علیہ السلام کے معانقہ کو مرشدوں کی توجہ اتحادی کی مانند قرار دینے سے آپ ﷺ پر ان کی فضیلت کا وہم نہ کیا جائے (ملخصاً) (تحقیقات صفحہ ۷۸ تا ۸۳)۔

الجواب: یہ بھی مولانا کی بالکل وہی تقریر ہے جو وہ پہلے کر آئے ہیں جس میں کوئی نئی بات نہیں ہے جس کی تمام شقوں کا ایک ایک کر کے مکمل جواب دے کر یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ بھی قطعاً ان کے مفید مطلب نہیں ہے کہ اس سے ''کنت نبیا'' کا توڑ نہیں ہوتا اور خود موصوف کے تسلیم کردہ عظیم ولی کامل اور غوث کبیر شیخ عبدالعزیز دبّاغ رحمہ اللہ کی تصریح پیش کر چکے ہیں کہ تینوں معانقوں میں حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اقدس ﷺ کو کچھ دیا نہیں بلکہ ہر دفعہ انہوں نے آپ سے علیحدہ نوعیت کا فیض حاصل کیا ہے۔ کچھ پیش کیا بھی ہو تو یہ محض خادمانہ حیثیت سے تھا۔ تفصیل کے ملاحظہ ہو: مغالطہ نمبر ۴ کی نام نہاد دلیل نمبر ۲ کا جواب۔

نیز کچھ پہلے ہم یہ بھی باحوالہ جات لکھ آئے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کے تقدم کے قائل ہیں اس لیۓ ان کی غیر صحیح عبارات سے نفی کا استدلال درست نہیں۔

تفصیل دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو نام نہاد دلیل نمبر ۸ کے تحت عبارت تفسیر عزیزی متعلقہ شق صدر مبارک کا جواب۔

اس سے عبارت حضرت والا ماجد اعلیٰ حضرت اور عبارت امام ابن حجر سے بھی جواب ہو گیا کہ ان میں ''توجہ اتحادی'' کی تصریح نہیں ہے نیز وہ بھی خادمانہ حیثیت پر محمول ہیں۔

''جاورت بحراء شهرا'' کے تحت الفاظ امام ابن حجر''ای لا لطلب النبوة فانها موهبة لا تنال بكسب'' سے نفی مطلق ثابت نہیں ہوتی (تحقیقات، صفحہ ۸۱) کیونکہ اس میں نبوت بمعنی رسالت ہے۔

دلیل یہ ہے کہ اس سے متصلاً لکھا ہے اللہ اعلم حیث رسالتہ۔

نیز امام موصوف ''كنت نبيا'' کے بمعنی حقیقی نیز آپ ﷺ کی بالفعل نبوت کے تقدم کے سختی سے قائل ہیں۔ نیز اس کے بھی کہ آپ ﷺ قبل نزول وحی جلی کسی سابقہ شریعت کے پابند نہیں تھے۔ ملاحظہ ہو وہی (جواہر البحار، جلد ۲، صفحہ ۷۲، ۸۹، ۹۰، ۱۰۳) عبارات پہلے گزر چکی ہیں۔

باقی مصنف تحقیقات کی یہ منطق بہت نرالی ہے کہ جبریل علیہ السلام حضور سید عالم ﷺ کے لیے بحیثیت مرشد تشریف لا کر آپ کو توجہ اتحادی (سینہ سے لگا کر فیض و برکت روحانی) بھی دے رہے تھے اور حضور والا علیہ صلوٰۃ المولیٰ ان کے معاذ اللہ محتاج بھی بنے ہوئے تھے۔ (جو بلا دلیل بلا خلاف دلائل بھی ہے) پھر بھی آپ پر ان کی کچھ فضیلت نہیں۔ ''جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے''۔

اس مقام پر مولانا نے حضرت عارف سعدی اور اعلیٰ حضرت رحمہما اللہ کے جو بعض اشعار پڑھے ہیں ان میں بھی ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس کا یہ معنٰی و مطلب ہو کہ آپ ﷺ معاذ اللہ اس وقت نبی نہیں تھے بلکہ ان میں آپ کی شان ظہور کا بیان ہے۔ اس کی تفصیل بھی مذکورہ مقام پر گزر چکی ہے۔ والحمد للہ۔

حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدُ سے استدلال کی حجہ دری:

مولانا نے یہاں حدیث وحی اوّل کے الفاظ ''حتى بلغ منى الجهد'' کو بھی روح مجرد اور متعلق بالبدن کا فرق ثابت کرنے کے لیۓ پیش کیا ہے۔ نیز اپنی تائید میں عمدۃ القاری اور ارشاد الساری کے حوالہ سے علامہ طیبی کا قول نقل کیا ہے۔ (تحقیقات صفحہ ۸۳، تا ۸۵) اس کا بھی مکمل جواب پیش کیا جا چکا ہے۔ اعادہ کی حاجت نہیں، اسے ادھر ہی ملاحظہ ہو کر لیا جائے۔

ملاحظہ فرمائیے مغالطہ نمبر۴ کے تحت نام نہاد دلیل نمبر۴، نمبر۵ کا جواب۔

یہاں پر ''حضرت جبریل علیہ السلام پہلی وحی کے موقع پر بشری حالت میں کیوں ڈھلے'' کے عنوان سے بھی مولانا نے تقریر کی ہے۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۸۶،۸۵) جب کہ اس میں بھی کچھ جدّت نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی ''حتی بلغ منی الجھد'' کی بحث کا حصہ ہے جس کی توجیہ وہیں پر پیش کی جا چکی ہے لہٰذا اسے مزید علیحدہ عنوان دینا کتاب کا حجم بڑھانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

خدا کا کرنا دیکھئے کہ موصوف نے اس مقام پر ایک بار پھر اعتراف کیا ہے کہ آپ ﷺ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے جس کے بعد وہ کسی معیاری دلیل سے اس کا توڑ پیش نہیں کر سکے لہٰذا الفاظ کی تبدیلی سے نفی پر تقریر محض واویلا کی حیثیت رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں: ''روایات میں ہے پہلے نبی کریم ﷺ کا نورِ اقدس تسبیح کرتا تھا اور ملٰئکہ اس کی تسبیح کی اتباع واقتداء میں تسبیح کیا کرتے تھے اور آپ نبی بھی تھے اور ملٰئکہ آپ کی امت میں داخل ہیں، راجح اور مختار قول یہی ہے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۵۴)۔

سبحان اللہ	مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

اس مقام پر موصوف نے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ آپ مرعوب ہو گئے اور گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئے اور لرزتے کانپتے اٹھے اور گھر تشریف لے گئے''۔ (صفحہ ۸۵) تو یہ عامیانہ انداز بیان ہے جو سخت قابل مذمت ہے جو موصوف نے مودودی سے سیکھا ہے۔ تفصیل مقدمۃ الکتاب میں گزر چکی ہے۔

التواء و تسلسل وحی سے استدلال کا ردّ بے مثال:

روح مجرد و متعلق بالبدن کے فرق پھر اس حوالہ سے نفی نبوت پر مولانا نے مزید یہ استدلال پیش کیا ہے کہ ''پہلی وحی کے نزول کے بعد تین سال تک نزول وحی کا سلسلہ موقوف رہا، آپ اس دوران بڑے مضطرب اور بے چین جبریل علیہ السلام کی ملاقات کے لیئے بہت مشتاق رہتے، الم فراق نا قابل برداشت ہو جاتا اور آپ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دینے کا خیال باندھ لیتے تو جبریل نمودار ہو کر عرض کرتے: ''یا محمد انك رسول الله حقا'' تم اللہ کے برحق رسول ہو تو آپ کے دل کو قرار آ جاتا۔

اس التواء کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں: وحکمة الفترة ذھاب الروع الذی وجدہ ﷺ ومزید تھیجه الی اشتیاق العود فترۃ وحی میں حکمت یہ تھی کہ جو رعب اور ہیبت آپ پر وحی کی ابتداء میں طاری ہوئی تھی وہ مکمل طور پر دور ہو جائے اور دوبارہ نزول وحی کا شدید شوق آپ کے دل میں پیدا ہو جائے۔ (جواہر البحار جلد۲، صفحہ ۸۷، وکذا فی فتح الباری للامام ابن حجر العسقلانی، جلد۱، صفحہ ۲۶)

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد فرماتے ہیں: وحی کا اترنا موقوف ہوگیا سرور عالم ﷺ اشتیاق وحی میں حد سے زیادہ بے قرار رہتے (تا) جبریل امین حاضر ہوتے آپ کو تسلی دیتے گھبرایئے نہیں، اللہ تعالیٰ نے روزِ اوّل سے آپ کو صاحب دولت کیا ہے، بڑا رتبہ دیا ہے"۔ (انوار جمال مصطفیٰ، جلد۲، صفحہ۱۱۳)"

عالم ارواح میں آپ ﷺ ان کے لیئے نبی اور رسول تھے اور بدن اقدس میں روح اطہر کے حلول کے بعد عمر شریف کے چالیس سال گزرنے کے باوجود اس تدریج کی ضرورت ہے تا کہ جبرئیل کے ساتھ ربط کامل اور اتحاد و اتصال پیدا ہوسکے اور وحی کے اخذ میں کوئی دشواری باقی نہ رہے۔ اس حکمت سے بھی روح کے مرتبۂ تجرد اور تعلق کا فرق واضح ہوگیا اور یہ بھی کہ عالم ارواح میں بالفعل نبی اور رسول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدن میں حلول کے بعد بھی آپ پیدا ہوتے ہی بالفعل نبی اور رسول ہوں جیسے معراج اس فرق کا شاہد صادق ہے، آپ سدرہ سے آگے رفیق سفر رہنے کا مطالبہ کرتے ہیں مگر وہ عرض کرتے ہیں۔

اگر یک سرموئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

الجواب: مولانا پہلے یہ کہتے آرہے تھے کہ آپ ﷺ کی چالیس سال کی عمر شریف تک بار بار کے شق صدر اور چلہ کشی نیز ملکوتی آپریشنوں کے ذریعہ آپ کو لطیف اور حقیقت نوریہ کا ہم رنگ کر دیا گیا تو آپ کو یہ منصب سونپا گیا۔ (تحقیقات صفحہ۱۰۴ وغیرہ)۔ جب کہ اب وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ معاذ اللہ چالس سال گزرنے کے باوجود ابھی پوری صلاحیت نہ بنی تھی اور اتنے بھی نعوذ باللہ نہ ہوسکے کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے مکمل مناسبت ہو جو ان کا کھلا تضاد ہے۔

پھر قدرت کا یہ کرشمہ بھی دیکھتے چلیں کہ مولانا چلے تو تھے نفی نبوت کے لیئے راہ ہموار کرنے مگر یہ لکھ بیٹھے کہ جبریل علیہ السلام نمودار ہوکر عرض کرتے تم اللہ کے برحق رسول ہو۔ پس اتنا بھی نہ سوچا کہ جو ثبوت ہے اسے نفی بنا کر کیسے پیش کر رہے ہیں اور وہ بھی اس زمانہ میں جس میں قطعی طور پر آپ پر وحی جلی اتر چکی تھی یعنی اتنی صاف بات کا سمجھنا بھی دشوار ہوگیا۔ نعوذ باللہ من غضبہ۔

نیز حضرت والد ماجد اعلیٰ حضرت سے یہ بھی نقل کر رہے ہیں کہ "جبرئیل امین حاضر ہوتے آپ کو تسلی دیتے گھبرایئے نہیں اللہ تعالیٰ نے روزِ اوّل سے آپ کو صاحبِ دولت کیا ہے، بڑا رتبہ دیا ہے" جس کا صاف مطلب عطاء نبوت ہے کیونکہ سب سے بڑی دولت اور سب سے اہم رتبہ یہی ہے۔

نیز لفظ "سے" اس کے تسلسل اور دوام کو بیان کر رہا ہے پھر خود بھی اس کا اقرار کیا ہے کہ عالمِ ارواح

میں بالفعل نبی تھے۔لیکن اس کے باوجود یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدن میں حلول کے بعد بھی آپ بالفعل نبی ہوں جب کہ اس کے انقطاع کی دلیل بھی نہیں دی جو کھلے تضاد کے ساتھ ساتھ ان کی سینہ زوری بھی ہے۔

نیز پیش کردہ عبارات یہ ثابت کرنے کے لیئے لائے تھے کہ تعطل وانقطاع وحی اس لیے ہوا کہ جبریل علیہ السلام سے مناسبت کی جو کمی رہ گئی تھی مکمل طور پر بن جائے جب کہ ان میں اس کا کوئی نشان پتہ نہیں ہے۔پس یہ الفاظ مولانا کی پیوندکاری کا ثمرہ ہیں۔

رہا شوق کو اجاگر کرنا؟ تو یہ بھی معاذ اللہ عدم صلاحیت کی بنیاد پر ہرگز نہیں ہوسکتا جب کہ وحی الٰہی سے روحانی طور پر لطف اندوز ہونے کے بعد اس کے رک جانے سے شدت شوق کا پیدا ہونا لازمی امر ہے جس کی یہ زندہ مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ جو صاحب ایمان ایک بار مدینہ طیبہ دیکھ لیتا ہے کعبہ شریف کا درشن کرکے آجاتا ہے اسے بار بار حاضری کو جی چاہتا ہے۔تھوڑی سی رکاوٹ پیدا ہو تو اس کی بے قراری دیکھنے والی ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب کوئی بھی نہیں لیتا کہ بے قراری کی کیفیت کے پیدا ہونے سے حاج ومعتمر کا حج وعمرہ کالعدم یا معطل ہوجاتا ہے۔حضور کی شدت شوق وحی الٰہی کے لیئے ہی تھی کیونکہ وہی رکی ہوئی تھی جبریل علیہ السلام کا آنا جانا تو جاری تھا جس کا خود موصوف کو پیش نظر عبارت میں اقرار ہے۔تفصیل مدارج النبوۃ وغیرہ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

والد ماجد اعلیٰ حضرت رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے انقطاع وحی کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اس سے یہ واضح ہوجائے کہ حضور یہ کلام خود بنا کر نہیں لاتے اور آپ محض کلام الٰہی کے لانے والے ہیں ورنہ امتناع وحی پر اس قدر مضطرب ہونے کی کیا ضرورت تھی۔آپ کے لفظ ہیں: اگر یہ کلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو حضرت باوجود وعدہ فردا کے اس قدر مدت دراز تک کافروں کے جواب سے کیوں سکوت فرماتے اور دشمنوں کی طعن وتشنیع کیوں گوارا کرتے (الیٰ) پس یہ امر کہ حضرت اس امر میں مجبور اور منصب رسالت پر خدا کی طرف سے مأمور ہیں۔بخوبی ثابت ہوا اور مضمون وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کا آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن وظاہر ہوگیا''۔(انوار جمال مصطفیٰ ﷺ، صفحہ ۴۷)۔

رہا معراج شریف میں جبریل علیہ السلام کا پیچھے رہ جانا اور آپ ﷺ کا بلا تردد آگے چلا جانا؟ تو اس کا تعلق محض آپ ﷺ کی شان کے ظہور سے ہے (وقد مر بیانه')۔حضرت شیخ سعدی کے شعر کا بھی یہ مقصد نہیں کہ نبوت کے مسئلہ میں نبی کی روح مجرد اور روح متعلق بالبدن کا فرق ہوتا ہے اس میں بھی اسی شان ظہور کا فلسفہ

ہے کیونکہ آپ سید عالم ﷺ کی نبوت کے تقدم کے قائل ہیں جس کے بعد انقطاع کا قول ان سے ثابت نہیں
ومن ادعٰی فعلیہ البیان۔ بوستان میں فرماتے ہیں ؎

بلند آسمان پیش قدرت خجل
تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل
تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

یعنی آسمان اس قدر اونچا ہونے کے باوجود آپ کی عظمت کے آگے ایسے ہے جیسے پست زمین ہو آپ پیدا ہو چکے تھے جب کہ آدم علیہ السلام ابھی اپنے خمیر میں تھے۔ آپ سب سے اول اور سب موجودات کی اصل و بنیاد ہیں۔ آپ کے علاوہ جملہ موجودات آپ کی فرع ہیں۔ (صفحہ ۶، طبع قدیمی کراچی)۔

روح مجرد و متعلق بالبدن میں فرق نہیں تو چالیس سال سے پہلے اور بعد والے مرتبہ میں فرق کیوں؟

روح مجرد و متعلق میں فرق ہونے کی مزید دلیل دیتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ: اگر بچپن سے ہی آپ منصب نبوت پر فائز ہوتے تو چالیس سال کے طویل عرصہ تک وہ مرتبہ ومقام کیوں حاصل نہ ہوا جو ابتدائے وحی کے گیارہ سال بعد اور چوتھے شق صدر میں ظہور پذیر ہورہا ہے۔ جب کہ بدن سے تعلق سے قبل ہزاروں لاکھوں سال آپ کو وصل باری کا عظیم مرتبہ حاصل رہا جیسے کہ غوث کبیر نے فرمایا: ان المعرفة حصلت للنبی ﷺ حین کان الحبیب مع الحبیب ولا ثالث معھما الخ۔

یہ عظیم تفاوت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ چالیس سال تک روح اور بدن کا درمیانی پردہ مکمل زائل نہیں ہوا تھا اور چالیس سال بعد وہ مکمل زائل ہو چکا تھا۔ لہٰذا روح مجرد سے حلولی تعلق رکھنے والی روح میں فرق ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ ملخصاً (تحقیقات، صفحہ ۸۹، ۹۰)۔

الجواب: اس کا جواب تفصیلاً پہلے آچکا ہے ملاحظہ ہو: مغالطہ نمبر ۶ کی نام نہاد دلیل نمبر ۷ سے جواب۔

رہا پہلے اور بعد کا فرق مراتب؟ تو ہزاروں لاکھوں سال پہلے آپ کی وہ شان مرتبۂ ظہور میں تھی۔ بعد ولادت باسعادت تا چالیس سال مرتبۂ بطون واستتار میں ہوگئی۔ اس کے بعد اس کا ظہور ہوا۔ مرتبہ بطون پر ہونے کے زمانہ میں بھی ترقی جاری رہی اور شان میں اضافہ ہوتا رہا کیونکہ آپ تنزلی سے پاک ہیں۔ بعد از چالیس برس مرتبہ ومقام کا زیادہ ہونا بھی اسی شان ترقی کے باعث تھا قال تعالٰی وللاٰخرة خیرلك من الاولیٰ۔ ورفعنالك ذکرك۔ لہٰذا پردہ کا زوال بایں معنٰی لینا کہ شان نبوت کالعدم ہوگئی تھی، قطعاً غلط ہوا۔

بہرحال بعض کیفیات میں روح مجرد اور متعلق بالبدن میں فرق ہونا خارج از بحث ہے۔ بحث اس میں ہے کہ نبی کی روح مبارک جب اس کے بدن میں حلول کرے تو اس کی شان نبوت ختم یا کالعدم ہو جاتی ہے۔ اسی کو موصوف نے ثابت کرنا تھا جو نہیں کر سکے اور نہ ہی وہ کر سکیں گے۔

رہی عبارت غوث کبیر رحمہ اللہ تعالیٰ؟ تو یہ موصوف کے خلاف ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ معرفت الٰہی حضور کو اس زمانہ سے حاصل ہے جب کہ موصوف آغاز بحث میں یہ لکھ آئے ہیں کہ چالیس سال تک آپ کو معاذ اللہ معرفت حاصل نہ تھی۔

خلاصہ یہ کہ موصوف روح مجرد اور روح متعلق میں فرق ہونے کی بنیاد پر کنت نبیا والی نبوت کے تعطل کا تا حال کوئی صحیح معیاری ثبوت پیش کرنے میں نا کام ہیں۔ والحمد للہ۔

دو نبوتوں اور دو رسالتوں کے قول سے جواب:

رُوح مجرد اور روح متعلق بالبدن کے فرق کی مزید (اور آخری) دلیل موصوف نے یہ پیش کی ہے کہ ''جن حضرات نے ارشاد نبوی ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد کو ظاہری معنٰی پر محمول کیا اور آپ کے لیے عالم ارواح میں بالفعل نبوت تسلیم کی ہے انہوں نے آپ کے لیے دو نبوتیں اور دو رسالتیں تسلیم کی ہیں۔ پہلی عالم ارواح کے اعتبار سے اور دوسری عالم اجسام کے اعتبار سے حضرت العلامہ الامام الشیخ الجمل نبی مکرم ﷺ کے اسم مبارک ''الداعی'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وقد دعا ﷺ الخليقة في عالم الارواح والذر (الى) ودعا الخليقة ايضاً في عالم الاجساد بعد ان ظهر جسد االانسانيا آدميا (الى) انه نبئ في عالم الارواح والنور وارسل اليها بالفعل ودعاها ودلها ثم نبئ وارسل ثانيا في عالم الاجساد بعد بلوغه اربعين سنة من عمره فامتازعن الانبياء والرسل بانه نبئ مرتين وارسل مرتين الاولى في عالم الارواح للارواح والثانية في عالم الاجساد للاجساد الخ۔

آپ نے عالم اجساد میں نمودار ہونے پر بھی مخلوقات کو دعوت دی جب کہ آپ خود آدمیت وانسانیت والے جسم کی حالت میں ظہور فرما ہوئے۔ بے شک آپ کو عالم ارواح اور عالم ذر میں بالفعل نبی اور رسول بنایا گیا اور آپنے انہیں دعوت دی اور ان کی رہنمائی فرمائی۔ پھر آپ کو دوبارہ نبی اور رسول بنایا گیا عالم اجساد میں چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچنے کے بعد۔ تو آپ کو دوسرے انبیا و رسل علیہم السلام سے اس طرح انفرادیت حاصل ہو گئی کہ آپ کو دو مرتبہ نبی بنایا گیا اور دو مرتبہ رسول بنایا گیا۔ پہلی دفعہ عالم ارواح میں ارواح کے لیے اور دوسری دفعہ عالم اجسام میں اجسام کے لیے (بحوالہ جواہر البحار للنبہانی' جلد ثانی)۔

علامہ سلیمان جمل نے بھی دوسری جسمانی نبوت چالیس سال کی عمر میں تسلیم فرمائی اور پہلی روحانی نبوت کو بھی دائم اور باقی اور مستمر تسلیم کیا ہے اس کے سلب ہوجانے کا شائبہ بھی نہیں ظاہر ہونے دیا بلکہ روح مجرد اور روح کے بدن میں حلول اور عالم اجسام کی طرف نزول کا فرق واضح کیا ہے کہ روح اقدس کی ارواح کے لیے نبوت الگ معاملہ ہے اور بدن اقدس سے تعلق حلولی کے بعد ابدان واجسام انسانیہ کے لیے نبی ورسول ہونے کا معاملہ جداگانہ ہے۔ (ملخصاً بلفظہ) (تحقیقات صفحہ ۹۰ تا ۹۳)۔

الجواب: موصوف نے ایک بار پھر تسلیم کیا ہے کہ حدیث ''کنت نبیا'' الخ کو اس کے حقیقی معنٰی پر رکھنے والا علماء کا واقعی ایک جمّ غفیر ہے جیسا کہ ''جن حضرات کے'' ان کے الفاظ سے واضح ہے نیز یہ کہ آپ ﷺ اس عالم میں بالفعل نبی تھے جو ہمارے موقف کی بفضلہٖ تعالیٰ ایک بار پھر تصدیق وتائید ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ۔

○ رہے علامہ سلیمان الجمل علیہ الرحمۃ؟ تو انہوں نے اپنے اسی مضمون میں سید عالم ﷺ کے اسماء کریمہ ''رسول نبی'' کی تشریح میں یہ بھی لکھا ہے کہ نبی کے لیئے مطلقاً وحی کا ہونا کافی ہوتا ہے وحی ملکی کا ہونا لازم نہیں۔ نیز یہ بھی بلاتردید نقل فرمایا ہے کہ نبی اور رسول میں فرق ہے۔ نیز یہ کہ ایک فرق یہ ہے کہ نبی کا مأمور بالتبلیغ ہونا ضروری نہیں ہے حیث قال: ''النبی انسان خصه الله بسماع وحیه بملك ودونه''۔ نیز ''فهو اخص من مطلق النبی لزیادته علیه بالامر بالتبلیغ'' نیز وعلی هذا فبینهما التباین وعلی الاول بینهما العموم والخصوص المطلق'' (جواہر البحار جلد ۲ صفحہ ۳۶۴)۔

آپ نے ان کے اس قول کو کب مانا ہے؟ یا پھر ایک جگہ وہ حجت ہیں اور دوسری جگہ نا قابل احتجاج ہیں؟ خدارا انصاف۔

○ علاوہ ازیں ان کی پیش کردہ عبارت میں کوئی ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا یہ معنٰی یا مطلب ہو کہ آپ ﷺ کی عالم اواح والی بالفعل نبوت آپ کے عالم اجساد میں تشریف لانے کے بعد معطل یا کالعدم ہوگئی تھی اس لیئے آپ کو دوبارہ نبی بنایا گیا بلکہ اس کے برعکس وہ آپ ﷺ کی اس نبوت کے دوام واستمرار کو مان کر دوسری نبوت کا قول کررہے ہیں جس کا خود مصنف تحقیقات کو بھی اقرار ہے جو ان کی منقولہ عبارت مذکورہ میں موجود ہے لہٰذا ان کی یہ عبارت آپ ﷺ کی نبوت کے مراتب ظہور کے بیان میں ہونے پر متعین ہوئی۔

پس فرق ظہور کی نوعیت کے مختلف ہونے کے حوالہ سے ہے۔

نیز یہ بھی اظہر من الشمس ہوگیا کہ اسے عالم ارواح والی نبوت کی نفی پر محمول کرنا توجیہ القول بما

لا یرضٰی به قائله' ہے اور سخت پیوندکاری اور خانہ ساز مطلب۔

ہمارے اس موقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے (مراتب ظہور والے موقف کی) کہ بعض اجلّہ نے آپ ﷺ کے بارے میں چار بار نبوّت کے ملنے (اور آپ کی چار نبوتوں) کا قول بھی کیا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ احمد سلاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ہدایت قبالہ ''تعظیم الاتفاق فی آیة اخذالمیثاق'' کے آخر میں ارقام فرمایا ہے کہ: ''ان نبوة مقدرة فی العلم اولا ای تعلق علم الله بانه یصیر نبیا وھذه المرتبة الاولٰی ثم خلق نوره وھذه المرتبة الثانیة ثم کتبه فی ام الکتاب وھذه ھی المرتبة الثالثة والنبوة الثانیة ثم اظھره للملئکة وھذه المرتبة الرابعة والنبوة الثالثته ثم اظھره للوجود وھذه المرتبة الخامسة والنبوة الرابعة فقد علم اتصاف حقیقة بالاوصاف الشریفة المفاضة علیه من الحضرة الالٰھیة من اول الامر قبل خلق کل شئ وانما تأخراتصافة بالاوصاف الوجودیة العینیة لجسده مما وجد فی الدنیا''۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حقیقت مقدسہ کو شروع ہی سے جملہ مخلوقات سے پہلے نبوت سمیت تمام کمالات سے متصف فرمایا تھا آپ کی نبوت آپ کے سب کمالات کا سرچشمہ ہے جس کے پائے جانے کے چار مختلف مراحل ہیں: نمبر۱' سب سے پہلے آپ کا نبی ہونا علم الٰہی میں مقدر تھا۔ نمبر۲' آپ کے نور مبارک کو پیدا فرمائے جانے کے بعد آپ کے نبی ہونے کو لوح محفوظ پر لکھا گیا۔ نمبر۳' اس کے بعد ملئکہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ آپ میرے نبی ہیں اور نمبر۴' عالم اجسام میں آپ کی جلوہ گری کے بعد اس کا اظہار عمل میں لایا گیا۔ ملاحظہ ہو (جواہر البحار' جلد۴' صفحہ۲۱۱)۔

اقول: موصوف نے بھی بعینہٖ یہی عبارت استناداً نقل کی اور حضرت شیخ سلاوی کو 'علامہ محقق' کر کے لکھا ہے'' ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ۹۵' ۹۶) پس یہ ان پر حجت قاطعہ ہوئی جس سے ثابت ہوا کہ جب چار نبوتیں کہنے سے آپ ﷺ کی شان نبوت کا ظہور مراد ہے جس سے نبوت کو کالعدم کہنا مقصود نہیں تو اسے نبوتین و رسالتین سے تعبیر کرنا بھی اسی فلسفہ پر مبنی ہے۔

البتہ موصوف نے عبارت ہٰذا کے ترجمہ میں ''حصول نبوت'' کے الفاظ اپنی طرف سے سیٹ کر دیئے ہیں جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ہاں اتنا مہربانی فرمائی ہے کہ ان الفاظ کو بین القوسین (بریکٹ) میں رکھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ۹۶)۔

اگلے ایڈیشن میں قوسین اڑ گئے تو ان کے یہ ذاتی الفاظ عبارت کا حصہ بن کر عام قارئین کے لیے

پریشانی کا باعث بن جائیں گے (اور مصیبت عظمیٰ)۔ اللہ خیر کرے۔

ثم اقول: چار مراتب ظہور کا ذکر علامہ سلاوی علیہ الرحمۃ کے مطابق ہے جس سے زائد کی نفی مقصود نہیں، زائد ممکن بھی ہیں مثلاً بعض علماء نے عالم ذر میں موقع میثاق نبوت کو بھی اس کا ایک مستقل مرتبہ شمار فرمایا ہے (کما فی لطائف المعارف لابن رجب ومدارج النبوۃ للشیخ المحقق ناقلاً عن البعض وقد مر مفصلاً فی موضعہ)۔

لجسدہ سے مناظہ کا رد:

عبارت ہذا میں "لجسدہ" سے مراد بھی وہی ظہور ہے کیونکہ علامہ سلاوی علیہ الرحمۃ اپنی اسی عبارت میں آپ ﷺ کے شروع ہی سے تمام کمالات سے متصف ہونے کی تصریح فرما چکے ہیں۔ نیز گزشتہ صفحات میں کئی مقامات پر ہم علامہ کتانی اور علامہ احمد عابدین وغیرہما رحمہم اللہ کے اقوال (جلاء القلوب نیز جواہر جلد ۳، صفحہ ۳۵۷ کے حوالہ سے) پیش کر آئے ہیں کہ آپ ﷺ روحاً جسداً ہر طرح سے تمام انبیاء علیہم السلام سے مقدم ہیں "روحا لما مروجسدالان مادۃ جسدہ ﷺ خلقت قبل سائر المواد لحدیث کعب الاحبار"۔

لہٰذا چالیس سال کے بعد جسمانی نبوت کے ہونے کی رٹ کا بھی اس سے جواب آ گیا (وللہ الحمد)۔

مزید دلائل: شیخ الجمل رحمہ اللہ کی عبارت کے مراتب ظہور پر محمول ہونے کی مزید دلیل یہ ہے کہ کسی چیز کے کئی بار ملنے سے سابق کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ اس سے سابق کی تاکید بھی مقصود ہوتی ہے جس کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں بعض ملاحظہ ہوں:

- چنانچہ قرآن مجید کی بعض سورتیں اور آیتیں آپ ﷺ کو دو دو بار دی گئیں جیسے سورۂ فاتحہ (جو ایک قول پر مکی بھی ہے اور مدنی بھی کما فی تفسیر البیضاوی وغیرہ)۔ نیز سورۂ بقرہ شریف کی آخری آیتیں (آمن الرسول تا آخر) وغیرہا۔

اگر دوبارہ ملنے کا یہ معنیٰ ہو کہ پہلی دفعہ والی شان ختم ہوگئی تو سورۂ فاتحہ اور امن الرسول الخ کے متعلق بھی یہی کہنا پڑے گا جو درست نہیں۔

- اسی طرح سید عالم ﷺ مرکز ہدایت ہونے کے باوجود تا وصال مبارک یہ دعا فرماتے رہے "اھدنا الصراط المستقیم" الٰہی ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔

نیز آپ ﷺ تہجد کے وقت اپنے سراپا نور ہونے کی جو دعا فرماتے تھے (جسے دعا نور کہا جاتا ہے اور صحیحین نیز ترمذی اور مسند احمد میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ مختلف الفاظ سے منقول ہے) وہ بھی اسی

مد میں آتی ہے حالانکہ آپ پہلے سے سراپا نور تھے۔
نیز حضرت سیدنا خلیل اللہ اور سیدنا ذبیح اللہ علیہما السلام کی اس قرآنی دعا سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے ربنا و اجعلنا مسلمین لك ''مالک! ہم دونوں کو اپنے لیئے مسلمان بنا (البقرۃ) کہ اس سے مقصود مزید ثبات اور ترقی ہے ورنہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ بہت خطرناک بات لازم آئے گی جو بذات خود کفر ہے قال تعالی و لاینال عهدی الظالمین۔
امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ذیل سے بھی اس کی رہنمائی ملتی ہے۔ چنانچہ آپ حضرت صدیق اکبر اور حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہما کے متعلق استعمال کیئے گئے الفاظ کہ ''وہ فلاں دن اسلام لائے'' کے ان کے پہلے سے مسلمان ہونے کے منافی نہ ہونے کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''رب العزّۃ عزّو جلّ اپنے خلیل جلیل سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت فرماتا ہے: ''اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العلمين ''جب اس سے فرمایا اس کے رب نے کہ اسلام لا بولا میں اسلام لایا رب العلمین کے لیئے جب خلیل کبریا علیہ الصلاۃ والثناء کو اسلام لانے کا حکم ہونا اور ان کا عرض کرنا کہ میں اسلام لایا معاذ اللہ ان کے ایمان قدیم و اسلام مستمر کا منافی نہ ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم التحیۃ والثناء کی طرف (الیٰ) کبھی کسی وقت ایک آن کے لیئے بھی غیر اسلام کو اصلاً راہ نہیں؟
تو صدیق و مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ فلاں دن مسلمان ہوئے اس روز اسلام لائے۔ ان کے اسلام سابق کے معاذ اللہ کیا مخالف ہوسکتے ہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۸ صفحہ ۴۶۱ طبع رضا فاؤنڈیشن لاہور مطبوعہ ۲۰۰۵ء)۔
اقول: اگر قرآن' ہدایت اور اسلام کے لیئے دوبارہ آنے یا ملنے کے الفاظ سے پہلی موجودگی کی نفی نہیں ہوتی تو نبوتین اور رسالتین کہنے سے پہلے سے موجود نبوت کو کالعدم قرار دینا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟
حرف آخر: اس سب سے قطع نظر جب حضرت شیخ سلیمان الجمل رحمہ اللہ کے اس قول کا مأخذ مسئلہ ہٰذا کی احادیث ہیں یعنی حدیث کنت نبیا و ادم بین الروح و الجسد نیز انی عند الله لمکتوب خاتم البنین و ان ادم لمنجدل فی طینة (وغیرہما)۔ اور ان کا مفاد اثبات و استمرار نبوت ہے جیسا کہ اول الذکر حدیث کے پس منظر (سؤال صحابۂ کرام) اور ثانی الذکر کے مضمون سے ظاہر ہے۔
نیز جلد اوّل کے آخر میں امام کتانی قدس سرّہ النورانی کا یہ ارشاد بھی نقل کیا جاچکا ہے کہ بعد ولادت باسعادت تا چالیس برس آپ ﷺ کو نبی نہ ماننے کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس عالم میں جو نبوت

دی تھی وہ اس نے اس زمانہ میں آپ سے سلب کر لی جو صحیح نہیں حیث قال: ''ان النبوۃ التی البسہ اللہ ایاہ سلبھا''۔

بناءً علیہ یہی ماننا لازم ہوا کہ دوسری نبوت و رسالت سے مراد بہ ہیئت کذائیہ اس کا ظہور ہی ہے نہ کہ پہلے نبی نہ ہونے کے باعث نبی بننا۔ بہر حال مولانا نے عالم ارواح والی نبوت مقدسہ کے عالم اجسام میں معاذ اللہ کالعدم اور نامعتبر ہو جانے کے جو بزعم خویش انتہائی لاجواب اور مضبوط قسم کے آٹھ دلائل (مغالطہ نمبر۴ کے تحت) پیش کیے ہیں ایک ایک کر کے ان سب کا ردّ بلیغ کر کے ان کا بالکل بوگس اور تار عنکبوت سے بھی اوہن ہونا ہم نے ثابت کر دیا ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

مغالطہ نمبر ۷ (استفادہ واستفاضہ از زید بن عمرو رضی اللہ عنہ بروایت ابونعیم) **کارکن:**
لکھتے ہیں: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: سمعت زید بن عمرو بن نفیل یعیب اکل ماذبح لغیر اللہ فماذقت شیئا ذبح علی النصب حتی اکرمنی اللہ برسالتہ میں نے (موحد جاہلیت حضرت) زید بن عمرو بن نفیل کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے کھانے پر تنقید اور اعتراض کرتے سنا تو میں نے (بتوں کی عبادت کے طور پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کا) کبھی گوشت نہیں چکھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت ورسالت کا اعزاز بخشا (اور ان ذبیحوں کی حرمت اور قباحت براہِ راست مجھ پر واضح فرمائی) (خصائص بروایت ابونعیم، صفحہ ۸۹)۔ اگر آپ خود نبی تھے تو آپ کو بذات خود الہام ووحی کے ذریعے یہ حکم معلوم ہونا ضروری تھا۔ حضرت زید بن عمرو سے سن کر کیوں یہ حکم معلوم ہوا؟ بلکہ جب آپ نبی تھے تو ایسے احکام کی تبلیغ بھی کرنی چاہیے تھی تا کہ لوگ آپ سے استفادہ واستفاضہ کرتے اور مقصد نبوت کی تکمیل ہوتی فتامل حق التامل جب کہ اس روایت کی رو سے آپ حضرت زید سے استفادہ فرما رہے ہیں حالانکہ وہ نبی نہیں ہیں'' اھ بلفظہ۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۴۲، ۱۴۳)۔

الجواب: روایت ہذا مولانا کو کسی طرح مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ یہ

جواب نمبر ۱: سنداً صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ابونعیم (کی محولہ کتاب دلائل النبوۃ) میں اس کی سند اس طرح ہے: حدثنا محمد بن علی الفقیہ فی کتابہ قال ثنا عبداللہ بن ابی داؤد قال ثنا اسحق بن وھب العلاّف قال ثنا یعقوب بن محمد الزھری قال ثنا عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن عروۃ عن ھشام عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا الخ۔

محمد بن علی کے بارے میں امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''قد تکلم فیہ ابن الولید الباجی ولم یکن بالجید النظر ولا بالقوی فی الفقہ (الی) وطعن ابن عبدالبر فیہ ایضاً''۔

خلاصہ یہ کہ اس کو علامہ ابن الولید الباجی نیز ابن عبدالبر نے بھی مطعون کرتے ہوئے متکلم فیہ قرار دیا ہے اسے فقہ میں صحیح درک نہ تھا اور نہ اسے کچھ ملکہ حاصل تھا۔

ملاحظہ ہو۔ (لسان المیزان، جلد ۵، صفحہ ۲۹۱، ۲۹۲، طبع ملتان)۔

نیز یعقوب بن محمد زہری کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: لیس بشئ

لیس یسوی شیئا علم حدیث میں پرکاہ کے برابر بھی اس کی حیثیت نہیں ہے۔

امام ابن معین نے فرمایا: ما حدثکم عن الثقات فاکتبوہ ومالا یعرف من الشیوخ فدعوہ

نیز فرمایا صدوق ولکن لا یبالی عمن حدث' احادیثہ تشبہ احادیث الواقدی "ثقات سے روایت لائے تو لے لو غیر مشاہیر مشائخ سے بیان کرے تو اسے چھوڑ دو فی نفسہ درست ہے لیکن ہر کہ و مہ سے روایتیں لاتا اور غفلت سے کام لیتا ہے' اس کی روایتیں واقدی کی روایات جیسی ہیں۔

امام ابوزرعہ نے فرمایا: "واھی الحدیث "فن حدیث میں کمزور ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ اور ابن زبالۂ واقدی اور عمر بن ابی بکر ملیکی" یتقاربون فی الضعف "ضعیف ہونے میں ایک جیسے ہیں۔

ساجی نے کہا "منکر الحدیث " یہ منکر الحدیث ہے۔ وکان ابن المدینی یتکلم فیہ ابن مدینی کو اس پر کلام تھا۔

عقیلی نے کہا: "فی حدیثہ وھم کثیر ولا یتابعہ الامن ھو نحوہ "اس کی روایات میں بہت وہم پایا جاتا ہے اور اس کی متابعت بھی اس جیسوں ہی سے آئی ہے۔

ابوالقاسم بغوی نے کہا: فی حدیثہ لین اس کی روایات میں کمزوری پائی جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو۔ (تہذیب التہذیب' جلد ۱۱' صفحہ ۳۴۷' ۳۴۸' طبع ملتان)۔

اگلے راوی عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن عروہ کے بارے میں ذہبی اور علامہ عسقلانی نے ارقام فرمایا: قال ابن حبان یروی الموضوعات عن الثقات وقال ابوحاتم الرازی متروك الحدیث وساق لہ ابن عدی احادیث ثم قال عامتھا ممالا یتابعہ علیھا الثقات یعنی ابن حبان نے کہا یہ شخص ثقات کے حوالہ سے من گھڑت روایتیں لاتا ہے۔ ابوحاتم رازی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔ ابن عدی نے اس کی بیان کردہ کئی روایات کو لانے کے بعد کہا کہ ان میں زیادہ تر روایتوں کی' ثقات سے کوئی متابعت ثابت نہیں ہے۔

(میزان الاعتدال' جلد ۲' صفحہ ۴۸۶' لسان المیزان' جلد ۳' صفحہ ۳۳۱)۔

نیز علامہ عسقلانی لکھتے ہیں: ابوحاتم نے کہا "ضعیف الحدیث جدا" حدیث میں انتہائی ضعیف ہے ذکرہ العقیلی فی الضعفاء عقیلی نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا "فقال لا یتابع علی کثیر من حدیثہ اس کی بہت سی روایات ایسی ہیں جن کی متابعت ثابت نہیں۔

ابن حبان نے کہا یہ ابن زاذان کے نام سے معروف ہے۔ ابن حجر نے ابن زاذان کے ترجمہ میں مزید لکھا ہے: "ھالك " یہ تباہ حال ہے۔ ابونعیم نے کہا "ضعیف " یہ ضعیف ہے۔ ابن عدی نے کہا "احادیثہ

غیر محفوظة ''اس کی کوئی رایت محفوظ نہیں۔ نیز اس کی ایک روایت لانے کے بعد ابن حجر نے کہا: ''ھذا کذب '' یہ جھوٹ ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (لسان المیزان' جلد۳' صفحہ۳۳۲)۔

اگلے راوی ہشام بن عروہ کے متعلق امام ابن حجر عسقلانی نے ابوالحسن بن القطان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ''تغیر قبل موته ولم نرله فی ذلك سلفا '' یہ اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے متغیر ہوگیا تھا' اس کا حافظہ خراب ہوگیا تھا اس حالت میں اس نے اس طرح سے روایات بیان کیں کہ ہمیں ان کا کوئی مؤید نہ ملا۔ (تہذیب التہذیب' جلد۱۱' صفحہ۴۶)۔

اگلے روای حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ عسقلانی ارقام فرماتے ہیں: ''قال الدار قطنی لایصح سماعه من ابیه یعنی امام دارقطنی نے فرمایا ان کا اپنے والد ماجد سے سماع ثابت نہیں ہے ۔ (تہذیب التہذیب' جلد۷' صفحہ۱۶۶)۔

خلاصہ یہ کہ اس کی سند پر ائمہ شان کی سخت جرحیں ہیں ۔ پس یہ روایت سخت ضعیف بلکہ موضوع و منگھڑت ہے۔

اب یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مصنف تحقیقات کو اس کے اس درجہ پر ہونے کا علم نہیں تھا ورنہ ''شیخ الحدیث'' کا عنوان غلط ہوجائے گا لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ معاذ اللہ عظمت نبی ﷺ کو گھٹانے کی غرض سے ایسی ردی روایت سے دیدہ و دانستہ استدلال کر کے عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

جواب نمبر۲: روایت ہٰذا متناً بھی صحیح نہیں کیونکہ حقائق واقعیہ اور دلائل صحیح کثیرہ سے متعارض بھی ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حضرت زید بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مذکور فی الروایۃ گفتگو کے سماعت فرمانے سے پہلے ذبیحۂ اصنام معاذ اللہ تناول فرمالیا کرتے تھے جو بالکل غلط ہے کیونکہ آپ ﷺ شروع ہی سے فطرۃً بتوں سے شدید متنفر تھے' ذبیحہ اصنام کا استعمال تو کجا آپ کو بتوں کا نام سننا بھی گوارا نہیں تھا نیز صحیح بخاری کی روایت میں مصرح ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت زید بن عمرو کے انکار کرنے سے پہلے ہی ذبیحہء اصنام کے قبول فرمانے سے انکار فرمایا تھا پس یہ روایت' صحیح بخاری کی صحیح ثابت حدیث سے ٹکرانے کے باعث بھی مخدوش ٹھہری یعنی صحیح بخاری کی صحیح حدیث کے متن میں مصرّح ہے کہ آپ ﷺ' زید بن عمرو بن نفیل کے ذبیحۂ اصنام پر طعن سے پہلے ہی اس سے فطری نفرت رکھتے تھے جب کہ پیش کردہ غلط روایت سے مولانا کے حسب بیان یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ان سے سن کر رائے قائم فرمائی تھی۔ لہٰذا یہ کسی طرح لائق التفات نہیں۔ بعض حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

○ چنانچہ امام جلال الملة والدین السیوطی رحمۃ اللہ نے بحوالہ امام بیہقی بروایت امام مغازی ابن اسحاق ارقام فرمایا کہ بصریٰ شام میں جب آپ ﷺ بعمر بارہ سال جناب ابوطالب کی ہمراہی میں تشریف لے گئے (حسب تصریح علامہ نبہانی اس وقت عمر شریف علی الراجح نو برس تھی۔ حجۃ اللہ صفحہ ۱۵۷) اور مشتاق زیارت حضرت بحیرا راہب نے آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا تو انہوں نے یہ جاننے کے لیئے کہ آپ واقعۃً وہی ہستی ہیں یا نہیں جن کی کتب سابقہ میں بشارتیں تھیں، لات وعزّٰی کی قسم دے کر آپ سے کچھ تفصیلات لینا چاہیں تو آپ نے انہیں جھٹک کر فرمایا لا تسألنی باللات والعزّٰی شیئا فو اللہ ما ابغضت بعضھما شیئا قط "آپ مجھ سے ان کا واسطہ دے کر کچھ مت پوچھو کیونکہ اللہ کی قسم مجھے جتنی شدید نفرت ان سے ہے کسی اور مبغوض چیز سے قطعاً نہیں ہے۔

انہوں نے عرض کی "فباللہ الا ما اخبرتنی عما اسئلك عنه" میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میں آپ سے جو پوچھوں آپ اس کی وضاحت فرمائیں۔ فرمایا: "سلنی عما بدالك" جو چاہو پوچھو ملاحظہ ہو (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۴،۸۵)۔

روایت ہٰذا ما نحن فیه کی واضح دلیل ہے جو محتاج بیان نہیں۔

○ علامہ ابن الجوزی حنبلی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ کہنا کہ آپ (قبل از اعلان نبوت) اپنی قوم کے دین پر تھے گندی بات ہے "الیس کان لا یأکل ماذبح علی النصب" کیا ایسا نہیں ہے کہ آپ ﷺ ذبیحۂ اصنام کو تناول نہیں فرماتے تھے؟ (الوفاء، صفحہ ۱۳۹، طبع نوریہ فیصل آباد)۔ علامہ ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اس کے قائل کے لیے قاتله اللہ کے لفظ استعمال فرمائے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو نیز فرمایا کہ ایسے شخص کے ساتھ بیٹھنا اور بولنا بھی جائز نہیں اور یہ فرمایا اگر ایسا ہو تو باقی رہ کیا گیا۔ ملاحظہ ہو۔ (لطائف المعارف، صفحہ ۹۸، طبع بیروت)۔

○ نیز امام ابن حجر، علامہ ابوعبدالملک البونی کے حوالہ سے رقم طراز ہیں کہ انہوں نے فرمایا "لان اللہ تعالٰی فطر محمدا ﷺ علی التوحید و بغض الیه الاوثان"۔

نیز مہلب کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: قصد البخاری الاخبار عن حال النبی ﷺ فی حال منشأه و ان اللہ بغض الیه الاوثان"۔ (فتح الباری، جلد ۱، صفحہ ۱۴، طبع قاہرہ، مصر)

خلاصہ یہ کہ ان علماء کے حسب تصریحات آپ ﷺ کو بتوں سے فطرۃً شدید نفرت تھی جو آپ کے شروع ہی سے ذبیحۂ اصنام سے متنفر ہونے کی دلیل ہے۔

مولانا نے بھی یہ عبارتیں استناداً نقل کر کے ان کا اردو ترجمہ کیا ہے' لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے محمد کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو توحید پر اور اوثان اور اصنام کی عداوت پر پیدا فرمایا۔ امام مہلب نے فرمایا امام بخاری علیہ الرحمۃ کا مقصد ہے نبی مکرم ﷺ کے احوال منشأ اور آغاز ولادت کی کیفیات سے خبر دینا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اوثان واصنام کو آپ کے ہاں مبغوض اور ناپسندیدہ ٹھہرایا''۔ (ملخّصاً بلفظہ)۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۶۰' ۶۱)۔

نیز امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا منقولہ قول بھی موصوف نے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (سیرت سید الانبیاء ﷺ صفحہ ۱۷۷' طبع لاہور)۔ ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسناد سے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لکھا ہے کہ وحی جلی کے نزول سے پہلے کے زمانہ میں مکۃ المکرّمہ کے نواحی علاقہ بَلْدَح کے نشیب میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی ''فقدمت الی النبی ﷺ سفرۃ فابی ان یأکل منھا ثم قال زید انی لست اکل مماتذبحون علی انصابکم ولا اکل الا ماذکراسم اللہ علیہ وان زید بن عمر وکان یعیب علی قریش ذبائحھم '' (صحیح بخاری' جلد۱' صفحہ ۵۳۹' ۵۴۰' المناقب' نیز جلد ۷' صفحہ ۱۷۶' مع فتح الباری' صفحہ ۲۶' ۳۸' طبع قاہرہ)۔

فی روایۃ فقدم الیہ رسول اللہ ﷺ سفرۃ لحم فابی ان یأکل منھا الخ (صحیح بخاری' جلد۲' صفحہ کتاب الصید والذبائح' طبع کراچی' نیز فتح الباری' جلد۹' صفحہ ۵۴۹۹)۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت ارقام فرماتے ہیں: ''جمع ابن المنیر بین ھذا الاختلاف بان القوم الذین کانوا ھناك قدموا السفرۃ للنبی ﷺ فقد مھا لزید فقال زید مخاطبا لاولئك القوم ما قال ''۔ نیز لکھتے ہیں ''وقولہ سفرۃ لحم فی روایۃ ابی ذر سفرۃ فیھا لحم '' (فتح الباری' جلد۹' صفحہ ۷۷۹' تحت ۵۴۹۹)۔

سب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں نے آپ ﷺ کے لیے دسترخوان لگایا جو گوشت پر مبنی یا مشتمل تھا۔ آپ نے اس کے تناول فرمانے سے صاف انکار فرمایا۔ آپ نے حضرت زیدہ کے لیے اس کے پیش کرنے کا اشارہ دیا تو انہوں نے بھی اس کے کھانے سے انکار کیا پھر ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا میں انصاب پر تمہارے ذبح کردہ جانور کا گوشت نہیں کھایا کرتا' میں تو محض اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت کھاتا ہوں۔ قریش کے بتوں کے نام پر ذبح کرنے کے عمل پر چوٹ کرتے رہنا حضرت زید بن عمرو کے معمولات سے تھا۔

ابن بطال نے بھی اس کی یہی توجیہ کی۔

ملاحظ ہو (فتح الباری' جلد ۷' صفحہ ۱۸۱' تحت حدیث نمبر ۳۸۲۷)۔

نیز فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۸۱ طبع قاہرہ میں ہے: ''قال الخطابی کان النبی ﷺ لا یأکل مما یذبحون علیہا للاصنام)''یعنی امام خطابی نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ قبل از ظہور نبوت بھی ذبیحۂ اصنام بالکل تناول نہیں فرماتے تھے۔

نیز حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ''بخاری شریف میں ہے کہ حضور نے نبوت سے پہلے بھی بتوں کے نام کا ذبیحہ نہ کھایا''۔ ملاحظہ ہو (نور العرفان' صفحہ ۱۷۴ حاشیہ نمبر ۱۵' تحت ایت نمبر ۲۰' سورۂ کہف۔ طبع لاہور ۱۳۷۷ھ)۔

صحیح بخاری شریف کی اس حدیث' اس کی شروح اور دیگر دلائل سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کا ذبیحۂ اصنام سے تنفر حضرت زید کا خطاب سننے کی بنیاد پر نہیں بلکہ فطری طور پر تھا اور آپ شروع ہی سے اس سے دور اور نفور تھے اور واقعۂ خاص میں بھی صراحت سے مذکور ہے کہ آپ نے ذبیحۂ اصنام کے تناول کرنے سے حضرت زید کے انکار و تبصرہ سے پہلے انکار فرماتا تھا حضرت زید سے سن کر نہیں جیسا موصوف نے سمجھا اور لکھا ہے جس کے غلط ہونے کی مزید دلیل خود ان کی یہ مسلّم تصریح بھی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے محمد کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو توحید پر اور اوثان اور اصنام کی عداوت پر پیدا فرمایا'' جو ابھی پیش کی جا چکی ہے۔ والحمد للہ علی ذلک

جواب نمبر۳: موصوف کا یہ استدلال علماء شان کی ان تصریحات کے بھی خلاف ہے جن میں یہ مصرّح ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ ﷺ اس وحی پر عمل پیرا تھے جو آپ پر براہِ راست ہوتی تھی اور شریعت ابراہیمیہ کے موافق ہوتی تھی جیسا کہ دعوت رجوع رجوع ۱۴' نیز تنبیہات جلد اول میں شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۰ (وغیرہ) کے حوالہ سے ہم لکھ آئے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا'' سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے۔ اسی لیئے خاص نفس مسئلہ میں بعض ائمہ نے یہ توجیہ فرمائی کہ آپ ﷺ نے اس میں حضرت زید سے اس لیئے موافقت فرمائی کہ اس بارے میں اس وقت صریحاً کوئی حکم آپ پر نہ اترا تھا یعنی عادت کریمہ یہ تھی کہ غیر منصوص میں آپ صالحین سے موافقت فرما لیا کرتے تھے جیسا کہ جواب نمبر ۶ میں بھی آ رہا ہے۔

چنانچہ فتح الباری جلد ۷' صفحہ ۱۸۱ طبع قاہرہ میں ہے: قال الخطابی وقیل لم ینزل علی النبی ﷺ فی تحریم ذلک شیءاھ۔

مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی عبارت میں ''نبوت سے پہلے'' سے مراد خود ان کی تصریحات کے مطابق قبل از اعلان نبوت ہے (وقد مروسیأتی ایضاً)۔

جواب نمبر۴: اس سے قطع نظر روایت کا کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس کا معنٰی حضرت زید سے استفادہ یا استفاضہ ہو۔ مولانا نے اپنے زعم کو بچانے کے جذبہ سے مغلوب ہو کر آپ ﷺ کو معاذ اللہ دوسرے عام لوگوں سے بھی استفادہ کا محتاج بنا دیا جس کی وساطت سے یہود و نصاریٰ کے لیئے بھی اعتراض کی راہ ہموار کر دی۔

وجہ استدلال بیان کرتے ہوئے طرز بھی وہابیانہ اپنائی یعنی وہابیہ بھی بڑی دیدہ دلیری سے تحریراً تقریراً زبان کھول کر کہہ دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کو فلاں چیز کا علم تھا تو یوں کیوں ہوا؟ اختیار تھا تو۔ یوں کیوں نہ ہوا؟ وغیرہ وغیرہ۔

مولانا نے بھی اسی انداز میں منہ پھاڑ کر اگل دیا ہے کہ ''اگر آپ خود نبی تھے تو آپ کو حضرت زید سے سن کر کیوں یہ حکم معلوم ہوا''۔ العیاذ باللہ۔ اور اس میں وہ وہابیہ سے بھی چند قدم آگے چلے گئے کیونکہ وہ عموماً آپ کے کمالات نبوت پر اس طرز پر کلام کرتے ہیں جب کہ موصوف نے خود سرچشمۂ کمالات (نبوت) پر ہی ہاتھ صاف کر دیا۔ ان کے تصور سے ہٹ کر ان کے ان جملوں کو پڑھا جائے تو ایسے لگتا ہے جیسے کوئی ازلی دشمن بول رہا ہو۔

جواب نمبر۵: اس سے قطع نظر استفادہ کو بھی مطلقاً منافیٔ نبوت سمجھنا غلط ہے۔ چنانچہ حضرت موسٰی کلیم علیہ التحیۃ والتسلیم جیسے اولوالعزم پیغمبر نے حضرت خضر علیہ السلام سے استفادہ فرمایا جو قرآن مجید میں مذکور ہے ''هل اتبعك علٰى ان تعلمنى مماعلمت رشدا''۔

نیز حدیث میں ہے کہ آپ نے عجوز بنی اسرائیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کے مزار شریف کے محل وقوع کا استخبار فرمایا (الامن والعلی)

حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہ صلوٰۃ الرب الجلیل نے قبیلہ جرہم سے عربی زبان سیکھی تو گویا معاذ اللہ حضرت کلیم و ذبیح علیہما السلام ان سے استفادہ کر کے نبی نہ رہے؟

معروف تابعی حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کچھ معلومات حاصل کیں (تہذیب التہذیب وغیرہ)۔

تو کیا اس سے ان کی صحابیت جاتی رہی؟

جواب نمبر۶: بلکہ بعض غیر منصوص نوعیت کے اور دینی قسم کے مسائل میں توافق بھی اور وہ بھی اعلان نبوت کے بعد' نبوت کے منافی نہیں چہ جائیکہ قبل از اعلان نبوت اسے منافی نبوت قرار دیا جائے۔ چنانچہ آج سے کم وبیش پانچ سال پہلے صحیحین کے حوالہ سے موصوف کو ہم لکھ کر دے چکے ہیں جس کا جواب انہوں نے آج تک نہیں دیا۔ فقیر نے انہیں لکھا تھا کہ: ''صحیحین کی متفق علیہ حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کان النبی ﷺ یحب موافقة اهل الکتاب فیما لم یؤمر فیه الخ یعنی (بعد از اعلان نبوت بھی) نبی کریم ﷺ کو جس امر میں واضح حکم نہیں ہوتا تھا۔ آپ اس میں اہل کتاب سے موافقت کو پسند فرماتے تھے (مشکوٰۃ شریف' صفحہ ۳۸۰' باب الترجل)۔

پس جب اعلان نبوت کے بعد کسی سابقہ شریعت سے موافقت کو پسند کرنا نبی ورسول ہونے کے منافی نہیں تو قبل از اعلان نبوت اس سے کیونکر تنافی لازم آ گئی؟ (دعوت رجوع' صفحہ ۴۴' ۴۵)۔

جواب نمبر۷: اس سب سے قطع نظر وبر تقدیر تسلیم روایت' اس سے مقصود یہ بتانا نہیں کہ میں نے یہ مسئلہ ان سے سیکھ کر اس پر عمل کیا بلکہ اس سے مقصود حضرت زید کے مؤمن ہونے پر مہر لگانا ہے کہ وہ اس گئے گزرے دور میں بھی کھل کر امور کفر کی مذمت کرتے تھے جیسا کہ دیگر کئی احادیث میں بھی موجود ہے کہ ان کا خاتمہ بالخیر ہوا اور وہ جنتی ہیں۔ لہٰذا اس کا ''فما ذقت'' والا حصہ بہر حال غیر محفوظ ہے۔

حرمت ذبیحۂ اصنام کی تبلیغ کیوں نہ فرمائی؟

رہا یہ کہ ''جب آپ نبی تھے تو ایسے احکام کی تبلیغ بھی کرنی چاہئے تھی تا کہ لوگ آپ سے استفادہ کرتے اور مقصد نبوت کی تکمیل ہوتی؟

تو جواباً عرض ہے کہ آپ نبی یقیناً تھے کیونکہ حدیث صحیح میں مصرح ہے ''کنت نبیا '' الخ جس کے بعد اس کے انقطاع کی کوئی دلیل ثابت نہیں۔ بناءً علیہ آپ کا تبلیغ نہ فرمانا محض اس وجہ سے تھا کہ آپ کو اس کا امر نہیں ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ خود اعلان نبوت کے بعد بھی فوری طور پر ان امور سے یک دم منع نہیں فرمایا جن کو بعد میں ممنوع فرمانا منظور تھا بلکہ کسی کو کچھ مدت بعد ممنوع فرمایا اور بعض کو کافی عرصہ بعد ناجائز بتایا۔ اس کی مکمل باحوالہ بحث کتاب ہٰذا کے اسی جلد میں گزر چکی ہے۔ جس کی ایک مزید مثال یہ بھی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض حلال جانوروں کو اللہ تعالیٰ کا نام لیئے بغیر ذبح کرنے کا بھی رواج تھا جس سے آپ ﷺ نے اعلان نبوت کے فوراً بعد منع نہیں فرمایا بلکہ طویل عرصہ کے بعد اس کے کھانے کو ناجائز قرار دیا جس کی وجہ محض یہ تھی کہ جب تک آپ کو حکم نہیں ہوا آپ نے اس کی تبلیغ نہیں فرمائی پس جب حکم الٰہی کے نہ آنے کی وجہ سے اعلان نبوت

کے بعد تبلیغ نہ کرنا بھی نبوت کے منافی نہیں تو اعلان نبوت سے پہلے کے زمانہ میں اسے منافیٔ نبوت قرار دینا ظلم اور لاعلمی والی بات نہیں تو اور کیا ہے؟

چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ' خطابی علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں "لم ینزل الشرع بمنع اکل مالم یذکر اسم اللہ علیہ الا بعد المبعث بمدة طویلة" یعنی جس جانور کو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو (یعنی غیر مذکور اسم اللہ علیہ) اس کے حرام ہونے کا شرعی حکم اعلان نبوت کے بعد عرصۂ دراز کے بعد نازل ہوا۔ ملاحظہ ہو۔ (فتح الباری' جلد ۷ صفحہ ۱۸۱' طبع قاہرہ)۔

اب مولانا کا یہ سؤال خود اللہ تعالیٰ پر آئے گا کہ اس نے حضور کی بعثت کے فوری بعد اس کا حکم کیوں نہ اتارا اور جس چیز کو حرام فرمانا منظور تھا وہ اتنی طویل مدت تک لوگوں کو کیوں کھلائے رکھی؟ لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے بھی تاخیر سے اس کا حکم اتار کر مولانا کے منصوبے کو خاک میں ملاتے ہوئے واضح فرمادیا ہے کہ میرا حبیب میرے حکم کا پابند ہے تمہاری خواہش کا نہیں لہٰذا بندے بن کر رہو۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وبارك وسلم والہٖ وصحبہٖ وتبعہٖ وعلینا معھم۔

استفادہ از حضرت زید بن عمرو ﷛ بروایت مسند احمد وغیرہ کا رد:

زیر بحث روایت ابونعیم کے مضمون سے ملتے جلتے مضمون کی ایک اور سند سے مزید ایک روایت بھی ہے جو اگرچہ جانب مخالف سے پیش نہیں کی گئی تاہم تکمیل مانحن فیہ کی غرض سے اس کا ردّ بھی حیطۂ تحریر میں لایا جارہا ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں وہ روایت مع مسند حسب ذیل ہے: "حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا یزید المسعودی عن نفیل بن هشام بن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل عن ابیه عن جده قال کان رسول اللہ ﷺ بمکة هو وزید بن حارثة فمر بهمازید بن عمرو بن نفیل فدعوه الی سفرة لهما فقال یا ابن اخی انی لااکل مما ذبح علی النصب قال فما رؤی النبی ﷺ بعد ذلك اکل شیئا مما ذبح علی النصب الحدیث۔ ملاحظہ ہو (مسند احمد' جلد ۱ صفحہ ۱۸۹' طبع مکۃ المکرّمۃ)۔

یعنی باسناد مذکور حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مکۃ المکرّمہ میں رسول اللہ ﷺ جلوہ فرما تھے اور زید بن حارثہ ﷛ بھی حاضر خدمت تھے کہ اتنے میں آپ اور زید بن حارثہ سے (ان کے والد ماجد) حضرت زید بن عمرو بن نفیل کا گزر ہوا' آپ نے اور زید بن حارثہ نے انہیں اپنے دسترخوان پر بلایا تو انہوں نے کہا بھتیجے! میں نُصُبْ پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت نہیں کھایا کرتا۔ سعید

بن زید نے فرمایا اس کے بعد نبی کریم ﷺ کو نصب پر ذبح کیۓ گئے جانور کا گوشت تناول فرماتے ہوئے کبھی نہ دیکھا گیا الحدیث۔

جواباً عرض ہے کہ یہ روایت بھی سنداً ومتناً ضعیف اور مردود ہے۔ سنداً اس طرح سے کہ اس کا مدار مسعودی پر ہے جیسا کہ نقل کردہ سند سے ظاہر ہے جب کہ وہ آخر عمر میں مختلط ہو گئے تھے یعنی ان کی قوۃ حافظہ بالکل بگڑ گئی تھی جس کے بعد انہیں ایسا خلط ہو گیا تھا کہ ان کی غلط صحیح کی پہچان ختم ہو گئی جن کے متعلق ائمہ اصول کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کی اختلاط کے بعد کی روایات قابل قبول نہیں ہیں اور یہ بھی اٹل بات ہے کہ پیش نظر روایت ان کے اختلاط کے بعد کی ہے کیونکہ اس میں ان کے تلمیذ یزید بن ہارون ہیں جنہوں نے ان سے بعد از اختلاط سماع کیا ہے جیسا کہ سند سے واضح ہے۔ یاد رہے کہ یہاں مسعودی سے مراد عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ جن حضرات نے انہیں مختلط کہا ہے ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں: امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، ابن سعد، ابن ابی حاتم، معاذ بن معاذ، یعقوب بن شیبہ، عجلی، ابن خراش، ابن حبان، ابوالنصر، علامہ ذہبی، ابوالحسن بن القطان وغیرہم۔ ملاحظہ ہو (میزان الاعتدال، جلد دوم، صفحہ ۵۷۴، ۵۷۵، طبع سانگلہ ہل۔ تہذیب التہذیب، جلد ۶، صفحہ ۱۹۱، ۱۹۲، طبع ملتان)۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی کے شیخ نورالدین ہیثمی ارقام فرماتے ہیں: ''رواہ احمد وفیہ المسعودی وقد اختلط'' حدیث ہٰذا کو امام احمد نے روایت کیا ہے جب کہ اس میں مسعودی ہیں جو مختلط ہو گئے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (مجمع الزوائد، جلد ۹، صفحہ ۴۱۷، طبع دارالکتاب العربی بیروت)۔

حافظ ابن حجر نے ان کا حکم مذکور نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: وقد کان یغلط فیما یروی عن عاصم والاعمش والصغار یخطئ فی ذٰلك ویصح له ماروی عن القاسم ومعن وشیوخه الکبار یعنی مسعودی کی وہ روایات جو عاصم، اعمش اور معمولی قسم کے محدثین سے ہیں ان میں ان کی خطا کا دخل ہے اور جو روایات قاسم، معن اور مسعودی کے شیوخ کبار سے ہیں وہ صحیح ہیں۔

نیز ''قال ابن عمار کان ثبتا قبل ان یختلط ومن سمع منه ببغداد فسماعه ضعیف'' یعنی ابن عمار نے کہا اختلاط سے قبل وہ (ثبت حدیث میں انتہائی مضبوط) ہیں اور جنہوں نے ان سے بغداد میں حدیث لی تو وہ سب ضعیف ہے۔

نیز ''قال ابن نمیر کان ثقة واختلط باٰخرہ سمع منه ابن مهدی ویزید بن هارون

احادیث مختلطة وماروی عنه الشیوخ فهو مستقیم ''یعنی ابن نمیر نے کہا یہ ثقہ ہیں آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ ابن مہدی اور یزید بن ہارون نے ان سے جتنی روایات لی ہیں' وہ سب ان کے زمانۂ اختلاط کی ہیں ان کے علاوہ دیگر مشاہیر کی ان سے کی گئی روایات مستقیم اور صحیح ہیں۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب' جلد ۶' صفحہ ۱۹۰'۱۹۱'۱۹۲)۔ اس روایت کو ان سے یزید بن ہارون نے لیا ہے جیسا کہ سند سے ظاہر ہے پس اس کے مختلط ہونے میں کچھ شبہ نہ رہا۔ الغرض از روئے سند یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح متن کے اعتبار سے بھی یہ واجب الرد ہے کیونکہ اس میں حضرت زید بن عمرو کی نسبت سے مذکور ہے: ''انی لا اکل مماذبح علی النصب ''میں نصب پر ذبح کیۓ گئے جانور کا گوشت نہیں کھاتا۔ جب کہ نصب کا معنی متبادر ہے اصنام یعنی بت بصیغۂ جمع۔

چنانچہ سورۂ مائدہ میں ہے ''والانصاب'' انصاب یہاں بتوں کے معنٰی میں ہے۔ نیز اسی میں ہے: ''وما ذبح علی النصب ''یعنی ذبیحۂ اصنام (آیت نمبر ۳' پ نمبر ۶)۔

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ معاذ اللہ ذبیحۂ اصنام تناول فرما رہے تھے اور حضرت زید بن حارثہ کو بھی اس میں شامل فرمایا ہوا تھا جب کہ دلائل صحیحہ کثیرہ میں اس کے برعکس ہے جن میں معترض کا اعتراف بھی شامل ہے جس کی با حوالہ تفصیل ابھی روایت ابی نعیم کی بحث میں جواب نمبر ۲' ۳ میں گزر چکی ہے۔

بناءً علیہ متناً بھی یہ روایت مردود قرار پائی۔

روایت استفادہ بروایت طبرانی و بزار کا رد

یہی روایت الفاظ کے کچھ اختلاف و اضافہ سے طبرانی اور بزار میں بھی ہے اس کا محلّ شبہ حصہ اس طرح ہے: ''وهما یأکلان من سفرة فدعیاه فقال یا ابن اخی لا آکل ماذبح علی النصب قال فما رؤی النبی ﷺ یأکل ماذبح علی النصب من یومه ذلك حتی بعث الحدیث''۔ (مجمع الزوائد' جلد ۹' صفحہ ۴۱۷)۔

اس میں بھی جواباً وہی تفصیل ہے جو روایت مسند احمد میں ہے جو ابھی گزری ہے کیونکہ اس کا مدار بھی حضرت مسعودی پر ہے نیز اس کا متن بھی اس کے متن جیسا ہے ماسوائے بعض الفاظ کے جو سامنے ہیں۔

چنانچہ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: ''رواه الطبرانی والبزار باختصار عنه وفیه المسعودی وقد اختلط ''یعنی اسے طبرانی اور بزار نے حضرت سعید بن زید ﷺ سے مختصراً روایت کیا ہے جس کا مدار مسعودی پر ہے جب کہ وہ مختلط ہو گئے تھے۔

ملاحظہ ہو۔(مجمع الزوائد' جلد ۹' صفحہ ۴۱۷' باب ماجاء فی زید بن عمرو بن نفیل' طبع مذکور)۔

روایت حضرت زید بن حارثہ ﷜ سے جواب:

اس طرح کی ایک روایت حضرت زید بن حارثہ ﷜ کے حوالہ سے بھی بیان کی جاتی ہے جو بہت طویل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت زید فرماتے ہیں: ''خرجت مع رسول اللّٰہ ﷺ یوما حارّا من ایام مکة وھو فی الی نصب من الانصاب وقد ذبحنا لہ شاة فانضجنا ھا قال فلقیہ زید بن عمرو ابن نفیل ''یعنی میں مکۃ المکرّمہ میں اقامت کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جب کہ آپ میرے ردیف تھے' انصاب میں سے ایک نصب کی طرف گیا جس کے لیئے ہم نے ایک بکری کو ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا' اتنے میں آپ ﷺ کو زید بن عمرو بن نفیل ملے (تو اس دور کے مروّجہ طریقہ پر ہر ایک نے ایک دوسرے کو سلام کیا۔پس آپ ﷺ نے ان سے فرمایا زید یہ بتائیں کہ آپ کی قوم کو آپ سے نفرت اور بغض کیوں ہے؟ عرض کی اس وجہ سے نہیں کہ میں نے انہیں کوئی نقصان پہنچایا ہو بلکہ اس کی وجہ یہ ہے میں نے ان سے الگ ہو کر دین حق کو تلاش کر کے اس کو اپنایا ہے جس کی جستجو میں' میں نے فدک اور شام کا سفر کیا علماء سے ملاقاتیں کیں مگر ان میں شرک موجود تھا جس سے میں بھاگا تھا۔شام کے ایک سن رسیدہ نے مجھے بتایا تمہیں خالص دین اس وقت صرف ایک شیخ کے پاس ملے گا جو حِیَرہ (نامی جگہ) میں رہتا ہے۔میں سفر کر کے ان کے پاس گیا۔ان کے پوچھنے پر اپنا ماجرا پیش کیا انہوں نے کہا تم جس دین کی تلاش میں ہو وہ تو تمہارے علاقے (مکۃ المکرّمہ) میں ظاہر ہو چکا ہے قد بعث نبی قد طلع نجمہ وجمیع من رأیتھم فی ضلال ایک نبی کا ظہور ہو چکا ہے ان کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے باقی سب جو تم دیکھ رہے ہیں گمراہی کا شکار ہیں۔(حضرت! یہ ہے اس کی تفصیل) زید بن حارثہ فرماتے ہیں کہ آپ نے انہیں کھانے پر مدعو کیا۔دستر خوان پر چنے گئے کھانے کے متعلق انہوں نے سوال کیا کہ جناب کیا پکا ہے؟ فرمایا: ''شاة ذبحنا ھا لنصب من الانصاب'' بکری کا گوشت پکا ہے جسے ہم نے انصاب میں سے ایک نصب کے لیئے ذبح کیا تھا۔جواباً کہا ''ما کنت لاکل مما لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ ''میں اس جانور کا گوشت کھانا جائز نہیں سمجھتا جسے غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔زید بن حارثہ نے فرمایا اس کے بعد آپ ﷺ کعبہ شریف میں تشریف لائے اور زید بن عمرو چلے گئے' آپ نے کعبہ کا طواف کیا میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔صفا مروہ پر تشریف لائے یہاں یساف اور نائلہ نامی دو بت نصب تھے۔مشرکین جنہیں سعی کے دوران چھوتے تھے۔آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''لا تمسحھما فانھما رجس ''انہیں ہاتھ نہیں لگانا کیونکہ یہ انتہائی پلید ہیں۔

فرماتے ہیں میں نے دل میں کہا انہیں چھو کر دیکھوں تو سہی کہ آپ کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے انہیں چھوا تو آپ نے مجھے فوراً جھٹک کر فرمایا: یَازید اَلَمْ تُنَہَ؟ زید کیا تمہیں اس سے منع نہیں کیا گیا؟

تھوڑے ہی عرصے میں زید بن عمرو وفات پا گئے اور حضور پر وحی جلی کے نزول کا سلسلہ جاری ہوا آپ ﷺ نے حضرت زید بن عمرو کے متعلق فرمایا: ''انه یبعث امة واحدة''۔

ملاحظہ ہو (مسند ابویعلیٰ، جلد۵، صفحہ ۳۶۶، ۳۶۷، حدیث ۷۲۰۸، طبع دار الفکر، بیروت، نیز حاشیہ ۷۲۰۸ بحوالہ طبرانی کبیر، جلد ۵، صفحہ ۸۶، ۸۷، حدیث: ۴۶۶۳، ۴۶۶۴۔ مجمع الزوائد، جلد۹، صفحہ ۴۱۷، ۴۱۸، المطالب العالیۃ، جلد۴، صفحہ ۹۵، ۹۶، حدیث: ۴۰۵۷)۔

نیز مجمع الزوائد، جلد۹، صفحہ ۴۱۷، ۴۱۸ طبع بیروت بحوالہ ابویعلیٰ، بزار، طبرانی ولفظہ: قد خرج فی ارضك نبی اوھو خارج فارجع فصدقه وآمن به وقال ایضاً فقال زید انی لا اکل شیئا ذبح لغیر اللہ)۔

الجواب: جواباً عرض ہے کہ روایت ہٰذا بھی سنداً و متناً ضعیف اور مردود ہے نیز معترض فریق کے خلاف بھی ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

اس کی سند اس طرح ہے: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا عبدالوھاب بن عبدالمجید حدثنا محمد بن عمرو عن ابی سلمة ویحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب بن ابی بلتعة عن اسامة بن زید عن زید بن حارثه قال الخ (ابویعلیٰ، جلد۵، صفحہ ۳۶۶)۔

محمد بن بشار (بندار) کے بارے میں عبداللہ بن الدورقی نے کہا ''رأیت یحییٰ ابن معین لا یعبأبه ویستضعفه ورأیت القواریری لا یرضاه وکان صاحب حمام'' یعنی میں نے امام یحییٰ بن معین کو دیکھا کہ وہ اسے درخور اعتناء نہ سمجھ رہے تھے اور اسے ضعیف قرار دے رہے تھے اور قواریری نے دیکھا کہ وہ اس کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے تھے اور یہ حمام کا کاروبار کرتا تھا (تہذیب التہذیب، جلد۹، صفحہ ۶۲، طبع ملتان)۔

محمد بن عمرو (بن علقمہ بن وقاص لیثی) کے متعلق امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''ما زال الناس یتقون حدیثه وفی لفظه کانوا یتقون حدیثه'' اہل علم اس کی روایت کے لینے سے ہمیشہ بہت احتیاط کرتے تھے۔ جوزجانی نے: ''لیس بقوی الحدیث ویشتهی حدیثه'' حدیث میں قوی نہیں اور نہ ہی اس کی روایت کو لینے کی خواہش کی جاتی ہے۔

ابن حبان نے الثقات میں اس کا ذکر کر کے کہا ''یخطیٔ'' بیان روایت میں غلطیاں کرتا ہے۔

”روی له البخاری مقرونا بغیرہ ومسلم فی المتابعات “امام بخاری نے اس کی روایت کو اہمیت نہیں دی تاوقتیکہ اس کی تائید کسی اور سے نہ ملتی ہو۔امام مسلم اسے متابعات میں لائے ہیں۔

امام یحییٰ بن معین سے مزید مروی ہے فرمایا: سہیل' علاء اور ابن عقیل کی روایت لائق احتجاج نہیں ”ومحمد بن عمرو فوقھم “محمد بن عمرو کی روایت حجت نہ ہونے میں ان سے زائد ہے۔

یعقوب بن شیبہ نے کہا:ھو وسط والی الضعف ما ھو۔

ابن سعد نے کہا:”کان کثیر الحدیث یستضعف “کثیر الحدیث ہونے کے باوجود ضعیف قرار دیا جاتا ہے' ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب' جلد۹' صفحہ۳۷۴' طبع ملتان' میزان الاعتدال' جلد۳' صفحہ۶۷۳' طبع سانگلہ ہل)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ پیش نظر روایت کی سند کلام سے خالی نہیں' شیخین (بخاری' مسلم) نے خصوصیت کے ساتھ اس کے راوی محمد بن عمرو کی روایت کو اصول میں رکھنے کے لائق نہیں سمجھا۔امام جرح وتعدیل یحییٰ بن معین نے اس کی روایت کو گئی گزری قرار دیا۔دیگر کی مزید جروح بھی ساتھ ہیں کہ حدیث میں قوی نہیں غلطیاں بھی کرتا ہے۔بناءً روایت ہٰذ سنداً صحیح نہیں' ضعیف اور مردود ہے۔

متناً اس لیے مردود ہے کہ اس کے الفاظ”الی نصب من الانصاب وقد ذبحنا له شاة “میں یہ مذکور ہے کہ معاذ اللہ آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ بت کے پاس گئے بلکہ بت کے نام پر ذبح کرنے پر راضی بھی تھے بلکہ اس کے ان لفظوں”قرب الیه السفرة “سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ ذبیحۂ اصنام کو تناول بھی فرماتے تھے جو ان دلائل صحیحہ کثیرہ صریحہ سے متصادم ہے جن میں یہ صراحۃً مذکور ہے آپ ﷺ فطرۃً بتوں سے اور ان کے ذبیحہ سے متنفر تھے (تفصیل ابھی روایت ابی نعیم کی بحث میں جواب نمبر۲'۳ میں گزری ہے)۔

خود پیش نظر روایت کا آخری حصہ بھی اس کے ان الفاظ کی تغلیط وتردید کر رہا ہے”لا تمسحھما فانھما رجس “زید! ان بتوں کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ کہ یہ سخت پلید ہیں نیز آزمائشاً انہوں نے انہیں چھوا تو ”الم تنه“فرما کر آپ نے حضرت زید کو ڈانٹ پلائی۔لہٰذا پیش نظر روایت کا یہ حصہ درایۃً واجب الرد ہے۔

علاوہ ازیں بتوں کے پاس خصوصاً ان کے نام پر ذبح کے لیۓ جانا بتوں کی تعظیم ہے جو جرم عظیم اور گناہ جسیم ہے۔جب کہ یہ شان عصمت کے خلاف ہے جو خود موصوف کو تسلیم ہے کہ”تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں اور جو اجماع امت کا مخالف ہو وہ سراسر گمراہ اور جہنمی ہے کما قال اللہ تعالی ویتبع غیر سبیل المؤمنین الخ“(تحقیقات' صفحہ۲۳۰)۔

معترض فریق کے خلاف اس لیے ہے کہ اس میں سید عالم ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے کے زمانے میں حِیَرہ کے بزرگ کے یہ الفاظ ہیں جو انہوں نے حضرت زید بن عمرو سے کہے تھے ''قد بعث نبی قد طلع نجمہ ''۔ یعنی انہوں نے آپ ﷺ کو اعلانِ نبوت سے پہلے کے دور میں بھی نبی کہا جو مولانا پر قیامت سے کم نہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

تعدّد طرق کے حوالہ سے اعتراض کا جواب: یہاں تعدّد طرق سے روایت کے قوی قرار پانے کا عذر بھی نہیں چل سکتا کیونکہ اس کا براہِ راست تصادم عظمت نبوت کے قطعی مسئلہ سے ہے۔ لہٰذا یہ روایتیں جانب مخالف کو کسی طرح مفید نہیں۔

حتی اکرمنی اللہ سے وہم کا علاج: رہے پیش کردہ روایت ابی نعیم کے یہ الفاظ کہ ''حتی اکرمنی اللہ برسالتہ؟''

تو اولاً: اصل کتاب میں اس کے پورے الفاظ اس طرح ہیں: ''حتی اکرمنی اللہ عزوجل بما اکرمنی بہ برسالتہ'' (دلائل النبوۃ لابی نعیم، صفحہ ۱۴۶، طبع حیدر آباد دکن)۔

ثانیاً: مولانا نے یہاں استدلال کے لیے ان سے کچھ تعرض نہیں کیا اس لیے ہم بھی اس میں مزید نہیں پڑنا چاہتے۔

ثالثاً: یہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ان کا تعلق نبوت سے نہیں رسالت سے ہے جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے۔

رابعاً: موصوف نے اس کے ترجمہ میں لفظ نبوت کا اضافہ کر دیا ہے کیونکہ اس کے بغیر یہ الفاظ ان کی دلیل نہیں بنتے تھے۔ چنانچہ ان کے لفظ ہیں: ''حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت و رسالت کا اعزاز بخشا'' (تحقیقات، صفحہ ۱۴۳) جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مغالطہ نمبر ۸ (راہب نے حضور ﷺ کی نبوت کے اظہار میں تاخیر کیوں کی) کا ردّ:

موصوف نے اپنے موقف کی مزید دلیل کے طور پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے پس منظر کو پیش کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے ایک راہب نے آپ ﷺ کے متعلق انہیں بتایا کہ: هذا شهره الذی يخرج فيه وهو آخر الانبياء' یہ ان کے ظہور کا مہینہ ہے اور وہ آخری نبی ہیں پھر اس نے انہیں آپ سے وابستہ ہونے کی تلقین کی تو وہ واپس آتے ہی مشرف باسلام ہو گئے۔ (خصائص' جلد ۱' صفحہ ۹۹) ملخّصاً۔

اس سے وجہ استدلال بیان کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ: راہب کو آپ ﷺ کا نام نامی بھی معلوم تھا اور آپ کے ظہور اور دعوائے نبوت کے مہینہ کا بھی علم تھا۔ اگر آغاز ولادت سے ہی حضور جسمانی اور عملی طور پر نبی تھے تو آپ کے ظہور کے لیئے راہب کو اس مخصوص مہینہ کی انتظار کیوں تھی اور چالیس سال سے لوگوں کو اس رشد وہدایت کے سرچشمہ کی طرف کیوں نہ رہنمائی کی جیسے کہ اب حضرت طلحہ کی راہنمائی فرمائی (ملخصاً بلفظہ) ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۱۴۱' ۱۴۲)۔

الجواب: کس لفظ کا معنٰی ہے کہ اس سے قبل راہب نے آپ ﷺ کے متعلق کسی کو کبھی کچھ بتایا ہی نہیں۔ الغرض موصوف نے یہاں عدم ذکر کو ذکر عدم اور عدم نقل کو عدم وجود کی دلیل بنایا ہے جو شان علم واصول سے بعید ہے

اس راہب نے اگر نہیں بتایا تو کیا حضرت بحیرا راہب نے بھی نہیں بتایا تھا کہ "هذا رسول ربّ العلمين" جب کہ آپ ﷺ کی عمر شریف بارہ سال اور علامہ نبہانی کے حسب تصریح علی الراجح نو برس تھی؟ وقد مرّ مراراً اسے آپ نے کب مانا ہے؟

اس سے قطع نظر راہب کے بتانے نہ بتانے سے خبر نبوی كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد کیونکر متأثر ہوگی؟ خدارا انصاف۔

علاوہ ازیں اس راہب نے یہ نہیں فرمایا کہ حضور نے اسی مہینہ میں نبی بننا ہے بلکہ انہوں نے آپ کے ظہور کی بات کی ہے جیسا کہ ان کے ان الفاظ سے ظاہر ہے "هذا شهره الذی يخرج فيه وهو آخر الانبياء" جن کا ترجمہ خود مولانا نے بھی یہی کیا ہے کہ "یہ ان کے ظہور کا مہینہ ہے"۔ لہٰذا اس واویلا سے انہیں کچھ فائدہ نہ ہوا۔

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے وہ راہب اس زمانہ کے مخلصین اہل ایمان سے اور خدارسیدہ تھا پس اس مہینے میں اس کے اظہار کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسی پر ماً مور تھا رضی الله عنه وصلى الله على نبينا وحبيبنا محمد وآله وصحبه و محبيه وبارك وسلم۔

مغالطہ نمبر۹ (امت ہی نہ تھی تو نبی کس کے؟) **کا ازالہ**

جانب مخالف سے یہ مغالطہ دیا جانا بھی بعض احباب کے ذریعہ شنید میں آیا ہے کہ نبی کے لیئے تو امت کا ہونا بھی لازم ہے تو چالیس سال کی عمر شریف تک جب امت ہی نہ تھی تو آپ نبی کس کے تھے؟

الجواب: جواباً عرض ہے کہ اس مدت میں بھی ایسے کچھ افراد موجود رہے جو خالص الایمان تھے اور انہیں حضور کے وجود مبارک کے ظہور کا کتب سماویہ سابقہ وغیرہا کے حوالے سے علم اور آپ کی نبوت پر یقین تھا جس پر وہ تا حیات قائم رہے اگر چہ وہ آپ کے عدم اظہار (تکلیفاً) کی وجہ سے کلمہ پڑھنے کے پابند نہ تھے تاہم وہ سب آپ کی تصدیق کرنے اور کفر وشرک سے مجتنب ہونے کے باعث حضور کے حکماً امّتی ہیں جیسے حضرت بحیرا' نسطورا' قس بن ساعدہ' حضرت ورقہ' حضرت زید بن عمرو بن نفیل اور حضرت طلحہ کو حضور کی طرف رہنمائی کرنے والا راہب وغیرہم جن میں سے بیشتر کے متعلق خود مصنف تحقیقات کو بھی اقرار ہے۔ تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

نیز علی التحقیق حضرت صدیق بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ وہ آپ کی شان نبوت کے اس وقت سے قائل تھے جب ان کی عمر تقریباً اٹھارہ برس تھی۔

حضرت زید بن عمرو کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے ''انه یبعث امة واحدة'' لہٰذا امت کے وجود کی علی الاطلاق نفی درست نہیں۔

علاوہ ازیں اگر یہ درست ہو تو لازم نہ آئے گا کہ آیات علق کے نزول کے بعد سے اس وقت تک کہ کچھ خوش نصیبوں نے باقاعدہ آپ کا کلمہ پڑھا' نعوذ باللہ (اس دورانیہ میں) آپ نبی نہ ہوں کیونکہ اس مدت میں بھی تو معترض فریق کے طور پر امت کا وجود نہ تھا جو کفر ہے۔

نیز اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو یہ اعتراض ذات باری تعالیٰ تک پہنچ جائے گا اور اس طرز سے لازم آئے گا کہ مثلاً مخلوق ومرزوق کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ بھی خالق ورازق نہ ہو جو غلط ہے کیونکہ خالق ورازق' اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں جو عند اہل الحق' قدیم ہیں اور ذات حق کے ساتھ قائم۔ پس یہی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ' قدیم سے خالق ورازق ہے مگر ان کا ظہور تخلیق وترزیق کے موقع پر ہوا جب مخلوق ومرزوق وجود میں لائے گئے۔ یونہی بلا تشبیہ حضور والا نبی پہلے سے تھے ظہور نبوت حسب موقع بعد میں ہوا صلی اللہ تعالیٰ

علیه وسلم۔

چنانچہ فقہ اکبر میں ہے: ''وقد کان الله تعالیٰ متکلما ولم یکن کلم موسیٰ علیه السلام وقد کان الله تعالیٰ خالقا فی الازل ولم یخلق الخلق''۔

علامہ علی القاری علیہ رحمۃ اللہ الباری جملہ ثانیہ کے تحت ارقام فرماتے ہیں: ''جمله حالیة والمعنیٰ ان الحق کان خالقا قبل خلق الخلق وفی نسخة وکان الله خالقنا قبل ان یخلق الخلق بمعنی ان هٰذا النعت فیه محقق لا مجاز کما قال ابن ابی الشریف انه کان خالقا بالقوة فانه یوهم انه تحت الامکان واحتمال الوقوع واللاوقوع فی الازمان ولیس الامر کذلك فانه کان خالقا متحقق الوقوع فی وقت ارادفیه الشروع فتأخر متعلق الکلام والخلق من موسی وسائرالانام لا یوجب نفی صحة الکلام وتحقق الخلق عن الحق عندالعلماء الاعلام لان کل شئ یکون فی القوة ثم یصیر الی الفعل فهو حادث' اذکل ممکن الوجود حادث کما صرّ حوابه' وایضا فرق واضح وبون لائح بین من هو قادر علی الکتابة الاانه یؤخرها الی الوقت الارادة وبین الکاتب بالقوة حیث انه عاجز فی الحالة الراهنة وتحت الاحتمال فی الازمنة الآیة۔ والحاصل انه سبحٰنه کما قال الطحاوی رحمه الله لیس منذ خلق الخلق استفاده اسم الخالق ولا باحداثه البریة استفاد اسم الباری فله معنی الربوبیة ولا مربوب و معنی الخالقیة ولا مخلوق وکما انه محی الموتٰی بعد ما اخٰی استحق هٰذا الاسم قبل احیائهم وکذلك استحق اسم الخالق قبل انشائهم ذلك بانه علی کل شئ قدیر

اس طویل عبارت کا معتبر خلاصہ یہ ہے کہ امام طحاوی وغیرہ علماء وائمہ شان کے حسب تصریحات پیش نظر نص فقہ اکبر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں بھی بمعنیٰ حقیقی متکلم وخالق اور ربّ ومحی الموتیٰ تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ جب اس نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو خالق بن گیا۔ مخلوق کی پرورش فرمائی تو ربّ ہوگیا۔ موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو متکلم ٹھہرا اور مردوں کو زندہ کیا تو محی الموتیٰ قرار پایا۔

بلفظ دیگر یہ کہنا غلط ہے کہ پہلے وہ سب کچھ بالقوۃ تھا بعد میں بالفعل بنا کیونکہ قوۃ سے فعل کی طرف جانے والی چیز حادث اور ممکن الوجود ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے۔ نیز کسی چیز کے بالقوۃ ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ تحت الامکان ہے جو آئندہ زمانہ میں وقوع پذیر ہونے نہ ہونے کی دونوں کی محتمل ہے یعنی ہوسکتا ہے واقع ہوجائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وقوع میں نہ آئے جس سے اللہ پاک ہے۔

نیز ایک ہے کسی کا "قادر علی الکتابة" (لکھنے پر قدرت والا) ہونا اور دوسرا ہے اس کا "کاتب بالقوۃ" (لکھنے کی صلاحیت والا) ہونا۔ ان دونوں میں بہت نمایاں فرق ہے۔ اوّل کا مطلب یہ ہے کہ وہ کتابت کر سکتا اور لکھ سکتا ہے اگرچہ لکھ نہیں رہا یعنی اس کا لکھنا اس کے ارادہ پر ہے جب چاہے گا لکھے گا۔

ثانی کا مطلب یہ ہے کہ وہ موجودہ وقت میں کتابت اور لکھنے سے عاجز ہے نیز مستقبل میں بھی اس کی کوئی گارنٹی نہیں کہ وہ لکھنے کی قدرت حاصل کر لے گا یا نہیں یعنی دونوں کا احتمال ہے۔

جب اللہ ازل سے علی کل شیٔ قدیر ہے تو اسے قبل تکلم اور قبل تخلیق متکلم و خالق بالقوۃ سے تعبیر کرنا قطعاً غلط ہوا۔ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۹، ۳۰، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)۔

نیز اسی میں آگے چل کر مزید لکھا ہے: "و کان اللہ خالقا قبل ان یخلق و رازقا قبل ان یرزق"

علامہ موصوف "ان یخلق" کی شرح میں لکھتے ہیں "ای یحدث المخلوق" اور "ان یرزق"۔

بعدہٗ رقم طراز ہیں: "فھما من من قبیل اطلاق المشتق قبل وجود المعنی المشتق منہ و لعل الامام الاعظم رحمہ اللہ کرر ھذا المرام للانام للاعلام بان ھذا ھو المعتقد الصحیح الذی یجب ان یعتمد الخواص و العوام۔ وقال الزرکشی اطلاق نحو الخالق و الرازق فی وصفہ سبحنہ قبل وجود الخلق و الرزق حقیقۃ و ان قلنا صفات الفعل حادثۃ و ایضاً لو کان مجازا لصح نفیہ و الحال ان القول بانہ لیس خالقا و رازقا و قادرا فی الازل امر مستھجن لا یقال مثلہ و لا یصح دفعہ بانہ لا یقال اوجد المخلوق فی الازل حقیقۃ لانہ یؤدی الی قدم المخلوق الخ۔

خلاصہ یہ کہ فقہ اکبر کی اس عبارت کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرمانے اور مرزوق کو وجود میں لانے سے پہلے ہی خالق اور رازق تھا پس یہ دونوں معنیٰ مشتق منہ کے پائے جانے سے پہلے مشتق کے اطلاق کے قبیل سے ہیں۔

حضور امام اعظم رحمہ اللہ مسئلہ ہٰذا کو مکرر اس لیے لائے ہیں تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ صحیح عقیدہ جس پر چلنا عوام و خواص سب پر لازم ہے، یہی ہے۔

علامہ زرکشی نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے خالق و رازق ہونے کا ظہور اگرچہ بعد میں ہوا تاہم وہ پیدا فرمانے اور رزق دینے سے پہلے بھی بمعنیٰ حقیقی، خالق و رازق تھا۔ بمعنی مجازی نہیں کہ اس سے خالق و رازق نہ ہونے کا امر صحیح قرار پائے گا جو ایسا قبیح امر ہے جس کا زبان پر لانا بھی درست نہیں (چہ جائیکہ اس کا اعتقاد رکھا جائے) جب کہ یہ جواب بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خالق و رازق ہونا بایں معنٰی ہے کہ اس نے ازل میں فی الواقع مخلوق

کو پیدا فرما دیا تھا کیونکہ اس سے مخلوق کے قدیم ہونے کا قول کرنا پڑے گا جو صحیح نہیں۔

ملاحظہ ہو۔ (شرح فقہ اکبر، صفحہ ۸۲، طبع قدیمی، کراچی)۔

ان عبارات سے جہاں پیش نظر مغالطہ کا ردّ واضح ہوا، وہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضور سید عالم ﷺ چالیس سال کی عمر شریف سے پہلے کے زمانہ میں ''بالقوۃ نبی'' کہنا یا سمجھنا درست نہیں کیونکہ بالقوۃ کا استعمال اس کے لیے ہوتا ہے جو وصف سے عملی طور پر متصف نہ ہوا ہو جب کہ آپ ﷺ پہلے ہی سے وصف نبوت سے عملی طور پر متصف ہو چکے تھے جیسا کہ کاتب بالقوۃ اور قادر علی الکتابۃ میں علامہ کی کی گئی تفریق سے ظاہر ہے والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مغالطہ نمبر۱۰ (قبل اعلانِ نبوت آپ ﷺ کسی شریعت پر کاربند تھے) **کارد:**
اپنے موقف کی مزید دلیل دیتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ: ''علماء کا اختلاف ہے کہ آپ نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے قبل غار حرا میں جو عبادت کیا کرتے تھے تو وہ کس شریعت کے مطابق ہوتی تھی''۔ اس کے بعد موصوف نے علامہ علی القاری کی کتاب مرقاۃ جلد۳' صفحہ۳۰۸' امام ابوبکر الحنفی الحداد کی تفسیر جلد۷' صفحہ۱۸۲' علامہ اسمٰعیل حقی کی تفسیر روح البیان' جلد۸' صفحہ۴۳۷' نیز تفسیر کبیر للامام الرازی' حضرت شاہ عبدالعزیز کی تفسیر عزیزی پارہ عم' صفحہ۲۲۰' شیخ محقق کی تالیف اشعۃ اللمعات' جلد۴' صفحہ۵۳۱' ۵۳۲' نیز عارف باللہ شیخ بسوی کی عبارت کے لیے جواہر البحار' جلد۳' صفحہ۸۷ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ ''بعض حضرات نے کہا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عمل فرماتے تھے اور بعض نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کا قول کیا اور بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر کاربند ہونے کا''۔

اگر حضور کو پیدائش کے وقت سے ہی نبی اور رسول تسلیم کیا جائے تو علماء اسلام میں یہ اختلاف ہی کیوں پیدا ہوا کہ آپ کس شریعت پر عمل پیرا تھے' آپ نزول وحی سے قبل بالفعل نبی ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی اتباع واقتداء کیوں فرماتے کیونکہ آپ مستقل صاحب شرع نبی ہیں نہ یہ کہ یوشع علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح تابع نبی تھے' حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے نزدیک آپ نزول وحی سے قبل ملت ابراہیمی پر عبادت کیا کرتے تھے اگر آپ آغاز ولادت سے نبی تھے تو پھر اپنی شریعت پر عمل پیرا ہوتے (ملخصاً)

ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ۲۳' ۲۴' ۱۱۱' ۱۲۵' ۱۶۶' ۱۶۷' ۱۶۸' ۱۶۹' ۱۷۰' نیز صفحہ۱۷۱ تا ۱۸۰)۔

الجواب نمبر۱: مولانا نے اپنی اس عبارت میں قارئین کو یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ پیش نظر امر میں علماء کا اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت کس شریعت کے تابع تھے یعنی اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ کسی نہ کسی شریعت کے ضرور تابع تھے۔ اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ وہ شریعت کون سی تھی آیا وہ شریعت ابراہیمیہ تھی یا شریعت موسویہ یا شریعت عیسویہ؟ جو بالکل غلط ہے کیونکہ:

اولاً: اس میں یہ قول بھی ہے کہ آپ ﷺ جبلاً حق اور صدق وصحیح پر چلتے تھے یعنی باطل' کذب اور غلط پر چلنے سے آپ پاک پیدا فرمائے گئے اور آپ قدرۃً اسی کو اختیار فرماتے جسے اختیار کرنا چاہیئے ہوتا تھا۔

نیز یہ قول بھی ہے کہ آپ پر براہِ راست ''وحی خفی'' ہوتی تھی جسے ''کشوف صادقہ'' سے بھی تعبیر کیا گیا

ہے۔ چنانچہ دعوت رجوع میں قونوی شرح عمدۃ النسفی کے حوالہ سے علامہ قاری کی کتاب شرح فقہ اکبر سے ہم یہ نقل کر آئے ہیں کہ: ''کان فی مقام النبوۃ قبل الرسالۃ و کان یعمل بما ھوالحق الذی ظھر علیہ فی مقام نبوتہ بالوحی والکشوف الصادقۃ من شریعۃ ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام وغیرھا'' یعنی آپ ﷺ اعلانِ نبوت سے پہلے مقام نبوت پر فائز تھے بناءً علیہ وحی اور سچے کشفوں کے ذریعہ واضح ہونے والے طریقوں کے مطابق عمل فرماتے تھے جو حضرت ابراہیم اور دیگر رسل کرام علیہم السلام کی غیر محرف شریعتوں کے موافق ہو جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ (شرح فقہ اکبر' صفحہ ۶۰' دعوت رجوع' صفحہ ۱۴' ۴۲' ۴۳)۔

نیز روح المعانی (جلد ۱۳' صفحہ ۶۰' ۶۴) کی یہ عبارات بھی پیش کی جا چکی ہیں کہ: ''و کان لہ علیہ الصلاۃ والسلام فی کل حال من احوالہ فیھا نوع من الوحی'' یعنی اعلان نبوت سے قبل کی مدت میں بھی آپ پر کسی نہ کسی شکل میں وحی کے آنے کا سلسلہ جاری رہا علیہ الصلاۃ والسلام (دعوت رجوع' صفحہ ۱۵) ''فھو علیہ الصلاۃ والسلام اولی بان یوحی الیہ ذلک النوع من الایحاء صبیا ایضاً ومن علم مقامہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدق بانہ الحبیب الذی کان نبیا وآدم بین الماء والطین لم یستبعد ذلک'' خلاصہ یہ کہ جب دیگر بعض انبیاء (یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام) کے لیے ثابت ہے کہ وہ بچپن میں نبی تھے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا اس قسم کے وحی سے مشرف ہو کر بچپن میں نبی ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوا اور جو شخص آپ کے مقام سے باخبر اور اس امر پر یقین رکھتا ہوگا کہ آپ وہی حبیب ہیں جو آدم علیہ السلام کے معرض وجود میں آنے سے پہلے بھی نبی تھے تو وہ اس کو بعید نہیں سمجھے گا۔ (دعوت رجوع' صفحہ ۱۶' ۳۱' ۳۲)۔

معلوم ہوا کہ موصوف کا یہ تأثر دینا غلط ہے کہ قبل از اعلان نبوت سابقہ شرائع میں سے کسی شریعت کا متبع ہونا متفق علیہ ہے' براہِ راست ہدایات کے نزول کا قول بھی موجود ہے۔

ثانیاً: نیز وہ بھی (کسی شریعت کا متبع ہونا) محققین احناف کا مختار نہیں جو حسب تصریحات جمہور ائمہ وعلماء شان' غیر صحیح اور ناحق بھی ہے اس کے کچھ حوالہ جات ''دعوت رجوع'' میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ چنانچہ علامہ علی القاری کے استاذ محترم امام اہل سنت شیخ الاسلام مفتی مکۃ المکرمہ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ہم نے لکھا تھا کہ انہوں نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی شریعت کے پابند نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس شریعت کے متبعین سے اس کا فخر کرنا منقول ہوتا۔

نیز آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جمہور علماء وائمہ اسلام کا اس بارے میں یہی مذہب ہے۔ ولفظہ: فقال الجمھور لم یکن متعبدا بشیٔ (الی) واظھرھا الاول وھوالذی علیہ الجمھور'' (ملخصاً)۔

ملاحظہ ہو (فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ۱۵۳، طبع مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)۔ (دعوت رجوع، صفحہ۴۴)۔

نیز مرقاۃ (جلد۳، صفحہ۳۰۸، طبع ملتان) کے حوالہ سے ہم نے لکھا تھا: ''والصحیح انه لم یکن متعبدا بشرع لنسخ الکل بشریعة عیسٰی وشرعه کان قد حرف وبدل'' یعنی اس بحث میں صحیح امر یہ ہے کہ آپ ﷺ اعلان نبوت سے پہلے بھی سابقہ شریعتوں میں سے کسی شریعت کے پابند نہیں تھے کیونکہ پچھلی تمام شریعتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ تھیں جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تحریف و تبدیلی واقع ہو چکی تھی (تو آپ اس کے کیونکر پابند ہوتے!) (دعوت رجوع، صفحہ۴۲)

نیز علامہ علی القاری کے حوالہ سے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی پیش کیا تھا ''الحق ان محمداﷺ قبل الرسالة ماکان علی شرع نبی من الانبیاء علیهم الصلاة والسلام وهو المختار عند المحققین من الحنفیة لانه لم یکن من امة نبی قط الخ یعنی آپ ﷺ اعلان نبوت سے پہلے سابقہ شرائع میں سے کسی نبی کی شریعت کے پابند نہیں تھے ورنہ آپ اس شریعت کے حامل نبی کے امتی قرار پائیں گے جب کہ آپ کسی نبی کے امتی نہیں (بلکہ تمام نبیوں کے نبی ہیں) محققین حنفیہ کا اختیار کردہ اور فیصلہ بھی یہی ہے (ملخصاً) (دعوت رجوع، صفحہ۴۲،۴۳)۔

مزید سنیے: امام حافظ ابن حجر عسقلانی، امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: ''والنبی ﷺ لم یکن متعبدا قبل ان یوحی الیه بشرع من قبله علی الصحیح'' یعنی صحیح تحقیق کی بناء پر نبی کریم ﷺ وحی جلی کے نزول سے پہلے کسی بھی سابقہ شریعت کے پابند اور متبع نہ تھے۔

ملاحظہ ہو۔ (فتح الباری، جلد ہفتم، صفحہ۱۸۲، طبع قاہرہ، مصر)۔

نیز شارح بخاری علامہ قسطلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''فقال جماعة لم یکن متعبدا بشیئ وهو قول الجمهور واما قوله تعالٰی ثم اوحینا الیك ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا فانما المراد باتباعه فی التوحید'' یعنی جمہور کا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ (قبل از اعلان نبوت) کسی بھی شرع کے متبع نہ تھے جس کی شہادت علماء کی ایک جماعت نے دی ہے۔ اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''ثم اوحینا الیك ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا''؟ تو اس میں عقیدۂ توحید پر چلنے کی تاکید کا بیان ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (جواہر البحار، جلد۲، صفحہ۳۳، مؤلفہ علامہ نبہانی)۔

نیز اسی میں علامہ ماوردی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اکثر متکلمین نیز اصحاب شافعی و ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما میں سے بعض کے حسب تصریح و نظریہ ''انه صلی اللہ علیه وسلم لم یکن متعبدا بشریعة من تقدمه

مـن الانبیاء الخ آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی کی شریعت کے پابند نہ تھے (جواہر البحار، جلد ا، صفحہ ۱۰۴)۔

مستند و معتمد علیہ معترض، علامہ قرطبی اس سلسلہ کے مختلف اقوال (منع مطلقاً، توقف وتعبد) کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''وقد ابطل هذه الاقوال كلها ائمتنا اذهى اقوال متعارضة وليس فيها دلالة قاطعة وان كان العقل يجوز ذلك كله والذى يقطع به انه عليه الصلاة والسلام لم يكن منسوبا الى واحد من الانبياء نسبة تقتضى ان يكون واحدا من امته ومخاطبا بكل شريعته بل شريعته مستقلة بنفسها مفتحة من عندا الله الحاكم جلّ وعزّ'' یعنی ان سب اقوال کا ہمارے ائمہ نے ابطال فرمایا اور انہیں باطل قرار دیا ہے کیونکہ یہ آپس میں متعارض ہیں جب کہ اس بارے میں کوئی صاف اور واضح دلیل نہیں ہے اگرچہ فی نفسہ امکان کا ہونا درست ہے البتہ یہ قطعی بات ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام اس طرح سے کسی نبی سے نہ تو منسوب تھے اور نہ ہی کسی کی شریعت کے مخاطب تھے کہ آپ اس کے امتی شمار ہوں بلکہ آپ ﷺ کی شریعت بذاتِ خود ایسی مستقل شریعت ہے جو اللہ الحاکم جل وعز کی جانب سے بالکل نئی بنیادوں پر نازل کردہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تفسیر قرطبی، جلد ۸، پارہ ۲۵، صفحہ ۳۸، طبع بیروت)۔

علاوہ ازیں خود موصوف کی پیش کردہ عبارات میں بھی مذکورہ تصریحات پائی جاتی ہیں اس سے بھی ما نحن فیہ کی تائید اور معترض کے موقف کی تردید ہوتی ہے۔

چنانچہ علامہ علی القاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ عبارت مرقاۃ میں ہے: ''والصحيح انه لم يكن متعبدا بشرع لنسخ الكل بشريعة عيسى عليه السلام وشرعه قد كان حرف و بدل'' جس کا ترجمہ کرتے ہوئے موصوف نے خود لکھا ہے: ''مگر صحیح یہ ہے کہ آپ پہلے کسی شریعت پر کاربند نہیں تھے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ساتھ منسوخ ہو چکی تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تحریف اور تغییر و تبدیلی پائی گئی تھی''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۴)۔

نیز حضرت شیخ محقق کی کتاب ''شرح سفر سعادت'' کی پیش کردہ عبارت میں یہ الفاظ موجود ہیں: ''تعبد وے نہ بشریعت بود، گویند کہ بحکم عقل واستحسان وے بود بالہام، ورؤیائے صالحہ'' (تحقیقات، صفحہ ۱۶۶)۔

نیز آپ کی ایک اور کتاب اشعۃ اللمعات کی پیش کردہ عبارت میں آپ کے عندیہ کے طور پر صراحۃً مرقوم ہے: ''ظاہر آنست کہ از جانب حق تعالیٰ نور رشد وہدایت در دل وے تافتہ بود کہ بداں مقرب ومرضی درگاہ بعمل سے آمد بے اتباع شریعتے وحکم عقل''۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۶۷، ۱۷۳)۔

نیز شرح سفر کی پیش کردہ عبارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ: ''میل امام غزالی دریں مسئلۂ توقف وتردد است از جہت عدم دلیل قاطع الخ (تحقیقات، صفحہ ۱۶۶)۔

نیز جواہر البحار سے پیش کردہ قول شیخ ابن الجزار میں مصرح ہے: ''اصحها واجلها واولاها مذهب من ذهب الى الوقوف عن ذلك والسكوت وهو ﷺ مطبوع على الحق والخير واخلاق الكرام الموافقة لماجاء ت به شريعته بالهام الله له من حيث نشأ صغيرا''۔

جس کا اردو ترجمہ معترض موصوف نے اس طرح کیا ہے: ''لیکن اصح اور اجلّ اور اولیٰ بالقبول مذہب اور نظریہ ان کا ہے جنہوں نے اس بارے میں توقف اور سکوت کا قول کیا ہے جب کہ محبوب کریم ﷺ کی تخلیق ہی حق وصواب اور خیر ورشد پر ہوئی اور ان اخلاق کریمہ پر جو آپ کی شریعت میں وارد ہونے والے احکام کے موافق تھے بسبب اللہ تعالیٰ کے الہامات کے جو صغرسنی سے ہی آپ کو ہونے لگے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸)۔

نیز حضرت شیخ محقق کی ایک اور کتاب مدارج النبوۃ کی پیش کردہ عبارت میں ''ظہور نبوت'' کے الفاظ موجود ہیں جن کا ترجمہ موصوف نے اس طرح لکھا ہے: ''آپ کی نبوت کا ظہور''۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۷۴)۔

الغرض خود مصنف تحقیقات کی پیش کردہ عبارات کی مذکورہ تصریحات سے بھی ان کے اس موقف کی پرزور تردید ہوتی ہے کہ ''آپ قبل از اعلان نبوت کسی شریعت کے پابند تھے'' جن سے جہاں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ امر متفق علیہ نہیں ہے وہاں یہ بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ کسی شریعت کے پابند ہونے کا قول خلاف جمہور اور باطل ومردود بھی ہے۔ مزید سنئے۔

علاوہ ازیں موصوف نے مبحث فیہ کے بارے میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ''اس میں علمائے اعلام کا اختلاف ہے''۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۲۳) جس سے انہوں نے یہ مان لیا ہے کہ علماء کے یہ اقوال محض ان کے استنباطات کا نتیجہ ہیں قرآن وسنت میں اس کا کوئی صریح فیصلہ وارد نہیں ہوا ہے ورنہ اس قدر اختلاف کیوں؟ جس کی تائید ان کی نقل کردہ عبارت ''شرح سفر السعادۃ'' کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ ''از جہت عدم دلیل قاطع'' جو تحقیقات صفحہ ۱۶۶ سے ابھی چند سطور پہلے پیش کیے جاچکے ہیں۔ جب کہ اس کا فیصلہ قرآن وسنت کی تصریحات کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ یہ مسئلہ امور غیب سے ہے۔ پس یہ بھی ان کے پیش نظر موقف کے غلط ہونے کی دلیل ہے کیونکہ قرآن وسنت کے صریح فیصلہ کے بغیر امر غیب کے بارے میں رائے دینا رجماً بالغیب ہے جو قطعاً قابل قبول نہیں۔

ثالثاً: علاوہ ازیں قبل از اعلان نبوت کی مدت میں، نبوت کے قائلین اس کے ہرگز قائل نہیں ہیں کہ اس

عرصہ میں شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ نازل ہوچکی تھی کیونکہ شریعت، رسالت کے لیئے ہے جس کا ظہور چالیس سال کی عمر شریف کے بعد ہوا۔ نبوت کے لیئے وحی (نبوع ما) کافی ہوتی ہے جو اس عرصہ میں ثابت ہے وقد مراً مراراً۔

لہٰذا بفرض تسلیم اس مدت میں آپ ﷺ سابقہ کسی شرعیت پر کاربند ہوں بھی سہی تو بھی اس سے مسئلۂ نبوت پر کچھ زد نہیں پڑتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ امور غیر منصوصہ میں دیگر شریعت سے توافق ہوگا جب کہ توافق منافیٔ نبوت نہیں کیونکہ اس طرح کا توافق تو اعلان نبوت کے بعد بھی ہوتا تھا جس کا ثبوت دعوت رجوع نیز کتاب ہٰذا میں بھی پیش کیا جاچکا ہے اور صحیحین کے حوالہ سے ہم دکھا چکے ہیں کہ ''کان النبی ﷺ یحب موافقۃ اھل الکتاب فیما لم یؤمر فیہ'' یعنی بعد از اعلان نبوت بھی نبی کریم ﷺ کو جس امر میں واضح حکم نہیں ہوتا تھا، آپ اس میں اہل کتاب سے موافقت کو پسند فرماتے تھے۔ (دعوت رجوع، صفحہ ۴۴)۔

لہٰذا اس سے ''آپ ﷺ کے مستقل صاحب شرع نبی'' ہونے پر کیا گیا اعتراض بھی کافور اور ہباءً منثور ہوگیا۔

رابعاً: علاوہ ازیں شریعت ابراہیمیہ کا متبع ہونا بھی منافیٔ نبوت نہیں کیونکہ اس کا حکم تو آپ کو اعلان نبوت کے بعد کے عرصہ میں بھی دیا گیا قال اللہ تعالٰی ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔ بالفاظ دیگر جب آپ کی ملت ہے ہی ابراہیمی تو قبل از اعلان نبوت اگر آپ اس کے متبع ہوں تو یہ نبوت کے منافی کیونکر ہوا کیونکہ بعد از اعلان نبوت بھی تو آپ اس کے مأمور ہوئے جس کی ائمہ شان نے بھی تصریح فرمادی ہے جسے خود معترض نے بھی استناداً نقل کیا ہے۔

چنانچہ موصوف نے شیخ عبداللہ بسنوی نامی ایک بزرگ کو ''عارف باللہ'' کہہ کر ان کی بزرگی کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی ایک طویل عبارت نقل کی ہے جس کے ضمن میں انہوں نے یہ لکھا اور مانا ہے کہ ''ہمارے آقا و مولیٰ محمد کریم ﷺ بعثت سے قبل ان کی ملت پر تھے اور جب آپ کو مبعوث فرمایا گیا اور شرف نبوت و رسالت سے بہرہ ور کیا گیا تو اسی ملت کو آپ کی شریعت بنا کر اس کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا'' فلما بعث منھا بعث بھا من حیث کونھا شرعاً''۔

نیز ''آپ..... اپنی بعثت سے قبل اس ملت پر ملّت ابراہیمی کی حیثیت سے عمل پیرا تھے اور آپ کی بعثت کے بعد وہی ملت آپ کی شریعت قرار پائی تو اس پر عمل پیرا ہوئے اس حیثیت سے کہ وہ اب آپ کی ملت تھی'' الخ ''وبعد بعثتہ شرعت لہ ملۃ ابراھیم الخ'' ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱)۔

خامسا: علاوہ ازیں علماء کا تو اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ ﷺ بعد از اعلان نبوت بھی سابقہ شرائع کے متبع تھے یا نہیں؟ پس اگر یہ منافیٔ نبوت ہوتو یہ معاذ اللہ بعد از اعلان نبوت بطریق اعلیٰ منافیٔ نبوت ہوگا جو قطعاً غلط ہے۔

چنانچہ علامہ ابن الجوزی اپنی طویل عبارت میں لکھتے ہیں: ''فامابعد مبعثه فهل كان يتعبد بشريعة من قبله؟ فيه روايتان احدهما نه كان متعبدا بما صح من شرائع من قبله بطريق الوحي اليه لا من جهتهم ولا بعلمهم ولا كتبهم المنزلة واختاره ابوالحسن التميمي وهو قول اصحاب ابي حنيفة الخ (الوفاء عربی' صفحہ ۱۳۹' ۱۴۰' طبع فیصل آباد) جس کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے معترض موصوف نے لکھا ہے کہ: ''آیا بعد از بعثت و نزول وحی بھی پہلی شریعتوں پر آپ عمل پیرا رہے یا نہیں؟ اس میں دو روایتیں ہیں: اوّل یہ کہ بذریعہ وحی جن امور کا شریعت رسل میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے اس پر عمل فرماتے (الیٰ) ابوالحسن تمیمی کا مختار ہی ہے اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب و متبعین کا مسلک یہی ہے (الیٰ) امام شافعی سے دو قول منقول ہیں (الیٰ) پھر اختلاف ہے کہ آپ کس پیغمبر کی شریعت پر عمل فرماتے تھے بعض فرماتے ہیں کہ صرف ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر۔ امام شافعی کے متبعین کا مختار یہی ہے۔ ایک جماعت کا مختار یہ ہے حضرت موسیٰ کی شریعت پر عمل فرماتے تھے۔ امام احمد کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جو امر بھی صحیح طریقہ پر معلوم ہوتا کسی نہ کسی پیغمبر کا معمول ہے اس پر عمل فرما لیتے۔ بشرطیکہ اس پر خط نسخ نہ کھینچ دیا گیا ہو۔ کلام مجید سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ (ملخصاً بلفظہ)۔

ملاحظہ ہو۔ (سیرت سید الانبیاء ﷺ ترجمہ الوفاء' صفحہ ۱۷۷' طبع فرید بک سٹال لاہور)۔

خلاصہ یہ کہ کسی شریعت سے توافق نیز کسی شرع کی اتباع کو منافیٔ نبوت سمجھنے کا استدلال انتہائی سطحی ہے جس کا سطحی ہونا معترض کی تصریحات سے بھی ثابت ہے ہمارے اس بیان سے موصوف کے اس اعتراض کا بھی ایک بار پھر جواب ہو گیا کہ جب آپ مستقل نبی ہیں تو متبع کیسے؟

علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو مستقل نبی ہیں پھر بھی انہوں نے بحکم الٰہی حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا: ''هل اتبعك على ان تعلمن مماعلمت رشدا''۔

نیز امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے اس ارشاد سے بھی اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''جب آخر الزمان میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نزول فرمائیں گے با آنکہ بدستور منصب رفیع نبوت و رسالت پر ہوں گے' حضور پُرنور سید المرسلین ﷺ کے امتی بن کر رہیں' حضور ہی کی شریعت

پر عمل کریں گے، حضور کے ایک امّتی و نائب یعنی امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے الخ''۔

ملاحظہ ہو۔ (تجلّی الیقین، صفحہ۹، طبع مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد) مطبوعہ ۱۳۸۹ھ) والحمد للہ رب العلمین۔

مغالطہ نمبر ۱۱ (عدم اظہار نبوت کا مطلب اخفاء نبوت ہے جو ناجائز ہے) **کا ازالہ**

مغالطہ ہٰذا کو موصوف کئی طریقوں سے لائے ہیں جو ترکی بہ ترکی جواب کا متقاضی ہے' سووہ حاضر ہے۔اعتراض ''قال'' اور جواب ''اقول'' کے الفاظ کے تحت ہوگا۔تو پڑھیے:

قال: ''جو لوگ بالفعل نبی مانتے ہیں وہ بھی انکار نہیں کرتے کہ آپ ﷺ نے چالیس سال تک نبوت کا اعلان نہیں فرمایا اور اپنے قریبی سے قریبی پر بھی اس کو ظاہر نہیں فرمایا۔تو یہ لغو' بے بنیاد' اور ناحق وناصواب نظریہ ہے کیونکہ نبوت ورسالت اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان سفارت کا نام ہے۔انبیاء علیہم السلام پر اپنا منصب ظاہر کرنا بھی فرض اور اس پر معجزہ کے ذریعے مہر تصدیق ثبت کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔امام نیشاپوری فرماتے ہیں: ''ذهب المحققون الی ان علی الولی یجب اخفاء ولایته ویجب علی النبی اظهار نبوته'' اہل تحقیق کا مذہب یہ ہے کہ ولی پر اپنی ولایت کا چھپانا واجب اور نبی پر اپنی نبوت کا اظہار کرنا لازم ہوتا ہے۔(تفسیر نیشاپوری علیٰ حاشیہ الطبری' جلد ۶' صفحہ ۲۰۶)۔

حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد ہے: خوارق اور معجزات کا ظاہر ہونا نبوت کے لیئے شرط ہے نہ کہ ولایت کی شرط ہے۔نبوت کا اظہار لازم ہے نہ کہ ولایت کا۔نبوت مخلوق کے لیے دعوت اور مقام ولایت میں قرب حق ہے۔دعوت کے لیے اظہار لازم ہے جب کہ قرب ولایت کے لیے ستر موزون ہے۔(مکتوبات' جلد ۲' صفحہ ۴۶۴)۔ملخّصاً بلفظہ' ملاحظہ ہو۔(تحقیقات' صفحہ ۳۷' ۳۸)۔

نیز اگر آپ وقت ولادت سے نبی تھے تو انتہائی مخلص' فدائی مصاحب اور رفیق حضرت صدیق پر کیوں یہ انکشاف نہ فرمایا اور ان کو بچپن میں ہی اپنے امتی بننے کا اعزاز کیوں نہ بخشا حالانکہ وہ بھی پیدائشی طور پر شرک دشمن' بت پرستی کے خلاف اور بتوں کو بے بس سمجھتے تھے (ملخّصاً) ملاحظہ ہو۔(تحقیقات' صفحہ ۱۲۰' ۱۲۱)۔

نیز ''جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ نے عمر شریف کے تقریباً دوتہائی حصہ تک اپنی نبوت کو چھپائے رکھا' نہ امّی جان پر اظہار فرمایا نہ مشفق دادا پر نہ جناب ابوطالب جیسے جانثار چچا کو مطلع فرمایا نہ ہی مخلص ترین بیوی حضرت خدیجہ پر نہ صدیق اکبر جیسے جگری دوست پر اس کا اظہار فرمایا۔عام مجمعوں میں اعلان تو کجا ان خواص اور اخص الخواص کے سامنے اپنے نبی ہونے کا اظہار نہ کرنا کس عقل مند کے نزدیک جائز ہوسکتا ہے؟ (تحقیقات' صفحہ ۳۹)۔

نیز'' کوئی عقل مند تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت کا منصب عطا کرے اور اسے مطلقاً اظہار کی اجازت نہ دے بلکہ اظہار کو حرام ٹھہرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیونکر اور آپ کو عظیم ثواب کمانے سے اور لوگوں کو آپ سے استفادہ سے کیونکر محروم رکھنا تھا؟ آپ کی امی جان' دادا جان آپ کے حق میں خوش اعتقاد تھے۔ حضرت خدیجہ حضرت صدیق حضرت زید اور حضرت علی پہلی وحی نازل ہونے پر فوراً حلقۂ غلامی میں داخل' حضرت ورقہ بھی مشرف با اسلام ہو گئے۔ تو اگر اس سے قبل ان حضرات کو آپ کی شان کا علم اور ادراک ہو جاتا تو ان کا کس قدر بھلا ہوتا؟ (تحقیقات' صفحہ ۴۰)۔

نیز عبارت شرح عقائد'' فلانہ ادعی النبوۃ و اظہر المعجزات '' لکھ کر کہا ہے: معلوم ہوا دعویٰ نبوت و اظہار معجزہ کے بغیر نبوت ثابت نہیں ہوتی''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶)۔

نیز جب تک لوگوں کو دعوت توحید و رسالت ہی نہ پہنچی تو ان کا امت اجابت یا امت دعوت ہونا کیونکر متصور ہو سکتا ہے''؟ (تحقیقات' صفحہ ۲۲۴)۔

اقول: آپ ﷺ کا پہلے بمعنیٰ حقیقی نبی ہونا نیز اس کے بعد نبوت کا زوال و سلب ثابت نہ ہونا ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ حضور ہمیشہ حکمِ الٰہی کے تابع ہیں جب تک اذن و حکم نہ ملا تھا خاموش رہے جب اذن مل گیا اور حکم ہو گیا تو آپ نے شان نبوّت کا اظہار فرمایا۔ ﷺ۔ بلفظ دیگر آپ ﷺ بعثت سے قبل اظہار نبوت کے پابند نہ تھے اس لیۓ اس وقت خود کو ظاہر نہ فرمایا۔ خود اعلانِ نبوت کے بعد بھی امر نہ ہونے کی صورت میں بہت سے امور سے خاموشی اختیار فرمائے رکھی۔ نیز بعض امور کا کبھی برملا اظہار نہ فرمانا بھی ثابت ہے۔ نیز آیات علق کے نزول کے بعد غار حرا سے دولت کدہ تک تشریف آوری کے دورانیہ میں کسی کو مطلع کرنا بھی ثابت نہیں۔ نیز اس کے بعد تین سال تک خاموشی سے اور خفیہ طور پر فریضہ سرانجام دینا بھی حقیقت ثابتہ ہے۔ پھر جب اس حالت کو بدلنے کا حکم آیا تو آپ اس میں تبدیلی لائے۔ اس سے بھی ما نحن فیہ پر روشنی پڑتی ہے۔ حیات طیبہ کے مکّی حصہ میں کفار و مشرکین کے شدید مظالم کے باوجود آپ کا اپنے اصحاب کرام کو ان سے قتال کا حکم نہ دینا بھی اسی کا حصہ ہے۔

نیز دعویٰ نبوت اور اظہار معجزہ کا ضروری ہونا نفس نبوت کے ثبوت کے لیۓ نہیں بلکہ لوگوں پر آپ کی ذات مبارکہ پر ایمان لانے کے لزوم اور اتمام حجت کے طور پر ضروری تھا۔

الغرض آپ ﷺ کا اپنی شان نبوت کا ظاہر نہ فرمانا اس کا اذن و حکمِ الٰہی نہ ہونے کی بناء پر تھا' معاذ اللہ اس زمانہ میں نبی نہ ہونے کی بنیاد پر نہ تھا۔ اسے اخفاء نبوت یا نبوت کا چھپانا بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ نبوت کا

چھپانا یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مخلوق تک کسی امر کے پہنچانے کا حکم ہوا اور اسے معاذ اللہ آپ نہ پہنچائیں مطلقاً عدم اظہار/اخفاء نبوت نہیں کہ یہ تو بعد اعلان نبوت بھی ثابت ہے (کما قد مر و سیأتی تفصیله)۔

پس یہ اعتراض ہی سرے سے غلط ہے جس کے لیۓ اتنا بھی کافی ہے کہ معترض اس کا ثبوت لانے سے مکمل عاجز ہے اور ان شاء اللہ عاجز رہے گا بے شک طبع آزمائی کر کے دیکھ لے۔ پھر بھی نہ مانیں تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ اخفاء بھی امر الٰہی سے تھا۔

اعتراض بھی سطحی اور بوگس قسم کا ہے اگر اسے درست تسلیم کرلیا جائے تو یہ معاذ اللہ سیدھا ذات باری تعالیٰ پر عائد ہوگا کہ اس نے اتنا عرصہ آپ ﷺ کو کیوں نہ اظہار نبوت کا امر فرمایا جو ظاہر البطلان ہے جس کی کچھ تفصیل ابھی عنقریب آرہی ہے۔ اس سب کے بعض دلائل حسب ذیل ہیں:

- چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی" (پارہ ۲۷، والنجم)۔ نیز ان اتبع الا مـا یوحی الیّ الایة (پارہ ۲۶، الاحقاف)۔ یعنی حضور کا بولنا اور کچھ کر کے دکھانا اس وقت ہوتا جب آپ کو وحی الٰہی ہوتی۔

اقول: اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اعلان نبوت کے بعد بھی آپ کو جب تک حکم نہ ہوتا کچھ نہ فرماتے جس لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اعلان نبوت کے بعد کے زمانہ میں بھی کچھ وقت قطعی طور پر ایسا بھی ہوتا تھا جس میں بیان احکام سے خاموشی ہوتی جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ عدم اظہار نبی نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ پھر جب یہ بعد اعلان نبوت، نبی نہ ہونے کی دلیل نہیں تو اس سے قبل کے زمانہ میں بطریق اولیٰ اس کی دلیل نہیں۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بیعت عقبہ کے موقع پر کفار مکّہ کے مظالم معلوم ہونے پر بعض انصار کرام نے عرض کی تھی کہ اگر آپ ہمیں اجازت عطا فرمائیں تو ہم اپنی تلواروں سے ان کا کام تمام کر دیں تو آپ نے فرمایا "لـم نؤمر بذلك ولكن ارجعوا الی رحالكم" "ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا، ہاں حکم یہی ہے کہ ابھی تم اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔

الغرض جب تک حکم نہ ہوا کفار کے شدید مظالم کے باوجود آپ نے ان سے جہاد کی اجازت نہ دی۔ اسی طرح آپ ﷺ کا ہجرت پر آمادہ ہو کر اس کے لیے حکمِ الٰہی کی انتظار فرمانا پھر حکم ملنے پر ہجرت فرمانا بھی مانحن فیہ کی دلیل ہے۔

نیز صحیحین کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ "كان النبی ﷺ یحب موافقة اھل الكتاب فیما لـم یؤمر فیه" "یعنی (بعد از اعلان نبوت بھی) نبی کریم ﷺ کو جس امر میں واضح حکم نہیں ہوتا تھا، آپ اس میں

اہل کتاب سے موافقت کو پسند فرماتے تھے۔(مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۰ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)۔

○ مزید دیکھئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''یایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغتك رسالتك ''اے رسول پہنچادو جو کچھ اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا''۔(پارہ المائدہ نمبر ۶۷)۔

نیز فرمان ہے:''وما کان لنبی ان یغل ''اور کسی نبی پر یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ وہ کچھ چھپائے (پارہ ۴ آل عمران:۱۶۱)۔ان سے ایسا ممکن نہیں نہ وحی میں نہ غیر وحی میں۔(خزائن العرفان صفحہ ۱۰۵)۔

ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:''من اخبرك انه کتم فقد کذب ثم قرأت یا یھا الرسل بلغ ما انزل الیك من ربك''(صحیح بخاری جلد۲ صفحہ ۷۲۰)۔

بین السطور میں قسطلانی کے حوالہ سے لکھا ہے''بما امر بتبلیغه ''۔یعنی جو تمہیں یہ کہے کہ آپ ﷺ نے کوئی ایسا امر چھپالیا جس کے لوگوں تک پہنچانے کا آپ کو حکم تھا تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ یہ شان نبوت اور حکم قرآن کے خلاف ہے۔اس کے بعد امّ المؤمنین نے اس کی دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك۔

اقول: اس سے ثابت ہوا کہ چھپانے کی صورت محض یہ ہوسکتی ہے کہ حکم آجانے کے باوجود اسے ظاہر نہ کیا جائے۔حکم نہ ہونے کی بنیاد پر عدم اظہار ہو تو اس پر نبوت کے چھپانے کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

○ مزید سنئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے ماسوا تمام جنتی بوڑھوں کا سردار قرار دیا اور فرمایا''لا تخبر هما یا علی مادام حیّین ''علی! جب تک یہ زندہ ہیں ان پر اس کو ظاہر نہیں کرنا۔(جامع ترمذی جلد۲ صفحہ ۲۰۷ طبع دہلی ابن ماجہ صفحہ ۱۰ طبع کراچی والالفظ للثانی)۔

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو طرح کے علوم حاصل کیے ایک قسم وہ ہے جسے کھول کر بیان کرتا ہوں رہی دوسری قسم؟''فلو بثثته قطع هذا البلعوم ''اگر اسے کھول کر بیان کروں تو میری گردن کاٹ دی جائے۔(صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۱۰۴۳ طبع کراچی)۔

حضرت معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خوب متوجہ کر کے فرمایا جو صدق قلب سے''لا اله الا الله محمد رسول الله'' کی گواہی دے اس پر اللہ تعالیٰ نار جہنم کو حرام فرمادیتا ہے۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! کیا میں لوگوں میں اس کا اعلان نہ کردوں تاکہ وہ خوش ہوجائیں؟ فرمایا:''اذا

یتکلوا ''یعنی عوام الناس نافہمی کے باعث نیکی میں کوتاہی کے مرتکب ہوں گے۔

راوی کا بیان ہے کہ ''فاخبربها معاذ عند موته تأثما ''یعنی حضرت معاذ ﷺ نے کتمان علم کے جرم سے بچنے کی غرض سے اپنی وفات کے وقت اس حدیث کو بیان فرمایا۔ (مشکوۃ' صفحہ۱۴' بحوالہ صحیحین عن انس ﷺ)

امام جلال الملۃ والدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمایا کہ کچھ علماء اس نظریہ کے حامل ہیں کہ ''انہ صلی اللہ علیہ وسلم اوتی علم الخمس ایضاً وعلم وقت الساعة والروح وانه امر بکتم ذلك '' یعنی آپ ﷺ کو امور خمسہ بالخصوص وقت وقوع قیامت نیز حقیقت روح کا علم عطا فرمایا گیا ساتھ ہی آپ کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ اسے کھول کر برملا بیان نہیں کرنا۔ (الخصائص الکبریٰ' عربی' جلد۲' صفحہ۱۹۵)۔

علامہ قسطلانی 'قل الروح من امر ربی کے تحت شرح بخاری میں بعض علماء سے استناداً لکھتے ہیں: بل یحتمل ان یکون اطلعه ولم یأمره ان یطلعهم وقد قالوا فی علم الساعة نحو هذا ''یعنی یہ اپنے اس مطلب میں دوٹوک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو روح کی حقیقت نہیں بتائی (کیوں کہ آپ صلی اللہ علی وسلم کا نہ بتانا عدم واقفیت پر مبنی ہونے کو مستلزم نہیں اس لیۓ) ہوسکتا ہے کہ آپ اس کے نہ بتانے پر ماٗمور ہوں۔ ان علماء نے علم وقت وقوع قیامت کے متعلق بھی یونہی فرمایا ہے۔ (ارشاد الساری جلد ۷' صفحہ۲۱۴)۔

اسی طرح فتح الباری میں بھی ہے۔

اقول: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے ''فیم انت من ذکرٰها''۔

حضرت صدرالافاضل مرادآبادی قدس سرہ نے انوار التنزیل سے ''بلغ ما انزل الیك '' کی تفسیر نقل کرتے ہوئے فرمایا اس سے یہ مراد ہے کہ جن کی تبلیغ کا حکم تھا ان میں سے کچھ نہیں چھپایا اور جن کے چھپانے کا حکم تھا وہ بےشک چھپائے۔

نیز روح البیان اور مدارج النبوۃ کے حوالے سے یہ حدیث لکھی ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے رب نے شب معراج مجھے کئی قسم کے علوم تعلیم فرمائے: نمبر۱' جس کے چھپانے پر مجھ سے عہد لیا۔ نمبر۲' جس کے چھپانے اور سکھانے کا مجھے اختیار دیا اور نمبر۳' جس کے سکھانے کا ہر خاص و عام امتی کی نسبت حکم فرمایا۔

اس کے بعد ارقام فرماتے ہیں: ''حدیث وتفسیر سے ثابت ہوا کہ اسرارِ الٰہی کا علم جو حضرت کو مرحمت ہوا ہے اس کا افشاء حرام ہے''۔ (کلّہ ملخصاً بلفظہ)

ملاحظہ ہو۔ (الکلمة العلیا' صفحہ۷۰' طبع قدیم)

اقول: یہ حوالہ جات اس امر کی دلیل ہیں کہ آپ ﷺ نے اعلان نبوت کریمہ کے بعد بھی حکمِ الٰہی کی بناء پر بعض امور کو بیان فرمانے کی بجائے انہیں اپنے تک محدود رکھا۔لہٰذا مطلقاً اخفاء منافی نبوت نہ ہوا وھوالمقصود۔

جس کی مزید تائید حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی اس شان سے بھی ہوتی ہے کہ وہ ''صاحب سرّ رسول ﷺ'' تھے یعنی رسول اللہ ﷺ کے رازدار جنہیں آپ راز کی باتیں بہت بتاتے تھے۔(**اکمال فی اسماء الرجال**،صفحہ ۵۹۰،مشمولہ مشکوٰۃ عربی)۔

○ **تائید مزید**:مانحن فیہ کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نبی پہلے سے تھے تبلیغ کا حکم انہیں بعد میں ہوا کیونکہ ان کی بعثت اپنی زوجۂ محترمہ اور اولاد کی طرف ہوئی تھی جب کہ حضرت حواء اور ان کی اولاد کی تخلیق وولادت اس کے عرصہ بعد ہوئی۔

نیز حضرت سیدنا موسٰی کلیم اور سید ہارون علیہما السلام نبی پہلے سے تھے مگر فرعون کو سمجھانے کے لیئے عرصہ بعد اس کے پاس تشریف لے گئے کیونکہ انہیں اس کا حکم ہی ایسے ہوا۔

نیز حضرت سیدنا عیسٰی علیہ السلام نے اپنی والدہ ماجدہ کی براءت فوری بیان نہ فرمائی بلکہ تہمت لگائی جانے کے کچھ وقت بعد فرمائی اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ انہیں حکم ہی بعد میں ملا۔

نیز اس کی تائید ان بعض اکابر کی ان تصریحات سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے ولادت باسعادت سے چالیس سال کی عمر شریف تک کے زمانہ میں نبوت کے ذات بابرکات میں مستور ہونے کے لفظ بولے ہیں جس کی باحوالہ تفصیل جلد اول میں گزرچکی ہے۔

نیز اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت نہ ہونا بھی ایک حقیقت واقعیہ ہے جیسے حضرت خضر علیہ السلام(جن کے بارے میں کچھ تفصیل عنقریب آرہی ہے)۔

نیز حضرت یحیٰی علیہ السلام کے بارے میں امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:''ان یحیٰی علیہ السلام کان نبیا ولم یکن مبعوثا الی قومہ وکان منفردا بمراعاۃ شانہ''یعنی حضرت یحیٰی علیہ السلام نبی تھے مگر ان کی قوم کی طرف ان کی بعثت نہ ہوئی اور آپ کے ذمہ صرف تہذیب نفس تھی۔

ملاحظہ ہو۔(جواہر البحار،جلد ۱،صفحہ ۸۱،طبع مصر)۔

نیز علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ احکام ایسے بھی ہیں جو ان انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات قدسیہ کے ساتھ خاص ہیں جن کی لوگوں کی طرف بعثت نہ ہوئی۔

اقول: جواس امر کی دلیل ہے کہ بعثت نہ ہونا نفس نبوت کے منافی نہیں اسی طرح بعثت کا ہونا بھی نفس نبوت کے لیئے لازم نہیں اور یہ تو بہرحال واضح ہوگیا کہ نبی کا اظہار وعدم اظہار نبوت حکم الٰہی کے تابع ہے جس سے مانحن فیہ کا ثابت ہونا ایک نا قابل تردید حقیقت ہوا۔ والحمد للہ تعالیٰ۔

حیث قال: ''اما الاحکام التی یوحی بھا افراد الانبیاء الذین لم یبعثوا الی الامم بل اوحی الیھم لصلاح انفسھم وامتثال امور بینھم وبین اللہ تعالیٰ ''۔ملاحظہ ہو۔(تفسیر مظہری' جلد۶' صفحہ۵۱' تحت ھل اتبعك علی ان تعلمن مما علمت رشدا)۔

نوٹ: یہ حوالہ استاذی الکریم حضرت قبلہ مفتی محمد اقبال صاحب سعیدی رضوی مدّظلہ العالی کے خصوصی عطیات سے ہے۔

○ **خصوصی جزئیہ**: حضرت صدر الشریعۃ (مصنف بہارِ شریعت) کے تلمیذ رشید حضرت مولانا مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں: ''چالیس سال کی عمر شریف میں منصب نبوت پر سرفراز ہوئے؟ اگراس کا مطلب یہ ہے تو صحیح ہے کہ چالیس سال کی عمر میں تبلیغ کا حکم ہوا تو حضور نے اعلان نبوت فرمایا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ چالیس سال کی عمر سے پہلے وہ نبی نہیں تھے اور اس سے پہلے کی زندگی' نبوی زندگی نہ تھی تو غلط ہے''۔

اس کے سائل کے متعلق لکھا ہے: ''وہ جاہل نہیں تو گمراہ ہے اور گمراہ نہیں تو جاہل ہے''۔

ملاحظہ ہو (فتاویٰ فیض الرسول' جلد۱' صفحہ۱۳' ۱۴' طبع شبیر برادرز' لاہور' مطبوعہ ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۲ء)۔

نیز خود معترض کے ایک تلمیذ حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق بھترالوی دام ظلہٗ نے نبوت سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی بحث میں لکھا ہے کہ: ''آپ کو نبوت یا کتاب' عطاء تو اسی وقت فرمادیں جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے۔ البتہ لوگوں کو تبلیغ کرنے اور اعلان نبوت کا حکم بعد میں دیا گیا۔ تمام انبیاء کرام کی صورت حال یہی ہے''۔

ملاحظہ ہو۔ (تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام' صفحہ۱۶۵' طبع مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی' مطبوعہ ۲۰۰۲ء)۔

خلاصہ یہ کہ چالیس سال کی عمر شریف سے پہلے عدم اظہار نبوت اس لیئے نہ تھا کہ آپ نے معاذ اللہ از خود نبوت کو چھپایا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اس وقت اس کے اظہار پر ماٗمور نہ تھے جب کہ اس زمانہ میں اظہار کا امر ہونا بھی ثابت نہیں ومن ادّعی فعلیه البیان۔

○ ان سطور سے **اس کا بھی جواب ہوگیا** کہ آپ ﷺ نے اپنے انتہائی قریبی اور مخلص جانثار قسم کے لوگوں پر کیوں نہ اس کا اظہار فرمایا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں کیونکہ جب آپ کو اس کا حکم ہی نہیں تھا تو قریبیوں کی

تخصیص بھی بے سود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اعلان نبوت کے بعد بھی ساری باتیں کھول کر سب کو نہیں بتائیں جس کے کچھ حوالہ جات ابھی پیش کیئے جا چکے ہیں۔

مزید پڑھیئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ کے حضور ایک خواب بیان کیا گیا' حضرت صدیق اکبر نے اس کی تعبیر کے بیان کرنے کی اجازت مانگی جو انہیں عطا ہوئی۔ اس کی کیفیت کے متعلق پوچھنے پر ارشاد ہوا کہ کچھ صحیح ہے کچھ صحیح نہیں۔ عرض کی آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آپ اس کے غلط اور صحیح کی نشاندہی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ''لا تقسم'' یعنی تم قسم مت دو۔ ملاحظہ ہو۔ (صحیح بخاری' جلد۲' صفحہ ۱۰۴۳' طبع کراچی)۔

شارحین نے اس کا مطلب یہ لکھا کہ آپ ﷺ نے قسم دینے کے باوجود اسے بیان نہ فرمایا اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ ''لم یؤمر بذلك'' آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے اس کا اذن نہ ملا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ (صحیح بخاری' جلد۲' صفحہ ۱۰۴۳ حاشیہ ۹)۔

نیز یہ روایت بھی نفس بحث کا خصوصی جزئیہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت صدیق سے فرمایا تھا: ''یا ابابکر والذی بعثنی بالحق لم یعلمنی حقیقۃ غیر ربی'' یعنی ابوبکر! مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق دے کر بھیجا میری پوری عظمت وشان صحیح معنٰی میں میرے رب کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ (مطالع المسرات' صفحہ ۱۲۹)۔

علاوہ ازیں جب سورۂ علق کی آیات (اقرأ باسم ربك الخ) نازل ہو گئیں تو اس وقت تو آپ ﷺ قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے نبی تھے مگر صحیحین کی اس سلسلہ کی تفصیلی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے حضرت خدیجہ نیز حضرت ورقہ کو اس واقعہ کی پوری تفاصیل بتانے کے باوجود یہ لفظ بالکل نہیں فرمائے کہ میں اللہ کا نبی ہوں۔ تو کیا معاذ اللہ اسے بھی اخفاء نبوت کہا جا سکتا ہے؟

بلکہ دیگر دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کم وبیش تین سال تک اپنے نبی ہونے کا برملا اظہار نہیں فرمایا۔ جب ''یا ایھاالمدثر قم فانذر'' کا حکم ہوا تو آپ نے اس کا کھل کر اظہار فرمایا جس سے ہمارا یہ موقف بالکل درست قرار پاتا ہے کہ یہ سب حکم ہونے نہ ہونے کے فلسفہ پر مبنی ہے پس جب بعد از اعلان نبوت بھی بظاہر ضرورت کے باوجود آپ اس لیئے نہ بولے کہ آپ حکم نہیں ملا تھا۔ تو قبل از اعلان نبوت اس کی وجہ حکم نہ ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔

علاوہ ازیں یہ اعتراض اس لیئے بھی سطحی ہے کہ اس کی بنیاد عدم ذکر کے وجود کی دلیل ہونے کے خود

ساختہ نظریہ پر ہے جو غلط ہے اور اہل سنت کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عدم ذکر عدم وجود کی دلیل قطعاً نہیں ہے۔

نیز تنبیہات جلد اوّل اور دعوت رجوع میں متعدد مثالوں سے ہم یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت کے زمانہ میں بھی فضائل سے آراستہ اور رذائل سے پاک تھے اور آپ اپنے متعلقین کو بھی وقتاً فوقتاً اس کی تلقین جاری رکھتے تھے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

○　ہمارے اس بیان سے **اس خدشہ کا بھی دفعیہ ہو گیا** کہ اگر آپ اپنے مخلصین اور غیر متعصب قسم کے لوگوں پر اپنا نبی ہونا ظاہر فرما دیتے تو کتنوں کا بھلا ہو جاتا لوگ محرومی سے بچ جاتے اور خود آپ عظیم ثواب کماتے کیونکہ جب اس کی بنیاد ہے ہی حکمِ الٰہی کے نہ ملنے پر تو بھلا نہ کرنے کی بات خود اللہ تعالیٰ تک جائے گی جو غلط ہے کہ لا یسئل عما یفعل۔

بناءً علیہ حضور پر بھی یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آپ کا یہ عدم اظہار عدم اذن پروردگار کے باعث تھا۔ بلفظ دیگر اس حوالہ سے جو کیا اللہ نے کیا جو سوال سے بالاتر ہے۔ پس حضور بھی سوال سے بالاتر ہیں۔ ورنہ کیا حکمِ الٰہی کا انتظار کرنا کارِ ثواب نہیں ہے؟

پھر ''غیر متعصبین'' کی قید بھی عجیب ہے کیونکہ لوگوں کے لیۓ جو در دسر اور بے ایمانی کا سبب تھے وہ شریر اور متعصب قسم کے ہی لوگ تھے جن کے جلد صفایا کرنے کی حاجت تھی۔ لہٰذا یہ سوال ایک بار پھر اللہ تعالیٰ پر جائے گا کہ صرف چالیس سال کا عرصہ ہی نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد کا زمانہ بھی جو صدیوں پر محیط ہے کیوں اس نے نبی سے خالی رکھا اور کیوں نہ لوگوں کے گمراہی سے بچنے کا انتظام فرمایا جو حسب وجہ مذکور غلط ہے۔

اس سلسلہ میں تحقیق حق یہ ہے کہ (۱) زمانہ فترت میں نجات کے لیۓ عقیدۂ توحید پر کاربند ہونا کافی ہے اور (۲) نیز انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً آپ ﷺ کا ارسال (دیگر امور کی طرح) اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ یہ اس کی خاص نوازش ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بالخصوص حضور اقدس ﷺ کے بارے میں فرمایا: لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً الآیۃ۔

نیز کتب کلام وغیرہ میں مصرّح ہے وفی ارسال الرسل حکمۃ بالغۃ۔

بناءً علیہ اصولی طور پر لوگوں پر قوت فکریہ اور عقل کے حوالہ سے وحدانیت الٰہ کا سمجھنا لازم تھا اور اپنی سوچ سے کام لے کر اس کا حاصل کرنا ان پر ضروری تھا جیسا کہ حضور امام اعظم رحمہ اللہ الاکرم سے بھی منقول ہے۔ جب کہ ہر دور میں قائلین توحید موجود رہے جیسے حضرت قس، حضرت زید بن عمرو بن نفیل وغیرہما رضی اللہ عنہم جس

کی تفصیل کتب سیر وتواریخ (الشفاء اور البدایہ والنہایہ وغیرہا) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جب تک نبیوں کو نہ بھیجا تھا' اس پر بھیجنا لازم نہ تھا اور جب بھیج دیا تو خاص مہربانی فرمائی پس اس پر اعتراض کرنا جائز نہیں بلکہ اس کا اس پر شکرادا کرنا ضروری ہے۔ پھر چونکہ چالیس سال کی عمر' عرف میں کمال عقل کا زمانہ ہے جس میں لوگ پیروی کو طبعی طور پر ناپسند نہیں کرتے جب کہ چھوٹی عمر والے کی اتباع سے عموماً طبیعتیں راغب ہوتی ہیں اس لیۓ بعثت کے لیۓ عموماً اسی عمر کو رکھا گیا لیکن یہ نفس نبوت کے لیۓ شرط نہیں بلکہ نفس نبوت کے لیۓ تو بلوغ بھی شرط نہیں جیسا کہ شرح المقاصد نیز حتی اذا بلغ اشده الآية کے تحت تفسیر کبیر اور روح المعانی میں مصرح ہے۔

بناء بریں جب تک حضور نے بھی خود کو ظاہر نہیں فرمایا تو یہ آپ پر لازم نہ تھا اور جب اپنی شان نبوت کو ظاہر فرمایا تو بہت بڑی کرم نوازی فرمائی۔

الغرض اس حوالہ سے عقلی معیار کے مطابق بھی نہ خدا پر اعتراض درست ہے تو مصطفیٰ پر اعتراض کی گنجائش ہے۔ (جلّ جلاله' وصلى الله عليه وسلم)۔

○ رہا یہ کہ نبی ہونے کے لیے دعویٰ نبوت اور اظہار معجزہ لازم ہے؟ تو یہ دوسروں پر اتباع کے لازم ہونے نیز تشفی چاہنے والوں کی تسلّی کرانے کے لیے ہے' نفس نبوت کے لیے نہیں۔ جب کہ اظہار معجزہ تو اعلان نبوت کے بعد بھی مشیت الٰہیہ کے تابع ہے۔ پس یہ منافیٔ نبوت ہو تو بعد اعلان نبوت بھی اس کے منافی ہوگا جو صریح البطلان ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما كان لرسول ان يأتي باية الا باذن الله کوئی بھی رسول اللہ کے اذن وحکم کے بغیر معجزہ نہیں دکھاتا۔

نیز "وقالوا لولا انزل عليه ايات من ربه قل انما الايات عند الله وانما انا نذير مبين"۔ بولے کیوں نہ اتریں کچھ نشانیاں ان پر ان کے رب کی طرف سے' تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں (کنزالایمان شریف)۔

بناءً علیہ یہ کسی حد تک صحیح ہے کہ "جب تک لوگوں کو دعوت توحید ورسالت ہی نہ پہنچی تو ان کا امت اجابت یا امت دعوت ہونا کیونکر متصور ہوسکتا ہے"۔ کیونکہ جب ان کو آپ کے نبی ہونے کا علم ہی نہ تھا تو وہ مکلّف ہی نہ تھے۔

اس تفصیل سے پیش کردہ عبارات نیشاپوری وکتوبات: کا صحیح مفہوم بھی کھل کر سامنے آ گیا کہ نبی پر اظہار نبوت اس وقت لازم ہوتا ہے جب اسے اس کا حکم ہو جاۓ لاغیر۔

نیز حضرت شیخ مجدد نے ''اثبات النبوۃ'' میں صراحۃً لکھا ہے کہ معجزہ نفس نبوت کے ثابت کرنے کے لیے نہیں بلکہ صداقت نبوت کے اثبات کے لیۓ ہوتا ہے۔ جب کہ پیش کردہ عبارت شرح العقائد سے مقصود سید عالم ﷺ کے نبی برحق ہونے کو ثابت کرنا ہے جیسا کہ اس کے ابتدائی الفاظ'' واما نبوۃ محمد ﷺ '' نیز پوری بحث سے ظاہر ہے۔ یہ مقصود ہرگز نہیں کہ نفسِ نبوّت کے لیۓ بھی دعویٰ واظہار معجزہ لازم ہے۔

○　**اس سب سے قطع نظر** خدا کے کرنے سے خود معترض فریق بھی یہ سب کچھ لکھ کر دے چکا ہے۔ پڑھیۓ اور قدرت کا کرشمہ دیکھیۓ:

چنانچہ موصوف نے لکھا ہے کہ: ''نبی مکرم ﷺ آغازِ نبوّت میں خفیہ طور پر لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے تھے حتٰی کہ پھر آپ کو کھل کر وحی اور نبوت اور اسلام کی اعلانیہ دعوت دینے کا حکم دیا گیا اور خفیہ طور پر دعوت دینے کا عرصہ حصول نبوت کے بعد تین سال تک تھا''۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۴۳)۔

اقول: یعنی اعلان نبوت کے بعد بھی حکم الٰہی کے آنے تک خاموشی ثابت ہے۔

نیز لکھا ہے کہ سیّد عالم ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد بحکم الٰہی کافروں سے فرمایا کہ: ''جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے تبلیغِ احکام کا پابند نہیں کیا تھا اور یہ ذمہ داری نہیں سونپی تھی میں نے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور تمہیں اتباع واطاعت کا حکم نہیں دیا''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵)۔

اقول: صاف اقرار ہے کہ چالیس سال تک خاموشی محض حکمِ الٰہی نہ ہونے کی بناء پر تھی۔

نیز تحقیقات کے دوسرے ایڈیشن کے بالکل آخر میں لکھا ہے کہ: ''بعض حضرات کہتے ہیں کہ چالیس برس کے بعد نبوت کیوں عطا کی گئی؟ یہ تو بہت زیادہ وقفہ ہے۔ جواباً گزارش یہ ہے کہ یہ اللہ ربّ العزت کا فعل ہے اور آیت کریمہ لايسئل عما يفعل نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے فعال لما يريد ۔اور مشہور مقولہ ہے فعل الحكيم لا يخلو عن الحكمة''۔ (صفحہ ۴۰۸' طبع دوم)۔

اقول: جب اس کا حکمت ہونا تسلیم ہے اور نبی حکمت الٰہیّہ کے تابع ہوتا ہے تو اعتراض کافور ہو گیا پس

ع　مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

حکمت کہہ کر گزر جانے سے جو عجز عیاں ہے نیز ان کے ان الفاظ ''آیت کریمہ نیز ارشاد باری'' میں جو ضعف ہے محتاجِ بیان نہیں۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے اس حکمت کی تفصیل کر دی ہے جو ابھی کچھ پہلے گزری ہے۔

قال: ''حضرت مولانا امجد علی انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرماتے ہیں جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نے بھی چھپائے رکھا تھا تقیہ یعنی خوف کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے نہ پہنچایا تو وہ کافر ہے۔ (بہارِ شریعت' جلد ۱' صفحہ ۱۲'۱۱)۔

حضرت صرف ایک حکم نبوت کے ظاہر نہ کرنے کا عقیدہ رکھنے والے کو کافر ٹھہرا رہے ہیں جو چالیس سال تک نبوت اور تمام احکام نبوت ہی کو چھپائے رکھنے کا عقیدہ رکھتے ہیں' ان کے متعلق کیا فتویٰ ہوگا؟

تقیہ کو جائز رکھنا کسی سنی مسلمان کا کام نہیں' یہ تو صرف شیعہ کا عقیدہ ہے۔ انبیاء کرام آروں سے چیرے جاتے رہے' سولیوں پر لٹکتے رہے' سر قلم کرانا گوارا کرتے رہے' وطنوں کو خیر باد کہتے رہے لیکن احکام خداوندی کو علانیہ بیان اور اپنے منصب نبوت و رسالت کا برملا اظہار کیا۔ لہٰذا یہ نظریہ سراسر لغو' باطل' ناروا اور ناصواب ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۳۸)۔

پیغمبران کرام کو جب بھی نبوت ملی تو انہوں نے اس کا برملا اظہار فرمایا اور کسی فرعون' نمرود کی ہیبت ان کو اظہار سے باز نہ رکھ سکی حتیٰ کہ جنہیں بچپن میں نبوت ملی تو انہوں نے اس کا بچپن میں اعلان بھی کیا' اس کے اہم احکام بھی لوگوں کے سامنے بیان فرمادیئے جیسے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا معاملہ قرآن اور احادیث سے صراحۃً ثابت ہے' کسی نے بھی تقیہ سے کام نہ لیا۔ کیا یہ تقیہ اور اخفاء اور وہ بھی عمر شریف کے دو تہائی حصہ تک صرف نبی الانبیاء کے لیے ہی روا رکھا گیا؟ دوسرے کسی نبی کے لیے ایسا کیوں روا نہیں تھا؟ نیز کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اعلان نبوت کے باوجود پتہ نہیں کتنے احکام شرع کو از راہ تقیہ آپ نے چھپالیا ہو اور شیعہ کا دعویٰ سچا ہوا تسعة اعشار الدين التقية۔ جن کے شہزادے اپنے سر نیزوں پر لٹکوا سکتے' اپنے جوان بیٹوں اور شیر خوار بچوں کی قربانیاں دے سکتے ہیں مگر باطل کے سامنے جھک نہیں سکتے' وہ ہستی پاک خود کیونکر کسی خوف کو خاطر میں لا سکتے اور اعلان نبوّت سے کیونکر باز رہ سکتے تھے؟ (ملخصاً) (تحقیقات' صفحہ ۴۳' ۴۴)۔

اقول: اس اعتراض کی بنیاد اس پروپیگنڈے پر ہے کہ آپ ﷺ نے معاذ اللہ' اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو چھپایا جو غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ اس زمانہ میں آپ کو اظہار نبوّت کے حکمِ الٰہی ہونے کا کوئی ثبوت نہیں پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کردہ استدلال کی پوری عمارت خود بخود زمین بوس ہوگئی۔ جب کہ معترض صاحب بھی اس کا ثبوت نہیں دے پائے۔ عبارت بہار شریعت بھی حکمِ اظہار کے آجانے کے بعد اس کے چھپانے کے متعلق ہے۔ پس اس کا بھی موصوف کو کچھ فائدہ یا ہمیں کچھ نقصان نہ ہوا۔ الغرض حکمِ اظہار نہ ہونے کی بنیاد پر عدم اظہار کو نبوت کے چھپانے کا نام دینا غلط ہے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ خود حضرت مصنف بہارِ شریعت بھی آپ ﷺ کے قائل ہیں۔ پس اگر اسے تقیہ سے تعبیر کیا جائے تو وہ خود بھی اس کی زد میں آجائیں گے جو کسی طرح صحیح نہیں۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں: ''سب سے پہلے مرتبۂ نبوت حضور کو ملا۔ روز میثاق تمام انبیاء سے حضور پر ایمان لانے اور حضور کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا اور اسی شرط پر یہ منصب

اعظم ان کو دیا گیا۔ حضور نبی الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء حضور کے امتی، سب نے اپنے اپنے عہد کریم میں حضور کی نیابت میں کام کیا''۔ (بہارِ شریعت، جلد ا، صفحہ ۱۶، طبع مکتبۂ اسلامیہ لاہور)۔

ثابت ہوا کہ حضرت صاحبِ بہارِ شریعت آپ ﷺ کے قدیم النبوّت ہونے کے قائل ہیں، پھر انہوں نے یہ بھی نہایت صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ ''جو شخص نبی سے نبوت کا زوال جائز جانے'، کافر ہے''۔ (بہارِ شریعت، جلد ا، صفحہ ۱۰)۔ بناءً علیہ وہ اس کے بعد آپ ﷺ کی نبوّت کے معاذ اللہ سلب یا زائل ہونے کی بجائے اس کے بغیر انقطاع، تسلسل اور دوام کے قائل ہوئے۔

پس موصوف کا اسے تقیہ سے تعبیر کر کے اسے قائلین نبوت سے منسوب کرنا ان کا سخت زیادتی پر مبنی انتہائی مذموم اقدام ٹھہرا کیونکہ جب وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ عدم اظہار نبوت کا عقیدہ تقیہ ہے اور یہ کسی سنی مسلمان کا نہیں بلکہ صرف شیعہ کا عقیدہ ہے۔ نیز اس کا قائل ''کافر ہے'' تو اس حوالہ سے انہوں نے دیگر قائلین کو بالعموم اور حضرت صاحب بہارِ شریعت کو بالخصوص شیعہ، گمراہ اور کافر کہہ دیا ہے اور خدا کے کرنے سے انہیں بزرگ مان کر خود بھی اس کی زد میں آ گئے اور بقلم خود کئی فتووں کے مستحق قرار پائے اور ان کی یہ پوری کی پوری دھواں دار تقریر خود انہی پر لوٹ گئی کہ جب تقیہ ہے ہی نہیں تو تقریر محض واویلا قرار پائی۔

بہر حال موصوف نے لفظوں کے چکر اور رنگ آمیزی سے قائلین نبوّت کو شیعہ سے ملا کر بہت بڑا ظلم کیا ہے جس سے وہ قائلین نبوت کو، عقیدۂ تقیہ کا ذمہ دار بتانے اور شیعہ سے ملانے میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکے۔ البتہ یہ امر بالکل اٹل ہے کہ خیر سے خود مابدولت وہابیہ سے چند قدم آگے نکل گئے ہیں کہ وہابیہ نے کمالات نبوت کا انکار کر کے نبوت کے انکار کا ارتکاب کیا۔ جب کہ موصوف نے سیدھا سر چشمۂ کمالات (نبوت) پر ہی صاف کر دیا فوا اسفا۔

اس سے ان کی اس ہٹ کا بھی جواب ہو گیا کہ تقیہ کو جائز رکھنا کسی سنی مسلمان کا کام نہیں شیعہ کا نظریہ ہے۔ کیونکہ قائلین نبوت شیعی تقیہ سے ہزار بار بری ہیں۔ بناءً علیہ یہ کہنے میں ہم قطعاً حق بجانب ہیں کہ تقیہ جائز رکھنا کسی سنی مسلمان کا کام نہیں تو انکار نبوت کب کسی مسلمان کا کام ہے یہ تو محض گستاخان نبوت ہی کا شیوہ ہے۔

ع	ہے یہ گنبد کی صدا، جیسی کہو ویسی سنو۔

موصوف پھر بھی نہ مانیں تو سنیں کہ اس سب کے ذمہ دار وہ خود ہیں کیونکہ وہ اپنی اس عبارت میں سیّد عالم ﷺ کا ''نبی الانبیاء'' ہونا تسلیم کر رہے ہیں جو قبل از اعلان نبوت کے زمانہ میں آپ ﷺ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔ پس عدم اظہار نبوّت، اگر تقیہ ہے تو اس کا قول وہ خود کر رہے ہیں۔ لہٰذا ''حق بہ صاحب حق برسید''۔

علاوہ ازیں ان کی یہ عبارت بھی ابھی کچھ پہلے پیش کی جا چکی ہے کہ ''نبی مکرم ﷺ آغاز نبوت میں خفیہ طور پر لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے اور خفیہ دعوت دینے کا عرصہ تین سال تھا۔ (ملخّصاً) (تحقیقات' صفحہ ۱۴۳)۔

اگر عدم اظہار' مطلقاً تقیہ ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ موصوف آپ ﷺ کے متعلق صاف کہہ رہے ہیں کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ آپ نے تین سال تقیہ کیئے رکھا و لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

یہی بات انہوں نے شیعہ کے مشہور مولوی' ڈھکّو صاحب کو جواب دیتے ہوئے بھی لکھی ہے۔ چنانچہ موصوف کے لفظ ہیں کہ: ''چلو تسلیم کر لیتے ہیں کہ تین سال تک آنحضرت ﷺ نے دعویٔ نبوت اور دیگر آیات نازلہ کو مخفی رکھا لیکن بہر حال اس کے بعد ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کیا اور لشکر و سپاہ حکومت و سلطنت کے حصول کا انتظار نہ کیا تو وہ سنت منسوخ ہو گئی''۔ ملاحظہ ہو (تحفۂ حسینیہ' صفحہ ۶۵)۔

اقول: یعنی اپنی لینگویج میں تین سال تک معاذ اللہ تقیہ کرنا تسلیم کر لیا ہے؟

موصوف اپنی اس عبارت میں یہ بھی صریحاً مان رہے ہیں کہ ''حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو بچپن میں نبوت ملی اور ان کا یہ معاملہ قرآن اور احادیث سے صراحۃً ثابت ہے لیکن اس کی گنجائش نہیں ہے تو محض حضور امام الانبیاء ﷺ کے لیئے نہیں ہے جنہیں ''نبی الانبیاء'' بھی وہ خود لکھ چکے ہیں ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے؟

ہمارے اس بیان سے موصوف کی اس لفاظی کا بھی جواب ہو گیا کہ انبیاء کرام آروں سے چیرے جاتے رہے' سولیوں پر لٹکتے رہے الخ۔ نیز کسی فرعون' نمرود کی ہیبت ان کو اظہار سے باز نہ رکھ سکی الخ۔

نیز جن کے شہزادے اپنے سر نیزوں پر لٹکوا سکتے ہیں الخ۔ مگر باطل کے سامنے جھک نہیں سکتے' وہ ہستی خود کیونکر اعلان نبوت سے باز رہ سکتے تھے؟ وغیرہ کیونکہ اس سب کی بنیاد تقیہ کے قول پر ہے جو قطعاً خلاف واقعہ ہے۔ لہٰذا موصوف کے یہ الفاظ خود انہی پر لوٹ گئے کہ ''یہ نظریہ سراسر لغو' باطل' ناروا اور ناصواب ہے''۔ مبارک ہو۔

قال: ''نبی چونکہ تبلیغ احکام کا مقلد اور اس پر احکام نبوت کا اظہار فرض ہوتا ہے تو عرصہ دراز تک آپ کا اس فرض کو ادا نہ کرنا عظیم معصیت بن جائے گا جب کہ انبیاء کرام بالخصوص سید الانبیاء کا معصوم ہونا ماننا ضروری ہے۔ کیا کوئی مسلمان نبی الانبیاء کو فرض امور کا تارک تصور کر سکتا ہے؟ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۵' ۲۵۶' ۲۶۷)۔

اقول: کوئی بھی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عدم اظہار حکم الٰہی کے نہ ہونے کی بناء پر تھا تو اسے فرض ادا نہ کرنے اور مرتکب معصیت ہونے کا نام دینا نہایت درجہ غلط اور

بذاتِ خود معصیت ہے۔ اگر حکم ہونے نہ ہونے کو بنیاد نہ مانا جائے تو اس پر یہ بھی سوال ہوگا کہ آپ ﷺ نے کفار کے سخت مظالم کے باوجود مکی زندگی میں جہاد کا حکم کیوں نہ دیا (وغیرہ)۔ جب حقیقت اس طرح ہے جو بیان ہوئی تو ملمع سازی سے کام لینا بھی تو مسلمان کا کام نہیں۔

پھر یہ سوال خود ذاتِ باری تک بھی پہنچے گا کہ اس نے لوگوں کو معصیت سے بچانے کے لیئے آپ کو کیوں نہ حکم دیا اور عرصہ دراز تک آپ کو فرض ادا کرنے سے کیوں باز رکھا؟ علاوہ ازیں موصوف نے ایک بار پھر آپ ﷺ کو ''نبی الانبیاء'' کہا ہے جو قبل از اعلانِ نبوت' آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے (کما مر آنفا)۔

نیز موصوف نے بالخصوص آپ ﷺ کا معصوم ہونا ماننا بھی لکھ دیا ہے اور اپنی اس کتاب میں کئی مقامات پر قبل از اعلانِ نبوت' معصوم ہونے کا ضروری ہونا بھی لکھ چکے ہیں جس کی مکمل تفصیل باب ہشتم میں گزر چکی ہے۔ یہ بھی قبل از اعلانِ نبوت آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

بناء برین جو اعتراض وہ دوسروں پر کرنا چاہتے تھے اس کی زد میں وہ خود آ گئے ولنعم ماقیل۔

ع　　اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

قال: ''ایسے منصب کے مالک کا اس کے متعلق نہ دعویٰ کرنا اور نہ گفتگو اور کلام کرنا خلافِ عقل ہے کیونکہ اس صورت میں باری تعالیٰ کا اس ہستی کو نبوت و رسالت عطا کرنا سراسر عبث اور بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ عبث سے مبرا ہے لہٰذا عمر شریف کے دو تہائی تک آپ کو مہر بلب تسلیم کرنا آپ کے فرض کے تارک ہونے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں بے فائدہ امر کے ارتکاب کا عقیدہ رکھنے کے مترادف ہے جو اہلِ ایمان و عقل کی شان سے بعید ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۵۰' ۵۱)۔

اقول: اظہار کا حکم غیر ثابت ہونے کے باوجود (یہ پروپیگنڈہ کیئے جانا کون سا عقلی معیار کے مطابق اور اہلِ ایمان کی شان ہے اور باری تعالیٰ کی عظمت کا بیان؟ تارکِ فرض ہونے کے اعتراض کا ردّ تقریر بالا میں بھی ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ کے لیے ''مہر بلب'' کے الفاظ انتہائی نازیبا ہیں جس کی تفصیل مقدمۃ الکتاب میں گزر چکی ہے۔

قال: یہ عقیدہ عقل کے تقاضوں سے بھی دور ہے۔ میر سیّد فرماتے ہیں: ''ومن البین ان ثبوت النبوۃ فی مدۃ طویلۃ بلا دعوۃ ولا کلام ممالایقول بہ عاقل ''عرصہ بعیدہ تک نبوت حاصل ہونے کے باوجود نبوت کا دعویٰ' اظہار اور کلام نہ کرنا' اس کا کوئی عقل مند شخص قائل نہیں ہو سکتا۔ (شرح مواقف' جلد ۸' صفحہ ۲۵۰)۔

اقول: موصوف کے اس عندیہ کی بنیاد عبارت حضرت میر سید پر ہے جس کا نبوت سید عالم ﷺ سے کچھ علاقہ ہی نہیں ہے بلکہ اس میں مغالطہ دہی سے کام لیا گیا ہے جس کی مکمل تفصیل مع مالہ وماعلیہ باب ہشتم میں گزر چکی ہے۔ اعادہ باعث طوالت ہے اس کو ادھر ہی دیکھ لیا جائے۔ جس کے مطالعہ کے بعد ان شاء اللہ کوئی خوش نصیب ذی فہم مار نہیں کھائے گا۔

قال: اگر وقت پیدائش سے ہی بالفعل نبی تسلیم کیا جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ آپ نے چالیس سال تک غیر شرعی امور پر سکوت اختیار کیا حالانکہ نبی سے ایسا متصور نہیں ہوسکتا۔ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ نبی خلاف شرع امور کو برداشت نہیں کرسکتا اور ان پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نبی بننے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام جیسی شخصیت سے صادر ہونے والے بظاہر ناجائز امور پر نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کو ترک نہیں کر سکتے تو سید عالم ﷺ اتنے عرصہ تک شرک اور کفر تک کی برائیوں کو دیکھتے رہیں اور مہر بلب رہیں اور وہ بھی عامی قسم کے لوگوں کے حق میں، کیونکر متصور ہوسکتا اور کون مسلمان اس کا قائل ہوسکتا ہے؟ (تحقیقات، صفحہ ۴۲، ۴۳، ۴۴ ملخصاً بلفظہ)۔

اقول: اس اعتراض کی بنیاد در پر واقعۂ حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام کی بنیاد پر ہے جو قیاس مع الفارق ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ ان کے اعلان نبوت کے بعد کے زمانہ کا ہے جب کہ سید عالم ﷺ پر کیے گئے اعتراض کا تعلق زمانۂ قبل اعلان نبوت سے ہے۔ فافترقا۔

نیز ابھی بارہا گزر چکا ہے کہ اسے درست تسلیم کیا جائے تو یہ اعتراض سیدھا ذات باری تعالیٰ پر بھی جائے گا کہ اس نے لوگوں کو سمجھانے کے لیئے اتنا عرصہ آپ کو نہ بھیجا تاکہ وہ کفر و شرک سے بچ جاتے اور جہنمی نہ بنتے۔ نیز اس نے خضر علیہ السلام جیسی شخصیت سے صادر ہونے والے ان امور پر موسیٰ علیہ السلام کو خاموش رہنے کی اجازت نہ دی تو عامی قسم کے لوگوں کے حق میں آپ ﷺ کو کیوں خاموش رکھا؟ نیز کیا حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس دیر سے بھیجنا بھی اسی تقیم کی بنیاد پر تھا؟

علاوہ ازیں حضرت خضر علیہ السلام عند الجمہور وعلی الصحیح محض ولی نہیں اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں بناءً علیہ موصوف کی اس تقریر سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت خضر علیہ السلام نبی نہ ہوں کیوں کہ انہوں نے پوری زندگی لوگوں میں اپنے نبی ہونے کا اعلان واظہار ہی نہیں فرمایا جو صریح البطلان ہے۔ موصوف اس مقام پر ایک بار پھر آپ ﷺ کے متعلق ''مہر بلب'' کے لفظ استعمال کر گئے ہیں جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

قال: ''رہا یہ کہ حضرت خضر علیہ السلام نے نبوت کا اعلان کیوں نہ کیا؟ تو انہوں نے عام لوگوں پر اپنے

آپ کو ظاہر بھی نہیں فرمایا۔ تو کیا نبی پر اپنا وجود بھی ظاہر کرنا ضروری نہیں ہوتا؟ ان کا دائرہ کار اور ہے حضرت خضر باطنی نظام کے کارکنوں کو باطنی احکام سے آگاہ کرتے اور خود بھی ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ جو علم حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے لیے خاص فرمایا' وہ علم باطن اور علم مکاشفہ ہے۔ (خزائن العرفان)۔

ارشاد نبوی ہے ما امرت ان اشقق علی قلوب الناس لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام پر ان حضرات کا قیاس سراسر غیر موزوں ہے۔ علاوہ ازیں انکا نبی ہونا خود مختلف فیہ ہے۔ (خزائن العرفان)۔ تو متفق علیہ کو چھوڑ کر مختلف فیہ پر قیاس کیونکہ درست ہوسکتا ہے۔ (ملخّصاً) ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۴۱' ۴۲)۔

الجواب: دائرۂ کار امور باطنہ کہنے سے خضر علیہ السلام کی نبوت میں تو بہرحال کچھ فرق نہ آیا بلکہ اس کا اقرار ہی ہوا ولنعم ما قیل　ع　انکار تیرا کسی سے بن نہ آیا

جس سے موصوف کے موقف پر بہرحال زد پڑتی ہے کیونکہ نفس نبوت کے ثبوت کے لیۓ اگر دعویٰ واظہار نبوت لازم کہا جائے (کما قال ھو نفسہ) تو اس سے حضرت خضر وامثالہم علیہم السلام کے نبی ہونے سے انکار لازم آیا۔ غیر لازم کہیں تو موصوف کا موقف باطل قرار پایا۔

الغرض ان کی یہ تقریر بھی انہیں کچھ مفید ہونے کے بجائے سراسر مضر ہے۔ کیونکہ انہوں نے مان لیا ہے کہ نبی ہونے کے لیۓ نبی کا اپنے وجود کو بھی ظاہر کرنا ضروری نہیں چہ جائیکہ اس کے لیۓ دعویٰ واظہار واعلان لازم ہو۔ اس سے ان کا کلیہ بہرحال ٹوٹ گیا۔

اقول: اسے یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ حضور کی نبوت کا فیضان ہر طرح سے ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔ تو قبل از اعلان واظہار بھی آپ کی نبوت کا باطنی فیض جاری تھا۔ پس عدم اظہار سے نفس نبوت میں کچھ فرق نہ آیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

چنانچہ علامہ الوسی' امام سیوطی وغیرہما رحمہم اللہ کے اقوال کی روشنی میں فرماتے ہیں: ''فانہ علیہ الصلاۃ والسلام مأمور بتبلیغ الحقیقۃ کما ھو مأمور بتبلیغ الشریعۃ'' یعنی آپ علیہ الصلاۃ والسلام حقیقت وشریعت (ظاہر وباطن دونوں) کے بحکم الٰہی مبلغ ہیں۔ (روح المعانی' پارہ ۱۵' جلد ۸' صفحہ ۳۳۲' طبع ملتان)۔

بناءً علیہ آپ ﷺ کے علوم باطنہ کے مبلّغ (اور عالم ظاہر کی طرح عالم باطن کے نبی) ہونے کا قول خضر علیہ السلام پر قیاس کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ آپ کی مستقل شان ہے۔ پھر خضر علیہ السلام کے باطنی احکام کے مبلغ ہونے اور اپنے لیۓ علم باطن ومکاشفہ کے خاص فرمانے کی صراحت سے واضح اشارہ مل رہا ہے کہ اس سے امور ظاہرہ کے

علم وتبلیغ کا منتفی ہونا لازم نہیں آتا۔

علامہ الوسی اقام فرماتے ہیں: ''فلکل من موسیٰ والخضر علیهما السلام علم بالشريعة والحقيقة الاان موسیٰ علیہ السلام ازيد بعلم الشريعة والخضر ﷺ ازيد بعلم الحقيقة الخ''۔(روح المعانی' جلد۸' صفحہ۳۳۲)۔

رہا یہ کہ ''ان کا نبی ہونا خود مختلف فیہ ہے'' الخ؟۔

تو اولاً: آپ ﷺ کی نبوت کا اثبات' قیاساً علیٰ نبوة خضر علیہ السلام نہیں (کما مرّ) بلکہ خضر علیہ السلام کی مثال مصنف تحقیقات کے اس کلیہ کے بے کار کرنے کے لیئے ہے کہ نفس نبوت کے لیے بھی دعویٰ واظہار کا ہونا لازم ہے جو اپنی جگہ اٹل ہے۔

ثانیاً: کسی مسئلہ میں بعض کے اختلاف سے اس کی حیثیت کا مطلقاً متأثر ومخدوش ہونا بھی ضروری نہیں۔ بے شمار مسائل میں علماء کی تحقیقات مختلف ہیں مگر اہل سنت کے ہاں ان کے بعض پہلو معمول بہ اور مختار ہونے کے باعث راجح شمار ہوتے ہیں جیسے مسئلہ سماع موتیٰ اور تاریخ ولادت نبی ﷺ نیز نفس شب قدر وغیرہا۔ خضر علیہ السلام جمہور ائمہ وعلماء شان کی تحقیق وفیصلہ کے مطابق نبی ہیں صرف ولی نہیں لہٰذا ''متفق علیہ کو چھوڑ کر مختلف فیہ'' کا حیلہ بھی کسی طرح کارگر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''آتیناه رحمة من عندنا'' ہم نے خضر کو اپنی خاص رحمت عطا فرمائی۔ (پارہ ۱۵' الکہف' آیت نمبر ۲۷)۔

علامہ الوسی اس کے تحت لکھتے ہیں کہ: ''والجمهور على انها الوحي والنبوة (الی) واخرج ذلك ابن ابی حاتم عن ابن عباس وهذا قول من يقول بنبوته علیہ السلام (الی) فالجمهور على انه علیہ السلام نبی وليس برسول (الی) وقيل هو ولي (الی) والمنصور ما عليه الجمهور وشواهده من الآيات والاخبار كثيرة وبمجموعها يكاد يحصل اليقين''۔ یعنی جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس آیت میں رحمت سے مراد نبوت ہے' ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح اخراج کیا ہے اور آپ کی نبوت کے قائلین سب کا یہی قول ہے۔ جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں' رسول نہیں ہیں اور یہ قول بھی کیا گیا ہے کہ آپ صرف ولی ہیں' دلیل کے مطابق وہی ہے جس پر جمہور ہیں اس کے آیات واحادیث سے بکثرت شواہد موجود ہیں جن کے مجموعہ سے اس کا تقریباً قطعی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (ملخصاً) (روح المعانی' جلد۸' صفحہ ۳۲۰' طبع مذکور)۔

اقول: اسی طرح دیگر متعدد کتب تفسیر وغیرہ میں بھی ہے فمن شاء الاطلاع عليه فليرجع اليه

الغرض مذہب جمہور یہی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں جو حسب تصریح علامہ الوسی مذہب منصور ہے جو سطور بالا میں مذکور ہے۔ لہٰذا ''مختلف فیہ'' کا بہانہ قطعاً نامسموع ہے۔ اس سے قطع نظر کم از کم ان کی نبوت کے قائلین کے نزدیک تو عدم اظہار کے باوجود ان کی نبوت مسلّم ہوئی وھو المقصود والحمد للہ المعبود۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم ''علیکم بالجماعۃ'' وایضاً اتبعوا السواد الاعظم''۔

مغالطہ نمبر۱۷ (حضرت صدیق اٹھارہ برس کی عمر میں ایمان نہ لائے) **کا ازالہ**:

مصنف تحقیقات نے لکھا ہے:

''حضرت مولانا مرادآبادی فرماتے ہیں کہ آپ نے حضوراکرم ﷺ کی ہمراہی میں بغرض تجارت شام کا سفر کیا' ایک منزل پر ٹھہرے' وہاں بیری کا درخت تھا' حضوراس کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے' قریب ہی ایک راہب رہتا تھا' حضرت صدیق اس کے پاس چلے گئے' راہب نے آپ سے کہا یہ کون صاحب ہیں جو اس بیری کے سایہ میں تشریف فرما ہیں؟ حضرت صدیق نے فرمایا کہ محمد ﷺ بن عبداللہ حضرت عبدالمطلب کے پوتے ہیں۔ راہب نے کہا کہ خدا کی قسم یہ نبی ہیں۔ یہی نبی آخرالزماں ہیں۔ جب سید عالم ﷺ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی' اللہ تعالیٰ نے حضور کو اپنی نبوت اور رسالت کے ساتھ سرفراز فرمایا تو حضرت صدیق آپ پر ایمان لائے۔ اس وقت حضرت صدیق کی عمر اڑتیس سال تھی۔ (خزائن العرفان صفحہ ۹۰۶)۔

تنبیہ: اگر آپ وقت ولادت سے نبی تھے تو پھر چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز فرمائے جانے کا کیا مطلب ہوگا اور حضرت صدیق کے اڑتیس سال کی عمر میں آپ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہوگا؟ پہلے نہیں تو راہب کے اس انکشاف کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں کیوں ایمان نہ لائے؟ (ملخصاً) ملاحظہ ہو۔

(تحقیقات صفحہ ۱۲۰'۱۲۱)

الجواب:

پیش کردہ عبارت میں اس کی کوئی تصریح نہیں کہ حضرت صدیق اٹھارہ سال کی عمر میں ''ایمان نہ لائے''۔ زیادہ سے زیادہ یہ عدم نقل اور عدم ذکر ہے' ذکر عدم و نقل عدم نہیں کہ نفی وجود کی دلیل ہو پس یہ اعتراض بالکل سطحی ہے جو خود عندالمعترض بھی غلط ہے کیونکہ بے شمار مسائل میں بمقابلۂ وہابیہ وہ خود بھی اسی اصول کو پیش کرکے انکار ردّ کرتے رہے کہ عدم نقل' عدم وجود کی دلیل نہیں جیسے صلاۃ وسلام عندالاذان وغیرہا غیر منصوص مسائل میں۔

بلکہ اس کے برخلاف بھی خود اسی (پیش کردہ) عبارت میں مصرح ہے کہ راہب نے حضرت صدیق سے یہ کہا کہ ''خدا کی قسم یہ نبی ہیں'' یہی ''نبی آخرالزماں ہیں'' تو: ''راہب کی یہ بات حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں اثر کر گئی اور نبوّت کا یقین آپ کے دل میں جم گیا اور آپ نے صحبت شریف کی ملازمت اختیار کی' سفر و حضر میں آپ

سے جدا نہ ہوتے''۔ ملاحظہ ہو۔ (خزائن العرفان' صفحہ ۷۵۳' طبع چاند کمپنی)۔

جسے خود معترض نے بھی نقل کیا ہے ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۱۲۰) ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

روایت ہٰذا کے اس حصہ کے صحیح و معتمد ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس کو حضرت صدیق کے بمعنی حقیقی اوّلُ مَنُ اَسلَمَ ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ باقی سب آیات اقراء کے نزول کے بعد ایمان لائے جب کہ حضرت صدیق اس وقت سے آپ کو مانتے ہیں جب حضور کی عمر شریف بیس برس تھی اور خود ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

بناءً علیہ حضور کی عمر شریف کے ۴۰ سال ہونے پر ان کے ''ایمان لانے'' کا معنیٰ اظہار ایمان ہوگا جب کہ اظہار ایمان پر بھی ایمان لانے کا اطلاق ثابت و مروّج ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے بارے میں فرمایا: من آمن منهم بالله واليوم الآخر جو ان میں سے اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لائے الخ۔ (پ۱' البقرۃ' آیت نمبر ۶۲)۔

نیز فرمایا ''يا ايها الذين آمنوا آمنوا بالله ورسوله'' اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (پ۵' النساء' آیت نمبر ۱۳۶)

نیز ملائکہ کرام کی ملاءِ اعلیٰ (حاملین وطائفین عرش) کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''و يؤمنون به'' وہ اپنے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ (پ۲۴' سوءَ مؤمن' آیت نمبر ۷)۔

الغرض حضرت صدیق' اٹھارہ سال کی عمر سے آپ ﷺ پر ایمان رکھتے تھے پس اڑتیس سال کی عمر میں ایمان لانے کا معنیٰ کھل کر ایمان لانا ہی ہے لاغیر۔ جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ لوگوں پر باقاعدہ سے ایمان لانے کا لازم ہونا حضور کے اپنے آپ کو ظاہر کرنے پر موقوف تھا جب کہ آپ نے اس وقت خود کو ظاہر نہ فرمایا تھا کہ آپ کو اس کا حکم نہ ملا تھا۔

پھر جب راہب کے اس بیان میں یہ تصریح موجود ہے کہ ''خدا کی قسم یہ نبی ہیں یہی نبی آخر الزماں ہیں'' یعنی یہ نہیں کہا کہ یہ نبی ہوں گے یا یہ نبی بنیں گے تو چالیس سال کی عمر میں نبوت و رسالت کے ساتھ سرفراز فرمائے جانے کا معنیٰ بھی بہ ہیئت کذائیہ جلوہ فرما ہونا ہی ہوا۔

خلاصہ یہ کہ روایت وعبارت ہٰذا میں یہ صراحت ہرگز نہیں ہے کہ حضرت صدیق راہب سے سننے کے بعد آپ ﷺ پر اٹھارہ برس کی عمر میں ایمان نہ لائے پس موصوف کا یہ استدلال عدم نقل سے ہوا جو بوگس ہے

جب کہ اس کے برعکس دل سے ایمان لانے کی تصریح موجود ہے نیز حضرت صدیق سے بھی اس کی نفی ثابت نہیں ہے والحمد للہ تعالیٰ۔

نیز یہ معترض کی بالکل الٹی گنگا ہے کہ پیش کردہ عبارت میں صاف اور صریح طور پر موجود ہے کہ راہب نے اس وقت حضور کے نبی ہونے کا بیان دیا کہ "خدا کی قسم یہ نبی ہیں" "نبی آخر الزماں ہیں"۔ جسے موصوف خود بھی نقل کر رہے ہیں پھر وہ یہ بھی کہے جا رہے ہیں کہ "اگر آپ وقت ولادت سے نبی تھے تو الخ" یعنی اپنی تردید آپ ہی کر رہے ہیں ولنعم ما یقال ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

باقی اس موقع پر ان کا اپنے خصوم سے مطالبہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے متعلق "وقت ولادت سے نبی" ہونے کے الفاظ استعمال کرنا' ان کا خانہ ساز اضافہ ہے کیونکہ قائلین آپ کے وقت ولادت سے نبی ہونے کی بات نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ آپ' زمانہ قبل از تخلیق آدم علیہ السلام سے نبی ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم۔ جو موصوف کا ایک اور کمال ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مغالطہ نمبر ۱۱۳ (از روایت برّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) **کا رد**:

''حضرت برّہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محبوب کریم ﷺ کو بزرگی عطا کرنے اور ان کی نبوت کی ابتداء کا ارادہ فرمایا تو آپ جس پتھر اور درخت کے پاس گزرتے تو وہ عرض کرتا السلام علیک یا رسول اللہ۔ (الوفاء لابن الجوزی' صفحہ نمبر ۶' خصائص بروایت ابن سعد)

اگر آپ وقت ولادت سے ہی نبی تھے تو اس عمر میں یہ اکرام و اعزاز اور ابتدائے نبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارادہ فرمانے کا مطلب کیا ہوگا؟ (ملخصاً) ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات صفحہ نمبر ۱۴۰' ۱۴۱)

الجواب:

یہ اعزاز ظہور و اظہارِ نبوت کے عظیم الشان موقع کی بناء پر تھا اس لیئے نہیں کہ آپ اس وقت معاذ اللہ نبی نہ تھے نبی تو آپ خود اپنے وضاحتی ارشاد گرامی کی رو سے پہلے سے تھے کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد ۔ ورنہ کیا یہ موقع' اعزاز و اکرام کے لائق نہیں تھا۔ نیز اس کا کون سا لفظ ہے جس کا یہ معنیٰ ہے کہ یہ اعزاز اس لیئے دیا گیا کہ آپ اس وقت نبی نہیں تھے؟

الغرض یہ معترض کا خود ساختہ معنیٰ اور خانہ ساز اضافہ ہے جس کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حجر و شجر کی سلامی کا یہ سلسلہ صرف زمانہ قربِ ظہورِ نبوت میں ہی نہ تھا بلکہ اس سے کافی پہلے بھی موجود تھا اور اعلان نبوت کے بعد بھی ہمیشہ برابر سے جاری رہا۔ بعض حوالہ جات حسبِ ذیل ہیں:

چنانچہ: (۱) نو یا بارہ سال کی عمر شریف میں ﷺ جب بصریٰ (شام) میں جلوہ گر ہوئے اور حضرت بحیرا (راہب) نے لوگوں کو بتایا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں' لوگوں نے اس بارے میں تسلی چاہی تو انہوں نے فرمایا تھا:

''انکم حین اشرفتم من العقبة لم یبق شجر ولا حجر الاخر ساجدا ولا یسجدان الالنبی''

جب تم فلاں وادی سے گزرے ہوئے ہو گے تو کوئی بھی درخت ایسا نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی ایسا پتھر ہوگا جس نے آپ کو سجدہ نہ کیا ہو جب کہ درخت اور پتھر نبی ہی کے لیئے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

ملاحظہ ہو۔ (جامع ترمذی' جلد ۲' صفحہ ۲۰۲' مشکوٰۃ' صفحہ ۵۴۰' بحوالہ ترمذی عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز خصائص کبریٰ' جلد ۱' صفحہ ۸۳' بحوالہ ابن ابی شیبہ' ترمذی وحسنہ' حاکم وصححہ' بیہقی' ابو نعیم' الخرائطی عن ابی موسیٰ)

(۲) اسی طرح اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس وقت لوگ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے تھے سایہ

کی جگہ ختم ہوگئی تھی آپ ﷺ دھوپ والی جگہ پر بیٹھ گئے تو "مال فئی الشجرة علیه" درخت نے اپنی ٹہنیوں کو آپ پر پھیلا کر آپ پر سایہ کر دیا۔ جس پر حضرت راہب نے فرمایا: "انظروا الی فئی الشجرة مال علیه" آپ کے نبی ہونے کی مزید دلیل دیکھو کہ درخت نے اپنی ٹہنیاں پھیلا کر آپ پر سایہ کر دیا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۳ بحوالہ جات مذکورہ)

(۳) آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: "انی لاعرف حجرا بمکة کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لاعرفه الآن" شہر مکہ میں ایک پتھر ہے جسے میں اب بھی جانتا پہچانتا ہوں زمانہ قبل از اعلان نبوت میں میرا جب بھی اس سے گزر ہوتا وہ مجھے سلام کرتا تھا۔

ملاحظہ ہو۔ (مسلم صفحہ ۲۰۳ ترمذی جلد ۲ مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۴ بحوالہ مسلم عن جابر بن سمرۃ ﷺ۔ نیز خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۹۸) (بحوالہ طیالسی ترمذی بیہقی مسلم عنہ۔ نیز الوفاء عربی صفحہ ۱۶۱ نیز اردو ترجمہ الوفاء صفحہ ۱۹۷ مترجم معترض)۔ نیز سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۳ سیرت محمدیہ جلد ۱ صفحہ ۵۳ للامام دحلان المکی۔

(۵۴) نیز ارشاد نبوی ہے: "لما اوحی الله تعالی الی جعلت لا امر بحجر ولا شجر الا قال السلام علیك یارسول الله" یعنی ابتداء وحی جلی کے زمانہ میں میرا جس بھی پتھر اور درخت سے گزر ہوتا تو وہ کہتا السلام علیك یا رسول الله۔

ملاحظہ ہو۔ (الخصائص جلد ۱ صفحہ ۹۸ بحوالہ بزار وابونعیم عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ عنہا نیز سیرت حلبیہ صفحہ ۲۲۴) نیز الوفاء لابن الجوزی صفحہ ۱۶۱ عن جابر بن سمرۃ ﷺ ولفظہ لما کانت لیالی بعثت نیز اردو ترجمہ الوفاء از معترض صفحہ ۱۹۷)

(۶) حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا حضور اقدس ﷺ مکہ شریف کے نواح میں تشریف لے چلے میں بھی حضور کی غلامی میں تھا "فما استقبله جبل ولا شجر الا وهو یقول السلام علیك یا رسول الله" تو جو بھی پہاڑ و پتھر اور درخت سامنے آیا تو وہ یہی کہتا تھا: "السلام علیك یا رسول الله"۔

ملاحظہ ہو (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۰ بحوالہ ترمذی و دارمی۔ نیز الخصائص جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ بحوالہ دارمی ترمذی وحسنہ حاکم وصححہ طبرانی ابونعیم وبیہقی۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں بیہقی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "وانا اسمعه" یعنی حضرت علی نے فرمایا ان کے سلام کی آوازیں مجھے بھی سنائی دیتی تھیں۔ نیز الوفاء صفحہ ۱۶۱ نیز اردو ترجمہ الوفاء از معترض صفحہ ۱۹۷) نیز سیرت محمدیہ للامام دحلان المکی جلد ۱ صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴ سیرت حلبیہ صفحہ ۲۲۳)۔

(۷) آپ ﷺ جب کفار مکہ کی ایذاؤں سے دل تنگ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست اور بواسطہ جبریل علیہ السلام آپ کو آپ کی شان دکھا کر آپ کو خوش کرنے کے لیے آپ کے سامنے موجود درخت کے متعلق

فرمایا آپ اسے اپنی طرف بلائیں۔آپ نے اسے بلایا ''فجاء ت فقامت بین یدیه فقال مرها فلترجع فا مرها فرجعت ''تو وہ چل کر آیا اور آپ کے حضور کھڑا ہو گیا۔فرمایا اسے واپس چلے جانے کا حکم دیں۔آپ نے اسے حکم دیا تو وہ واپس اپنی جگہ چلا گیا۔اس پر آپ کا ملال جاتا رہا۔(ملخصاً)۔

ملاحظہ ہو(مشکوٰۃ' صفحہ ۵۴۱' بحوالہ دامی عن انس ﷺ۔نیز الخصائص الکبریٰ' جلد ا' صفحہ ۱۴۱' بحوالہ ابن ابی شیبہ' ابویعلیٰ' دارمی' بیہقی وابونعیم عنہ۔نیز بحوالہ بیہقی عن الحسن' نیز بحوالہ ابونعیم عن جابر نیز بحوالہ ابن سعد' ابویعلیٰ بزار' بیہقی وابونعیم بسند حسن عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

(۸) حضرت ابن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ جنات کے پاس انہیں پیغامِ حق پہنچانے گئے تھے تو ''اذنت بهم شجرة'' درمیان میں توسط ایک درخت ہی بنا تھا یعنی اس نے آپ کے رسول خدا ہونے کی گواہی دی تو جنّات ایمان لائے۔

ملاحظہ ہو(مشکوٰۃ شریف' صفحہ ۵۴۳' بحوالہ صحیحین' نیز سیرت حلبیہ' جلد ا' صفحہ ۲۲۴' طبع بیروت)۔

(۹) حضور انور ﷺ سفر میں ایک مقام پر آرام فرما ہوئے اس دوران ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا آیا کچھ دیر آپ کے قریب رہ کر پھر اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔صحابی ذیشان حضرت یعلیٰ بن مرہ ﷺ فرماتے ہیں آپ جب بیدار ہوئے تو میں نے یہ واقعہ عرض خدمت کیا تو آپ نے فرمایا: ''هی شجرة استأذنت ربها فی ان تسلّم علی رسول الله فأذن لها ''اس درخت نے رب تعالیٰ سے عرض کی کہ میں تیرے رسول کو سلام کرنا چاہتا ہوں تو اس نے اسے اس کی اجازت دے دی پس وہ مجھے سلام کرنے آیا تھا (ملخّصاً) (مشکوٰۃ' صفحہ ۵۴۰' بحوالہ شرح السنہ)۔

(۱۰) سید عالم ﷺ نے ایک سفر کے موقع پر ایک اعرابی کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اپنی عبدیت و رسالت کے ماننے کا حکم فرمایا تو اس نے کہا اس کی دلیل کیا ہے؟ تو آپ نے وادی کے کنارے کھڑے ایک درخت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اسے بلایا تو وہ چل آپ کے سامنے آ کھڑا ہوا آپ نے اسے تین بار گواہی دینے کا فرمایا اس نے حکم کی تعمیل کی اس کے بعد وہ واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔(مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۱' بحوالہ رضی اللہ عنہما دارمی عن ابن عمر ﷺ)۔

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ''بم اعرف انك نبی'' مجھے کیسے پتہ چلے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں؟ تو آپ نے سامنے موجود کھجور کے درخت کی سیپ کے متعلق فرمایا کہ میں اسے بلالوں تو وہ اس کی گواہی دے گی' اس کے بعد آپ نے اسے اپنے پاس بلایا:

’’فجعل ینزل عن النخلة حتی سقط الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال ارجع فعاد فاسلم الاعرابی ‘‘وہ کھجور کے درخت سے اتر کر نبی کریم ﷺ کے پاس آ گئی پھر آپ نے اسے واپس جانے کا فرمایا تو وہ اپنی جگہ لوٹ گئی' یہ دیکھ کر اعرابی نے اسلام قبول کرلیا۔ملاحظہ ہو(جامع ترمذی' جلد۲' صفحہ ۲۰۳' طبع دہلی)۔

(۱۲) ایک اعرابی نے عرض کی میں مسلمان تو ہوں لیکن مزید اطمینان قلبی درکار ہے۔فرمایا کیا چاہتے ہو؟ عرض کی: اس درخت کو حکم دیں کہ آپ کی خدمت میں آ جائے۔فرمایا تم چلے جاؤ اور اسے بلالاؤ۔اس نے جا کر اس سے کہا تجھے رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔درخت نے زور لگا کر زمین سے اپنی جڑیں نکالیں اور آپ کی خدمت میں آ کر عرض کی: السلام علیك یارسول اللہ۔اعرابی نے کہا بس بس (تسلّی ہوگئی ہے) اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے واپس جانے کا حکم فرمایا تو وہ اپنی جگہ لوٹ گیا۔(ملخصاً)

ملاحظہ ہو(الزبدة الزکیہ فی حرمة سجدة التحیة' صفحہ نمبر۲۴' حدیث نمبر۱۲' مؤلّفہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ' بحوالہ مسند بزار' مستدرک حاکم' دلائل ابی نعیم' تنبیہ الغافلین للامام ابی اللیث عن بریدة بن الحصیب ﷺ)

ان احادیث صحیحہ کثیرہ سے معلوم ہوا کہ درختوں اور پتھروں کے سلامی پیش کرنے کا اعزاز صرف زمانۂ قرب ظہور نبوت میں ہی نہیں تھا بلکہ یہ سلسلہ پہلے سے تھا جو بعد از اعلانِ نبوّت بھی ہمیشہ جاری رہا۔پس معترض کا اسے زمانۂ قرب ظہورِ نبوّت میں منحصر بتانا خلافِ واقعہ ہے لہٰذا اس کی بنیاد پر کیا گیا عدم نبوت کا استدلال بھی خود بخود غلط ہوگیا۔

علاوہ بریں موصوف نے قربِ ظہورِ نبوّت میں درختوں اور پتھروں کے یارسول اللہ کہنے کو مان کر اپنے موقف کا خود ہی قلع قمع کر دیا ہے کیونکہ اب تک وہ پورا پورا حساب بتا کر یہی کہے جا رہے تھے کہ آپ ﷺ چالیس سال اور اتنا وقت بعد ہی نبی بنے جب کہ یہاں وہ اس کے برعکس قبل از اعلانِ نبوّت آپ کے نبی ہونے کا اقرار کر رہے ہیں ۔اگرچہ تھوڑے وقت کے لیئے ہی اقرار کیا ہے تاہم اس سے ان کا موقف بہرحال کافور اور ھباء منثور ہوگیا ہے۔والحمد للہ علی ذٰلك۔

رہے پیش کردہ روایت کے الفاظ ’’وابتداء ہ بالنبوة‘‘؟ تو یہ ہمیں کچھ مضر یا معترض کو کچھ مفید نہیں ہیں کیونکہ ان میں نبوّت سے مراد وحی جلی ہے نفس نبوّت اور وجودِ نبوّت نہیں کہ اس کا تو پہلے سے موجود ہونا دیگر احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے جیسے حدیث کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد‘‘ وغیرہ۔والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰة والسلام علی من کان نبیا وآدم بین الماء والطین وآلہ وصحبہ وتبعه وعلینا منھم اجمعین۔

مغالطہ نمبر۱۶ (نزولِ وحی کے بغیر نبوّت نہیں جو بعمر چالیس سال آئی) **کا رد:**

معترض فریق کا بیان ہے کہ:

○ ''حضرت علامہ امام زملکانی کا ارشاد ملاحظہ فرماویں: نبی ﷺ کے لیئے فارس کی آگ بجھ گئی حالانکہ ہزار سال سے مسلسل جل رہی تھی اور کبھی نہیں بجھی تھی' یہ آگ ولادت پاک کے موقع پر بجھی اور یہ واقعہ آپ پر وحی کے نزول سے چالیس سال قبل رونما ہوا۔ (جواہر۴' صفحہ نمبر۱۲۱)

نبوّت کے لیئے وحی کا نزول لازم اور ضروری ہے خواہ وہ اس نبی کی ذات کی تکمیل کے لیے ہو جیسے کہ محدثین کا مذہب ہے یا امت کی تبلیغ کے لیے ہو جیسے علماء کلام کا مذہب ہے۔ اور جب وحی عمر شریف کے چالیس سال گزرنے پر نازل ہوئی تو نبوّت بھی اسی وقت سے ثابت ہوگی نہ کہ نبوّت کا ثبوت و تحقق پہلے ہو جائے اور وحی کا نزول بعد میں ہو۔ (تحقیقات' صفحہ نمبر۱۵۲' ۱۵۳)۔

○ علامہ فضل رسول بدایونی فرماتے ہیں: شیخ عزالدین ابن سلام نے فرمایا کہ نبوّت وحی کا نام ہے (المعتقد المنتقد' صفحہ ۱۰۵) مزید فرماتے ہیں: ''نبوّت اللہ کی وحی کو سننے کا نام ہے فرشتہ کے واسطہ سے ہو یا بلا واسطہ''۔ (تحقیقات' صفحہ نمبر۲۵۶)۔

○ علامہ آلوسی نے ما کنت تدری کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ نبی پاک ﷺ وحی سے پہلے نبی نہ تھے۔ (تحقیقات' صفحہ نمبر۲۶۳)

○ امام احمد رضا بریلوی فتاویٰ رضویہ (جلد نہم' صفحہ ۷۵) پر تحریر فرماتے ہیں کہ: ''جب سرکار علیہ السلام پر وحی سے پہلے امر اور نہی ہی نہیں وارد ہوا تھا تو آپ ﷺ سے گناہ کس طرح ہوسکتا تھا اور گناہ مخالفت فرمان کا نام ہے جب فرمان نہ تھا تو پھر مخالفت کس طرح متصور ہوسکتی ہے''۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بچپن سے نبی ہوں لیکن امر ونہی وارد نہ ہوا ہو' جب امر ونہی کا ورود ہی نہ ہو تو تبلیغ کے پابند کیسے ہوں گے۔ (تحقیقات' صفحہ نمبر۲۵۶)۔

○ امام رازی فرماتے ہیں: فلماء جاء ته النبوة والتكليف عرف انه كيف ينبغي له ان يطيع ربه (کبیر' جلد۱۱' صفحہ ۲۰۸)

○ حضرت صدر الشریعہ بہار شریعت (جلد اوّل' صفحہ ۱۰) پر فرماتے ہیں کہ ''نبی ہونے کے لیے اس پر وحی ہونا ضروری ہے خواہ فرشتہ کی معرفت یا بلا واسطہ''۔

اکابر تو فرمائیں نبوّت کا ثبوت وحی کے بغیر نہیں ہوسکتا لیکن ہمارے مہربان فرماتے ہیں کہ جو وحی سے پہلے نبوّت نہ مانے وہ کافر ہے اب صدر الشریعہ پر کیا فتویٰ لاگو ہوگا؟ (تحقیقات صفحہ ۲۵۷)

○ علامہ سید محمود رضوی فیوض الباری (جلد ۱ صفحہ ۴۳ ۶۸) پر ارشاد فرماتے ہیں ''نبی ہونے کے لیے وحی ہونا ضروری ہے وحی نبوّت کے مترادف ہے۔

حضرت تو نبوّت اور وحی کو مترادف قرار دیتے رہے ہیں آج کل وحی کے ذریعہ نبوّت ماننا کفر کے مترادف ہے۔ (تحقیقات صفحہ ۲۵۳)

○ شیخ محقق فرماتے ہیں: جب وحی کے دن قریب آ گئے تو آنحضرت ﷺ خلوت اور عبادت میں اکثر مشغول رہنے لگے تا آنکہ ناگاہ آپ پر وحی وارد ہوئی اور قرآن مجید کا نزول ہوا۔ (تحقیقات صفحہ ۱۷۱ ۱۷۴)

○ علامہ زرقانی فرماتے ہیں: اذا لاخلاف فی انہ صلی اللہ علیہ وسلم اقام اربعین سنة لا یوحیٰ الیہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ آنحضور چالیس سال اس حال میں رہے کہ آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ (اور یہ مسلم امر ہے کہ وحی کے بغیر نبوّت ثابت نہیں ہوسکتی) (تحقیقات صفحہ ۱۸۳)

○ حضرت داتا فرماتے ہیں جب تک وحی نہیں آئی تھی سب آپ کی تعریف کرتے تھے بعدہ سب لوگ آپ کے مخالف ہو گئے۔ (کشف صفحہ نمبر ۵۰) (تحقیقات صفحہ نمبر ۲۲۸) (ملخصاً)

الجواب نمبر ۱: معترض فریق نے اس مقام پر سخت مغالطہ دہی سے کام لیا ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے یعنی یہ تاثر دینے کی مذموم کوشش کی گئی ہے کہ قائلین نبوّت سرکار ﷺ وحی کے بغیر آپ ﷺ کو نبی مانتے (اور قبل وحی نبوّت کے قائل) ہیں جو قطعاً بے بنیاد ہے۔ کیونکہ قائلین کا موقف اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قبل از زمانۂ تخلیقِ آدم علیہ السلام نبی بنایا تو اس وقت آپ کو وحی نبوّت بھی فرمائی اور نبوّت بھی شان اوّلیت و آخریت والی عطا فرمائی یعنی باطنی اور روحانی طور پر اسی زمانہ سے آپ کا فیضان جاری ہوا۔ ایسا کہ جتنے نبی اور رسول تشریف لائے سب نے آپ سے فیض پایا اور اس دنیا میں آپ کا اس شان سے ظہور سب سے آخر میں ہوا۔ پھر چونکہ نبوّت دراصل آپ کی روحِ مبارک اور حقیقت مقدسہ کی صفت ہے خواہ آپ جس بھی عالم میں ہوں اور نبوّت کو زوال بھی نہیں اور نہ ہی اس نبوّت کے اس کے بعد اس کے زائل ہوجانے کی کوئی دلیل ہے بلکہ حدیث متیٰ وجبت لك النبوة الخ میں اس کے عدم زوال کی تصریح بھی موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے پوچھا کہ آپ نبی کب سے ہیں؟ تو فرمایا زمانۂ تخلیقِ آدم علیہ السلام سے بھی پہلے نبی ہوں۔ بناءً علیہ آپ اس کے بعد نبوّت سے متصف رہے۔ عالم ذرّ عالم اصلاب و

ارحام اور عالم بطن میں بھی اور لباس بشریت میں ملبوس ہو کر اس جہان میں جلوہ گر ہونے کے بعد چالیس سال کی عمر شریف تک بھی۔ جب کہ نبوّت کے لیئے ایک بار وحی ہو جانے کے بعد مسلسل بلا انقطاع ہر لمحہ وحی ہوتے رہنا بھی کچھ لازم نہیں ورنہ خود اعلانِ نبوّت کے بعد بھی خالی لمحات میں عدم نبوّت کا قول کرنا پڑے گا جو کفر ہے۔ سورۂ علق کی آیات کے نزول کے بعد عرصہ تک وحی نہ آئی۔ نیز سورۂ والضحٰی کا پس منظر بھی اس کی دلیل ہے۔

کنت نبیا الخ کی تشریح میں امام عارف باللہ شعرانی کا یہ حوالہ پیش کیا جاچکا ہے: ''فان النبوة لاتکون الا بمعرفة الشرع المقدر علیه من عند الله تعالٰی (الیواقیت' صفحہ ۲۵۵)۔

نیز خود مؤلّف تحقیقات کے صریح اقراریات سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ آپ ﷺ قبل زمانۂ تخلیق آدم علیہ السلام بالفعل نبی تھے۔

ملاحظہ ہو تنبیہات' جلد اوّل' مقدمۃ الکتاب۔

جو اس زمانہ میں آپ پر وحی نبوّت کے نازل ہونے کا بیّن ثبوت ہے ﷺ

علاوہ ازیں جب نبوّت اس زمانہ میں (حدیث متی وجبت لك النبوة الخ اور اقراریات معترض سے) ثابت ہے اور اب وہ یہ بھی صراحت کے ساتھ لکھ رہے ہیں کہ وحی اور نبوت ایک دوسرے کے مترادف ہیں یعنی جو وحی ہے وہی نبوّت ہے اور جو نبوّت ہے وہی وحی ہے' تو یہ بھی مانحن فیه کی واضح دلیل اور اس زمانہ میں وحی نبوّت کا روشن ثبوت ہے۔ الغرض قائلین نبوّت' وحی نبوّت کی بنیاد پر آپ ﷺ کی نبوّت کے قائل ہیں۔ وحی کے بغیر نہیں اور وہ حسب تفصیل مذکور ثابت اور اٹل حقیقت ہے' وحی کے بغیر انہیں اس کا قائل بتانا معترض کی سخت مغالطہ دہی پر مبنی ہے جو شدید قابل مذمت ہے۔

عبارات سے جواب:

رہیں پیش کردہ عبارات؟ تو وہ معترض کو کچھ مفید اور ہمیں کسی طرح مضر نہیں کیونکہ ان میں بعمر چالیس سال جس وحی کے نزول کا ذکر ہے وہ وحی بالقرآن ہے جس کے بارے میں قائلین نبوّت کا بھی یہی نظریّہ ہے کہ نزول قرآن کا آغاز آپ ﷺ کی چالیس سال کی عمر شریف میں ہی ہوا جب کہ یہ وحی' شروع میں عطاء نبوّت کے موقع والی وحی کے خلاف نہیں یعنی ایک کا ذکر ماعدا کی نفی کو مستلزم نہیں نیز یوں بھی نہیں کہ اس میں اس زمانہ کی وحی کے آنے کی تردید ہو۔ الغرض وحی بالقرآن' حدیث کُنْتُ نَبِیًّا الخ کے مضمون کے معاذ اللہ باطل ہونے کی کسی طرح دلیل نہیں۔

علاوہ ازیں بے شمار اجلّہ نے وحی بالقرآن کے حوالہ سے ''قبل الوحی'' کے لفظ بھی لکھے اور ساتھ ہی یہ

بھی تصریحات فرمائیں کہ آپ ﷺ بعد ولادت باسعادت تا آغاز نزولِ قرآن بھی نبی تھے نیز یہ بھی کہ چالیس سال تک آپ کو نبی نہ ماننا سلب نبوّت کے معنیٰ میں ہے جو درست نہیں۔ مثلاً امام آجری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ''ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم لم یزل نبیا من قبل خلق آدم (الیٰ) حتی نزل علیه الوحی'' (ملخّصاً)۔

نیز امام سالمی کی یہ عبارت: لان النبی کان نبیا قبل البلوغ وقبل الوحی کما انه نبی بعد الوحی وبعد البلوغ الخ۔

نیز علامہ ابن رجب وغیرہ کی یہ عبارت: انه صلی اللہ علیه وسلم ولد نبیا الخ۔

جو کم وبیش چالیس اقوال ہیں۔

ملاحظہ ہو، تنبیہات، جلد اوّل، باب ہفتم، دلیل نمبر ۲۱۰ تا ۲۴۹۔

جس سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ چالیس سال کی عمر شریف میں وحی آنے کے ذکر پر مشتمل اقوال، چالیس سال سے پہلے والی نبوّت کی نفی کی دلیل نہیں ہیں بلکہ پیش کردہ عبارات کے لکھنے والے علماء میں سے بیشتر حضرات کی بھی ایسی تصریحات موجود ہیں جن میں آپ ﷺ کے پہلے سے نبی ہونے کی توضیحیں ہیں جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ ان کی پیشِ نظر عبارات کو نفی نبوّت کی دلیل سمجھنا از حد غلط ہے۔ جب کہ ان سے یہ بھی ثابت نہیں کہ وہ اس نبوّت کے زائل ہوجانے کے قائل تھے بلکہ ان میں سے بعض سے اس کے برعکس ثابت ہے۔ بعض حوالہ جات حسبِ ذیل ہیں:

چنانچہ امام علامہ ابن زملکانی رحمۃ اللہ تعالیٰ جن کی عبارت، معترض نے سرفہرست نقل کی ہے اپنے اسی رسالہ کے خطبہ میں فرماتے ہیں: وخصه بعموم البعثة الی الخلائق اجمعین یعنی حمد ہے اللہ کے لیے جس نے آپ ﷺ کو بلا استثناء تمام مخلوق کے رسول ہونے کی خصوصی شان عطاء فرمائی۔

تھوڑا سا آگے فرماتے ہیں: ''فانه کان نبیا وآدم منجدل فی طینة'' یعنی آپ ﷺ اس زمانہ سے نبی ہیں کہ جب آدم علیہ السلام بھی معرض وجود میں نہ آئے تھے۔ ملاحظہ ہو (جواہر البحار، جلد ۴، صفحہ ۱۱۰، ۱۱۵، بحوالہ رسالہ عجالۃ الراکب فی ذکر اشرف المناقب، طبع مصر)۔

نیز امام اہل سنت حضرت مولانا الشاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ بلا استثناء کائنات عالم کے ہر ہر فرد (حیوانات، نباتات اور جمادات) کے رسول ہیں، ایسا نہیں ہے تو گوہ اور حجر وشجر نے آپ کی رسالت کی گواہی کیوں دی۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''لیکون للعٰلمین نذیراً'' اور حدیث نبوی

ارسلت الی الخلق کافۃ بھی اس کی دلیل ہے۔ (ملخصاً)۔

اقول: عبارت ہذا آپ ﷺ کے اوّل الخلق ہونے نیز آپ کی نبوت کے قدم کی دلیل ہے ورنہ کائنات کے ہر ہر فرد کا آپ کے دائرۂ نبوّت و رسالت میں ہونا درست نہیں رہے گا۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کی مزید دلائل سے تائید و توثیق فرماتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مصنف قدس سرّہ کا اس پر دلائل لانا ''امارة اختیاره فان التعلیل دلیل التعویل و هو المختار عندنا و به نقول'' اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ ان کا مختار یہی ہے کیونکہ کسی مسئلہ کی دلیل سے توجیہ بیان کرنا اس پر اعتماد کرنے کے مترادف ہوتا ہے جب کہ ہمارا مختار بھی یہی ہے اور ہم اسی کے قائل ہیں۔ (ملخصا) ملاحظہ ہو (المعتقد المنتقد مع المعتمد المستند' صفحہ نمبر ۱۲۶' طبع مکتبہ حامدیہ لاہور)۔

نیز حضرت ممدوح اپنی اسی کتاب میں تمہید امام سالمی کے حوالہ سے استناداً لکھتے ہیں: ''ومن جوز زوال النبوة من نبی فانه یصر کافراً'' یعنی جو کسی نبی کی نبوّت کو زائل ہونا جائز بتائے وہ اپنے اس نظریّہ کے باعث کافر ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسے ردّ نہیں فرمایا بلکہ برقرار رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ نمبر ۱۱۷' طبع مذکور)

اقول: جب آپ ﷺ کا نبی ہونا پہلے سے ثابت ہے اور زوال نبوّت درست نہیں تو اس کا لازمی نتیجہ آپ کی اس نبوّت کا بقاء و دوام ہے و هو المقصود۔ نیز معترض فریق کا اس سے فتویٰ لگوانے کا شوق بھی پورا ہو جاتا ہے۔

ثم اقول: اس سے حضرت بدایونی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت کے عقیدہ کی بھی وضاحت ہوگئی کہ آپ بھی حضور اقدس ﷺ کے قدم نبوّت کے قائل ہیں۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔

اس پر آپ کی مزید عبارات تنبیہات جلد اوّل میں تفصیل سے پیش کی جا چکی ہیں انہیں ادھر ہی دیکھ لیا جائے کیونکہ اعادہ موجب طوالت ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۴۲۰' باب ہفتم' تحت دلیل نمبر ۲۲۹)

بناءً علیہ اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ عبارت کو نفی نبوّت کی دلیل قرار دینا بالکل غلط ہے جو توجیہ القول بما لا یرضیٰ به قائله کے قبیل سے ہے جس کا مطلب وہی ہے جو عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں وحی بالقرآن کی آمد کی نفی مقصود ہے جس کے قائلین نبوّت بھی منکر نہیں ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ جن کی عبارت سے مغالطہ دیا گیا ہے' اسی بہارِ شریعت میں صراحۃً یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ کی نبوت کے متعلق ''عقیدہ'' یہ ہونا لازم ہے کہ ''سب سے پہلے مرتبۂ نبوّت حضور کو ملا'' الخ۔

نیز یہ بھی ارقام فرما دیا ہے کہ نبوّت کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ''جو شخص نبی سے نبوت کا زوال جائز جانے' کافر ہے''۔ (صفحہ نمبر ۱۶' طبع لاہور)

تفصیلی عبارات مع مزید دیکھنے کے لیئے ملاحظہ ہو۔ (تنبیہات' جلد ا' صفحہ ۲۰۳' باب چہارم نیز صفحہ ۴۲۰' باب ہفتم)۔

اقول: اس قدر وضاحت کے باوجود حضرت صدر الشریعہ کو حضور اقدس ﷺ کے قدم نبوّت کا قائل نہ ہونا ظاہر کرنا کمال دیانت داری نہیں تو اور کیا ہے؟

علامہ سید محمود احمد رضوی علیہ الرحمۃ بھی صراحۃً لکھ گئے ہیں کہ ''آپ کو اس وقت نبوّت مل چکی تھی جب کہ آدم علیہ السلام پانی و مٹی کے درمیان تھے'' ملاحظہ ہو۔ (دینِ مصطفیٰ ﷺ' صفحہ نمبر ۴۹' ۵۰)

اس سے بھی یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ موصوف کی پیش کردہ عبارت کو نفی نبوّت کی دلیل بتانا خود ان کے نزدیک بھی غلط اور ان کے نظریّہ کے خلاف ہے۔

پیش کردہ عبارت میں ان کا نبوّت و وحی کو مترادف کہنا بھی ہمارا مؤید ہے کیونکہ نبوّت جب پہلے سے ہونا ثابت ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول بھی اس دور میں ہونا لازم ہے۔

رہے حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ؟ تو وہ بھی مدارج النبوۃ' جلد ۲' صفحہ ۳ وغیرہ میں تصریحات فرما چکے ہیں کہ آپ ﷺ بلا انقطاع زمانہ قبل از تخلیق آدم علیہ السلام سے بالفعل نبی ہیں جس کا خود معترض کو بھی اقرار ہے۔

ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ نمبر ۲۰۷)

نیز تکمیل الایمان (مترجم اردو صفحہ ۱۱۶ طبع لاہور) میں یہ بھی ارقام فرما چکے ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام کبھی معزول نہیں ہوتے' اللہ تعالیٰ نے جو مراتب و درجات رسالت انہیں عطاء فرمائے ہیں وہ ان سے کبھی نہیں چھینتا'' اھ۔

اس کا بھی لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ آپ ﷺ کی اس عالم کی نبوّت ہمیشہ ہمیشہ باقی رہی اور آپ اپنی ولادت باسعادت کے بعد چالیس سال کی عمر شریف میں بھی حضرت شیخ کے نزدیک نبوت سے متصف تھے پس ان کی پیش کردہ عبارت کو اس کے برخلاف سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں''۔

امام علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی نبوتِ مقدّسہ آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح باقی ہے جس طرح حیات ظاہرہ میں تھی انقطاع کا قول سنگین اقدام ہے۔ بعض ائمہ اہلِ سنّت کو اس کا قائل بتانا یار لوگوں کا ان پر شدید افتراء ہے (ملخصاً)۔

ملاحظہ ہو۔(زرقانی شرح مواہب، جلد۶، صفحہ نمبر۱۶۹، صفحہ نمبر۱۹۸، طبع مصر)

نیز علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مواہب میں کئی مقامات پر آپ ﷺ کی نبوّت کے تقدم کا قول فرمایا جسے علامہ زرقانی نے شرح میں ردّ نہیں فرمایا۔اس سے بھی ان کے نظریہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔

علامہ قسطلانی نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی نبوّت کے حقیقۃً باقی ہونے کی توجیہ میں لکھا ہے:

''لان المتصف بالنبوۃ والرسالۃ والایمان ھوالروح وھی باقیۃ لا تتغیر بمومت البدن باجماع ''یعنی نبوّت، رسالت اور ایمان، سب دراصل روح کی صفت ہیں جب کہ روح بالاجماع فناء سے پاک ہے جس میں ظاہری وفات سے کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں آتا۔(مواہب مع زرقانی، جلد۶، صفحہ نمبر۱۶۹، طبع مصر)۔

اقول: علامہ زرقانی نے اسے ردّ نہیں فرمایا پس جب نبوّت ورسالت روح کی صفت ہے تو روح جہاں کہیں اور جس لباس میں بھی رہے اس کا وہ وصف بھی باقی ہوگا بناءً علیہ علامہ قسطلانی اور علامہ زرقانی (نور اللہ مراقدھما) کے نزدیک بھی حضور کو جو نبوّت قبل از زمانۂ تخلیقِ آدم علیہ السلام ملی تھی اس کے بعد کے تمام ادوار میں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہی جس میں بعد از ولادت باسعادت تا عمر مبارک چالیس سال کا زمانہ بھی شامل ہے۔پس معترض کا انہیں اس نبوّت کا قائل نہ ہونا بتانا خود ساختہ اور ایجاد بندہ ہے۔

مقتدائے اہل سنّت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جن کی عبارت سے مغالطہ دیا گیا ہے) بھی آپ ﷺ کے تقدم نبوّت کے قائل ہیں۔علامہ علی القاری علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: ''قال الامام فخرالدین الرازی الحق ان محمداً ﷺ قبل الرسالۃ ما کان علی شرع نبی (الیٰ) کان فی مقام النبوّۃ قبل الرسالۃ ''یعنی امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ اعلانِ نبوّت سے پہلے کسی نبی کی شریعت کے پابند نہ تھے کہ آپ کسی نبی کے اُمتی نہیں آپ قبل از اعلانِ نبوّت، مقام نبوّت پر فائز تھے۔(ملخّصاً)(شرح فقہ اکبر، صفحہ ۶۰، طبع کراچی)۔

اقول: عبارت ہٰذا دعوت رجوع (صفحہ نمبر۱۴، صفحہ نمبر۱۵، صفحہ نمبر۴۲، صفحہ نمبر۴۳ طبع لاہور) تنبیہات جلد۱، صفحہ ۴۰۵ میں مفصلاً پیش کی جا چکی ہے۔فمن شاء الاطلاع علیھا فلیرجع الیھا۔

بناءً علیہ امام رازی کی پیش کردہ عبارت کو تقدم نبوّت کے انکار کے معنیٰ میں لینا امام موصوف پر بہتان عظیم ہے۔ان کی اس عبارت میں قرآن کی صورت میں وحی اور احکام کے آنے کا ذکر ہے جو اس عالم کی نبوّت یا اس کے قائلین کے قطعاً خلاف نہیں۔

خلاصہ یہ کہ پیش کردہ عبارات کے تحریر کرنے والے ائمہ وعلماء رحمہم اللہ اجمعین آپ ﷺ کے تقدم

نبوّت نیز عدم جواز سلب نبوّت کی تصریحیں فرما چکے ہیں اس لیئے ان کی ان مبہم عبارات کو اس نبوّت کی نفی کے معنیٰ میں لینا نہایت درجہ غلط ہے۔

رہا معترض کا علامہ آلوسی کے حوالہ سے یہ کہنا کہ ''نبی پاک ﷺ وحی سے پہلے نبی نہ تھے''؟ تو نہایت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ معترض نے یہاں محض اپنی مطلب برآری کے لیئے شدید کذب بیانی سے کام لیا ہے۔ علامہ موصوف بڑی شدومد کے ساتھ آپ ﷺ کے تقدم نبوّت کے قائل ہیں۔ پچھلے باب میں ہم اس پر صدائے احتجاج بلند کر چکے اور دوٹوک الفاظ میں لکھ آئے ہیں کہ اگر ان میں ذرّہ بھر بھی جرأت وصداقت ہے تو اسی نقطہ پر مناظرہ رکھ لیں اور علامہ الوسی سے اسے ثابت کر دکھائیں تو ہم انہیں منہ مانگا انعام پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی شکست بھی تسلیم کریں گے ورنہ انہیں مسئلہ ہذا میں اپنے موقف سے توبہ تائب ہونا ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ معترض نے ان کی عبارت پیش کرنے کی بجائے اسے اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے تا کہ ہر کوئی ان کی اس چالاکی کو پکڑ کر ان کا احتساب نہ کر سکے۔

قائل نبوّت ہونے کے ثبوت میں ہم ان (علامہ الوسی) کی عبارات دعوت رجوع اور تنبیہات جلد اوّل میں پیش کر چکے ہیں از انجملہ ایک یہ ہے: ''واذا کان بعض اخوانه من الانبیاء علیهم السلام قد اوتی الحکم صبیا ابن سنتین او ثلاث فهو علیه الصلاة والسلام اولی بان یوحی الیه ذالك النوع من الا یحاء صبیا ایضا ومن علم مقامه ﷺ وصدق بانه الحبیب الذی کان نبیا وآدم بین الماء والطین لم یستبعد ذلك فتأمل''۔

حوالہ جات مع اردو ترجمہ کے لیئے ملاحظہ ہو۔ (دعوت رجوع، صفحہ نمبر ۱۶، صفحہ نمبر ۳۱، ۳۲ نیز تنبیہات، جلد ۱، صفحہ نمبر ۴۰۷، صفحہ نمبر ۴۱۳، ۴۱۲، صفحہ ۴۱۷، باب ۷)

الغرض علامہ الوسی نے یہ بات قطعاً نہیں لکھی کہ ''نبی پاک ﷺ وحی سے پہلے نبی نہ تھے''۔ ورنہ موصوف اسے ثابت کر کے منہ مانگا انعام حاصل کریں۔ ہمیں گوی وہمیں میداں۔ دیدہ باید۔

ہمارے اس مکمل بیان سے معترض فریق کے (پیش کردہ عبارات کے لکھنے والوں میں سے بعض علماء کے متعلق) اس سوال کا جواب بھی آ گیا کہ ''ان پر کیا فتویٰ لاگو ہوگا''؟ جو یہ ہے کہ ان میں سے کسی پر بھی فتویٰ لاگو نہیں ہوگا کیونکہ وہ قائل نبوت ہونے کے بعد زوال وسلب نبوت کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ قائلین زوال نبوّت پر خود فتویٰ لگا گئے ہیں ''فانه یصر کافرا'' کہ وہ ''کافر ہے''۔ (تمہید المعتقد، بہارِ شریعت، تکمیل الایمان)۔

اب معترض صاحب ہی بتادیں کہ ان کا نظریہ زوال نبوّت کے معنیٰ کو ادا کرتا ہے یا نہیں۔ نیز ان ائمہ و

علماء کا یہ فتویٰ خود معترض پر لاگو ہوگا یا نہیں؟ نہیں کہہ نہیں سکتے۔ ہاں وہ خود ہی کر دیں تو بہتر ہے کیونکہ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

معترض کا ایک اور کمال:

یہاں معترض نے علامہ زرقانی کی عبارت نقل کر کے اس کے اردو ترجمہ میں یہ لفظ بھی لکھ دیے ہیں کہ ''اور یہ مسلم امر ہے کہ وحی کے بغیر نبوّت ثابت نہیں ہوسکتی'' جس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ علامہ زرقانی چالیس سال کی عمر شریف میں آنے والی وحی بالقرآن سے پہلے آپ ﷺ کو نبی نہیں مانتے (والعیاذ باللہ) جب کہ ان کی عبارت میں نہ تو ایسے الفاظ ہیں جن کا یہ ترجمہ ہو اور نہ ان کی عبارت کا یہ مطلب ہے۔

پس یہ ان کا ایک اور کمال ہے جس کے حوالہ سے انہوں نے یہ کرم نوازی فرمائی ہے کہ ان الفاظ کو انہوں نے بریکٹ ((　)) میں اور بین القوسین لکھ دیا ہے جس سے ان کے اس کمال کو سمجھنا سب کے لیۓ آسان ہوگیا ہے جس پر وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اقراریات:

اس مقام پر معترض نے ڈنکے کی چوٹ پر یہ تسلیم کرلیا ہے کہ وحی، نبی کی ذات کی تکمیل کے لیۓ بھی ہوتی ہے نیز یہ کہ اس بارے میں محدّثین کرام اسی نظریہ کے حامل ہیں جب کہ عموماً وہ اسی پر زور دیتے ہیں کہ نبی ہونے کے لیۓ تبلیغ شرط ہے اور اسے اس طرح سے لاتے ہیں گویا سب کا اس پر اجماع ہے۔ سبحٰن اللہ۔

خلاصہ یہ کہ اب وہ یہ مان رہے ہیں کہ نبی ہونے کے لیۓ عند المحدّثین صرف وحی کا ہونا کافی ہے، اس کے لیۓ تبلیغ شرط نہیں ہے۔

تصادم:

معترض کے اگلے اعتراض سے واضح ہے کہ نبی ہونے کے لیۓ وحی ملکی کا ہونا لازم ہے جب کہ یہاں وہ المعتقد اور بہارِ شریعت کے حوالہ سے یہ لکھ رہے ہیں کہ اس کے لیۓ ''وحی ہونا ضروری ہے خواہ فرشتہ کی معرفت یا بلاواسطہ'' جس کا نتیجہ تصادم ہے یعنی اس کی رو سے ان کا مغالطہ نمبر ۱۴ ان کے مغالطہ نمبر ۱۵ سے اور نمبر ۱۵، نمبر ۱۴ سے ٹکرا کر کافور اور ہباءً منثورًا ہو جاتا ہے۔ تو لیجیے پڑھیے ان کا مغالطہ نمبر ۱۵ اور اس کا ردّ۔

مغالطہ نمبر ۱۵ (وحی ملکی شرط نبوّت ہے جو بعمر چالیس سال آئی) **کا رد:**

معترض فریق کا یہ بھی کہنا ہے کہ نبی ہونے کے لیئے وحی جبریلی شرط ہے جو چالیس سال بعد آئی تو یہ بھی اس سے قبل آپ ﷺ کے معاذ اللہ نبی نہ ہونے کی دلیل ہے جس کے لیئے انہوں نے تین عبارات سے استدلال کیا ہے تفصیل مع جوابات حسب ذیل ہے:

چنانچہ لکھا ہے کہ: ''حضرت شیخ اکبر ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی وہ ہوتا ہے جس پر فرشتہ وحی لے کر آئے اور وحی احکام شرعیہ پر مشتمل ہو (فتوحاتِ مکیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۳)'' ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات صفحہ نمبر ۲۴۹)

الجواب:

یہ عبارت بھی مخالف کے مدّعا کی کسی طرح دلیل نہیں۔ اسے صحیح معنیٰ میں سمجھنے کے لیئے مکمل و اصل عبارت کا سامنے رکھنا ضروری ہے جو حسب ذیل ہے:

''ان النبی ھو الذی یأتیه الملك بالوحی من عند اللہ یتضمن ذلك الوحی شریعة یتعبد بھا فی نفسه فان بعث بھا الی غیرہ کان رسولا'' یعنی نبی اس مقدس انسان کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس فرشتہ اللہ کی طرف سے وحی لے کر آئے جب کہ وحی بھی کچھ ایسے احکام کی ہو جن پر چلنے کا اس کی ذات کو پابند کیا گیا ہو بلفظ دیگر وہ احکام اس کی ذات تک محدود ہوں۔ پھر اگر اسے ان احکام کے دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا بھی پابند کیا گیا ہو تو وہ رسول بھی ہوگا۔

ملاحظہ ہو۔ (فتوحاتِ مکیہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۹ باب نمبر ۱۴ طبع بیروت)

اصل اور مکمل عبارت کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ معترض نے اس میں دو طرح سے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے ایک یہ کہ عبارت نبی و رسول دونوں کے بارے میں ہے جب کہ معترض نے رسول کی تعریف والا مکمل حصہ اڑا دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ نبی کی تعریف والے حصہ کے بھی آخری الفاظ (یتعبد بھا فی نفسه) اردو ترجمہ میں نہیں لائے پس پیش کیا گیا حوالہ نہ تو اصل عبارت کا مکمل ترجمہ ہے اور نہ ہی اس کا معتدبہ خلاصہ ہے۔

بہر صورت اس سے ان کا استدلال بوجوہ باطل ہے بعض وجوہ یہ ہیں:

وجہ اوّل: تنبیہات جلد اوّل میں ہم درجنوں اکابر ائمہ و علماء شان کے متعدد حوالہ جات سے ثابت کر آئے ہیں کہ نبی کے لیئے کسی طرح سے وحی کا ہونا لازم ہے جس کے لیئے وحی ملکی کا ہونا ضروری نہیں نیز یہ کہ وحی

ملکی اور شریعت' شرط رسالت ہیں۔

مکمل تفصیل کے لیۓ ملاحظہ ہو (تنبیہات' جلد ا' باب ہفتم' دلیل نمبر ۲۰۴)۔ نیز حضرت غزالیٔ زماں علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں: وحی الٰہی کو صرف جبریل علیہ السلام کے پیغام میں منحصر سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں۔ وحی الٰہی حضور کو خواب میں بھی ہوتی تھی۔ حدیث پاک میں وارد ہے رؤیا الانبیاء وحی انبیاء علیہم السلام کی خواب وحی ہے۔ وحی القاء کے ساتھ بھی ہوتی تھی یعنی قلب اطہر میں کسی بات کا ڈال دینا"۔ (مقالاتِ کاظمی' جلد نمبر ۲' صفحہ ۱۵۵' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز)

وجہ ثانی: معترض فریق نے امام اہلِ سنت حضرت مولانا الشاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ (کی کتاب المعتقد) اور صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ (کی کتاب بہارِ شریعت) کے حوالہ سے خود بھی لکھا ہے کہ "نبی ہونے کے لیۓ اس پر وحی ہونا ضروری ہے خواہ فرشتہ کی معرفت ہو یا بلا واسطہ"۔

ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ نمبر ۲۵۶' صفحہ نمبر ۲۵۷) یہ حوالہ جات ابھی گزشتہ مغالطہ کے تحت پیش کیے جا چکے ہیں و بنائً خود معترض فریق کے نزدیک بھی پیش نظر عبارت لائق احتجاج نہ رہی

ع　اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

وجہ ثالث: عارف باللہ و شناسائے شان نبوت حضرت امام شعرانی قدس سرہ النورانی فتوحات ہی کے حوالہ سے حضرت شیخ اکبر کا یہی قول الیواقیت والجواہر میں لائے ہیں مگر اس میں وحی ملکی کی قید کو کائی نام و نشان نہیں ہے بلکہ وحیٔ الٰہی کا ہونا مذکور ہے۔

چنانچہ حضرت موصوف' حضرت شیخ اکبر کے حوالہ سے لکھتے ہیں "وقال فی الباب الرابع عشر من التفوحات : اعلم ان حقیقیة النبی الذی لیس برسول ہو شخص یوحی اللہ الیہ بامر یتضمن ذلك شریعةیتعبد بها فی نفسه فان بعث بها الی غیرہ کان رسولا ایضاً"۔

ملاحظہ ہو۔ (الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر' جزء دوم' صفحہ نمبر ۲۷۹' مبحث نمبر ۳۵' طبع دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان' الطبعۃ الاولی ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۸ء۔ نیز صفحہ ۳۴' طبع دار المعرفۃ بیروت' لبنان الطبعۃ الثانیہ)۔

اوّل: حضرت شعرانی کے حسبِ نقل نبی کی تعریف سے متعلق عبارت فتوحات میں "وحی ملکی" کی قید بالکل ناپید ہے پھر اس کے شروع میں "قال" کے الفاظ اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ اس سلسلہ میں امام شعرانی کے تحقیق شدہ الفاظ یہی ہیں ورنہ وہ یوں بھی فرما سکتے تھے کہ "وفی الباب الرابع عشر من الفتوحات"۔ مزید پڑھیۓ۔

وجہ رابع: زیر بحث عبارت خصوصیت کے ساتھ سیّد عالم ﷺ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ مطلقاً نبی و

رسول کی تعریف کے متعلق ہے یعنی اس سے مقصود آپ ﷺ نہیں۔ پس آپ ﷺ پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا مگر سینہ زوری سے جو قطعاً ناانصافی ہے۔

پنجاس: نیز اس کا یہ مطلب بھی بالکل نہیں بن سکتا کہ آپ ﷺ عمر شریف چالیس سال سے پہلے معاذ اللہ نبی نہ ہوں کیونکہ حضرت شیخ اکبر، حضور اقدس ﷺ کے بارے میں ان امور کے شد و مد کے ساتھ قائل ہیں کہ آپ بمعنی حقیقی اوّل الخلق اور اسی زمانہ سے نبوت سے متصف ہیں۔ نیز آپ نبی الانبیاء ہیں کہ جملہ انبیاء و رسل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ کے اُمّتی ہیں جن میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دور میں آپ ﷺ کی نیابت میں اور آپ کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کام کیا جس کا واضح مطلب اس نبوت کا دوام ہے جس سے یہ امر قطعی طور پر متعین ہو جاتا ہے کہ کہ ''وحی ملکی'' کی قید کو ان سے صحیح ثابت مان لیا جائے تو ان کی یہ عبارت حضور اقدس ﷺ پر صادق نہیں آ سکتی۔ کیونکہ آپ جس زمانہ قبل تخلیق آدم علیہ السلام میں نبی بنے اس میں جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے وحی کا آنا ثابت نہیں بلکہ ہوسکتا ہے اس وقت حضرت جبریل کا وجود ہی نہ ہو ومن ادعی فعلیه البیان۔

پس مبحث فیہا عبارت کا مصداق آپ ﷺ کو قرار دینے کی صورت میں حضرت شیخ خود اپنی اس عبارت کی زد میں آ کر آپ ﷺ کی زمانہ قبل از تخلیق آدم علیہ السلام کی نبوّت کے منکر قرار پائیں گے جسے کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا جب کہ یہ عبارت ہے بھی مطلق یعنی اس میں نہ عالم بالا کی قید ہے نہ عالم دنیا کی۔ اور حضرت کی یہ تصریحات اسی فتوحاتِ مکیہ میں جگہ جگہ موجود ہیں بعض نقول ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں:

''فکان سید العالم باسره واول ظاهر فی الوجود'' یعنی آپ ﷺ جملہ عالم کے سردار اور سب سے پہلے وجود میں آنے والے ہیں (فتوحات جلد ۱ صفحہ ۱۸۴)۔

نیز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی تخلیق فرمائی ''واعلمه بنبوته وبشره بها وآدم لم یکن الا کما قال بین الماء والطین'' اور آپ کو اس وقت آپ کی نبوت سے باخبر اور مبشّر فرمایا جب کہ آدم علیہ السلام خود آپ کے حسب ارشاد ابھی معرض وجود میں نہ آئے تھے۔ (جلد ۱ صفحہ نمبر ۲۲۰)

صفحہ نمبر ۲۲۳ پر لکھا ہے: انه صلی الله علیه وسلم کان نبیا وآدم بین الماء والطین ''یعنی آپ ﷺ بلاشبہ اس وقت نبی تھے جب کہ آدم ﷺ کا وجود بھی نہ تھا۔ صفحہ ۲۳۱ پر مرقوم ہے: تمام عالم کے قطب مدار آپ ﷺ ہیں اور جملہ انبیاء و رسول سلام اللہ علیہم اجمعین نیز تخلیق آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک ہونے والے تمام اقطاب کے فیض رساں بھی آپ ہی ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا ''متیٰ کنت

نبیا؟ آپ نبی کب بنے؟ تو فرمایا: ''وآدم بین الماء والطین ''اس وقت کہ جب آدم علیہ السلام بھی نہ بنے تھے۔ نیز ارقام فرمایا کہ آپ ﷺ کی رسالت ہمہ گیر ہے جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام آپ کے نائبین وخوشہ چین تھے''فھم حجبته ﷺ من آدم علیہ السلام الی آخر نبی ورسول ''جس کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ آدم فمن دونه تحت لوائی''۔اور حضور کو آپ کے اس مرتبہ ومقام کا شروع سے ادراک تھا' دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ سے پوچھا گیا آپ نبی کب بنے؟ تو فرمایا: کنت نبیا وآدم بین الماء والطین'' ﷺ (صفحہ نمبر ۳۶۹)

نیز فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ غارِ حرا میں تھے''فجاء ہ الملك فسلم علیه بالرسالة وعرفه بنبوته ''تو فرشتے نے آپ کی خدمت میں آ کر رسالت کو آپ کے سپرد کیا اور آپ کو آپ کے نبی مبعوث ہونے سے آگاہ کیا۔ (صفحہ نمبر ۳۷۹)

یہ عبارت اپنے اس منطوق میں نہایت صریح ہے کہ آپ نبی پہلے سے تھے جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر لوگوں کو تبلیغ کرنے کا حکم الٰہی پہنچایا۔

علاوہ ازیں حضرت علامہ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی ان امور کو فتوحات کے بکثرت حوالہ جات سے ثابت فرمایا ہے۔

تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو: (الیواقیت والجواہر' صفحہ نمبر ۲۵۲' ۲۵۳' ۲۵۵' ۲۵۶' ۲۵۷' ۲۵۹' ۲۶۱' ۲۶۲ بحوالہ فتوحات مکیہ باب نمبر ۳۰۵-۱۲-۱۰-۳۳۷-۷۴-۱۵۸-۲۵۷ وغیرہا' طبع دارالکتب العلمیہ' بیروت) حیث قال: ''کان فیھاصلی اللہ علیه وسلم یعرف نبوته وذلك قبل خلق آدم''۔

ایضاً: ''فکل نبی تقدم علیٰ زمن ظھورہ فھو نائب عنه فی بعثته بتلك الشریعة۔

ایضاً: انه صلی اللہ علیه وسلم نبی الانبیاء للعھد الذی اخذعلی الانبیاء بسیادته علیھم ونبوته''

ایضاً: ''انما کان صلی اللہ علیه وسلم سید ولد آدم لان جمیع الانبیاء علیه الصلاۃ والسلام نواب له من لدن آدم الیٰ آخرالرسل وھو عیسیٰ علیه الصلاۃ والسلام''۔

ایضاً: ''وماظھر بعلمھا الا بحکم النیابة عن محمد صلی اللہ علیه وسلم فی عالم الملئکة لتقدمه بالنبوۃ وآدم بین الماء والطین''۔

ان سب عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے نبی ہیں نیز یہ کہ آپ اپنی اس نبوّت سے آگاہ تھے۔ آپ نبی الانبیاء ہیں۔ جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام آپ کے نائبین تھے سب نے آپ کی نیابت میں کام کیا۔ بناء بریں زیر بحث عبارت فتوحات کے مصداق آپ ﷺ نہیں ہیں کیونکہ آپ کو

سب سے پہلے نبوّت عطاء ہوئی جسے وحی لازم ہے جب کہ آپ پر ہونے والی اس وقت کی وحی حضرت جبریل علیہ السلام کے توسط کے بغیر تھی۔

اور یہ اس وقت ہے کہ جب عبارت کے الفاظ ''ان یأتیہ الملك '' کو ثابت مانا جائے۔ ثابت نہ مانا جائے تو بھی اس کا اطلاق آپ ﷺ پر ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے قدم نبوّت کے قائل ہیں۔

وجہ سادس: ''ان یأتیــه الملك '' کو درست مان لینے کی صورت میں خود معترض کے طور پر بھی آپ ﷺ کی زمانۂ قبل تخلیقِ آدم علیہ السلام والی نبوت سے انکار یا پھر اس قید کا غلط ہونا لازم آئے گا کیونکہ وہ خود بھی لکھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ کی وہ نبوّت بے واسطۂ جبریل علیہ السلام تھی۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ نمبر ۵۱)۔

الغرض خود معترض کے طور پر عبارت میں وحی ملکی کی قید اور عالم ارواح کی بالفعل نبوّت دونوں میں سے ایک کا غلط ہونا لازم آئے گا جو ان کے حق میں کسی طرح بہتر نہیں ہے جب کہ عبارت میں اس عالم اور اس عالم کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔

وجہ سابع: علاوہ ازیں اس میں جو نبی کی تعریف بیان کی گئی ہے وہ اس کی اس تعریف سے متصادم ہے جسے معترض صاحب پہلے اختیار کر چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے علماء عقائد کے حوالہ سے استناداً نبی کا یہ معنٰے لکھا تھا کہ ''انسان بعثه اللہ تعالٰی الی الخلق لتبلیغ الاحکام ''۔ اور یہ بھی خود لکھا کہ ''جب تبلیغ احکام متحقق نہیں ہوئی تو آپ کے نبی ہونے کا دعویٰ کیونکر قابل تسلیم ہوگا؟ (ملخصاً) ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ نمبر ۴۵)۔

خلاصہ یہ کہ معترض کے اختیار کردہ معنٰی کے پیش نظر نبی کی تبلیغ کا تعلق لوگوں سے ہوتا ہے جب کہ اس کی پیش کردہ عبارت فتوحات کے مطابق اس کا تعلق محض ذات نبی سے ہوتا ہے بنائً علیہ کسی ایک کو صحیح ماننے کی صورت میں دوسری کا غلط ہونا لازم آتا ہے یعنی عبارت فتوحات کی رو سے عبارت علماء عقائد غلط ہوئی اور عبارت علماء عقائد کی رو سے عبارت فتوحات غلط قرار پائی۔ مبارک ہو۔

وجہ ثامن: بر تقدیر تسلیم چالیس سال کی عمر شریف سے قبل بھی معترض کے طور پر آپ ﷺ پر وحی ملکی کا ہونا ثابت ہے۔

تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو: (تنبیہات' جلد اوّل' باب ہفتم' صفحہ نمبر ۳۳۲' دلیل نمبر ۱۱۷' ۳۴۰' ۳۴۱' دلیل نمبر ۱۲۶' صفحہ ۳۴۷' ۱۲۷' دلیل نمبر ۱۳۴' صفحہ ۳۵۵' دلیل نمبر ۱۵۸' صفحہ نمبر ۳۵۷' دلیل نمبر ۱۶۰' صفحہ ۳۵۹ تا صفحہ نمبر ۳۶۱' دلیل نمبر ۱۶۳ تا ۱۶۷۔ نیز صفحہ نمبر ۳۷۳' ۴۰۲' ۴۰۳' ۴۰۴)۔

الحمدللہ اس طرح سے معترض پر ہر طرح سے اتمامِ حجت ہوگیا۔

وجہ تاسع : یہ توجیہ بھی کی جاسکتی ہے کہ عبارت ہٰذا میں نبی سے مراد رسول ہے جس کا ایک قرینہ ’’وحی جبریلی ‘‘ نیز ’’شریعۃ ‘‘ کی قید کا اس میں مذکور ہونا بھی ہے جب کہ یہ دونوں چیزیں شرطِ رسالت ہیں جیسا کہ ’’وجہِ اوّل‘‘ میں ابھی باحوالہ گزرا ہے۔

بلکہ یہ امر خود حضرت شیخ اکبر سے صراحۃً بھی ثابت ہے۔

چنانچہ امام شعرانی ’فتوحات کے حوالہ سے لکھتے ہیں: لاتکون الرسالۃ الاکما ذکرنا یعنی بواسطہ روحی قدسی ‘‘یعنی (نبوّت تو دیگر طرق وحی میں سے کسی سے ثابت ہوجاتی ہے مگر) رسالت کے متحقق ہونے کے لیۓ وحی ملکی کا ہونا لازم ہے جیسا کہ ہم نے تفصیل سے اس کو بیان کیا ہے۔

ملاحظہ ہو (الیواقیت والجواہر ‘صفحہ نمبر ۲۶۱‘ طبع دار الکتب العلمیہ‘ بیروت)

علاوہ ازیں اس کی وضاحت وکیل شیخ اکبر حضرت علامہ شعرانی کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ ’’فان قلت فما حقیقۃ النبوۃ ؟ فالجواب ھو خطاب اللہ تعالیٰ شخصا بقولہ :انت رسولی و اصطفیتك لنفسی ‘‘یعنی اگر تم یہ پوچھو کہ نبوت کس طرح متحقق ہوگی اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی مقدس انسان کو یہ فرما دینا نبوت ہے کہ انت رسولی الخ یعنی تو میرا رسول ہے اور میں نے تجھے اپنے احکام کو لوگوں تک پہنچانے کے لیۓ منتخب کیا ہے۔(الیواقیت والجواہر ‘صفحہ نمبر ۲۲۴‘ طبع مذکور)۔

مزید یہ کہ بعض مقامات پر انہوں نے نبی و رسول کے لیۓ رسول کو مقسم ٹھہرایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (الیواقیت والجواہر ‘صفحہ ۲۶۱‘ طبع مذکور (مستفاداً))۔

الغرض ایک جواب یہ ہے کہ پیش کردہ عبارت میں نبی سے مراد رسول ہے پھر چونکہ انہوں نے رسالت کی دو قسمیں فرمائی ہیں؟ نمبر ۱: رسالت الیٰ ذاتہ الکریمۃ ۔ نمبر ۲: رسالت الیٰ غیرہ ۔ اس لیۓ ان دونوں میں فرق کرنے کے لیۓ قسم اوّل کو نبی اور قسم ثانی کو رسول سے تعبیر فرمایا ۔ گویا آپ ﷺ کو پہلی وحی کے نزول کے وقت رسالت کی قسم اوّل سپرد ہوئی پھر کچھ عرصہ بعد جب آپ کو تبلیغ کا حکم ملا تو قسم ثانی کا ظہور ہوگیا۔ بہرصورت نبی آپ پہلے سے تھے جس کی وضاحت حضرت کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے :ان حقیقۃ الرسالۃ ابلاغ کلام اللہ من متکلم الی سامع وھو حال لامقام اذ لابقاء لھا بعد انقضاء التبلیغ فلا تزال الرسالۃ یتجدد حکمھا کل حین وھو قولہ تعالیٰ ”مایأ تیھم من ذکر من ربھم محدث“ فالا

تیان ھو الرسالة فالرسالة لا یقبلھاالرسول الا بواسطة روحی قدسی ینزل بالرسالة تارة علی قلبہ و تارة یتمثل لہ الملک رجلا و کل روحی لایکون بھذہ الصفة لا یسمی رسالة بشریہ و انما یسمی و حیا او الھاما او وجوداً الخ ملاحظہ ہو۔(الیواقیت والجواہر'صفحہ۲۶۲'بحوالہ فتوحات'باب نمبر۱۵۸)

نیز اس سے بھی امر مذکور کا پتہ چلتا ہے کہ امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک قسم یہ بیان فرمائی کہ لوگوں کی طرف جنہیں ارسال نہیں کیا جاتا ان کے لیئے انہوں نے وحی جبریلی کے لازم ہونے کو محل نظر قرار دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''فان قلت فھل کان الوحی للانبیاء الذین لم یرسلوا علی لسان جبریل علیہ السلام فی الیقظة ام فی المنام؟ فالجواب لم ار فی ذلک شیئا عن الاصولیین ولکن ذکر الشیخ عبدالعزیز الدیرینی فی کتابہ المسم "بالدرر الملتقطة' ان الانبیاء الذین لم یرسلوا کان الوحی الیھم فی المنام علی لسان جبریل علیہ السلام انتھی۔ فلاادری ما دلیلہ فی ذلک فلیتأمل''۔(الیواقیت الجواہر'صفحہ نمبر۲۶۲'طبع مذکور)

مزید یہ بھی پڑھیے:ان النبی اذا القی الیہ الروح شئیا اقتصر بہ ذلک النبی علی نفسہ خاصة ویحرم علیہ ان یبلغ غیرہ۔ ثم ان قیل لہ بلغ ما انزل الیک اما لطائفة مخصوصة کسائر الانبیاء واما عامة ولم یکن لمن بعث الیھم الا لمحمد ﷺ فھورسول لا نبی (الی) فعلم ان کل رسول لم یخص بشئی من الحکم فی حق نفسہ فھو رسول لا نبی وان خص مع التبلیغ بشئی فی حق نفسہ فھو رسول و نبی فما کل رسول نبی علی ما قررنا ولا کل نبی رسول بلا خلاف''۔

ملاحظہ ہو(الیواقیت والجواہر'صفحہ نمبر۲۶۲'بحوالہ فتوحات'باب نمبر۱۵۸'طبع مذکور)

اقول: ہمارے اس بیان سے نفس مسئلہ کے ساتھ یہ بھی واضح ہوگیا کہ رسالت کی قسم اوّل حسب تفصیل مذکور'حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح خاص ہے۔ ولا مشاحة فیہ۔ فافھم ولا تکن من الغافلین۔ والحمد للہ رب العلمین۔

وجہ عاشر (تحقیق مقام وتنقیح مرام): تحقیقِ انیق اور حقِ حقیق یہ ہے کہ عبارت ہٰذا حضرت شیخ کی ایک اصطلاح خاص کی بنیاد پر ان کے ایک فلسفہ پر مشتمل ہے جو یہ ہے کہ وہ وحی نبوّت کو نبوۃ تشریعی اور وحی الہام کو نبوۃ غیر تشریعی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نبوّۃ تشریعی سے مراد احکام شرعیہ (اوامر ونواہی) ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہیں جن کا سلسلہ آپ ﷺ پر مکمل ہوا اور اس کا دروازہ ہمیشہ کے لیئے بند ہو چکا جن کا نزول اب محال ہے جو نہ مانے وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔

لیکن نبوۃ غیر تشریعی جو وحیٔ الہام ہے اور فیضان نبوت سے محض شان ولایت ہے' وہ جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گی جو القاءؔ بھی ہوتی ہے اور اس کے لیۓ حضرت جبریل علیہ السلام بھی ذریعہ بن سکتے ہیں مگر وہ کوئی نیا شرعی حکم نہیں لا سکتے بلکہ اس مرتبہ کے ولی کا اطمینان قلبی بڑھانے کے لیۓ پہلے سے موجود احکام کی مزید تصدیق نیز احکام شرعیہ کے علاوہ دیگر امور کے متعلق معلومات دینے کے لیۓ تشریف لا سکتے ہیں پس حضرت شیخ اکبر نے اسی تناظر میں پیش کردہ عبارت فتوحات میں وحی ملکی کے ساتھ ''شریعۃ'' کی قید لگائی ہے جس سے مقصود مَلَک کریم کے نزول کی موحٰی الیہ نبی اور موحٰی الیہ غیر نبی کے لیۓ کیفیت کے فرق کو بیان کرنا مقصود ہے یعنی جب فرشتہ نبی کے پاس بھی وحی لاۓ اور غیر نبی کے پاس بھی آۓ اور اسے کچھ بتاۓ تو دونوں میں فرق کیسے ہوگا؟ تو فرمایا نبی کے پاس وہ احکام شرعیہ کو لے کر آۓ گا جب کہ غیر نبی کے ہاں وہ اس کی تصدیق یا پھر وہ دیگر امور کی وضاحت لاۓ گا' احکام شرعیہ کا لانا ممکن نہیں کہ اس کا جواز ہی نہیں ہے۔

الغرض اس سے مقصود وحی تشریعی اور غیر تشریعی کے فرق کو بیان کرنا ہے اور نزول ملک کی کیفیت کے مختلف ہونے کی وضاحت فرمانا ہے یہ مقصد ہرگز نہیں کہ نبی ہونے کے لیۓ وحی ملکی شرط ہے جیسا کہ معترض نے سمجھ لیا ہے کیونکہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے جس کی مکمل باحوالہ تفصیل باب ہشتم میں گزری ہے۔ بلفظ دیگر نبی یہاں آ کر نہیں بنتا بلکہ بن کر آتا ہے۔ لہٰذا مَلَک وحی کی آمد شرط نبوّت کی بناء پر نہیں بلکہ مروجہ اور جاری طریقۂ الٰہیہ کی بنیاد پر ہے۔

اس سلسلہ کی بعض نقول اور حضرت شیخ اکبر کی تصریحات حسب ذیل ہیں:

چنانچہ امام جلیل علامہ شعرانی فتوحات مکیہ کے حوالہ سے نبی و رسول کی بحث میں لکھتے ہیں: ''اعنی بھا نبوۃ التشریع التی لا تکون للاولیاء (الیواقیت والجواہر' صفحہ نمبر ۲۶۲)۔

نیز اسی کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: وھذا باب اغلق بعد موت محمد ﷺ فلا یفتح لاحد الی یوم القیامۃ ولکن بقی للاولیاء وحی الالھام الذی لا تشریع فیہ'' (۲۷۹)۔

نیز ''واعلم ان الوحی لا ینزل بہ الملك علی غیر قلب نبی اصلا ولا یأمر غیر نبّی بامر الٰھی جملۃ واحدۃ فان الشریعۃ قد استقرت وتبین الفرض والواجب والمندوب والحرام والمکروہ والمباح فانقطع الامر الالٰھی بانقطاع النبوۃ والرسالۃ وما بقی احد من خلق اللہ تعالٰی یأمرہ اللہ یکون شرعا یتعبدبہ ابدا الخ (الیواقیت والجواہر' صفحہ ۲۷۹) نیز ''من قال ان اللہ تعالٰی امرہ بشئی فلیس ذلك بصحیح انما ذلك تلبس لان الامر من قسم الکلام

وصفته وذلك باب مسدود دون الناس فانه ما بقی فی الحضرت الا لٰهية امر تكليفی الا وهو مشروع فما بقی للاولياء وغيرهم الاسماع امرها (الٰی) وكل من قال من الاولياء انه مأمور بامر الٰهی فی حركاته وسكناته مخالف لامر شرعی محمدی تكليفی فقد التبس عليه الامر وان كان صادقا فيما قال انه سمعه فليس ذلك عن اللّٰه وانما هو عن ابليس فظن انه عن اللّٰه (الٰی) فقد بان لك ان ابواب الاوامر الالٰهية والنواهی قدسدت وكل من ادعاها بعد محمد ﷺ فهو مدع شريعة اوحی بها سواء وافق شرعنا اوخالف فان كان مكلفا ضربنا عنقه والاضربنا عنه صفحاً (ملخصاً بلفظہ)(صفحہ نمبر ۲۸۰) نیز صفحہ نمبر ۳۴۵ نحوہ؛

نیز ''لما اغلق اللّٰه باب الرسالة بعد محمد ﷺ كان ذلك من اشد ما تجرعت الاولياء مرارته لانقطاع الوحی الذی كان به الوصلة بينهم وبين اللّٰه تعالٰی فانه قوت ارواحهم'' (صفحہ نمبر ۲۸۱)

نیز صفحہ نمبر ۳۴۶ نحوہ)۔اعلم ان النبوة لم ترتفع مطلقا بعد محمد صلی اللّٰه عليه وسلم وانما ارتفع نبوة نبوة الشريع فقط الخ' صفحہ ۲۸۱۔

نیز قد ذكر الغزالی فی بعض كتبه ان من الفرق بين تنزل الوحی علی قلب الانبياء وتنزله علٰی قلوب الاولياء نزول ملك فان الولی يلهم ولا ينزل عليه ملك قط والنبی لا بدله فی الوحی من نزول الملك به فالجواب ان ذلك غلط والحق ان الكلام فی الفرق بينهما انما هو فی كيفية ما ينزل به الملك لافی نزول الملك اذالذی ينزل به الملك علی الولی التابع فان الملك لا ينزل علی الولی التابع الا بالاتباع لنبيه وبا فهام ماجاء به ممالم يتحقق له علمه الخ۔(صفحہ نمبر ۳۴۴)

نیز فلا ينزل ملك الالهام علٰی غير نبی بامر و نهی ابداوانما للاولياء وحی المبشرات (صفحہ نمبر ۳۴۴)

نیز ''فيكون ذلك من باب التعريف بالاحكام الشرعية لاشرعا جديدا فان ذلك باب قداغلق بموت رسول اللّٰه ﷺ''(صفحہ ۳۴۵)

نیز فلا يجمع بين رؤية الملك والالقاء منه اليه الا نبی اورسول وبهٰذا يفرق بين الرسول والولی وقد اغلق اللّٰه تعالٰی باب التنزل بالاحكام الشرعية وما اغلق باب التنزل به بالعلم بها علٰی قلوب اوليائه الخ۔(صفحہ نمبر ۳۴۵)

ان سب عبارات کا خلاصہ: وہی ہے جو شروع میں ابھی ذکر کیا گیا ہے اردو ترجمہ پیش کرنا باعث طوالت ہے اس لیے لفظ بہ لفظ ترجمہ سمجھنے کے لیے کسی بھی ذی علم سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

تنبیہ: ان عبارات کے پیش نظر نبوّت تشریعی وغیر تشریعی کے اصطلاحی الفاظ سے دھوکہ دیتے ہوئے مرزائی مسیلمۂ پنجاب مرزا قادیانی کو نبی ثابت کرنے کے لیے جو استدلال کرتے ہیں اس کا نہایت درجہ غلط ہونا بھی سطور بالا سے واضح ہو گیا کہ ان میں جسے نبوّت غیر تشریعی کہا گیا ہے وہ' وہ چیز ہے ہی نہیں جس کا مرزائی اثبات کرتے ہیں۔

اس کی کما حقہٗ تفصیل سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو۔ (حضرت غزالیٔ زماں کا رسالہ مبارکہ ''ختم نبوّت'' مشمولہ مقالاتِ کاظمی' جلد اوّل' صفحہ ۲۰۳ تا ۲۱۰' طبع شرکت حنفیہ لاہور)

عبارت ازالۃ الخفاء سے جواب:

معترض نے اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت سے بھی مغالطہ دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: ''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفاء' جلد ۱' صفحہ نمبر ۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ جب جبرائیل امین علیہ السلام کسی نبی کے دل پر وحی لے کر اتریں تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ اللہ نے فلاں کو نبی بنا دیا اور اس کو تبلیغ احکام کا پابند کر دیا''۔ (تحقیقات' صفحہ نمبر ۱۵۲' ۲۵۲)۔

جواباً عرض ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت میں وحی جبریلی کے شرط نبوّت ہونے کا ذکر تو کجا اس میں سرے سے حضرت جبریل علیہ السلام کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے پس یہ معترض کی پیوند کاری ہے۔

عبارت میں نبوّت کے لیے صرف وحیٔ الٰہی کے لازم ہونے کا ذکر ہے جس سے ان کا مقصود ان لوگوں کا ردّ ہے جو نبوّت کو کسبی کہتے اور یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اس کے لیے وحی کچھ ضروری نہیں جیسا کہ خود اسی عبارت میں بھی مصرح ہے جسے معترض نے چھوا تک نہیں بلکہ اصل عبارت کا کوئی حصہ بھی پیش نہیں کیا تا کہ اس کے اس کمال کو بآسانی پکڑا نہ جا سکے لیکن تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔

بہر حال عبارت میں وہ نہیں ہے جس کا انہوں نے دعویٰ کیا ہے اور اس میں جو ہے وہ ہمارے خلاف نہیں جس کی مکمل و مدلل تفصیل زیر بحث عنوان سے پہلے والے عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔

اصل عبارت اس طرح ہے: ''پیش اہل حق نبوّت مکتسب نیست' بہ ریاضت نفسانیہ و بدنیہ آں را نہ تواں یافت (الی) بوحی متلو و غیر متلو کہ از عالم مجرد بہ مشایعتے ارادہ نزول فرمود لباس مناسب ملاء اعلیٰ پوشیدہ بار دیگر لباس الفاظ و حروف شہابی در بر کردہ بر قلب ایں پیغمبر نزول فرماید' دریں وقت در لسان شرع گفتہ شود بعث

اللہ فلانا نبیا و امرہ بتبلیغ الاحکام و اوحیٰ الیہ 'پس نبوّت امریست حادث بسبب تعلق ارادہ بہ بعث ایں پیغام بہ جہت اصلاح عالم نہ امر جبلی و نہ مکتسب بہ ریاضت۔ آرے ایں دولت نمے دہند مگر کسے را کہ نفس او نفس قدسیہ باشد الخ۔

ملاحظہ ہو (ازالۃ الخفاء فارسی' جلد ۱' صفحہ ۱۵' طبع سہیل اکیڈمی لاہور)

اصل عبارت سے واضح ہے کہ اس میں وحی جبریلی کے نفس نبوّت کے تحقّق کے لیۓ شرط یا ضروری ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام کا نام تک بھی اس میں نہیں ہے۔

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اس میں نفس نبوّت نہیں بلکہ رسالت کا بیان ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں تین امور مذکور ہیں: نمبر۱: بعثت' نمبر۲: امر بالتبلیغ' اور نمبر۳: وحی۔ وحی سے نبوّت ثابت ہوگئی' بعثت اور تبلیغ سے رسالت جو خارج از بحث ہے پس یہ حوالہ غیر متعلق بھی ہوا۔

نیز اس سے یہ امر بھی روز روشن کی طرح سامنے ہے کہ عبارت ہٰذا مطلقاً نبوّت و رسالت کے بارے میں ہے خصوصیت کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کے بارے میں ہرگز نہیں ہے جب کہ آپ ﷺ کے متعلق اور وہ بھی چالیس سال سے پہلے نفی نبوت کے متعلق ہو بھی نہیں سکتی کیونکہ حضرت شاہ صاحب' حضور سید عالم ﷺ کے پہلے سے نبی ہونے کے قائل ہیں۔

چنانچہ شاہ صاحب ارقام فرماتے ہیں: سألتہ ﷺ عن معنی قولہ کنت نبیا و آدم منجدل بین الماء و الطین الخ۔

طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ زیارت حرمین شریفین کے موقع در دولت پر حاضری کا شرف حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے اپنی زیارت کریمہ سے باریاب فرمایا' اس دوران میں نے آپ سے آپ کے ارشاد گرامی ''کنت نبیا و آدم منجدل بین الماء و الطین '' کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے مجھے اس کی مکمل کیفیت دکھا اور سمجھا دی (ملخّصاً)۔

ملاحظہ ہو (فیوض الحرمین عربی اردو' صفحہ ۹۸' طبع ایچ ایم سعید کراچی' مصنفہ حضرت شاہ صاحب) نیز القول الجلی فی ذکر آثار الولی صفحہ نمبر ۴۷ مصنفہ حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی (ابن الخال' خلفیہ و برادر نسبتی حضرت شاہ صاحب۔ طبع مکتبہ اتوریہ تکیہ شریف کاکوری ضلع لکھنو' انڈیا)۔

خلاصہ یہ کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی پیش کردہ عبارت بھی معترض کی کسی طرح دلیل نہیں ہے بلکہ یہ ان کے خلاف بھی ہے کیونکہ وہ خود بھی لکھ چکے ہیں کہ نبی ہونے کے لیے وحی ہونا کافی ہے اس میں وحی ملکی شرط نہیں

بلکہ وہ یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ عالم ارواح میں آپ ﷺ بالفعل نبی تھے جس میں آپ پر وحی بے واسطۂ ملک ہوتی تھی۔ تفصیل ابھی عبارت فتوحات کی بحث میں گزری ہے ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

عبارت المعتقد سے جواب: معترض نے اس مقام پر امام اہل سنت حضرت مولانا الشاہ فضل رسول بدایونی قدس سرّہ النورانی کی کتاب المعتقد کی ایک عبارت سے بھی مغالطہ دیا ہے جو مع جواب حسب ذیل ہے۔ لکھتے ہیں:

''حضرت اپنی کتاب المعتقد المنتقد میں ارشاد فرماتے ہیں فلاسفہ کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی نبی کو جو نبوت ملتی ہے وہ آسمان سے جبریل علیہ السلام کے وحی لانے سے نہیں ملتی جب کہ اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی نبی کو جو نبوت ملتی ہے وہ جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے سے ہی ملتی ہے (صفحہ نمبر ۱۰۳)''۔

ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ نمبر ۲۵۶)۔

جواباً عرض ہے کہ معترض نے عبارت ہٰذا کو بھی اپنے موقف کی دلیل کے طور پر پیش کرنے اور اس کے سید عالم ﷺ کے متعلق ہونے کے بتانے میں دیانت داری سے کام نہیں لیا اس لیۓ یہاں بھی وہ اصل عبارت نہیں لائے کیونکہ اس کے بغیر ان کی مطلب برآری ممکن نہ تھی جسے کما حقہٗ سمجھنے کے لیۓ اصل عبارت کا سامنے رکھنا ضروری ہے جو یہ ہے: ''واعلم ان الفلاسفة يثبتون النبوة لكن على وجه مخالف لطريق اهل الحق لم يخرجوا به عن كفرهم فانهم يرون ان النبوة لازمة وانها مكتسبة وينكرون صدور البعثه عن البارى تعالٰى بالاختيار وينكرون كونها بنزول الملك من السماء بالوحى'' یعنی فلاسفہ نبوّت کے قائل ہیں مگر اہل حق کے طریقہ پر نہیں بلکہ اس سے ہٹ کر۔ بناء علیہ وہ کفر سے نہ بچ پائے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ نبی کا بھیجنا اللہ پر لازم ہے نیز نبوۃ وہبی نہیں کسبی ہے جو مجاہدہ سے ملتی ہے نیز باری تعالٰی سے بعثت کا صدور اس کے اختیار کے بغیر ہوتا ہے نیز وہ آسمان سے وحی کے بذریعۂ مَلَک آنے کے بھی منکر ہیں۔ (المعتقد المنتقد، صفحہ نمبر ۱۰۳)۔

اقول: عبارت ہٰذا میں ''نبوّۃ'' بمعنی بعثت ہے جیسا کہ اسی بحث میں حضرت مصنف کے اس عبارت کے بعد والے ان الفاظ سے ظاہر ہے: لايجب كما قالت المعتزلة بوجوب البعثة على الله تعالٰى یعنی معتزلہ کا یہ قول صحیح نہیں کہ اللہ تعالٰی پر بعثت (پیغمبروں کا بھیجنا) واجب ہے۔

ملاحظہ ہو (المعتقد المنتقد، صفحہ نمبر ۱۰۴)۔

امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کے تحت لکھا ہے: ''اى لا يجب على الله

سبحنه بعث الرسل ''(المعتمد المستند'صفحہ نمبر۱۰۴'حاشیہ نمبرا)۔

نیز پیش نظر عبارت کے الفاظ''ان النبوّۃ '' کے تحت ارقام فرماتے ہیں: ''النبوّۃ ای البعثۃ لازمۃ ای واجبۃلایصح علی الباری سبحنه وتعالیٰ ترکھا''یعنی اس عبارت میں نبوّت سے مراد بعثت ہے نیز لازمۃ بمعنی واجبۃ ہے۔معنیٰ یہ ہے کہ باری سبحانہٗ وتعالیٰ پر اس کا مہمل چھوڑنا درست نہیں۔(صفحہ نمبر۱۰۳'حاشیہ نمبرا)

پس جب یہاں نبوّۃ بمعنی بعثت ہے تو عبارت کا نفسِ مسئلہ سے غیر متعلقہ ہونا واضح ہوا۔

بلفظ دیگر اس میں نفس نبوت کی بحث ہے ہی نہیں جب کہ نبی کی بعت نہ ہونا اس کی نبوّت(نبی ہونے) کے منافی نہیں۔تنبیہات جلد اوّل میں نیز جلد ہٰذا میں بھی امام ابونعیم اور تفسیر مظہری کے حوالہ سے لکھا جاچکا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام ایسے ہیں جن کی بعثت نہ ہوئی جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام۔

نیز ابھی عبارت فتوحات کی بحث میں فتوحات نیز الیواقیت سے بھی گزرا ہے کہ الانبیـاء الـذیـن لـم یرسلوا الخ۔

علاوہ ازیں عبارت ہٰذا میں وحی جبریلی کے شرط نبوت کے ہونے کا بھی کوئی ذکر نہیں اس میں تو اتنا ہے کہ فلاسفہ آسمان سے وحی ملکی کے نزول کے منکر ہیں۔مان بھی لیا جائے تو یہ نبوّت نہیں بلکہ رسالت کی بحث قرار پائے گی کیونکہ ہم ابھی ثابت کر آئے ہیں کہ وحی جبریلی عندالبعض شرط رسالت ہے۔

شرطِ نبوّت کے طور پر یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ اسی بحث میں حضرت مصنف نے علامہ سنوسی کے حوالہ سے یہ بھی صراحتہً لکھا ہے کہ نبی ہونے کے لیئے صرف وحی کا ہونا کافی ہے خواہ وہ بے توسّط مَلَک بھی ہو۔چنانچہ ان کے لفظ ہیں :فالنبوۃ اختصاص سماع وحی من اللہ بواسطۃ الملك اودونه فان امرمع ذلك بتبـلیغـه فـرسـول''یعنی نبوت' اللہ تعالیٰ کی وحی کے پانے کی فضیلت کا نام ہے عام ازیں کہ وہ فرشتہ کے توسط سے ہو یا کسی دوسرے طریقہ سے ہو۔پھر اگر اسے اس کی تبلیغ پر بھی مأمور کیا جائے تو وہ رسول بھی ہوگا۔(صفحہ نمبر۱۰۴)

ثابت ہوا کہ علامہ بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ وحی ملکی کے شرط نبوّت ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں برتقدیر تسلیم زیر بحث عبارت خصوصیت کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ مطلقاً نبی ورسول کے بارے میں ہے جس میں آپ ﷺ قطعاً شامل نہیں ہوسکتے بلکہ آپ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ علامہ بدایونی آپ ﷺ کو زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے نبی مانتے ہیں جس کی باحوالہ تفصیل مغالطہ نمبر ۱۴ کے ردّ میں گزر چکی ہے۔

اس سب سے قطع نظر یہ خود معترض فریق کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ خود بھی لکھ چکے ہیں کہ نبی ہونے کے لیۓ وحی ہونا ضروری ہے اس کے لیے وحی ملکی شرط نہیں نیز زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام میں جب آپ ﷺ کو نبوّت عطا کی گئی اور آپ کی طرف وحی کی گئی تو وہ وحی' بے واسطۂ مَلَک تھی۔ اس کی بھی باحوالہ تفصیل ابھی عبارت فتوحات کی بحث میں گزری ہے۔ الغرض عبارت المعتقد بھی کسی طرح ان کے دعویٰ کی دلیل نہیں بلکہ یہ ان کے سراسر خلاف ہے۔ ان کا اسے اپنی دلیل سمجھنا ان کی سخت خوش فہمی ہے۔

مغالطہ نمبر۲۹ (قبل چالیس کی عمر نا پختہ اور نبوّت کے لیئے ناموزوں ہے) **کا ازالہ:**

تحفہ اثنا عشریہ فارسی (صفحہ نمبر۲۶۲) کی ایک عبارت نقل کر کے اس کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے:
انبیاء کرام اور ائمہ کرام اگر چہ کمالات نفسانی اور مراتب روحانی میں تمام مخلوق سے ممتاز ہوتے ہیں لیکن بشری احکام اور بچپن والی عمر اور طفولیت کے خواص ان میں باقی ہوتے ہیں اس لیے مقتداء بننے کے لیے کمال عقل کی حد عمر تک رسائی کو ان کے حق میں ضروری رکھا گیا ہے بلکہ چالیس سال کی عمر سے قبل کسی کو بھی نبوت عطا نہیں کی گئی مگر نادر طور پر اور نادر چیز معدوم کے حکم میں ہوتی ہے''۔

نیز جواہر البحار (جلد نمبر۳، صفحہ نمبر۵۴، ۵۵) کے حوالہ سے ایک طویل عبارت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام کبیر، عارف شہیر اور قطب وقت ابوالعباس تیجانی فرماتے ہیں (جس میں یہ الفاظ ہیں): فلا تقدر الانبياء على تحمل اعبائه والثبوت لسطوة سلطانه الابعد بلوغهم اربعين سنة واما قبل بلوغ الاربعين فلا قدرة لاحد على تحمل اعباء ذلك التجلى لما فطرت عليه البشرية من شدة الضعف''۔ پیغمبران کرام بھی نبوّت کا بار گراں اور اس کے رعب وشکوہ کے غلبہ کے متحمل ہونے اور اس کے آگے ثابت قدم رہنے کی ہمت وطاقت چالیس سال کی عمر سے پہلے نہیں رکھتے اور چالیس سال کی عمر تک رسائی سے پہلے کسی میں بھی اس تجلی کے برداشت کرنے کی سکت اور استطاعت نہیں ہوسکتی کیونکہ بشریت میں فطری اور پیدائشی طور پر شدید ضعف اور ناتوانی پائی جاتی ہے''۔

آگے چل کر لکھا ہے: ظاہر ہے کہ آغاز ولادت سے یا بلوغت سے قبل بلکہ بلوغت کے بعد بھی بدنی اور عقلی قویٰ کی پختگی تک یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا''۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ نمبر۱۰۰، صفحہ نمبر۱۰۲، صفحہ نمبر۱۰۵، صفحہ نمبر۲۳۲) (ملخّصاً)۔

الجواب:

عبارت تحفہ، خصوصیت کے ساتھ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق نہیں ہے جب کہ حضرت مصنف (شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ) سے آپ ﷺ کے قدیم النبوّت ہونے کا انکار بھی ثابت نہیں بلکہ ان سے اس کے برعکس اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ابونعیم، بیہقی اور حاکم نے باسانید صحیحہ وطرق متعددہ روایت کیا ہے کہ حضور کی اس جہان میں جلوہ گری سے پہلے یہود کو جب اس وقت کے بت پرستوں سے

لڑائی کا سامنا ہوتا تو وہ ان لفظوں میں دعا کر کے ان پر فتح یاب ہوتے: ''اللھم ربنا انا نسئلك بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه فی آخر الزمان الخ۔ یعنی یوں دعا گو ہوتے اے اللہ اے ہمارے مالک! ہم تجھ سے اس نبی امّی حضرت احمد ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ جن کے متعلق تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ تو انہیں آخری زمانہ میں ظاہر فرمائے گا' ان کے طفیل اور ان کے صدقہ میں ہمیں ان بے ایمانوں پر فتح عطا فرما۔ ملاحظہ ہو (تفسیر عزیزی فارسی' پ' صفحہ ۴۱۱' طبع مطبع حیدری' بمبئی' نیز کابل افغانستان)

اقول: روایت ہٰذا اپنے اس منطوق میں صریح ہے کہ آپ ﷺ کا ظہور آخر میں ہوا آپ نبی پہلے سے ہیں جیسا کہ ''النبی الامی'' کے ساتھ ''ان تخرجه فی آخر الزمان'' کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں عبارت (مبحث فیھا) میں نبوّت سے مراد نفس نبوّت نہیں بلکہ بعثت مراد ہے۔

نبوّۃ بمعنی بعثت ہونے کا ثبوت ابھی عبارت المعتقد کی بحث میں امام اہلِ سنّت علامہ بدایونی اور امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہما اللہ کی تصریحات سے پیش کیا جا چکا ہے۔

پس معنیٰ یہ ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثتیں عموماً ان کی چالیس سال کی عمروں میں ہوتیں۔

یہ معنیٰ نہیں کہ چالیس سال سے پہلے وہ نبی نہیں تھے پھر انہیں نبی بنایا گیا۔ باب ہشتم میں ہم باحوالہ مفصلاً لکھ آئے ہیں کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے۔ نبی آ کر نہیں بنتا بلکہ بن کر آتا ہے۔ نیز اسی باب میں روح المعانی اور شرح المقاصد وغیرہما سے لکھ آئے ہیں کہ بلوغت' شرط نبوّت نہیں بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ شرط بعثت ہے۔

اگر شرط نبوت ہو تو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوتوں پر اعتراض ہوگا جو صریح بطلان ہے۔

رہا یہ کہ بڑی عمر میں بعثت دینے میں کیا حکمت تھی؟ تو اس کی توجیہ عبارت ہٰذا میں ضمناً موجود ہے کہ دنیوی طور طریقے کے مطابق عوام الناس میں چھوٹی عمر کی قیادت مرغوب نہیں ہوتی۔ لہٰذا بڑی عمر میں بعثت دینے میں یہی حکمت کارفرما ہے جب کہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں اس منصب پر فائز فرمانا پہلے سے نبی ہونے کی حقیقت کا اظہار ہے بناءً علیہ ناپختہ عمر کی بات بھی عوام الناس کے خیال کی عکاس ہے شریعتِ مطہرہ کا فیصلہ نہیں۔ پس ''الصبی صبی ولو کان نبیا'' کے الفاظ (جو عبارت تحفہ کے آخر میں ہیں ان) کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ عوام الناس کی طرف سے ہے کہ ان کے ذہنوں میں یہی تصوّر پایا جاتا ہے۔

الغرض عبارت میں جن امور کو بشری احکام اور خواص طفولیت سے تعبیر کیا گیا ہے' نفس نبوت کے منافی نہیں۔

رہی حضرت شیخ تیجانی کی عبارت؟ تو وہ خصوصیت کے ساتھ آپ ﷺ کی نبوّت کے استتار کے قائل ہیں جسے ان کے حوالے سے خود معترض نے بھی لکھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو تحقیقات' صفحہ نمبر ۹۹' ۱۰۰: ''رفع الحجاب ''حجاب اٹھا دیا گیا۔ اور اس میں بھی زیادہ سے زیادہ بڑی عمر میں بعثت دینے کی حکمت کا بیان ہے' نفس نبوّت کی نفی مراد نہیں۔

اس کی بھی مکمل تفصیل باب ہشتم میں گزر چکی ہے' اسے ادھر ہی دیکھ لیا جائے کیونکہ اعادہ موجب طوالت ہے۔

خلاصہ یہ کہ عبارت تحفہ اور قول شیخ تیجانی بھی معترض کے موقف کے کسی طرح مؤید نہیں ہیں۔

والحمدللہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

مغالطہ نمبر ۱۷ (زمانۂ آغازِ وحی کے حالات مثل انبیاء سابقین تھے) **کارِلہ:**

معترض کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ پر وحی جلی کے نزول کے قرب زمانہ میں بعینہٖ وہی کیفیات تھیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام کی تھیں جس سے مقصود وحی سے مانوس کرنا تھا اور قوت برداشت کا پیدا کرنا جب کہ وہ انبیاء علیہم السلام پہلے سے نبی نہ تھے پس یہ توافق بھی آپ کے چالیس سال بعد نبی بننے کی دلیل ہے۔

چنانچہ موصوف نے لکھا ہے: حضرت علقمہ تابعی سے محدث ابونعیم نے نقل کیا کہ پہلے پہل انبیاء علیہم السلام کو نیند میں وحی کی جاتی ہے تا کہ ان کے قلوب مطمئن اور پرسکون ہو جائیں' اس کے بعد بیداری میں ان پر وحی نازل ہوتی ہے (خصائص کبریٰ' جلد ۱' صفحہ ۹۳)۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ جاریہ یہی ہے کہ سچے خوابوں کے ساتھ ان پر وحی کا آغاز فرماتا ہے تا کہ ملک وحی اور نزول نبوّت کے متحمل ہو سکیں۔ (ملخصاً بلفظہ) ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۱۴۰)

الجواب: مغالطہ نمبر ۱۳ کے ردّ میں روایت برّہ رضی اللہ عنہا کی بحث میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ زمانۂ قرب ظہور نبوّت میں اس جیسے امور کا کثرت سے ظہور واقعہ ظہورِ نبوّت کی عظمت کے پیش نظر اعزازاً تھا۔ اس کی بنیاد پر پہلے سے نبی نہ ہونا بتانا غلط اور سخت بے بنیاد دعویٰ ہے۔ پھر یہ تأثر دینا بھی غلط ہے کہ اس طرح کے واقعات محض قرب زمانہ ظہور نبوّت میں رونما ہوئے۔ حق اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ سے اس طرح کے امور کا ظہور قبل اعلان و بعد اعلان نبوّت ہمیشہ برابر سے ہوتا رہا اس کی با حوالہ تفصیل بھی مذکورہ مقام پر ہو چکی ہے۔

علاوہ ازیں نبی کو مانوس کرنے کے لیۓ اس قسم کے واقعات کا اظہار بھی منافیٔ نبوّت نہیں جس کی ایک دلیل حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام کے لیۓ ان کے عصا مبارک کو اژدہا بنانے کا قرآنی واقعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انہیں یہ معجزہ عطا فرمانے کا ارادہ فرمایا تو اسے سیدھا اژدہا نہیں بنایا بلکہ انہیں اس کی طرف متوجہ فرمانے کے لیۓ ان سے پوچھا کہ آپ کے دایاں ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کی میرا عصا ہے جس پر ٹیک لگاتا اور اپنی بکریوں کے لیۓ درختوں کی شاخیں توڑتا ہوں یہ اور بھی بہت سے کام دیتا ہے۔ فرمایا اسے نیچے پھینکو۔ پھینکا تو وہ سانپ کی شکل اختیار کر کے چلنے لگا۔ کچھ عدم توجہی کے باعث آپ پر خوف کی کیفیت طاری ہوئی تو فرمایا آپ میرے رسول ہیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے میں عنقریب اسے دوبارہ اس کی اصلی لاٹھی والی صورت میں لوٹا دوں گا (ملخصاً) ملاحظہ ہو۔ (سورۂ طٰہٰ' سوۂ نمل' سورۂ قصص)۔

معلوم ہوا کہ نبی کے دل کو مطمئن اور پرسکون نیز مانوس کرنے کے لیے اس طرح کے امور کا اظہار ان کی نبوّت کے منافی نہیں۔

علاوہ ازیں باب ہشتم میں ہم ٹھوس دلائل سے ثابت کر آئے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام پیدائشی نبی تھے لہٰذا خواب میں دکھانے کے توافق سے نفیٔ نبوّت پر استدلال بالکل بے کار رہا کہ اگر یہ خواب انہیں نہ بھی دکھائے جاتے تو پھر بھی وہ نبی تھے۔ جب کہ خصوصیت کے ساتھ آپ ﷺ کا پہلے سے نبی ہونا خود آپ کے صریح فیصلہ سے ثابت ہے۔ حیث قال صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد۔

علاوہ بریں نبی کا خواب وحیٔ الٰہی ہوتا ہے تو یہ روایت چالیس سال سے پہلے نزول وحی کی دلیل ہو کر نبوّت کی دلیل ہوئی کہ وہ خود لکھ چکے ہیں کہ وحی و نبوّت مترادف ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵۳) (اس کی بھی مکمل بحث باب ہشتم میں گزر چکی ہے)۔

پس اس سے ان کا کلیہ خود ان کے قلم سے غلط قرار پایا اور ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہا۔

مغالطہ نمبر ۱۸ (چالیس سال کی عمر میں اعطاءِ نبوت اصول اور سنت الٰہیہ ہے) **کا رد:**

لکھتے ہیں: اللہ کی سنت بھی یہی ہے کہ ایک ''لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر شریف میں مبعوث فرمایا (الیٰ) لہٰذا از روئے عقل بھی اور سنت اللہ کے تقاضے کی رو سے بھی آنحضرت ﷺ کے جسمانی لحاظ سے بالفعل نبی ہونے کا عرصہ چالیس سال کی عمر شریف کے پورے ہونے پر ہی شروع ہوتا ہے۔

قاضی بیضاوی اور ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں ولم یبعث نبی الا بعد الاربعین کوئی نبی چالیس سال کی عمر سے قبل مبعوث نہیں ہوا۔ (البحر المحیط جلد ۹، صفحہ ۴۴۰)۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں: قال اللہ تعالٰی ولمّا بلغ اشدہ ای و صل موسٰی نہایہ قوتہ (الیٰ) وبلغ اربعین سنتہ وھو سن بعث الانبیاء علھیم السلام غالباً فی سنتہ اللہ و عادتہ سبحنہ وتعالیٰ اٰتیناہ حکما ای نبوتہ ''اللہ تعالیٰ فرمایا'' و لما بلغ اشدہ ''یعنی موسیٰ علیہ السلام پہنچ گئے اپنی قوت کی انتہاء کو (الیٰ) اور پہنچے چالیس سال کی عمر کو اور یہی عمر ہے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی بالعموم اللہ تعالیٰ کی سنت اور عادت جاریہ میں ''آتیناہ حکماً'' ہم نے ان کو نبوت عطا کی۔ (شرح شفاء برحاشیہ نسیم الریاض صفحہ ۴۸۴، جلد ۱)۔

حضرت شاہ عبدلعزیز محدّث دہلوی تحفہ میں فرماتے ہیں: قبل از اربعین منصب نبوت بہ کسے عطا ''نشدہ الانادراً والنادر کالمعدوم'' چالیس سال کی عمر سے قبل کسی کو بھی نبوت عطا نہیں کی گئی مگر نادر طور پر اور نادر چیز معدوم کے حکم میں ہوتی ہے۔ (صفحہ ۲۶۲)۔

الغرض سنت الٰہیہ اور عادت جاریہ اور معمول باری تعالیٰ کا یہی ہے۔ الخ (ملخصاً)۔

ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۱۰۵، صفحہ ۱۱۸، صفحہ ۲۳۱، صفحہ ۲۳۲)۔

الجواب: اس کے کئی جواب ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:-

جواب نمبر ۱: جملہ انبیاء ورسل کرام علیہم السلام کے بارے میں مذکورہ حکم ثابت ہوسکتا ہی نہیں کیوں کہ معترض کی منقولہ بالا عبارت میں صراحتاً مذکور ہے کہ وہ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چالیس ہزار تھے جب کہ خود قرآن مجید میں مصرح ہے کہ ''و رسلا قد قصصنا ھم علیك من قبل و رسلا لم نقصصھم علیك''۔

و فی موضع آخر منهم من قصصنا علیك و منهم من لم نقصص علیك ''یعنی سب نبیوں رسولوں کے حالات مبارکہ بیان نہیں فرمائے گئے بلکہ صرف بعض کے تذکرے وارد ہوئے ہیں۔

پھر قرآن مجید میں اس طرح سے جو مذکور ہیں وہ آپ ﷺ سمیت کل انتیس (۲۹) ہیں۔یعنی نمبر۱: حضرت ابوالبشر آدمؑ نمبر۲: حضرت ادریسؑ نمبر۳: حضرت نوحؑ نمبر۴: حضرت ہودؑ نمبر۵: حضرت صالحؑ نمبر۶: حضرت ابراہیمؑ نمبر۷: حضرت اسحاقؑ نمبر۸: حضرت اسماعیلؑ نمبر۹: حضرت لوطؑ نمبر۱۰: حضرت یعقوبؑ نمبر۱۱: حضرت یوسفؑ نمبر۱۲: حضرت ایوبؑ نمبر۱۳: حضرت شعیبؑ نمبر۱۴: حضرت موسیٰؑ نمبر۱۵: حضرت ہارونؑ نمبر۱۶: حضرت الیاسؑ نمبر۱۷: حضرت الیسعؑ نمبر۱۸: حضرت ذوالکفلؑ نمبر۱۹: حضرت داؤدؑ نمبر۲۰: حضرت سلیمانؑ نمبر۲۱: حضرت عزیرؑ نمبر۲۲: حضرت یونسؑ نمبر۲۳: حضرت زکریاؑ نمبر۲۴: حضرت یحییٰؑ نمبر۲۵: حضرت عیسیٰ اور نمبر۲۶: سید الکل حضور خاتم النبیین ﷺ۔ نیز نمبر۲۷: حضرت شمویلؑ نمبر۲۸: حضرت یوشعؑ نمبر۲۹: خضر علیہم السلام۔ ملاحظہ ہو (فتاویٰ رضویہ قدیم جلد۶ صفحہ۶۱ طبع کراچی)۔

مزید بعض روایات میں جن کے تذکرے آئے یہ ہیں: نمبر۱: حضرت شیثؑ نمبر۲: حضرت شعیاؑ نمبر۳: حضرت ارمیاءؑ نمبر۴: حضرت دانیال اور نمبر۵: حضرت حزقیل علیہم السلام (آخر الذکر کے بارے میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا اسم گرامی ہے جب کہ حسب بعض روایات یہ دو مختلف حضرات کے اسماء گرامی ہیں) واللہ اعلم بالصواب۔

اس طرح سے کل تعداد تینتیس یا چونتیس ہوئی جب کہ ان میں سے بعض کا نبی ہونا مختلف فیہ بھی ہے۔ بناءً علیہ جب سوائے چند کے باقی سب حضرات کے حالات ہی ناپید ہیں تو سب کے متعلق یہ حکم کیوں کر لگایا جاسکتا ہے کہ ماسوائے بعض کے سب کو چالیس سال کی عمروں میں نبوتیں ملیں؟

جواب نمبر۲: پھر یہ (بعمر چالیس سال اعطاء نبوت) بطور کلیہ متفق علیہ بھی نہیں ہے، بہت سے علماء شان نے اس کی نہایت غیر مبہم الفاظ میں تغلیظ و تردید فرمائی ہے، اور یہ تصریح کی ہے کہ نبی ہونے کے لئے چالیس سال کی عمر تو کجا بلوغ بھی شرط نہیں۔

چنانچہ امام المتکلمین علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ان کی کتاب شرح المقاصد کے حوالہ سے پہلے پیش کی جاچکی ہے: ''من شروط النبوته الذکورته و کمال العقل والذکاء والفطنة و قوة الرأی ولو فی الصبا کعیسیٰ و یحییٰ علیهما السلام ''یعنی نبوت کی شرائط کا پایا جانا لازم ہے اگرچہ بچپن ہی میں کیوں نہ ہو جیسے حضرت عیسیٰ وحضرت یحییٰ علیہم السلام کے لئے ہوا۔ (روح المعانی

جلد ۱۳، صفحہ ۱۸، پ ۲۶ طبع ملتان)

نیز علامہ الوسی رحمۃ اللہ کی یہ عبارت بھی پیش کی جاچکی ہے کہ" و یترجح عندی اشتراطه فيه دون اصل النبوته "یعنی میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ بلوغ، نفس نبوت کے لیے شرط نہیں بلکہ بعث کے لیے لازم ہے۔(روح المعانی جلد ۱۳، صفحہ ۱۹)۔

نیز علامہ حقی ارقام فرماتے ہیں:" فامر الولاية والنبوة لا يتوقف على البلوغ و على الاربعين "یعنی ولی اور نبی ہونا بالغ اور چالیس سالہ ہونے پر موقوف ہیں(روح البیان جلد ۴، صفحہ ۲۲۴)۔

نیز بعض علماء کے حوالہ سے لکھا ہے: اشتراط الاربعين في حق الانبياء ليس بشيء لان عيسىٰ عليه السلام بنى و رفع الى السماء وهو ابن ثلث و ثلثين و نبى يوسف عليه السلام و هو ابن ثماني عشرة و يحيىٰ عليه السلام نبى وهو غير بالغ قيل كان ابن سنتين او ثلث یعنی انبیاء علیہم السلام کے بارے میں چالیس سال کی شرط لغو ہے کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور نبوت اور رفع الى السماء تینتیس سال کی عمر میں ہوا نیز حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کا ظہور اٹھارہ سال کی عمر میں جب کہ یحییٰ علیہ السلام کی نبوت کا ظہور بہت ہی چھوٹی عمر میں دو یا تین سال کی عمر میں ہوا۔(روح البیان جلد ۶، صفحہ ۳۸۹)۔

نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے" و كذا كل نبي عند البعض یعنی چالیس سال کی عمر اعطاء نبوت کا عقیدہ سب کا نہیں بعض کا ہے۔

نیز علامہ حلبی لکھتے ہیں: ان بلوغ الاربعين ليس شرطا للنبوة "یعنی چالیس سال کی عمر کا ہونا شرط نبوت نہیں۔(سیرت حلبیہ جلد ۱، صفحہ ۲۲۵)۔

نوٹ: اس سلسلہ کی بعض عبارات، روایت ما من نبي الخ کی بحث میں بھی عن قریب آرہی ہیں۔

جواب نمبر ۳: امر مبحث فیہ(چالیس سال کی عمر میں اعطاء نبوت) کے کلیہ ہونے کے غیر صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام میں سے کچھ حضرات کے متعلق اس کے برخلاف ثابت ہے جب کہ کچھ کے لیۓ کچھ وارد نہیں۔ اور صرف بعض کے لیۓ چالیس سال کی عمر میں اس منصب پر فائز ہونے کا ذکر ہے جس سے اس کے کلیہ ہونے کا دعویٰ بے بنیاد قرار پاتا ہے

☆　چنانچہ جن کے لیۓ چالیس سال وغیرہ کی عمر میں اعطاء نبوت کا کوئی صریحی ذکر نہیں ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: ۱، حضرت آدم۔ ۲، حضرت ادریس۔ ۳، حضرت ھود۔ ۴، حضرت صالح۔ ۵، حضرت ابراہیم۔ ۶،

حضرت اسحاق۔ ۷ حضرت اسماعیل۔ ۸ حضرت لوط۔ ۹ حضرت یعقوب۔ ۱۰ حضرت ایوب۔ ۱۱ حضرت شعیب۔ ۱۲ حضرت الیاس۔ ۱۳ حضرت الیسع۔ ۱۴ حضرت ذوالکفل۔ ۱۵ حضرت داؤد۔ ۱۶ حضرت سلیمان۔ ۱۷ حضرت عزیر۔ ۱۸ حضرت یونس۔ ۱۹ حضرت زکریا۔ ۲۰ حضرت شمویل۔ ۲۱ حضرت یوشع۔ ۲۲ حضرت خضر۔ ۲۳ حضرت شیث۔ ۲۴ حضرت شعیا۔ ۲۵ حضرت ارمیاء۔ ۲۶ حضرت دانیال اور ۲۷ حضرت حزقیل علیہم السلام۔

اقول: اگر کسی صاحب کے پاس ایسی نص ہو تو مطلع فرما کر شکریہ کے مستحق ہوں۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں یعنی چالیس سال کی روایت بھی ہے پچاس سال کی بھی۔ چنانچہ علامہ حلبی، علامہ بیضاوی کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: "و نبیٔ نوح وھو ابن خمسین سنة و قیل اربعین"۔ (سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۵)۔

اقول: علامہ حلبی کا چالیس سال کے قول کو "قیل" سے ذکر فرمانا اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے جس سے پچاس کے قول کا راجح ہونا واضح ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علی الراجح حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت کا ظہور آپ کی پچاس سال کی عمر میں ہوا۔

☆ نص قرآن کی رو سے ہارون علیہ السلام کی نبوت کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ظہور کے بعد ہوا چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ظہور کے بعد اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں کی تھیں۔ ان میں سے ایک دعا یہ تھی "واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد به ازری و اشرکه فی امری" نیز "قال سنشد عضدك باخیك"۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ فرما کر کہ "و کان رسولا نبیا" یعنی وہ رسول نبی تھے، فوری فرمایا "و وھبنا له من رحمتنا اخاه ھارون نبیا" یعنی ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کا بھائی ھارون نبی مرحمت فرمایا۔ (پ ۱۶، مریم آیت ۵۳)۔

جب کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں کم و بیش چار سال بڑے تھے بناءً علیہ ان کی نبوت کا جب ظہور ہوا تو کم از کم آپ کی عمر چوالیس برس تھی۔

اور یہ اس وقت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی ہو نیز خود ہارون علیہ السلام کی نبوت کا ظہور بھی اس کے فوری بعد ہوا ہو ورنہ عمر کے تفاوت کی نوعیت بدل سکتی ہے۔

چنانچہ امام جلال الملة والدین محلی شافعی رحمة اللہ علیہ مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ "و کان اسن

منه''۔

پھر علامہ سلیمان الجمل علیہ الرحمتہ اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:''ای باربع سنین ''دونوں کا خلاصۂ ترجمہ یہ ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں چار سال بڑے تھے۔

ملاحظہ ہو۔(تفسیر الجلالین مع حاشیۃ الجمل جلد۳ صفحہ ۷۶ طبع کراچی)۔

☆　حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت کا ظہور بالکل بچپن شریف میں بعمر دو یا تین برس ہوا۔ چنانچہ سیرت حلبیہ جلد ا صفحہ ۲۲۵ میں''قیل کان ابن سنتین او ثلث''۔

اس کی مکمل باحوالہ تفصیل باب ہشتم میں گزر چکی ہے۔''فلیلاحظ ذلك هناك و قد مر ایضاً هناك ان ''الحكم'' فی الكريمة'' وآيتناه الحكم صبيا'' هو النبوة عند الجمهور''۔

نیز روح البیان (جلد۴ صفحہ ۲۲۴ طبع کوئٹہ) میں ہے:'' و قد صح ان الله تعالیٰ اوحی الی یحییٰ و عیسیٰ علیهما السلام قبل ادراکهما''یعنی صحیح ثابت امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اس وقت وحی نبوت سے نوازا تھا کہ ابھی وہ عمر بلوغ کو بھی نہ پہنچے تھے۔

☆　حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہورِ نبوت کے متعلق تین مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ نمبر۱: فوراً بعد از ولادت باسعادت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ معترضین نے حضرت مریم سے جب یہ کہا'' کیف نکلم من كان فی المهد صبيا '' گہوارے کی عمر والے بچے سے بات کرنے کا آپ ہمیں کیسے کہتی ہیں تو اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے اور اپنے اس موقع کے کلام میں ایک بات یہ فرمائی تھی''وجعلنی نبيا ''اللہ نے مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔(پ۱۶ مریم آیت ۳۰)۔

نمبر۲۔ ایک قول پر آپ کی عمر شریف اس وقت تیس برس تھی۔

نمبر۳۔ یہ کہ عمر شریف چالیس برس تھی۔

چنانچہ علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں:''نبیٔ وهو ابن ثلثین سنة ورفع وهو ابن ثلث و ثلثين سنة بل قيل نبیٔ وهو طفل ''یعنی آپ کی نبوّت کا جب ظہور ہوا تو آپ بعمر ۳۰ سال تھے اور آسمان کی جانب تشریف لے جانے کے وقت آپ کی عمر تینتیس برس تھی۔ ایک قول بعثت بچپن کے زمانہ میں ہوئی۔

(سیرت حلبیہ جلد ا صفحہ ۲۲۵، کشف الخفاء للعجلونی، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۴۱۷، طبع بیروت)۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الفاظ آیت''حتی اذا بلغ اشده''میں''اشد''کے معنیٰ کے متعلق منقول ہے آپ نے فرمایا اس کا معنیٰ تینتیس برس ہے وهو الذی رفع عیسیٰ بن مریم صلی الله

علیہ و سلم اسی عمر میں حضرت عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں ''رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ صدقة بن یزید وثقة ابو زرعة وابو حاتم وضعفه احمد و جماعة وبقية رجاله ثقات ''یعنی اسے محدث طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔اس کا راوی صدقہ بن یزید مختلف فیہ ہے۔ابو زرعہ اور ابو حاتم نے اسے ثقہ قرار دیا جب کہ امام احمد اور ایک گروہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔باقی سب راوی ثقہ ہیں۔(مجمع الزوائد' جلد نمبر۸' صفحہ نمبر ۲۰۶' طبع بیروت) نیز تفسیر مظہری (جلد نمبر۲' صفحہ نمبر ۲۰۲) میں ہے قال ابن عباس ارسله الله وهو ابن ثلثين فمكث فی رسالته ثلثين شهرا ثم رفعه الله اليه اھ۔نیز علامہ خفاجی فرماتے ہیں ''فان عیسیٰ علیہ السلام كما مر نبئ فی سن الصبا وقيل انه غير مسلم وانه كغيره بعث بعد الاربعين كما فی شرح المواقف ''یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوّت کا ظہور آپ کے بچپن کی عمر میں ہوا اور کہا گیا ہے کہ یہ لائق تسلیم نہیں اور آپ اس میں دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح ہیں یعنی آپ کی بعثت بعمر چالیس برس ہوئی جیسا کہ شرح المواقف میں ہے۔

ملاحظہ ہو۔(حاشیہ الشہاب علی البیضاوی' جلد نمبر۸' صفحہ نمبر ۴۷۰' طبع بیروت)۔

نوٹ: معترض نے چالیس والے قول کے لیۓ حاشیۂ جلالین کا حوالہ دیا ہے مگر وہ بے حوالہ ہونے کے باعث بے بنیاد ہے مکمل تفصیل باب ہشتم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اقول: ان اقوال میں راجح بچپن شریف والا قول ہے کیونکہ یہ ظاہر قرآن سے موافق ہے جب کہ ایسی کوئی دلیل بھی نہیں ہے جو اس کی نفی کی صالح بن سکے اس کی پوری تفصیل باب نمبر۸ میں گزر چکی ہے۔

☆ ہمارے آقا و مولیٰ حضور سید العٰلمین محمد رسول اللہ ﷺ علی التحقیق الصحیح القوی زمانہ قبل از تخلیق آدم علیہ السلام سے نبی ہیں جس کے مکمل، مفصّل اور باحوالہ دلائل تنبیہات' جلد اوّل میں گزر چکے ہیں۔

☆ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے ظہورِ نبوّت کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا اور جو روایتیں آئی ہیں' ان کی تفصیل حسب ذیل ہے: قرآن مجید کی رو سے یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ انہیں جب ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈالنے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور آپ کو اس میں ڈال دیا تھا تو ان پر وحی الٰہی کا نزول ہوا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''واوحينا اليه ''ہم نے اس وقت انہیں وحی فرمائی۔(پ۱۲' یوسف آیت نمبر۱۰)۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ وحی کس نوعیّت کی تھی۔چنانچہ عند البعض یہ وحی' وحی الہام تھی جو بعض

کے نزدیک جاگتے میں ہوئی اور بعض دیگر کے نزدیک نیند کی حالت میں آئی۔

تفسیر البحر المحیط میں ہے: وھو وحی الھام قالہ مجاھد وروی عن ابن عباس او منام ''ملاحظہ ہو (جلد نمبر صفحہ نمبر ۲۸۷)۔

قرطبی میں ہے: ''وقیل کان وحی الھام کقولہ واوحی ربك الی النحل وقیل کان مناما والاوّل اظھر واللہ اعلم''۔ ملاحظہ ہو۔ (جلد نمبر ۵ صفحہ نمبر ۹۴)۔

خازن میں ہے: ''وقیل ان المراد من قولہ واوحینا الیہ وحی الھام کما فی قولہ تعالیٰ واوحی ربك الی النحل واوحینا الی ام موسیٰ والقول الاوّل اولیٰ''۔ ملاحظہ ہو (جلد ۳ صفحہ ۹)

کبیر میں امام رازی نے لکھا ہے: والقول الثانی ان المراد من الوحی الالھام والاول اولیٰ لان الظاھر من الوحی ذلك'' ملاحظہ ہو (جلد نمبر ۱۸ صفحہ نمبر ۹۹)

روح المعانی میں ہے: ''وکان ذلك علی ماروی عن مجاھد بالالھام وقیل بالالقاء فی مبشرات المنام''۔ ملاحظہ ہو (جلد ۷ صفحہ ۱۹۸)

خلاصہ یہ کہ امام مجاہد کے حسبِ روایت یہ ''واوحی ربك الی النحل'' اور ''اوحینا الیٰ ام موسیٰ'' کے طرز پر بیداری میں وحی الہام اور حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق از قبیل مبشرات وحی منام تھی جن میں سے راجح حسبِ تصریح علامہ قرطبی وعلامہ خازن اوّل ہی ہے۔

رہا یہ کہ زمانہ ''واوحینا الیہ'' میں آپ علیہ السلام حدِ بلوغ کو پہنچ چکے تھے یا نہیں نیز بہر صورت اس وقت عمر شریف کیا تھی۔

تو جواباً عرض ہے کہ یہ امر شدید مختلف فیہ ہے۔ علامہ خازن علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں کہ ''واختلفوا فی قدر عمر یوسف علیہ السلام یوم القی فی الجب'' یعنی جس دن یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا اس وقت آپ کی عمر شریف کیا تھی؟ اس میں علماء کا خاصا اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو (تفسیر الخازن جلد ۳ صفحہ ۸)۔

نیز خازن جلد ۳ صفحہ ۸ میں ہے: اختلفوا ھل کان بالغا فی ذلك الوقت او کان صبیا صغیرا''۔

پھر بعض کی تحقیق کے مطابق آپ اس وقت حدِ بلوغ کو نہ پہنچے تھے اور آپ پر وحی حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی طرح حالت صغر میں آئی تھی اور آپ سے چھوٹی عمر میں کمال عقل کا ظہور فرما دیا گیا عمر شریف بعض کے قول میں چھ برس اور بعض کے نزدیک سات برس تھی جب کہ بعض دیگر نے کہا کہ آپ اس

وقت مراہق تھے اور آپ کی عمر شریف بارہ سال تھی۔

علامہ نسفی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: "قیل اوحی الیہ فی الصغر کما اوحی الی یحیی علیہما السلام "یعنی ایک قول یہ ہے کہ آپ کی طرف حالت صغر میں وحی کی گئی تھی جیسے حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کی طرف حالت صغر میں کی گئی تھی۔ (مدارک التنزیل جلد۲ صفحہ۸۵۸ طبع کراچی)۔

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں: "واوحینا الیہ" فی صغرالسن کما اوحی الی یحیٰی و عیسٰی علیہما السلام یعنی معنٰی یہ ہے کہ ان کی طرف حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کی طرح حالت صغر میں وحی فرمائی۔ ملاحظہ ہو۔ (تفسیر نیشاپوری بر ہامش طبری جلد۷ صفحہ۱۰۷ طبع بیروت)۔

علامہ خازن رقم طراز ہیں: "وقال آخرون بل کان صغیرا الا ان اللہ عزّو جل اکمل عقلہ رشدہ وجعلہ صالحا بقبول الوحی والنبوۃ کما قال فی حق عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام "یعنی دیگر حضرات نے فرمایا آپ اس وقت نابالغی کی عمر میں تھے اللہ عزّ وجل نے ان میں کمال عقل وفہم کو اجاگر اور قبول وحی ونبوّت کے لیئے مستعد فرمایا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو۔ ملاحظہ ہو۔ (تفسیر خازن جلد۳ صفحہ۸)

علامہ قرطبی ارقام فرماتے ہیں: "ومن قال کان صغیرا فلا یبعد فی العقل ان یتنبأ الصغیر ویوحٰی الیہ (الی) وان جبریل علیہ السلام جاءہ بالوحی "یعنی جنہوں نے یہ کہا کہ آپ صغیرالسن تھے تو ان کے قول کی بھی توجیہ ہوسکتی ہے اور عقلاً یہ بعید اور ناممکن نہیں ہے کہ چھوٹی عمر والے کو نبوّت ووحی سے نوازا جائے اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کے پاس جبریل علیہ السلام وحی لائے تھے۔ (تفسیر قرطبی جلد۵ صفحہ۹۴)۔

مظہری میں ہے: "وقیل کان مراھقاً اوحی الیہ فی صغرہ کما اوحٰی الی یحیٰی وعیسٰی علیہما السلام "یعنی ایک قول پر آپ علیہ السلام اس وقت مراہق (قریب بہ بلوغ) تھے اور آپ پر وحی حالت صغر میں آئی جیسا کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر حالت صغر میں آئی۔ (جلد۵ صفحہ۱۴۷)۔

البحرالمحیط میں ہے: "وکان صغیرا کما اوحی الی یحیٰی وعیسٰی علیہما السلام وھو ظاھر او"حینا "یعنی آپ اس وحی کے وقت نابالغ تھے جیسے حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام۔ "اوحینا" کے الفاظ کا ظاہر بھی اسی کا متقاضی ہے۔ (جلد۵ صفحہ۲۸۷)۔

علامہ الوسی لکھتے ہیں: "وکان ھذا الایحاء وھو علیہ السلام ابن ست عند الضحاك "۔یعنی امام ضحاک کے نزدیک اس وحی کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر شریف چھ برس تھی۔ (روح المعانی جلد۷ صفحہ۱۹۸)۔

علامہ خازن رقم طراز ہیں: فقال الضحاك ست سنین ''۔ضحاک نے کہا کہ آپ کی عمر اس وقت چھ سال تھی۔(تفسیر خازن' جلد ۳' صفحہ ۸)۔

حاشیہ الجمل علی الجلالین میں ہے : ''وقیل سبعة ''ایک قول پر عمر شریف سات برس تھی۔(جلد ۲' صفحہ ۴۴۰)۔

اسی میں اسی صفحہ پر ہے: وقیل اثنی عشر ''۔ایک اور قول پر عمر شریف بارہ برس تھی۔

روح المعانی جلد ۷' صفحہ ۱۹۸ میں ہے واثنی عشرہ سنة۔

تفسیر الخازن (جلد ۳' صفحہ ۸) میں ہے: ''وقال الحسن اثنی عشرة سنة ''امام حسن بصری کی ایک روایت کے مطابق آپ کی عمر اس وقت بارہ برس تھی۔

جب کہ بعض دیگر کے نزدیک آپ اس وقت حدِّ بلوغ کو پہنچ چکے تھے اور عمر شریف اس وقت باختلاف اقوال پندرہ یا سترہ یا اٹھارہ برس تھی۔

تفسیر نسفی (جلد ۲' صفحہ ۸۵۸) میں ہے: ''وقیل کان اذا ذاك مدرکا ''یعنی ایک قول پر آپ اس وقت بالغ تھے۔

تفسیر نیشاپوری (برہامش طبری' جلد ۷' صفحہ ۱۰۷) میں ہے: ''وقیل کان اذ ذاك بالغا''۔تفسیر الجلالین میں ہے''وله سبع عشره سنة او دونها''۔

اس کے تحت حاشیہ الجمل میں ہے:''قوله اودنها قیل خمسة عشر'' الخ۔

یعنی اس وقت آپ کی عمر سترہ برس یا اس سے کم تھی جو ایک قول پر پندرہ برس تھی۔

ملاحظہ ہو (جلالین مع جمل' جلد ۲' صفحہ ۲۴۰) نیز تفسیر الخازن' تفسیر مظہری میں حضرت امام حسن کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا''کان حینئذ ابن سبع عشره سنة ''یعنی آپ اس وقت سترہ برس کے تھے۔تفسیر نیشاپوری (جلد ۷' صفحہ ۱۰۷) میں ہے''وعن الحسن کان له سبع عشرة سنة ''۔ملاحظہ ہو (جلد ۵' صفحہ ۱۴۷ بحوالہ ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم' ابوالشیخ' حاکم' ابن مردویہ وغیرہم)۔

رُوح المعانی میں ہے:''اوثمانی عشرة سنة عند الحسن وسبع عشرة عند ابن السائب'' یعنی ایک روایت کے مطابق حضرت امام حسن کے نزدیک عمر شریف اٹھارہ برس تھی جب کہ ابن السائب کے نزدیک آپ اس وقت سترہ برس کے تھے (جلد ۷' صفحہ ۱۹۸)۔

تفسیر الخازن (جلد ۳' صفحہ ۸) میں ہے:وقال ابن السائب سبع عشرة یعنی ابن السائب نے کہا کہ آپ

عمر شریف اس وقت سترہ برس تھی۔ و قیل ثمان عشرة سنة ''اٹھارہ سال کا قول بھی ہے۔''فقال بعضھم انه کان بالغا و کان عمره خمس عشرة سنة''بعض نے کہا آپ اس وقت بالغ تھے اور عمر شریف پندرہ سال تھی۔

تفسیر قرطبی (جلد۵ صفحہ ۹۴) میں ہے: ''وقال الکلبی القی فی الحب وھو ابن ثمانی عشرة سنة فما کان صغیراً ''یعنی کلبی نے کہا کہ کنویں میں ڈالے جانے کے وقت عمر شریف اٹھارہ برس تھی بناءً علیہ آپ اس وقت غیر بالغ نہ تھے۔

نوٹ: ان نقول میں عمر شریف کے متعلق بعض اقوال میں منسوب الیہم کی نسبت سے اختلاف یا تو اختلاف روایات کی بناء پر ہے یا پھر نقل میں خطاء کے باعث ہے جس کی تنقیح کی مانحن فیہ کے لیئے اس وقت کچھ ضرورت نہیں ہے اس لیے ہم اسے علیٰ حالہ رکھ رہے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ذی علم حضرات اس کا آ سانی کھوج لگا سکتے ہیں فلیتأمل۔

محاکمہ علامہ الوسی رحمہ اللہ تعالیٰ:

ان مختلف اقوال کے بارے میں علامہ سید محمود الوسی بغدادی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ عطر تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ومن نظر فی الآیات ظھر له' ان الراجح کو نه علیه السلام لم یبلغ الحلم اذ ذاك''۔ ''وعلی جمیع الاقوال انه علیه السلام لم یکن بالغا الاربعین عندالایحاء الیه نعم اکثر الانبیاء علیھم السلام نبئو فی سنّ الاربعین وقد اوحی الی بعضھم کیحیٰی وعیسٰی علیھم السلام قبل ذلك بکثیر''۔ یعنی جو شخص حضرت یوسف علیہ السلام سے تعلق رکھنے والی قرآنی آیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرے گا تو اس پر یہ امر کھل کر سامنے آجائے گا کہ راجح اس وقت آپ علیہ السلام کا غیر بالغ ہونا ہی ہے۔ ان تمام اقوال کے پیش نظر' یہ امر تو یقینی ہے کہ آپ علیہ السلام کی عمر شریف اس وحی کے وقت چالیس سال بالکل نہ تھی (یعنی یہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ اس وقت آپ کی عمر شریف چالیس برس تھی بلکہ اس سے کم ہی کہا' بلکہ بعض پر چالیس سال سے بہت پہلے وحی آئی جیسے حضرت یحیٰی اور حضرت عیسٰی علیہما السلام ملاحظہ ہو۔ (روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۱۹۸)۔

اس تحقیق سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام بھی چالیس سال کی عمر شریف سے بھی پہلے منصب نبوّت پر فائز ہوئے پس اس کے لیئے چالیس سال والا کلیہ صحیح نہ رہا۔

پھر کچھ حضرات کے نزدیک اس وحی سے مقصود اس پریشانی کے موقع پر آپ کو تسلّی دینا اور ڈھارس بندھوانا تھا۔ چنانچہ تفسیر الجلالین میں ہے ''تطمینا لقلبه''یعنی اس سے مقصود آپ کے دل کو مطمئن کرنا تھا۔

اس کے تحت حاشیہ الجمل میں ہے: متعلق باوحینا ای فھذا الوحی لیس ارسالا باحکام ولا ابناء ای اعطاء للنبوّۃ لما علمت ان سنہ لم یبلغ اوانھا الذی ھوالاربعون بل ھو تطمئن لقلبہ یعنی یہ الفاظ' اوحینا سے متعلق ہیں معنی یہ ہے کہ یہ وحی ارسال بالاحکام اوراعطاء نبوت کی نہ تھی بلکہ تطمینا القلب تھی۔ کیونکہ آپ اس کی عمر کو نہ پہنچے تھے جو کہ چالیس سال ہے۔ (حاشیۃ الجمل مع الجلالین' جلد۲' صفحہ۴۴۰)۔

تفسیر مظہری میں ہے: ''لا طمینان قلبہ والظاھر ان ھذا الوحی لیس للاستنباء والارسال والتبلیغ بل ھو کما اوحی الی ام موسٰی ان ارضعیہ الآیۃ وما ھو للتبلیغ فھو بعد ذٰلک حیث قال اللّٰہ تعالٰی ولما بلغ اشدہ اتیناہ حکما وعلما ''یعنی یہ وحی آپ کے اطمینان قلب کے لیئے تھی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ وحی نبوّت ورسالت نہ تھی بلکہ اس نوعیت کی تھی جس کا ذکر اس آیت میں ہے'' واوحینا الی امّ موسٰی ان ارضعیہ الآیۃ ''۔ نیز یہ وحی تبلیغ بھی نہ تھی کیونکہ اس کا حکم بعد میں آیا تھا جس کی وضاحت اس آیت میں موجود ہے: ولما بلغ اشدہ اتیناہ حکما و علما ''یعنی جب وہ جوانی کے جوبن کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم وعلم سے نوازا۔ (جلد۵' صفحہ۱۴۷' طبع کوئٹہ)۔

خلاصہ یہ کہ حسب مذکور اس طبقہ کے نزدیک یہ وحی الہاماً ہو یا مناماً محض ایک امر خاص کے متعلق تھی' نبوّت ورسالت اور تبلیغ کے لیئے نہ تھی۔

جب کہ مثالا خرین یہ وحی وحی حقیقی اور وحی نبوّت تھی جو اس وقت آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ یہ وحی بحکمِ الٰہی حضرت جبریل علیہ السلام لائے تھے البتہ تبلیغ کا حکم آپ کو بعد میں دیا گیا تھا۔

چنانچہ تفسیر الجلالین میں ہے: ''واوحینا الیہ فی الجب وحی حقیقۃ ''ہم نے انہیں وحی فرمائی یعنی حقیقۃ وحی کی اور یہ اس وقت کی بات ہے جب انہیں کنویں میں پھینکا گیا۔ (جلالین مع الجمل' جلد۲' صفحہ۴۴۰)۔

مظہری میں اس کی تفسیر میں امام مجاہد کے حوالہ سے لکھا ہے آپ نے فرمایا: ''اوحی الی یوسف یعنی وحی الاستنباء وھو فی الجب''۔

نیز بغوی کے حوالہ سے لکھا ہے: وبعث الیہ جبریل علیہ السلام لیؤنسہ ویبشرہ بالخروج ''۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف کی گئی یہ وحی' وحی نبوّت تھی اور یہ اس وقت کی گئی کہ جب آپ کنویں میں پہنچے جو حضرت جبریل علیہ السلام لائے تھے جو مونس بن کر آئے اور انہیں یہ مژدہ بھی دیا کہ آپ عنقریب خیر وسلامتی کے ساتھ کنویں سے باہر تشریف لے جائیں گے۔

ملاحظہ ہو۔ (جلد۵ صفحہ۱۴۷ قول مجاہد بحوالہ ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم ابوالشیخ)۔

قرطبی (جلد۵ صفحہ۹۴) میں ہے: "و ان جبریل جاء بالوحی" آپ کے پاس یہ وحی جبریل علیہ السلام لائے تھے۔

البحر المحیط (جلد۵ صفحہ۲۸۷) میں ہے: "قال الضحاك وقتادة نزل علیه جبریل علیہ السلام فی البئر"۔

نیز "وقال الحسن اعطاه الله النبوة فی الجب" یعنی امام ضحاک اور امام قتادہ نے فرمایا کہ کنویں میں یہ وحی جبریل علیہ السلام لائے تھے۔ نیز امام حسن بصری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کنویں میں نبوۃ عطا فرمائی۔

روح المعانی (جلد۷ صفحہ۱۹۸) میں ہے: "وقال الضحاك و قتاده بارسال جبریل علیہ السلام الیه"

قرطبی (جلد۵ صفحہ۹۴) میں ان الفاظ کے تحت ہے: "دلیل علی نبوته فی ذالك الوقت" "قال الحسن ومجاهد والضحاك وقتادة اعطاه الله النبوة وهو فی الجب علی حجر مرتفع عن الماء" یعنی "واوحینا الیه" کے الفاظ اس امر کی دلیل ہیں کہ آپ اس وقت اللہ کے نبی تھے۔ امام حسن، امام مجاہد، امام ضحاک اور امام قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوّت سے نوازا جب کہ آپ کنویں میں ایک پتھر پر تشریف فرما تھے جو پانی کی سطح سے اوپر تھا۔

امام قرطبی نے اس مقام پر ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کے کہنے پر ایک نہایت ہی رقت آمیز دعا فرمائی جسے ملائکہ کرام نے سن کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی "الٰهنا نسمع صوتا ودعاء الصوت صوت صبی والدعاء دعاء نبی" یعنی اے اللہ ہمیں ایک آواز اور ایک دعا سنائی دے رہی ہے۔ آواز سے لگتا ہے کہ بولنے والا کوئی چھوٹی عمر کا ہے لیکن دعا کا انداز بتاتا ہے کہ کوئی نبی دعا کر رہا ہے۔ (جلد۵ صفحہ۹۴)۔

ضیاء القرآن (جلد۲ صفحہ۴۱۶) میں ہے: "بعض علماء کی یہ رائے بھی ہے کہ آپ کو اسی وقت شرفِ نبوّت سے سرفراز کر دیا گیا تھا"۔

نوٹ: اس سلسلہ کے بعض اقوال "ولما بلغ اشده" کی بحث کے ضمن میں بھی آ رہے ہیں۔ الغرض ایک طبقہ اس کا قائل ہے کہ "واوحینا الیہ" میں مذکور وحی سے مراد وحی نبوّت ہے۔

☆　اب یہ بھی پڑھ لیجیے کہ وحی نبوّت والا قول حسبِ تصریح علماء شان اکثریتی نظریہ ہے۔ بعض نقول حسبِ ذیل ہیں:

علامہ بغوی فرماتے ہیں: والاکثرون علی ان اللہ تعالٰی اوحی الیه بھذا وبعث الیه جبریل علیہ السلام یؤنسه و یبشره بالخروج "۔یعنی اکثرین اس کے قائل ہیں کہ یہ وحی الٰہی وحی حقیقی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے جبریل کو علیہ السلام بھیج کر ان تک پہنچایا تھا جو آپ کے لیئے مونس ومبشر بن کر آئے تھے۔

ملاحظہ ہو۔ (معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی، جلد۲، صفحہ۴۱۴، طبع ملتان)۔

نیز امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں کہ ان الفاظ کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ان میں مذکور وحی سے مراد وحی نبوت اور دوسرا یہ کہ اس سے مراد وحی الہام ہے۔قول اوّل کے متعلق آپ کے لفظ ہیں: "ان المراد منه الوحی والنبوة والرسالة وھذا قول طائفة عظیمة من المحققین "یعنی یہاں وحی سے مراد حقیقۃ وحی ہے اور نبوّت ورسالت ہے اور یہ محققین کے ایک عظیم (نمایاں اکثریتی) گروہ کا قول ہے

نیز قول اوّل کے متعلق مزید فرماتے ہیں: "والاوّل اولی لان الظاھر من الوحی ذلك "یعنی اولیٰ اور راجح قول یہی ہے کیونکہ وحی کا ظاہر معنیٰ یہی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تفسیر کبیر، جلد۱۸، صفحہ۹۹، طبع ایران)۔

نیز علامہ خازن نے لکھا ہے: "قال اکثر المفسرین ان اللہ اوحی الیه وحیا حقیقیا فبعث الیه جبریل علیہ السلام یؤنسه ویبشره بالخروج (الٰی) ھذا قول طائفة عظیمة من المحققین "یعنی اکثر مفسرین نے کہا کہ اللہ کی طرف سے کی گئی یہ وحی، وحی حقیقی تھی جسے جبریل علیہ السلام ان کے پاس مونس ومبشر بن کر لائے تھے اور یہ محققین کے ایک عظیم گروہ کا قول ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تفسیر الخازن، جلد۳، صفحہ۸)

روح البیان (جلد۴، صفحہ۲۲۴) میں ہے: "وکان وحی نبوة ورسالة کماعلیه المحققون "۔ یعنی یہ وحی نبوت ورسالت تھی محققین کا مذہب یہی ہے۔

☆ یہ تصریح بھی دیکھ لیجیے کہ آپ علیہ السلام نبی تو بچپن سے تھے البتہ تبلیغ کا حکم اس وقت ہوا جب اُمّت سامنے آئی۔ چنانچہ امام رازی فرماتے ہیں: "فان قیل کیف یجعله نبیا فی ذلك الوقت ولیس ھناك احد یبلغه الرسالة؟ قلنا لا یمتنع ان یشرفه بالوحی والتنزیل ویأمره بتبلیغ عن قلبه "۔ (کبیر، جلد ۱۸، صفحہ۹۹، ۱۰۰)

نیز علامہ خازن لکھتے ہیں: "فان قلت کیف جعله نبیا فی ذلك الوقت ولم یکن احد یبلغه رسالة ربه لان فائدہ النبوة والرسالة تبلیغھا الی من ارسل الیه؟ قلت لا یمتنع ان اللہ یشرفه بالوحی و یکرمه بالنبوة والرسالة فی ذلك الوقت و فائدة ذلك تطییب قلبه وازاله الھم وانعم والوحشة بمنه ثم بعد ذلك یأمره بالتبلیغ "۔ (تفسیر الخازن، جلد۳، صفحہ۹۸)۔

یہ عبارتیں اپنے مفہوم ومنطوق میں نہایت صریح ہیں جومحتاج بیان نہیں ۔ والحمد للہ علی ذلک۔

خلاصہ یہ کہ چالیس سال کی عمر شریف میں اعطاء نبوّت کے کلیہ بلکہ اکثریہ ہونے کا دعویٰ بھی سخت محل نظر بلکہ بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ کل انبیاء ورسل کرام علیہم السلام کی تعداد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس یا چالیس ہزار ہے جن میں سے صرف چند گنتی کے حضرات کا ذکر مبارک قرآن وحدیث اور کتب سیر میں وارد ہوا ہے جو تقریباً چونتیس ہیں۔ باقی حضرات کے بارے میں اس قدر سکوت ہے کہ ان کے اسماء گرامی تک کوئی ذکر نہیں ہے۔

پھر جن حضرات قدسیّہ کا ذکر آیا ہے ان میں سے ہمارے آقاو مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً مستثنیٰ ہیں۔ ستائیس حضرات کے بارے میں اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے کہ ان کی نبوتوں کا ظہور ان کی کن عمروں میں ہوا علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

باقی رہے چھ حضرات یعنی حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوسف، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام، حضرت نوح علیہ السلام کی نبوّت کا ظہور راجح قول پر پچاس سال، حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوّت کا ظہور عمر شریف کے چوالیس سال ہونے کے بعد ہوا جب کہ آخر الذکر تین حضرات کی نبوتوں کا ظہور چالیس سال سے کافی پہلے ہوا۔

باقی صرف ایک حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام رہے جن کے بارے میں چالیس سال کے بعد ظہورِ نبوّت کا ذکر آیا ہے اور وہ بھی قرآن کی صریح آیت یا کسی صحیح صریح مرفوع حدیث سے نہیں بلکہ اس کا ماٗخذ بھی محض بعض اقوال ہیں جو محتمل غیر بھی ہیں جن کے متعلق بعض دیگر علماء سے اس کے برخلاف بھی منقول ہے یعنی اس کی بنیاد سورۂ قصص کی آیت کریمہ ولما بلغ اشده واستوی ''الآیہ کے الفاظ ''اشده'' اور ''استویٰ'' پر ہے جب کہ ان کے معنٰی کی تعیین میں علماء شان کا خاصا اختلاف پایا جاتا ہے جس کی مکمل باحوالہ تفصیل ابھی گزری ہے۔

نیز خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس وقت عمر شریف کے متعلق علامہ خفاجی اور علامہ الوسی رحمہما اللہ تعالیٰ کی نصوص پیش کی جاچکی ہیں کہ علی التحقیق ''اشد'' اور ''استواء'' علاقہ، زمانہ اور حالات کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتے ہیں پس آپ کے متعلق اس کے صحیح فیصلہ کے لیئے مطلوبہ معیار کی حدیث درکار ہے جو ثابت نہیں۔ بناءً علیہ اعطاء نبوت کے لیئے چالیس سال کی عمر کا کلیہ ہونا تو کجا اکثریہ ہونا بھی صحیح نہیں بلکہ اس کا فردیہ ہونا بھی محلِ نظر ہے۔

وجہِ تسامح (روایت "مَا مِنْ نَبِيٍّ نُبِّئَ اِلَّا بَعْدَ الْاَرْبَعِيْن):

رہا یہ کہ آخر یہ بات مشہور کیسے ہوئی اور وجہ تسامح کیا ہے؟

تو ہمارے تجزیہ و تحقیق کے مطابق اس کا سبب ایک غلط قسم کی روایت بنی جس کے الفاظ اس طرح ہیں "مَا مِنْ نَبِيٍّ نُبِّئَ اِلَّا بَعْدَ الْاَرْبَعِيْن" جس کا ترجمہ معترضین کے طرز پر یہ ہے کہ کسی بھی نبی کو نبوت عطاء نہیں کی گئی مگر ان کی عمر کے چالیس سال ہوجانے کے بعد۔

اقول: یہ روایت غلط اور غیر ثابت ہے جس پر کئی محققین کی تصریحات موجود ہیں جن میں سے بعض نے اس کی تغلیط و تردید کے ساتھ ساتھ بر سبیل تنزل یہ جواب بھی دیا ہے کہ اسے ثابت مان لیا جائے تو یہ اغلبیت پر محمول ہے بعد کے مجیبین نے اسے اس کے تغلیط الفاظ کو ایک طرف رکھتے ہوئے نیز "اگر ثابت ہو" (لَوْ ثَبَتَ) کا شرطیہ حصہ نقل نہ کر کے صرف اتنا لکھا کہ "ھذا اغلبی" "محمول علی الغالب" پھر یونہی اس کی دھڑا دھڑ نقل ہونے لگی پھر کچھ نے اسے "عادت الٰہیہ غالبًا" سے بھی تعبیر کر لیا پھر اسے باقاعدہ سے ایک اصول' ضابطہ اور قاعدہ قرار دے دیا گیا جو کوئی اچنبھے اور تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس طرح کی خطاء کا واقع ہوجانا کوئی نئی بات نہیں بلکہ عامۃ الورود ہے۔ بہت سے مسائل کو سخت ضرورت نہ ہونے کی بناء پر سرسری طور پر پڑھ لکھ لیا جاتا ہے مگر ان کی صحیح صورت حال اس وقت سامنے آتی اور اصل حقیقت اس وقت کھلتی ہے جب اس سے واسطہ پڑے اور اس کی تنقیح درکار ہو۔ دیگر کئی علماء شان کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ سند الفقہاء سیدی علامہ شامی قدس سرہ السامی نے اس پر مفصل بحث فرمائی ہے اور متعدد مثالوں سے اسے موشح کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ان کی کتاب لاجواب شرح عقود رسم المفتی وغیرہ۔

اب پڑھیے **زیر بحث روایت کی تغلیط و تردید میں** بعض علماء شان کی کچھ عبارات:

☆ چنانچہ امام علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی رحمۃ اللہ علیہ "تخریج احادیث الکشاف" کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: "انه لم یوجد فی شئ من کتب الحدیث۔ ویؤیدہ ما فی حق یحییٰ علیه الصلاة والسلام وآتیناه الحکم صبیا فانه فسر بالنبوة وان عیسیٰ علیه الصلاة والسلام بعث فی ثلث و ثلثین ورفع فی الاربعین ولعله ان صح اغلبی"۔ یعنی کتب حدیث میں سے کسی کتاب میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے (مقصد یہ کہ روایت ہذا مسئلہ کا ثبوت بننے کی صالح نہیں ہے) جس کی تائید حضرت یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں وارد شدہ اس ارشاد خداوندی سے بھی ہوتی ہے کہ "وآتیناه الحکم صبیا" اس میں حکم سے مراد نبوّت ہے (تو معنیٰ ہوگا ہم نے انہیں ان کی بچپن کی عمر میں نبوّت سے نوازا)۔

نیز اس موقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بعثت بعمر تینتیس برس ہوئی اور آسمان کی طرف اٹھایا جانا ان کی چالیس سال کی عمر میں واقع ہوا۔ اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو شاید اس سے مراد یہ ہو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کا ظہور چالیس سال کی عمروں میں نہیں ہوا بلکہ اکثر سے ایسا ہوا کہ بعض سے اس سے ہٹ کر۔

ملاحظہ ہو۔ (حاشیہ الشہاب علی البیضاوی، جلد ۷، صفحہ ۲۸۵، طبع بیروت)۔

☆ علامہ فہامہ علی القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''قال ابن الجوزی انه موضوع ذکره الزرکشی وسکت عنه السیوطی۔ قلت ویعارضه نص قوله تعالٰی فی یحیٰی علیہ السلام وآتیناه الحکم صبیاً، وفی یوسف واوحینا الیه لتنبئنهم بامرهم هذا الآیة ولو ثبت یحمل علی الغالب''۔ یعنی علامہ زرکشی کے حسب بیان علامہ ابن الجوزی نے اس روایت کو موضوع و من گھڑت کہا ہے۔ علامہ سیوطی نے خاموشی اختیار فرمائی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری ''وآتیناه الحکم'' نیز حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمان خداوندی ''واوحینا الیه لتنبئنهم بامرهم هذا'' سے معارض اور ان کے برخلاف ہے۔ اگر یہ ثابت ہو تو غالب پر محمول ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (موضوعات کبیر، صفحہ ۶۲)۔

☆ علامہ شمس الدین سخاوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ''قال ابن الجوزی انه موضوع لان عیسیٰ علیہ السلام نبیٔ ورفع الی السماء وهو ابن ثلث وثلثین سنة فاشتراط الاربعین فی حق الانبیاء لیس بشیٔ''۔ یعنی علامہ ابن الجوزی نے اسے موضوع و من گھڑت قرار دیا ہے کیونکہ یہ خلافِ حقائق ہے۔ چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو نبوّت سے نوازنے کے عرصہ بعد جب انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا تو ان کی عمر شریف تینتیس برس تھی لہٰذا چالیس سال کی عمر کو نبی ہونے کی شرط بتانا بے کار بات ہے۔ (المقاصد الحسنہ، صفحہ ۳۷۲، ۹۸۵)

☆ علامہ حلبی شافعی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: واما حدیث ''مامن نبی الا نبی بعد الاربعین فموضوع لان عیسیٰ علیه الصلاۃ والسلام نبیٔ ورفع الی السماء وهو ابن ثلث وثلثین سنةای نبیٔ وهو ابن ثلثین سنة ورفع وهو ابن ثلث وثلثین سنة بل قیل نبیٔ وهو طفل فاشتراط الاربعین فی حق الابنیاء علیهم الصلاۃ والسلام لیس بشی''۔ یعنی رہی روایت ما من نبی الا نبیٔ بعد الاربعین (کوئی نبی بھی چالیس سال کی عمر سے پہلے نبی نہیں بنا)؟ تو یہ موضوع ہے دلیل یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ظہور نبوت، بعمر ۳۰ برس ہوا اور آسمان پر انہیں بعمر ۳۳ برس اٹھایا گیا بلکہ ایک قول پر آپ کی نبوّت کا ظہور آپ کی بچپن کی عمر میں ہوا

پس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے نبی ہونے کے لیئے چالیس سال کی عمر کی قید باطل اور اس عمر کو شرطِ نبوّت قرار دینا غلط ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۵)۔

☆ علامہ عجلونی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جزم ابن الجوزی بوضعہ لان عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نبیٔ ورفع الی السماء وھو ابن ثلث وثلثین سنۃ فاشتراط الاربعین فی حق الانبیاء لیس بشیٔ (الٰی) وقال القاری ویعارضہ قولہ تعالٰی فی یحیٰی علیہ السلام "وآتیناہ الحکم صبیا وقولہ تعالٰی فی یوسف علیہ السلام و اوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا'' ولو ثبت یحمل علی الغالب ''یعنی علامہ ابن الجوزی نے دوٹوک لفظوں میں اس روایت کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے بایں دلیل کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ظہورِ نبوّت کے عرصہ بعد جب آسمان پر اٹھالیا گیا تو آپ کی عمر ۳۳ برس تھی (پس یہ حقائق کے خلاف ہے) لہٰذا نبی ہونے کے لیئے چالیس سال کی عمر کو شرط بتانا بالکل بے وقعت امر ہے (الٰی) علامہ علی القاری نے فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت یوسف علیہما السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشادات ''وآتیناہ الحکم صبیا'' اور ''واوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا'' سے بھی اس کا ردّ ہوتا ہے۔ بشرط ثبوت یہ غالب پر محمول ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (کشف الخفاء ومزیل الالباس جلد ۲ صفحہ ۱۷۴ روایت نمبر ۲۲۴۶ طبع بیروت)۔

نوٹ: اکثریت کے متعلق دعویٰ کی حقیقت بیان ہوچکی ہے کہ یہ عدم ضرورت کے باعث عدم غور وخوض کا نتیجہ ہے۔ نیز اس کی بنیاد روایت ما من نبی الخ پر ہے جو ثابت نہیں۔ رہے ان علماء کے کلام میں نبوّت کی عطاء وغیرہ کے الفاظ؟ تو اس سے مراد نفس نبوت نہیں بلکہ بعثت ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں اس لیے ہم نے اسے ظہور نبوت کے الفاظ سے ذکر کیا ہے کیونکہ باب ہشتم میں ہم ثابت کرآئے ہیں کہ تمام نبی پیدائشی نبی ہیں یعنی نبی بن کر آتا ہے آکر نہیں بنتا۔ مزید کچھ تفصیل جواب نمبر ۶ میں بھی عنقریب آرہی ہے فافھم۔

حدیث ''ما بعث اللہ نبیا الا عاش الخ'' کے متعلق وضاحت:

بعض علماء نے علامہ ابن الجوزی کے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی عمر شریف کے بارے میں اس موقف پر کہ ''نُبِّیَٔ وھو ابن ثلثین سنۃ ورفع الی السماء وھو ابن ثلثۃ وثلثین سنۃ'' (وقت بعثت آپ کی عمر شریف تیس برس اور وقت رفع تینتیس برس تھی) ایک روایت کے ذریعہ معارضہ فرمایا ہے جس کی تفصیل مناسب مقام ہونے کے باعث یہاں پیش کی جارہی ہے جو حسبِ ذیل ہے:

روایت کے لفظ ہیں: ''ما بعث اللہ نبیا الا عاش نصف ما عاش النبی قبلہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہر پیغمبر کی دنیوی زندگی اس سے پہلے والے پیغمبر کی زندگی کا نصف رہی۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں: ''سندہ لاعتضادہ'' یعنی اس کی سند حسن ہے کیونکہ اس کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے۔

ملاحظہ ہو (المقاصد الحسنہ، صفحہ ۳۶۲، ۳۶۳، نمبر ۹۴۴) بحوالہ **حلیہ ابی نعیم و مشیخة الفسوی عن زید بن ارقم ﷺ مرفوعاً**) نیز کشف الخفاء للعجلونی، جلد ۲، صفحہ ۱۶۳، نمبر ۲۱۹۰)۔

ایک اور روایت میں ہے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس علالت میں کہ جس میں آپ کا وصال ہوا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام ہر سال میرے ساتھ قرآن مجید کا دور ایک بار کرتے تھے، اس دفعہ انہوں نے مجھ سے قرآن مجید کا دور دو مرتبہ کیا ہے۔ نیز انہوں نے مجھے بتایا کہ ہر نبی کی زندگی اس سے پہلے والے نبی کی زندگی کا نصف رہی ہے اور یہ بھی بتایا کہ حضرت عیسٰی بن مریم نے یہاں ''عاش عشرین و مائة سنة'' ایک سو بیس سال گزارے تھے۔ فرمایا: ''ولا ارانی الا ذاهبا علی رأس الستين'' اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ میں اپنی عمر کے ساٹھویں سال کے اختتام پر اس جہان سے رحلت کر جاؤں گا۔ یہ سن کر سیّدہ رو پڑیں۔

ملاحظہ ہو (المقاصد الحسنہ، صفحہ ۳۶۳، نمبر ۹۴۴ بحوالہ طبرانی، کشف الخفاء، جلد ۲، صفحہ ۱۶۳، نیز السراج المنیر شرح الجامع الصغیر للعلامۃ العزیزی، جلد ۳، صفحہ ۱۹۴، بحوالہ مناوی بروایت طبرانی)۔

حضرت ابن مسعود ﷺ کی روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے سیّدہ سے فرمایا: ''یا فاطمة انه لم یعمر نبی الا نصف عمر الذی قبله'' بیٹی! ہر نبی کو اس سے پہلے والے نبی کی کل زندگی کا نصف حصہ زندگی دی گئی۔ ملاحظہ ہو۔ (المقاصد الحسنہ، صفحہ ۳۶۳، بحوالہ ابو نعیم، کشف الخفاء، صفحہ ۱۶۳)

علامہ سخاوی فرماتے ہیں: ''لکن یعکر علیه ماورد فی عمر عیسٰی علیہ السلام'' یعنی روایت زید بن ارقم ﷺ کے ذریعے اس روایت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے جو حضرت عیسٰی ﷺ کی عمر شریف کے متعلق اس کے برخلاف آئی ہے۔ (المقاصد الحسنہ، صفحہ ۳۶۳) کشف الخفاء، ۲، صفحہ ۱۶۳)۔

نیز روایت ''ما من نبی نبیء الا بعد الاربعین'' پر علامہ ابن الجوزی کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''وما قدمناه فی حدیث ما بعث الله نبیا یرد علیه'' یعنی حدیث ما بعث الله نبیا جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں ابن جوزی کے موقف کے خلاف ہے۔ (المقاصد الحسنہ، صفحہ ۳۷۲، کشف الخفاء، جلد ۲، صفحہ ۱۶۳)

اس کے بارے میں عرض ہے کہ: اس کی سند پر تفصیلی کلام کا حق محفوظ رکھتے ہوئے سردست ہم بعض علماء شان کا کلام پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں تو سنیے: امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے بارے میں لکھا ہے: ''ض''یعنی ضعیف ہے۔
ملاحظہ ہو۔(الجامع الصغیر' جلد۲' صفحہ ۱۴۳)۔

نیز علامہ حلبی فرماتے ہیں: ثم رأیت الحافظ الھیثمی ضعف حدیث مابعث اللہ بنیا الا عاش نصف ما عاش النبی الذی قبلہ۔ وقال العماد بن کثیر انہ غریب جداً ''خلاصہ یہ کہ علامہ حافظ نورالدین ہیثمی نے اسے ضعیف قرار دیا اور علامہ عماد بن کثیر نے کہا کہ یہ روایت نہایت درجہ غریب ہے۔(سیرت حلبیہ' جلد ا' صفحہ ۲۲۵)۔

علامہ الشیخ عبداللہ محمد الصدیق (یکے از علماء ازہر شریف' المتخصص فی الحدیث والاسناد) المقاصد الحسنہ کے حاشیہ میں علامہ سخاوی رحمۃ اللہ کے متذکرہ بالا کلام کے تحت لکھتے ہیں: ''کلا لا یرد علیہ لانہ حدیث ضعیف الاسناد یخالف للواقع الثابت فی عمر عیسیٰ ما نبی نبیٔ الا وھو شباب الخ یعنی حدیث ما بعث اللہ نبیا الخ سے علامہ ابن جوزی پر ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ وہ سنداً ضعیف ہے۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف کے حوالہ سے حقیقت ثابتہ کے خلاف ہے' قرآن کے بھی خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے ہم نے انہیں ان کی بالکل چھوٹی عمر میں نبوت سے نوازا بلکہ حضرت ابن عباس کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کو ان کی جوانی کی عمر ہی میں منصب نبوت پر فائز فرمایا گیا۔
ملاحظہ ہو۔(المقاصد الحسنہ' صفحہ ۳۷۲' تحت روایت ۹۸۵' حاشیہ ا)۔

نیز لکھتے ہیں: ''وھو حدیث غریب کما قال ابن کثیر وحدیث الترجمۃ لا تبلغ رتبۃ الحسن خلافا للمؤلف لان طرقہ واھیۃ والصحیح عند علماء الحدیث واھل الاخبار ان عیسیٰ علیہ السلام رفع ابن ثلث وثلثین سنۃ فبذلک صرح الحدیث فی سن اھل الجنۃ۔ وانظر کتابنا: ''اقامۃ البرھان علی نزول عیسیٰ فی آخر الزمان ''وکتابنا''عقیدہ اھل الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام ''یعنی حدیث مابعث اللہ نبیا حسب بیان ابن کثیر' غریب ہے۔ حضرت مؤلف نے جو اسے درجۂ حسن کی حدیث فرمایا ہے صحیح نہیں کیونکہ اس کے سب طرق واہی ہیں' محدثین اور مورخین کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھالیا گیا تھا حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ اہل جنت بھی اسی عمر کے ہوں گے۔ تفصیل کے لیئے دیکھیں ہماری کتاب اقامۃ البرھان نیز عقیدۂ اہل الاسلام۔ ملاحظہ ہو۔(المقاصد الحسنہ' صفحہ ۳۶۳' روایت نمبر ۹۴۴' حاشیہ نمبر ا)۔

نیز فاتح قادیانیت قاطع مرزائیت حضرت مولانا علامہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

نے بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی عمر شریف ایک سوبیس سال بتانے والی روایت کو واجب الرد قرار دیا ہے۔

اقول: روایت ہٰذا اسناداً ضعیف ہونے کے علاوہ متناً بھی غیر صحیح ہے کیونکہ اس کا مضمون خلاف حقائق ہے لہٰذا یہ ہر طرح سے مخدوش ہے۔ روایت یہ کلیہ دے رہی ہے کہ بعد والے نبی کی عمر پہلے والی نبی کی عمر کا نصف رہی نیز یہ کہ یہ کلیہ خود آپ ﷺ کے لیے بھی تھا جو بالکل خلاف حقیقت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر شریف ایک ہزار برس تھی شیث علیہ السلام کی عمر شریف پانچ سو سال ہونے کا کوئی ثبوت نہیں پھر نوح علیہ السلام کی عمر شریف بارہ سو چالیس ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے سو سال کی عمر شریف پائی جب کہ آپ کے بعد والے نبی اور آپ کے جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر شریف انسٹھ برس ہوئی۔ پیش نظر روایت کے مطابق پچاس سال ہونی چاہیے تھی۔ اس روایت کی رو سے زمین پر حضرت عیسٰی علیہ السلام نے عمر شریف کے ایک سوبیس سال گزارے۔ اس حساب سے آپ سے پہلے والے نبی کی عمر دو سو چالیس سال ہونا لازم ہے جو محتاج ثبوت ہے۔

پھر اس روایت کی صراحت کے مطابق حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف صرف ساٹھ سال تھی جو قطعاً غلط ہے کیونکہ آپ کی کل عمر شریف تریسٹھ سال ہوئی۔ عام الفیل میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، چالیس سال کی عمر شریف میں آپ نے اپنی شان نبوت کو ظاہر فرمایا، اس کے بعد تیرہ سال آپ مزید مکۃ المکرّمہ میں رہے۔ بعد ازاں ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ کو اپنا موطن و مسکن بنایا دس سال وہیں پہ جلوہ فرما رہنے کے بعد وصال فرمایا، کل تریسٹھ برس ہوئے۔

ثابت ہوا کہ اس کا متن بھی غیر صحیح ہے کیونکہ حقائق واقعیہ کے خلاف ہے۔

اس سے قطع نظر روایت ہٰذا کا مفاد زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ حضرت سیّدنا عیسٰی علیہ السلام اس دنیا میں ایک سوبیس سال رہے اس کا یہ مطلب تو پھر بھی نہیں بنے گا کہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت عطا کی گئی کیونکہ مبحث فیہ امر یہی ہے جب کہ روایت اس سے مکمل خاموش ہے۔

جواب نمبر۴ (پیش کردہ عبارات سے):

معترض نے بعض عبارات کے لانے میں دیانت سے کام نہیں لیا۔ چنانچہ علامہ بیضاوی، علامہ اندلسی اور علامہ علی القاری رحمہم اللہ میں سے اول الذکر دو حضرات نے یحیٰی اور حضرت عیسٰی علیہما السلام کے بچپن میں نبی ہونے کے اقوال نقل فرما کر اس زمانہ میں ان کی نبوت کی تصریح فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو (البحر المحیط، جلد ۶، صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷، نیز النہر الماد جلد ۶، برہامش البحر، صفحہ ۱۸۶، ۱۸۷)۔

عبارات باب ہشتم میں پیش کی جا چکی ہیں۔
نیز ملاحظہ ہو (تفسیر البیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۰ طبع بیروت)۔
جب کہ آخر الذکر (علامہ علی القاری) نے اس پر جزم فرمایا ہے۔
ملاحظہ ہو: (شرح الشفاء جلد ۱ برہامش نسیم الریاض صفحہ ۴۵۷ طبع ملتان)۔ ان کی عبارت بھی باب ہشتم میں گزر چکی ہے۔ معترض نے اس کا اشارہ تک نہیں دیا۔

علاوہ ازیں علامہ بیضاوی اور علامہ اندلسی نے اسے ''قیل'' سے ذکر فرمایا ہے جو عموماً بیان ضعف کے لیۓ استعمال ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو۔ (البحر جلد ۸ صفحہ ۱۶ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت نیز بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۱۴ طبع نفس البحر)۔

مزید علامہ قاری علیہ الرحمۃ کی عبارت میں ''غالبًا'' کی قید موجود ہے جو اعطاء نبوت کے لیۓ چالیس سال کی عمر کے شرط ہونے کے کلیہ ہونے کی صریحاً نفی ہے جب کہ اس کے اکثریہ ہونے کے غیر صحیح ہونے کی مدلل بحث ابھی ہو چکی ہے۔

علاوہ ازیں کئی محققین نے اس نظریہ کے کلیہ ہونے کی حیثیت کو چیلنج فرمایا ہے۔

چنانچہ عبارت بیضاوی کے تحت علامہ محقق شیخ شہاب الدین خفاجی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:
وکونہ لم یبعث نبی الخ امر اغلبی فان عیسٰی علیہ السلام کما مرّ نبئ فی سن الصبا ''۔ یعنی چالیس سال سے پہلے بعثت نہ ہونا قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بچپن کی عمر میں اس منصب پر فائز فرمائے گئے تھے جس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ملاحظہ ہو (حاشیۃ الشہاب علی البیضاوی جلد ۸ صفحہ ۴۰۷ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

نوٹ: علامہ خفاجی نے اس سے آگے جو یہ لکھا ہے ''انہ غیر مسلم وانہ کغیرہ بعث بعد الاربعین''؟ اس کے شروع میں انہوں نے ''قیل'' کے لفظ لکھے ہیں جو اس کے سقم وضعف کی طرف اشارہ ہے فافہم۔

نیز علامہ شیخ زادہ نے علامہ بیضاوی کی پیش کردہ عبارت کے تحت ارقام فرمایا ہے۔ ''قال الامام ھذا یشکل بعیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام فانہ تعالٰی جعلہ نبیا من اوّل الصبا'' الخ۔ یعنی امام فخر الدین رازی نے فرمایا اس کے کلیہ ہونے کا اس سے ردّ ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بالکل ان کی بچپن کی عمر میں منصب نبوت پر فائز فرمایا الخ۔

ملاحظہ ہو۔ (شیخ زادہ علی البیضاوی' جلد۴' صفحہ ۳۳۵' ۳۳۶' طبع داراحیاء التراث العربی)۔

نیز علامہ سید محمود الوسی بغدادی حنفی پیش کردہ عبارت کے تحت رقم طراز ہیں: "وذھب الفخر الی خلافہ مستدلا بان عیسٰی ویحیٰی علیھما السلا صبیین لظواھر ماحکی فی الکتاب الجلیل عنھماوھو ظاھر کلام السعد حیث قال: من شروط النبوۃ الذکورۃ وکمال العقل والذکاء والفطنۃ وقوۃ الرأی ولوفی الصبا کعیسٰی ویحیٰی علیھما السلام (الٰی) ویترجح عندی اشتراطہ فیہ وان اصل النبوۃ الخ۔ یعنی امام فخر الدین رازی نے اس کے کلیہ ہونے کو تسلیم نہیں فرمایا' دلیل یہ دی ہے کہ ظاہر قرآن مجید کے مطابق حضرت عیسٰی اور یحیٰی علیہما السلام کو بچپن میں مبعوث فرمایا گیا۔ علامہ سعد تفتازانی کے کلام سے بھی یہی واضح ہے۔ چنانچہ ان کا ارشاد ہے کہ مرد ہونے کے علاوہ عقل وفہم اور قوت رائے میں کامل ہونا نبوت کی شرائط سے ہے اگرچہ یہ اوصاف بچپن ہی میں کیوں نہ حاصل ہوں جیسے حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰی علیہما السلام کو حاصل ہوئے (یعنی بلوغ شرط نہیں) (الٰی) علامہ الوسی فرماتے ہیں میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ بلوغ' بعثت کے لیئے ضروری ہے (یعنی الاماشاء اللہ) مگر نفس نبوت (نبی ہونے کے لیئے) شرط نہیں (روح المعانی' جلد۱۳' صفحہ ۱۹' طبع ملتان)۔

خلاصہ یہ کہ "لم یبعث نبی الابعدالاربعین" کے کلیہ ہونے کو کئی محققین اور علماء شان نے چیلنج فرمایا ہے۔ پس معترض کا اسے اس طرح سے لانا کہ جیسے یہ کوئی متفق علیہ امر ہو اس کی کمال دیانت داری ہے۔

علاوہ ازیں معترض صاحب خود بھی لکھ چکے ہیں کہ "حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰی علیہما السلام کا معاملہ قرآن اور احادیث سے صراحتہً ثابت ہے"۔ (تحقیقات' صفحہ ۴۳)۔ جس سے بقلم خود اس کے کلیہ ہونے کی حیثیت مخدوش ہوجاتی ہے ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

جواب نمبر۵:

اس سے قطع نظر ان عبارات میں بیان کردہ کلیہ کا مأخذ روایت "ما من نبی نبیٔ الا بعد الاربعین" ہی ہے جس کا موضوع ومن گھڑت ہونا ابھی ثابت کیا جاچکا ہے پس جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کی گئی استدلال کی پوری عمارت خود بخود منہدم اور زمین بوس ہوگئی۔ مبارک ہو۔

جواب نمبر۶:

اس سے بھی قطع نظر برتقدیر تسلیم ثبوت وصحت ان میں مذکور "نبوت" سے مراد بعثت ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں۔ نبوت بمعنی بعثت کی باحوالہ تفصیل مغالطہ نمبر ۱۹ کے ردّ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ پہلے سے نبی

ہونے کا ثبوت بھی باب ہشتم میں ہر نبی کے پیدائشی نبی ہونے کی بحث میں گزر چکا ہے۔

جواب نمبر ۷:

یہ عبارات خصوصیت کے ساتھ حضور سیّد عالم ﷺ کے بارے میں انہیں ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ پر ان کا اطلاق کسی طرح نہیں ہوسکتا۔

برتقدیر تسلیم بھی آپ ﷺ قطعی طور پر اس سے مستثنیٰ ہیں جس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ صریح ارشاد ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد ''نیز تصریحات اجلّہ ائمہ وعلماء شان ''وُلِدَ نَبِیاً'' اور لَمْ یَزَلْ نَبِیاً وغیر ہا ہیں جس کی مکمل باحوالہ تفصیل باب ہشتم میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جن میں سے علماء فہامہ علی القاری علیہ الرحمۃ الباری کی اس سلسلہ کی ایک دوٹوک عبارت لائق مطالعہ' قابل دید اور واجب الحفظ ہے جو یہ ہے: ''ان اعطاء النبوۃ فی سن الاربعین غالب العادۃ الا لٰهیۃ وعیسٰی ویحییٰ علیھما السلام خصا بھذ ہ ا لمرتبۃ الجلیلۃ کما ان نبینا ﷺ خص بما ورد عنہ من قولہ کنت نبیا وان آدم لمنجدل بین الماء والطین ''۔ یعنی عام روٹین یہی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو منصب نبوت پر اس وقت فائز فرمایا جب ان کی عمریں چالیس چالیس برس ہوئیں لیکن حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام نیز ہمارے نبی ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں اور اس عموم میں شامل نہیں ہیں کیونکہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام بچپن میں اور ہمارے آقا ﷺ اس وقت اس مرتبہ جلیلہ پر فائز فرمائے گئے جس کا بیان آپ کے اس ارشاد مبارک میں ہے کہ ''میں نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں تھے۔

ملاحظہ ہو۔ (شرح الشفاء' جلد ۱' صفحہ ۷۵۴' برہامش' نسیم الریاض' جلد اوّل' طبع ملتان)۔

''وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ آتَیْنَاہُ حُکْمًاوَّ عِلْماً'' سے اشکال کا حل:

حضرت سیّدنا یوسف علیہ السلام کے بچپن شریف یا بعد بلوغ اور قبل از چالیس سال کی عمر شریف میں آپ کی نبوت کے قائلین پر غیر قائلین کی طرف سے سورۂ یوسف کی اس آیت کریمہ کے حوالہ سے اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولما بلغ اشدہ الخ جس کا ترجمہ وہ یہ کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر چالیس برس کی ہوئی تو ہم نے انہیں نبوّت عطا فرمائی۔ (پ ۱۲' آیت ۲۲)۔

الجواب:

جس کا جواب کئی طرح سے ہے' تفصیل حسبِ ذیل ہے:

اولاً: قرآن مجید میں بعینہٖ یہی مضمون حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی وارد ہے جس میں ''بَلَغَ

اَشُدَّہٗ'' کے ساتھ ''و استوٰی'' کے لفظ مزید ہیں جس کا فائدہ بعض علماء محققین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف اس وقت چالیس سال تھی جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت چالیس سال سے کم عمر کے تھے جس سے ان حضرات کا' حضرت یوسف علیہ السلام کے اس وقت چالیس سال کی عمر کے ہونے کا استدلال کم از کم ان علماء کے نزدیک صحیح نہیں رہتا' بعض حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

چنانچہ علامہ نیشا پوری اس بارے میں لکھتے ہیں: ''فلعل یوسف علیہ السلام اعطی النبوۃ فی سن النمو واعطی موسیٰ علیہ السلام ایا ھا فی سنّ الوقوف'' یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں صرف ''بَلَغَ اَشُدَّہٗ'' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیۓ واستویٰ کی مزید قید ہونے کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوّت کا اعطاء (ظہور) ''سن نمو'' میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت کا اعطاء (ظہور) سن وقوف'' میں ہوا۔ (تفسیر نیشا پوری' جلد۱۰' صفحہ۵۱)

علامہ اسمٰعیل حقی نے لکھا ہے: ''واستویٰ (الی) وکمل بان بلغ اربعین سنۃ (الی) وفی یوسف علیہ السلام اشدہ فحسب لانہ اوحی الیہ فی صباہ حین کونہ فی البئر و موسیٰ علیہ السلام اوحی الیہ بعد اربعین سنۃ'' حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق صرف ''بلغ اشدہ'' ہے کیونکہ انہیں ان کی بچپن کی عمر میں وحی فرمائی گئی جب کہ آپ کنویں میں تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ''واستویٰ'' کے الفاظ ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کو جب وحی کی گئی تو آپ کمال شباب کو پہنچے ہوئے تھے یعنی اس وقت آپ کی چالیس سال کی عمر شریف تھی۔ (روح البیان' جلد۶' صفحہ۳۸۸)۔

علامہ شیخ سلیمان الجمل ارقام فرماتے ہیں: ''ولم یقل ھنا ''واستویٰ'' کما قال فی شان موسٰی علیہ السلام فی سورۃ القصص لان موسٰی علیہ السلام کان قد بلغ اربعین سنۃ وھی مدۃ النبوۃ فقد استویٰ وتھیأ لحمل اسرار النبوۃ واما یوسف علیہ السلام فلم یکن اذ ذاك قدبلغ ھذا السن'' یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق ''واستویٰ'' کے لفظ نہیں آئے جیسا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے بارے میں سورۂ قصص میں آئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کی عمر اس وقت چالیس سال ہو چکی تھی جو کہ ظہورِ نبوّت کی مدت ہے۔ پس معنٰی یہ ہوگا کہ آپ منصب نبوّت پر جلوہ فگن ہونے کے وقت کمال شباب پر تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت اس عمر (چالیس) سال کے نہ ہوئے تھے۔ (حاشیۃ الجمل علی الجلالین' جلد۲' صفحہ۴۴۳)۔

معلوم ہوا کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کی چالیس سال عمر ہونا ان علماء کے نزدیک محل نظر ہے۔

رہے علامہ جمل کے یہ الفاظ کہ وھی مدۃ النبوۃ؟ تو ان کی توجیہ روایت ''ما من نبی الانبیٔ

بعد الاربعین " کی بحث میں گزر چکی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ " اشد " کے الفاظ کا چالیس سال کی عمر کا معنٰی دینے کے لیۓ ہونا بھی صحیح نہیں۔ تفصیل اگلے جواب میں آ رہی ہے۔

الجواب ثانیا: لفظ "اَشُدَّ " کے معنٰی اور مفہوم کی تعیین میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال وآراء پائے جاتے ہیں اور علماء تفسیر کا اس میں شدید اختلاف ہے۔

لفظ اشُدّ کا بنیادی اور مرکزی معنٰی:

چنانچہ علماء تفسیر نے اس کا بنیادی اور مرکزی معنٰی یہ لکھا ہے۔

چنانچہ تفسیر بیضاوی (جلد۷ صفحہ ۲۸۵) روح المعانی (جلد۱۱ صفحہ ۵۱) اور مظہری (جلد۷ صفحہ ۱۵۰) میں ہے:

"یعنی مبلغہ الذی لایزید علیه نشؤہ" یعنی جب عمر کے اس حصہ میں پہنچے جب جسم کی نشوونما رک جاتی ہے الخ۔ نیز بیضاوی (جلد۱ صفحہ ۱۵۹) میں ہے: "منتھی اشتداد جسمہٖ وقوته"۔

تفسیر طبری (جلد۷ صفحہ ۱۰۵) میں ہے: "ولما بلغ منتھیٰ شدته وقوته فی شبابه نیز اسی (کے جلد۸ صفحہ ۲۸) میں ہے "کان ابی یقول الاشد الجلد " یعنی حضرت ابی فرماتے تھے اشد کا معنی ہے قوی اور مضبوط۔

خازن (جلد۳ صفحہ ۱۱) میں ہے "اشدہ یعنی منتھی شبابه وشدته وقوته"۔

تفسیر مدارک التنزیل (جلد۳ صفحہ ۱۱) میں ہے: منتھی استعداد قوته

تفسیر ابن کثیر (جلد۲ صفحہ ۴۸۴) میں ہے: ای استکمل عقله وتمّ خلقه

تفسیر روح البیان (جلد۶ صفحہ ۳۸۸) میں ہے:

اشد ای قوته حسینی (صفحہ ۵۰۶) میں ہے: وآں ہنگام کہ رسید یوسف علیہ السلام بقوۃ خود"۔

نیز اسی میں (صفحہ ۷۶۵ پر) ہے: وآں ہنگام کہ رسید موسٰی بغایت قوت خود وکمال جوانی۔

کنز الایمان شریف (صفحہ ۳۵۴) میں ہے: اور جب اپنی پوری قوت کو پہنچا۔

اسی میں (۵۷۸ پر) ہے: اور جب اپنی جوانی پر پہنچا اور پورے زور پر آیا۔

خزائن العرفان (صفحہ ۳۵۴) میں ہے: "شباب اپنی نہایت پر آیا"۔

ضیاء القرآن (جلد۲ صفحہ ۲۱۹) میں ہے: "عمر کا وہ حصہ جس میں انسان کی جسمانی اور عقلی قوتیں پوری طرح نشوونما پالیتی ہیں، اسے اَشُدّ کہتے ہیں"۔

ان حوالہ جات کی رُو سے اَشُد کا خلاصۂ معنٰی نکلا "انسان کے جسم اور قوٰی کی قوّت وطاقت اور مضبوطی

کا زمانہ"۔

اطلاق اَشُدّ کے متعلق بیس مختلف اقوال:

رہا یہ کہ (لفظ اَشُدّ) اس کا اطلاق عمر کے کس حصہ پر ہوتا ہے؟ تو کتب تفسیر وغیرہ میں سرسری نظر سے اس کے متعلق بیس مختلف اقوال سامنے آئے ہیں تفصیل حسبِ ذیل ہے:

قول نمبر۱: بلوغ — تفسیر خازن (جلد۳ صفحہ۱۱) تفسیر بغوی جلد۲ صفحہ۱۴۷ مظہری (جلد۵ صفحہ۱۵۱) میں ہے: "وسئل مالك عن الاشد فقال هو الحلم"۔

قرطبی (صفحہ۱۰۷ پ۱۲) میں ہے: "وقال ربیعة بن زید بن اسلم ومالك بن النس الاشد بلوغ الحلم"۔

تفسیر ابن کثیر (جلد۲ صفحہ۴۸۵) میں ہے: وقال الامام مالك وربیعة بن زید اسلم والشعبی الاشد الحلم"۔

تفسیر البحر المحیط (جلد۵ صفحہ۲۹۲) میں بحوالہ شعبی وربیعہ ہے۔ بلوغ الحلمؒ"۔

خلاصۂ عبارات یہ کہ امام شعبی، امام مالک اور ربیعہ رحمہم اللہ کے حسبِ قول اَشُدّ سے مراد زمانۂ بلوغ یعنی جوانی کا آغاز ہے۔

علامہ قرطبی مالکی فرماتے ہیں: "وقول ربیعة ومالك انه الحلم اولٰی ماقیل فیه لقوله تعالٰی "حتی اذا بلغوا النکاح" یعنی ربیعہ اور امام مالک کا یہ قول کہ اَشُدّ سے مراد بلوغ ہے اس بارے میں کئے گئے تمام اقوال سے اولیٰ ہے جس کی تائید اللہ تعالیٰ کے ارشاد "حتی اذا بلغوا النکاح" سے ہوتی ہے (یہاں تک کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائیں)۔

قول نمبر۲: سنّ شباب — تفسیر بیضاوی (جلد۱ صفحہ۱۵۹) میں ہے: "وقیل سن الشباب ومبدؤه الحلم" یعنی اَشُدّ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ سن شباب ہے جو بلوغ سے شروع ہوتا ہے۔

قول نمبر۳: اٹھارہ سال کی عمر — تفسیر مدارک (جلد۲ صفحہ۱۶۷) میں ہے: "وهو ثمان عشرة سنة"۔

نیشاپوری (جلد۷ صفحہ۱۲۰) میں ہے قیل فی الاشد ثمان عشرة سنة۔

حسینی صفحہ ۵۰۶ میں ہے: بہ ہژدہ سالگی۔ تفسیر ابن کثیر (جلد۲ صفحہ۴۸۵) میں ہے: وقال سعید بن جبیر ثمان عشرة سنة۔ اسی طرح البحر المحیط (جلد۵ صفحہ۲۹۲) میں بروایت عکرمہ عن ابن عباس مرقوم ہے۔

خلاصہ یہ کہ تلمیذ ابن عباس حضرت سعید بن جبیر اور ایک روایت کے مطابق خود حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ اَشُدّ اٹھارہ سال کی عمر کا نام ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

قول نمبر۴: بیس سال کی عمر ـــ تفسیر نیشاپوری (جلد ۷ صفحہ ۱۲۰) میں ہے: "قیل فی الاشد (الی) وعشرون"۔

تفسیر حسینی صفحہ ۵۰۶ میں ہے: یا بست سالگی"۔

تفسیر طبری (جلد ۷ صفحہ ۱۰۵) بغوی (جلد ۲ صفحہ ۴۱۷) خازن (جلد ۳ صفحہ ۱۱)

البحر المحیط (جلد ۵ صفحہ ۲۹۲) تفسیر ابن کثیر (جلد ۲ صفحہ ۴۸۵) روح المعانی (جلد ۷ صفحہ ۲۰۹) اور تفسیر مظہری (جلد ۵ صفحہ ۱۵۱) میں ہے: "وقال الضحاك عشرون سنة"۔

خزائن العرفان صفحہ ۳۵۴ میں ہے: اور عمر شریف بقول ضحاک بیس سال کی (تھی)۔

خلاصہ یہ کہ ضحاک کے قول میں اَشُدّ بیس سال کی عمر کو کہا جاتا ہے۔

قول نمبر۵: اکیس سال کی عمر ـــ تفسیر مدارک (جلد ۲ صفحہ ۱۶۷) میں ہے: "اواحدی و عشرون"

روح المعانی (جلد ۷ صفحہ ۲۰۹) میں اس کے متعلق ہے: "عن مجاهد وقتادة ورواه ابن جبير عن ابن عباس" یعنی اکیس کا قول امام مجاہد اور قتادہ سے منقول ہے نیز حضرت سعید بن جبیر نے اسے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

یہی مضمون البحر المحیط (جلد ۵ صفحہ ۲۹۲) میں بھی بحوالہ حضرت ابن عباس و امام مجاہد و قتادہ لکھا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اَشُدّ کے معنٰی میں اکیس سال کی عمر کا قول بھی ہے جو مذکورہ تین حضرات سے مروی ہے۔

قول نمبر۶: تیس سال کی عمر ـــ جلالین (مع الجمل جلد ۲ صفحہ ۴۴۳ جلد ۳ صفحہ ۳۳۹) میں ہے: "اشده وهو ثلثون سنة"۔

بغوی (جلد ۲ صفحہ ۴۱۷) خازن (جلد ۳ صفحہ ۱۱) ابن کثیر (جلد ۲ صفحہ ۴۸۵) اور مظہری (جلد ۵ صفحہ ۱۵۱) میں ہے: "وقال السدی ثلثون سنة"۔

خزائن العرفان صفحہ ۳۵۳ میں ہے: "بقول سدّی تین سال"۔

البحر المحیط (جلد ۵ صفحہ ۲۹۲) اور روح المعانی (جلد ۷ صفحہ ۲۰۹) میں یہ قول امام مجاہد قتادہ اور حضرت ابن عباس کی نسبت سے لکھا ہے۔

البحر المحیط جلد ۵ صفحہ ۲۹۲ میں ہے: اشتراه العزيز وهو ابن سبع عشرة سنة واقام فی منزله

ثلث عشرة سنة واستوزره الريان بن الوليد وهو ابن ثلثين سنة وآتاه الله الحكم والعلم وهو ابن ثلث و ثلثين سنة وتوفى وهو ابن مائة وعشرين سنة" اھ۔

خلاصہ یہ کہ سدّی کے قول میں اَشُــدّ سے مراد تیس سال کی عمر ہے۔اس کی ایک روایت حضرت ابن عباس، امام مجاہد اور قتادہ سے بھی ہے۔

قول نمبر۷: تیس سال سے کچھ اوپر کی عمر — تفسیر طبری (جلد۷ صفحہ ۱۰۵) اور ابن کثیر (جلد۲ صفحہ ۴۸۵) میں ہے: وعن ابن عباس "بضع و ثلثون"۔

نیز البحر المحیط (جلد۵ صفحہ۲۹۲) میں اس طرح ہے: عن ابن عباس ولما بلغ اشده قال بضعا وثلثين سنة"۔

خزائن العرفان (صفحہ ۳۱) میں ہے: "عمر شریف تیس سال سے زیادہ ہوگئ" یعنی ایک قول تیس سال سے کچھ اوپر کی عمر کا بھی ہے اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

قول نمبر۸: تینتیس سال کی عمر — تفسیر جلالین (مع الجمل، جلد۲ صفحہ۴۴۳) میں ہے: "وهو ثلثون سنة او ثلث"۔

تفسیر نیشاپوری (جلد۷ صفحہ۱۲۰) میں ہے: "قيل فى الاشد (الى) وثلث وثلثون"۔

تفسیر خازن (جلد۷ صفحہ۱۱) میں ہے: "قال مجاهد ثلثة وثلثون سنة"۔

تفسیر خازن (جلد۳ صفحہ۱۱) میں ہے: "قال مجاهد ثلثه وثلثون سنة"۔

حاشیہ الشہاب علی البیضاوی (جلد۷ صفحہ۲۸۵) میں ہے: "عن مجاهد ان بلوغ الاشد فى ثلث و ثلثين"۔

تفسیر بغوی (جلد۳ صفحہ۴۳۸) اور تفسیر مظہری (جلد۷ صفحہ۱۵۰) میں ہے: "وقال مجاهد وغيره ثلث وثلثون سنة"۔ نیز بغوی (جلد۲ صفحہ۴۱۷)، مظہری (جلد۵ صفحہ۱۵۱) طبری (جلد۷ صفحہ۱۰۵) اور قرطبی (پ ۱۲ صفحہ۱۰۷) میں ہے: "قال مجاهد وقتادة الاشد ثلث وثلثون سنة"۔ روح المعانی (جلد۱۱ صفحہ۵۱) میں بحوالہ عبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم امام مجاہد سے مرقوم ہے: "الاشد ثلث و ثلثون سنة"۔

نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے: "وهى رواية عن ابن عباس ايضاً وروى نحوه عن قتادة"۔

نیز اسی (کے جلد۷ صفحہ۲۰۹) میں ہے: "وعن مجاهد وقتادة وروى ابن جبير عن ابن عباس انه ثلثة و ثلثون"۔

ابن کثیر (جلد۴ صفحہ ۲۸۵) میں ہے: ''فقال ابن عباس و مجاهد و قتادة ثلث و ثلثون سنة'' نیز البحر المحیط (جلد۵ صفحہ ۲۹۲) میں بھی امام مجاہد اور قتادہ اور حضرت ابن عباس کی نسبت سے یہ قول لکھا ہے۔

خلاصۂ عبارات یہ کہ قتادہ امام مجاہد اور حضرت ابن عباس سے اس بارے میں تینتیس سال کی عمر کا قول بھی منقول ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اما التفسیر فروی ابن جریج عن مجاهد عن ابن عباس ولما بلغ اشده قال ثلثا و ثلثین واقول هذه الرواية شديدة الانطباق على القوانين الطبية'' یعنی ولما بلغ اشده کی تفسیر حسب روایت ابن جریج عن مجاہد عن ابن عباس یہ ہے کہ اشد سے مراد تینتیس سال کی عمر ہے اور یہ روایت قوانین طبیہ کے بالکل عین مطابق ہے۔

ملاحظہ ہو (تفسیر کبیر پ۱۲ صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱ طبع ایران)۔

قول نمبر۹: پینتیس سال کی عمر — تفسیر ابن کثیر (جلد۲ صفحہ ۲۸۵) میں ہے: ''وقال عكرمة خمس و عشرون سنة''۔ یعنی تلمیذ حضرت ابن عباس عکرمہ (بربری) نے کہا کہ اَشُدّ کا مطلب ہے پینتیس سال کی عمر۔

قول نمبر۱۰: اڑتیس سال کی عمر — البحر المحیط (جلد۵ صفحہ ۲۹۲) اور روح المعانی (جلد۷ صفحہ ۲۰۹) میں ابن قتیبہ کے حوالہ سے حکایۃً لکھا ہے کہ اشد اڑتیس سال کی عمر کو کہتے ہیں (ملخّصاً)۔

قول نمبر۱۱: چالیس سال کی عمر — تفسیر طبری (جلد۷ صفحہ ۱۰۵) میں ہے: ''وقیل اربعین''۔

حسینی (صفحہ ۶۵) میں ہے: ''یا چہل سالگی''۔

تفسیر ابن کثیر (جلد۲ صفحہ ۴۸۵)، البحر المحیط (جلد۵ صفحہ ۲۹۲) اور روح المعانی (جلد۷ صفحہ ۲۰۹) میں ہے: ''وقال الحسن اربعون سنة''۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے قول میں اَشُدّ چالیس سال کی عمر ہے۔

علامہ الوسی لکھتے ہیں: ''واختار بعضهم هذا وعلل بان ذلك لموافقته لقوله تعالى حتى اذا بلغ اشده وبلغ اربعين سنة لانه يشير بانه منته الى الاربعين وهى سن الوقوف'' خلاصہ یہ کہ بعض علماء نے اشد کو چالیس سال کے معنیٰ میں لیا اور وجہ یہ بتائی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''حتى اذا بلغ اشده وبلغ اربعين سنة'' سے مؤید ہے کیونکہ اس میں چالیس سال کی عمر اور کمال نشو ونما تک پہنچانے کے حوالہ سے احسان جتلایا گیا ہے۔ (روح المعانی، جلد۱۱ صفحہ ۵۱)۔

امام رازی فرماتے ہیں: ''فلھذا السرّ اختار اللہ تعالٰی ھذا السن للوحی ''۔یعنی چونکہ چالیس سال کی عمر کمال قوت کا زمانہ ہے اس لیے بعثت کے لیے اللہ تعالٰی نے عمر کے اسی حصے کا انتخاب فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔(تفسیر کبیر' جلد صفحہ ۲۳۲)

قول نمبر۱۲: بلوغ تا چونتیس سال کا عرصہ ــــ قرطبی (جلد۷' صفحہ ۱۷۱) میں ہے: ''فان ذالك اوّل الاشد واقصاہ اربع وثلثون سنة وھو قول سفیان الثوری ''یعنی امام سفیان ثوری ﷺ کا قول یہ ہے کہ بلوغ 'اشد کا ابتدائی اور چونتیس برس اس کا انتہائی حصہ ہے۔

قول نمبر۱۳: سترہ ۱۷ تا تقریباً چالیس ۴۰ سال کا عرصہ ــــ البحر المحیط (جلد۵' صفحہ ۲۹۲) اور روح المعانی (جلد۷' صفحہ ۲۰۹) میں ہے: ''قال الزجاج ھو سبعة عشر عاما الی نحو الاربعین ''یعنی زجاج کا قول یہ ہے کہ سترہ سال کی عمر سے لے کر چالیس سال کے لگ بھگ کی عمر کا نام اَشُد ہے۔

قول نمبر۱۴: تقریباً سترہ سال سے پورے چالیس سال کا عرصہ ــــ عنایۃ القاضی (جلد۷' صفحہ ۳۸۵) اور روح المعانی (جلد۱۱' صفحہ ۵۱) میں ہے: ''وقال الزجاج ھو من نحو سبعة عشر سنة الی الاربعین ''یعنی زجاج کا قول اس طرح آیا ہے کہ سترہ سال کے لگ بھگ کی عمر سے پورے چالیس سال کی عمر اشد ہے۔

قول نمبر۱۵: اٹھارہ سے تیس سال کا عرصہ ــــ روح البیان (جلد۶' صفحہ ۳۸۸) میں ہے: ''وھو مابین ثمانی عشرة سنة الی ثلثین ''۔

بغوی (جلد۲' صفحہ ۴۱۷' جلد۳' صفحہ ۴۳۸)' خازن (جلد۳' صفحہ ۱۱) اور مظہری (جلد۵' صفحہ ۱۵۱' جلد۷' صفحہ ۱۵۰) میں ہے: ''قال الکلبی الاشد ما بین ثمان عشرة سنة الی ثلثین سنة''۔

خزائن العرفان (صفحہ ۳۵۴) میں ہے: ''اور بقول کلبی اٹھارہ اور تیس سال کے درمیان ہوئی''۔
تنویر المقیاس (صفحہ ۱۹۵) میں ہے: ''والاشد من ثمان عشرة سنة الی ثلثین سنة ''۔نیشاپوری (جلد۱۰' صفحہ ۳۰) اور حاشیۃ الشہاب (جلد۷' صفحہ ۲۸۵) میں ہے: ''وعن ابن عباس رضی اللہ عنھما ان الاشد ما بین ثمانی عشرة الی ثلثین ''۔روح المعانی (جلد۱۱' صفحہ ۵۱) میں اس کا مأخذ اس طرح لکھا ہے: ''ابن ابی الدنیا من طریق الکلبی عن ابی صالح''۔

خلاصہ یہ کہ کلبی کے قول میں اَشُد' اٹھارہ برس سے تیس برس تک کے عرصہ کا نام ہے۔حضرت ابن عباس سے بھی ایک روایت میں اسی طرح وارد ہے۔

علامہ محبّ طبری اس کے متعلق فرماتے ہیں: ''من وجه غير مرضى عن ابن عباس ''۔یعنی حضرت ابن عباس کی اس روایت کی سند ناپسندیدہ ہے۔(تفسیر طبری جلد ۷ صفحہ ۱۰۵)۔

امام فخر الدین رازی نے اس کی توثیق کرتے ہوئے لکھا ہے: ''وهذا الذى قاله ابن عباس رضى الله عنهما حق ''یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یونہی فرمایا ہے جو بالکل صحیح اور مطابق واقعہ ہے۔(تفسیر کبیر صفحہ ۲۳۲ پ ۱۲)۔

قول نمبر ۱۶: اٹھارہ سال سے چالیس سال کا عرصہ — طبری (جلد ۷ صفحہ ۱۰۵) میں ہے: ''وذلك فيما فين ثمانى عشرة سنة الى ستين سنة وقيل اربعين سنة ''یعنی ایک قول کے مطابق اشد اٹھارہ سال سے چالیس سال تک کے عرصہ کا نام ہے۔

قول نمبر ۱۷: اٹھارہ سال سے ساٹھ سال کا عرصہ — طبری (جلد ۷ صفحہ ۱۰۵) میں ہے: ''وذلك فيما بين ثمانى عشرة سنة الى ستين سنة''۔یعنی اشد اٹھارہ سال سے ساٹھ سال تک کی عمر کا نام ہے۔

البحر المحیط (جلد ۵ صفحہ ۲۹۲) میں لکھا ہے کہ اسے عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے

قول نمبر ۱۸: تیس سال سے چالیس سال کا عرصہ — بیضاوی (جلد ۱ صفحہ ۱۵۹) میں ہے: ''وهو سن الوقوف ما بين الثلثين الى الاربعين ''نیز اسی میں ہے: ''وذلك من ثلثين الى اربعين سنة فان العقل حينئذ يكمل'' (بیضاوی مع الشہاب جلد ۷ صفحہ ۲۸۵)۔

حسینی (صفحہ ۵۰۶) میں ہے ''وگویند میان سی وچہل' روح المعانی (جلد ۷ صفحہ ۲۰۹) میں ہے: ''ما بين الثلثين والاربعين ''نیز جلد ۱۱ صفحہ ۱۵ نحوہ۔

نیز حاشیۃ الشہاب میں زجاج کے حوالہ سے ہے: ''وقال مرة هو ما بين الثلثين والاربعين''۔

ضیاء القرآن (جلد ۲ صفحہ ۲۱۹) میں ہے: حکماء کے نزدیک یہ تیس اور چالیس سال کے درمیان عرصہ کا نام ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک روایت کے مطابق زجاج کے قول میں نیز حکماء کے حسب نظریہ اَشُد تیس اور چالیس سال کے درمیانی عرصہ کو کہتے ہیں۔

قول نمبر ۱۹: پینتیس سال سے چالیس سال تک کا عرصہ — تفسیر روح المعانی (جلد ۷ صفحہ ۲۰۹) اور البحر المحیط (جلد ۵ صفحہ ۲۹۲) میں قاضی نحوی مہذب الدین جیمی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا: ''هو خمس وثلثون وتمامة اربعون ''یعنی اَشُد پینتیس سے چالیس سال کے مکمل ہونے تک کے عرصہ کا نام ہے۔

قول نمبر۴: چالیس۴ سال تا باسٹھ سال کی عمر— تفسیر نیشاپوری (جلد۷ صفحہ۱۲۰) میں اشد کے معنی میں ایک قول یہ لکھا ہے کہ ''واربعون الی ثنتین و ستین''۔

البحر المحیط (جلد۵ صفحہ۲۹۲) میں ہے: ''وقیل اقصاہ اثنان وستون''۔

روح المعانی (جلد۷ صفحہ۲۰۹) میں ہے: ''وقیل اقصی الاشد اثنان وستون''۔

خلاصۂ عبارات یہ کہ ایک قول میں اَشُد نام ہے چالیس سال سے باسٹھ سال کی عمر کا۔

وجہ اختلاف اقوال دعا کمۂ علامہ طبری خفاجی آلوسی:

محققین نے فرمایا کہ لفظ اشــد کا اصل معنی ''زمانہ قوت وطاقت'' ہی ہے اور چونکہ وہ علاقہ' ماحول اور ذاتی کیفیات کے مختلف ہونے کے باعث آدمی کی زندگی کے مختلف حصوں میں ہوتا ہے اس لیۓ علماء شان کے اس کے متعلق' مختلف اقوال آئے ہیں یعنی ان میں سے ہر ایک نے انہی امور کو مدنظر رکھ کر کلام فرمایا ہے۔ پس درحقیقت ان میں کسی کا تعارض اور تصادم نہیں ہے۔ بعض نقول ملاحظہ ہوں۔

چنانچہ امام علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں: ''اولی الاقوال فی ذلک بالصواب الاشد ھوانتھاء قوتہ وشبابہ وجائز ان یکون ۱۸' ۲۰' ۳۳ و لا دلالۃ فی کتاب اللہ ولا اثر عن رسول اللہ ﷺ ولا فی اجماع الامۃ علی ایّ ذلک ''یعنی لفظ اشد کے معنی میں آمدہ تمام اقوال میں وہ قول جو صحیح قرار دیۓ جانے کا سب سے زیادہ مستحق ہے یہ ہے کہ اشد' کمال قوت اور کمال جوانی کے زمانہ کا نام ہے جو مثلاً اٹھارہ سال کی عمر میں بھی ہوسکتا ہے۔ نیز بیس اور تینتیس سال کی عمر میں بھی ہوسکتا ہے۔ جس کے کسی حصہ کی کوئی پابندی قرآن وسنت اور اجماع میں سے کسی سے ثابت نہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (طبری جلد۷ صفحہ۱۰۵'۱۰۶)

نیز علامہ شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں: ''ان اصل معناہ القوۃ دون تعیین وھی مختلف باختلاف الا قالیم والاعصار والاحوال ''یعنی اس کا اصل معنی ''قوۃ'' ہے جس میں اس کے کسی حصہ کی تخصیص نہیں ہے جو علاقوں' زمانوں اور ماحولیات کے مختلف ہونے کے باعث مختلف ہوتی ہے۔ (حاشیۃ الشہاب' جلد۷ صفحہ۲۸۵)۔

نیز علامہ آلوسی رقم طراز ہیں: ''والحق ان بلوغ الاشد فی الاصل ھو الانتھاء الی حدالقوۃ و ذلک وقت انتھاء النموو غایتہ وھذا مما یختلف باختلاف الا قالیم والا عصار والاقوال ولذا وقع لہ تفاسیر فی کتب اللغۃ والتفسیر (الی) ان ذلک مما یختلف باختلاف الاقالیم والاعصار والاحوال نعم اشتھر ان ذلک فی الاغلب فی سن الاربعین ''یعنی حق یہ ہے کہ اشد کی عمر کو پہنچنے کا اصل

معنی ہے قوت کی حد کو پہنچ جانا جب کہ وہ ایسا وقت ہے کہ جس میں جسمانی نشوونما مکمل ہوجاتی ہے اور وہ علاقوں، زمانوں اور ماحولیات کے مختلف ہونے سے زندگی کے مختلف حصوں میں ہوتا ہے۔ کتب لغت وتفسیر میں اس کے متعلق جو مختلف تشریحات پائی جاتی ہیں، اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ الغرض اشــد کے عمر کے کسی ایک حصہ میں ہونے کی تعیین ثابت نہیں۔ ہاں مشہور یہ ہے کہ وہ عموماً چالیس سال کی عمر میں ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو (روح المعانی، جلد ۱۱، صفحہ ۱۵)۔

خلاصہ یہ کہ ''وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ'' کی بنیاد پر حضرت یوسف علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر شریف میں نبوت کے دیئے جانے کا دعویٰ درست نہیں کیونکہ اس کا دارومدار لفظ اشــد پر ہے۔ جب کہ وہ چالیس سال کا معنی دینے کے لیئے نہیں، اس کی وضع ''زمانۂ قوت وطاقت'' کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیئے ہے جو مزاجوں کے مختلف ہونے کی بناء پر بعد بلوغ مختلف سنین میں پایا جاتا ہے جس کے بارے میں حسب تفصیل مذکور بیس مختلف اقوال وارد ہیں۔ ہاں عموماً اس کا وجود وظہور چالیس سال کی عمر میں دیکھا گیا۔

اس تفصیل سے یہ بات بھی ایک بار پھر واضح ہوگئی کہ جن علماء نے بعثت کے لیے عموماً چالیس کی عمر ہونے کا قول فرمایا ہے۔ ان کے استدلال کی بنیاد اسی لفظ اشد پر ہے۔ یعنی کچھ علماء نے اَشُد کا عموماً چالیس سال کی عمر میں ہونا ذکر کیا پھر اسے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق دیکھ کر یہ کہہ دیا گیا کہ آپ کو بھی نبوت اسی چالیس سال کی عمر میں ملی۔ پھر اَشُــد کے عموماً چالیس سال کی عمر میں ہونے کو نبوت کے چالیس سال کی عمر میں ہونے سے بدل دیا گیا اور یہی مشہور ہوگیا کہ نبوت کے ملنے کی عمر چالیس سال ہے۔ پھر دھڑا دھڑ نقل ہوئی اور کتابوں میں اس کے ابنار لگ گئے اور اسے ایک مستقل قانون اور مکمل ضابطۂ حیات کا درجہ حاصل ہوگیا جب کہ یہ فی الحقیقت بے اصل بات ہے کیونکہ درحقیقت اس کا تعلق نبوت سے نہیں بلکہ لفظ اشد سے ہے کہ وہ کس عمر میں ہوتا ہے اور بر سبیل تنزل وہ صرف ایک فرد واحد حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق ہے جسے قاعدہ کا درجہ دینا کسی طرح صحیح نہیں اور یہ سب محض عدم داعیہ اور عدم ضرورت کے وجہ سے سرسری مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

رہا اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا چالیس سال والا قول جو اقوال کی فہرست میں قول نمبر ۱۱ کے زیر عنوان ابھی باحوالہ گزرا ہے؟ تو اس کا تعلق بھی لفظ اَشُد کے مفہوم کے بیان سے ہے۔ نبوت یوسف علیہ السلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یعنی اس کا یہ مطلب ہے کہ اشد چالیس سال کی عمر کا نام ہے، یہ نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت امام حسن بصری، حضرت یوسف علیہ السلام کے شروع سے نبی ہونے کے قائل ہیں۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں: ’’وقال الحسن انه كان نبيا من الوقت الذی قال الله تعالٰی و اوحینا الیه لتنبئنهم بامرهم هذا وما كان رسولا ثم انه صاررسولا من هذا الوقت اعنی قوله ولما بلغ اشده آتيناه حكما و علما ‘‘یعنی امام حسن بصری ﷺ نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ وحی فرمائی تھی ’’و اوحينا اليه لتنبئنهم بامرهم هذا‘‘ آپ اس وقت نبی تھے رسول نہ تھے یعنی اس وقت انہیں حکم تبلیغ نہ ہوا تھا۔ پھر اس وقت رسول ہوئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولما بلغ اشدہ الخ۔

ملاحظہ ہو۔ (تفسیر کبیر، پ ۱۲، صفحہ ۱۱۰، طبع ایران)۔

ہمارے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابن کثیر وغیرہ کا مذکورہ بالا (پیش کیے گئے) تمام اقوال کو اَشُد کا معنی قرار دینے کی بجائے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت کے عطا کیے جانے کا سن بتانا، تسامح ہے حیث قال وقد اختلف فی مقدارالمدة التی بلغ فيها اشده فقال ابن عباس و مجاهد وقتادة ثلثون سنة وعن ابن عباس بضع وثلثون وقال الضحاك عشرون وقال الحسن اربعون وقال عكرمه خمس وعشرون سنة وقال السدی ثلثون سنة وقال سعيد بن جبير ثمان عشرة سنة وقال الامام مالك و ربيعة بن زيد بن اسلم والشعبی الاشد الحلم وقيل غير ذلك‘‘۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، صفحہ ۴۸۵)۔

اقول: وجہ تسامح ظاہر ہے کہ ان حضرات نے اپنے ان اقوال میں ’’اشد‘‘ کا معنی بیان کیا ہے یہ نہیں کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کی بیان کردہ ان مدتوں میں نبوت عطا کیے گئے۔

بالفرض اگر ان اقوال کا یہ مطلب مان لیا جائے تو پھر ان میں نبوت سے مراد بعثت اور رسالت ہوگی یعنی حکم تبلیغ انہیں حسبِ اختلاف اقوال مذکورہ مدت میں ملا جیسا کہ یہی معنی حضرت حسن بصری ﷺ کے ارشاد میں مذکور ہے جو ہم بحوالہ کبیر ابھی پیش کر آئے ہیں۔

نیز اس کی وضاحت امام رازی کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے چنانچہ آپ امام حسن بصری کے قول کو لانے کے بعد لکھتے ہیں: ’’ومنهم من قال انه كان رسولا من الوقت الذی القی فی غيابة الجب‘‘ یعنی بعض علماء تفسیر نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اسی وقت سے رسول تھے یعنی آپ کو حکم تبلیغ دے دیا گیا تھا جب آپ کو کنویں میں ڈالا گیا تھا۔ (کبیر پ ۱۲، صفحہ ۱۱۰)۔

اس سے قطع نظر ان اقوال سے آپ کے چالیس سال کی عمر میں نبی بننے کا موقف تو بہر حال غلط ہو

گیا پس معترضین کو ''ولما بلغ اشده'' کی تفسیر سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ خصوصاً جب کہ امام رازی نے اس حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تیتیس سال والے قول کو ترجیح دی اور اسی کو ہی تفسیر کہا ہے۔

وجہ ترجیح واضح ہے کہ اشـــد کی تفسیر قرآن میں نہیں ہے۔ حضور سید عالم ﷺ سے بھی اس بارے میں کچھ منقول نہیں ہے۔ ایسی صورت میں سب سے پہلے اقوال صحابہ کو دیکھا جاتا ہے۔ لہٰذا اصولاً حضرت ابن عباس کا قول ہی راجح قرار پاتا ہے۔ نیز وہ حقائق وقوانین طبیہ کے مطابق بھی ہے جس سے حضرت امام کی تفسیری ژرف نگاہی کا پتہ چلتا ہے۔ فللہ درہ۔ ان کی عبارت ابھی قول نمبر ۸ کے تحت پیش کی جا چکی ہے۔ فليلاحظ ذلك هناك ۔ والحمدلله تعالیٰ ۔

الجواب ثالثاً (حکماً وعلماً سے نبوّت مراد ہونا متفق علیہ نہیں): پیش نظر آیت سے استدلال کے معترضین کو مفید نہ ہونے کی مزید وجہ یہ ہے کہ جواب لـمـا آتيناه حكماً و علماً ''میں حـكـمـاً و علماً سے نبوّت مراد ہونا متفق علیہ نہیں۔ اگرچہ بعض نے نبوت کا قول کیا ہے (لما فی تنویر المقیاس' صفحہ ۱۹۵' بغوی ۲' صفحہ ۴۱۷' خازن ۳' صفحہ ۱۱' مظہری ۵' صفحہ ۱۵۱' ابن کثیر جلد ۲' صفحہ ۴۸۵' وحسینی صفحہ ۵۰۶)۔

بہت سے علماء تفسیر نے حـكـمـاً و علماً سے نبوت مراد نہ ہونے پر صراحتیں کی ہیں بعض حوالہ جات ملاحظہ ہو:

چنانچہ علامہ طبری اس کے تحت لکھتے ہیں: ''اعـطـيـنـاه حـيـنـئـذ الفهم والعلم'' عـن مـجـاهـد حـكـمـاً و علماً قال العقل والعلم قبل النبوة ''یعنی ان الفاظ آیت کا معنٰی یہ ہے کہ جب وہ ''اشد'' کی عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں فہم وعلم عطا فرمایا۔ امام مجاہد نے فرمایا حـكـمـاً و علماً سے مراد بعثت سے پہلے عقل وعلم کا عطا کیا جانا ہے۔ (تفسیر طبری جلد ۷' صفحہ ۱۰۵)۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں: ''حـكـمة و هو العلم مع العمل واجتناب ما يجهل فيه او حكما بيـن الـنـاس وفـقـهـاً ''یعنی آیت ہٰذا میں ''حکما'' سے مراد حکمت ہے یعنی علم مع عمل نیز خلاف علم شمار ہونے والے امور سے اجتناب۔

حکماً سے قوت فیصلہ بھی مراد ہو سکتی ہے' جب کہ 'علماً'' سے مراد فہم وفقہ ہے۔ (مدارک التنزیل' جلد ۲' صفحہ ۱۶۷)

علامہ بیضاوی ارقام فرماتے ہیں: ''آتیـنـاه حـكـمـا حـكـمة وهـو الـعـلم المؤيد بالعمل او حكماً بين الناس ''وعلما'' یعنی تأويل الاحاديث'' یعنی معنی یہ ہے کہ ہم نے انہیں حکمت عطا کی جس

سے مراد ایسا علم ہے جو عمل سے آراستہ ہو۔ یا معنٰی یہ ہے کہ ہم نے انہیں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا ملکہ عطا فرمایا۔ جب کہ ''علماً'' سے مراد خوابوں کی تعبیر کا علم ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تفسیر بیضاوی جلد۱ صفحہ۱۵۹)۔

تفسیر الجلالین میں ہے: ''حکمة و علما'' فقها فی الدین قبل ان یبعث نبیا ''یعنی حکماً سے مراد حکمت اور'' علماً'' سے مراد فقہ فی الدین ہے جو انہیں نبی مبعوث ہونے سے پہلے عطا ہوئیں۔ (جلد۲ مع الجمل، صفحہ۴۴۳)۔

تفسیر الخازن (جلد۳ صفحہ۱۱) بغوی (جلد۲ صفحہ۴۱۷) مظہری (جلد۵ صفحہ۱۵۱) میں ہے: ''وقیل حکما یعنی اصابة فی القول و علما بتأویل الرؤیا ''یعنی ایک قول پر حکماً سے مراد صحیح سمت میں واقع ہونے والا کلام ہے اور علماً سے مراد تعبیر الروٴیا ہے۔ ا

البحر المحیط (جلد۵ صفحہ۲۹۲) میں ہے: ''و آتاہ اللہ الحکمة و العلم و ھو ابن ثلث و ثلثین سنة'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت و علم سے نوازا جب کہ آپ تینتیس برس کے تھے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے: ''ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا''۔ اس کے تحت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں: ''یعنی مصالح دین و دنیا کا علم'' ملاحظہ ہو (کنز الایمان مع خزائن العرفان، صفحہ۵۷۸ مع حاشیہ نمبر۳۲)۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ''ومن قال اوتی النبوة قال لما بلغ اشدہ زدناہ فھماً و علماً'' یعنی جو علماء اس بات کے قائل ہیں کہ آپ بچپن ہی میں نبی مبعوث تھے تو ان کے نزدیک ''آتیناہ حکماً و علماً'' کا معنٰی یہ ہے کہ ہم نے انہیں مزید فہم و علم عطا کیا۔

الغرض آیت ''ولما بلغ اشدہ'' الآیۃ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر شریف میں نبوّت کے عطاء کیئے جانے کی کسی طرح دلیل نہیں ہے کیونکہ لفظ اشد چالیس سال کا معنٰی دینے کے لیئے خاص نہیں جنہوں نے اسے چالیس سال کے معنی میں لیا وہ حضرت کے بچپن میں نبی ہونے کے قائل ہیں۔ نیز ''حکماً و علماً'' سے نبوت مراد ہونا بھی متفق علیہ نہیں۔ والحمد للہ تعالیٰ۔

زمانۂ ظہور علامات حضرت موسٰی کلیم علیہ التحیۃ والتسلیم:

اب اس بحث کا صرف ایک حصہ رہ جاتا ہے جو حضرت موسٰی کلیم علٰی نبینا وعلیہ التسلیم کے متعلق ہے کہ آپ کو نبوّت معترضین کی زبان میں کب عطاء ہوئی اور ہمارے طور پر اس کا ظہور کب ہوا؟

تو اس بارے میں کوئی صریح آیت یا صحیح صریح مرفوع حدیث یا اجماع وارد نہیں ہے جس میں یہ مذکور

ہو کہ آپ علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوّت ملی تھی جیسا کہ معترضین کا دعویٰ ہے۔

اس کی بنیاد بھی حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے متعلق واردشدہ آیت جیسی ایک آیت پر ہے جس میں ''بَلَغَ اَشُدَّہ'' کے ساتھ ''وَاسۡتَوٰی'' کے لفظ مزید ہیں۔حیث قال اللہ تعالیٰ ''ولما بلغ اشدہ واستوی آتینہ حکماً و علماً و کذلك نجزی للمحسنین (القصص نمبر۱۴)۔

اوّل: یہ بھی معترضین کے اس موقف کی کچھ دلیل نہیں کیونکہ اس میں بھی وہی لفظ ''اَشُد'' ہے جس کی مکمل باحوالہ تفصیل ابھی گزری ہے کہ یہ لفظ چالیس سال کا معنیٰ دینے کے لیۓ خاص نہیں بلکہ اس میں مجموعی طور پر کم وبیش بیس مختلف اقوال ہیں۔پس استدلال صحیح نہ رہا۔

رہے ''واستویٰ'' کے الفاظ؟

تو اولاً: عندالبعض ''واستویٰ'' اَشُد کے ہم معنیٰ ہیں جو اَشُدّ کے مضمون کی تاکید کے لیۓ ہے بناءً علیہ اس میں بھی وہی تفصیل ہوگی جو اَشُد کے بارے میں ہے۔

چنانچہ تفسیر کبیر (پ۲۰ صفحہ۲۳۲) اور تفسیر نیشاپوری (جلد۱۰ صفحہ۳۰ واللفظ للثانی) میں ہے: ''قیل بلوغ الاشد والاستواء بمعنی واحد ''یعنی ایک قول پر اشد اور استواء ہم معنیٰ ہیں۔

ثانیاً: جو ان میں فرق کے قائل ہیں ان میں سے بعض کے نزدیک ان دونوں میں کیفیت کے لحاظ سے فرق ہے بناءً علیہ یہ غیر متعلق ہے۔

چنانچہ علامہ الوسی لکھتے ہیں: ''واختلف فی زمان الاشد والاستواء ''یعنی اشد اور استواء عمر کے کس حصہ میں ہوتے ہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔(تفسیر روح المعانی جلد۱۱ صفحہ۵۱)۔

نیز تفسیر کبیر (پ۲۰ صفحہ۲۳۲) نیشاپوری (جلد۲ صفحہ۳۰) میں ہے: ''والاصح انھما متغایران والاشد عبارۃ عن البلوغ والاستواء اشارۃ الی کمال الخلقۃ ''ولفظ الکبیر للاشد کمال القوۃ الجسمانیۃ البدنیۃ و الاستواء کمال القوۃ العقلیۃ نیز کمال القوۃ و کمال البنیۃ ۔ نیز البلوغ و کمال الخلقۃ (ملخصاً) یعنی اصح یہ ہے کہ اشد اور استواء ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔اشد کا تعلق بلوغ اور کمال قوت بدنیہ سے ہے جب کہ استواء کمال قوت عقلیہ سے متعلق ہے۔

البدایہ والنہایہ (جلد۱ صفحہ۳۳۱) میں ہے: ''اشدہ واستویٰ وھو احتکام الخلق والخلق'' یعنی اشد اور استواء خلقاً خلقاً انتہائی مضبوط ہونے کا نام ہے۔

علامہ الوسی ارقام فرماتے ہیں: ''ولعل الاوّل علی ما قیل ان یقال ان بلوغ الاشد عبارۃ عن

البلوغ الذی یتقوی منه بدنه وقواه الجسمانیة وینتهی فیه النمو المعتدبه والاستواء اعتداله عقله وکماله "یعنی حسب بیان علماء شان' کہا جا سکتا ہے کہ اشد کی عمر کو پہنچنے کا مطلب عمر کے اس حصہ میں پہنچنا ہے جس میں بدن اور بدنی قوتیں مضبوط ہو جاتے ہیں اور نشو و نما کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ جب کہ مستوی ہونے کا مطلب' عقل کا اپنے کمال پر پہنچ جانا ہے۔ (روح المعانی' جلد ۱۱' صفحہ ۵۱)۔

الغرض اشد و استواء کی اس مذکورہ تفصیل کے مطابق' عمر کے کسی حصہ کا تعین نہیں ہے پس وہ خارج از بحث ہوا۔

جب کہ فرق کے قائلین میں سے بعض دیگر نے اشد و استواء میں کَمًّا (مدت عمر کے لحاظ سے) فرق کیا ہے اور استویٰ کی مدت کے متعلق ان کا اختلاف ہے۔ کچھ نے اسے چالیس سال کے مفہوم میں لیا ہے۔ چنانچہ تفسیر حسینی فارسی (صفحہ ۷۶۵) میں ہے: "وراست شد و بکمال رسید عقل او در آں سن' مراد اینجا چہل سالگی است"۔

تفسیر روح البیان (جلد ۶' صفحہ ۳۸۸) میں ہے: "واستویٰ (الٰی) وکمل بان بلغ اربعین سنة (الٰی) وموسیٰ علیہ السلام الیه وحی الیه بعداربعین سنة"۔

تفسیر الجلالین (مع جمل جلد ۳' صفحہ ۳۳۹) میں ہے: "واستویٰ ای بلغ اربعین سنة"۔

البدایہ والنہایۃ (جلد' صفحہ) میں ہے: "وهو سن الاربعین فی قول الاکثرین"۔

تفسیر ابن جریر (جلد ۱۰' صفحہ ۲۷) میں قتادہ سے "واستویٰ" کے متعلق ہے: "قال اربعین سنة"۔

نیز اسی میں (اسی جلد و صفحہ پر) امام مجاہد سے اس کے بارے میں ہے: "قال اربعین سنة"۔

روح المعانی (جلد ۱۱' صفحہ ۵۱) میں بحوالہ عبد بن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و امام ابی حاتم امام مجاہد سے ہے: "والاستواء اربعون سنة"۔

تفسیر قرطبی (جلد ۷' صفحہ ۱۷۱) نیز تنویر المقباس (صفحہ ۳۲۴) میں حضرت ابن عباس سے ہے کہ آپ نے "واستویٰ" کے متعلق فرمایا: "بلغ اربعین سنة"۔

نیز تفسیر بغوی (جلد ۳' صفحہ ۴۳۸) مظہری (جلد ۷' صفحہ ۱۵۰) میں ہے: "ای بلغ اربعین سنة کذا روی سعید بن جبیر عن ابن عباس"۔

نیز تفسیر ابن جریر (جلد ۱۰' صفحہ ۲۸) میں حضرت ابی سے ہے: "والاستواء اربعون سنة"۔

ان سب عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس حضرت ابی' امام مجاہد اور قتادہ نے "استویٰ" کا یہ

معنیٰ کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس سال کی عمر کے ہوئے۔

نیز نیشاپوری (جلد۱ صفحہ۵۱) میں ہے کہ: " واعطی موسیٰ علیہ السلام ایاھا فی سنّ الوقوف "۔

حاشیۂ الجمل (جلد۲ صفحہ۴۴۳) میں واستویٰ کے اضافے کا فائدہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: لان موسیٰ علیہ السلام کان قد بلغ اربعین سنة "۔

نیز روح البیان جلد۶ صفحہ۳۸۸ نحوہٗ (یہ عبارتیں اشد کی بحث میں پہلے بھی گزر چکی ہیں)۔

الجمل (جلد۳ صفحہ۳۳۹) میں ہے: "ان بلوغه الاربعین کان عند رجوعه من مدین لانه اقام فی مصر ثلثین سنة ثم ذھب الیٰ مدین واقام فیھا عشر سنین ووقعة قتل القبطی کانت قبل ذھابه الیٰ مدین فھی السبب فیه " یعنی موسیٰ علیہ السلام سے ظہورِ نبوّت سنّ وقوف میں ہوا اور آپ کی عمر شریف چالیس سال اس وقت ہوئی جب آپ مدین سے واپس لوٹے کیونکہ آپ مصر میں تیس سال رہے پھر مدین تشریف لے گئے وہاں آپ نے دس سال گزارے۔ قتل قبطی کا واقعہ مدین جانے سے پہلے رونما ہوا اور مدین جانے کا سبب بھی یہی واقعہ بنا تھا۔

اقول: اس تفصیل کے لیۓ کوئی ماٴ خذ پیش نہیں کیا گیا فافھم۔

بعض دیگر روایات میں حضرت ابن عباس اور امام مجاہد وغیرہما سے استــــوی کی حد تیس سال سے چالیس سال تک کی عمر مذکور ہے۔ متذکرہ بالا چالیس سال کی روایتوں اور ان روایات کو ملا کر معنیٰ یہ ہوگا کہ جب آپ کی عمر شریف بلا تعیین تیس سال اور چالیس سال کے درمیان ہوئی اعنی ان روایات میں کس قسم کا تعارض نہیں ہے۔

بناءً علیہ " اربــعـون سـنة " والی روایات اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ وہ مختصراً مجمل ہیں جن کی تفصیل تکمیل دوسری روایات سے ہوگئی۔ پس چالیس سال کی روایتیں بھی معترض فریق کے لیے کچھ مفید نہ ہوئیں۔ بعض حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

چنانچہ تفسیر نیشاپوری (جلد۱ صفحہ۳۰) میں ہے: " والاستـواء مـن الثـلـثیـن الی الاربعین وھو عند الاطبـاء سن الوقوف " یعنی استواء سے مراد تیس سے چالیس سال کی عمر ہے جو اطباء کے نزدیک ایسا سن ہے کہ جس میں جسم کی نشوونما رک جاتی ہے۔

حاشیۃ الشہاب علی البیضاوی (جلد۷ صفحہ۲۸۵) میں امام مجاہد سے ہے: " والاستـواء مـا بین الثلثین الی الاربعین "۔ اسی میں اسی صفحہ پر حضرت ابن عباس سے ہے: والاستواء ما بین الثلثین الی الاربعین "۔

دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ استواتیں سے چالیس سال کی عمر کے عرصہ کا نام ہے۔ روح المعانی (جلد۱۱ صفحہ ۵۱) میں مذکورہ الفاظ بحوالہ ابن ابی الدینا بطریق کلبی بروایت ابوصالح حضرت ابن عباس سے مذکور ہیں۔

نیز اس میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں: ''فاذا زاد علی الاربعین اخذ فی النقصان ''یعنی چالیس سال کے بعد جسمانی صلاحیتوں میں کمی آنا شروع ہو جاتی ہے۔

نیز اسی میں اسی صفحہ پر ہے: ''وھی روایة عن ابن عباس وروی نحوہ عن قتادہ ''یعنی تیس سے چالیس سال کے مابین کی عمر کا قول حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں آیا ہے۔ نیز اس کی مانند قتادہ سے بھی مروی ہے۔

تفسیر کبیر (صفحہ۲۳۲) میں حضرت ابن عباس سے ہے: ''ثم من الثلثین سنة الی الاربعین یبقی سواء من غیر زیادة ولانقصان ومن الاربعین یأخذ فی النقصان ''یعنی تیس سال سے چالیس سال کی عمر میں جسم مزید کسی کمی بیشی کے بغیر ایک حالت پر رہتا ہے اور چالیس سال کے بعد اس میں کمی آنا شروع ہو جاتی ہے۔

بعض دیگر نے ''استویٰ'' کا معنٰی عمر کی کسی قید کے بغیر بیان کرنا پسند کیا ہے۔

چنانچہ تفسیر بغوی (جلد۳ صفحہ۴۳۸) اور مظہری (جلد۷ صفحہ۱۵۰) میں ہے: ''وقیل استویٰ ای انتھی شبابہ ''یعنی ایک قول پر استویٰ کا یہ معنٰی کیا گیا ہے کہ آپ کی جوانی عروج کو پہنچی۔

نیز حاشیۂ الجمل علی الجلالین (جلد۳ صفحہ۳۳۹) میں ہے: ''ولو فسر الاستواء کما صنع غیرہ بان یقول ای انتھی شبابہ وتکامل عقلہ لکان اظھر ''یعنی اگر علامہ جلال الدین رحمہ اللہ تعالیٰ استویٰ کا معنٰی اسی طرح کرتے جس طرح دیگر علماء نے کیا ہے کہ آپ کی جوانی عروج کو پہنچی اور آپ سے کمال عقل کا ظہور رہا تو بہت بہتر تھا اور بحث سے بالاتر۔

علامہ سید محمود الوسی بغدادی فرماتے ہیں: ''ولا ینبغی تعیین وقت لذلك فی حق موسٰی علیہ السلام الا بخبر یعول علیہ لما سمعت من ان ذلك مما یختلف باختلاف الاقالیم والاعصار والاحوال نعم اشتھر ان ذلك فی الاغلب یکون فی سنّ الاربعین ''یعنی حضرت موسٰی علیہ السلام اپنی نبوت کے ظہور کے وقت کتنی عمر کے تھے؟ کسی معتمد حدیث کے بغیر اس کا فیصلہ کرنا سطحی بات ہے کیونکہ اشد و استواء کا چالیس سال کی عمر میں ہونا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ زمانہ، علاقہ اور ماحول کے بدلنے سے عمر کے مختلف حصوں میں مختلف ہوتے رہتے ہیں یعنی بعد بلوغ کبھی جلد کبھی بدیر آتے ہیں ہاں مشہور یہ ہے کہ اشد

واستواء چالیس سال کی عمر ہے لیکن یہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے۔ (روح المعانی' جلدا' صفحہ ۵۱)۔

جواب آخر: بیان مدّت کے سب اقوال اشد و استواء سے متعلق ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہیں یعنی ایک یہ ہے کہ بلوغ اشد واستواء کا یہ مطلب ہے اور ایک یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت فلاں عمر میں تھے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر شریف کی بحث مفصلاً گزر چکا ہے۔

حضرات مفسرین (صحابہؓ وتابعین رضی اللہ عنہم) نے اشداور استواء کے معانی پر تبصرہ فرمایا جسے بعض ناقلین نے اس طرز پر پیش کر دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر اس وقت یہ تھی لیکن محققین نے اسے قبول نہیں کیا۔

علامہ الوسی علیہ الرحمۃ کی پیش کردہ گزشتہ عبارت سے اس کی واضح نشان دہی ہوتی ہے۔ شیخ جمل علیہ الرحمۃ کی اس عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ''ولو فسر الاستواء کما صنع غیرہ بان یقول ای انتھی شبابہ وتکامل عقلہ لکان اظھر'' حوالہ وترجمہ ابھی گزرا ہے۔

حکماً وعلماً سے نبوت مراد ہونا متفق علیہ نہیں:

معترضین کے اس استدلال کے غلط ہونے کی مزید دلیل یہ بھی ہے کہ جواب ''لَمَّا'' ''آتیناہ حکماًوعلماً'' میں حکماً وعلماً سے (کچھ حضرات نے اگرچہ نبوت کا مراد ہونا بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: شیخ زادہ علی البیضاوی (جلد۳ صفحہ ۵۰۷) ولفظہ: یحتمل ان یراد بہ النبوۃ وما یعرف بھا من العلوم والاخلاق)۔

حسینی (صفحہ ۷۶۵ داد یم اور انبوت ودانش)۔

البدایہ والنہایہ (جلدا' صفحہ ۳۳۱ وھو النبوۃ والرسالۃ التی کان بشربھا امہ الخ)۔

تفسیر ابن کثیر (جلد۳' صفحہ ۳۹۵ قال مجاہد یعنی النبوۃ)۔ تنویر المقباس (صفحہ ۳۲۴ آتیناہ عطیناہ ''حکماً فھماً وعلماً'' نبوۃ)۔

نیز مظہری (جلد۷' صفحہ ۱۵۰: آتیناہ حکما ای النبوۃ وعلماً ای معرفۃ باللہ واحکامہ) بہت سے علماء نے اس سے نبوت کے مراد ہونے سے انکار فرمایا ہے۔ اگر آیت ولما بلغ الآیۃ کو اس کے سیاق وسباق کا تسلسل مانا جائے تو ظاہر قرآن بھی اس کی نفی کا مؤید ہے کیونکہ اس سے اگلی آیت میں قتل قبطی کا واقعہ مذکور ہے پھر مدین کو ہجرت فرمانے اور وہاں دس سال گزار کر واپسی کا ذکر ہے۔ نبوّت مراد لینے کی صورت میں لازم آئے کہ واقعۂ قتل' بعد ظہور نبوت رونما ہوا جو خود قرآن شریف کی رو سے بالکل خلاف واقعہ ہے۔ سورہ طٰہٰ وغیرہا میں ہے کہ مدین سے واپسی پر ہی ظہورِ نبوّت ہوا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ وطن کو آ رہے تھے تو کوہِ طور کے بغل میں واقع مبارک ومقدس وادیٔ طُویٰ کے کنارے کھڑے ایک درخت کے اندر سے انہیں پکار کر ان سے کلام فرمایا جس میں ایک بات یہ فرمائی ''وانا اخترتك فاستمع لما یوحٰی ''یعنی میں نے آپ کو منتخب فرمایا ہے تو آپ کو جو وحی کی جائے اسے غور سے سنیں (طٰہٰ نمبر۱۳)۔

نیز واپسی پر فرعونی کچہری میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سلسلہ کی تفصیلات بتاتے ہوئے فرمایا: ففررت منکم لما خفتکم فوھب لی ربی وجعلنی من المرسلین (شعراء نمبر۲۱)۔

اب ملاحظہ ہوں علماء تفسیر کے اس باب کے بعض حوالہ جات:

تفسیر بغوی (جلد۳ صفحہ۴۲۸) میں ہے (آتیناہ حکماً وعلماً) ای الفقہ والعقل والعلم فی الدین فعلم موسٰی علیہ السلام وحکم قبل ان یبعث نبیاً ''یعنی ''حکماً وعلماً '' سے مراد دین کا علم وفہم اور قوت فیصلہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو نبی مبعوث ہونے سے پہلے دیئے گئے۔

تفسیر الجلالین (مع الجلالین جلد۳ صفحہ۳۳۹) میں ہے: حکمۃ وعلماً وفقھاً فی الدین قبل ان یبعث ''یعنی حکماً سے مراد حکمت اور علماً سے مراد دین کا علم وفہم ہے جو آپ کو نبی مبعوث ہونے سے قبل عطا کیے گئے۔ شیخ زادہ علی البیضاوی (جلد۳ صفحہ۵۰۷) ہے: ویحتمل ان یراد بہ علم الحکماء واخلاقھم......... فعلم موسٰی علیہ الصلاۃ والسلام قبل ان یبعث نبیا علیھم ''یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ حکماً وعلماً سے مراد اہل حکمت کا علم واخلاق ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبیٔ مبعوث ہونے سے پہلے عطا کیا گیا۔

نیز قرطبی (جلد۷ صفحہ۱۷۱) میں ہے: ''والحکم الحکمۃ قبل النبوۃ وقیل الفقہ فی الدین (الی) والعلم الفھم فی قول السدی وقیل النبوۃ وقال مجاھد الفقہ یعنی حکماً سے مراد قبل ظہور نبوّت حکمت ہے اور ایک قول پر فقہ فی الدین ہے۔ سدّی کے قول کے مطابق حکماً سے مراد فہم اور ایک قول پر نبوت ہے اور امام مجاہد نے فرمایا فقہ مراد ہے۔

روح المعانی (جلد۱۱ صفحہ۵۲) میں ہے: ''نجزی المحسنین علی احسانھم یأبی حمل ماتقدم علی النبوۃ لانھا لاتکون جزاء علی العمل ''یعنی آیت ہٰذا کے آخر میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''وکذلك نجزی المحسنین '' (ہم نیکوکاروں کو یونہی ان کی نیکی کی جزاء دیتے ہیں) اس امر کی دلیل ہے کہ حکماً وعلماً سے مراد نبوّت نہیں کیونکہ نبوّت کسی نیک کام کے صلہ میں نہیں ملتی (بلکہ وہ تو محض ایک وہبی چیز ہے)۔

خلاصہ یہ کہ علماء کے اسی ایک جمّ غفیر نے حکماً وعلماً سے نبوت مراد ہونے سے اختلاف کیا ہے اور اسی کو دلائل وحقائق کا مقتضی قرار دیا ہے پس آیت ہٰذا معترضین کی کسی طرح دلیل نہیں۔

جوابِ آخر :اس سب سے قطع نظر و بر تقدیر تسلیم نبوّت سے مراد بعثت ہے نفس نبوت نہیں جس کی مزید دلیل یہ ہے کہ باب ہشتم میں ہم دلائل سے ثابت کر آئے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام پیدائشی نبی ہیں بایں معنٰی کہ ان کی نبوت کا فیصلہ عہدِ الست کے موقع پر فرما دیا گیا تھا۔ بلفظ دیگر نبی بن کر آتا ہے آ کر نہیں بنتا بناءً علیہ چالیس سال میں نبی ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس عمر میں نبی بنے بلکہ نبی پہلے سے تھے اس عمر میں نبی مبعوث ہوئے۔

جوابِ آخر : نیز اسے مان لینے کی صورت میں اس امر کا کلیہ ہونا تو پھر بھی ثابت نہیں ہوگا کیونکہ آیت میں یہ نہیں ہے کہ ہر نبی کی نبوّت کا ظہور اس عمر میں ہوا بلکہ یہ صرف حضرت موسٰی علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ واقعة خاص لاعموم لها (خصوص سے عموم پر استدلال درست نہیں)۔

سوال:

سوال کیا جا سکتا ہے کہ سورۂ احقاف کی آیت نمبر ۱۵ میں ہے ’’حتی اذا بلغ اشده وبلغ اربعين سنة‘‘۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی مضبوطی کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو اس نے دعا کی الخ اس سے ظاہر ہے کہ ’’وبلغ اربعين سنة‘‘ بلغ اشده کی تفسیر ہے۔ لہٰذا اشد کا چالیس سال کی عمر کے معنٰی میں ہونا متعین ہوا جس کی تائید اشد کی مفصل بحث میں نقل کیے گئے قول نمبر　 سے بھی ہوتی ہے۔

جواب: جواباً عرض ہے کہ عطف میں اصل یہ ہے کہ مغایرت کے لیئے ہو جب کہ بغیر قرینہ و دلیل کے اصل سے عدول جائز نہیں نیز آیت میں یوں نہیں ہے کہ ’’بلغ اشده واربعين سنة‘‘ بلکہ بلغ کے تکرار کے ساتھ ہے جس سے دونوں کا مختلف ہونا واضح ہوتا ہے۔ نیز علماء کی اکثریت نے ’’اشد‘‘ کو چالیس کے معنٰی میں نہیں لیا جس کی باحوالہ تفصیل گزر چکی ہے۔ جب کہ یہ آیت بھی ان کے سامنے تھی۔

اس سے بھی واضح ہوا کہ جمہور کے نزدیک آیت احقاف کے یہ دونوں جملے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس سے قطع نظر ان میں دونوں امور (اتحاد واختلاف) کا احتمال رہے گا جب کہ قاعدہ مسلمہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال والحمدلله تعالى المتعال۔

مغالطہ نمبر۱۹ (آپ ﷺ کی بعثت بعمر چالیس برس ہوئی اور یہ اجماعی امر ہے) **کا ازالہ**

معترض فریق نے اپنے موقف کے اثبات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات نے ان اقوال سے بھی استدلال کیا ہے جن میں سیّد عالم ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعمر چالیس سال ہونے کا ذکر ہے۔

وجہ استدلال یہ بیان کی ہے کہ ان حوالہ جات میں بعثت سے مراد اعطائے نبوّت ہے نہ اظہار نبوت'' (تحقیقات صفحہ ۲۴۶)۔ نیز اسے اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے۔ ان کے الفاظ میں اس سب کا خلاصہ حسب ذیل ہے: لکھتے ہیں:

☆　مستقل عنوانوں کے ساتھ بیان فرمایا باب المبعث وبدوالوحی' مشکوٰۃ شریف میں ''حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے'' بعث رسول اللہ الاربعین سنة '' (متفق علیہ)۔ علامہ علی قاری فرماتے ہیں ''ای جعل مبعوثا الی الخلق بالرسالة'' ای وقتاتمام ھذہ المدة قال الطیبی اللام فیه بمعنی الوقت '' یعنی آپ کو عمر شریف کے چالیس سال پورے ہونے پر مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (مرقاۃ' جلد ۱۱' صفحہ ۱۰۳)۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۲' صفحہ ۲۳ نیز صفحہ ۱۳۱)۔

☆　''حضرت جعفر بن ابی طالب نے فرمایا: ''بعث اللہ فینا رسولا'' وقد کانت مدة مقامه علیه السلام بین اظهرنا قبل النبوة اربعین سنة'' اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان رسول مبعوث فرمایا اور آپ کی نبوّت سے قبل ہمارے ہاں ان کے قیام کی مدت چالیس سال تھی۔ (تحقیقات صفحہ ۱۰۷' صفحہ ۱۳۱' بحوالہ تفسیر ابن کثیر ۳' صفحہ ۴۷۸)۔ ''گھر والوں کی شہادت کے بعد کسی اور کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۰۸)۔

☆　حضرت انس سے دریافت کیا گیا کہ بعثت کے وقت نبی ﷺ کس شخص کی عمر پر تھے تو فرمایا ''کان ابن اربعین سنة '' چالیس سال کی عمر میں تھے۔ (درمنثور' ۳' صفحہ ۵۴۱' بحوالہ احمد وبیہقی)۔ بعث رسول اللہ ﷺ علی رأس الاربعین رسول اللہ ﷺ عمر شریف چالیس سال پورے ہونے پر مبعوث ہوئے۔'' (درمنثور ۳' صفحہ ۵۴۱' بحوالہ ابن ابی شیبہ)۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۰۸)۔

☆　امام نووی فرماتے ہیں: الصواب انه ﷺ بعث علی رأس الاربعین سنة ھذا ھو المشهور الذی اطبق علیه العلماء وقال السهیلی انه الصحیح حق تو ہے کہ محبوب ﷺ چالیس سال گزارنے پر مبعوث ہوئے یہی مشہور ہے جس پر علماء کا اتفاق ہے۔ سہیلی فرماتے ہیں یہی صحیح ہے۔ (شرح مسلم بحوالہ سبل الہدیٰ)

(تحقیقات' صفحہ۱۴۴' نیز صفحہ ۱۴۱' بحوالہ شرح مسلم جلد۲' صفحہ ۲۴۰)۔ نیز تہذیب الاسماء واللغات از جواہر البحار' جلد ا' صفحہ ۱۹۲' ولفظہ بعث رسولا الی الناس کافۃ وھو ابن اربعین سنۃ)۔

☆ علامہ شامی فرماتے ہیں: اطبق العلماء علی ان لنبی ﷺ بعث علی رأس الاربعین تمام علماء کرام کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ نبی ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمائے گئے۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۸۰' ۱۸۱' بحوالہ سبل الہدیٰ)

☆ علامہ ذہبی فرماتے ہیں: بعث رسول اللہ ﷺ لاربعین رواہ عبداللہ بن عباس (سیر اعلام النبلاء' جلد ا' صفحہ ۶۶ (تحقیقات' صفحہ ۱۴۵)۔

☆ امام رازی فرماتے ہیں: ''قال المفسرون لم یبعث نبی قط الابعد الاربعین (الی) وھکذا کان الامر فی حق رسولنا ﷺ'' تمام مفسرین اس امر کے قائل ہیں کہ کوئی نبی چالیس سال کی عمر سے پہلے مبعوث نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے بعد مبعوث ہوا (الیٰ) اور ہمارے رسول ﷺ کے حق میں بھی معاملہ اسی طرح ہے''۔ (تحقیقات صفحہ ۱۴۶' بحوالہ تفسیر کبیر' جلد ۲۸' صفحہ ۱۸' ۱۹)۔

☆ امام محمد المالکی فرماتے ہیں: لاخلاف فی انہ ﷺ بعث وھو ابن اربعین سنۃ واختلف ابن کم مات اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت مبعوث ہوئے جب کہ چالیس سال کے تھے اور وصال شریف کس عمر میں ہوا اس میں اختلاف ہے۔ (تحقیقات ۱۴۷' ۱۴۸' بحوالہ عارضۃ الاحوذی' جلد ۱۳' صفحہ ۹۴)۔

متفق علیہ اور اجماعی امر ٹھکرانے اور اس کی مخالفت کرنے کا نہ از روئے شرع کوئی جواز ہے اور نہ اخلاقی لحاظ سے۔ کتاب وسنت کی طرح اجماع امت بھی شرعی دلیل ہے جس کے ذریعے اعتقادی اور عملی احکام ثابت کیے جاسکتے ہیں۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۴۸)۔

☆ امام برزنجی فرماتے ہیں: ''ولما کمل لہ ﷺ اربعون سنۃ علی اوفق الاقوال لذوی العالمیۃ بعثہ اللہ تعالی للعلمین بشیراً ونذیراً'' جب نبی ﷺ کی عمر شریف کے چالیس سال پورے ہوگئے اہل علم کے اقوال میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۵۷' بحوالہ جواہر البحار' جلد ۳' صفحہ ۴۶۹)۔

☆ شیخ محقق فرماتے ہیں: ''وبعث او بررأس الاربعین'' آپ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۷۱' ۱۷۲' بحوالہ اشعۃ اللمعات جلد ۴' صفحہ ۲۴۷)۔

☆ علامہ زرقانی حدیث ابتعثہ اللہ علی رأس الاربعین کے تحت فرماتے ہیں علامہ مسعودی اور ابن عبدالبر کا قول ہے کہ اس صورت میں ''یکون لہ اربعون سنۃ'' آپ کی عمر یقیناً بوقت بعثت چالیس سال ہوگی۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۸۲' بحوالہ شرح موطا' جلد ۴' صفحہ ۲۸۰)۔

☆ **امام ابن سید الناس** فرماتے ہیں: ولما بلغ ﷺ اربعین سنۃ ویوما ابتعثہ اللہ تعالیٰ بشیراً و نذیراً'' جب محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم چالیس سال اور ایک دن کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۸۳' بحوالہ نور العیون)۔

☆ **عارف سوی اور شیخ اکبر** فرماتے ہیں: ''الی بعثۃ الرسول ﷺ بالرسالۃ والنبوۃ عندالاربعین من عمرہ۔'' یہی سلسلہ جاری رہا چالیس سال کی عمر میں آپ کی رسالت و نبوت سے بعثت تک''۔ (ترجمہ من راقم الحروف) (تحقیقات صفحہ ۱۸۴' بحوالہ جواہر البحار' صفحہ ۴' صفحہ ۳۲۶ فتوحاتِ مکیہ' جلد ۷' صفحہ ۳۱۹)۔

☆ **امام جعبری** فرماتے ہیں: ''انہ ﷺ لما بلغ اربعین سنۃ قیل و کسرا بعثہ اللہ تعالیٰ یوم الاثنین۔'' جب رسول ﷺ چالیس سال کی عمر کو پہنچے اور بقول بعض سال کا کچھ مزید برآں' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سوموار کے دن مبعوث فرمایا۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۸۵' بحوالہ شرح قصیدہ ہمزیہ' نیز صفحہ ۱۸۷' بحوالہ شرح شمائل)۔

☆ **علامہ نبہانی** فرماتے ہیں: ''بعث ﷺ لثمان مضین من شھر ربیع الاول ۴۱ من عام الفیل۔'' سید عالم ﷺ عمر شریف کے اکتالیسویں سال عام الفیل میں ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو مبعوث ہوئے۔ (تحقیقات صفحہ ۱۸۹' ۱۹۰' بحوالہ جواہر البحار جلد ۲' صفحہ ۳۹۳)۔

☆ **امام رازی** فرماتے ہیں: ''والنبی ﷺ بعث عندالاربعین'' (کبیر جلد ۱۰' صفحہ ۱۹) (تحقیقات' صفحہ ۲۶۵)۔

☆ **علامہ قرطبی** کا ارشاد: ''اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت کے ساتھ مبعوث فرمایا''۔ (تحقیقات صفحہ ۳۸۲' بحوالہ المفہم' صفحہ ۱۹۲' ایڈیشن دوم)۔

☆ **امام حاکم کا ارشاد**: ''اس امر پر پوری امت کے علماء متفق ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام چالیس کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ (تحقیقات' ایڈیشن دوم' صفحہ ۳۸۳' بحوالہ معرفۃ علوم الحدیث)۔

☆ حافظ ابن کثیر کا ارشاد: اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ نبی پاک ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ (تحقیقات صفحہ ۳۸۳' بحوالہ البدایہ والنہایہ' جلد ۲' صفحہ ۱۶۴)۔

الجواب: پیش کردہ عبارات میں الصواب' المشہور' الصحیح اور اوفق الاقول کے الفاظ سے اس امر کی واضح

نشان دہی ہو رہی ہے کہ چالیس سال کی عمر شریف میں بعثت ہونے کے قول کے برخلاف اقوال بھی پائے جاتے ہیں جس سے چالیس سال والے قول کے اجماعی ہونے کا دعویٰ محل نظر قرار پاتا ہے جو ایک حقیقت واقعیہ ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی نے سیرت حلبیہ (جلد ۱ صفحہ ۲۲۴) علامہ مناوی نے شرح الشمائل (برہامش شرح علامہ القاری جلد ۱ صفحہ ۱۴) اور علامہ علی القاری نے جمع الوسائل (جلد ۱ صفحہ ۱۴) میں مزید یہ اقوال بھی نقل فرمائے ہیں: ''چالیس سال ایک دن، دس دن، بیس دن، چالیس دن اور ساٹھ دن یعنی دو ماہ، نیز بیالیس سال، تینتالیس سال اور پینتالیس سال۔

☆　اس سے قطع نظر وبفرض تسلیم ان عبارات میں سے کسی میں یہ نہیں ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نفسِ نبوّت کے حاصل ہونے پر علماء کا اجماع واتفاق ہے بلکہ یہ ہے کہ بعثت پر اور مبعوث ہونے پر اجماع واتفاق ہے اور اس سے مقصود بھی محض سنِّ بعثت پر بحث ہے نہ کہ نفس نبوّت کے ملنے پر۔

بعثت منافیٔ نبوت نہیں:

جب کہ بعثت، نبوّت کے منافی نہیں یعنی بعثت کا معنٰی نبی بننا نہیں بلکہ شانِ اظہارِ نبوّت کے ساتھ ہی نبی کا ارسال ہے جس کا معنٰی ہے بھیجنا جب کہ خود بھیجنے کے مفہوم سے پہلے سے نبی ہونا واضح ہے جو عین حقیقت کے مطابق ہے کیونکہ ہر نبی پیدائشی نبی ہے۔ اس معنٰی میں کہ نبی بن کر آتا ہے یہاں آ کر نہیں بنتا جس کی مکمل مدلّل بحث باب ہشتم میں گزر چکی ہے۔

مزید سنیے: اس حوالہ سے مصنف تحقیقات کے اٹھائے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم نے دعوت رجوع (صفحہ ۳۵، ۳۶ طبع اوّل) میں لکھا تھا کہ: ''مبعث کا معنٰی ومطلب یہ نہیں کہ آپ اس سے قبل نبی نہ تھے بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کا مفہوم عدم ظہور ہے جو عدم وجود کو قطعاً مستلزم نہیں مبعث بمعنی ارسال ہے بمعنی جعل نہیں جو آپ کے پہلے سے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ نبی تو آپ پہلے سے تھے صرف خاص طریقہ سے آپ کو بھیجا بعد میں گیا۔ چنانچہ مشہور ماہر لغت علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں: بعثت کا اصل معنٰی ہے اثارة الشیٔ و توجیهه (بھڑکانا اور بھیجنا) ''ویختلف البعث بحسب اختلاف ما علق به۔'' (اور وہ اپنے متعلق کے حسب کیفیت مختلف ہوتا ہے) جو رسول کے متعلق ہو تو ارسال کے معنٰی میں ہوتا ہے: ''ولقد بعثنا فی کل امة رسولا'' نحو ارسلنا رسلنا'' اھ ملخّصاً۔ ملاحظہ ہو۔ (مفردات صفحہ ۵۲، ۵۳ طبع کراچی)۔

نیز علامہ ابن الاثیر ایک حدیث کے الفاظ ''بـــعیثك'' کا معنٰی بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''ای مبعوثك الذی بعثه الی الخلق ای ارسلته''۔

ملاحظہ ہو (النہایۃ جلد ا صفحہ ۱۳۸ طبع ایران)۔ خلاصہ یہ کہ یہ الفاظ جب نبی و رسول کے متعلق ہوں تو ارسال اور بھیجنے کے معنٰی دینے کے لیے مختص ہیں۔ مزید پڑھیے:

معروف متکلم علامہ قاضی عضد الدین الشافعی کتاب المواقف میں اور شیخ الاسلام حضرت میر سیّد حنفی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ("فھو عند اھل الحق من قال له الله ارسلتك او بلغھم عنی و نحوہ من الالفاظ) المفیدۃ لھذا المعنی کبعثتك و نبئھم۔" ملاحظہ ہو۔ (شرح المواقف جلد ۸ صفحہ ۲۱۸ طبع ایران)۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ ارسال اور بعثت دونوں ہم معنٰی ہیں۔

نیز علامہ شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں: "والبعث فی الاصل الاثارۃ و الایقاظ من النوم و بمعنی الاحیاء والنشر من القبور و بمعنی ارسال الرسل و ھو المراد ھنا۔" یعنی "بعث" کا مرکزی معنٰی ہے بھڑکانا اور نیند سے بیدار کرنا' زندہ کرنے اور قبروں سے اٹھانے نیز "ارسال الرسل" (رسولوں کے بھیجنے) کے معنٰی میں بھی آتا ہے۔ اس مقام پر یہی بھیجنے کا معنٰی مرا ہے۔ (شرح الشفاء للخفاجی جلد ا صفحہ ۱۴)۔

نیز علامہ عبدالرؤف المناوی شرح الشمائل میں عبارت شمائل "بعثہ اللہ" کے تحت ارقام فرماتے ہیں: "ای ارسلہ الله تعالی نبیا ورسولا" یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شان نبوّت و رسالت کے ساتھ بھیجا۔ ملاحظہ ہو (جلد ا صفحہ ۱۴ برہامش جمع الوسائل)۔

نیز علامہ علی القاری شرح الشفاء میں لکھتے ہیں: "(و بعث) ای ارسل الله (فیھم) اذ بعث فیھم (رسولا) ای نبیا مرسلا امر بتبلیغ الرسالۃ یعنی "بعث فیھم رسولا" کا معنٰی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شان نبوّت و رسالت کے ساتھ اپنے احکام کے پہنچانے پر مأمور فرما کر لوگوں میں بھیجا۔ (جلد ا' صفحہ ۱۴' طبع ملتان)۔

علاوہ ازیں یہ امر خود معترض کو بھی تسلیم ہے چنانچہ موصوف نے جواہر البحار (جلد ۲' صفحہ ۳۷۳) سے علامہ شیخ جمل رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ایک طویل عبارت میں یہ الفاظ استناداً نقل کیے ہیں "وارسل ثانیا فی عالم الاجساد بعد بلوغہ اربعین سنۃ۔" نیز "وارسل مرتین الاولی فی عالم الاروح للارواح والثانیۃ فی عالم الاجساد للاجساد۔" ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۱۸۸)۔

اس عبارت میں "ارسل" کے الفاظ بعث کے متبادل ہیں۔

نیز تحقیقات صفحہ ۱۴۴' میں علامہ حلبی سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "بعثہ الله تعالی" اور ترجمہ یہ کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے انہیں مبعوث فرمایا"۔

جب کہ صفحہ ۱۵۶ پر امام ابن حجر مکی کے حوالہ سے لکھا ہے: ''ارسلہ اللہ تعالٰی'' اور ترجمہ اس طرح کیا ہے ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا۔'' جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ موصوف نے بھی بعث اور ارسل کا ہم معنٰی ہونا تسلیم کر لیا ہے۔

اس سے مزید واضح سنیے: موصوف نے حضرت غوث کبیر دبّاغ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ ''فارسلہ اللہ تعالٰی ''نقل کر کے ان کے ترجمہ لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا۔'' (تحقیقات صفحہ ۶۸، ۶۹، بحوالہ ابریز شریف و جواہر البحار)۔

ولنعم ماقیل ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

اقول: جب معترض نے یہ لکھ دیا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت بالاجماع چالیس برس کی عمر شریف میں ہوئی نیز یہ بھی مان لیا ہے کہ بعثت بمعنی ارسال ہے اور ابھی گزرا ہے کہ ارسال اور بھیجنا آپ ﷺ کے پہلے سے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کے پہلے سے نبی ہونے پر اجماع ہے۔ اس طرح سے معترض نے جس امر کو نفی کی دلیل بنا کر پیش کیا تھا بفضلہٖ تعالیٰ وہ ثبوت کی دلیل ثابت ہوا۔ والحمد للہ تعالٰی۔

بعثت کے منافیٔ نبوت نہ ہونے کے مزید دلائل:

بعثت کے منافیٔ نبوت نہ ہونے کے مزید دلائل حسبِ ذیل ہیں:

○ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ حسبِ تصریح علماء شان بعض انبیاء کرام علیہم السلام نبی ہونے کے باوجود مبعوث نہیں ہوئے نیز بعض انبیاء علیہم السلام کو وحی محض تہذیب نفس کے لیئے ہوئی بعض نقول ملاحظہ ہو:

چنانچہ ابو نعیم پھر علامہ نبہانی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ان یحیٰی علیہ السلام کان نبیا ولم یکن مبعوثا الی قومہ و کان منفرداً بمراعاۃ شانہ ''یعنی اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یحیٰی علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود اپنی قوم کی طرف مبعوث نہیں فرمائے گئے تھے بلکہ وحی الٰہی کے حوالہ سے وہ محض اپنی ذات کی دیکھ بھال تک محدود تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (جواہر البحار جلد ۱، صفحہ ۸۱ طبع مصر)۔

○ اس کی مزید مثال ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں کہ آپ کی خلقت کے بعد آپ پر وحی اترتی تھی مگر اس میں احکام ناس کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس وقت وجود ناس ہی نہ تھا۔ لہٰذا اس وحی کا تعلق محض ان کی ذات سے تھا۔

نیز علامہ عبدالعزیز پرہاروی حنفی نے اس حوالہ سے لکھا ہے: ''یجوز الوحی بتکمیل نفس النبی بلا تبلیغ۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے نبی پر ایسی وحی بھی درست ہے جس کا تعلق تربیت ذات نبی سے ہو اور دوسروں

سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ (النبراس، صفحہ ۴۳۶، طبع پشاور)۔

نیز علامہ قاضی ثناء اللہ مظہری نے خضر علیہ السلام کے واقعہ کے بیان کے ضمن میں لکھا ہے کہ: ''واما الاحکام التی یوحی بھا افراد الانبیاء الذین لم یبعثوا الی الامم بل اوحی الیھم لصلاح انفسھم اوامتثال امور بینھم وبین اللہ تعالیٰ فان تلک الاحکام تکون غالبا مبنیہ علی حکمات لا یظھر وجہ صلاحھا علی العامۃ۔''

خلاصہ یہ کہ کچھ انبیاء علیہم السلام ایسے بھی ہیں جنہیں لوگوں کی طرف مبعوث نہیں فرمایا گیا تھا ان کی طرف کی گئی وحی کا تعلق محض ان کی ذوات سے تھا یا وہ ان امور سے متعلق ہوتی تھی جو اللہ تعالیٰ اور ان کے مابین راز تھے اور زیادہ تر حکمت کی باتوں پر مبنی تھے جن کی وجوہ عموماً عام طور پر ظاہر نہ فرمائی گئیں۔ (تفسیر مظہری جلد ۶، صفحہ ۵۱ طبع کوئٹہ)۔

اقول: خود معترض نے بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی بعثت نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ اصحاب بواطن سے ہیں جس سے مانحن فیہ کی اتنی تائید تو ضرور ہوتی ہے کہ وہ نبی ہیں مگر بعثت کے بغیر۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۴۱)۔

○ وہ عبارات بھی اسی مد میں آئیں گی جب میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کو حکم تبلیغ بعد میں ملا جس سے یہ امر کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ ان کے نزدیک بعثت کا مطلب نبی بننا نہیں بلکہ حکم تبلیغ کا ملنا ہے۔

چنانچہ امام سبکی پھر امام سیوطی ارشاد فرماتے ہیں: ''وانما یتأ خر البعث والتبلیغ۔'' یعنی جو امر متأخر ہے وہ محض بعثت اور تبلیغ ہے۔ (یعنی نفس نبوّت نہیں)۔ ملاحظہ ہو (خصائص کبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۴، ۵، بحوالہ التعظیم والمنۃ)

نیز علامہ مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''چالیس سال کی عمر میں منصب نبوّت پر سرفراز ہوئے، اگر اس کا مطلب یہ ہے تو صحیح ہے کہ چالیس سال کی عمر میں تبلیغ کا حکم ہوا تو حضور نے اعلان نبوّت فرمایا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ چالیس سال کی عمر سے پہلے وہ نبی نہیں تھے اور اس سے پہلے کی زندگی، نبوی زندگی نہ تھی تو غلط ہے''۔

اس قسم کا سوال کرنے والے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''وہ جاہل نہیں ہے تو گمراہ ہے، گمراہ نہیں ہے تو جاہل ہے۔'' ملاحظہ ہو (فتاویٰ فیض الرسول جلد ۱، صفحہ ۱۳، ۱۴، طبع لاہور)۔

نیز معترض کے ایک تلمیذ مولانا عبدالرزاق بھترالوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوّت کے حوالہ سے لکھتے

ہیں کہ: ''آپ کو نبوّت یا کتاب عطاء تو اسی وقت فرمادیں جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے البتہ لوگوں کو تبلیغ کرنے اوراعلان نبوّت کاحکم بعد میں دیا گیا۔تمام انبیاء کرام کی صورت حال یہی ہے''۔(تذکرۃ الانبیاء صفحہ ۶۵۱)۔

نیز وہ عبارات بھی اس موقع کی اور مانحن فیہ کی دلیل ہیں جن میں آپ ﷺ کے زمانہ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے اعلان نبوّت تک بالدوام اور بلا انقطاع اور پیدائشی نبی ہونے کا ذکر ہے۔

چنانچہ شیخ کبیر حضرت عبدالکریم جیلی کا ارشاد ہے: ''لانہ کان نبیا وھو فی الارحام والاصلاب ''یعنی آپ ﷺ اپنے آباؤاجداد کی پشتوں اور اپنی امہات وجدّات کے پاک رحموں میں جلوہ گر ہونے کے زمانہ میں بھی نبی تھے۔(جواہر البحار جلد ۱ صفحہ ۲۵۱)۔

نیز امام ابوالشکور سالمی فرماتے ہیں: لان النبی کان نبیا قبل البلوغ وقبل الوحی کما انہ نبی بعدالوحی وبعدا لبلوغ والدلیل علیہ قولہ تعالٰی فی قصۃ عیسٰی علیہ السلام وکان فی المھد صبیا وجعلنی نبیا ''الخ۔یعنی نبی بلوغ اور وحی جلی کے نزول سے پہلے بھی ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے بلوغ اور نزول وحی جلی کے بعد ہوتا ہے جس کی دلیل حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قصہ بھی ہے کہ آپ نے گہوارہ میں فرمایا تھا ''وجعلنی نبیا'' اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے (تمہید صفحہ ۶)۔

نیز علامہ ابن رجب حنبلی حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ تسلسل کے ساتھ نبی ہیں حتی کہ''انہ ﷺ ولد نبیا ''آپ ﷺ کی جب ولادت ہوئی تو اس وقت بھی آپ نبی (اور پیدائشی نبی) تھے۔(لطائف المعارف صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴)۔

اسی طرح امام محمد بن یوسف صالحی نے عبارت مذکورہ سے استناد فرماتے ہوئے بھی لکھا ہے۔(سبل الہدیٰ جلد ۱ صفحہ ۸۳ نیز جلد ۶ صفحہ ۶۳)۔

نیز امام علامہ محمد بن جعفر کتانی اور امام علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ عالم حقائق وارواح اور عالم ذر میں بالفعل نبی تھے۔وتعلقت نبوتہ بجمیع الخلائق من غیر انقطاع الٰی زمن وجود جسدہ المکرم ''اور آپ جملہ خلائق کے نبی رہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی انقطاع نہ ہوا۔حتی کہ آپ جب عالم اجسام میں جلوہ گر ہوئے تو بھی نبی تھے۔(جلاء القلوب جلد ۱ صفحہ ۳۸۵ الہدیقۃ الندیہ جلد ۱ صفحہ ۲۹، ۳۰ نحوہ)

نیز حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں: ''حضور ﷺ دنیا میں آکر رسول نہ بنے بلکہ رسول بن کر دنیا میں آئے (الٰی)۔''چالیس سال کی عمر شریف میں رسالت کا ظہور ہوا ہے نہ کہ رسالت کا وجود۔جیسے آج چھ بجے گجرات پر سورج کا طلوع ہو تو آفتاب کی ساری صفات پہلے سے موجود ہیں، گجرات پر ظہور چھ بجے

ہے۔الخ۔

ملاحظہ ہو(تفسیر نعیمی جلد ۶،صفحہ ۲۹۴)۔

اسی کے جلد ہفتم (صفحہ ۶۰) میں لکھتے ہیں: ''حضور کے لیے نبوّت ایسی لازم ہے جیسے سورج کے لیۓ روشنی یا آگ کے لیۓ گرمی۔حضور ہر حال میں نبی ہیں بلکہ حضرت حلیمہ کی گود میں، جناب آمنہ کے شکم میں نبی ہیں بلکہ عالم ارواح میں نبی ہیں۔چالیس سال کی عمر شریف میں اعلان نبوت فرمایا۔نبوّت اور اعلان نبوت، اظہار نبوّت میں فرق ہے۔''

نیز فرماتے ہیں کہ: ''حضور کی ولادت، ہجرت مکی مدنی ہونا، وفات پا جانا یہ حضور کی آمد و روانگی کے نام ہیں ورنہ حضور ولادت سے پہلے بھی نبی ہیں اور ابد الآباد تک نبی ہیں''۔(رسائل نعیمیہ، صفحہ ۲۷۲، ۲۷۳، رسالہ درس القرآن)۔

علامہ مفتی محمد خان قادری مدظلہ، لکھتے ہیں: ''نبی ہر حال میں نبی ہوتا ہے خواہ وہ ماں کے شکم میں ہو (شرح سلام رضا، صفحہ ۳۹۲، طبع لاہور، موصوف معترض کے تلامذہ سے ہیں)۔

علامہ علی القاری فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ چالیس سال کے بعد نبی نہیں بنے بلکہ ''انه من یوم ولادته متصف بنعت نبوته'' آپ بعد از ولادت تا چالیس سال بھی نبی تھے۔(شرح فقہ اکبر، صفحہ ۶۰)۔

نیز فصولِ اکبری، صفحہ ۲، حاشیہ ۳ میں نوادر الاصول کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعثت و تبلیغ علّت غائیہ ہے۔ یہ بھی مانحن فیہ کی دلیل ہے ولا یخفی علی احد من اهل العلم۔

○ اب اس کی بھی خصوصی تصریحات لیجیے کہ بعثت فی الواقع منافی نبوّت نہیں۔نیز یہ کہ اس کا مطلب نفس نبوّت کا عطا کیا جانا نہیں ہے بلکہ محض اظہار و اعلان نبوّت ہے۔

نیز یہ کہ علماء شان نے آپ کی بعثت کا ذکر بھی فرمایا اور آپ کی نبوّت کو دائمہ بھی کہا۔صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چنانچہ امام ابوبکر آجری شافعی فرماتے ہیں: ''ان نبینا محمد ﷺ لم یزل نبیا من قبل خلق آدم یتقلب فی اصلاب الانبیاء وابناء الانبیاء بالنکاح الصحیح حتٰی اخرجه الله عزو جل من بطن امه (الی) حتٰی نزل علیه الوحی وامر بالرسالة وبعث الی الخلق کافة الی الانس والجن بعث علٰی رأس اربعین سنة من مولده۔'' یعنی ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے لے کر والدہ ماجدہ کے بطن پاک سے ظہور پذیر ہونے اور چالیس سال کی عمر شریف میں وحی جلی کے نازل اور ماٴمور بالتبلیغ ہونے اور مبعوث فرمائے جانے تک تسلسل کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ نبوّت سے متصف رہے۔(کتاب الشریعۃ،

صفحہ۳۵۱، طبع بیروت)۔

حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں: ''نیست کو ہست کرنا خلق کہلاتا ہے اور جو پہلے موجود ہو اسے اپنے کام یا پیغام کے لیے کہیں بھیجنا بعثت۔'' (تفسیر نعیمی، جلد۴، صفحہ۲۸۷)۔

نیز فرماتے ہیں: ''گویا رب فرمارہا ہے کہ تم چالیس سال کے بعد اپنی نبوّت کا اعلان فرمانا مگر ہم پہلے سے ہی اعلان کرائے دے رہے ہیں (الیٰ) غرضیکہ زمانۂ نبوّت اور ہے اور زمانۂ ظہور نبوّت کچھ اور'' ملاحظہ ہو۔(رسائل نعیمیہ، صفحہ۴۷۲، ۴۷۳)۔

حضرت اجمل العلماء مفتی محمد اجمل سنبھلی فرماتے ہیں: ''ہمارے نبی اکرم ﷺ اپنے یوم ولادت ہی سے متصف بہ نبوّت تھے''۔ (ردِشہاب ثاقب، صفحہ۴۵۶، ۴۵۷)۔

حضرت صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی فرماتے ہیں: ''ہم نے بجائے نبوّت، ظہور اس لیئے کہا کہ غارِ حراء کی اس وحی سے نبوّت کا ظہور شروع ہوا ہے ورنہ نبوت تو اس واقعہ سے ہزار ہا سال پیشتر عالم ارواح میں عطا ہو چکی تھی، اس وقت تک حضرت آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔(بشیر القاری، صفحہ۲۶)۔

حضرت مفتی شریف الحق امجدی فرماتے ہیں: ''ثابت ہے کہ آپ ﷺ قبل بعثت بھی نبی تھے کسی نبی کے امتی نہ رہے۔'' ملاحظہ ہو۔(نزہۃ القاری، جلد۱، صفحہ۲۴۱ طبع کراچی)۔

استاذ العلماء شیخ شیخنا حضور علامہ فیضی علیہ الرحمۃ نے بھی اس مسئلہ پر بہت زور دیا ہے کہ آپ ﷺ بعد از ولادت باسعادت تا اعلانِ نبوّت بھی نبی تھے۔(ضیاء میلاد النبی ﷺ)۔

مصنف شہیر علامہ فیض احمد فیضی اویسی صاحب لکھتے ہیں: ''حضور نبی پاک ﷺ جملہ مخلوق سے پہلے پیدا ہوئے اور اسی وقت سے نبوّت سے نوازے گئے اور عام دنیا میں تشریف لانے سے پہلے اور بعد کو بھی نبوّت سے موصوف تھے۔ ہاں چالیس سال کی عمر شریف میں نبوّت کا اظہار و اعلان کیا۔'' (پڑھا لکھا امّی، صفحہ۸۴)۔

علامہ مفتی غلام فرید ہزاروی نے لکھا ہے: ''قرآن کے نزول کے آغاز سے بھی بہت پہلے آپ ﷺ نبی تھے۔(اثبات علم الغیب، جلد۱، صفحہ۵۱)۔

معترض کے کرم فرما علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں: ''آپ کو بچپن میں نبوّت عطا کر دی گئی تھی البتہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو اعلانِ نبوّت کا حکم دیا گیا۔(تبیان القرآن، جلد۱۲، صفحہ۸۴۳ وغیرہ)

معترض کے تلمیذ علامہ قاضی عبد الرزاق بھترالوی صاحب نے بھی اعلان نبوّت کے فلسفہ کو اعتقاداً بیان کیا ہے۔ تذکرۃ الانبیاء، صفحہ۶۵۱' سے عبارت ابھی کچھ پہلے پیش کی جا چکی ہے۔

امام علامہ ابوالفیض کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ''الکشف والبیان کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھ کر واضح فرمایا ہے کہ چالیس سال کی عمر شریف میں بعثت ہونے کا مطلب آپ کو نفس نبوّت کا دیا جانا نہیں بلکہ اس کا مفہوم اعلان واظہار نبوّت ہے اور جو یہ نہیں مانتا تو اس کا معنٰی یہ بنتا ہے کہ اللہ نے جو نبوّت آپ کو عطا فرمائی تھی اس نے اسے آپ سے سلب کر لیا اور چھین لیا یعنی سلب نبوّت چونکہ محال ہے اس لیۓ یہی عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ آپ چالیس سال کے بعد نبی بنے نہیں تھے بلکہ اپنے نبی ہونے کو ظاہر فرمایا تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارك وسلم۔

علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''غایتہ ان اعطاء النبوۃ فی سن الاربعین غالب العادۃ الالٰھیۃ و عیسٰی ویحیٰی علیھما السلام خصا بھٰذہ المرتبۃ الجلیلۃ کما ان نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خص بما ورد عنہ من قولہ کنت نبیا وان آدم لمنجدل بین الماء والطین ھذا۔''
یعنی اس بحث کالبّ لباب اور نچوڑ یہ ہے کہ منصب نبوت پر باقاعدہ فائز فرمانے کے حوالہ سے عموماً طریقہ الٰہیہ یہ رہا کہ یہ چالیس سال کی عمر میں ہوا مگر حضرت عیسٰی و یحیٰی علیہما السلام اور ہمارے نبی ﷺ اس سے مستثنٰی ہیں۔ حضرت عیسٰی و یحیٰی علیہما السلام کو اس منصب پر ان کے بچپن میں فائز کیا گیا جب کہ ہمارے نبی ﷺ کو یہ مرتبہ جلیلہ اس وقت عطا ہوا کہ ابھی آدم علیہ السلام بھی معرض وجود میں نہ آئے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ اسے خوب پلے باندھ لو۔

ملاحظہ ہو۔ (شرح الشفاء جلد ۱ صفحہ ۴۸۵ طبع مصر وملتان)۔

اقول: علامہ فہامہ علی القاری کی یہ عبارت ہر حوالہ سے مسئلہ ہٰذا کے بارے میں نہایت صاف، صریح اور دوٹوک ہے جو کسی طرح محتاج بیان نہیں۔

تصریحات معترض:

اب لیجیے خود معترض کی اپنی تصریحات: لکھتے ہیں: ''نبوّت کا مبداء بھی آپ کی ذات ہے اور منتہیٰ بھی، درخت نبوّت ورسالت کی جڑ اور تخم بھی آپ ہیں اور اس کا ثمر و پھل بھی۔'' ملاحظہ ہو۔ (کوثر الخیرات، صفحہ ۶۱،۶۰)۔

نیز ''پہلا مرتبہ (مرتبۂ نبوّت، سعیدی بقلمہ) ہر نبی کو ہمیشہ کے لیے حاصل ہے اس میں معزولی اور نقص وتنزل ممکن نہیں۔ (کوثر الخیرات، صفحہ ۸۴)۔

نیز لکھا ہے: ''صحابہ کرام نے سمجھ لیا تھا کہ جس ذات اقدس نے عالم عناصر میں نمو فرما ہونے کے

چالیس سال بعد اعلانِ نبوّت فرمایا نہ وہ نبی اب بنے ہیں اور نہ ہی چالیس سال قبل وجود میں آئے بلکہ وہ موجود بھی پہلے سے ہیں اور شرف نبوّت سے مشرف بھی پہلے سے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تائید وتصدیق فرما کر اپنے اصلی مقام وشان کو واضح فرمایا کہ میں اس وقت سے موجود ہوں جب کہ ابوالبشر کا وجود نہیں تھا اور میں صرف موجود نہیں تھا بلکہ تاج نبوّت اور خلعت رسالت بھی زیب تن کیے ہوئے تھا الخ۔ ملاحظہ ہو (سیرت سیدالانبیاء ﷺ، صفحہ ۴۶، ۴۷)۔

نیز اسی میں اسی مقام پر لکھا ہے: ''حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام حضرت ابوالبشر سے قبل خارج میں متحقق تھی اور وصف نبوّت بلکہ خاتم النبیین والے وصف سے موصوف تھی اگرچہ وجود عنصری کے لحاظ سے ظہور بعد میں ہوا''۔

نیز حدیث ''متی وجبت لك النبوة'' کے تحت مفصلاً لکھا ہے کہ: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے پوچھنے اور سوال کرنے سے کہ آپ کب سے نبی بنے، پتہ چل گیا کہ جن کے گھر آپ پیدا ہوئے اور عمر شریف کے چالیس سال گزارے تھے اور اس قدر طویل عرصہ گزارنے کے بعد نبوّت کا اعلان فرمایا۔ جب وہ اس طرح کا سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کب سے نبی ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے ایمان نے گواہی دی کہ نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ نبوت کا اعلان اور اظہار چالیس سال کے بعد کیا لیکن آپ نبی بنے ہوئے پہلے کے تھے۔ اس لیئے یہ نہیں پوچھا کہ تم نے اعلان نبوّت ورسالت کب فرمایا بلکہ پوچھا ہے ''متی وجبت لك النبوة یارسول اللہ'' آپ کے لیئے اے رسول اللہ! نبوّت ثابت کس وقت سے ہے اور نبی اکرم ﷺ کا یہ جواب کہ میں اس وقت سے نبی ہوں۔ جب تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا روح ابھی ان کے جسم میں پھونکا نہیں گیا تھا۔ صحابہ کرام کے اس نظریہ وعقیدہ پر مہر تصدیق ہے، تم نے درست سمجھا، واقعی میں عمر شریف کے چالیس سال گزار کر نبی نہیں بنا بلکہ اس وقت سے یہ منصب اور اعزاز مجھے حاصل ہے جب کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے تن بدن میں جان نہیں آئی تھی (الیٰ) آنحضرت ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق وایجاد سے پہلے نبوت ورسالت اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز تھے۔'' ملاحظہ ہو۔ (تنویر الابصار، صفحہ ۲۲، ۲۳)۔

اقول: ایک بار پھر بے ساختہ نوک قلم پر آیا چاہتا ہے: ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

جواب آخر: اس سب سے قطع نظر چالیس سال کے بعد مبعوث کیئے جانے کو نبوت کے عطا فرمائے جانے کے معنیٰ میں ہونے کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی یہ ہمیں کچھ مضر اور معترض کو کچھ مفید نہیں کیونکہ اس صورت میں نبوّت سے مراد رسالت ہوگی، نفس نبوّت نہیں کیونکہ وہ آپ ﷺ کو (بدلیل کنت نبیا وآدم بین الروح

والحسد وغیرہ) پہلے سے حاصل ہے جب کہ بحث ''نفسِ نبوّت'' میں ہے رسالت میں نہیں پس معترض کی یہ نام نہاد دلیل درحقیقت مغالطہ ہے اسی لیئے ہمارا اسے مغالطہ کا نام دینا عین حقیقت کے مطابق ہے۔

واضح رہے کہ ''رسالت'' مراد ہمارے نزدیک آپ ﷺ کا مأمور بالتبلیغ ہونا (یعنی آپ کو حکم تبلیغ کا ملنا) ہے۔اس سلسلہ کے بعض نقول ملاحظہ ہوں:

چنانچہ علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: لئلا یفجأہ الملك الذی ھو جبریل علیہ السلام بالنبوۃ ای الرسالۃ ''خلاصہ یہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے ہاں جو نبوّت لائے اس سے مراد رسالت ہے۔ (سیرت حلبیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۳۳ طبع بیروت)۔اسی میں سیرت حافظ دمیاطی کے حوالہ سے رجب شریف کی ستائیسویں تاریخ کے متعلق لکھا ہے: ''وھو الیوم الذی نزل فیہ جبریل علیہ السلام علی النبی ﷺ بالرسالۃ'' یعنی وہ ایسا دن ہے کہ جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ پر رسالت کو اتارا تھا۔(سیرت حلبیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۳۸)۔نیز اسی میں (اسی صفحہ کی سطر نمبر ۱ میں) ہے: ''کانت اللیلۃ التی اکرمہ اللہ تعالٰی فیھا برسالۃ۔'' یعنی وہ ایسی رات ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ''رسالت'' سے نوازا۔

امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارقام فرماتے ہیں: ''جب سرورِ عالم ﷺ پر غارِ حرا شریف میں آیتیں اقرأ شریف کی نازل اور حضور کو فضیلت رسالت حاصل ہوئی الخ۔'' ملاحظہ ہو۔(مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، صفحہ ۱۴۶، طبع کھاریاں)۔

نوٹ: اعلیٰ حضرت کی یہ عبارت معترض فریق نے بھی پیش کی ہے۔ملاحظہ ہو تحقیقات طبع دوم، صفحہ ۳۸۹ نیز جانب چپ کے گتّے کا بایاں طرف زیرِ عنوان ''اکابر علماء اور صوفیاء کرام کے ارشادات۔''

صفحہ ۳۸۹ پر معترض فریق نے دو روایتیں پیش کی ہیں جن میں سے ایک میں اکرمنی اللہ بنبوتہ کے لفظ ہیں اور دوسری میں ''اکرمنی اللہ برسالتہ'' ہے جس کے بعد یہ تسلیم کیا کہ ''کبھی نبوۃ و رسالت ایک ہی معنٰی میں استعمال ہوجاتے ہیں۔'' (صفحہ ۳۸۹)۔

البتہ صفحہ آخر میں اس کی ایک خانہ ساز تأویل کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے کہ ''یہاں رسالت سے مراد نبوت ہے۔'' نہایت درجہ غلط توجیہ القول بما لا یرضٰی بہ قائلہ کے قبیل سے ہے کیونکہ امام اہل سنت نے دوسرے مقام پر اس سے اپنی مراد خود واضح فرمادی ہے۔

چنانچہ ستائیسویں رجب کے متعلق ارقام فرماتے ہیں: ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی (الیٰ) وھو الیوم الذی ھبط فیہ جبریل علی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم بالرسالۃ۔'' اردو ترجمہ

فرماتے ہوئے لکھا ہے: ''اور وہ وہ دن ہے جس میں جبریل علیہ الصلاۃ والسلام محمد ﷺ کے لیے پیغمبری لے کر نازل ہوئے۔

ملاحظہ ہو (فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صفحہ ۶۵۸ طبع قدیم)۔

پُرلطف بات یہ کہ خود معترض فریق نے بھی یہ عبارت استناداً پیش کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات طباعت دوم صفحہ ۳۶۲ بحوالہ فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ صفحہ ۴۶۸ جلد ۴ صفحہ ۶۵۸)۔

اقول: اعلیٰ حضرت نے ''پیغمبری'' کے لفظ سے ترجمہ فرما کر یہ متعین فرما دیا ہے کہ ان کے نزدیک یہاں رسالت نبوت کے معنیٰ میں نہیں ہے کیونکہ پیغمبری رسالت کا ترجمہ ہے نبوت کا نہیں۔

ثم اقول: اعلیٰ حضرت کی ان تصریحات کی رُو سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ برتقدیر تسلیم آپ کی وہ عبارات جن میں ''نبوت عطا ہوئی'' کے الفاظ آئے ہیں نیز دیگر اکابر کی اس طرح کی عبارت بھی ان میں نبوت سے مراد نفس نبوّت نہیں بلکہ رسالت اور پیغمبری مراد ہے۔ لہٰذا وہ سب عبارات خارج از بحث ہیں جنہیں اپنی دلیل کے طور پر لانا معترض فریق کی سخت مغالطہ آفرینی ہے۔ والحمدللہ۔ کچھ تفصیل اقوال کی بحث میں بھی آرہی ہے۔

الغرض بعثت کو نبوّت کے معنیٰ میں بھی لیا جائے تو وہ ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں نبوّت بمعنی رسالت ہے۔

نوٹ: امام آجری کی ایک عبارت جو ابھی کچھ پہلے پیش کی جا چکی ہے اس کے یہ الفاظ بھی ہمارے اس موقف کی دلیل ہیں: ''حتّٰی نزل علیہ الوحی وامر بالرسالۃ وبعث الی الخلق کافۃ (الی) بعث علی رأس اربعین سنۃ'' یعنی چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ پر وحی جلی اتری اور جملہ مخلوق وانس وجن کی طرف مبعوث ہو کر مأمور بالتبلیغ ہوئے فقط۔

امام رازی کی عبارت کے حوالے سے مغالطہ کا رد:

مؤلف تحقیقات نے امام رازی کی پیش کردہ مذکورہ عبارت کے الفاظ ''قال المفسرون'' کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے کہ: تمام مفسرین اس امر کے قائل ہیں'' حالانکہ اس میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ ''تمام'' ہو۔

نیز اس سے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ امام رازی کا نظریہ بھی وہی ہے جو ان مفسرین نے بیان کیا ہے حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے جو طرز کلام سے بھی واضح ہے۔

نیز اس کا ردّ خود اسی عبارت میں مذکور ہے جسے خود مؤلف نے بھی نقل کیا ہے حیث قال واقول ہٰذا

مشکل الخ۔ ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

معنیٰ "بعث" کے حوالے سے معترض کی تقریر کا ترکی بہ ترکی جواب:

قال المعترض: بعث کا معنٰی مقرر کرنا اور کسی منصب پر فائز کرنا ہی ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر شموئیل علیہ السلام سے عرض کیا: "ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل الله۔" ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کرو۔ توانہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ بادشاہ کی نشاندہی کی۔ "ان الله قد بعث لکم طالوت ملکا۔" اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا۔ اور اس کو یہ منصب عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ (کنزالایمان، خزائن العرفان)۔ بنی اسرائیل کا مطالبہ یہ نہیں تھا کہ بادشاہ ہمارے اندر موجود ہے اور شاہی صفات اور عادات واخلاق کے ساتھ منصب ہے بس اس کا اعلان کر دو۔ اعلان اور اظہار کروانا پیش نظر تھا تو پھر اس کو بادشاہ ماننے سے انکار کیوں کیا۔ (ملخّصاً بلفظہ)۔ (تحقیقات، طبع دوم، صفحہ ۳۳۹) نیز صفحہ ۴۰۳)۔

اقول: بحث، بعثِ نبی ورسول میں ہے، مثال بعثِ بادشاہ کی دی گئی ہے یعنی بادشاہت کو نبوت اور بادشاہ کو نبی کے ساتھ ملا دیا گیا ہے جو جرم عظیم ہے۔ حدیث شریف میں ہے "لایقاس بنا" انبیاء علیہم السلام کا قیاس غیر انبیاء پر کرنے کی اجازت نہیں۔ بناءً علیہ مثال غلط ہے۔

علاوہ ازیں اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ایک مادّہ ہر جگہ ایک ہی معنٰی دیتا ہے یہ بھی غلط ہے۔ چنانچہ شعر کا مادّہ جاننے، محسوس کرنے اور سمجھنے کا معنٰی بھی دیتا ہے (ولکن لا یشعرون)۔

شعر (خیالی اوور منظوم کلام) کے معنٰی میں بھی آتا ہے (وما ھو بقول شاعر)

اور بال کے مفہوم کے لیئے وارد ہے (ما استرسل من الشعر) (وغیرہ وغیرہ)۔ یہ بھی غلط ہے کہ "بعث" صرف مقرر کرنے اور کسی منصب پر فائز کرنے ہی کے معنٰی میں ہوتا ہے ورنہ ان آیات میں بعث کا یہ معنٰی کر کے دکھائیں: "ثم بعثنا کم من بعد موتکم" "فأماته الله مائة عام ثم بعثه"۔

اور ہم ابھی امام راغب اور امام خفاجی کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ بعث کا مادہ بھی مختلف معانی کے لیئے آیا ہے: "ویختلف البعث بحسب اختلاف ماعلق به" جو اپنے متعلّق کے حسب کیفیت مختلف ہوتا ہے۔ "وارسال الرسل وھو المراد ھنا" انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کے لیئے آئے تو ارسال ہی کے معنٰی میں ہوتا ہے۔

لہٰذا اس کی بنیاد پر کی گئی معترض کی ساری تقریر (کہ بنی اسرائیل کا مطالبہ اعلان کر دو کا نہیں تھا

وغیرہ)۔ باطل' کافور اور ہباءً منثورا ہوگئی۔

وجہ ظاہر ہے کہ بادشاہ کو بادشاہ بنایا جاتا ہے جب کہ نبی پہلے سے نبی ہوتا ہے۔(کما قد حققناہ مراراً خصوصا فی الباب الثامن من هذا الکتاب)۔

بلکہ غور کیا جائے تو یہ بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ نبی اسرائیل کا بھی مقصد یہی تھا کہ کسی ایسے شخص کو بادشاہ کے طور پر ہمارے آگے کریں جس میں بادشاہت کی اوصاف پائے جاتے ہوں کہ ہمارے لیئے اس کی نشان دہی مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی یہ پریشانی' نبی کے آگے رکھی پس یہ مثال بھی معترض کے الٹ چلی گئی۔

مزے کی بات یہ ہے کہ قرآنی الفاظ میں نبی کے جوابی جملہ کا ترجمہ بحوالہ کنزوخزائن موصوف خود بھی یہ کر رہے ہیں کہ''اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔'' سبحٰن اللہ یعنی جس امر سے وہ جان چھڑانا چاہتے ہیں اسی میں الجھ کر رہ گئے ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔

رہا بنی اسرائیل کا انکار؟ تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں' ان کی اکثریت اس مرض میں مبتلا تھی اور نبیوں سے الجھنا حتیٰ کہ انتہائی اقدام کر گزرنا (اور رسل کرام کو شہید کر دینا) ان کی سرشت میں شامل تھا اور یہ ان کی عادت ثانیہ تھی جو کسی خادم قرآن پر مخفی نہیں۔ سورۂ بقرہ شریف ہی کا مطالعہ تازہ کر لیا جائے۔ لہٰذا معترض کا بنی اسرائیل کے اقدام کو معیار بنانا کسی طرح درست بلکہ روا نہیں ہے۔ آگے چلیے۔

قال المعترض: ''قال اللہ تعالیٰ: ''وبعثنا منهم اثنی عشر نقیبا ''ہم نے ان میں سے بارہ سردار قائم کیے۔ یہاں از سرِ نو تقرر مراد ہے نہ کہ وہ سرداری کے ساتھ پہلے بالفعل متصف تھے' اللہ تعالیٰ نے صرف ان کا اعلان فرما دیا''۔ (تحقیقات' طبع دوم' صفحہ ۳۴۰)۔

اقول: اس میں بھی سرداروں کی سرداری کا مسئلہ ہے نبیوں اور رسولوں کی نبوّت و رسالت کی بات نہیں پس اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو قصۂ طالوت کے حوالہ سے ابھی گزری ہے۔ لہٰذا یہ تقریر بھی باطل اور مثال قطعاً عاطل ہے۔ غور فرمایئے: ''قائم کیئے'' متعدی اور ''از سر نو تقرر'' میں صیغۂ لازم میں جو گہرا ربط ہے اور اس حوالہ سے لغت عربیہ کی جو خدمت سرانجام دی گئی ہے' اپنی مثال آپ ہے۔

قال المعترض: قال: ''ابعث الله بشرا رسولا'' کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (الاسراء ۹۴) قال تعالیٰ اهذا الذی بعث الله رسولا کیا یہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (الفرقان' ۴۱)۔

ان آیتوں میں منصب رسالت پر مقرر کیئے جانے کا کفار کی طرف سے انکار بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ

صرف اظہار واعلان پر انکار بیان کرنا مقصود ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۴۰۳' طبع جدید)۔

اقول: ''بھیجا ہے''، ''بھیجا ہے'' ترجمہ کر کے معترض نے اپنی اس تقریر کے شروع میں کیے گئے اپنے اس دعوے کی خود ہی تغلیط کر دی ہے کہ ''بعثت کا معنٰی مقرر کرنا اور کسی منصب پر فائز کرنا ہی ہوتا ہے۔'' گویا جس امر کے ''ہی'' ہونے کا دعویٰ کیا تھا اس کے حصر کو خود توڑ کر ''بھی'' سے بدل دیا ہے یعنی پہلے غلط لکھا تھا' اس کا یہ معنٰی بھی ہوتا ہے۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

پھر جب ان کو یہ تسلیم ہے کہ ان آیتوں کا مضمون مقولۂ کفّار ہے تو مولانا کا یہ استدلال قول کفّار سے ہوا یعنی اس مسئلہ کو سلجھانے کے لیے انہیں دلیل کے طور پر کفار ہی ملے ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ جس کا ہماری طرف سے اتنا جواب بھی کافی ہے کہ کفار کو کیا پتہ شانِ رسالت کا اور انہیں کیا خبر کہ رسول کون ہوتا ہے اور بعثت و رسالت کیا ہوتی ہے؟

قال ابن المحترض: ''بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعثت سے مراد اعلان نبوت ہے نہ کہ اعطائے نبوت۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ قرآن پاک میں ارشاد باری ہے: ۱۔ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا۔۲۔ولقد بعثنا فی کل امة رسولا۔۳۔وما کنا معذبین حتٰی نبعث رسولا۔۴۔ عسٰی ان یبعثك ربك مقاما محمودًا ۔اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں۔حدیث پاک میں ہے'۱۔وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته (بخاری شریف)۔ابوداؤد کی حدیث پاک ہے'۲۔ان اللہ یبعث لھٰذه الامة الخ۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی: ۵۔ربنا وابعث فیھم رسولا منھم۔نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا: ۳۔انا دعوة ابی ابراهیم (ملخصاً بلفظہ) (تحقیقات صفحہ ۴۰۳' طبع دوم)۔

اقول: پیش کردہ آیات واحادیث سے وجہ استدلال بیان نہیں کی گئی پس موصوف کی یہ تقریر ''المعنٰی فی بطن الشاعر'' کی آئینہ دار ٹھہری۔

بناءً علیہ اصولاً تو ہمارے ذمّہ اس کا کوئی جواب نہیں ہے پھر بھی تبرعاً عرض ہے کہ پیش کردہ آیت نمبر ۱ کا جواب ابھی ہم پیش کر آئے ہیں کہ یہ غیر متعلق ہے کیونکہ بحث نبی ورسول کی بعثت کے متعلق ہے بادشاہوں کی تقرری کے بارے میں نہیں ہے۔ پس وہ ہمارے خلاف نہیں۔ ہمارے خلاف تب ہوتی جب ہم یہ کہتے کہ ہر جگہ بعث کا معنٰی ''بھیجنا'' ہی ہوتا ہے۔

یہی جواب پیش کردہ آیت نمبر ۴ اور حدیث نمبر ۱ سے ہے کہ ان میں بعث بمعنٰی ارسال نہیں پھر بھی

وہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم اس کے تعدّ دمعانی کے قائل ہیں۔

یونہی حدیث نمبر۲ بھی ہمارے خلاف نہیں کیونکہ وہ مجدّ د کے بارے میں ہے۔ جب کہ بحث بعث نبی ورسول کے متعلق ہے پس یہ قطعاً غیر متعلق ہوئی ورنہ ہم نے کب کہا ہے کہ مجدّ د پیدائشی طور پر ہی وصف تجدید سے بالفعل موصوف ومتصف ہوتا ہے؟ لہٰذا خدا کا خوف کریں' ادھرادھر کی لگا کر لوگوں کومت گمراہ کریں۔

رہی حدیث نمبر۳؟ تو اس میں ''بعث'' کا مادّہ ہے ہی نہیں اوراس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ دعاء خلیل علیہ السلام کا مصداق ہیں اور مفاد یہ ہے کہ آپ کے تذکرے انبیاء سابقین علیہم السلام میں بھی موجود تھے جس کا یہ مطلب ہونا خود آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا ''وسأخبركم باوّل امري دعوة ابراهيم و بشارة عيسى عليهما السلام ورؤيا امي التي رأت حين وضعتني وفي رواية حين ولدتني ''یعنی فرمایا آؤاب میں تمہیں اپنے ظہور کے قبل کی کچھ باتیں بتاتا ہوں میں دعاء خلیل اورنوید مسیحا ہوں (علیہما السلام) اوراپنی والدہ ماجدہ کا وہ نظارہ ہوں جوانہوں نے میرے میلاد کے وقت کیا تھا۔ (رواہ الحاکم والبزاز والطبری وغیرہم)۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضور کونبوت ان کی دعا سے ملی یا آپ ان کی دعا سے نبی بنے ﷺ کیونکہ کوئی اس کا قائل نہیں ہے نیز حضور پہلے سے نبی ہیں جب کہ حضرت خلیل علیہ السلام کجا حضرت ابوالبشر علیہ السلام کا وجود مسعود بھی نہ تھا۔ (وقد مر فوق مرة كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد)۔

رہی پیش کردہ آیت نمبر۲' ۳ اورنمبر۵؟ تو یہ معترض فریق کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں ''بعث'' ارسال ہی کے معنٰی میں ہے جیسا کہ امام راغب اورامام خفاجی کی عبارات سے واضح کیا جا چکا ہے۔

علاوہ ازیں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی کنزالایمان شریف میں ان کا ترجمہ ارسال اوربھیجنے سے ہی فرمایا ہے جو بالترتیب اس طرح ہے:

آیت نمبر۲: اور بے شک ہرامت میں ہم نے ایک رسول بھیجا۔ (النحل)۔

آیت نمبر۳: اورہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔ (الاسراء)۔

آیت نمبر۵: اے ہمارے رب اوربھیج ان میں ایک رسول۔ (البقرہ)۔

الغرض یہ آیات ان کے خلاف ہیں لگتا ہے جوش انکار نبوت مصطفیٰ ﷺ میں انہیں ہوش نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ آیات پیش کرکے کہا ہے ''اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں''، جس کا یہ مطلب واضح ہے کہ وہ

آیات کو پیش کر کے فارغ ہو گئے ہیں مگر آگے دو حدیثیں لکھنے کے بعد پھر آیت شروع کر دی: ربنا وابعث فیھم الخ۔سبحٰن اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الااللہ واللہ اکبر ولا حول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

قال المحرّف: بعثت سے مراد ارسال ہے محلِ نظر ہے کیونکہ ارسال کا لغوی معنٰی اس کا متقاضی ہے کہ وہ ہستی پہلے دوسری جگہ ہو پھر اس کو دوسری جگہ منتقل کیا جائے تو جس جگہ رسول پہلے سے ہی موجود ہو وہاں اس کے ارسال کا کوئی معنٰی نہ ہوگا۔گویا محبوب ﷺ اہل مکہ کے لیے رسول اور مرسل نہ ہوئے کیونکہ پہلے سے ان میں موجود تھے۔کیا کوئی عقل مند آدمی یہ قول کر سکتا ہے۔لہٰذا یہاں شرعی معنٰی کسی کو اس کے منصب پر فائز کرنا اور ذمہ داری سونپنا مراد ہے چونکہ اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد کی حالت پہلی حالت سے بالکل مختلف ہو گئی تو گویا یہ شخص پہلے سے مختلف شخص بن گیا۔اس لیے اس نئی صورت حال کو بعثت اور ارسال اور اس ہستی کو مبعوث اور مرسل سے تعبیر کر دیا گیا۔(تحقیقات،طبع دوم،صفحہ ۳۴۱)۔

اقول: اس تقریر کی ضرورت اس وقت تھی کہ جب قائلین نبوت میں سے کسی نے بعثت سے اسی تفصیل کے مطابق ارسال مراد لیا ہوتا جو موصوف نے بیان کی ہے ولٰکن اذلیس فلیس ۔پھر بھی نہ مانیں تو حوالہ پیش کریں۔ ہمارے نزدیک بعثت بمعنی ارسال کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ شان نبوت کے ظہور کی حیثیت سے بھیجے گئے۔یعنی ارسال کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ حکم تبلیغ پا کر منظر عام پر تشریف لائے۔یہ بھی تو اختلاف حالت ہے جس کی ایک مثال سورۂ والفجر کی آیت بھی ہے وجاء ربك والملك صفاً صفاً۔اس آیت میں اللہ تعالٰی کے آنے سے مراد اہل محشر کے سامنے شانِ ظہور کے ساتھ اس کا جلوہ گر ہونا ہے حقیقی لغوی معنٰی مراد نہیں ورنہ قول تجسیم لازم آئے گا جو باطل ہے۔

تو کیا کوئی اہلِ ایمان وعقل اس سے انکار کر سکتا ہے؟نہیں اور ہر گز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ موصوف کی یہ تقریر بھی بالکل بے محل اور قطعی طور پر بے فائدہ ہے اور انہوں نے ارسال کا جو خود ساختہ مفہوم نکال کر اس سے جو نتیجہ نکالا ہے کہ ''گویا محبوب ﷺ اہل مکہ کے لیۓ رسول اور مرسل ہوۓ۔'' الخ۔وہ خود انہی کا حصہ ہوا کیونکہ ہم نے یہ بات کبھی نہ کہی بلکہ قائلین میں سے کسی کی سوچ میں بھی یہ کبھی نہ آئی۔پھر بھی نہ مانیں تو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت اور دیگر اکابر رحمہم اللہ نے کنز الایمان شریف وغیرہ میں ''بعث'' کا معنٰی جو بھیجنا کیا ہے(حوالے بھی گزرے ہیں)تو کیا انہیں جناب کے اس فلسفہ کا علم نہیں تھا؟

قال المحرّف: ''اگر بعث اور ارسال کا یہ معنٰی لیا جائے کہ نبی تو پہلے سے تھے۔ان کی نبوت کا اظہار اور اعلان بعد میں پایا گیا توفبعث اللہ النبیین، مبشرین ومنذرین کا مطلب یہ بن جائے گا کہ تمام انبیاء

علیہم السلام پہلے سے وصف نبوت کے ساتھ متصف تھے ان کی نبوت کا اظہار اور اعلان بعد میں کیا گیا۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط اور خلافِ واقع دعویٰ ہے۔ خارج میں بالفعل وصف نبوت سے موصوف ہونا جب کہ حضرت آدم آب وگل کے درمیان تھے صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت اور امتیازی وانفرادی شان ہے۔ دیگر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو عالم اجسام میں بالعموم چالیس سال کی عمر کے بعد ہی نبی بنایا گیا اور فریضۂ تبلیغ سونپا گیا۔ اس سے استثناء پایا گیا ہے تو دو حضرات یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام اور وہ بھی اجماعی نہیں بلکہ صرف بعض حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ یہ دونوں حضرات بچپن میں ہی اس منصب پر فائز کر دیئے گئے تھے۔ (تحقیقات، صفحہ ۳۴۱، ۳۴۲)۔

ابن المعترض کا کہنا ہے کہ: ''بعثت تو ہر نبی کی پائی گئی فبعث الله النبيين'' کیا سب نے چالیس سال کے بعد اعلان کیا۔ نبی بچپن سے تھے۔ پھر حضور کی کیا خصوصیت ہوگی۔ حالانکہ کنت نبيا مقام اختصاص میں وارد ہے۔'' (تحقیقات صفحہ ۴۰۳، طبع دوم)۔

اقولُ: تحقیق یہی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پیدائشی نبی ہیں۔ البتہ ان کے سنین بعثت مختلف ہیں اسی بعثت کو عطاء نبوت سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی مکمل باحوالہ تفصیل باب ہشتم میں النبیین کی بحث میں گزر چکی ہے۔ پس پورا اعتراض کافور ہو گیا۔

پیش کردہ آیت میں بھی اس کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اس کا یوں ترجمہ فرمایا ہے: ''پھر اللہ نے انبیاء بھیجے۔

''بھیجنا'' ان کے پہلے سے نبی ہونے کو بیان کر رہا ہے (کمامرّ) کیونکہ آیت میں اتنا ہے کہ اللہ نے نبیوں کو بھیجا۔

رہی سید عالم ﷺ کی خصوصیت اور حدیث كنت نبيا کا مقام اختصاص میں وارد ہونا؟ تو وہ اپنی جگہ درست ہے اور یہ اعتراض تب درست تھا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کا نبی ہونا اسی زمانہ میں مانا جاتا جس میں آپ ﷺ کو نبی بنایا گیا اور نوعیت ایک ہوتی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ زمانہ بھی ایک نہیں نوعیت بھی مختلف ہے۔ آپ ﷺ کو یہ دولت، عالم حقائق (اور زمانۂ قبل از تخلیق آدم علیہ السلام) میں عطا کی گئی۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کو اس سے بعد میں بہرہ مند فرمایا گیا۔ مکمل باحوالہ تفصیل باب سوم اور باب ہشتم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

رہا دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ دعویٰ کہ انہیں عالم اجسام میں بالعموم چالیس سال کی عمر کے بعد نبی بنایا گیا یعنی نفس نبوت عطا کی گئی؟ تو قرآن وسنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ پس یہ دعویٰ سخت محل نظر

ہے۔مکمل بحث مغالطہ نمبر ۱۸ کے ردّ میں کچھ پہلے گزر چکی ہے۔ایک حوالہ مزید لیجیے۔

علامہ عبدالعزیز پر ہاروی رحمۃ اللہ علیہ اس حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: ''المشهور ان النبی یبعث بعد اربعین لانه حین یکمل العقل وفی الدلیل نظر بل المعتمد فیه النقل''یعنی مشہور یہ ہے کہ نبی کی بعثت چالیس سال کی عمر کے بعد ہوتی ہے کیونکہ عقل اسی مدت میں کامل ہوتی ہے۔جب کہ یہ دلیل محل نظر ہے۔کیونکہ اس کے لیے قرآن وسنت کی دلیل ہی کام دے سکتی ہے(یعنی وہ ہے نہیں)۔

ملاحظہ ہو۔(النبراس صفحہ ۴۳۰، طبع پشاور وکوئٹہ)۔

ہاں نبی بنائے جانے سے مراد بعثت اور حکم تبلیغ ہو تو ٹھیک ہے۔حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے بارے میں جو اس سلسلہ کی بحث ہے اس سے مقصود بھی علی الصحیح ان حضرات کی بعثت ہے نفس نبوت نہیں۔ لہٰذا علماء کا اس میں اختلاف بھی اس میں ہے کہ ان کی بعثت کب ہوئی؟ یعنی انہیں حکم تبلیغ کب ہوا' بچپن میں یا بعد میں؟ یہ نہیں کہ نفس نبوت انہیں کب حاصل ہوئی۔

پھر اس میں بھی بہت کم ایسے ہیں جو بعد میں ان کی بعثت کے قائل ہیں۔اکثریت اسی کی قائل ہے کہ ان کی بعثت ان کی بچپن کی عمر شریف میں ہوئی اس کی بھی مکمل با حوالہ تفصیل باب ہشتم میں گزر چکی ہے۔

پھر جب یہ اقرار ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کا زمانہ قبل از تخلیق آدم علیہ السلام سے بالفعل نبی ہونا آپ کی خصوصیت' امتیازی اور انفرادی شان ہے۔نیز حدیث کنت نبیاً مقام اختصاص میں وارد ہے تو کم از کم حضور کے متعلق تو یہ ایک حقیقت ثابتہ اور یقینی بات ہوئی کہ آپ نبی پہلے سے تھے' حکمِ تبلیغ آپ کو بعد میں ملا جب کہ کنت نبیا کے مضمون کے ثبوت کے بعد اس کا نسخ ممکن نہیں کہ یہ اخبار ہے جو قابل نسخ نہیں۔نہ ہی اس کا انقطاع وزوال ثابت ہے اور نہ ہی اس کے سلب ہو جانے کا کوئی ثبوت ہے بلکہ اس کا جواز بھی نہیں۔

قال المعترض: ''النبیین کا لفظ جمع اور معرف باللام ہے' عہدیت پر کوئی قرینہ نہیں تو لامحالہ استغراق والا معنی مراد ہوگا یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اس حال میں کہ وہ بشارات سنانے والے تھے اور ڈرانے والے تھے۔تو لازم آ گیا کہ سارے انبیاء رسول بن جائیں اور نبوت ورسالت کا باہمی فرق ہی ختم ہو کر رہ جائے۔نیز سارے ہی نبی پیدا ہوتے ہوں کیونکہ بعثت ان کی بعد میں پائی گئی۔نبوت تو ان کو پہلے سے حاصل تھی۔بقول ان مجتہدین کے ان سب کو آغاز ولادت سے مقام نبوت پر فائز اور صفت نبوت سے موصوف ومتصف ماننا لازم ٹھہرے گا۔حالانکہ دونوں لازم باطل' نا قابل تسلیم اور خلاف اجماع ہیں۔'' فتأمل حق التأمل''۔ملاحظہ ہو۔(تحقیقات صفحہ ۳۴۲ طبع دوم)۔

اقول: اوّلاً: پیش کردہ الفاظ آیت (فبعث اللہ النبیین) سے پہلے کے لفظ یہ ہیں: "کان الناس امة واحدة" معنٰی یہ ہوگا کہ لوگ پہلے ایک ہی جماعت تھے پھر جب ان میں اختلافات پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھانے کے لیے نبیوں کو بھیجا۔

اس کی تفسیر میں اہل تفسیر کا شدید اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس، امام مجاہد اور قتادہ کے قول پر ایک جماعت ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ سب مسلمان اور اہل ایمان تھے۔ زمانۂ نوح علیہ السلام میں کچھ لوگ بت پرست ہوگئے تو انہیں سمجھانے کے لیۓ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانے کا سلسلہ جاری فرمایا جن میں سے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا "فکان اوّل رسول بعثه الله الی اهل الارض"۔

ملاحظہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، جلدا، صفحہ ۲۵۰ و دیگر کتب تفسیر تحت آیت ہٰذا)۔

نوٹ: ابن کثیر نے قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہا "اصح سنداً و معنیً۔

اقول: اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں النبیین میں حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کے انبیاء کرام (حضرت آدم، حضرت شیث اور حضرت ادریس) علیہم السلام شامل نہیں ہیں۔ بناءً علیہ معترض کا یہ دعویٰ غلط ہوگیا کہ "لامحالہ استغراق والا معنی مراد ہوگا۔"

علاوہ ازیں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل فرمایا کہ یہاں "الناس" سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے پھر ان میں اختلاف رونما ہوا تو حضرت کلیم کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی تفہیم کے لیۓ بھیجا گیا۔

امام رازی نے فرمایا کہ یہ بہت سے مفسرین کا قول ہے نیز: "وهذا القول مطابق لنظم الآية و موافق لما قبلها ولما بعدها "یعنی یہ قول نظم آیت کے مطابق اور اس کے سیاق وسباق کے موافق ہے۔

(تفسیر کبیر، جزء۶، صفحہ ۱۴، ۱۵، طبع ایران)۔

اقول: امام رازی کی بیان کردہ اس تفصیل کی رو سے یہاں "النبیین" میں کم از کم حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام سے پہلے کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام شامل نہیں ہیں۔ تو اس سے بھی معترض کا یہ دعویٰ ایک بار پھر باطل قرار پایا کہ "لامحالہ استغراق والا معنی مراد ہوگا۔"

ثانیاً: اس سے قطع نظر سارے انبیاء علیہم السلام کے رسول بن جانے اور نبوّت و رسالت کے باہمی فرق کے ختم ہوکر رہ جانے کا اعتراض ہی غلط ہے کیونکہ نبی اور رسول میں مناوبت بھی مروج ہے۔ چنانچہ اس

آیت میں ''فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین '' کے لفظ ہیں۔دوسری جگہ یوں فرمایا ہے: ''رسلا مبشرین و منذرین۔''اور یہ خود معترض فریق کو بھی تسلیم ہے' کچھ پہلے تحقیقات (صفحہ ۲۸۹طبع دوم) سے یہ عبارت پیش کی جا چکی ہے کہ ''کبھی نبوّت و رسالت ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوجاتے ہیں۔'' علاوہ ازیں آیت میثاق میں بھی ''النبیین'' کے لفظ آئے ہیں ''و اذا اخذ اللہ میثاق النبیین'' (آل عمران ۸۱)۔

جس سے خود معترض نے بھی استناد کیا ہے۔ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۷'۲۸)۔جب کہ دوسری آیت کی روشنی میں اس میثاق میں صرف نبی نہیں رسول بھی شامل تھے۔چنانچہ ارشاد باری ہے: و اذ اخذنا من النبیین میثاقھم و منك و من نوح و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم و اخذنا منھم میثاقا غلیظا۔ (احزاب ۷)۔

تو بعینہٖ وہی اعتراض آیت میثاق کے حوالہ سے بھی وارد ہو رہا ہے فما ھو جوابکم فھو جوابناء ہمارے نزدیک اس سوال کی کوئی اہمیت اور وقعت و گنجائش نہیں ہے۔کیونکہ بعثت نبی اور رسول دونوں کی ہوتی ہے جن میں فرق کا پتہ ان کی شرائط سے چلتا ہے۔پس نبی ہوگا تو بعثت نبوّت ہوگی۔رسول ہوگا تو بعثت رسالت ہوگی۔جب کہ ان کے مبشر اور نذیر ہونے کا تعلق بعثت کے بعد کے زمانہ سے ہے یہ نہیں کہ وہ ''مبشرین'' اور ''منذرین'' پہلے سے تھے اور بعثت بعد میں ہوئی۔

پھر چونکہ نبیوں کی تعداد رسولوں سے نمایاں طور پر زیادہ ہے کیونکہ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کی مجموعی تعداد باختلاف روایات ایک لاکھ یا دو لاکھ چوبیس یا چالیس ہزار ہے جن میں سے رسول صرف تین سو تیرہ یا پندرہ ہیں۔باقی سب نبی ہیں اس لیے انہیں تغلیباً النبیین کے لفظوں سے یاد فرمایا گیا۔

خدا کے کرنے سے معترض نے یہاں نہایت ہی آسانی اور سادگی کے ساتھ یہ تسلیم کر لیا ہے کہ نبی و رسول میں باہمی فرق ہے نیز دبی زبان میں یہ بھی مان لیا ہے کہ جو رسول ہوتا ہے وہ قبل بعثت نبی بھی ہوتا ہے جب کہ اس کا ان سے منوانا مسئلہ کشمیر کی حیثیت رکھتا تھا۔

باقی رہی یہ بات کہ قبل بعثت نبی مان لینے سے سب انبیاء علیہم السلام کو آغاز ولادت سے نبی ماننا لازم ٹھہرے گا؟ تو اس کی وضاحت ہم ابھی کر آئے ہیں کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کم از کم زمانۂ عہد اَلست سے نبی ہیں لہٰذا معترض کا اسے باطل کہنا بذاتِ خود باطل ہے اور اسے نا قابل تسلیم ٹھہرانا شاید ان کا مزاجی مسئلہ ہے جب کہ خلافِ اجماع کہنا بے بنیاد دعویٰ ہے ورنہ وہ معتمداً خذ سے بتائیں کہ اس پر کب اجماع ہوا اور کس نے کیا؟ ''ماننا لازم ٹھہرے گا'' اس انداز سے کہہ رہے ہیں جیسے انہیں کسی بڑی مصیبت کے لیئے مدعو کیا گیا ہو

جب کہ مان لینا غلاموں کے لیئے کوئی رنج والم کا مرحلہ نہیں بلکہ بہت بڑی سعادت ہے۔

هو يقول: فتأمل حق التأمل:

وانا اقولُ: فليتفكر كما حق له ان يتفكر

○ قال تعالى ان تقومو لله مثنى وفرادى ثم تتفكروا صدق الله العظيم۔

قال ابن المعترض: فتاوی رضویہ جلد۱۰ صفحہ ۶۴۸ پر اعلیٰ حضرت نے بعثت کا ترجمہ اعطاء نبوت کیا ہے۔ (تحقیقات طبع دوم صفحہ ۳۷۹)۔

اقول: اولاً: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ردّ فرمایا ہے۔ پوری عبارت اس طرح ہے کہ آپ نے روزۂ رجب کے متعلق ایک سوال کے جواب کے ضمن میں ایک روایت نقل فرمائی ہے جو یہ ہے: ''بعثت نبيا فى السابع والعشرين من رجب'' ستائیس رجب کو مجھے نبوّت عطاء ہوئی''۔

اس کے ساتھ ہی لکھا ہے: ''اسناده منكر'' یعنی اس روایت کی سند منکر ہے۔ ملاحظہ ہو (فتاوی رضویہ جلد۱۰ صفحہ ۶۴۸ طبع جدید، جلد۴ صفحہ ۶۵۸ طبع قدیم)۔

اہل علم حضرات پر مخفی نہیں ہے کہ منکر سخت ترین ضعف روایت کو کہا جاتا ہے۔ پس ابن المعترض نے ادھوری بات نقل کی اور محض من مانے جملے پر اکتفاء کیا۔ اوراس کا حکم جو اس کا حصہ تھا، ہضم فرما گئے جو ان کی کمال دیانت داری ہے۔

ثانیاً: برتقدیر تسلیم عبارت ہذا میں نبوّت، بمعنیٰ رسالت ہے کیونکہ اعلیٰ حضرت حضور کے قدم نبوّت کے قائل ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس کی با حوالہ تفصیل، تنبیہات جلد اوّل میں دیکھی جا سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اسی فتاوی رضویہ کے اسی جلد کے اسی صفحہ میں اعلیٰ حضرت نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث مقبول موقوف کے حوالہ سے اس کی تصریح بھی خود فرمادی ہے: چنانچہ آپ لکھتے ہیں: ''وهو اليوم الذى هبط فيه جبريل على محمد ﷺ بالرسالة'' اوروہ وہ دن ہے جس میں جبریل علیہ الصلاۃ والسلام محمد ﷺ کے لیے پیغمبری لے کر نازل ہوئے۔ اھ۔

پیغمبری رسالت کا ترجمہ ہے نبوت کا نہیں جس سے مانحن فيه کی خود اعلیٰ حضرت کے لفظوں میں وضاحت ہوگئی۔ والحمد لله۔

قال ابن المعترض: الامن والعلی میں حدیث مبارکہ ''لولم ابعث فيكم لبعث عمر'' کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے: اگر میں تم میں مبعوث نہ ہوتا تو بے شک عمر نبی کر کے بھیجا جاتا''۔

امام اہل سنّت نے سیّد عالم ﷺ کے نبی بنائے جانے کے لفظ استعمال نہیں فرمائے بلکہ ''مبعوث نہ ہونے'' کی بات کی ہے جس سے یہ روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ ابن المعترض نے اس میں تحریف سے کام لیا ہے جو انہوں نے عمداً کیا ہے ورنہ وہ ان الفاظ کو اعلیٰ حضرت سے ثابت کر کے دکھائیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بعثت کی نفی سے اگر واقعی عدم نبوت لازم تھا تو اسے اپنے حسب دل خواہ اور من مانے الفاظ سے تبدیل کرنے کی انہیں کیوں ضرورت پیش آئی؟

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لیے ''نبی کر کے بھیجا جاتا'' کے لفظ استعمال فرمائے ہیں کیونکہ حضرت فاروق اعظم واقعی نبی نہیں ہیں۔

الغرض اعلیٰ حضرت نے فرق مراتب کو ملحوظ رکھتے اور محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے سیّد عالم ﷺ کے لیۓ اسی لفظ کو استعمال کیا جو آپ کے شایانِ شان تھا اور حضرت فاروق اعظم کے لیے ایسے الفاظ چنے جو ان کے حسبِ مقام تھے۔

بالفاظ دیگر آپ ﷺ کے لیۓ یہاں بعثت کا اردو ترجمہ نہیں فرمایا: ''ب ع ث'' کے مادّہ کو بعینہٖ رکھ دیا ہے۔ دوسرے مقامات پر جہاں اس کا ترجمہ فرمایا ہے وہاں آپ ﷺ کے لیے نبی بنائے جانے وغیرہ کے الفاظ استعمال کیۓ بغیر محض ''بھیجنے'' اور ''بھیجے جانے'' کے مفہوم کو ادا بیان کرنے والے لفظ ارقام فرمائے ہیں جس کی بعض مثالیں حسبِ ذیل ہیں۔

جزاء اللہ عدوہ 'صفحہ ۱۰۱۔ اللہ عزوجلّ نے شعیا علیہ الصلاۃ والسلام پر وحی بھیجی'' انی باعث نبیا امّیا'' میں نبی امی کو بھیجنے والا ہوں۔

صفحہ نمبر ۱۳۶۲: شب معراج رب عز جلالہ نے فرمایا: ''جعلتك اوّل النبیین خلقاً وآخرھم بعثاً''۔ ''میں نے تجھے سب پیغمبروں سے پہلے پیدا کیا اور سب کے بعد بھیجا۔'' نیز صفحہ ۸۳۔

صفحہ نمبر ۳۴: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں انما بعثت فاتحاً و خاتماً میں بھیجا گیا دریائے رحمت کھولتا اور نبوّت و رسالت ختم کرتا ہوا۔''

صفحہ نمبر ۳۵: کنت اوّل النبینن فی الخلق وآخر ھم فی البعث میں سب نبیوں سے پہلے پیدا ہوا اور سب کے بعد بھیجا گیا۔

صفحہ نمبر ۳۶،۳۵: حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان حضور کی فضیلت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس حد کو پہنچی کہ حضور کو تمام انبیاء کے بعد بھیجا اور ان

سب سے پہلے ذکر فرمایا(انه بعثك آخر الانبياء و ذكرك فى اولهم)۔

صفحہ نمبر ۱۸: میں سب پیغمبروں کے بعد بھیجا گیا۔

صفحہ نمبر ۱۸: ''حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلاۃ والثناء کی نبوت ظاہر ہوئی''۔

نیز فتاوٰی رضویہ جلد ۲ ،صفحہ ۱۷۹ ،طبع کراچی میں لکھا ہے: نبوت کریمہ ظاہر ہوئی۔اعلیٰ حضرت کی ان صریح عبارات سے واضح ہوا کہ معترض کا آپ کی عبارت کے حوالہ سے مذکورہ اعتراض اس کی جہالت یا تجاہل کا ثمرہ ہے۔

قال ابن المعترض: ''حضرت اپنی کتاب ختم نبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب سے نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کو نبوت ملی کسی کو نہیں ملی'' (ختم نبوت ،صفحہ ۵۶)۔ملاحظہ ہو۔(تحقیقات ،صفحہ ۳۸۵ ،طبع دوم)۔

اقول: فقیر کے پاس موجود نسخہ کتاب مذکور میں مذکورہ عبارت صفحہ ۴۱ پر ہے اصل عبارت اس طرح ہے: ''نبوت منقطع ہوئی جب سے نبی ﷺ کو نبوت ملی کسی دوسرے کو نہیں مل سکتی''۔

ابن المعترض نے ''نہیں ملی'' کے لفظ لکھے ہیں یعنی ملنے کا امکان رکھ دیا جب کہ امام اہل سنّت نے انتہائی جچے تلے لفظ (دوسرے کو نہیں مل سکتی) لکھ کر اس کے امکان کو بھی ردّ فرمادیا اور آپ کے نزدیک امکانیہ بھی کافر ہیں۔ملاحظہ ہو۔(ختم النبوۃ ،صفحہ ۸۸ ،۸۹ ،نیز ۹۲)۔

رہی آپ کو نبوت ملنے کی بات؟ تو اس میں نبوت بمعنی رسالت ہے جس کی وضاحت ابھی کچھ پہلے خود اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے کی جا چکی ہے ،نفس نبوت مراد نہیں۔

قال ابن المعترض: نیز فتاوٰی رضویہ میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے بعد کوئی اعلان نبوت نہیں کرے گا یا یہ معنٰی لیا جائے کہ کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہیں بنایا جائے گا۔(صفحہ ۳۷۹ ،طبع دوم)۔

اقول: ابن المعترض نے جلد صفحہ کا نشان نہ دیا اور نہ ہی عبارت پیش کی ''مبعوث نہ ہوگا'' کے کمزور الفاظ اعلیٰ حضرت کے ہو سکتے بھی نہیں کیونکہ ان سے امکان کا ردّ نہیں ہوتا۔

آپ کی کتاب ختم النبوۃ صفحہ ۶ اور رسالہ مبارکہ السوء والعقاب ،صفحہ ۸ پر اس طرح ہے: کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً قطعاً محال و باطل جاننا فرض اجل و جزء ایقان ہے''۔اھ۔سبحٰن اللہ کلام الامام امام الکلام۔

بہر حال اس میں وہی لفظ بعثت ہے جب کہ بعثت بمعنی ارسال اور بھیجنا دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق بھی اعلیٰ حضرت سے ثابت ہے۔

چنانچہ ختم النبوۃ' صفحہ ۲۰' پر ''کان النبی یبعث الی قومہ'' کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے: ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا۔ نیز صفحہ ۹۶' نیز اسی کے صفحہ ۱۰۱ پر ہے: اللہ عزوجل نے یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کو وحی بھیجی: ''انی ابعث من ذرتیك ملوکا وانبیاء'' میں تیری اولاد سے سلاطین وانبیاء بھیجتا رہوں گا۔

بناءً علیہ معنٰی یہ ہوگا کہ جب حضور کے بعد نبی جدید کا وجود ہی ناممکن ہے تو اس کی بعثت' ارسال اور بھیجنا یا ابن المعترض کے لفظوں میں اس کا اعلان نبوت کرنا کیونکر متصور ہو سکتے ہیں۔ الغرض اعتراض لایعنی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے حسبِ تصریح جب آپ ﷺ کی جلوہ گری کے بعد نبی جدید محال ہے تو یہ نفس نبوت کی نفی ہوئی۔

بناءً علیہ اس کی بعثت بھی متصور نہیں ہوسکتی تو یہ بالواسطہ ارسال واعلان کی نفی ہوئی اسی مطلب کو بیان کرنے کے لیے ختم نبوت صفحہ ۴۲ پر ایک جامع حدیث نقل فرما کر اس کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا ہے: ''بے شک رسالت ونبوّت ختم ہوگئی اب میرے بعد نہ کوئی رسول نہ نبی ﷺ''۔

قال ابن المعترض: ''اسی لفظ نبی کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے کتاب ختم نبوّت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کو نبوت عطا کی گئی۔ ہمارے خیال میں اعلیٰ حضرت کو ان معترضین کی بہ نسبت عربی لغت اور ترجمہ کا زیادہ علم تھا۔'' (تحقیقات صفحہ ۳۷۹ طبع دوم)۔

اقول: ابن المعترض نے عبارت پیش نہیں کی تاکہ اس پر غور کیا جاتا۔ ختم النبوّت صفحہ ۹۲ پر یہ لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے تحفہ شرح منہاج کے حوالہ سے لکھے ہیں۔ سید عالم ﷺ کے لیے نہیں ''وعیسی علیہ الصلاۃ والسلام نبی قبل'' اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام تو حضور کی تشریف آوری سے پہلے نبی ہو چکے''۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا دور شریعت گزر چکا اس سے آپ ﷺ سے نفسِ نبوّت کی نفی کیسے ثابت ہوگئی۔

اعلیٰ حضرت تو واقعی مجسم علم تھے لیکن تمہیں سمجھ نہ آئے تو اس میں ہمارا کیا قصور۔''

قال ابن المعترض: علامہ شہاب الدین خفاجی اپنی کتاب نسیم الریاض (جلد ۲' صفحہ ۱۴) پر فرماتے ہیں کہ بعثت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نبی اور رسول بنا دے' ان کے اصل الفاظ اس طرح ہیں حتی من اللہ علی بالبعثتہ وجعلنی نبیا رسولا (کذافی شرح الشفاء للقاری ص ۱۱۴) (تحقیقات صفحہ ۳۸۳ طبع دوم)۔

اقول: شرح قاری کے دیئے گئے صفحہ پر پیش کردہ عبارت کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ نسیم الریاض میں موجود ہے مگر وہ بعثت کا مطلب بیان کرنے کے طور پر نہیں بلکہ وہ ایک روایت کے کچھ الفاظ کی شرح میں واقع ہے جس سے موصوف کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں: ما بسوء حتی اکرمنی اللہ برسالتہ یعنی سرکار ﷺ نے فرمایا میں نے

کبھی کسی برائی کا ارادہ بھی نہ کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت سے نوازا۔

اس کی شرح میں علامہ خفاجی نے منقولہ بالا الفاظ ''ای'' کے لفظ کو لانے کے بعد لکھے۔ تو جب علامہ خفاجی کے ان الفاظ کی بنیاد الفاظ حدیث پر ہے جب کہ حدیث کے ان الفاظ میں نفس نبوت کا ذکر نہیں۔ بلکہ رسالت کا بیان ہے تو ان کی عبارت کا اسی مسئلہ کے بیان پر مبنی ہونا لازم ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے ورنہ وہ مخالفِ حدیث قرار پا کر انہیں مخالف حدیث بنادے گا جب کہ کلام عقلاء کو اس کے صحیح محمل پر رکھنا لازم ہے۔

ویسے بھی عبارت بالکل بے غبار ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ''من اللہ علی بالبعثة ''معطوف علیہ مفسرہے و جعلنی بنا رسولا'' معطوف کی واؤ تفسیری ہے جیسے ''واذا اتینا موسی الکتاب والفرقان ''نیز تلك ایات الکتاب وقرآن مبین'' میں عطف تفسیری ہے'' نبیًّا رسولاً ''کے الفاظ'' نبی مبعوث'' کے معنی میں ہیں یعنی آپ نبی پہلے سے تھے نبی مبعوث بعد میں بنے۔ تو عبارت کا معنی یہ ہوگا کہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت و بعثت سے نوازا اور مجھے نبی مبعوث بنایا۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بعثت سے مشرف فرمایا یعنی مجھے نبی مبعوث بنایا۔

قال ابن الحرمین: ''علامہ حلبی اپنی کتاب سیرت حلبی میں ارشاد فرماتے ہیں: البعثته عبارة عن النبوة (تحقیقات صفحہ ۳۸۴ طبع دوم)۔

اقول: یہ عبارت بھی موصوف نے اس کے سیاق وسباق سے کاٹ کر پیش کی ہے۔

علامہ حلبی کے یہ الفاظ امام حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمتہ کے کلام کی شرح میں واقع ہیں جو حضرت ورقہ کی صحابیت وعدم صحابت کے متعلق ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ بعض علماء نے سورۂ اقرأ کی آیات کے نزول کے بعد سے تین سال تک کی مدت نیز اس مدّت کے بعد یعنی سورہ مدثر کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد والے عرصہ میں فرق کیا ہے کچھ نے ان تین سالوں کے زمانہ کو ظہور نبوت اور بعد والے کو عرصہ ظہور رسالت کے زمانہ سے تعبیر فرمایا جسے مؤلف تحقیقات نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات صفحہ)۔ جب کہ بعض نے تین سالوں کے عرصہ کو بعثت اور سورہ مدثر کے بعد والے کو دعوت کا نام دیا ہے۔

امام ابن حجر نے ارشاد فرمایا: '' ان ورقة ادرك البعثة وانه لم یدرك الدعوة ''یعنی حضرت ورقہ نے زمانہ بعثت کو تو پایا مگر زمن دعوت کو نہ پایا۔

علامہ حلبی اسی کے متعلق فرمارہے ہیں: ''فانه یقتضی ان البعثته عبارة عن النبوة لا عن

الرسالة و ان الرسالة هی الدعوته لا البعثه'' یعنی امام ابن حجر کے اس کلام سے یہ نکلتا ہے کہ بعثت سے مراد زمانہ ظہور نبوت ہے زمانہ ظہور رسالت نہیں نیز یہ کہ زمانہ دعوت ہی رسالت ہے نہ کہ زمانہ بعثت۔

ملاحظہ ہو۔(سیرت حلبیہ جلد۱ صفحہ ۲۵۲)۔

الغرض علامہ حلبی کی اس عبارت کا تعلق مطلقاً بعثت کی تعریف سے نہیں بلکہ وہ امام ابن حجر کی ایک عبارت میں واقع لفظِ بعثت کے مفہوم کے بیان سے متعلق ہے جو محض عبارت کی حد تک ہے جب کہ عبارت ابن حجر میں بھی نبوّۃ سے نفس نبوت کی عطاء کے مراد ہونے کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے پس یہ عبارت بھی موصوف کو کسی طرح مفید نہ ہوئی۔اور جو انہوں نے خیانت سے کام لیا ہے اس کی جتنی مذمت کی جائے اتنی ہی کم ہے۔

قال ابن المحرض: نیز صحیح مسلم شریف میں بعثت کے الفاظ تھے' علامہ حلبی نے بعثت کا ترجمہ نبوّت کے ساتھ کیا یعنی مجھے نبی بنایا گیا۔(تحقیقات صفحہ ۳۸۴' طبع دوم)۔

اقول: موصوف نے عبارت پیش نہیں کی تا کہ اس پر غور کیا جاتا کہ انہوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں کیونکہ یہ بات ایک حقیقت ثابتہ ہو کر سامنے آچکی ہے کہ وہ ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے'' پر عمل کرتے ہوئے عبارات میں حسب ضرورت' ترمیم و اضافہ کے جواز و استحباب کے قائل ہیں۔

بہرصورت علامہ حلبی کی ایسی کوئی عبارت ممکن نہیں ہے جس میں انہوں نے سید عالم ﷺ کے متعلق اس معنیٰ میں عطاء نبوت کا قول کیا ہو کہ آپ کو نفس نبوت حاصل نہ تھی کیونکہ وہ آپ کی قدم نبوت کے بڑی شد و مد سے قائل اور آپ کے کائنات کے ذرّہ ذرّہ کے نبی و رسول ہونے کا نظریہ رکھتے ہیں اور جگہ جگہ انہوں نے تصریحات فرمائی ہیں کہ آپ ﷺ نبی الانبیاء ہیں نیز یہ کہ تمام انبیاء و رسل کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتیں آپ کی امت میں شامل ہیں نیز یہ کہ ان کے نزدیک چالیس کے بعد کی نبوّت سے مراد آپ کو بعثت و رسالت یعنی حکم تبلیغ کا ملنا ہے لا غیر ﷺ۔

اس سلسلہ کے ان کے کچھ حوالہ جات ابھی کچھ پہلے پیش کیے جا چکے ہیں۔مزید کے لیۓ ملاحظہ ہو ان کی وہی کتاب: (سیرت حلبیہ جلد۱ صفحہ ۳۰' ۳۱' ۲۲۰ تا ۲۲۳' ۱۵۳' ۲۲۴' ۲۲۹' ۲۳۰' ۲۳۳' ۲۳۷' ۲۳۸' ۲۵۲' ۲۶۲' ۲۷۶' ۲۶۹ وغیرہ طبع مکتبہ اسلامیہ بیروت لبنان)۔

مغالطہ نمبر۴ (نبوّت ہدایتِ خلق اور سفارت ہے جو چالیس سال سے پہلے ثابت نہیں) **کا رد:**

نبی کا معنٰی علمائے عقائد نے بیان فرمایا: ''انسان بعثه الله تعالٰی الی الخلق لتبلیغ الا حکام اور نبوت کا معنٰی ہے السفارة بین الله و بین العباد''۔

تو جب تبلیغِ احکام اور بندوں کے لیئے سفارت متحقق نہیں ہوئی تو آپ کے اس دور میں نبی ہونے کا دعوٰی کیونکر قابلِ تسلیم ہوگا؟ (تحقیقات، صفحہ ۴۵)۔

الجواب:

ہدایت اور سفارت کے لیئے حکم الٰہی کا ملنا بھی لازم ہے۔ اس دور میں حکم الٰہی نہ تھا اس لیئے اعتراض غلط ہے۔ اصرار ہے تو حکم الٰہی کا ہونا ثابت کریں تا کہ اعتراض مکمل ہو پھر ہم اس کا جواب دیں۔

پیش کردہ عبارت نبی مرسل اور نبی مبعوث کی تعریف میں ہے یعنی وہ نبی جس کی بعثت ہوئی ہو بعثت بمعنی ارسال (بھیجنا) ہے جس سے نفس نبوت کا تحقق پہلے سے ہونا واضح ہے۔

نیز شرح العقائد النسفیہ کی ایک عبارت سے ظاہر ہے کہ السفارة بین الله الخ رسالت کی تعریف ہے بناءً علیہ اگر کسی کتاب میں اس کے لیئے نبوت کا لفظ مذکور ہے تو اس کا رسالت کے معنٰی میں ہونا متعین ہوا۔ عبارت یہ ہے: الرسالة و هو سفارة للعبد بین الله سبحنه و بین ذوی الالباب من خلیقته (شرح العقائد مع النبراس، صفحہ ۴۲۳)۔

لہٰذا معنٰی یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نبی پہلے سے تھے (کنت نبیا الخ) نبی مرسل اور نبی مبعوث ہونے کی شان کا ظہور چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا پس یہ عبارتیں ہماری دلیل ہیں اور بالکل بے غبار۔

مزید مباحث کے لیئے پڑھیئے: تنبیہات جلد اوّل، باب ہفتم، جلد دوم باب ششم کنت نبیاً پر کیئے گیئے اعتراض نمبر ۲ کا جواب، نیز باب ہشتم میں یہ بحث کہ تبلیغ کیوں نہ فرمائی۔ نیز باب نہم جواب مغالطہ نمبر ۱۹ کے تحت یہ بحث کہ بعثت منافی نبوت نہیں۔

مغالطہ نمبر ۲۱ (چھ ماہ مدّت رؤیا کا مدت نبوت ہونا اختلافی ہے) **کارد:**

''شیخ محقق فرماتے ہیں ''محدّثین کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چھ ماہ تک مرتبہ نبوت تک محدود تھے صرف اپنے نفس کی تربیت کے مکلّف تھے۔ بعد ازاں تبلیغ پر ماٗمور ہوئے۔ ان کے مذہب میں نبی کے لیئے مبلغ ہونا ضرور نہیں ہے۔ اس کی طرف وحی صرف اصلاح نفس کے لیئے نبی ہونے کے لیئے کافی ہے۔ (اشعۃ اللمعات' جلد ۳' صفحہ ۶۳۶)۔

''در نبوت ایں مدت سخن است'' اس مدت میں آپ کا نبی ہونا مختلف فیہ امر ہے۔ (مدارج' جلد ۲' صفحہ ۳۵)۔

نزول وحی کا پہلا مرحلہ سچے خواب تھے دورانیہ چھ ماہ تھا اس میں بھی منصب نبوت پر فائز ہونا مختلف فیہ ہے۔ جب وحی کے اقسام میں سے سب سے نچلا قسم بھی چالیس سال تک ثابت نہ ہو تو اس عرصہ میں نبی ہونا کیسے ثابت ہو گیا اور وہ بھی اجماعی طور پر۔ لہٰذا کسی مذہب پر بھی پہلی وحی سے قبل آپ کو نبی تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ نہ محدثین کے مذہب پر نہ علماء کلام کے مذہب پر۔ (ملخّصاً) ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۶۲' ۲۱۹' ۱۳۵' ۱۳۶)۔

الجواب:

حضرت شیخ محقق کی عبارات میں خود ان کے حسب تصریحات نبوت سے مراد ''ظہور نبوت'' ہے۔ نیز نبوت یہاں بمعنی رسالت ہے۔ پس معنٰی یہ ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نزول وحی جلی سے قبل بکثرت سچے خوابوں کے آنے کی مدت (جو چھ ماہ ہے)' زمانۂ ظہورِ رسالت میں شامل ہے یا نہیں؟ یعنی زمانۂ ظہورِ رسالت کا حساب ان چھ ماہ سے ہو گا یا ان کے بعد سے؟ اس میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔

الغرض ان عبارات میں نبوت سے مراد نفس نبوت ہے ہی نہیں۔ اسی طرح اس مدت میں سچے خوابوں کے آنے سے مراد بکثرت خوابوں کا آنا ہے یہ نہیں کہ اس سے قبل سچے خواب آتے ہی نہیں تھے۔ لہٰذا اس تقریر کی بنیاد پر کیئے گئے استدلال کی ساری عمارت ہی منہدم ہو گئی۔

پھر جب نفس نبوت (بدلیل کنت نبیا الخ وغیرہ) پہلے سے ثابت ہے تو محدثین اور علماء کلام سب کے نزدیک اس سے قبل بھی آپ کا نبی ہونا صحیح اور بدستور قائم رہا۔ ﷺ۔

علاوہ ازیں جب مصنف تحقیقات نے یہ مان لیا ہے کہ چھ ماہ کی مدت بھی نزول وحی کا مرحلہ ہے نیز یہ کہ کچھ علماء نے اسے بھی مدت نبوت میں شامل مانا ہے تو اس سے کم از کم موصوف کا چالیس سال سے پہلے نبی نہ ہونے کا کلیہ تو بے کار ہو گیا۔

نیز انہوں نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ عندالمحد ثین' نبی ہونے کے لیۓ صرف وحی کا ہونا کافی ہوتا ہے اور وہ بھی اتنی کہ ذات نبی سے متعلق ہو دوسروں کے لیۓ تبلیغ ضروری نہیں تو تبلیغ کے ضروری ہونے کی رٹ لگا کر چالیس سال سے قبل کے عرصہ میں موصوف نے جو آپ ﷺ سے نفس نبوت کی نفی کی تھی وہ بھی کافور اور ھباء منثور ہو گئی۔ والحمد للہ علی ذٰلک۔

مکمل باحوالہ تفصیلات کے لیۓ ملاحظہ ہو باب ہشتم 'عنوان ''شہادات بحیراء رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے جوابات'۔

مغالطہ نمبر۲۷ (قول ورقہ ﷺ سے کہ یہ ان کی نبوت کا آغاز ہے) **کا رَد**

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ نے حضرت جبریل کو فضا میں کرسی پر بیٹھے دیکھا اور حضرت خدیجہ سے تذکرہ کیا تو انہوں نے آپ کو تسلی دی اور جناب ورقہ کے پاس تشریف لائیں ساری صورت حال بتائی تو انہوں نے فرمایا: بخدا آپ سچے ہیں ''وان ھذ البدأ نبوتہ ''اور یہ ان کی نبوّت کا آغاز ہے۔ (ملخّصاً بلفظہ)۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۴۰' بحوالہ خصائص' جلد ۱' صفحہ ۹۷)۔

الجواب:

یہ روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں واقدی ہے جو متروک ہے۔ ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابی حبیبہ ہے جو ضعیف ہے۔ خصوصیت کے ساتھ داؤد بن الحصین ہے جو عکرمہ سے روایت لے رہا ہے جس کی عکرمہ سے روایات بالاتفاق منکر ہیں۔ لاحظ تھذیب التھذیب والتقریب للحافظ العسقلانی۔

برتقدیر تسلیم اس کے الفاظ ''لبدأ نبوتہ'' (ان کی نبوت کا آغاز) میں نبوت سے مراد نفس نبوت نہیں یعنی یہ معنٰی نہیں کہ آپ نبی بن رہے ہیں کیونکہ ایسا نہیں ہے کہ نبی بننے پر کچھ ٹائم لگتا ہو جیسا کہ لفظوں سے ظاہر ہو رہا ہے

نیز یہ کہ خصائص میں یہ روایت ''ابن سعد'' کے حوالہ سے ہے جب کہ ابن سعد میں بالکل شروع بحث میں امام ابن سعد نے ''نبوۃ رسول اللہ ﷺ '' کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت حدیث ''کنت نبیاً وآدم بین الروح والجسد'' اور اس مضمون کی دیگر احادیث تحریر فرمائی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک آپ ﷺ نبی پہلے سے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (طبقات ابن سعد' جلد ۱' صفحہ ۷۰' طبع بیروت)۔

بناءً علیہ یہاں نبوت سے مراد ''رسالت'' ہے پس معنٰی یہ ہوگا کہ یہ آپ کی نبوت یعنی بعثت اور رسالت کا آغاز ہے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباس کی روایت کے ایک اور طریق میں اسی ابن سعد میں حضرت ورقہ کے یہ لفظ ہیں ''فان یبعث وانا حی فسأ عزرہ وانصرہ واومن بہ ''یعنی میرے ہوتے ہوئے آپ کی بعثت ہوگئی تو میں آپ پر اپنے ایمان کا عملی ثبوت دیتے ہوئے آپ کی پُر زور حمایت کروں گا اور پورا ساتھ دوں گا۔ ملاحظہ ہو۔ (خصائص' جلد ۱' صفحہ ۹۷ بحوالہ ابن سعد۔ نیز ابن سعد' جلد ۱' صفحہ ۹۴' طبع مذکور)۔

خلاصہ یہ کہ روایت ہٰذا بھی مصنف تحقیقات کے موقف کی کسی طرح دلیل نہیں انہوں نے لفظ نبوت کے ساتھ ''بدأ'' کے الفاظ سے دھوکہ کھایا ہے یا مغالطہ دیا ہے۔

مغالطہ نمبر ۲۲ (آیات اقرأ کے نزول کے بعد بھی آپ کا نبی ہونا معاذ اللہ مختلف فیہ ہے کہ حضرت ورقہ صحابی نہیں) **کا رد۔**

مصنف تحقیقات نے حضرت شیخ محقق کی بعض عبارات کو بنیاد بنا کر لکھا ہے کہ ''حضرت کے نزدیک حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کا مؤمن ہونا یقینی ہے لیکن ان کے صحابی ہونے میں اختلاف۔ بعض صحابیت کے قائل کہ محبوب کریم ﷺ اس وقت بالفعل نبی بن چکے تھے' کلام مجید کی چند آیات بھی آپ پر نازل ہو چکی تھیں تو جسے حالت ایمان میں زیارت کا شرف حاصل ہو جائے وہ یقیناً صحابی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نبوت کے ابتدائی دور کا ہے ابھی آپ کی نبوت بالفعل ثابت اور متحقق نہیں ہوئی تھی لہٰذا وہ صحابی نہیں۔ شیخ کا ذہنی رجحان بھی دوسرے قول کی طرف معلوم ہو رہا ہے چہ جائیکہ آپ کے نزدیک باطل مردود ہو بلکہ شیخ محقق کا مختار یہی ہے۔ ان کی تصریح ہے کہ حضرت ورقہ نے دعوت کا زمانہ ظہور نہ پایا وفات پائی اور انہوں نے آپ کی نبوت کا زمانہ نہیں پایا۔

حضرت ورقہ کی صحابیت کا انکار کرنے والے یہودی' نصرانی' منافق اور غیر مسلم ہوتے تو ان کے اس نظریّہ کا شیخ کے نزدیک کیا اعتبار ہوتا تو لامحالہ حضرت شیخ اور ان علماء اسلام کے نزدیک ان آیات مقدسہ کے نزول کے وقت بھی آپ کا نبی ہونا متفق علیہ اور اجماعی امر نہیں۔ عظیم محدّث کے نزدیک اگر سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کا زمانہ پانے' ملاقات کرنے اور براہ راست آیات سننے والے نے نبوت کا زمانہ نہیں پایا تو بحیرا راہب سے ملاقات کا دور بالفعل نبوت کا دور کیسے ہو گیا؟ فاعتبروا یاولی الابصار (ملخصاً بلفظہ)۔

ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۶۳' ۱۶۴' ۱۶۵' ۲۲۰' بحوالہ اشعہ' جلد ۴' صفحہ ۵۳۴' مدارج جلد ۲' صفحہ ۳۲)۔

نیز تحقیقات صفحہ ۱۳۸' ۱۳۹ بحوالہ اشعہ جلد ۴' صفحہ ۵۰۹۔

نیز صفحہ ۱۷۶ بحوالہ اشعہ جلد ۴' صفحہ ۵۳۴' بحوالہ مدارج' جلد ۲ صفحہ ۲۶)

الجواب:

اس بحث کو صحیح معنٰی میں سمجھنے کے لیئے یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ قرآن مجید جب اترنا شروع ہوا تو سب سے پہلے سورۂ اقراء کی ابتدائی آیات اتریں۔ اس کے بعد سورۂ نون کا نزول ہوا۔ بعد ازاں سورۂ مزمل نازل ہوئی پھر سورۂ مدثر آئی۔

چنانچہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے آپ نے فرمایا: ''کان اول مانزل من القرآن اقرأ باسم ربك ثم ن ثم یا ایھا المزمل ثم یا ایھالمدثر ''یعنی قرآن مجید کی جوسورت سب سے پہلے اتری وہ سورۂ اقرأ ہے اس کے بعد ن اس کے مزمل پھر مدثر ہے۔ ملاحظہ ہو (الاتقان فی علوم القرآن' جلد ا' صفحہ ۱۰' طبع سہیل' لاہور' بحوالہ فضائل القرآن لابن الضریس)۔

نیز عکرمہ اور حسین بن ابی الحسن نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے ملاحظہ ہو (الاتقان' جلد ا' صفحہ ۱۰' بحوالہ دلائل النبوۃ امام بیہقی)۔

نیز کنزالایمان شریف میں بھی ان سورتوں کی ترتیب نزولی اس طرح لکھی ہے: سورۂ اقرأ نمبر ا' سورۂ ن نمبر ۲' سورۂ مزمل نمبر ۳' اور سورۂ مدثر نمبر ۴۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۸۸۴' ۸۶۰' ۸۶۲' ۸۹۷' طبع چاند کمپنی لاہور)۔

اب سمجھئے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کو تبلیغ اور دعوت الی اللہ کا مامور اگرچہ سورۂ مدثر کی آیات کے ذریعہ فرمایا گیا حیث قال ''یاایّھا المدثر قم فانذر '' پیارے محبوب مدثر! اب لوگوں کو سمجھانے کے لیئے کمربستہ ہوجاؤ۔ (دوسرے دلائل سے متعین ہے کہ ان آیات سے آپ کو خفیہ تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا جو تین سال تک رہا جس کے بعد آپ کو سورۂ حجر کی آیت فاصدع بما تؤمر سے کھل کر تبلیغ کرنے کا امر فرمایا گیا صرح بہ الشیخ ایضاً۔ (مدارج' جلد ۲' صفحہ ۳۷)۔

◆ لیکن یہ نہیں کہ اس سے قبل آپ رسول نہ تھے بلکہ مرتبۂ رسالت آپ کو سورۂ اقرأ کے نزول سے ہی حاصل تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ سورۂ مدثر سے پہلے اترنے والی سورۂ مزمل اور اس سے پہلے نازل ہونے والی سورۂ ن میں آپ ﷺ کا بحیثیت رسول اللہ ذکر موجود ہے۔

◆ چنانچہ سورۂ مزمل شریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''انا ارسلنا الیکم رسولا شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً''۔

اعلیٰ حضرت نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے: بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر ناظر ہیں جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے۔ (کنزالایمان)۔

اس کے تحت رسولاً شاھداً کی تفسیر میں حضرت صدرالافاضل نے لکھا ہے: '' سیّد عالم محمد مصطفیٰ ﷺ

(کنزالایمان مع خزائن العرفان' صفحہ ۶۱۷' آیت ۱۵' حاشیہ ۲۱' طبع لاہور)۔

◆ نیز سورۂ ن میں ارشاد ہے: ام تسئلھم اجرا فھم من مغرم مثقلون اعلیٰ حضرت نے اس کے ترجمہ میں لکھا ہے: یا تم ان سے اجرت مانگتے ہو کہ وہ چٹی کے بوجھ میں دبے ہیں۔

صدرالافاضل نے تفسیر میں لکھا ہے: ''رسالت کی تبلیغ کی''۔ (کنزمع خزائن، صفحہ ۸۴۷، آیت ۴۶، حاشیہ ۵۶، طبع مذکور)۔

◆　علاوہ ازیں حضرت شیخ محقق ارقام فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل ﷺ نے سورۂ اقرأ کی آیات کے پہنچاتے وقت آپ ﷺ سے عرض کیا تھا: ''مژدہ بادترا اے محمد کہ من جبرئیلم وخدا مرا بتو فرستادہ است وتو رسول خدائی برین امت برجن وانس دعوت کن بقول لا الٰہ الا اللّٰہ'' جناب کو مبارک ہو میں جبرئیل ہوں مجھے اللہ نے آپ کے پاس یہ بتانے کے لیئے بھیجا ہے کہ آپ اس امت کے مکلفین جن وانس کے لیئے خدا کے رسول ہیں۔ آپ نے کلمہ طیبہ کی دعوت دینی ہے۔ (مدارج النبوۃ، جلد۲، صفحہ ۳۱، طبع نوریہ رضویہ لاہور)۔

نیز لکھتے ہیں: ''پستر عروج کرد جبرئیل برآسمان ورجوع کرد آنحضرت بمکہ درحالیکہ نمے گزرد بہ حجر ومدر وشجر مگر آنکہ مے گوید السلام علیك یا رسول اللّٰہ''۔

یعنی اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آسمان پر چلے گئے اور حضور مکہ (اپنے گھر) تشریف لائے اس وقت کیفیت یہ تھی کہ آپ کا گزر جس بھی پتھر ڈھیلے اور درخت سے ہوتا تو وہ پکار کر کہتا ''السلام علیك یارسول اللّٰہ'' یارسول اللہ میرا اسلام قبول فرمائیے''۔ ملاحظہ ہو۔ (مدارج النبوۃ، جلد۲، صفحہ ۳۱، طبع مذکور)۔

◆　علاوہ ازیں صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ہے کہ سورۂ اقرأ کی آیتوں کے اترنے کے بعد کچھ عرصہ تک مزید وحی کا آنا رکا رہا اس وقت وحی کے شدت شوق کے باعث حضور کی بے تابی کی کیفیت لائق دید ہوتی لیکن اس دوران جبریل علیہ السلام کا آنا جانا رہتا تھا جو حضور کو خوش کرنے کی باتیں کرتے اور عرض کرتے: ''یا محمد انك رسول اللّٰہ حقًا'' حضور! آپ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ (مشکوٰۃ، صفحہ ۵۲۲، بحوالہ صحیح بخاری۔ مدارج النبوۃ فارسی، جلد۲، صفحہ ۳۴۔ اشعۃ اللمعات فارسی، جلد۴، صفحہ ۵۰۹، ۵۱۰)۔

◆　نیز شیخ محقق لکھتے ہیں کہ آیات اقرأ کے نزول کے وقت حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا تھا بشارت بادترا اے محمد! تو رسول خدائی، گواہی میدہم کہ تو آں پیغمبری کہ عیسٰی علیہ السلام بشارت داد کہ رسولے بعد ازمن مبعوث خواہد شد کہ نام او احمد است''۔ یعنی حضور! آپ کو مبارک ہو آپ اللہ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا (اور آپ پر ایمان لاتے ہوئے کہتا) ہوں کہ آپ وہی رسول ہیں کہ جن کا نام احمد بتاتے ہوئے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ خوشخبری دی تھی کہ میرے بعد ایک رسول تشریف لائیں گے۔ (مدارج النبوۃ، جلد۲، صفحہ ۳۲)۔

ان دلائل سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ آیات اقرأ کے آنے کے بعد اور سورۂ مدثر کے

نزول سے قبل بھی حضور قطعاً مرتبۂ رسالت پر فائز تھے یہی قرآن کا فیصلہ ہے اور یہی صحیح بخاری وغیرہ کی احادیث نیز کتب سیر میں مصرح ہے اور خصوصیت کے ساتھ حضرت شیخ محقق بھی اس کے قائل ہیں جس پر آپ نے متعدد تصریحات فرمائی ہیں۔

جس سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ مصنف تحقیقات کا حضرت شیخ محقق اور دیگر علماء اسلام کی نسبت سے یہ کہنا کہ وہ آیات علق کے نزول کے بعد حضور کی نبوت کے بالفعل ہونے سے اختلاف کرتے تھے' سخت جھوٹ ہے' شدید افتراء ہے اور بہتان عظیم۔

یہ بات ان کا مختار ہونا تو کجا اس کی جانب انہوں نے ہلکا اشارہ بھی نہیں فرمایا اور جس چیز کو موصوف نے اپنے اس دعوے کی بنیاد بنایا ہے یعنی عدم صحابیت حضرت ورقہ کے قول کو حضور کی نبوت کے بالفعل نہ ہونے کو قرار دینا' وہ موصوف کی خود ساختہ ہے جس کا باعث ان کی نافہمی نہ ہو تو مغالطہ آفرینی ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت شیخ محقق کی پیش کردہ اس مقام کی عبارات میں نبوت سے مراد ''رسالت'' ہے نفس نبوت نہیں جس کی دلیل آپ کی وہ متعدد تصریحات ہیں جو ہم نے ابھی پیش کی ہیں۔ بناءً علیہ ''مبادیٔ نبوت'' کے الفاظ کا مفہوم ہے مکمل طور پر ظہور دعوت رسالت کے زمانہ سے کچھ پہلے کے اوقات (اور وہ سورۂ مدثر کے نزول کا زمانہ ہے) جس کی وضاحت حضرت شیخ کی انہی عبارات میں موجود آپ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ ''ورقہ وفات یافت و زمانۂ ظہور دعوت در نیافت''۔ جس کا ترجمہ خود موصوف نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ورقہ فوت ہو گئے اور نبی کریم ﷺ کی دعوت کے ظہور کا زمانہ نہ پایا''۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۶۴' ۲۲۰)۔

لہٰذا حضرت ورقہ کے متعلق حضرت شیخ محقق کی عبارت کے آخری جملہ: ''و زمان نبوت را در نیافت'' میں بھی نبوت بمعنی رسالت کاملہ اور آپ کے مذکورہ بالا جملہ کے مطابق زمانۂ ظہور دعوت ہی ہے۔ نفس نبوت نہیں۔

لہٰذا اس تفصیل کے مطابق حضرت شیخ کی (حضرت ورقہ کی عدم صحابیت کے قول والی) عبارت کا معنی قطعی طور پر یہ ہو گا کہ چونکہ ان علماء کے نزدیک صحابی ہونے کے لیے زمانۂ ظہور دعوت (بالفاظ دیگر زمانۂ رسالت کاملہ) کو پانا بھی شرط ہے جو حضرت ورقہ میں مفقود ہے اس لیۓ ان کے بیان کردہ اس اصول کے باعث وہ صحابی قرار نہیں پاتے۔ حضرت شیخ نے بھی اس کی صراحت فرما دی ہے کہ اس بحث کی بنیاد زمانۂ ظہور دعوت کی شرط کا نہ پایا جانا ہے (عبارت ابھی آ رہی ہے)۔

الغرض اس میں حضرت ورقہ کی عدم صحابیت کا قول کرنے والوں کے نزدیک ان کے اس قول کی بنیاد ان کا مقرر کردہ مذکورہ اصول کی مذکورہ شرط ہے یہ نہیں کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضور اس وقت رسول تو کجا نفس

نبوت سے بھی خالی تھے جس کی وجہ سے حضرت ورقہ صحابی نہ بن سکے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ نے حضرت ورقہ کا عندالمحدثین صحابی ہونے کا ذکر بھی بڑے اہتمام سے کیا بلکہ یہ بھی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ بعض علماء نے حضرت ورقہ کو صرف صحابی ہی نہیں بلکہ سب سے پہلا مسلمان بھی قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ کے لفظ ہیں: ''آنکہ ورقہ صحابی تواں گفت ظاہر تعریف صحابی کہ کردہ اند من رأی النبی مؤمنا بہ صادق است بروے وظہور دعوت دراں شرط نکردہ اند'' (مدارج النبوۃ' جلد ۲' صفحہ ۳۲)۔

نیز ''بر مذہب محدثین در نبوت تبلیغ وانذار شرط نیست''۔ (مدارج النبوۃ' جلد ۲' صفحہ ۳۵)۔

نیز ''وابن مندہ اورا در صحابہ ذکر کردہ است''۔ (مدارج النبوۃ' جلد ۲' صفحہ ۳۴)۔

نیز ''وبعضے گفتہ اند اوّل من اسلم ورقہ بن نوفل است''۔ (مدارج النبوۃ' جلد ۲' صفحہ ۳۷)۔

ان سب عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ محدثین کی بیان کردہ تعریف صحابی کے مطابق حضرت ورقہ صحابی ہیں۔ جنہیں ابن مندہ محدّث نے صراحۃً صحابی کہا ہے۔ نیز بعض علماء نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ حضرت ورقہ ''اول من اسلم'' کی شان کے حامل ہیں یعنی سب سے پہلے اسلام لانے کی سعادت انہیں حاصل ہوئی۔ اھ۔

اس کی مزید تائید حضرت شیخ محقق کی حضور ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق اس عبارت سے بھی ہوتی ہے' آپ ارقام فرماتے ہیں۔ جمہور برآنند اول آں علی الاطلاق ام المؤمنین خدیجہ است کہ چوں آمد آنحضرت ﷺ از حرا وخبر داد اورا از نزول وحی' ایمان آورد وتصدیق کرد واستدلال کرد بر صدق وے واتباع نمود بعد از وے اول واسبق ابوبکر صدیق است یعنی جمہور علماء کا عندیّہ یہ ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے اسلام لانے والی حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ غارِ حرا میں اترنے والی وحی کی خبر سب سے پہلے حضور نے انہیں دی تھی جس پر وہ ایمان لائیں اور نہ صرف یہ کہ انہوں نے بھرپور طریقہ سے آپ کی تصدیق کی بلکہ آپ کے سچے ہونے کے دلیل بھی قائم کیۓ اور آپ کی اتباع کی۔

ام المؤمنین کے بعد اس میں سب سے اول اور سب سے سبقت لے جانے والے حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ ؓ (مدارج النبوۃ' جلد ۲' صفحہ ۳۷)۔

اقول: اگر مبادئ نبوت کے الفاظ کا وہی مطلب ہو جو مصنف تحقیقات نے بزور کشید کر کے ورق سیاہی کی ہے کہ حضرت شیخ محقق اس موقع پر آپ ﷺ کی بالفعل نبوت کے قائل نہ تھے اور یہی ان کا مختار تھا (معاذ اللہ) تو حضرت شیخ نے اسی زمانہ میں ایمان لانے کی بنیاد پر حضرت خدیجہ کو علی الاطلاق سب سے پہلی مؤمنہ کس بناء پر قرار دیا اور اسے جمہور کا مذہب کیونکر بتایا جب کہ ''یہ مبادئ'' تو حضرت ورقہ کے نوٹس میں

لانے سے بھی پہلے کے ہیں۔

بہر حال عدم صحابیت ورقہ کے قول کی بنیاد در حقیقت زمانۂ ظہور دعوت کو پانے کی شرط کا نہ پایا جانا ہے جو صحابیت کے لیئے ان کے نزدیک لازم ہے اور ان کے طور پر حضرت ورقہ میں مفقود ہے۔

مصنف تحقیقات نے جس چیز کو حضرت ورقہ کے صحابی نہ ہونے کی بنیاد بنایا تھا یعنی حضور کو اس وقت بالفعل نبی نہ ماننا' حضرت شیخ محقق نے اسی زمانہ کی نبوت کو بنیاد بتا کر اس سے حضرت ام المؤمنین کا صحابی ہونا ثابت فرمایا اور اسے مذہب جمہور بتایا ہے' پس ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

''نو لکھ مبارکاں ہونڑ مصنف تحقیقات نوں''

نوٹ نمبر۱: حضرت ورقہ کی صحابیت کی کچھ بحث باب ہشتم میں ''شہادات بحیرا ﷺ پر اعتراضات کے جوابات'' کے زیرِ عنوان بھی گزر چکی ہے جس میں حضرت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کا حوالہ بھی پیش کیا جا چکا ہے کہ ان کی عدم صحابیت زمانۂ ظہور دعوت کو نہ پانے کی وجہ سے ہے۔ حضرت قبلہ استاذی الکریم دامت برکاتہم کی کتاب ہٰذا پر عطا فرمودہ تقریظ جلیل میں اس کی نہایت نفیس بحث دیکھی جا سکتی ہے۔

نوٹ نمبر۲: حضرت صدیق اکبر ﷺ کی علی الاطلاق اسبقیت واولیت فی الاسلام کے لیئے یہ دلیل پیش کی جا سکتی ہے کہ وہ آپ ﷺ پر اس زمانہ سے دل سے ایمان رکھتے تھے جب انہوں نے حضور کی غلامی میں سفر کے دوران راہب کی گواہی سنی کہ قسم بخدا یہ اللہ کے نبی ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ برس تھی (و قد مرّ فیما مرّ) فافهم

نوٹ نمبر۳: پیش کردہ عبارت مدارج (جلد۲' صفحہ۳۲) میں ہے ''پس دیر شد ورقہ وفات یافت'' جو سہو کتاب سے ہے کیونکہ یہ الفاظ حدیث کا ترجمہ ہے۔ حدیث کے لفظ ہیں ''ثم لم ینشب ورقة ان توفی ''جن کا ترجمہ حضرت شیخ نے یہ کیا ہے پستر درنگ نہ کرد ورقہ کہ میرانیدہ شد'' (اشعہ جلد۴' صفحہ۵۰۹)۔

لیکن ''حضرت شیخ الحدیث'' نے انہیں برقرار رکھتے اور قبول کرتے ہوئے یہ ترجمہ دو جگہوں پر لکھ دیا ہے کہ ''بہت دیر ہوئی کہ حضرت ورقہ فوت ہو گئے''۔ (تحقیقات' صفحہ۲۲' نیز صفحہ۱۶۴ نحوہ)۔ یعنی دیر نہ ہوئی کو ''دیر ہوئی'' ہی نہیں ''بہت دیر ہوئی'' بنا دیا۔ اس طرح جس چیز کو رد کرنا چاہتے تھے اسی کو مان بیٹھے۔ دیر نہ ہوئی کا مطلب ہے جلد وفات ہوئی جب کہ بہت دیر ہوئی کا مفہوم ہے کہ انہوں نے وہ زمانہ بھی پایا جو ان علماء کے نزدیک شرط صحابیت ہے۔ فیا للعجب۔

مغالطہ نمبر ۱۳ (آیات علق سے نبوت ملی آیات مدثر سے رسالت جس کا مطلب قبل چالیس سال نہ نبی نہ رسول) **کا رد:**

◆ علامہ عینی تشہد میں ''النبی'' بعد میں ''رسولہ'' میں وصف نبوت کے تقدم اور وصف رسالت کے تأخر کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: انہا کذلك وجدت فی الخارج لنزول قوله تعالیٰ اقرأ باسم ربك قبل قوله تعالیٰ یا یها المدثر قم فأنذر یہاں ترتیب ذکری کو واقعی ترتیب کے مطابق بنایا گیا ہے کیونکہ نفس الامر میں بھی آپ نبی پہلے تھے بسبب اقرأ باسم ربك کے پہلے نازل ہونے کے۔ بہ نسبت یایها المدثر قم فانذر کے کہ جس میں آپ کو منصب رسالت پر فائز فرمایا گیا۔ (عمدة القاری، جلد ۶، صفحہ ۱۱۲)۔

اقول: نبوت اقرأ سے ثابت نزول اکتالیسویں سال تو لامحالہ عمر کے اسی حصہ ہی میں نبوت جیسے کہ رسالت کا حصول عمر کے تینتالیس سال بعد (ملخصاً بلفظہ)۔

ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۱۵۱، ۱۵۲) نیز تحقیقات صفحہ ۱۵۷، از علامہ برزنجی بحوالہ جواہر البحار، جلد ۳ صفحہ ۴۶۹)۔

◆ حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں: ''بعضے گفتہ اند کہ نبوت آنحضرت متقدم است بر سالت وے صلی اللہ علیہ وسلم و بر مذہب محدثین در نبوت تبلیغ و انذار شرط نیست و نزول وحی برائے تکمیل نفس کافی است چنانکہ سورۂ اقرأ برائے تعلیم و تکمیل وے نازل شد و آں نبوت است بعد ازاں نازل شد سورۂ یایها المدثر برائے تبلیغ و انذار و ایں رسالت است''۔ (مدارج، جلد ۲، صفحہ ۳۵)۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۶۱)۔

◆ علامہ زرکشی اپنی کتاب البرہان فی العلوم القرآن میں فرماتے ہیں: ''قیل اول ما نزل للرسالة یایها المدثر وللنبوة اقرأ باسم ربك'' تحقیقات، صفحہ ۱۳۹، طبع ثانی)۔

الجواب:

شیخ الاسلام عینی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں ''نبوت'' سے مراد بھی رسالت ہی ہے جو ایک خاص مقصد کے لیئے بولا گیا ہے جو یہ ہے کہ آیات اقرأ کے نزول سے فاصدع بما تؤمر کی آمد تک کا عرصہ (جو تین سال ہے) عدم اعلان نبوت کا زمانہ ہے یعنی اس میں سیّد عالم ﷺ نے خفیہ تبلیغ فرمائی کیونکہ کھل کر تبلیغ کا آپ کو حکم و اذن نہیں دیا گیا تھا اس کے بعد کھل کر تبلیغ فرمائی۔ اور یہ امر خود مصنفِ تحقیقات کو بھی تسلیم ہے۔ ملاحظ

ہو(تحقیقات' صفحہ۱۴۴)۔

الغرض یہاں نبوت سے مراد بھی رسالت ہی ہے نفس نبوت نہیں کہ وہ پہلے سے حاصل تھی (بدلیل کنت نبیاً الخ وغیرہ)۔اور یہ محض ''زمانۂ خفیہ تبلیغ'' اور''زمانۂ علانیہ تبلیغ'' میں فرق کرنے کے لیئے ہے ورنہ مقام رسالت پر آپ آیات علق کے ملتے ہی فائز ہو گئے کیونکہ یہ آیات کتاب اللہ (قرآن) کا حصہ ہیں اور قرآن معجزہ ہے اس طرح سے رسالت کے شرائط پائے گئے جو حسب تصریح بعض محققین ''کتاب'' اور عندالآخرین ''معجزہ'' بھی ہے۔اسی لیئے بعض اہل تحقیق نے ان دونوں ادوار میں سے پہلے کے لیئے ''مرتبۂ رسالت'' اور دوسرے دور کے لیئے ''رسالت کاملہ'' کی اصطلاح مقرر فرمائی۔الغرض پہلے حصہ کا دور رسالت ہونا قطعاً متفق علیہ ہے جس کے لیئے نبوت کا لفظ حسب بالا دونوں ادوار میں فرق کرنے کے لیئے ہے۔بعض حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

چنانچہ امام اہل سنّت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں: ''جب سرورِ عالم ﷺ پر غارِ حرا شریف میں آیتیں اقرأ شریف کی نازل اور حضور کو فضیلت رسالت حاصل ہوئی الخ (مطلع القمرین' صفحہ۱۴۵'۱۴۶طبع کھاریاں)۔

نوٹ: اعلیٰ حضرت کا یہ حوالہ تحقیقات طبع اول صفحہ ۲۶۷ طبع ثانی کے صفحہ ۱۹ اور صفحہ آخر پر بھی نقل کیا گیا ہے جس میں یہ تحریف بھی کی گئی ہے کہ ''یہاں رسالت سے مراد نبوت ہے''۔ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد پہلی وحی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''یہاں تک کہ آپ مرتبۂ رسالت سے مشرف ہوئے''۔(سرور القلوب' صفحہ۳۰)۔

نیز لکھتے ہیں کہ : جس روز آپ پیغمبر ہوئے صدیق اکبر سے فرمایا میں پیغمبر ہوا۔عرض کی میں ایمان لایا''۔(سرور القلوب' صفحہ۸۴'انوار جمال' صفحہ۸۲)(پیغمبر رسول کا ترجمہ ہے)۔

نیز فرماتے ہیں: ''پھر سورۂ مدثر کی پانچ آیتیں نازل اور رسالت کاملہ حاصل ہوئی''۔(سرور القلوب' صفحہ۳۰)

بہر حال ائمۂ شان کے حسبِ تصریحات زمانۂ نزول آیات اقرأ کے متعلق استعمال کیا گیا لفظ نبوت' رسالت کے ہی معنٰی میں ہے نفس نبوت کے معنٰی میں نہیں۔ والحمدللہ۔

اس کی کچھ تفصیل مغالطہ نمبر۲۳ کے جواب کے ضمن میں بھی دیکھی جا سکتی ہے جس میں آیات علق کے نزول کے زمانہ کا قرآن وسنت کے دلائل سے زمانۂ رسالت ہونے کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

فرق مذکورہ کا ثبوت از حدیث موقوف وائمہ شرح حدیث امام قاضی عیاض وملا علی القاری:

زمانۂ خفیہ تبلیغ اور زمانۂ مابعد میں فرق کرنے کے لیئے اول کو نبوت اور ثانی کو رسالت کے عنوان سے یاد

کرنے کی وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحابی جلیل حضرت انس ﷺ نے فرمایا: ''فاقام بمكة عشر سنين'' علامہ قاری نے اس کے تحت فرمایا ''ای بعد البعثة'' یعنی بعثت کے بعد آپ ﷺ مکہ میں دس سال رہے۔ ملاحظہ ہو (شمائل ترمذی شرح القاری جلد ۱ صفحہ ۱۴)۔ حالانکہ مکۃ المکرّمۃ میں بعثت کے بعد آپ ﷺ تیرہ سال رہے۔

علاوہ ازیں امام قاضی عیاض نے حضرت ابن عباس اور سعید بن المسیّب کے حوالہ سے یہ روایت حکایت فرمائی کہ ''انه ﷺ بعث على رأس ثلث و اربعين سنة '' یعنی آپ ﷺ کی بعثت تینتالیس برس کی عمر شریف میں ہوئی (جمع الوسائل جلد ۱ صفحہ ۱۴) حالانکہ حسب بیان جمہور ائمہ شان آپ ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر شریف میں ہوئی۔

علامہ علی القاری نے مذکورہ روایت انس کے بارے میں فرمایا کہ تیرہ سال کی بجائے دس سال ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ تین سال کی بعثت جو اقرأ سے ہوئی مابعد کے حصہ سے مختلف ہے جو مدثر کے نزول کے بعد کا ہے (فرمایا) القاء کسر والا معنی بھی ہوسکتا ہے۔

یہی تاؑویل روایت ابن عباس وسعید بن المسیب کی ہے رضی اللہ عنہما کہ تینتالیس سال کی عمر شریف میں بعثت کہنے سے مقصود زمانہ خفیہ وعلانیہ تبلیغ میں فرق بتانا ہے چنانچہ علامہ کے لفظ ہیں: "ولعل الجمع بينهما بان بعث النبوة في اول الاربعين وبعث الرسالة في رأس ثلث واربعين ويؤيده قوله فاقام بمكة عشر سنين اى رسولا وثلث عشرة سنة نبيا ورسولا لان العلماء متفقون على انه ﷺ اقام بمكة بعد النبوة وقبل الهجرة ثلث عشرة سنة فقوله اقام بمكة عشر سنين محتاج الى تأويل و هو ماذكرناه ويحتمل ان الراوى اقتصر على العقد وترك الكسر'' (جمع الوسائل جلد ۱ صفحہ ۱۴، ۱۵ طبع کراچی)۔

الغرض آیات علق کے بعد کے زمانہ کو نبوت اور مدثر کے بعد والے عرصہ کو رسالت سے تعبیر کرنا دونوں میں یک گونہ فرق کی بنیاد پر ہے جب کہ یہاں بھی ''نبوت'' بمعنی رسالت ہی ہے نفس نبوت ہرگز مراد نہیں اور بہترین تعبیر وہ ہے جو والد ماجد اعلیٰ حضرت رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی کہ حصہ اول کے لیئے رسالت اور حصہ ثانی کے لیئے رسالت کاملہ کے الفاظ استعمال فرمائے۔ یہاں نبوت بمعنی رسالت ہونا قرآن وحدیث کے دلائل سے ثابت ہے۔ تفصیل مغالطہ نمبر رڈ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

مغالطہ نمبر ۱۲۵ (از الفاظ ''مبادیٔ نبوت'') **کا ازالہ**:

علامہ ابن المنیر نے فرمایا: کانت مقدمة النبوة فی حق النبی ﷺ غار حرا میں گوشہ نشینی اختیار کرنا نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے حق میں آپ کی نبوت کا مقدمہ تھا۔ (فتح الباری، جلد ا، صفحہ ۸، عمدۃ القاری جلد ا، صفحہ ۱۷)۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں: وهی من جملة المقدمات التی ارهصت لنبوته و جعلت مبادیٔ لظهورها گوشہ نشینی ان مقدمات سے ہے جو آپ کی نبوت کے لیئے بنیاد اور اس کے ظہور کے لیئے اساس بنائے گئے تھے۔ (عمدۃ القاری، جلد ا، صفحہ ۶۱)۔

شیخ محقق نے فرمایا: ''ورقہ بن نوفل اقرب باشد باطلاق اسم صحابی کہ در مبادی نبوت بود حضرت ورقہ بن نوفل صحابی کہلانے کے زیادہ حق دار ہوں گے کیونکہ ان کو آپ کی زیارت کا شرف نبوت کی ابتداء اور آغاز میں حاصل ہوا۔ (مدارج، جلد ۲، صفحہ ۲۶)۔ ''مبادی احوال'' (اشعہ، جلد ۴، صفحہ ۵۰۹)۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰، ۲۱۸۔ نیز صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹)۔

الجواب:

ان عبارات میں لفظ نبوت، نفس نبوت کے معنٰی میں نہیں کیونکہ وہ آپ ﷺ کو دیگر دلائل کی رو سے پہلے سے حاصل تھی (کما قال ﷺ کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد) بلکہ یہاں نبوت بمعنی رسالت ہے جس کے لیئے علامہ خطابی کی عبارت میں ظہور کی قید موجود ہے تو معنٰی یہ ہوگا کہ غارِ حرا میں آپ ﷺ کی خلوت آپ کی نبوت (رسالت) کے ظہور کا پیش خیمہ بن گئی۔

یہ معنٰی نہیں کہ خلوت کی وجہ سے آپ نبی بنے کیونکہ اس کا مطلب یہ بنے گا کہ نبوت کسبی ہوتی ہے جو ریاضت سے حاصل کی جاسکتی ہے جو غلط ہے کیونکہ نبوت وہبی چیز ہے کسبی نہیں۔ عبارت شیخ محقق میں نبوت کا بمعنی رسالت ہونا قطعی بات ہے کیونکہ اس میں حضرت ورقہ کی آپ سے جس ملاقات کا ذکر ہے وہ سورۂ اقرأ کی آیات کے نزول کے بعد ہوئی تھی جب کہ وہ دیگر دلائل کے علاوہ خود نص قرآنی کے مطابق زمانۂ رسالت ہے اللہ تعالیٰ نے اسی زمانہ میں فرمایا تھا انا ارسلنا الیکم رسولا شاهداً علیکم الآیة۔ مکمل تفصیل مغالطہ نمبر کے ردّ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

پس معنٰی یہ ہوگا کہ حضرت ورقہ کی آپ ﷺ سے ملاقات دور رسالت کے بالکل شروع میں ہوئی بناءً

علیہ وہ صحابی کہلانے کے زیادہ حق دار ہوں گے لیکن علماء کے ایک طبقہ نے صحابیت کے لیئے زمانۂ ظہور دعوت کو پانا شرط کیا ہے اس لیئے ان کے حسبِ اصطلاح حضرت ورقہ صحابی نہیں۔

اقول: مغالطہ نمبر۲۳ کے ردّ میں شیخ کی عبارت پیش کی جا چکی ہے کہ وہ عندالمحدّ ثین صحابی ہیں۔

الغرض ''مبادی نبوت'' وغیرہا کے الفاظ بھی مصنف تحقیقات کے موقف کی دلیل نہیں بلکہ ہماری دلیل ہیں۔

والحمد لله علىٰ ذٰلك۔

مغالطہ نمبر ۳۶ (از کلمات قبل نبوت وبعد نبوت) **کا رد:**
منصف تحقیقات نے مختلف کتب کے ''قبل وبعد نبوت'' کے الفاظ سے بھی استدلال کیا ہے۔ خلاصہ حسب ذیل ہے:
پیش از نبوت (اشعہ جلد۳' صفحہ۵۳۲' مدارج جلد۱' صفحہ۸۲' مدارج جلد۲' صفحہ۲۶) **بعد از اختصاص و اصطفاء بہ نبوت ورسالت** (مدارج جلد۱' صفحہ۶۸)۔
اقام بمکة بعدالنبوة ثلث عشر سنة (تہذیب نووی۔ جواہر البحار' جلد۱' صفحہ۱۹۲)۔
وبمکة قبل النبوة اربعین سنة (شرح مسلم جلد۲' صفحہ۲۴۰)۔
حضرت قاسم کے **متعلق فرمایا:** ولد قبل النبوة ۔ حضرت عبداللہ کے **متعلق فرمایا:** لانه ولد بعد النبوة (جواہر البحار' جلد۱' صفحہ۱۹۴)۔
ان النبی قبل النبوة (نبراس' صفحہ۵۶۱۔ شفاء جلد۱' صفحہ۵۸)۔
والانبیاء علیهم السلام قبل نبوتهم (شرح مواقف' صفحہ۶۶۷۔ زرقانی جلد۵' صفحہ۲۴۲۔ مطالع المسرات' صفحہ۲۱۶۔ **حجة الله علی العلمین'** صفحہ۱۱)۔
ودرجة الانبیاء قبل النبوة (زرقانی شرح مواہب جلد۵' صفحہ۲۴۲)۔
اما قبل النبوة (فواتح الرحموت' جلد۲' صفحہ۱۰۰)۔
جو بات خلاف عادت قبل نبوت ظاہر ہو (بہارِ شریعت' جلد۱' صفحہ۳۴۔ شفاء جلد۱' صفحہ۵۸)
مسایرہ صفحہ۲۲۳ ''نبوت سے پہلے''۔ ''قبل حصول نبوت'' (بہارِ شریعت' جلد۱' صفحہ۳۴' شفاء' جلد۱' صفحہ۵۸)
حضرت عبداللہ ابی الحمساء نے فرمایا میں نے سرکار علیہ السلام سے آپ کو نبوت ملنے سے پہلے الخ (ابوداؤد خصائص وغیرہ)۔ یہ نبوت سے پانچ سال پہلے کی بات ہے (مجمع البحار' جلد۵' صفحہ۲۲۲' علامہ طاہر بابت تعمیر کعبہ)۔
قریش آپ کو نبوت سے پہلے امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ (مقالاتِ کاظمی جلد۱' صفحہ۸۱)۔
نبوت سے چھ ماہ قبل ہی سچے اور واضح خواب دیکھنے لگے تھے۔ (مقالاتِ کاظمی جلد۱' صفحہ۸۱)۔
قبل از نبوت۔ (المعتقد' صفحہ۱۰۳' ۱۰۵' ۱۲۴)۔
نبی پاک ﷺ نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی معصوم تھے۔ (شرح فقہ اکبر' صفحہ　　)۔

نبوت سے قبل' نبوت سے پہلے (روح المعانی تحت وما ینطق عن الھوی' پ۳۰)۔

یسمونه قبل النبوة الامین (شفاء جلد۱ صفحہ۱۸)۔

وبمكة قبل النبوة (الی) بمكة بعد النبوة (مظہری' جلد۵ صفحہ۱۵)۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۴۷' ۱۷۲' ۱۷۸' ۱۷۹' ۱۸۰' ۱۸۱' ۱۸۲' ۲۱۸' ۲۳۳' ۲۳۴' ۲۳۵' ۲۳۷' ۲۳۸' ۲۴۳' ۲۴۷' ۲۴۸' ۲۴۹' ۲۵۳' ۲۵۴' ۲۵۶' ۲۶۱' ۲۶۳' ۲۶۶)

حیث قال :اگر آغاز ولادت سے ہی نبی تھے تو ''پیش از نبوت'' ابتداء سے انتہاء پر استدلال'' اور معصوم پیش از نبوت وبعد از وے'' کیوں فرمایا؟

الجواب:

ان سب عبارات میں نبوت سے مراد نفس نبوت نہیں بلکہ ظہورِ نبوت' بعثت' رسالت اور وحی جلی ہے جن میں سے کوئی بھی نفس نبوت کے منافی نہیں۔ جس کی وضاحت خود ان علماء سے ثابت ہے جسے خود مصنف تحقیقات نے بھی نقل کیا ہے' بعض نقول ملاحظہ ہوں:

مدارج النبوة جلد۲' صفحہ۳۱' میں شیخ محقق نے فرمایا: ''ظہور نبوت'' (تحقیقات' صفحہ ۱۷۴)

زرقانی شرح مواہب' جلد۵' صفحہ ۷۷: ''قبل دعوی الرسالة'' (تحقیقات' صفحہ ۲۳۵' ۲۳۶)۔

اثبات النبوة صفحہ ۱۰' شیخ مجدد: متقدمة علی دعوی النبوة (تحقیقات' صفحہ ۲۳۷)۔

تمہید امام ابوشکور سالمی' صفحہ ۷۵: قبل ظهور النبوة' قبل الدعوی' (تحقیقات' صفحہ ۲۳۹' ۲۴۱)۔

تفسیر کبیر للرازی' جلد۱۱' صفحہ ۲۰۸: قبل البعثة (تحقیقات' صفحہ ۲۶۶)

حاشیہ الاستمداد صفحہ ۱۵۰' مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان: قبل از وحی' پیش از وحی (تحقیقات' صفحہ ۲۴۲)۔

الغرض ان الفاظ سے نفس نبوت کی نفی ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔

مزید اس کا جزئیہ لیجئے۔ امام ابوشکور سالمی جن کی ثقاہت وامامت فی العلم کو مصنف تحقیقات نے ہر حوالہ سے تسلیم کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''لان النبی کان نبیا قبل البلوغ وقبل الوحی كما انه نبی بعد الوحی وبعد البلوغ والدلیل علیه قوله تعالیٰ فی قصة عیسیٰ علیه السلام وكان فی المهد صبیا وجعلنی نبیاً الخ''۔

نیز روی عن رسول الله علیه وسلم انه سئل متی كنت نبیا قال كنت نبیا وآدم بین الماء والطین''۔

نیز ''وقال اهل السنة والجماعة ان الانبیاء صلوات الله علیهم قبل الوحی کانوا انبیاء معصومین واجب العصمة والرسول قبل الوحی کان رسولا نبیا مأمونا الخ۔ ولان النبوة امر ثابت قبل الوحی یعنی نبی بلوغ کی عمر کو پہنچنے نیز وحی جلی کے اترنے سے پہلے بھی نبی ہوتا ہے جیسا کہ بلوغ اور وحی کے بعد نبی ہوتا ہے کیونکہ نزول وحی سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی نبوت ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کی دلیل قصہ عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انہوں نے بالکل بچپن کی عمر میں کہا تھا کہ اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے۔

نیز حدیث شریف میں ہے: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا آپ نبی کب سے ہیں؟ فرمایا: اس دور سے کہ ابھی آدم علیہ السلام کا وجود بھی نہ تھا۔ ملاحظہ ہو۔ (تمہید صفحہ ۶، ۶۷، ۷ وغیرہا طبع لاہور)۔

بلکہ اسی تمہید میں یہ بھی فرمایا کہ جو نبی کو قبل بلوغ و قبل وحی جلی، بچپن میں نبی نہ مانے وہ قرآن کی رو سے ایسا کافر ہے کہ جس میں تاویل و تعریض کی بھی گنجائش نہیں (یہ عبارات باب اول میں تمہید مترجم اردو از قلم خلیفہ اعلیٰ حضرت ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے مفصلاً پیش کی جا چکی ہیں)۔ ان عبارات میں قبل الوحی اور بعد الوحی کے الفاظ اس امر کا قرینہ ہیں کہ ''قبل النبوة'' اور ''بعد النبوة'' کے الفاظ میں نبوت مراد سے وحی جلی ہے۔

خلاصہ یہ کہ نبی چونکہ ہمیشہ نبی ہوتا ہے جس پر امام سالمی کی یہ تصریحات شاہد عدل ہیں۔ نیز مغالطہ نمبر ۲۸ کے ردّ میں ''مدت نبوت ۲۳ سال'' کی توجیہ میں واضح ہو چکا ہے کہ اس میں نبوت سے وحی جلی اور بعثت و رسالت نیز ظہور و اظہار نبوت ہے۔

بناءً علیہ ''قبل نبوت'' اور ''بعد نبوت'' کا صحیح مطلب ہے وحی جلی سے پہلے اور۔ بعثت سے پہلے اور بعد نیز ظہور و اظہار اور اعلان نبوت سے پہلے اور بعد۔ اس سے نفس نبوت کو مراد لینا قطعاً درست نہیں کیونکہ اس سے بے شمار آیات اور احادیث کا انکار لازم آئے گا جو ظاہر ہے کہ کفر ہے۔ (والعیاذ بالله من الکفر واهلیه)۔

مغالطہ نمبر ۱۷۱ (خوارق قبلیہ کوار ہاص (بنیادنبوت) کہا جاتا ہے جوعدم نبوت کی دلیل ہے) **کا ازالہ**

صاحبِ تحقیقات نے اپنی اس کتاب میں مختلف مقامات پر کچھ حوالہ جات پیش کیۓ ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ سیّد عالم ﷺ سے جتنے خوارق قبل از اعلان نبوت ظاہر ہوۓ انہیں ارہاصات کہا جاتا ہے جب کہ ارہاص کا معنٰی ہے بنیاد رکھنا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ امورنبوت کے لیۓ بنیاد بناۓ گئے جس سے موصوف نے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ اگر آپ ﷺ آغاز ولادت سے ہی نبی تھے تو چالیس سال بعد ارہاص کی کیا ضرورت تھی (ملخّصا)۔

پیش کی گئی تمام عبارات کا نقل کرنا نیز ان پر فرداً فرداً کلام کرنا موجب طوالت ہے اس لیۓ صرف ان کے حوالہ جات پر اکتفاء کرتے ہوۓ دیگر مباحث کو چھوڑ کر محض نفس مسئلہ کے حوالہ سے جواب پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: (تحقیقات صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱، ۲۴۳، ۲۴۸، ۲۶۲، ۲۶۸، ۲۸۳، طبع ثانی صفحہ ۲۸۲، ۳۸۳، طبع ثانی ۲۸۱، طبع ثانی بحوالہ عمدۃ القاری، جلد ا، صفحہ ۶۰۔ بہارِ شریعت جلد ا، صفحہ ۳۴ الشفاء جلد ا، صفحہ ۵۸۔ مسایرہ للامام ابن الہمام صفحہ ۲۲۳۔ روح المعانی تحت الم نشرح۔ منح الباری، صفحہ ۹۔ شرح الشفاء خفاجی جلد ا، صفحہ ۵۵۔ المفہم شرح مسلم، صفحہ ۱۹۲، ۴۷۴، ۲۱۸۔ احکام القرآن للامام الجصاص، جلد ۲ صفحہ ۱۲)۔

الجواب:

ارہاصات کی اصطلاح احوال نبویّہ کو ان کی مختلف کیفیات کو ملحوظ رکھ کر محفوظ رکھنے کی بنیاد پر مقرر کی گئی ہے یعنی معجزات قبلیہ (جو اعلان نبوت سے قبل رونما ہوۓ)۔ ان کے فی نفسہ معجزہ ہونے کی نفی کے لیۓ ہرگز نہیں کیونکہ یہ بھی معجزہ کی قسم ہیں (كما فى المجلد الثانى من المدارج للشيخ المحقق)۔

نیز علامہ سیوطی نے خصائص جلد اول میں انہیں معجزات ہی کے عنوان سے ذکر فرمایا ہے جب کہ اصطلاح مقرر کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے جس کی واضح مثال یہ ہے کہ علماء نے اعلان نبوت کے بعد کے معجزات کے لیۓ بھی مختلف تعبیرات فرمائی ہیں مثلاً جو تحدّی (چیلنج) کے ساتھ نہ ہوا سے بعض نے آیت اور بعض نے علامت کا نام دیا اور جو تحدّی کے ساتھ ہوا سے معجزہ کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (شرح شفاء خفاجی جلد ا، صفحہ ۵۵، شرح قاری جلد ا، صفحہ ۵۴)۔

اب اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ جو تحدی کے بغیر ہو وہ معجزہ ہی نہیں یا جس نبی سے ظاہر ہوا معاذ اللہ وہ

پورا نبی نہیں بلکہ وہ محض بیک نوع فرق کی بناء پر ایک اصطلاح ہے۔

اسی طرح ارہاصات کی اصطلاح بھی محض اعلان نبوت کے بعد والے معجزات سے امتیاز قائم کرنے کی غرض سے ہے جن کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ چونکہ وہ اعلان نبوت سے پہلے تقریباً متصلاً (ماضی قریب میں) ظہور پذیر ہوئے جب کہ عمارت کی بنیاد بھی عمارت سے پہلے ہوتی ہے اس لیۓ اسی مناسبت سے انہیں ارہاصات کا نام دیا گیا اور یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں۔

لیکن یہ سمجھنا غلط ہے کہ یہ واقعات نبوت کی بنیاد اس معنٰی میں ہیں کہ انہی کی وجہ سے نبوت وجود میں آئی کیونکہ حضور کی نبوت پہلے سے موجود تھی (بدلیل کنت نبیا الخ)۔

پھر وہ خوارق نبوت ہی کی وجہ سے ظاہر ہوئے اس وجہ سے بھی نبوت کا پہلے سے ہونا واضح ہوا۔ ارہاصات کے تاسیس نبوت ہونے کا خلاصۂ مفہوم ہے نبوت کے اظہار سے پہلے وقتاً فوقتاً خوارق ظاہر کر کے اس کے ظہور کے لیۓ راہ ہموار کرنا یعنی یک دم ظاہر کرنے کی بجائے کہ لوگوں کو سخت حیرت کا سامنا کرنا پڑے انہیں خوگر کرنے کے لیۓ پہلے امور خارقہ کو ظاہر کرنا پھر مقرر وقت پر نبوت کو ظاہر کرنا۔

حسب ذیل عبارات سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ علامہ عینی نے علامہ خطابی کے حوالہ سے آپ ﷺ کی غار حراء میں گوشہ نشینی کے متعلق لکھا ہے: ''وھی من جملہ المقدمات التي ارھصت نبوته وجعلت مبادئ لظھورھا'' خلاصہ یہ کہ آپ کی یہ گوشہ نشینی بھی ارہاصات سے تھی۔ (عینی شرح بخاری جلد ا صفحہ ۶۰)۔

اقول: اگر ارہاص کو اسی معنٰی میں لیا جاۓ جس میں مصنف تحقیقات نے لیا ہے تو اس عبارت کا یہ مطلب نکلے گا کہ آپ ﷺ کو نبوت، ریاضات اور مجاہدہ کی بدولت ملی اس طرح سے نبوت کسبی قرار پاۓ گی جو غلط ہے کیونکہ نبوت محض وہبی چیز ہے پس صحیح وہی ہے جو ہم نے عرض کیا کہ ارہاص کا مطلب ہے نبوت کے ظہور کی راہ ہموار کرنا۔ شیخ محقق نے مدارج میں امام ابن حجر مکی نے بھی اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ ظہور نبوت اس خلوت کے باعث نہ تھا۔ (کمافی جواہر البحار) علامہ خفاجی شرح المواقف کے حوالہ سے لکھتے ہیں: وھو التاسیس ولسبقھا علی اظھار الرسالة کانت کالتاسیس لھا'' (شرح الشفاء جلد ا صفحہ ۵۵)۔

تحقیقات میں اس کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے: ''بعثت سے پہلے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام سے جو خوارق صادر ہوۓ...... ان کو ارہاص بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اظہار نبوت کے لیۓ بنیاد نہیں'' ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۱۳۸ طبع ثانی)۔ یعنی وجود نبوت کے لیۓ بنیاد ہیں۔ سبحٰن اللہ ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

علامہ نبہانی کے ان الفاظ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: ''فیجوز ظھورھا تاسیسا للنبوۃ ''
ملاحظہ ہو۔ (حجۃ اللہ علی العلمین، صفحہ ۱۱۔ نیز تحقیقات صفحہ ۲۴۸، طبع اول)

- جبل العلم امام الدرسیات علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ نبی سے جو خرق عادت دعویٰ نبوت کے بعد ظاہر ہو وہ معجزہ ہے ''ان یکون ظاھرا من النبی قبل دعواہ فھو الارھاص ''
جو خرق عادت، نبی سے اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے ظاہر ہو تو وہ ارہاص ہے۔

ملاحظہ ہو۔ (حاشیہ السیالکوتی علی الخیالی، صفحہ ۱۴۳، حاشیہ ا، طبع مطبع یوسفی)۔

اقول: عبارت ہٰذا امانحن فیہ میں صریح ہے کیونکہ یہ تقسیم محض معجزات قبلیہ و بعدیہ میں فرق کے لیئے ہے۔ نبی ہونے نہ ہونے کی بنیاد پر نہیں کیونکہ ارہاص کا مصدر بھی ''نبی'' کو قرار دیا ہے۔ والحمدللہ۔

علاوہ ازیں اس مطلب کی مزید دلیل یہ بھی ہے کہ جو علماء ''ارہاص'' کی اصطلاح استعمال فرمارہے ہیں وہ حضور کے قدیم النبوۃ ہونے کے بڑی سختی سے قائل ہیں۔

بعض کی تو اس پر صراحتیں موجود ہیں جیسے حضرت شیخ محقق اور صدر الشریعۃ صاحب بہارِ شریعت وغیرہ

اور

بعض اس طرح سے کہ ان سے قدم نبوت کی نفی ثابت نہیں جب کہ وہ بحیثیت مسلمان آپ ﷺ کے جملہ ارشادات کے پابند ہیں اور آپ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد۔

اگر ارہاص کا وہ معنٰی نہ لیا جائے جو ہم نے بیان کیا تو یہ سب علماء معاذ اللہ، حدیث نبوی کے منکر ٹھہریں گے نیز یہ کہ مصنف تحقیقات نے جو اس کا مطلب بیان کیا ہے وہ صریحاً حدیث نبوی سے متصادم ہے۔

ارہاص کی مکمل باحوالہ بحث کے لیئے ملاحظہ ہو: کتاب ہٰذا کا باب ہشتم عبارت روح المعانی پر اعتراضات کے جوابات کے زیر عنوان جواب اعتراض نمبر ۶۔ نیز اسی باب میں شق صدر مبارک پر اعتراضات کے جوابات جن میں اس کی مفصل بحث ہے۔

مغالطہ نمبر ۱۸ (مدّت نبوت تئیس سال ہے) **کارد:**

شیخ محقق فرماتے ہیں: ''زمانہ نبوت بست وسہ سال است'' آپ کی نبوت کا عرصہ تئیس سال ہے''۔

''حصر مدت وحی در بیست وسہ سال مسلم است'' وحی کی مدت کا حصر کرنا تئیس سال میں تو مسلّم ہے۔

(اشعۃ اللمعات' جلد۳' صفحہ ۲۳۶) دور نبوت ہمہ بست وسہ سال است (مدارج جلد۱' صفحہ ۲۴۰' دور نبوت وے ثلث وعشرین اشعۃ جلد۴' صفحہ ۲۴۷)۔

- وحی کی کل مدت تئیس سال ہے' بیس اور پچیس کا قول بھی موجود ہے مگر وحی کی عمر تریسٹھ سال ہونے کا کہیں بھی نام ونشان نہیں ملتا۔ ابتدائے نبوت یہیں سے مانی جاسکتی ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۳۶' ۱۳۷)۔
- آپ ﷺ کی نبوت کی عمر ۲۳ سال ہے۔ (تحقیقات صفحہ ۲۵۷' ۲۵۸ بحوالہ مواعظ رضویہ)۔
- حضور کی نبوت کی مدت ۲۳ سال ہے (تحقیقات صفحہ ۲۶۸' بحوالہ منح الباری' صفحہ ۹' تیسیر القادری' صفحہ ۸)۔

الجواب:

ان عبارات میں نبوت بمعنی نفس نبوت نہیں بلکہ نبوت بمعنی بعثت ورسالت اور بمعنی وحی جلی ہے۔ معنٰی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت کا جب ظہور ہوا اور آپ کی بعثت ہوئی یا بلفظ دیگر آپ کا جب ارسال ہوا تو اس کے بعد آپ پر جس عرصہ میں قرآن مجید اتر تا رہا اور اتر کر مکمل ہوا وہ ۲۳ سال ہے جس سے مقصود نزول قرآن کی مدت کی تحدید ہے۔ یعنی حضور کا پوری کائنات میں یہ امتیاز ہے کہ آپ ہی وہ واحد ہستی ہیں کہ جن کے جملہ احوال مبارکہ کیفیات کے فرق کی توضیح کے ساتھ محفوظ اور مدوّن ہیں اسی تناظر میں علماء اسلام نے اس مدت کو بھی مدوّن کیا جس میں کثرت کے ساتھ آپ پر وحی خفی آئی پھر جب وحی جلی کا آغاز ہوا تو اس کی مدت کی ابتداء وانتہاء کو بھی انہوں نے مدوّن فرمایا۔

بہرحال نبوت یہاں پر حسب بالا بعثت ورسالت اور وحی بالقرآن کے معنٰی میں ہے نفس نبوت کے معنٰی میں نہیں جیسا کہ مصنف تحقیقات نے بیان کیا ہے' نفس نبوت کے معنٰی میں لیا جائے تو یہ نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ کفر قطعی ہے کیونکہ اس صورت میں معنٰی یہ ہوگا کہ حضور نہ تو اس مدت سے پہلے نبی تھے اور نہ ہی اس کے بعد نبی ہیں والعیاذ باللہ۔ اس صورت میں ان تمام آیات واحادیث سے انکار لازم آتا ہے جن میں آپ ﷺ کے قدم نبوت (پہلے سے نبی ہونے) کا بیان ہے جیسے سورۂ احزاب کی آیت میثاق نبوت اور حدیث کنت نبیاً الخ وغیرہما۔

اسی طرح ان آیات واحادیث سے بھی انکار لازم آتا ہے جو اس سلسلہ میں قطعی الدلالہ وقطعی الثبوت ہیں کہ آپ ﷺ بمعنی حقیقی آخرالنبین (خاتم النبین اور تاجدار نبوت) ہیں جیسے ولکن رسول اللہ وخاتم النبین نیز انا خاتم النبین لا نبیّ ولا رسول بعدی وغیرہما۔

چونکہ مصنف ومتمم تحقیقات نے یہاں نبوت سے نفس نبوت کو مراد لیا ہے جس کے متعلق ہم نے واضح کیا کہ اس سے کفر لازم آتا ہے اس لیئے ان پر فرض ہے کہ اس کفریہ سے توبہ کر کے دوبارہ ایمان لائیں جب کہ نکاح کا جو مسئلہ بنے گا وہ خود اہل علم ہیں ہم تو' توجہ دلا سکتے ہیں باقی کار بدست مختار۔

الغرض نبوت سے نفس نبوت مراد لینا بہت خطرناک بات ہے اہل سیر اس کو یوں بیان فرماتے ہیں سن ا نبوت، ۲ نبوت وغیرہ جس سے مراد وہی ظہور نبوت ورسالت ہے لا غیر والحمدللہ علی ذلك۔

؎ عمر ہے لاکھوں برس تیری مگر تازہ ہے شباب تیرا

مغالطہ نمبر۲۹ (ازعبارت شفاء کہ پیدائشی نبی ماننا عقیدۂ کرّامیہ ہے) کا **رد**
حسب ذیل عبارت مصنف تحقیقات نے پیش نہیں کی لیکن ممکن ہے کہ وہ یا ان کے اتباع میں سے کوئی اسے پیش کرے اس لیئے تبرّعاً اس کا جواب بھی حاضر ہے۔
چنانچہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارقام فرماتے ہیں: ''ولیستا ذاتا للنبی ولا وصف ذات خلافا للکرامیۃ ''۔''لیستا'' کے تحت علامہ علی القاری اور علامہ خفّاجی علیہما الرحمۃ لکھتے ہیں: ''ای النبوۃ والرسالۃ''۔
خلاصہ یہ کہ نبوت ورسالت نہ تو نبی کے لیئے ذات ہیں اور نہ ہی وصف ذات جب کہ فرقہ کرامیّہ نے اس کے برخلاف کہا ہے۔
ملاحظہ ہو۔(الشفاء مع شرح القاری والخفاجی' جلد۲' صفحہ ۴۵۶' طبع ملتان)۔

الجواب:
اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ سنیئے: علامہ القاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قالوا هما صفتان قائمتان بذات الرسول سوی الوحی و امر اللہ له بالتبلیغ والمعجزۃ والعصمۃ وصاحبهما لا تصافه بهما رسول وان لم یرسله اللہ ''۔(شرح الشفاء' جلد۲' صفحہ ۴۵۶)۔
نیز علامہ خفاجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''فهؤلاء قالوا انهما امر ان غیر الوحی وامر اللہ له بتبلیغ شریعته فصاحبهما متصف بهما وان لم یوح الیه ''۔اس سے قبل لکھا ہے: ''ای لیستا امرا ذاتیا فی الرسول طبعه اللہ علیها کالعقل وغیرہ من الغرائز ''نیز'' قبل الوحی الیه'' (جلد۲' صفحہ ۴۵۶)۔
سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بارے میں کرامیہ کے عقیدہ کی تفصیل یہ ہے کہ نبوت ورسالت نبی کا جزوبدن ہوتی ہے۔ اس طرح سے کہ اس کے لیئے نہ تو وحی الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اس کا مأمور بالتبلیغ ہونا درکار ہوتا ہے اور نہ ہی علیحدہ سے عصمت مطلوب ہوتی ہے۔ لہٰذا نبی ورسول کسی قسم کی وحی اور بعثت کے بغیر ہی نبی ورسول ہوتا ہے۔اھ۔
اس سے ملتی جلتی تفصیل علامہ حکیم نجم الغنی رام پوری نے بھی لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو (مذاہب الاسلام' صفحہ ۶۱۰' ۶۱۱' طبع لاہور)۔ جس میں یہ بات زائد لکھی ہے کہ ''وحی اور کار تبلیغ اور معجزہ اور عصمت اس کی ذات کے

ساتھ مختص نہیں دوسرے لوگ بھی ان سے متصف ہو سکتے ہیں۔"

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ کرامیہ اس معنٰی میں نبی ورسول کو پیدائشی نبی ورسول کہتے ہیں کہ اس کے لیئے وحی نہ بھی ہوتو وہ نبی ورسول ہے۔ مأمور بالتبلیغ نہ بھی ہوتو اسے رسول کہہ سکتے ہیں۔ معجزہ بھی اس کے لیئے لازم نہیں وغیرہ جب کہ اہل سنت اس معنٰی میں انہیں پیدائشی نبی کہتے ہیں کہ جنہوں نے اس عالم میں نبی بننا تھا ان کی ارواح طیبہ اور ذرائر مبارکہ کو جمع کر کے ان کو نبی اور رسول قرار دے دیا گیا کہ ہم نے تم سے دنیا میں یہ کام لینے کے لیئے بنایا ہے اور یہ کام تم سے دنیا میں لینا ہے یعنی جنہوں نے نبی بننا تھا وہ اسی عالم سے نبی بن کر آئے یہاں آ کر نبی نہیں بنے اور ان کا نبی ورسول قرار پانا اسی وحی کے بنیاد پر ہے۔ نیز اس دنیا میں ان کی صداقت کے ثبوت کے لیئے معجزہ کا ہونا بھی لازم ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں ان کے جسمانی ظہور کے بعد ان سے امور منافیہ للنبوۃ والرسالۃ کے صدور کو محال اور ناممکن کی حد تک رکھنا بھی ضروری ہے جسے عصمت کہتے ہیں۔ (اس سے عصمت کے خلقی یا غیر خلقی ہونے کا فلسفہ بھی واضح ہو جاتا ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے عقیدۂ کرامیہ کے بیان کے ضمن میں اس کی گنجائش رکھی ہے کہ اگر اس سے ان کی مراد یہ ہو کہ نبی میں تخلیق ربانی سے قوت قدسیہ ہوتی ہے جس سے اسے امور خفیہ کا علم ہوتا ہے تو یہ موجہ ہے۔

ملاحظہ ہو (شرح خفاجی علی الشفاء جلد ۲ صفحہ ۴۵۶) حیث قال: "ان اراد هؤلاء ان الله تعالٰى خلق له نفسا قدسية واودع فيها قوى يستعد بها لتقلى الوحى والعلم بربه (الى) فالامر فيه سهل والافهو لغو")

ہمارے بیان کردہ اس فرق (مابین عقیدۃ اہل السنۃ وعقیدۃ الکرامیّہ) کی دلیل امام اہل سنت علامہ ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارات بھی ہیں جن میں آپ نے صراحۃً لکھا ہے کہ نبی قبل بلوغ وقبل بعثت ونزول وحی جلی بھی ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے اس کے بعد۔ ملاحظہ ہو (تمہید عربی صفحہ ۶۷،۶۶ مترجم اردو صفحہ ۴۵،۴۶،۱۶۶)۔

سوال:

شرح شفاء علامہ قاری جلد ۲ صفحہ ۴۵۶ میں ہے تلمسانی نے فرمایا کہ کرامیہ اس کے قائل ہیں کہ انبیاء ورسل کرام جبلًا اور پیدائشی طور پر نبی ورسول ہوتے ہیں جن کے لیئے وحی کی ضرورت نہیں ہوتی اور اس کے لیئے انہوں نے حضرت ابوہریرہ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے: "قال قالوا یا رسول الله متى وجبت لك النبوة قال وادم بين الروح والجسد"۔

الجواب:

اہل سنت نے بھی تو اس سے استدلال پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تمہید عربی صفحہ ۶۷ اردو صفحہ ۱۶۷،۱۶۶)

زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث ہٰذا سے غلط فہمی یا مغالطہ دہی کی بنیاد پر استدلال کیا ہے۔ پس اس کا یہ مطلب کہاں ہے کہ حدیث' اہل سنت کے موقف کی دلیل نہ رہی۔ بہت سی آیات اور احادیث کو بیک وقت اہل سنت اور غیر اہل سنت سب اپنے اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں جن سے وجہ استدلال مختلف ہوتی ہے جو خادم کلام پر کچھ مخفی نہیں۔

سوال:

تمہید عربی صفحہ ۶۷' اردو صفحہ ۱۶۶' میں ہے کہ کرامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی قبل وحی نبی نہیں ہوتا البتہ ولی بھی ہوتا ہے' معصوم بھی۔ شفاء اور اس کی شروح کی پیش کردہ عبارات کے خلاف ہے کیونکہ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ وہ نبی کے لیۓ وحی کو لازم مانتے ہیں اور عصمت کو بھی نیز یہ کہ وہ نبوت کو جبلی نہیں مانتے۔

الجواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ امام سالمی نے یہ بات مطلقاً کرامیہ کے حوالہ سے نہیں بلکہ بعض کی نسبت سے لکھی ہے جیسا کہ ان کے اس عبارت کے شروع کے ان الفاظ سے بھی ظاہر ہے''وقالت المتقشفة من الکرامیہ'' (عربی صفحہ ۶۷)۔ یعنی کرامیہ میں سے متقشفہ نے کہا'' (تمہید اردو صفحہ ۱۶۶)۔

خلاصہ یہ کہ عبارت شفاء سے نبی کے پیدائشی نبی ہونے کے سنّی استدلال کے خلاف استدلال کرنا محض جبلی اور پیدائشی کے لفظ سے مغالطہ دہی کی بنیاد پر ہے ورنہ کرامیہ کے پیدائشی نبی اور اہل سنت کے پیدائشی نبی ماننے میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ۔

اقول: اس تفصیل سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اہل سنّت کا کرامیہ سے کچھ تعلق نہیں البتہ مصنف تحقیقات کو ان سے پوری پوری مطابقت ہے کیونکہ تمہید امام سالمی کی متذکرہ بالا تصریح کے مطابق کرامیہ' کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی' قبل وحی صرف ولی ہوتا ہے اور معصوم بھی۔ جو بعینہٖ مصنف تحقیقات کا نظریہ ہے۔ اب یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ کرامیہ نے عقیدہ ان سے لیا ہے کیونکہ وہ پہلے گزرے ہیں۔ پس یہی کہا جائے گا کہ موصوف نے یہ نظریہ کرامیہ سے چرایا ہے۔ وھو المقصود۔

سچ ہے　ع　وہ الزام ہمیں دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

◆◆◆

باب دہم

مغالطات از آیات قرآنیہ کا ردّ

اجمالی جواب:

موصوف کے سلسلۂ مغالطات کا آخری حصہ یہ ہے کہ جی خود قرآن سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ چالیس سال سے پہلے نبی نہ تھے (معاذ اللہ)۔

جس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ موصوف نے اس بارے میں جو آیات پیش کی ہیں ان کی تعداد پانچ ہے۔ ان کے اس استدلال کے مردود ہونے کے لیئے اتنا بھی کافی ہے کہ موصوف نے اس کا چربہ مودودی صاحب سے لیا ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب کی کتاب سیرت سرورِ عالم ﷺ جلد دوم، صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۲۹، ۱۳۸ طبع لاہور میں ماسوائے آیت سورۂ احقاف کے باقی ان چار آیات سے عدم نبوت پر استدلال موجود ہے جو مصنف تحقیقات نے پیش کی ہیں۔

اب لیجیئے پڑھیئے آیات سے دیئے گئے مغالطات کے الگ الگ تفصیلی جوابات جن کے نمبرز گزشتہ نمبروں سے پیوستہ ہیں یعنی مغالطہ نمبر ۲۹ کا ردّ پہلے آیا ہے اب باری ہے مغالطہ نمبر ۳۰ کے ردّ کی جو حسبِ ذیل ہے۔

مغالطہ نمبر ۳۰ (از آیت قُلْ لَّوْ شَاءَ اللّٰہُ مَاتَلَوْتُہٗ عَلَیْکُمْ الآیۃ) **کا رد:**

''پہلی آیہ مبارکہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ لَّوْ شَاءَ اللّٰہُ مَاتَلَوْتُہٗ عَلَیْکُم و لا ادرٰکم به فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے (قرآن مجید کو) تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے باخبر کرتا تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں، تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے (کنزالایمان)'' ملاحظہ ہو (تحقیقات، ۱۰۶)۔

الجواب: آیت کریمہ کا کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا یہ معنٰی ہو کہ آپ ﷺ عمر شریف چالیس سال سے پہلے نفس نبوت نہ رکھتے تھے۔ بالفاظ دیگر اس کا کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو حضور ﷺ کی نبوت دائمہ مستمرہ کی مرکزی دلیل، حدیث کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد'' (وغیرہ) کے مضمون کا مبطل ہو۔ بلکہ یہ آیت آپ ﷺ کے اس وقت نبی ہونے کی بہت عمدہ دلیل ہے جسے خوش فہمی یا مغالطہ دہی سے مصنف تحقیقات نے اپنے موقف کی دلیل سمجھ لیا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ آیت ہٰذا کو اس کے جس بھی معنوی زاویہ سے دیکھا جائے تو وہ آپ ﷺ کی بعثت و رسالت کے بیان پر مشتمل و مبنی ہونے پر منتج ہوتی ہے، چنانچہ:

○ بہت سے مفسرین نے آیت کا پس منظر یہ تحریر فرمایا کہ اس میں کفار کے اس اعتراض اور افتراء کا جواب دیا گیا ہے کہ قرآن کلام الٰہی نہیں بلکہ حضور اسے معاذ اللہ اپنی طرف سے بنا کر لائے ہیں۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دیکھو اس کے نزول سے پہلے میں تم میں عرصہ دراز اس طرح سے رہ رہا ہوں کہ میں نے کسی بھی فرد مخلوق سے کسی قسم کی کوئی تعلیم حاصل نہیں کی۔

نیز اس عرصہ میں مجھ سے کسی قسم کا جھوٹ یا کوئی ہیرا پھیری ثابت نہیں بلکہ تم میرے صدق و دیانت کے قائل ہو تو اس صورت حال کے پیش نظر میں وحی الٰہی کے بغیر ایسا معجز کلام اپنی طرف سے بنا کر کیسے لا سکتا ہوں یعنی کسی فرد مخلوق سے تو کبھی ہیرا پھیری نہ کی اور عام معاملات میں کبھی جھوٹ نہ بولا تو خالق پر افتراء کرتے ہوئے کیسے کذب بیانی کر سکتا ہوں۔ آخر تمہاری عقلیں کہاں گئیں اور تم تدبر سے کیوں کام نہیں لیتے ہو۔

چنانچہ تفسیر کبیر (جلد ۹، صفحہ ۶۰، ۷ طبع بیروت) میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا لب لباب بیان فرماتے ہوئے اس کے تحت ارقام فرمایا: ''کل من له عقل سلیم فانه یعرف ان مثل هذا

لا یحصل الا بالوحی والالہام من اللہ تعالٰی ''یعنی ہر ذی عقل سلیم اس صورت حال کے پیش نظر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ایسا معجز کلام اللہ تعالیٰ کی وحی والہام سے ہی ہوسکتا ہے۔

آگے لکھا ہے: ''حکم منہ علیہ الصلاۃ والسلام بان ھذا القرآن وحی من عند اللہ تعالٰی لا من اختلاقی ولا من افتعالی ۔''یعنی اس میں آپ ﷺ سے یہ کہلوانا مقصود ہے کہ یہ قرآن میرا ساختہ پرداختہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے۔

''افلا تعقلون'' کے تحت لکھا ہے کہ حضور کی شان امّیت کے باوصف ایسی عظیم اور بے مثال کتاب کے آجانے سے لامحالہ یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ: ''انہ لا یکون الاعلٰی سبیل الوحی والتنزیل وانکارالعلوم الضروریة یقدح فی صحة العقل فلھذا السبب قال افلا تعقلون'' یہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے نازل فرمانے سے ہی ہے۔ چونکہ ایسی صاف اور سیدھی باتوں کا انکار معیاری عقل کے تقاضوں کے منافی ہے اس لیے فرمایا ''افلا تعقلون'' کیا تمہیں عقل نہیں ہے اھ۔ نیز ملاحظہ ہو۔ (خازن' جلد۲' صفحہ ۳۰۶۔ البحر المحیط' جلد۵' صفحہ ۱۳۲۔ النہر الماد' جلد۵' صفحہ ۱۳۱۔ شیخ زادہ علی البیضاوی جلد۳' صفحہ ۸۔ الجمل' جلد۲' صفحہ ۳۳۸۔ درۃ التفاسیر للصابونی' صفحہ ۲۱۰' تفسیر حسینی' صفحہ ۴۴۵ وغیرہا)۔

نزول قرآن سے قبل کے جس عرصہ کا آیت میں ''لبثت فیکم عمرا'' کے لفظوں سے ذکر ہے حسب تصریح مفسرین چالیس سال ہے ''وھو اربعون سنة''۔

ملاحظہ ہو: (تفسیر قرطبی' جلد۴' جزءنمبر۸' صفحہ ۳۰۶' پ ۱۱' طبع بیروت۔ خازن جلد۲' صفحہ ۳۰۶' طبع پارہوتی مردان۔ تفسیر بغوی' جلد۲' صفحہ ۳۴۷ وغیرہا)۔

اس تفصیل کے مطابق جہاں کفار کے لایعنی اعتراض کا دفعیہ ہوا اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ پر قرآن کا نزول آپ کی چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا جب کہ قرآن' کتاب اللہ بھی ہے اور کلام معجز ہونے کے حوالہ سے حضور کا معجزہ بھی ہے۔ بلکہ اعظم المعجزات ہے۔ جب کہ معجزہ اور کتاب دلیل رسالت ہیں اسی کا دوسرا نام بعثت ہے یعنی حکم تبلیغ دیگر لوگوں کی طرف بھیجنا۔ اور بھیجنا پہلے سے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ مغالطہ نمبر ۱۹ کے ردّ میں نہایت ٹھوس دلائل سے ہم ثابت کرآئے ہیں کہ کہ بعثت نفس نبوت کے منافی نہیں بلکہ اس کی عمدہ دلیل ہے۔ پس یہ آیت چالیس سال سے قبل آپ ﷺ کے نبی ہونے کی بہت عمدہ دلیل ہوئی۔ مزید غور کیجئے۔

○ بہت سے مفسرین نے ''قل لو شاء اللہ ماتلوته علیکم ولا ادرٰکم به'' کا مفہوم بالفاظ مختلفہ

اس طرح لکھا کہ یعنی ''لو شاء اللہ لم ینزل عل ھذا القرآن ولم یامرنی بقراء تہ علیکم ولا اعلمکم بہ ''یعنی معنٰی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ تو مجھ پر اس قرآن کو نازل فرماتا اور نہ ہی مجھے اس کو تم پر پڑھ کر سنانے کا حکم دیتا اور نہ ہی اس سے تمہیں مطلع فرماتا۔

ملاحظہ ہو: (تفسیر الخازن' جلد۲' صفحہ ۳۰۶' طبع مردان' نیز ابن جریر' جلد ۷' صفحہ ۶۷' طبع بیروت' وغیرہما واللفظ للاوّل)۔

اس سے بھی دو باتیں واضح ہوتی ہیں ایک قرآن کا آپ پر اتارنا۔ دوسری بات آپ کو اس کے احکام کی تبلیغ پر مأمور فرمانا۔ جب کہ یہ دونوں دلیل رسالت ہیں جس سے پہلے سے آپ کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ باب ہفتم میں بکثرت حوالہ جات سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ مأمور بالتبلیغ ہونا رسول ہونے کی دلیل ہے۔ مزید سنیئے:

○ بہت سے مفسرین نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ان الفاظ کا مطلب ہی آپ ﷺ کو منصب رسالت پر فائز فرمانا اور آپ کو بعثت عطا کرنا ہے۔

چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک ہی معنٰی کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ای لو شاء اللہ ما ارسلنی الیکم فتلوت علیکم القرآن ولا اعلمکم اللہ ولا اخبرکم بہ''۔ یعنی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو مجھے تمہاری طرف ارسال ہی نہ فرماتا پس میں نہ تمہیں قرآن پڑھ کر سناتا اور نہ ہی وہ تمہیں اس کی کچھ خبر دیتا (تفسیر قرطبی' جلد۴' صفحہ ۱۱' جزء ۸' صفحہ ۲۰۶' طبع بیروت)۔

نیز تفسیر حسینی (صفحہ ۴۴۵) میں ہے: ''پس اثر فضل ورحمت اوست کہ مرا امر کرد بخواندن' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل وکرم فرمایا کہ مجھے اس کے پڑھ کر سنانے پر مأمور کیا اھ۔

رئیس الوہابیہ امرتسری نے لکھا: ''یہ بھی اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تم کو علم سکھایا تم میں رسول بھیجا۔ (تفسیر ثنائی' پ۱۱' صفحہ ۶۶)۔

اقول: اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو گزشتہ سطور میں ابھی گزری ہے۔

○ بہت سے مفسرین نے اس آیت کے تحت بعثت کے بیان پر مبنی روایات نقل فرمائی ہیں اس سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں بعثت ہی کا بیان ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو۔ (خازن' جلد۲' صفحہ ۳۰۶)۔

○ بلکہ بعض نے تو اس کا یہ معنٰی لکھا ہے کہ اس آیت میں قرآن کے نازل کرنے نہ کرنے کا بیان نہیں بلکہ اسے پڑھ کر سنانے نہ سنانے کی بات ہے یعنی یہ نہیں کہ اللہ چاہتا تو اسے نازل ہی نہ کرتا بلکہ یہ مطلب ہے کہ اللہ نے قرآن جو مجھ پر اتارا ہے چاہتا تو مجھے اس کے تم پر ظاہر کرنے کا اذن ہی نہ دیتا اور میری ذات تک

محدود رکھنے کا امر فرماتا پس یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے تمہیں فیض یاب کرنے کے لیۓ مجھے اس کے ظاہر کرنے کا اذن دیا۔

اس میں اور مذکورہ بالا معانی میں جو فرق ہے بالکل واضح ہے۔

ظاہر آیت بھی اسی کا مؤید ہے جو"ما تلو ته علیکم" کے الفاظ سے واضح ہے۔ چنانچہ علامہ اسمٰعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں: (قل لو شاء اللّٰہ) ان لا اتلو علیکم ما اوحی الیّ من القرآن (ما تلوته علیکم) یعنی آپ فرما دیں اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں اپنی طرف وحی کیا گیا قرآن پڑھ کر ہی نہ سناتا۔ (تفسیر روح البیان، جلد۴، صفحہ۲۳، طبع بیروت)۔

معلوم ہوا آیت کو جس بھی حوالے سے دیکھا جائے اس میں آپ ﷺ کی بعثت اور آپ کے ارسال فرمانے یعنی بھیجنے کا ذکر ہے جو آپ کے پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

بالفاظ دیگر اس میں بعثت کا بیان ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں۔

وبطریق آخر آیت میں حضور کے وصف رسالت کا بیان ہے جب کہ بحث نفس نبوت میں ہے پس یہ خارج از بحث اور قطعاً غیر متعلق ہوئی یعنی اس کا مصنف تحقیقات کا دعویٰ کے ثبوت سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ والحمد للّٰہ تعالیٰ۔

خدا کے کرنے سے یہ سب کچھ معترض کے اعترافات سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ موصوف شروع کتاب میں اسی آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے یہ لکھ بیٹھے ہیں کہ: "جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے تبلیغ احکام کا پابند نہیں کیا تھا اور یہ ذمہ داری نہیں سونپی تھی میں نے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور تمہیں اتباع واطاعت کا حکم نہیں دیا"۔ (تحقیقات، صفحہ۲۵)۔

معلوم ہوا اس آیت میں خود معترض کے اقرار سے نفس نبوت کی نہیں دعویٰ نبوت کی بات ہے۔ نیز مأمور بالتبلیغ فرمانے کا بیان ہے نفس نبوت کے عطا کرنے کا نہیں۔

مزید اس مقام پر موصوف نے اس آیت کی تفسیر میں متعدد روایات ایسی لکھی ہیں جن میں صراحۃً حضور کی بعثت کا ذکر ہے یہ بھی مانحن فیہ کی دلیل ہے۔ ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

تفصیل دیکھنے کے لیۓ ملاحظہ ہوں ہماری جوابی سطور ذیل:

جواب از روایت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اس مقام پر مصنف تحقیقات نے لکھا ہے کہ:

''حضرت جعفر بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ کے سامنے بیان فرمایا تھا: بعث الله فینا رسولا نعرف صفته و نسبه و امانته وقد کانت مدة مقامه علیه السلام بین اظهرنا قبل النبوة اربعین سنة ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان رسول مبعوث فرمایا جن کی صفت' نسب اور امانت و دیانت کو ہم اچھی طرح جانتے تھے اور آپ کی نبوت سے قبل ہمارے ہاں ان کے قیام کی مدت چالیس سال تھی۔ (تفسیر ابن کثیر' جلد ۳' صفحہ ۴۷۸)۔

گھر والوں کی شہادت کے بعد کسی اور کی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۰۷'۱۰۸)۔

اقول: لیکن گھر والوں کی یہ شہادت آپ ﷺ کے بعثت کے بارے میں ہے کہ کب اور آپ کی کس عمر میں ہوئی۔ نفس نبوت کے متعلق نہیں ہے۔ جس کا خود موصوف نے بھی اس کے ترجمہ میں اقرار کرلیا ہے۔ اسی طرح قبل النبوۃ کے الفاظ میں بھی نبوت سے مراد بعثت ہی ہے۔ لہٰذا اس پروپیگنڈہ کا بھی موصوف کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔

بعث کے نفس نبوت کے منافی نہ ہونے کی مکمل مفصل بحث مغالطہ نمبر ۱۹ کے رد کے ضمن میں دیکھی جاسکتی ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ پیش کردہ اس روایت کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

جواب از روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

''عن انس رضی اللہ عنہ انه سئل بسن ای الرجال کان النبی ﷺ اذ بعث قال ابن اربعین سنة ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ بعثت کے وقت نبی ﷺ کس شخص کی عمر پر تھے تو انہوں نے فرمایا چالیس سال کی عمر میں تھے۔ (درمنثور' جلد ۳' صفحہ ۵۴۱' بحوالہ امام احمد' دلائل النبوۃ بیہقی و ابن شیبہ' تحقیقات' صفحہ ۱۰۸)۔

اقول: اس میں بھی بعثت کا ذکر ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں (کما مرّ)۔

تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو۔ (ردّ مغالطہ ۱۹)۔

جواب از روایت حضرت شعبی رضی اللہ عنہ:

''شعبی (جو کہ اکابرین تابعین سے ہیں) سے مروی ہے کہ نزلت النبوة علی النبی ﷺ وهو ابن اربعین سنة۔ نبی ﷺ پر نبوت اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپ چالیس برس کے تھے۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۰۸' بحوالہ درمنثور' جلد ۳' صفحہ ۵۴۱' بروایت دلائل بیہقی۔ نیز خصائص کبریٰ' جلد ۱' صفحہ ۹۳' بروایت احمد و یعقوب بن سفیان و ابن سعد و بیہقی)۔

اقول: اس روایت میں ''نبوۃ'' سے مراد وحی جلی ہے ''نزلت'' کے الفاظ جس پر قرینہ ہیں۔ نیز معترض فریق کو بھی یہ تسلیم ہے کہ نبوت اور وحی' مترادف ہیں۔ (تحقیقات' رد مغالطہ ۱۴)۔

موصوف کی اس پوری تقریر سے یہ امر متعین ہوگیا کہ ان کی پیش کردہ آیت حضور کی بعثت ہی کے بیان پرمبنی ہے ﷺ۔ ورنہ اس کی تفسیر میں بعثت اور وحی جلی کے بیان والی روایات کے لانے کا مطلب؟ جب کہ بعثت منافی نفس نبوت نہیں کما مرمرارًا

آیت ہٰذ کی تفسیر وتاویل میں پیش کردہ حوالہ جات سے جوابات:

جواب از حوالہ خزائن العرفان:

مصنف تحقیقات نے اس مقام پر خزائن العرفان کی جو عبارت پیش کی ہے اس کا کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنٰی ہو کہ آپ ﷺ چالیس سال سے پہلے معاذ اللہ نبی نہ تھے بعد میں بنے بلکہ یہ پوری عبارت 'تفسیر کبیر کی عربی عبارت کا اردو خلاصہ ہے جس کی تلخیص ابھی شروع بحث میں پیش کی جاچکی ہے جو نہ ہمیں کچھ مضر اور نہ ہی انہیں کچھ مفید ہے۔ پس اس پر مزید کچھ لکھنے کی اصلاً کچھ حاجت نہیں۔

جواب از عبارت امام ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ:

مصنف موصوف نے لکھا ہے: عقائد میں اہل سنت کے امام حضرت علامہ ابومنصور ماتریدی اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں: ''فلم اسمع احداً ادعی البعث ولا اقام حجة علیه وانا قد ادعیت البعث واقمت علی ذٰلك الحجة افلا تعقلون هذا انی لم اخترع من عند نفسی''۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ اس نے اپنے مبعوث ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور نہ یہ سنا ہے کہ اس نے اس پر کوئی حجت اور دلیل قائم کی ہو۔ جب کہ میں نے مبعوث ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے اور اس دعویٰ پر میں نے حجت اور دلیل بھی قائم کردی ہے۔ کیا تم اس کو نہیں سمجھتے ہو کہ میں نے اپنی طرف سے اختراع نہیں کی۔ (تأویلات اہل سنت' جلد۶' صفحہ۲۲) (تحقیقات صفحہ۱۰۷)۔

الجواب: عبارت ہٰذا کا بھی ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس میں یہ ہو کہ آپ ﷺ چالیس سال سے پہلے نبی نہیں تھے (معاذ اللہ) بلکہ اس میں بعثت اور دعویٰ کا ذکر ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں (کما مر غیر مرة) جس کی مزید صراحت اس کتاب کی بحث ہٰذا کے بالکل اوائل میں بھی موجود ہے جو یہ ہے: ''لو شاء اللہ الا یظهر دینه فیکم ولا بعثنی الیکم رسولا'' یعنی اللہ اگر چاہتا تو تمہارے اندر اپنے دین کو ظاہر نہ فرماتا اور نہ مجھے بحیثیت رسول تمہاری طرف بھیجتا۔

نیز ''ولا امرنی بتبلیغ ما اوحی الی الیکم'' اور نہ ہی مجھے اس وحی کے تمہارے پاس پہنچانے پر مأمور فرماتا جو میری طرف کی گئی۔

ملاحظہ ہو۔(تأویلات اہل السنۃ تفسیر الماتریدی' جلد۲' صفحہ۲۲' طبع دارالکتب العلمیہ' بیروت)۔

الغرض حضرت امام ماتریدی رحمہ اللہ کی عبارات میں (چالیس سال کے بعد) آپ ﷺ کی بعثت' آپ پر وحی جلی کے نزول اور آپ کی رسالت یعنی حکم تبلیغ پر مأمور ہونے کا ذکر ہے نفس نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔لہٰذا موصوف کو اس کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔والحمد للہ علی ذلك۔

علاوہ ازیں تمہید امام سالمی وغیرہ سے بیان ہو چکا ہے کہ اہل سنت وجماعت (ماتریدیہ) سید عالم ﷺ کی شان تو بہت بلند ہے ہر نبی کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی قبل از اعلان نبوت اور قبل بلوغ (بچپن میں) بھی ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے بعد بلوغ و بعد از اعلان نبوت نبی ہوتا ہے۔لہٰذا حضرت امام ماتریدی رحمہ اللہ علیہ سے انکار نبوت کی نسبت کرنا کسی طرح صحیح نہیں

مغالطہ نمبر ۳۱ (از آیت مَا کُنتَ تَدرِیْ مَا الْکِتَابُ وَلَا الْإِیْمَانُ الآیۃ) **کا رد**:

''دوسری آیت مبارکہ مَا کُنتَ تَدرِیْ مَا الْکِتَابُ وَلَا الْإِیْمَانُ الآیۃ تم بذات خود از روئے عقل نہیں جانتے تھے کتاب کو اور نہ ایمان (کی تفصیلات) کو۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۰۹)۔

الجواب:

اس کے کئی جوابات ہیں بعض حسبِ ذیل ہیں:

○ آیت کے پیش کردہ الفاظ کو تنقیص و نفی شان نبوت کی غرض سے پیش کرنا وہابیہ کا شعار ہے نیز ان کے خواص سے۔ چنانچہ بعض نے اسے اپنی بے ایمانی کے مظاہرہ کے لیئے پڑھا ہے جیسے گنگوہی نے رسالہ تقدیس القدیر میں۔ ملاحظہ ہو (الاستمداد' صفحہ ۶۳' حاشیہ ۲' از حضرت مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ۔ عبارت باب یازدہم میں حضرت کی ایک عبارت کی بحث آرہی ہے)۔

جب کہ بعض نے اسے چالیس سال سے پہلے نبی ہونے کی نفی کرنے کے لیے پیش کیا ہے جیسے مودودی نے اپنی کتاب سیرت سرورعالم ﷺ میں (عبارت باب اوّل میں گزرچکی ہے)۔

جس کا معترض فریق کو بھی اقرار ہے۔ چنانچہ جب ان سے کہا گیا کہ تم اس میں وہابیہ کے موافق ہوگئے ہو تو جواب یہ دیا کہ وہ تو قبل از اعلان نبوت مؤمن ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں ہم تو کامل ولی مانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۴' ۲۶۵)۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں اس میں گنگوہی صاحب سے اختلاف ہے البتہ مودودی صاحب سے توافق ہے۔

جب کہ اہل سنت سے ان کے حسب نظریہ کوئی بھی ان کا سلف نہیں ہے مگر بلا دلیل صحیح' محض دعویٰ کی حد تک۔

جب کہ چالیس سال سے قبل کے عرصہ میں ''محض ولی'' ماننے کا نظریہ وہابیان زمانہ کے علامتی نظریات میں سے شمار ہوتا ہے جو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں مفتی رشید لدھیانوی اور مولوی گکھڑوی کے حوالہ جات تنبیہات کے باب اوّل میں پیش کیئے جاچکے ہیں۔ لہٰذا اس امر میں معترض فریق کا وہابیہ کے موافق ہونا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

○ پیش کردہ الفاظ آیت' مصنف تحقیقات کے موقف کی دلیل نہیں بلکہ ہماری دلیل ہیں۔
تفصیل اس کی یہ ہے کہ موصوف نے آیت ادھوری پیش کی ہے' پوری پیش نہیں کی۔
یہ الفاظ جس آیت کے ہیں وہ ان لفظوں سے شروع ہوتی ہے: ''وکذلك اوحینا الیك روحا من امرنا''۔
اس کے بعد ''ما کنت تدری'' الخ کا جملہ ہے جو ایک قول پر حسب تصریح علماء تفسیر ترکیب میں حال واقع ہے۔
بناءً علیہ پیش کردہ الفاظ صوری و معنوی دونوں حوالوں سے نامکمل ہیں۔
اوّل اس لیئے کہ ان سے پہلے بھی الفاظ ہیں جن سے آیت شروع ہو رہی ہے جنہیں نقل نہیں کیا گیا۔
ثانی اس لیئے کہ حال ذوالحال کا حصہ ہوتا ہے جسے اپنے ذوالحال سے ہٹا دیا گیا ہے۔
البتہ حال ہونے پر اتفاق ہونے کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ اس کا ذوالحال کون ہے۔ بعض نے ''الیك'' کے کاف کو اور بعض نے اوحینا کی ضمیر کو ذوالحال بتایا ہے۔
چنانچہ تفسیر مدارک (جلد۴' صفحہ۱۰۱ بر ہامش خازن) میں ہے: ''الجملة حال من الکاف فی الیك''۔
نیز شیخ زادہ علی البیضاوی (جلد۴' صفحہ۲۸۷) میں ہے (ما کنت تدری) فی موضع الحال من الکاف فی الیك نیز حاشیۃ الشہاب علی البیضاوی (جلد۸' صفحہ۳۶۹) میں ہے: ''وجملة ما کنت تدری حالیة من ضمیر اوحینا اوھی مستأنفة''۔
بہر حال' حالیّہ کی صورت میں ما کنت تدری کے الفاظ صورةً و معنیً اور استیناف کی شکل میں صورةً آیت کا جزء ہیں۔ جس سے یہ بات متعین ہوگئی کہ آیت کا صحیح مطلب تب ہی واضح ہوگا جب پیش کردہ الفاظ کو ان کے پہلے حصہ سے ملایا جائے گا۔
جسے سمجھنے کے لیئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس آیت کے الفاظ روحا من امرنا سے کیا مراد ہے؟
پس سنیئے: تفسیر قرطبی (جلد۸' صفحہ۳۷) نیز تفسیر بغوی (جلد۴' صفحہ۱۴۲) میں ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: نبوت حضرت حسن بصری نے فرمایا: رحمت' سدی اور مقاتل نے کہا: وحی' کلبی نے کہا: کتاب۔ ربیع نے کہا: جبریل علیہ السلام۔ ضحاک اور مالک بن دینار نے کہا قرآن مراد ہے۔
قرطبی نے قشیری کے حوالہ سے مزید لکھا کہ آیت کریمہ ''ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی'' میں مذکور روح سے مراد قرآن کو لیا جا سکتا ہے اھ۔

اقول: ان اقوال میں فی الحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے۔ وجہ یہ کہ مراد قرآن ہی ہے جسے مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض کے اقوال میں ''قرآن'' مصرح ہے۔

بعض نے اسے ''کتاب'' کہا جو قرآن کا ایک نام ہے۔ قال تعالٰی ذٰلك الكتٰب لاريب فيهٗ''۔

بعض نے رحمۃ کا لفظ استعمال فرمایا یہ بھی اس کا ایک نام ہے قال تعالٰی ''وھدی ورحمۃ''۔

بعض اقوال میں ''نبوۃ'' ہے جب کہ نبوت اور وحی جلی بعض اوقات مترادف شمار ہوتے ہیں جس پر خود اس آیت کے الفاظ اَوۡحَیۡنَا بھی اس کا قرینہ ہیں۔

نیز حضرت شعبی کا یہ قول ابھی آیت قل لو شاء اللہ الخ کی بحث میں گزرا ہے: ''نزلت النبوۃ''۔

رہا یہ قول کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں تو وہ چونکہ قرآن کے لانے والے ہیں نیز قرآن سے سوفی صد متفق۔ اس لیۓ ان کا نام لے لینا بھی بے جوڑ نہیں ہے جس کی مثال یہ ہے کہ ان کے قرآن پڑھ کر سنانے کو اللہ کا پڑھ کر سنانا قرار دیا گیا ہے۔ قال تعالٰی ''فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علينا بيانه''۔

الغرض ''روحا من امرنا'' قرآن ہی ہے جسے مختلف الفاظ سے اس کے مختلف اوصاف کی بنیاد پر) تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ علامہ مظہری نے ایک اور طرز سے لکھا ہے: وما قال ابن عباس انه النبوة وقال الحسن الرحمة فالمراد به ايضاً القرآن فانه اثرالنبوة والرحمة ''یعنی حضرت ابن عباس اور حضرت حسن نے یہ جو فرمایا کہ اس سے مراد نبوت اور رحمت ہے، تو ان سے مراد بھی قرآن ہی ہے کیونکہ قرآن، نبوت اور رحمت ہی کا اثر ہے۔ (تفسیر مظہری، جلد ۸، صفحہ ۳۳۴)۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے مفسرین نے ''روحا من امرنا'' کے تحت ایک ہی قول کے طور پر صرف القرآن کے لفظ لکھے ہیں۔ چنانچہ خود مظہری میں ہے ''روحاً ای کتابا وھو القرآن'' رُوۡحاً سے مراد کتاب ہے جو قرآن ہے۔ (حوالہ مذکورہ)۔

نیز ابن کثیر (جلد ۴، صفحہ ۱۲۲) میں لکھا ہے: ''یعنی القرآن'' اللہ تعالٰی نے روحاً سے قرآن مراد لیا ہے۔

نیز امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں: ''والمراد به القرآن'' ''روحا من امرنا'' سے مراد قرآن ہے (تفسیر کبیر پ ۲۵، صفحہ ۱۹۰، طبع قم)۔

بلکہ امام علامہ سیوطی نے خود حضرت ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے ''روحامن امرنا'' کی تفسیر میں فرمایا ''القرآن'' اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ (تفسیر درمنثور، جلد ۵، صفحہ ۱۳ بحوالہ ابن ابی حاتم)۔

نیز اسی میں بحوالہ دلائل ابونعیم وابن عساکر ہے۔ وبذلك نزل القرآن الخ۔ رہی قرآن کو ''روحامن

امرنا" فرمانے کی وجہ؟

تو علامہ مظہری نے نقل فرماتے ہوئے لکھا: "سماہ روحا لان القلوب یحی به کما یحیی الابدان بالاروح " اللہ تعالیٰ نے قرآن کو روح کا نام اس لیئے دیا کہ جیسے بدن' روحوں سے زندہ ہو جاتے ہیں' اس کے ذریعہ بھی دلوں کو زندگی دی جاتی ہے۔ (جلد ۸ صفحہ ۳۳۴)۔

نیز امام رازی فرماتے ہیں کہ: "وسماہ روحا لانه یفید الحیاۃ من موت الجهل او الکفر " اللہ تعالیٰ نے قرآن کو روح سے اس لیئے موسوم فرمایا کہ (روح حیات ہے جو موت کی ضد ہے جب کہ) اس سے جہل اور کفر والی موت سے نجات اور حیات ملتی ہے۔ (تفسیر کبیر' صفحہ ۱۹۰' پ ۲۵)۔

اس باحوالہ مکمل تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ آیت ہٰذا میں

- حضور کی بعثت بالقرآن اور آپ کی رسالت کو بیان فرمایا جا رہا ہے جب کہ بعثت اور رسالت نفس نبوت کے منافی نہیں بلکہ ان الفاظ سے آپ ﷺ پہلے سے نبی ہونے کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے کہ بھیجنا اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب آپ کا نبوی وجود مبارک پہلے موجود ہو۔ و للہ الحمد۔
- علاوہ بریں ان الفاظ سے اس بات کا بتانا مقصود ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید واقعۃً وحی الٰہی اور کلام خداوندی ہے معاذ اللہ آپ ﷺ کا خود ساختہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "ماکنت تدری " فرمایا ہے ماکنت تعلم نہیں فرمایا۔

یعنی اس میں درایت کی نفی فرمائی ہے علم کی نفی نہیں فرمائی جب کہ علم و درایت میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارقام فرماتے ہیں: "درایت اٹکل اور قیاس سے کسی بات کے جان لینے کو کہتے ہیں۔ ردالمحتار' صفحہ ۹۷ میں ہے (الیٰ) من جهة الدراية ای ادراك العقل بالقیاس علیٰ غیرہ " ملاحظہ ہو (الکمۃ العلیا لا علم المصطفیٰ ﷺ صفحہ ۱۲۷) نیز جاء الحق' جلد ۱ صفحہ ۴۴۳ میں حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت یعنی اٹکل اور قیاس سے جاننے کی نفی ہے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے نہ کہ محض اٹکل قیاس"۔ (ملخصاً بلفظہ)۔

نیز اس کی وضاحت خود معترض کے کیئے گئے پیش نظر ترجمۂ آیت سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں: "تم بذاتِ خود از روئے عقل نہیں جانتے تھے"۔

مطلب یہ کہ جب ان امور کا علم آپ کو وحی بالقرآن سے ہوا ہے تو لا محالہ قرآن وحی الٰہی ہے۔

- بعض اجلّہ نے آیت کے الفاظ "الکتاب" اور "الایمان" کو لکھنے پڑھنے کے معنی کی قوت میں ہونا

قرار دے کر اس مجموعے کا حضور کی شان امیّت کے بیان پر مبنی ہونا بیان فرمایا۔

اس سے بھی مقصود یہی بتانا ہوا کہ قرآن فی الواقع کلام الٰہی ہے کیونکہ جب ساری دنیا یہ جانتی اور مانتی ہے کہ نزول قرآن سے پہلے کے عرصہ میں حضور نے کسی بھی فرد مخلوق سے ایک لفظ بھی پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا اس کے باوجود آپ یہ کلام معجز لائے تو لامحالہ یہ اس کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت ہوا۔

بعض علماء کے حسب تصریح آیت کی یہ توجیہ ترجمان القرآن حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

بناءً علیہ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہونے کے باعث آیت کی تفسیر ہوئی جو تفسیر کا درجۂ ثالثہ ہے (یعنی تفسیر القرآن بقول الصحابی)۔ لہٰذا قول صحابی کے مقابلہ میں دیگر اقوال آیت کی تأویل قرار پائے جب کہ تفسیر کے ہوتے ہوئے تأویل (حسب اصول) مرجوح ہوتی ہے۔

تفصیل کے لیۓ ملاحظہ ہو: (مقدمۃ التفسیر للعلامۃ راغب الاصبہانی نیز مقدمہ تفسیر ابن کثیر وغیرہما)۔

اس سے بھی یہ امر متعین ہو گیا کہ پیش کردہ آیت کا مسئلہ نفی نبوت سے کسی طرح کچھ تعلق نہیں۔

چنانچہ معروف عالم تفسیر علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ''وقیل ای کنت من قوم امیین لا یعرفون الکتاب ولا الایمان حتی تکون قد اخذت ما جئتهم به عمن کان یعلم ذلك منهم وهو کقوله تعالٰی وما کنت تتلو من قبله من کتاب ولا تخطه بیمینك اذًا لارتاب المبطلون روی معناه عن ابن عباس رضی الله عنهما''۔

یعنی ایک قول پر ما کنت تدری الخ کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ امّی قسم کے لوگوں میں رہے جو کتاب و ایمان کو کچھ نہیں پہچانتے تھے تو جب صورت حال یہ ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ نے ان میں سے کسی سے حاصل کر کے یہ کلام پیش کیا ہو۔

اس صورت میں یہ آیت اللہ تعالٰی کے دوسرے ارشاد وما کنت تتلوا الخ کے طرز پر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ محبوب! آپ نے قرآن کے نزول سے پہلے کے عرصہ میں نہ تو کبھی کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کبھی کچھ لکھ کر دیکھا ایسا ہوتا تو پھر ان اہل باطل کے لیۓ کچھ شک کی ضرور گنجائش ہو سکتی تھی۔ آیت ہٰذا کا یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول و مروی ہے۔

ملاحظہ ہو (قرطبی، جلد ۸، صفحہ ۴۰، طبع بیروت)۔

یہی عبارت ''وقیل سے ذلك منهم'' تک البحر المحیط، جلد ۷، صفحہ ۵۲۸، طبع بیروت میں بھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ بحث نفس نبوت میں ہے جب کہ پیش کردہ آیت میں حضور کی بعثت اور سالت کا بیان ہے جس سے نفس نبوت کی نفی نہیں ہوتی بناءً علیہ آیت سے مضمون حدیث کنت نبیاً الخ کا ابطال ثابت نہ ہوا جس سے مصنف تحقیقات کو کچھ حاصل نہ ہوا بلکہ فائدہ کی بجائے نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

اب پڑھیئے ان سوالات وحوالہ جات کے جوابات جو موصوف نے اس مقام پر اٹھائے اور پیش کیئے ہیں۔

اس سوال کا جواب کہ آیت ہذا کا مصداق چالیس سال سے قبل کا عرصہ ہے:

موصوف لکھتے ہیں کہ:

''ظاہر ہے کہ قول باری تعالیٰ (فقد بعثت فیکم عمراً من قبله) میں لوگوں کو جس عرصہ اور زمانہ میں قرآن سے آگاہ کیئے جانے کی اور ان پر قرآن تلاوت کرنے کی نفی کی گئی ہے' اسی دورانیہ کے متعلق یہاں کتاب اور ایمان کی درایت کی نفی کی جارہی ہے۔ نہ کہ یہاں ولادت پاک سے پہلے زمانہ کے لحاظ سے نفی کی جارہی ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ آپ ولادت پاک کے عرصہ بعد نبوت ورسالت والے اعزاز اور شرف کے ساتھ معزز اور مشرف اور وحی کتاب اور تفصیلات ایمان سے بہرہ ور فرمائے گئے۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۰۹)۔

الجواب: اولاً: معنیٰ نفی درایت کے ملحوظ ہونے کی تقدیر پر سلف میں اس کے بھی قائلین موجود ہیں کہ یہاں نفی' درایت' اس جہان کے لحاظ سے نہیں بلکہ عالم ارواح ہی کے لحاظ سے ہے۔

نیز یہ کہ ان کے حسبِ تحقیق یہی معنٰی ہی صحیح ہے اور اس سے ہٹ کر کوئی معنٰی درست نہیں۔

نیز یہ کہ عالم ارواح واشباح کا فرق محض غیر انبیاء علیہم السلام کے لیئے ہے۔

نیز اس جہاں میں آپ کی بعثت ثانیہ ہوئی یہ نہیں کہ یہاں نفس نبوت کا حصول ہوا۔

نیز یہ کہ عالم ارواح والی نبوت کو غیر مؤثر ماننے کا مطلب سلب نبوت ہے جو درست نہیں۔ اگر ان کا بیان کردہ وہ معنٰی نہ لیا جائے تو آیت کو متشابہات سے قرار دیا جائے گا تو ہی پیدا ہونے والے اعتراضات کا تسلی بخش جواب ہو سکے گا ورنہ اس سے حدیث نبوی ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد'' جو حقیقی معنٰی پر ہی ہے اور یہی صحیح ہے' رد ہو جائے گی جب کہ فیصلہ نبوی کی پاسداری کرنے کے بجائے غیر معصوم اقوال کو بچانے کے لیئے کوشاں ہونا تقاضائے ادب کے منافی اور سراسر نا انصافی ہے۔

لہٰذا بلا دلیل اس سے صرف نظر کر لینا اور بلاوجہ انکار کر دینا کوئی علمی خدمت نہیں بلکہ شان علم کے بالکل منافی ہے۔

تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو:

''محقق، مدقق عارف باللہ وبالرسول عالم ربانی حضرت علامہ شیخ ابوالفیض محمد بن عبدالکبیر الکتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۲۷ھ) کی کتاب لاجواب: الکشف و التبیان عما خفی عن الاعیان من سرآیة ما کنت تدری ماالکتاب و لا الایمان جس کے بعض نقول حسب ذیل ہیں:

صفحہ ۱۲۱: ''اعلم ان ظاهر هذه الآية مشكل''

صفحہ ۱۴۴: ''ومن المتشابهات الآية المسؤل عنها وهى ما كنت تدرى ما الكتاب ولا الايمان''۔

صفحہ ۱۵۰: ''ان الاولى فى المتشابهات فى جانب الانبياء والرسل (الى) ان يتوقف العاقل الكيس فيها يفزع فيها لاهل الكشوفات الصحيحة المؤيدة بالكتاب والسنة''۔

صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷: ''فكما خوطب به اولا فى عالم الارواح خوطب به ثانيا فى عالم الاشباح (الى) كانه يقول فى حال عدمك كنت لاتدرى ضرورة انك لم تكن موجودا حتى تناط بك الدراية و الآن انت تدرى''۔

صفحہ ۱۴۷: ''ومن لم يحمل الآية الكريمة على هذا فلا يجد محملا صحيحا لابلسان قواعد العلم ولا عند اهل الكشف يحمل عليه الآية الكريمة لان ظاهرها مفزع فانها تقتضى نفى العلم بالايمان عنه قبل مجيئ الوحى له والوحى بهذا اللسان التفسيرى انما نزل على رأس الاربعين سنة ولما نزل سلب عنه دراية الايمان ومن المقرر عند الاشاعرة انه لا واسطة بين الكفر والايمان (الى) فعلى هذا يلزم من مجرى ظاهر الآية الكريمة نفى الايمان عنه مدة الاربعين سنة وليست ثم واسطة بين الكفر والايمان فثبت مالا يفوه به الامن قام به الكفر وهو خلاف ما اتفق عليه المسلمون من ان الانبياء معصومون من الكبائر والصغائر الموجبة لنفرة الناس منهم قبل البعثة وبعدها فضلا عن الكفر وخلاف ما اجتمعت عليه كلمة الكشف'' الخ۔

صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸: ''ان ماعلم من الفرق بين اطلاع الذات والروح (الى) هو فى غير ذوات انبياء اللہ ورسله وخصوصاً سيدهم وممدهم و قطب عوالمهم الروحية والجسمانية سيدنا و مولانا محمد صلى اللہ عليه وسلم فانهم عليهم الصلاة والسلام لم تذق ذواتهم

الکریمة الترابیة طعما للجهل من یوم کونت عناصرهافحکم ذواتهم حکم الارواح بل لا نسبة والالم یبق فرق بینهم وبین عوام المؤمنین (الیٰ) احتاجت لمن یذکرها ویردها الیٰ ربها ردًا جمیلا فبعث الرسل مبشرین ومنذرین تذکیراً للعهود والمواثیق التی اخذت علی الارواح''۔

صفحہ۱۵۱: ''ثم بعثه علیٰ رأس اربعین سنة المراد بالبعث الثنوی''۔

صفحہ۱۵۴: ''یلزمهم اما ان النبوة التی البسها اللّٰہ ایاہ سلبها''۔

صفحہ۱۸۱: فانه اذاکان نبیا وآدم بین الروح والجسد ولم تزح عنه تلك النبوة بعدان البسها وانما لم یزل کما انه لازال فی الترقی فما معنی ان ایمانه لم یکمل قبل لقی جبریل علیہ السلام وکمل بلقیه فهو محض مصادرة ومغالطةوهل النبوة والرسالة فوق مقام من المقامات اولا حتی یقال انه مدة الاربعین سنة لم یکمل ایمانه والحال انه هوالذی مدالنبین فی نبوتهم والمرسلین فی رسالتهم والملئکة فی ملکیتهم''۔

نیز امام علامہ شامی کے بھتیجے علامہ احمد عابدین فرماتے ہیں ''کان المعنی وکذلك اوحینا الیك روحا من امرنا حین مننا علیك بالنبوة وآدم بین الروح والجسد ما کنت تدری قبل ذلك الوحی من تلك الاعدام من الآلاف الاربعة عشر ما الکتاب ولا ان الایمان''۔

نیز فرماتے ہیں نفی دنیوی مراد ہوتو'' فالآیة تدل علی انتفاء التذکر لوقوع المیثاق وانه متی کان وکیف کان لاعلی انتفاء العلم الضروری بالتوحید''۔

نیز فرماتے ہیں: ''لامنا فاة ایضا بین کونه صلی اللّٰہ علیه وسلم نبیا بالفعل وآدم بین الروح والجسد وبین کونه ما کان یدری ما الکتاب قبل الوحی'' (جواہر البحار، جلد۳، صفحہ۳۵۸، طبع مصر)۔

ان سب عبارات کا خلاصہ وہی ہے جو ان کے شروع میں گزرا ہے پھر بھی دلچسپی رکھنے والے حضرات چاہیں تو کسی اہل علم سے ان کا تفصیلی ترجمہ کرا سکتے ہیں جسے ہم بخوف طوالت چھوڑ رہے ہیں۔ مزید سنیئے:

''حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کے حوالہ سے منکرین عصمت کو جواب دیتے ہوئے اس کا ایک جواب یہ ارقام فرمایا ہے کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہو رہا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا پھر اس پر علوم کے نقش ونگار ثبت فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں نبی تھے خود فرماتے

ہیں کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین ہم اس وقت نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے۔ (جاء الحق، جلد ا، صفحہ ۴۴۳ طبع نعیمی کتب خانہ گجرات)۔

معلوم ہوا کہ اسلاف اہل سنت کے ہاں آیت ہٰذا سے ایک جواب یہ بھی ہے کہ "یہاں ولادت پاک سے پہلے کے زمانہ کے لحاظ سے نفی کی جا رہی ہے" پس مصنف تحقیقات کا اس کا تسلی بخش جواب دینے کی بجائے اس کا بلا وجہ رد کر کے گزر جانا دیانت کے خلاف ہے۔ ہاں اس سے وہ یہ اشارہ دے گئے ہیں کہ اس کا ایک جواب یہ بھی ہے جس پر وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

پھر چونکہ ان کی کتاب نام کی تحقیقات میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی استناد کیا گیا ہے لہٰذا آپ کا یہ حوالہ ان پر حجت قاطعہ ہے۔

ثانیاً: اگر کتاب و ایمان کی درایت کی نفی کا چالیس سال سے قبل کے عرصہ میں ہونا بھی مان لیا جائے تو بھی اس سے نفس نبوت کی نفی مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ پہلے سے نبی ہونے کے متعلق آپ ﷺ کا فیصلہ موجود ہے۔ یعنی حدیث شریف کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد۔ زیادہ سے زیادہ اس سے بعثت اور رسالت کی نفی ہوگی جس کی دلیل "الکتاب" بھی ہے جو حسبِ تصریح بعض، شرط رسالت ہے جب کہ رسالت نبوت سے زائد مقام ہے جس پر باب ہفتم میں مفصل باحوالہ بحث گزر چکی ہے۔

نیز شروع بحث میں ٹھوس دلائل سے ہم ثابت کر آئے ہیں کہ یہ آیت نزول وحی جلی اور بعثت کے بیان پر مبنی ہے جب کہ بعثت اور نزول وحی جلی نفس نبوت کے منافی ہیں (وقد مرّ غیر مرّہ) والحمدللہ علی ذلك۔

فائدہ عظیمہ: "ما کنت تدری ماالکتاب و لاالایمان" سے خداداد علم نبوی ﷺ کی نفی بھی ثابت نہیں کی جا سکتی کیونکہ:

اولاً: اس میں علم کی نہیں درایت (اٹکل اور قیاس) سے جاننے کی نفی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ابھی گزری ہے۔

ثانیاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیری روایت، قرطبی کے حوالہ سے ابھی پیش کی جا چکی ہے کہ اس آیت میں حضور کی شان امّیت کا ذکر ہے اور وہ آیت کریمہ و ما کنت تتلوا الخ کے قبیل سے ہے بناءً علیہ نفی علم سے اس کا تعلق ہی نہیں ہے۔

ثالثاً: بعض علماء تفسیر نے اس کا یہ معنٰی بیان فرمایا کہ: "ما کنت تدری ما الکتاب لو لا انعامنا علیك و لا الایمان لو لا ھدایتنا لك و ھو محتمل" یعنی اگر آپ پر ہمارا انعام نہ ہوتا تو آپ کو کتاب کا

پتہ نہ ہوتا آپ کے لیئے ہماری رہنمائی نہ ہوتی آپ کو ایمان کی خبر نہ ہوتی۔
قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ معنٰی ہوسکتا ہے۔(تفسیر قرطبی جلد۸ صفحہ ۳۹ نیز البحر المحیط جلد ۷ صفحہ ۵۲۸ پ ۲۵)
نیز روح المعانی کی ان عبارات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

- انہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطی القرآن مجملا قبل جبریل علیہ السلام من غیر تفصیل الآیات والسور ''آپ ﷺ کی آمد سے قبل (آیات اقرأ کے لانے سے پہلے) پورا قرآن جبریل علیہ السلام اور آیتوں کی تفصیل کے بغیر اجمالاً عطا فرمادیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو (روح المعانی جلد۳ صفحہ ۵۸ بحوالہ الکبریت الاحمر للامام الشعرانی عن الباب الثانی من الفتوحات المکیۃ للشیخ الاکبر رحمھم اللہ)۔
- انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یزل موحی الیہ وانہ علیہ الصلاۃ والسلام متعبد بما یوحی الیہ الاان الوحی السابق علی البعثۃ کان القاء ونفثاًفی الروع وما عمل بما کان من شرائع ابیہ ابراھیم علیھما الصلاۃ والسلام الابواسطۃ ذٰلک الالقاء۔ واذا کان بعض اخوانہ من الانبیاء علیھم السلام قد اوتی الحکم صبیا ابن سنتین اوثلث فھو علیہ الصلاۃ والسلام اولٰی بان یوحی الیہ ذٰلک النوع من الایحاء صبیاً ایضاً۔ ومن علم مقامہ صلی اللہ علیہ و سلم وصدق بانہ الحبیب الذی کان نبیاً وآدم بین الماء والطین لم لیستبعد ذٰلک فتأمل ''اھ (روح المعانی ۱۳ صفحہ ۵۹، ۶۰)۔

خلاصہ یہ کہ آیت ہٰذا میں قرآن مجید کے نزول سے قبل کے عرصہ میں جس وحی کی نفی ہے وہ وحی جلی ہے۔ وحی خفی کا سلسلہ آپ ﷺ پر کبھی نہیں رکا جو وحی القائی تھی کیونکہ آپ پہلے سے نبی ہیں جب کہ بچپن میں وحی تو بعض دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے لیئے بھی ثابت ہے آپ سے یہ کیونکر مستبعد ہوسکتی ہے۔ اور جو حضور کے کنت نبیاً الخ والے مقام سے باخبر ہوگا وہ اسے کبھی مستبعد نہیں سمجھے گا۔

جواب آخر:

جب کنت نبیا الخ سے آپ ﷺ کا پہلے سے نبی ہونا ثابت ہے اور اصول ہے اذا ثبت الشیٔ ثبت بجمیع لوازمہ ۔ تو لامحالہ یہی ماننا لازم ہوا کہ آپ پہلے سے سب کچھ جانتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ بے شمار حکمتوں کی بناء پر آپ کو بعض امور کے قبل از وقت کھول کر بیان فرمانے سے روک رکھا گیا جو علم کے ہرگز ہرگز منافی نہیں۔ جس کی مثال وہ کلمات حمد ہیں جو آپ ﷺ نے روزِ محشر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش فرمانے ہیں

اوراس دنیامیں ان کے متعلق فرمایا کہ وہ اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں جوعین حکمت کے مطابق ہے کہ اگر وہ اس دنیامیں زبان مبارک پرآ جاتے تو ان کی قیامت میں بیان ہونے کی خصوصیت جاتی رہتی۔ والحمد للہ۔

روایت علی کرم اللہ وجہہ الکریم قِیۡلَ ھَلۡ عَبَدۡتَّ وَثُنَّاقَطُّ الخ **سے جواب**:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ سے عرض کیا گیا آپ نے کبھی کسی بت کی عبادت کی ہے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا' کیا کبھی آپ نے شراب پی؟ فرمایا نہیں۔ میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ جس عقیدہ اور عمل پر یہ لوگ (دورِ جاہلیت میں) ہیں سراسر کفر ہے حالانکہ ''ما کنت ادری ماالکتاب ولا الایمان'' نہ میں کتاب کو جانتا تھا اور نہ ایمان کی (تفصیلات) کو۔ (درمنثور' جلد۵' صفحہ۱۴۷)۔

اگر صحابہ کرام آپ کو وقت ولادت سے نبی مانتے ہوتے تو پھر بت اور شراب کے بارے میں سؤال کیونکر کرتے؟ نیز آپ نے یہ کیوں نہ فرمادیا کہ میں بچپن سے نبی تھا اور نبیوں سے ایسے ناپسندیدہ امور کیسے سرزد ہوسکتے ہیں؟ (تحقیقات' صفحہ ۱۰۹' ۱۱۰)۔

الجواب: سند پر کلام کا حق محفوظ رکھتے ہوئے عرض ہے کہ روایت ہٰذا مصنف تحقیقات کی دلیل نہیں بلکہ ہماری دلیل ہے کیونکہ اس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ ابھی ہماری بعثت نہ ہوئی تھی اور ہماری رسالت کا ظہور نہ ہوا تھا کہ ہم شروع ہی سے ہمیشہ اہل جاہلیت کے کفریہ امور کو کفریہ ہی سمجھتے تھے جب کہ بعثت ورسالت' نفس نبوت کے منافی نہیں بلکہ پہلے سے اس کے وجود کی دلیل ہیں کیونکہ یہ دونوں بھیجے جانے کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں جو پہلے سے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

بعثت ورسالت کی دلیل ''الکتاب'' کے الفاظ بھی ہیں جو پیش کردہ روایت میں تصریحاً موجود ہیں۔

باقی رہا صحابۂ کرام کا بت پوجنے اور شراب پینے سے متعلق سؤال؟ تو اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا یہ معنٰی ہو کہ انہوں نے یہ سؤال اس لیۓ کیا کہ وہ آپ کو اس وقت نبی نہیں مانتے تھے پس ان سے اس کی نسبت کرنا ان پر موصوف کا سخت افتراء ہے۔

برتقدیر تسلیم جو چیز انہیں معلوم نہ تھی انہوں نے آپ سے پوچھ لی جس سے انہوں نے ان آیات واحادیث پر عمل کیا جن میں علم نہ ہونے کی صورت میں پوچھ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

وہ نہ پوچھتے تو کیسے پتہ چلتا کہ یہ امور منافیٔ نبوت ہیں۔

نیز اس سے اس امر کو مزید چار چاند لگ گئے کہ حضور ان امور سے پاک رہے۔ صلی اللہ علیہ

وسلم۔

رہا یہ کہ آپ نے یہ کیوں نہ فرمادیا کہ میں بچپن سے نبی تھا الخ؟

توجواباً عرض ہے کہ تفنن کلام پر کچھ پابندی نہیں نیز حضور کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے کہ میں پہلے سے نبی تھا اس لیئے ان امور سے پاک رہا کیونکہ آپ نے ہی تو فرمایا تھا کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد یعنی میں زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے نبی ہوں۔

نیز یہ بات آپ نے عصمت کے تناظر میں فرمائی جو خاصّۂ نبوت ہوکر دلیل نبوت ہے۔(وقد مرّ مراراً)۔

پس کوئی نہ سمجھ پائے تو اس کا قصور فہم ہے۔

اس سے یہ واضح ہورہا ہے کہ مولانا اگر اس زمانہ میں ہوتے تو ضرور بول پڑتے حضور میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ یوں نہیں بلکہ یوں ارشاد فرمائیں۔

علاوہ ازیں یہ روایت خود موصوف کے خلاف ہے کیونکہ اسی تحقیقات کے صفحہ ۱۴۲، ۱۴۳، پر یہ لکھ رہے ہیں کہ ذبیحۂ اصنام کے حرام ہونے کا مسئلہ حضور نے موحد جاہلیت حضرت زید بن عمرو بن نفیل سے سیکھ کر اس پر عمل فرمایا جب کہ یہ روایت اس کی سراسر نفی کررہی ہے۔ پس ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

عبارت البحرالمحیط سے جواب:

''انما معناه الايمان الذى يدركه السمع لان اشياء من الايمان لاتعلم الا بالوحى اما توحيد الله (الى) فجميع الانبياء عليهم السلام عالمون بذلك معصومون (الى) من كل نقيصة موحدون لله منذ نشأوا (الى) وعن ابى العالية ما كنت تدرى قبل الوحى ان تقرأ القرآن ولا كيف تدعو الخلق الى الايمان''۔(البحرالمحیط ۹،صفحہ ۳۵۱)(تحقیقات،صفحہ ۱۱۰)۔

الجواب: ''الا بالوحى ''اور''قبل الوحى '' کے لفظوں میں جس وحی کا ذکر ہے وہ وحی جلی ہے جس کی آمد بعثت ورسالت کا باعث ہے اس لیئے یہ عبارت بھی بعثت ورسالت ہی کے بیان پر مشتمل ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں۔

جس کی مزید دلیل یہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام کو قبل الوحی صراحۃً ''معصوم من كل نقيصة '' لکھا ہے جب کہ عصمت' خاصّۂ نبوت ہونے کی وجہ سے دلیل نبوت ہے جس پر خود معترض کے استاذ وشیخ حضرت محدث اعظم کی تصریح ہم پیش کرچکے ہیں۔

امام ابوالعالیہ کے الفاظ بھی نفس نبوت کی نفی کے لیۓ نہیں بلکہ اس حقیقت کے بیان کے لیۓ ہیں کہ قرآن واقعی کلام الٰہی ہے جس کے نزول کا آغاز حضور کی چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا یعنی معاذ اللہ خود ساختہ نہیں۔

پھر موصوف نے عبارت کے محض من مانے الفاظ کے نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے جب کہ اسی عبارت میں آگے ایک قول یہ بھی لکھا ہے: ''ما الكتاب لولا انعامنا عليك ولا الايمان لولا هدايتنا لك'' جو شاید طبع نازل پر بارگراں تھے اس لیۓ ان سے اغماض برتا ہے۔ ولا حول ولا قوة الا بالله۔

عبارت المدارومدارک وروح البیان سے جواب:

كان صلى الله عليه وسلم يعبد قبل الوحى على دين ابراهيم عليه السلام (المدارك جلد ۷ صفحہ ۱۷۲)۔

''ويتبع شريعة ابراهيم ويتعبد بها حتى جاءه الوحى وجاءته الرسالة ''۔ (روح البیان جلد ۸ صفحہ ۳۳۷) (تحقیقات صفحہ ۱۱۱)۔

الجواب: ردمغالطہ نمبر ۱۰ میں ہم با حوالہ تفصیل سے لکھ آئے ہیں کہ آپ ﷺ قبل اعلان نبوت بھی سابقہ شرائع میں سے کسی شریعت کے پابند نہ تھے بلکہ آپ کو براہِ راست وحی القائی سے ہدایات ملتی تھیں کیونکہ کسی شریعت کے پابند ہونے کا مطلب امتی ہونا ہے جب کہ آپ کسی نبی کے امتی نہیں پھر یہ کہ کوئی شریعت باقی بھی نہ تھی، زمانہ فترت تھا تو جب شرع ہی نہ تھی تو پابندی کیونکہ متصور ہو سکتی ہے؟

زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ واقع میں جو شرع خلیل علیہ السلام تھی حضور جن ہدایات ربانیہ کے مطابق عمل فرماتے اس کا اس سے توافق ہو جاتا تھا۔

یہ کہ بعض وہ امور جو صحیح حالت میں تھے اور لوگوں میں روایتی طور پر مروّج تھے۔ آپ ان میں موافقت فرما لیتے جو نفس نبوت کے منافی نہیں کیونکہ یہ موافقت تو آپ ﷺ کو اعلان نبوت کے بعد بھی مرغوب تھی۔

علامہ قرطبی نے اس مقام پر فرمایا: ''ان ذلك فيما لا تختلف فيه الشرائع من التوحيد واقامة الدين'' یعنی آیت شرع لكم من الدين بھی قبل از اعلان نبوت آپ ﷺ کے کسی شرع کے پابند ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ اس سے مراد تمام شرائع کے متفق علیہ مسائل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک لہ مان کر اس کی عبادت بجالاتا۔ (قرطبی، جلد ۸ صفحہ ۳۹)۔

نیز علامہ بیضاوی نے آیت ہٰذا کے تحت لکھا ہے: ''وهو دليل على انه لم يكن متعبدا قبل النبوة بشرع '' یعنی یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت کسی بھی شرع پر عمل کے پابند

نہ تھے۔ (تفسیر البیضاوی' جلد۲' تحت ماکنت تدری۔ نیز شیخ زادہ' جلد۴' صفحہ ۲۸۷)۔

یہی عبارت بحوالہ بیضاوی خود اسی مقام پر روح البیان میں بھی مذکور ہے جس سے کم از کم موصوف کا اس امر کے متفق علیہ ہونے کا دیا گیا تأثر کافور ہوگیا۔

مزید سنیئے علامہ الوسی اس مقام پر لکھتے ہیں: ''لزم نفی کونه متعبدا بشریعة من شرائع غیره من الانبیاء والسابقین ''۔یعنی آیت ہٰذا کالازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی کی بھی شریعت پر عمل کے پابند نہ تھے۔ (روح المعانی' جلد۱۳' صفحہ ۵۸)۔

علامہ مظہری فرماتے ہیں: ''وما قیل ان النبی ﷺ کان قبل الوحی 'یعبدالله علی دین ابراهیم فشئ لا یصاعده العقل والنقل ''یعنی یہ جو مشہور ہے کہ آپ ﷺ وحی جلی کی آمد سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے پابند ہوکر عبادتِ الٰہی بجالاتے تھے یہ ایسی بات ہے جو عقلاً نقلاً مخدوش ہے۔ (مظہری' جلد۸' صفحہ ۳۴۴)۔

الغرض روح البیان کی پیش کردہ عبارت سے قبل از اعلان نبوت نفس نبوت کی نفی قطعاً ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی صاحب روح البیان کا اس سے اس کی نفی کرنا مقصود ہے اسی لیئے انہوں نے ''جاء ته الرسالة '' کے محتاط لفظ استعمال کیئے ہیں یعنی قرآن کی آمد پر حضور کی بعثت ہوئی اور آپ کی رسالت کا ظہور ہوا جو بعینہٖ ہمارا موقف ہے۔

علاوہ ازیں اسی روح البیان میں اسی مقام پر بڑے زوردار الفاظ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے قبل از اعلان نبوت' تمام گناہوں سے معصوم ہونے کا ذکر بھی موجود ہے جب کہ عصمت' دلیل نبوت ہے (وقد مرّ قبیل هذا)۔

نیز اسی میں حضور اقدس ﷺ کے لیئے حضرت عیسٰی و یحیٰ علیہما السلام کی نسبت سے بطریق الویت ودلالۃ النص استدلال بھی موجود ہے''لانه علیه السلام افضل من یحیٰی وعیسٰی علیهما السلام وقد اوتی الحکم والعلم صبیاً'' (روح البیان' جلد۸' صفحہ ۳۴۷)۔

جب کہ مسئلہ نبوت کے لیئے اس قسم کے طریق استدلال سے انہیں سخت چڑ ہے۔

پس جو پسند آئے اسے لے لینا اور جو پسند نہ آئے اسے ایک طرف رکھ دینا میٹھے اور کڑوے کی مثال کا آئینہ دار ہے۔

اس کی تفصیل سے عبارت الحداد کا جواب بھی آ گیا کیونکہ وہ بھی مفہوماً روح البیان کی عبارت جیسی

ہے۔مزید کلام کی گنجائش ہے جس کا حق محفوظ کیا جاتا ہے۔ فافھم۔

عبارت کبیر سے جواب:

مصنف تحقیقات نے اس مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ ''و کذافی التفسیر الکبیر للامام فخر الدین الرازی '' (تحقیقات' صفحہ۱۱۱)۔

لیکن عبارت نہیں لائے جب کہ زیر بحث آیت کے تحت امام موصوف کی ایسی کوئی عبارت نہیں ہے۔ بر تقدیر تسلیم ہمارے اس بیان سے نفس مسئلہ کی حد تک اس سے بھی جواب ہوگیا۔مزید باب ہشتم میں امام موصوف کی ایک عبارت کی بحث میں شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۰ کے حوالہ سے ان کا ایک ارشاد نقل کیا جا چکا ہے جو اس امر میں نہایت دوٹوک ہے کہ آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت کسی شرع پر عمل کے پابند نہ تھے بلکہ آپ اس وقت مقام نبوت میں تھے۔ نیز انہوں نے نزول قرآن کے بعد کے عرصہ کو رسالت سے تعبیر فرمایا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ قبل از بعثت حضور ﷺ کے لیے نفس نبوت کے قائل ہیں۔ والحمد للہ۔

مصنف تحقیقات کی انتہائی سنگین غفلت:

''فائدہ عظیمہ'' کا عنوان دے کر موصوف نے اپنی پیش کردہ ''تعبّد بالشرع'' کی عبارات کا یہ فائدہ بیان کرتے ہوئے کہ ''آپ بالفعل نبی نہیں تھے'' (معاذ اللہ) ماکنت تدری کے حوالہ سے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ ''اپنے ظاہری مفہوم کے لحاظ سے ایمان کی درایت کی نفی کر رہی تھی لیکن علماء نے اس کو ظاہری معنٰی پر حمل نہیں کیا''۔یعنی اس لیے انہوں نے بھی اسے اس کے ظاہر پر نہیں رکھا۔ (تحقیقات' صفحہ۱۱۱' ۱۱۲)۔

اقول: جہاں تک حضور کی نبوت کی نفی کی بات ہے تو اس کی بنیاد یہاں' وہی تعبد بالشرع کا پروپیگنڈہ ہے جس کا غلط ہونا ابھی ثابت کیا جا چکا ہے پس اس کے سہارے قائم کی گئی استدلال کی عمارت خود بخود زمین بوس ہوگئی۔

باقی ان کا ظاہر آیت کو نفی درایت ایمان (بمعنی نفس ایمان) کا مؤید کہنا (اگرچہ اس کے مراد نہ ہونے کی بات بھی انہوں نے کر دی ہے) سنگین غفلت ہے کیونکہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ عند الاحناف ظواہر آیات کی بہت اہمیت ہے جو علماء کی ذاتی آراء پر مقدم ہوتے ہیں' موصوف خود بھی لکھ چکے ہیں کہ ''تحمل الآیات علی ظواھرھا''۔

اس لیے ان کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے متعدد معانی ہوتے ہیں یا ان کے مصادیق مختلف ہوتے ہیں یہاں لفظ ''ایمان'' انہی میں سے ہے تو بحث کا دروازہ ہی نہ کھلتا۔جس کی مثال

ولما یعلم اللہ جیسی آیات ہیں کہ اہل سنت نے سیدھا یہ فرمایا کہ یہاں علم بمعنی دانستن ہے ہی نہیں لیکن جنہوں نے اسے دانستن کے معنیٰ میں لیا پھر اس پر ہونے والے سوال کے جواب میں لگ گئے تو وہ الجھن در الجھن کا شکار ہوتے گئے جس سے وہ آج تک نہ نکل سکے اور اہل سنت نے انہیں ہمیشہ مورد طعن والزام ٹھہرایا۔

چنانچہ دیوبندیوں کے مقتدا حسین علی واں بھچروی نے اپنی کتاب بِلْغَۃِ الْحَیْران صفحہ ۱۵۷'۱۵۸ پر معتزلہ کے حوالہ سے یہ لکھ کر کہ ''اللہ کو پہلے سے کوئی علم بھی نہیں ہوتا کہ کیا کریں گے بلکہ اللہ کو ان کے کرنے کے بعد معلوم ہوگا''۔(معاذ اللہ)۔

یہ لکھا کہ ''آیات قرآنی جیسا کہ و سیعلم الذین وغیرہ بھی اور احادیث کے الفاظ بھی اس مذہب پر منطبق ہیں''۔

تو اہل سنت نے انہیں بھی برابر کا مجرم قرار دیا۔ چنانچہ حضرت غزالئ زماں علیہ الرحمۃ والرضوان نے مذکورہ عبارت کو نقل فرمانے کے بعد ''اہل سنت کا مذہب'' بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''اہل سنت کے نزدیک علم الٰہی کا منکر خارج از اسلام ہے''۔(مقالاتِ کاظمی' جلد۲' صفحہ ۲۸۳'۲۸۴)۔

○ رہا مصنف کا یہاں یہ کہنا کہ بعض ضال مضل لوگوں نے یہ لفظ معاذ اللہ حضور کے لیے استعمال کیے ہیں جو بذاتِ خود ضلالت وگمراہی ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۱۲)

اپنی جگہ درست ہے مگر یہ بھی انہیں سوچنا چاہیے کہ ان بے ایمانوں کو یہ چور دروازہ ملا کہاں سے ہے؟

ہمارے حسبِ تجزیہ انہوں نے جب یہ سنا کہ آپ کو چالیس سال سے پہلے نفس نبوت حاصل نہ تھی تو اپنے خبث باطن کی بنیاد پر بے ایمانی کا کلمہ آسانی سے اگل دیا۔ تو کیا اس کا اصل سبب کہیں خود مابدولت تو نہیں؟

مغالطہ نمبر ٣٦ (از وما کنت ترجوا ن یلقی الیک الکتاب) **کا رد:**

''تیسری آیت مبارکہ: ماکنت ترجواان یلقی الیك الکتاب الا رحمة من ربك۔ (القصص:٨٦) اور تم امید نہ رکھتے تھے کہ کتاب تم پر بھیجی جائی گی ہاں تمہارے رب نے رحمت فرمائی''۔

کتب تفسیر سے کچھ حوالہ جات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: محبوب کریم ﷺ سے نزول کتاب کی امید اور آرزو کی نفی کی جارہی ہے ظاہر ہے کہ اصلاب اور ارحام کے وقت کے لحاظ سے نہیں بلکہ ولادت کے بعد اور نزول وحی اور کتاب سے قبل والے دورانیہ میں ہی یہ نفی کی جارہی ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا لازم ہے کہ عمر عزیز کا معتد بہ حصہ ایسا گزرا جس میں آپ نہ عملی طور پر نبی تھے نہ بالفعل رسول تھے اور نہ ہی آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ یہ امر کتنا عجیب ہے کہ عمر کے معتد بہ حصہ میں نزول کتاب اور نبوت ورسالت کے حصول کی امید' رجاء' حرص وطمع کی نفی بھی ہے اور ادھر وقت ولادت سے ہی آپ کو بالفعل منصب نبوت پر فائز سمجھا اور دوسروں کو بھی یہ عقیدہ اپنانے کا پابند ٹھہرایا جارہا ہے بلکہ ان بزعم خویش ائمہ زماں'' اور مقتدایان انام کے اپنے مفروضہ نظریّہ کی تقلید نہ کرنے کی صورت میں گمراہی' بے دینی اور کفر نفاق کے فتووں کا ہدف بھی بنایا جارہا ہے۔ العیاذ باللہ تعالٰی''۔ (ملخّصاً بلفظہ)۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ ١١٦' ١١٢' ١١٧)۔

الجواب: بالفعل اور عملی طور پر سے مراد اگر بمعنی عرفی ہے کہ حکم تبلیغ نہ آنے کے باعث آپ اس وقت مصروف ومشغول فی التبلیغ نہ تھے تو اس میں گنجائش ہے لیکن اگر بمعنی مصطلح مراد ہے یعنی بمعنی حصول نبوت تو غلط ہی نہیں' فیصلہ نبویہ سے بغاوت بھی ہے جو یہ ہے ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد''۔

جب کہ بالفعل ہونے کے لیۓ ازمنۂ ثلٰثہ میں سے کسی میں بھی خبر کا حاصل ہوجانا کافی ہوتا ہے جیسا کہ امام علامہ عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری رحمہ اللہ علیہ کی کتاب جامع العلوم المعروف دستور العلماء میں مصّرح ہے۔ مکمل تفصیل باب یازدہم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

لہٰذا ماضی میں (بدلیل کنت نبیا) حضور کو نبوت جب حاصل ہوگئی تو وہ بمعنی مصطلح بالفعل ہی ہوئی پھر جب پیش کردہ آیت میں حضور کی اس نبوت کی نفی کی بحث تو کجا اس کی نفی کی جانب ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ہے تو اسے اس کی نفی کی دلیل بنا کر پیش کرنا محض سینہ زوری ہے۔ کتاب کی امید نہ رکھنے کا مفہوم زیادہ سے زیادہ یہ بنے گا کہ اس وقت آپ کی بعثت نہ ہوئی جو ارسال کے مترادف ہے اور اپنی جگہ درست ہے کہ اس دنیا میں آپ

کی بعثت، قرآن مجید کے نزول کے آغاز سے ہوئی اور یہ نفس نبوت کے ثبوت کی دلیل ہے کہ بھیجا جانا اس وقت متصور ہوسکتا ہے کہ جب نبوی وجود پہلے موجود ہو۔

باقی امید نہ رکھتے تھے یعنی اس کی سوچ بھی نہ آئی کہنے سے اس حقیقت کا اظہار ہے کہ وحی نبوت محض وہبی چیز ہے کسبی نہیں کہ خلوت نشین ہوکر چلہ کشی کی وجہ سے حاصل ہوجائے جس کا مفاد یہ بنا کہ قرآن حضور کا خودساختہ نہیں بلکہ خالصۃً وحی الٰہی اور کلامِ ربانی ہے۔ الغرض نفس نبوت کی نفی نہ تو آیت کے کسی لفظ کا ترجمہ ہے نہ ہی اس کا مفہوم ہے اور نہ ہی اس کا یہ مقصود ہے۔ وللہ الحمد۔

اس سب کی مکمل باحوالہ تفصیل مع مزید حسب ذیل ہے:

اولاً: (ایک قول پر الکتاب سے مراد کتب اوّلین ہیں):

ایک قول پر آیت کے لفظ الکتاب سے مراد قرآن نہیں بلکہ کتب اولین ہیں بناءً علیہ یہ آیت مسئلۂ نبوت سے متعلق ہے ہی نہیں۔

اقول: نقل ھذا رأس الرّافضة الطبرسی بلفظ قیل ولم یصرح بقائله ولم اقف علیه ایضاً حیث ذکر: وقیل معناه وما کنت ترجوان تعلم کتب الاولین وقصصهم تتلوها علی اهل مکة ولم تشهدها ولم تحضرها بدلالة قوله وما کنت ثاویاً فی اهل مدین تتلو علیهم آیاتنا ای انك تتلوها علی اهل مکة قصص مدین وموسیٰ ولم تکن هنالك ثاویا مقیما وکذلك قوله وما کنت بجانب الغربی وانت تتلو قصصهم وامرهم فهذه رحمة من ربك ۔ (جامع البیان، جلد۴، صفحہ ۲۶۹، پ۲۰، طبع قم، ایران)۔

ثانیاً: (عند المحققین ترجو کا معنیٰ مقصود نہیں):

عندالاکثرین آیت میں ''الکتاب'' سے مراد قرآن مجید ہے لیکن حسب تصریحات متعدد محققین ''ترجو'' کے لفظ سے رجاء کی نفی سے مقصود نفی میں مبالغہ ہے یعنی اس کا لفظی ترجمہ مراد نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ امر بالکل منفی ہے۔

چنانچہ شیخ زادہ علی البیضاوی میں ہے: ''فان قوله وما کنت ترجوان یلقی الیك الکتاب فی معنیٰ ومایلقی الیك عبر عنه بقوله ما کنت ترجو للمبالغة فان نفی رجاء الالقاء ابلغ من نفی الالقاء''۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وما کنت ترجوا'' ''مایلقی الیك الکتاب'' کے معنیٰ میں ہے (یعنی لفظی ترجمہ تو یہ بنتا ہے کہ آپ اس کی امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ کی طرف کتاب بھیجی جائے گی۔ لیکن

''امید نہیں رکھتے تھے'' مراد نہیں ہے بلکہ مقصود یہ کہنا ہے کہ آپ کی طرف کتاب نہیں بھیجی گئی مگر محض آپ کے رب کی رحمت سے)۔''مایلقی الیك الكتاب ''کو''و ما كنت ترجوان يلقى اليك الكتاب '' سے تعبیر فرمایا گیا ہے کیونکہ ''رجا الالقاء'' کی نفی القاء کی نفی سے زیادہ مؤثر ہے۔(جلد۴، صفحہ ۵۲۴، طبع بیروت)۔

روح المعانی (جلد ۱۱، صفحہ ۱۳۰) میں ہے: ''ان المراد نفي الالقاء على ابلغ وجه ''یعنی تَرْجُوْ کے الفاظ کو ملا کر نفی کرنے سے مقصود نفی میں انتہائی مبالغہ سے کام لینا ہے۔اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں آیت میں کتاب (قرآن) کے آنے کی امید ہونے نہ ہونے کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔

لہٰذا مصنف تحقیقات کا بار بار اس کی رٹ لگا کر اس کے ذریعہ آپ ﷺ سے نبوت کی نفی کرنا بالکل بے سود اور بے حقیقت ہے۔

ثالثاً: (ترجو کا معنیٰ مقصود ہو تو علم بالکتاب کو مستلزم ہے):

علاوہ ازیں ''ترجو'' کا معنیٰ مقصود لیا جائے تو یہ مصنف تحقیقات کے لیے مضر ہے کیونکہ کسی چیز کی امید ہونا نہ ہونا اس کے متعلق علم ہونے کو لازم کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کو قرآن کے بارے میں یہ علم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مقدس کتاب ہے جب کہ موصوف کو اس سے انکار ہے جیسا کہ ''ما كنت تدرى ما الكتاب ''الخ کی بحث میں ان کی مکرر تصریحات سے واضح ہے کہ ''یہاں کتاب اور ایمان کی درایت کی نفی کی جا رہی ہے'' وغیرہ۔(تحقیقات، صفحہ ۱۰۹)۔

رابعاً: (ترجو کا معنیٰ مقصود ہونے کی صورت میں استثناء متصل ہے)

''ترجوا'' کا معنیٰ مقصود ہونے کی صورت میں اگرچہ کچھ علماء نے مستثنیٰ کو منقطع مان کر الا بمعنی لکن قرار دیا ہے۔بعض نقول ملاحظہ ہوں۔

○ تفسیر بغوی جلد ۳، صفحہ ۴۵۹ میں ہے: ''قال الفراء هذا من الاستثناء المنقطع معناه لكن ربك رحمك فاعطاك القرآن''۔

○ تفسیر مظہری، جلد ۷، صفحہ ۱۸۸ میں ہے: ''قال الفراء الاستثناء منقطع معناه لكن القاه ربك رحمة منه''۔

○ تفسیر روح المعانی، جلد ۱۱، صفحہ ۱۳۰، میں ہے: ''على ماذهب اليه الفراء و جماعة استثناء منقطع اى ولكن القاه تعالىٰ اليك رحمة منه عزّ و جلّ''۔

○ تفسیر قرطبی جلد ۷ صفحہ ۲۱۲ میں ہے: ''قال الکسائی ھو استثناء منقطع بمعنی لکن''۔

○ تفسیر ابن جریر پ ۲۰ صفحہ ۸۱ میں ہے: ''الا ان ربك رحمك فانزله علیك فقوله الا رحمة من ربك استثناء منقطع''۔

○ البحر المحیط، جلد ۷ صفحہ ۱۳۶، ۱۲۷ میں ہے: ''وانتصب رحمة علی الاستثناء المنقطع ای لکن رحمة من ربك سبقت فالقی الیك الکتاب''۔

○ نیز تفسیر جلالین صفحہ ۳۳۴، تفسیر نیشاپوری صفحہ ۳۷ پ ۲۰ اور بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۸۷، وغیرہا میں اِلّا بمعنی لکن لکھا ہے۔

○ تفسیر کبیر صفحہ ۲۲ میں ایک قول یہ لکھا ہے کہ: ''ان الا بمعنی لکن للاستدراك ای ولکن رحمة من ربك القی الیك ونظیرہ قولہ' وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمة من ربك خصصك به''۔ نیز مدارک ۲، صفحہ ۱۲۸۲ نحوہٗ۔

ان سب عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ امام فراء اور امام کسائی وغیرہما نے آیت میں اِلّا کے مابعد کو اس کے ماقبل سے معنیً الگ شمار کر کے اِلّا کو لکن کے معنی میں قرار دیا اور مستثنیٰ منقطع مانا ہے۔

ان کے طور پر آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ آپ کو تو اس کتاب کے حاصل ہو جانے کا خواب وخیال بھی نہ تھا۔ پس یہ اس نے آپ کو آپ کے مطالبے یا اس کے ملنے کی آپ کی خواہش کے بغیر ازخود محض اپنی رحمت سے عطا فرمائی ہے۔

لیکن بہت سے محققین نے آیت میں مستثنیٰ کے متصل ہونے کا قول فرمایا ہے۔ اس کے بھی بعض حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

○ علامہ ابوحیان اندلسی نیز امام فخر الدین رازی، علامہ زمخشری کی کتاب کشاف کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ھذا کلام محمول علی المعنی کا نہ قیل وما القی الیك الکتاب الا رحمة من ربك یعنی یہ کلام ایک محاورہ پر مبنی ہے مفہوم یہ ہے کہ آپ کے رب نے یہ کتاب آپ کو اپنی رحمت سے ہی دی ہے۔ (البحر المحیط، جلد ۷ صفحہ ۱۳۷۔ تفسیر کبیر، پ ۲۰، صفحہ ۲۲)۔

○ البحر میں یہ الفاظ مزید ہیں: فیکون استثناء متصلاً اما من الاحوال واما من المفعول له۔ لہٰذا مستثنیٰ، متصل اور استثناء یا تو لفظ احوال سے ہے جو مقدر ہے یا مفعول لہٗ سے ہے۔

○ علامہ نسفی فرماتے ہیں: ''ھو محمول علی المعنٰی ای وما القی الیك الکتاب الا رحمة

من ربك"(مدارک ۲ صفحہ ۱۲۸۲)۔

O علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: "ویجوز ان یکون استثناء محمولا علی المعنٰی کانه قال وما القی الیك الكتاب الا رحمة" (بیضاوی ۲ صفحہ ۱۸۷)۔

O علامہ فہامہ شیخ زادہ ارقام فرماتے ہیں: "فکانه قیل وما القی الیك الكتاب الا رحمة ای فی حال کونه رحمة او الا لا جل رحمة فیکون الا ستثناء متصلا مفرغا ویکون المستثنی منه اعم الا حوال اواعم العلل" (شیخ زادہ علی البیضاوی جلد صفحہ ۵۲۴)۔

O علامہ الوسی لکھتے ہیں: "وجوز ان یکون استثناء متصلا من اعم العلل او من اعم الاحوال"۔(روح المعانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۰)۔

O علامہ مظہری رقم طراز ہیں: "ویجوز ان یکون الاستثناء متصلا مفرغا محمولا علی المعنٰی کانه قال ما القی الیك ربك الكتاب لشیئ الا رحمة ای لاجل الرحمة" (تفسیر المظہری جلد ۷ صفحہ ۱۸۸)۔

خلاصہ یہ کہ ان علماء تفسیر کے حسب تحقیق آیت ہٰذا میں اِلَّا کا استثناء متصل کے لیئے ہونا بھی درست ہے۔اس صورت میں امام اہل سنت علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کے لفظوں میں ("یمکن ایضاً اجراؤ ہ علی ظاھرہ" آیت کو اس کے ظاہر پر رکھ کر اس کا ظاہری مفہوم لینا بھی صحیح ہے پس) معنٰی یہ ہوگا کہ: "ای وما کنت ترجوالاان یرحمك برحمته فینعم علیك بذلك ای ما کنت ترجوالا علی ھذا" یعنی آپ امید نہیں رکھتے تھے مگر اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی خاص رحمت فرماتے ہوئے آپ کو یہ کتاب عطا فرمائے گا۔یعنی آپ کو محض یہی امید تھی ملاحظہ ہو۔(تفسیر کبیر پ ۲۰ صفحہ ۲۲)۔

خامسا: (خطاب حضور علیہ السلام سے مراد امّت ہے)

آیت میں نفس نبوّت کے منفی نہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ :الخطاب فی الظاھر للنبی ﷺ والمراد به اهل دینه"۔

ملاحظہ ہو (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۴۵۹ تفسیر الخازن جلد ۳ صفحہ ۴۴۴ تفسیر نسفی جلد ۳ صفحہ ۴۴۴۔نیز الجمل۔نیز روح المعانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۰)۔

اقول: یہ روایت اگر چہ اگلی آیت کے بعد درج ہے لیکن کئی علماء نے اسے زیر بحث آیت سے متعلق ہونا بھی سمجھا ہے کیونکہ ان سب میں ظاہری خطاب آپ ﷺ سے ہے۔

چنانچہ حضرت صدرالافاضل اس (زیر بحث) آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ خطاب ظاہر میں نبی کریم ﷺ کو ہے اور مراد اس سے مؤمنین ہیں۔ (خزائن العرفان، حاشیہ ۳۱۷)۔

نیز ملاحظہ ہو (تبیان القرآن، النمل، آیت ۱ تا ۱۴، جلد ۸، صفحہ ۵۷۲)۔ نیز ملاحظہ ہو (جامع البیان طبری، پ ۲۰، صفحہ ۲۶۹، حیث قال: ''و فی ھذہ الآیۃ وما بعدھا وان کان الخطاب للنبی ﷺ فالمراد غیرہ'')۔

سادساً: (آیت بعثت ورسالت کے بیان پر مبنی ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں)

اس سب سے قطع نظر و بر تقدیر تسلیم آیت ہٰذا حضور کی بعثت اور رسالت کے بیان پر مبنی ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں (کمامر مراراً)۔

دلیل یہ ہے کہ حسب تصریحات علماء شان جو امور شرط رسالت ہیں ان میں ایک کتاب ہے نیز شریعت نیز معجزہ وغیرہا۔ پیش نظر آیت کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ یہ کتاب (قرآن مجید) حضور کو ولادت باسعادت کے عرصہ بعد ملی جب کہ وہ حضور کی شریعت کی بنیاد ہے۔ نیز وہ حضور کا معجزہ بھی ہے ولا یخفیٰ۔

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب کے نزول کے آغاز سے حضور کی بعثت ہوئی اسی کا دوسرا نام رسالت ہے جس کا معنٰی ہے بھیجنا جو آپ ﷺ کے پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

لہٰذا آیت ہٰذا نفس نبوت کے ثبوت کی دلیل ہے جسے خوش فہمی سے اس کی نفی کی دلیل سمجھ لیا گیا ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ۔

نوٹ: اس سلسلہ کی امام اہل سنت ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوٹوک عبارت پیش کردہ حوالہ جات کے جوابات کے ضمن میں عنقریب آرہی ہے۔

سابعاً: (زیادہ سے زیادہ یہ بحث ہوسکتی ہے کہ حضور کو اپنی نبوت کے علم ہونے کی کیا دلیل ہے)

جب کتاب کا ملنا رسالت ہے بناءً علیہ نفس نبوت خارج از بحث ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ بحث ہوسکتی ہے کہ الفاظ آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے اپنی نبوّت (نبی ہونے) کی خبر نہ ہو جو ایک سطحی اعتراض ہے کیونکہ کسی چیز کے ملنے کی امید کے ہونے نہ ہونے کی بات اس وقت درست ہوسکتی ہے جب اس کے وجود کے متعلق علم ہو۔ پس یہ آیت بذات خود حضور کو اپنے نبی ہونے کے علم ہونے کی دلیل ہے۔

بناءً علیہ آیت کی تاویلات کے حوالہ سے استثناء کی بحث میں مستثنیٰ کے متصل ہونے کا قول ہی راجح

ہے کیونکہ یہ مذکورہ حقیقت کے مطابق ہے۔ نیز حضور کا فیصلہ "کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد" بھی اسی کا مؤید ہے۔

دیگر بے شمار دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں جیسے حدیث ابوذر ﷺ میں اس سؤال کے جواب میں کہ آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم کیونکر ہوا' آپ کا اپنے بچپن مبارک میں ہونے والے واقعہ شق صدر مبارک کے حوالہ سے یہ فرمانا کہ اس سے علم ہوا (یعنی اس کا ایک ذریعہ یہ واقعہ ہے)۔

نیز حضور کا بچپن میں انی رسول اللہ فرمانا' نیز بے شمار احبار و رھبان اور کھان کے حضور کی موجودگی میں آپ کے نبی ہونے کے بیان۔ حضرت بحیرا' نسطورا کی آپ نبوت کے متعلق شہادتیں اور حجر و شجر کے آپ کو یا رسول اللہ کہہ کر سلام پیش کرنے کے واقعات وغیرہا سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضور کو شروع ہی سے اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہٖ وسلم۔ جن کی مکمل باحوالہ تفصیلات باب ہفتم میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ والحمد للہ۔

تصریحات اجلہ بابت علم نبوت خود صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

○ علامہ نبہانی' علامہ سید عبداللہ المیرغنی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: "ثم اعلمہ تعالی بنبوتہ وبشرہ برسالتہ و آدم لم یکن الا کما قال ﷺ بین الروح والجسد"۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمانہ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے ہی حضور کو آپ کے نبی و رسول ہونے کا علم عطا فرما دیا تھا۔ ﷺ (جواہر البحار' جلد۲' صفحہ ۴۰۷)۔

○ امام علامہ محمد بن جعفر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں: "فکان ﷺ نبیا رسولا بالفعل عالما بنوتہ ورسالتہ فی عالمی الحقائق والارواح کما مر ثم فی عالم الاجسام والذر واتصلت نبوتہ بجمیع الخلائق من غیر انقطاع الی زمن وجود جسدہ المکرم فبعث بجسدہ فی عالم الاجساد الی کل احمر واسود و کل عین مخلوقۃ"۔ ملاحظہ ہو۔ (جلاء القلوب جلد۱' صفحہ ۳۸۵' طبع بیروت)۔

عبارت ہذا باب ہفتم میں مع ترجمہ گزر چکی ہے اس میں آپ علیہ السلام کے تمام عوالم میں اپنی نبوت ورسالت کے عالم ہونے کی تصریح موجود ہے وھو المقصود۔

○ حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث آیت کے تحت لکھتے ہیں: "اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ اپنی نبوت سے بے خبر تھے آپ کو تو بچپن ہی سے شجر و حجر سلام کرتے تھے اور رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے بحیرا راہب نے بچپن شریف میں ہی آپ کی نبوت کی خبر دے دی تھی۔ خود

فرماتے ہیں: ''کنت نبیا و آدم لمنجدل فی طینته''۔ ملاحظہ ہو (نورالعرفان' صفحہ ۲۳۱' طبع گجرات)۔

ثامنا: (مقصود یہ بتانا ہے کہ نبوت امر وہبی ہے)

اس آیت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ''وحی جلی'' کسی گوشہ نشینی یا چلّہ کشی کے نتیجہ واثر سے حاصل ہونے والی نعمت نہیں بلکہ یہ محض امر وہبی ہے جو محض خاص فضل ربی سے پہلے سے منتخب ہستیوں کو ملتی ہے جن میں سے آپ ﷺ اس شان میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ پس یہ آیت کریمہ سورۂ یونس کی اس آیت کے مترادف ہے ''قل بفضل اللہ و برحمته'' یعنی آپ فرمادیں قرآن کی عطا محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔

حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ: ''یعنی ظاہری اسباب کے لحاظ سے آپ کو نبوت کی امید نہ تھی۔ صرف خدا کی رحمت سے امید تو کیا یقین تھا (الی) بلکہ صرف اللہ کی رحمت سے ملی''۔ (نورالعرفان' صفحہ ۶۳۱)۔

تاسعا: (یہ مطلب بھی کہ آپ کو بن مانگے دیا)

اس کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے یعنی اس طرز پر بھی اس کو بیان کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے مرتبۂ محبوبت کی بناء پر یہ نعمت بھی آپ کو بن مانگے عطا فرمائی۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم ''الا وانا حبیب اللہ ولا فخر'' سن لو میں فخر یہ نہیں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ میں اللہ کا حبیب اور اس کا محبوب ہوں۔ جس کی بے شمار مثالیں قرآن وسنت میں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ کلیم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے دیدار الٰہی کی دعا کی پھر بھی جواب یہ پایا کہ لن ترانی۔ لیکن آپ ﷺ کو کسی مطالبہ کے بغیر عالم بالا پر کامل اعزاز کے ساتھ بلوا کر از خود اس نعمت سے نوازا۔

نیز حضرت خلیل علیہ الصلاۃ والسلام نے آنے والی نسلوں میں اپنے ذکر خیر کے بقاء کی دعا کرکے یہ مقام حاصل فرمایا جب کہ حضور کو بن مانگے اس سے نوازتے ہوئے فرمایا ''ورفعنالك ذكرك'' نیز وللآخرة خيرلك من الاولى''۔

اس طرح کی پوری تفصیلات دیکھنے کے لیئے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف لطیف وتالیف منیف ''تجلی الیقین'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ والحمد للہ۔

عاشرا: (اس طرز سے مقصود قرآن کے کلام الٰہی ہونے کو بیان فرمانا ہے)

ان تفصیلات سے یہ امر بھی روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آگیا کہ قرآن مجید کے بارے میں حضور سے اس طرز پر کلام فرمانے سے مقصود یہ بتانا ہے کہ قرآن واقعی کلام اللہ ہے۔ معاذ اللہ حضور کا خود ساختہ نہیں

ﷺ۔جس کی ایک مثال قل انما انا بشر مثلکم الآیۃ بھی ہے جس سے حسب بیان علماء شان آپ ﷺ سے نفیٔ الوہیت کرنا ہے نہ کہ یہ بتانا کہ آپ معاذاللہ ہر کہ ومہ کی طرح ہیں۔قال صلی اللہ وسلم لست مثلکم نیز لست کاحد منکم نیز ایکم مثلی (متفق علیہ) فقط والحمد للہ۔

خلاصہ یہ کہ پیش کردہ آیت کریمہ کسی طرح سے بھی مصنف تحقیقات کے موقف کی دلیل نہیں بلکہ ہماری دلیل ہے۔وفیما ذکرناہ کفایۃ۔

اب پڑھیئے ان حوالہ جات کے جوابات جو موصوف نے آیت ہٰذا کے حوالہ سے اپنے موقف کی تائید میں بنا کر پیش کیۓ ہیں۔

زیر بحث آیت سے مصنف تحقیقات کے اپنے موقف کی تائید میں پیش کردہ حوالہ جات سے جوابات

عبارت امام ماتریدی سے جواب:

امام اہل سنت ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں: ’’وما کنت ترجو (الی) ان یلقی الیك الکتاب وینزل علیك وتصیر رسولا ای لم تکن تطمع ذلك لکن اللہ بفضلہ ورحمتہ جعلك رسولا نبیا (تأویلات اہل السنۃ،صفحہ۲۰۶)۔

آپ کو یہ امید نہیں تھی کہ آپ پر کتاب کا القاء اور نزول ہوگا اور تم رسول بن جاؤ گے یعنی تمہیں اس امر کا طمع اور امید نہ تھی لیکن اللہ نے محض اپنے فضل سے آپ کو رسول اور نبی بنا دیا۔(تحقیقات،صفحہ۱۱۲،۱۱۳)۔

الجواب: یہ عبارت واضح طور پر ہماری مؤید ہے کیونکہ اس میں حضور کی بعثت کا بیان ہے یعنی بعثت بالقرآن۔جیسا کہ ’’الکتاب الخ کے لفظوں سے ظاہر ہے جس کا ترجمہ خود موصوف نے ’’کتاب کا القاء اور نزول‘‘ کے الفاظ سے کیا ہے۔اسی لیۓ حضرت نے ’’تصیر رسولا ‘‘ کے لفظ ارشاد فرمائے ہیں ’’تصیر نبیا‘‘ نہیں فرمایا۔یعنی نبی پہلے تھے بھیجا آپ کو بعد میں گیا۔

رہے ’’رسولا نبیا ‘‘ کے الفاظ؟ تو وہ ’’نبی مبعوث‘‘ کے معنٰی میں ہیں یعنی نبی پہلے سے تھے رسالت (حکم تبلیغ) پر مأمور بعد میں ہوئے جو عین ہمارے مطابق ہے۔’’رسولا نبیا‘‘ کا ترجمہ ’’رسول اور نبی‘‘ کرنا غلط ہے کیونکہ اور تو کا ترجمہ ہے جو ان میں نہیں ہے یعنی موصوف کو بھی احساس ہوا کہ و ملائے بغیر ان کی مطلب برآری ممکن نہیں اس لیۓ انہوں نے یہ کارنامہ دکھایا۔صحیح وہی ہے جو ہم نے عرض کیا یعنی نبی مبعوث۔باقی تمام

شقوں کے ایک ایک کر کے سب کے جوابات عرض کر دیئے گئے ہیں' اعادہ کی حاجت نہیں۔

عبارت تفسیر الحداد سے جواب:

''ماکنت یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ترجو ان یوحی الیک القرآن وانک تکون نبیا تتلو علی اھل مکة قصص الاولین الاان ربک رحمک واراد بک الخیر فاوحی الیک الکتاب واکرمک بالنبوة منة منه الیک''۔ (تفسیر الحداد' جلد۵' صفحہ ۲۷۰) (تحقیقات' صفحہ ۱۱۳)۔

الجواب: عبارت ہذا میں نبوۃ بمعنی بعثت ورسالت ہے۔ ''یوحی الیک القرآن'' اور ''اوحی الیک الکتاب'' کے الفاظ جس پر واضح قرینہ ہیں جو نفس نبوت کے منافی نہیں ''تتلو'' کے لفظ اس پر مستزاد ہیں

عبارت تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما **سے جواب:**

وما کنت یا محمد ترجوان یلقی الیک الکتاب ان ینزل علیک جبرئیل بالقرآن وتکون نبیا الارحمة من ربک ولکن منة وکرامة من ربک اذارسل علیک جبرئیل بالقرآن وجعلک نبیا (تفسیر ابن عباس' جلد۴' صفحہ ۱۶۲)۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۱۳)۔

الجواب: اس عبارت میں بھی نبی بمعنی رسول اور نبوت بمعنی بعثت ہے۔ کتاب' قرآن' جبریل علیہ السلام کا ذکر جس پر قرینہ ہیں جب کہ بعثت نفسِ نبوت کے منافی نہیں۔

سب سے اہم بات یہ کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور کی نبوت کے قدم وتقدم کے قائل ہیں۔

چنانچہ آپ سے روایت ہے' فرمایا: ''قیل یا رسول اللہ ﷺ متی کنت نبیا قال وآدم بین الروح والجسد یعنی عرض کی گئی یارسول اللہ! آپ نبی کب ہوئے؟ فرمایا: جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ملاحظہ ہو (الدرالمنثور' جلد۵' صفحہ ۱۸۴۔ الخصائص الکبریٰ' جلد۱' صفحہ۴' بحوالہ البزار طبرانی اوسط' ابونعیم من طریق الشعبی' نیز مرقاۃ جلد۱۱' صفحہ ۵۸' بحوالہ طبرانی کبیر بلفظہ کنت نبیاوآدم بین الروح والجسد۔ نیز تحفۃ الاحوذی' جلد۴' صفحہ ۲۹۳' مثلہٗ۔ نیز المقاصد الحسنہ' صفحہ ۳۲۷' بحوالہ مسند احمد' دارمی' ابونعیم' طبرانی۔ نیز البدایہ والنہایہ' جلد۲' صفحہ ۲۷۲' بحوالہ دلائل النبوۃ لابن شاہین۔ نیز تفسیر مظہری' جلد۷' صفحہ ۲۸۸' بحوالہ طبرانی کبیر۔ نیز الجامع الصغیر' جلد۲' صفحہ ۹۶' بحوالہ طبرانی۔ سیوطی نے فرمایا حدیث صحیح ہے۔ نیز فتاویٰ رضویہ جلد ۳۰' صفحہ ۱۴۹)۔

عبارت ابن جریر سے جواب:

''وما کنت ترجوان ینزل علیك الکتاب وان تکون نبیا قبل ذلك''۔(جلد۱۰ صفحہ۸۱) (تحقیقات صفحہ۱۱۴)۔

الجواب: اس سے جواب بھی مثل بالا ہے کہ اس میں بھی نبی بمعنی رسول ہے بقرینہ ان ینزل علیك الکتاب۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی حضور کے قدم نبوت کے قائل ہیں لہٰذا ان کی اس عبارت کو اس کے برخلاف پر لانا ''توجیه القول بما لا یرضی به قائله'' ہوگا جو قطعاً کسی طرح قابل قبول نہیں۔

چنانچہ انہوں نے خود لکھا ہے کہ: ان نبی اللہ ﷺ کان یقول کنت اول الانبیاء فی الخلق وآخرهم فی البعث (تفسیر ابن جریر پ۲۱ صفحہ۷۹ طبع بیروت)۔

عبارت قرطبی سے جواب:

''ای ما علمت اننا نرسلك الی الخلق وننزل علیك القرآن ''(تفسیر القرطبی)(تحقیقات صفحہ۱۱۴)۔

الجواب: ''نرسلك'' اور ''القرآن'' کے الفاظ بیّن ثبوت ہیں کہ اس میں حضور کے ارسال اور بعثت بالقرآن کا ذکر ہے نفس نبوت کی اس میں کوئی بحث نہیں۔ پس یہ عبارت خارج از بحث ہے۔

نیز اس میں رسول بننے کا علم ہونے نہ ہونے کی بحث ہے۔ نبی بننے نہ بننے کی کوئی بحث نہیں لہٰذا اس کا لانا بے جا ہے جب کہ ابھی کچھ پہلے ہم دلائل سے ثابت کر آئے ہیں کہ صحیح اور محقق یہی ہے کہ حضور کو اپنے نبی ورسول ہونے کا علم تھا ﷺ۔

زیادہ سے زیادہ ''ما علمت '' کا مفہوم یہ ہے کہ علم کے باوجود بر بناء حکمت آپ کو اس سے غیر متوجہ رکھا گیا جیسا کہ علامہ ماوردی وغیرہ کا نظریہ ہے۔(کما فی جواهر البحار للعلامة النبهانی)۔

عبارت ابن کثیر سے جواب:

''ای ما کنت تظن قبل انزال الوحی ان ینزل علیك لکن رحمة من ربك ای انما انزل الوحی علیك من اللہ تعالی عن رحمته بك وبالعباد بسببك''۔(جلد۳ صفحہ۴۱۷)(تحقیقات ۱۱۴)۔

الجواب: انزال الوحی وغیرہ کے الفاظ اس امر کو متعین کر رہے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ کی بعثت بالقرآن نیز اس بات کا بیان ہے کہ قرآن کا نزول محض رحمت الٰہیہ سے ہے یعنی وحی نبوت امر وہبی ہے جو خارج

از بحث ہے، لہٰذا یہ بھی مصنف تحقیقات کے مفید مدعا نہیں۔

عبارت الجمل سے جواب:

''وما کنت قبل مجیء الرسالة الیك ترجو وتؤمل انزال القرآن علیك فانزاله علیك لیس عن میعاد ولاعن تطلب سابق''۔(جلد۳'صفحہ۳۶۵)۔(تحقیقات'صفحہ۱۱۵)۔

الجواب: ''قبل مجیء الرسالة ''اور''انزل القرآن'' کے الفاظ بانگ دہل یہ بتارہے ہیں کہ حضرت علامہ سلیمان الجمل یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ آیت کا مرکزی نقطہ حضور کی رسالت اور بعثت بالقرآن نیز نبوت کے وہبی ہونے کو بیان کرنا ہے جب کہ بحث نفس نبوت میں ہے۔لہٰذا موصوف کو اس کا بھی کچھ فائدہ نہ ہوا بلکہ نقصان ہوا کیونکہ رسالت بمعنی بھیجنا آپ کے پہلے سے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے ﷺ۔

عبارت الصاوی سے:

''ای ما کنت ترجوا قبل مجیء الرسالة الیك ان یلقی الیك الکتاب ای فانزاله علیك لیس عن میعادولا تطلب منك ومن ھھنا قال العلماء ان النبوة لیست مکتسبة لاحد قال فی الجوھرة ولم تکن نبوة مکتسبة ولورقی فی الخیر اعلی عقبه''۔(جلد۳''صفحہ۱۹۰)۔(تحقیقات'صفحہ۱۱۵)۔

الجواب: اس کا مضمون بعینہٖ عبارت الجمل کا ہے یعنی اس میں بھی وہی مجیء الرسالة'انزال القرآن کے الفاظ ہیں۔

مزید''عن میعادولا تطلب''میں جو اجمال تھا اسے''ان النبوة لیست مکتسبة 'الخ کے سے مفصل فرمادیا ہے بناءعلیہ اس میں بھی حضور کی بعثت کا بیان ہے۔

نیز یہ کہ آیت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ''وحی جلی ''ایسی چیز نہیں جو خلوتوں کے ذریعہ روح کو مصفّٰی کر کے حاصل کی جاسکے بلکہ وہ محض امر وہبی ہے جو ہمارے عین مطابق ہے۔پس مولانا کو اس سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔

علاوہ ازیں علامہ صاوی کا یہ عقیدہ ہے کہ پوری کائنات میں جو جس کو حاصل ہوا' ہورہا ہے' ہوگا اس کا واسطہ حضور ہیں جو حضور کی نبوت کے قدم ودوام کو مستلزم ہے۔چنانچہ''من اللہ نور''کے تحت لکھتے ہیں:''ھو اصل کل نور حسی و معنوی''حضور ہر نور کی اصل ہیں نور ظاہری ہو یا باطنی۔صلی اللہ علیه وسلم۔

اقول: جب کہ نبوت بھی نور ہے پس اس کا مخزن اور منبع مصدر بھی آپ ہوئے۔

عبارت ابن الجوزی سے جواب:

''ما کنت ترجوا ان یلقی الیك الکتاب ای ان تکون نبیا وان یوحی الیك القرآن الا رحمة من ربك قال الفراء ھذا استثناء منقطع والمعنی الا ان ربك رحمك فانزله علیك''۔(جلد ۶،صفحہ۲۵۱)۔(تحقیقات،صفحہ۱۱۶)۔

الجواب: اس کا بھی کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنٰی ہو کہ حضور اس سے قبل نبی نہ تھے بلکہ اس میں بھی آپ کی بعثت بالقرآن کا بیان ہے جو''ان یوحی الیك القرآن'' سے عیاں ہے۔بناءعلیہ اس میں''نبیا'' بمعنٰی''رسولا'' ہے جس سے نفس نبوت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

علاوہ ازیں علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ حضور کے قدم ودوام نبوت کے بڑی شدّ ومدّ سے قائل ہیں جس کے لیئے انہوں نے اپنی کتاب الوفاء باحوال المصطفی ﷺ کے اوائل میں مستقل عنوانات قائم فرمائے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ ان کی اس کتاب کا اردو ترجمہ کرکے مصنف تحقیقات نے اسے سیرت سید الانبیاء ﷺ کے نام سے شائع کرایا بلکہ متعلقہ مقامات پر جگہ جگہ اس کے حواشی لکھ کر موصوف نے اس کو مزید پختہ کر دیا ہے کہ علامہ موصوف کا واقعی یہی نظریّہ تھا کہ حضور زمانہ قبل آدم علیہ السلام سے نبی ہیں۔

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

رہا''ھذا استثناء منقطع''؟ تو یہ سب کا قول نہیں اور نہ ہی قال الفراء کا معنٰی قال العلماء کلھم اجمعون ہے۔

استثناء متصل کے قائلین بھی ہیں دلائل خصوصاً حدیث کنت نبیا الخ بھی اسی کے مؤید ہیں۔مفصل بحث گزر چکی ہے۔(فمن شاء الا طلاع علیه فلیرجع الیه)۔

عبارت قشیری سے جواب:

''ما کنت تؤمل محل النبوة وشرف الرسالة وتأھیل مخاطبتنا الیك''تم نبوت کا محل بننے اور شرف رسالت کے ساتھ مشرف ہونے اور ہمارے خطاب کے لائق ہونے کی امید اور آرزو نہیں رکھتے تھے۔(تفسیر القشیری،جلد۲،صفحہ۴۴۹)۔(تحقیقات،صفحہ۱۱۶)۔

الجواب: برتقدیر تسلیم اس میں''نبوت ورسالت'' کے الفاظ مترادف استعمال ہوئے ہیں جو نبی مبعوث ہونے کے مفہوم کو بھی ادا کرتے ہیں جو نفس نبوت کی نفی نہیں ثبوت کی دلیل ہیں۔الغرض عبارت ہٰذا بھی بعثت و رسالت کے بیان پر مبنی ہے جب کہ بحث نفس نبوت میں ہے لہٰذا یہ بھی موصوف کے دعویٰ کی کسی طرح دلیل نہیں

مغالطہ نمبر ۳۴ (از آیت حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنة) **کا رد:**

''چوتھی آیہ مبارکہ: حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنة قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتك یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوا تو عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں''۔

کچھ کتب تفسیر کے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ آیت اگر چہ حضرت صدیق کے جوانی اور چالیس سال کی عمر تک پہنچ کر دعا کرنے پر دلالت کر رہی ہے لیکن ایمان لائے بغیر ایسی دعا کیسے متصور ہو سکتی ہے۔ ایمان لانے کا ذریعہ صرف یہ تھا کہ نبی ﷺ کے مصاحب تھے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ہی آپ کو یہ شرف حاصل ہوا جب کہ حضور کی عمر بیس سال تھی اور اس کی برکت سے آپ پر نبوت اور وحی نازل ہوتے ہی مشرف با یمان ہو گئے پھر یہ دعا کی۔

حضرت مولانا مراد آبادی خزائن العرفان (صفحہ ۹۰۶) میں فرماتے ہیں (یہ لکھنے کے بعد حضرت ابوبکر نے حضور کی ہمراہی میں شام کا سفر تجارت کیا ایک راہب نے آپ کے متعلق کہا خدا کی قسم یہ نبی ہیں۔ یہ بات صدیق اکبر پر اثر کر گئی اور آپ کی نبوت کا یقین ان کے دل میں جم گیا) ''جب سید عالم ﷺ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو اپنی نبوت اور رسالت کے ساتھ سرفراز فرمایا تو حضرت صدیق آپ پر ایمان لائے اس وقت عمر اڑتیس سال تھی جب عمر چالیس سال کی ہوئی تو انہوں نے یہ دعا کی''۔

تنبیہ: اگر آپ وقت ولادت سے نبی تھے تو پھر چالیس سال کی عمر شریف میں نبوت سے سرفراز فرمائے جانے اور حضرت صدیق کے اڑتیس سال کی عمر میں ایمان لانے کا کیا مطلب؟

پہلے نہیں تو راہب کے انکشاف کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں کیوں نہ ایمان لے آئے اور نبی ﷺ نے اس انتہائی مخلص اور فدائی مصاحب پر خود کیوں یہ انکشاف نہ فرمایا کہ میں آغاز ولادت سے نبی ہوں اور ان کو بچپن میں ہی اپنے امتی بننے کا شرف کیوں نہ بخشا حالانکہ آپ بھی پیدائشی طور پر شرک دشمن اور بت پرستی کے خلاف تھے اور بتوں کو عاجز اور بے بس سمجھتے تھے اور امی جان کے پیٹ میں تھے تو وہ غیب سے یہ بشارت سنا کرتی تھیں: ''ابشری بالولد العتیق اسمه فی السماء الصدیق ولرسول الله صاحب ورفیق''۔ آگے بت کے خلاف کاروائی کا حضرت صدیق کا بچپن کا واقعہ نقل کر کے کہا ہے) تو معلوم ہو گیا کہ

آپ کو جسمانی لحاظ سے یہ اعزاز ملا ہی بعد میں تھا۔اھ بلفظہ ملخصاً۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲)۔

الجواب: یہ سوال انتہائی سطحی قسم کا اور سخت مضحکہ خیز بھی ہے کیونکہ وہ سوال کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی مان رہے ہیں کہ ابھی حضرت صدیق امی جان کے پیٹ میں تھے کہ ہاتف غیبی نے انہیں ''لرسول اللہ صاحب و رفیق'' کہا نیز یہ بھی کہ وہ اٹھارہ سال کی عمر سے نبی کے مصاحب تھے ﷺ

نیز یہ کہ راہب نے خدا کی قسم اٹھا کر کہا کہ ''یہ نبی ہیں''یعنی یہ نہیں کہا کہ نبی ہوں گے۔

نیز یہ کہ حضرت صدیق کے دل میں آپ کی نبوت کا یقین جم گیا بناءً علیہ فوراً ایمان لائے۔ فیاللعجب۔

باقی حضرت صدرالافاضل کے الفاظ انہیں کچھ مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ ان میں نبوت سے مراد ''وحی جلی'' (قرآن مجید کا نزول) اور رسالت سے مراد بعثت ہے نفس نبوت نہیں کہ وہ خود سید عالم ﷺ کے ارشاد گرامی (کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد) کے مطابق پہلے سے حاصل تھی۔ نبوت بمعنی وحی جلی خود معترض کو بھی تسلیم ہے پیش نظر عبارت میں ان کے لفظ ہیں ''نبوت اور وحی نازل ہوتے ہی'' الخ۔

رہا یہ کہ حضور نے کیوں نہ انکشاف فرمایا؟ تو اس لیۓ کہ آپ کو ابھی اس کا حکم نہ ہوا تھا صدیق اکبر اٹھارہ سال کی عمر میں کیوں نہ ایمان لے آئے؟ جواباً عرض ہے کہ مانتے پہلے سے تھے باقاعدہ کلمہ اس وقت پڑھا جب انہیں اس کا پابند فرمایا گیا۔ چنانچہ پیش کردہ عبارت خزائن میں صراحۃً موجود ہے کہ راہب نے کہا خدا کی قسم یہ نبی ہیں، یہ بات صدیق اکبر پہ اثر کر گئی اور آپ کی نبوت کا یقین ان کے دل میں جم گیا۔ سبحان اللہ! سوال پر سوال بھی ساتھ ہے، اقرار پر اقرار بھی ساتھ۔　ع　اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حضرت صدیق اکبر کے حوالہ سے اس اعتراض کا مکمل جواب رد مغالطہ نمبر ۱۲ میں بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ فمن شاء الاطلاع علیه فلیرجع الیه۔

آیت ہٰذا کے حوالہ سے اپنے موقف کی تائید میں پیش کردہ حوالہ جات سے جوابات

۱　فلما نبئ رسول الله ﷺ وهو ابن اربعين سنة صدق ابوبكر صديق ﷛ رسول الله وهو ابن ثمانية وثلثين سنة '' (تفسیر القرطبی جلد ۱۶، صفحہ ۱۹۴ روح المعانی، جلد ۲۶۔ شیخ زادہ جلد ۸۔ تفسیر مراغی جلد ۸۔ تفسیر حسینی۔ تفسیر جلالین۔ تفسیر زاد المسیر۔ بیضاوی)۔

۲　ولم يبعث نبی الا بعد الاربعين۔ (بیضاوی۔ البحر المحیط، جلد ۹، صفحہ ۴۴۰)۔

۳　فلما نبئ وهو ابن اربعين سنة وآمن به وهو ابن ثمان وثلثين سنة۔ (حاشیۃ الشہاب، جلد ۸،

صفحہ ۴۷)

۴ چوں سال مبارک آنحضرت رسالت پناہ بچہل رسید مبعوث گشت وصدیق سی وہشت سالہ بود کہ بوے ﷺ ایمان آورد۔ (روح البیان، جلد ۸، صفحہ ۲۰۳)۔

۵ فلما بلغ رسول اللهﷺ اربعين سنة واكرمه الله تعالٰى بالنبوة واختصه برسالته آمن به ابوبكر الصديق رضی اللہ عنہ وصدقه"۔ (جمل جلد ۴، الصاوی جلد ۴، صفحہ ۶۵ وكذا فی الخازن، جلد ۴، صفحہ ۱۲۵، معالم التنزيل، جلد ۴)۔

۶ فلمابعث محمد ﷺ بالرسالة وكان ابن اربعين سنة دعاه (ابابكر) فآمن به ۔ (تفسیرات احمدیہ، صفحہ ۶۵۸)۔

۷ وكان لايفارقه ﷺ فی اسفاره وحضوره فلما بلغ (ابوبكر) اربعين سنة ونبئ رسول الله ﷺ دعا ربه (تفسیر الحداد، جلد ۶، صفحہ ۲۳۲)۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۱۱۷ تا ۱۱۹)۔

الجواب: عبارت نمبر ۱، ۳، ۷ میں نُبِّئَ کے لفظ بمعنیٰ بُعِثَ ہیں جس کی ایک دلیل، عبارت نمبر ۴ بھی ہے جس میں "مبعوث گشت" کے لفظ ہیں جو نبی کا متبادل ہیں۔

عبارت نمبر ۵ میں "النبوة" بمعنیٰ "وحی جلی" ہے۔

جب کہ عبارت نمبر ۲، ۴، ۶ بعثت کے مفہوم میں صریح ہیں۔ جب کہ نمبر ۵ اور ۶ میں "رسالة" بمعنیٰ ظہور رسالت ہے۔

جب کہ ان میں سے کوئی بھی نفسِ مضمون نبوت کے منافی نہیں۔

مکمل باحوالہ تفصیل مع ماله وماعليه اسی باب میں ردِ مغالطہ نمبر ۱۸ اور ردّ مغالطہ نمبر ۱۹ میں نیز باب ہشتم میں عبارت روح المعانی کی بحث میں دیکھی جا سکتی ہے۔

نیز "لم يبعث نبی الا بعد الاربعين" پر مفصل کلام مع مالہ وماعلیہ مغالطہ نمبر ۱۸ کے ردّ کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔ فمن شاء الاطلاع عليه فليرجع اليه۔

مغالطہ نمبر۳۲ (از آیت ووجدک ضالا فھدی) **کا ازالہ**

پانچویں آیہ مبارک: ووجدك ضالاّ فهدىٰ اور پایا تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ تو اپنی طرف راہ دی۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۲۲)۔

الجواب: آیت ہٰذا کا صحیح مفہوم جاننے اور صحیح معنٰی میں کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیئے یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ الفاظ قرآنی کا مفہوم متعین کرنے کے دو ذرائع ہیں: نمبر ا تفسیر اور نمبر ۲: تأویل۔

تفسیر کا مطلب ہے معنیٰ الفاظ قرآنیہ بالآیۃ یا بالروایۃ۔

پس اس کے چار درجے ہیں: نمبر ا: تفسیر القرآن بالقرآن نمبر ۲: تفسیر القرآن بقول صاحب القرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمبر ۳: تفسیر القرآن بقول الصحابی علیہ الرضوان اور نمبر ۴: تفسیر القرآن بقول التابعی بالاحسان۔

بناءً علیہ مفسر یہی چار ہین اور مصنفین کتب تفسیر کو مفسر کہنا مجاز ہے جو علماء تفسیر کے معنٰی میں ہے۔

جب کہ تأویل سے مراد وہ معنٰی ہے جو طریقۂ مذکورہ سے ہٹ کر ہو یعنی قواعد لغت عرب وغیرہا سے نیز یہ کہ تفسیر کے ثابت ہونے کی صورت میں تأویل کو اختیار کرنا خلاف اصول ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ تفسیر سے متصادم یا کسی محذور شرعی پر مشتمل بھی ہو۔

اب آیئے مانحن فیہ کی طرف فاقول وباللہ التوفیق: آیت ہٰذا کے معنیٰ ومفہوم کے حوالہ سے کتب تفسیر میں تفسیری اور تأویلی دونوں قسم کے معانی موجود ہیں۔

کچھ تأویلی معانی تو بہت عمدہ ہیں جیسے کنزالایمان شریف میں اختیار فرمودہ معنیٰ۔ نیز ضالّ سے وہ اکیلا درخت مراد لے کر اس کا یہ معنیٰ کرنا جو صحرا اور ریگستان میں راہ گم گشتگان کے لیئے نشان منزل بلکہ رہنمائی کا کام دے۔

یا اسناد مجازی مراد لے کر یہ معنٰی کرنا کہ اس نے آپ کو گمراہوں کی ہدایت کے لیئے مرجع اور ماویٰ وملجاء بنایا وغیرہ۔

علامہ ابوحیان فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ان الفاظ پر غور کر رہا ہوں تو میری زبان پر برجستہ یہ الفاظ جاری ہو گئے' ووجدك رهطك ضالاّ فهدى بك'' پھر یہ لفظ بھی زبان پر آ گئے''علی

حذف مضاف نحو واسأل القرية'' (البحرالمحیط' جلد۸'صفحہ۴۸۶)۔

جب کہ اس کے کچھ تأویلی معانی غلط بلکہ انتہائی بیہودہ اور سخت کفریہ بھی ہیں جیسے ضالّ میں ضلالت اس کے معنی میں لینا جو مقابل ہدایت ہے اور اولئك الذين اشترو الضللة بالهدى میں مذکور ہے۔

اور اللہ کے محبوب کے حق میں یہ معنی وہی کر سکتا ہے جو خود ضالّ ومضلّ اور کافر بلکہ اکفر ہو۔

چنانچہ علامہ فہامہ ابوحیان علیہ الرحمۃ والرضون اس آیت کے مباحث میں فرماتے ہیں: ''لا يمكن حمله على الضلال الذى يقابله الهدى لا ن الانبياء معصومون من ذلك ''۔(البحرالمحیط جلد۸'صفحہ ۴۸۶' طبع بیروت)۔

علامہ سلیمان الجمل لکھتے: ''ليس المراد به الانحراف عن الحق'' (حاشیہ جلالین'صفحہ۵۵۲)۔

علامۃ الدہر نسفی رقم طراز ہیں: ''كان عليه السلام من اول حاله الى نزول الوحى عليه معصوماً''۔ (مدارک التنزیل' جلد۴' برہامش خازن' جلد۴' صفحہ ۳۸۷)۔

خلاصۂ عبارات یہ کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً ہمارے نبی ﷺ اعلان نبوت سے پہلے اور بعد کبیرہ کجا ان نقائص سے بھی معصوم ہیں جو باعث تنفر ہوں چہ جائیکہ ان کی طرف معاذاللہ ثم معاذ اللہ کفر وضلال کو منسوب کر کے کوئی اپنی عاقبت کو خراب کرے۔

علامہ ابوحیان مزید فرماتے ہیں: ''ولبعض المفسرين اقوال فيها بعض مالا يجوز نسبته الى الانبياء عليهم الصلاة والسلام '' اس آیت کے حوالہ سے بعض لاابالی قسم کے مفسرین نے ایسی باتیں بھی لکھ ماری ہیں جو انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے مقام وشان کے منافی ہیں (البحرالمحیط' جلد۸' صفحہ۴۸۶)۔

مصنف تحقیقات نے معنیٰ آیت میں اس مقام پر جتنے حوالہ جات پیش کیے ہیں ان کا تعلق تأویلی معانی سے ہے۔

حق اور حقیقت یہ ہے کہ آیت ہٰذا کا مسئلۂ نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے یعنی از روئے تفسیر یہ آیت مسئلۂ نبوت کے بارے میں ہے ہی نہیں۔

بالفاظ دیگر تفسیر کے درجات اربعہ مذکورہ میں سے کسی سے بھی آیت ہٰذا کا حضور کی نبوت کے بارے میں ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف ثابت ہے۔ لہٰذا تفسیر کے برخلاف موصوف کے پیش کردہ تمام حوالہ جات حسب اصول خود بخود ردّ قرار پائے۔

اب پڑھیئے آیت ہٰذا کے تفسیری معانی کی باحوالہ تفصیل۔

آیت ہذا کی تفسیر خود قرآن کی رو سے:

قرآن مجید کی متعدد آیات سے حضور کا اوّل الخلق ہونا ثابت ہے جیسے وما ارسلنك الا رحمة للعلمین نیز ''وانا اول المسلمین وغیرہما۔جس کی مکمل تفصیل تنبیہات' جلد اوّل کے باب نمبر۲ (طبع اوّل) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

○ جب کہ بعض دیگر آیات سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو اس عالم میں نبوت عطاء کر کے آپ سے میثاق نبوت بھی لیا گیا جیسے یہ آیت کریمہ واذ اخذنا من النبین میثاقھم ومنك ومن نوح وابراھیم وموسٰی وعیسٰی بن مریم واخذنا منھم میثاقا غلیظا۔یعنی محبوب! اس وقت کو یاد فرمایئے جب ہم نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا تھا جن میں خصوصیت کے ساتھ آپ سے نیز نوح' ابراہیم' موسٰی اور عیسٰی بن مریم سے لیا تھا اور بہت ہی اہم عہد لیا تھا۔

اس کی تفصیل بھی جلد اوّل کے طبع اول کے باب دوم میں گزر چکی جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حضور کو نفس نبوت اس جہان میں جلوہ فرما ہونے سے پہلے حاصل ہے۔جس سے یہ متعین ہو گیا کہ یہاں ضالًّا کا لفظ نفس نبوت کی نفی کے لیۓ ہرگز نہیں۔لہٰذا نفس نبوت کی نفی میں پیش نظر آیت کی یہ تأویل ''ضالًّا عن النبوۃ'' تفسیر القرآن بالقرآن کے خلاف ہو کر مردود قرار پائی۔

نیز قرآن مجید میں ہے: ''ماضل صاحبکم وما غوٰی ''جس کا مفاد یہ ہے کہ حضور ہمہ قسم علمی وروحانی ضلال سے پاک ہیں نفی نفس نبوت کے معنٰی میں ''ضالًّا عن النبوۃ '' بھی اسی قبیل سے ہے۔لہٰذا آیت ماضل صاحبکم بھی اس کا ردّ ہوئی۔

آیت ہذا کی تفسیر حدیث نبوی سے:

○ سید عالم ﷺ کے یہ ارشادات بھی باب سوم میں باحوالہ پیش کیۓ جا چکے ہیں: کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد نیز کنت اول النبین فی الخلق وآخرھم فی البعث''یعنی میں نبی بننے میں تمام نبیوں سے پہلے اور بھیجے جانے میں سب سے آخر میں ہوں اور میں زمانۂ قبل از تخلیق آدم علیہ السلام سے نبی ہوں۔

اس سے بھی واضح ہوا کہ نفس نبوت کی نفی کے لیۓ ضالًّا عن النبوۃ'' کی تأویل حدیث نبوی کی رو سے بھی غلط ہے۔

رہا یہ کہ پھر آیت میں ''ضالًّا'' کا مطلب کیا ہے؟ تو

○ اس کی وضاحت سب سے پہلے ایک مرفوع روایت سے لیجیۓ' جو بعض مفسرین نے پیش کی

ہے۔ چنانچہ علامہ نیشاپوری نے لکھا ہے:

مرفوع روایت سے ضالاً کی نوعیت کی وضاحت: وروی مرفوعاً انہ ﷺ قال ضللت عن جدی عبدالمطلب وانا صبی ضائع کاد الجوع یقتلنی فھدانی اللہ یعنی حدیث ابی جھل المذکور یعنی مرفوعاً مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میری بالکل بچپن کی عمر تھی کہ میں جدامجد عبدالمطلب سے گم ہو گیا تھا قریب تھا کہ بھوک سے میری وفات ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی کہ دشمن خدا ابوجہل کے ذریعہ مجھے گھر پہنچوایا۔

ملاحظہ ہو۔ (تفسیر نیشاپوری، جلد ۱۲، صفحہ ۱۰۰ بر ہامش تفسیر طبری طبع بیروت۔ نیز کبیر صفحہ ۲۱۷، پ ۳۰)۔

روایت ہٰذا کے الفاظ ''ضللت عن جدی فھدانی اللہ'' سے اس امر کی نشاندہی ہو رہی ہے کہ آیت کریمہ ''ووجدك ضالاً فھدیٰ'' میں اسی واقعہ کا بیان ہے جس سے ''ضالاً عن النبوۃ'' والی تاویل (حسب مذکور) کا غلط ہونا واضح ہو گیا۔

اب پڑھیے اسے تفسیر کے درجۂ ثالثہ کے حوالے سے۔

تفسیر آیت ہٰذا قول صحابی سے: آیت ہٰذا کی تفسیر طبقہ صحابۂ کرام میں حضرت ترجمان القرآن، مفسّر اعظم، حبر الامۃ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جو دو طرح سے ہے۔

ایک بعینہٖ متذکرہ بالا مرفوع روایت کے مطابق۔

چنانچہ البحر المحیط (جلد ۸، صفحہ ۴۸۶) میں ہے: ''قال ابن عباس ھو ضلالہ وھو فی صغرہ فی شعاب مکۃ ثم رد اللہ الی جدہ عبدالمطلب'' یعنی حضرت ابن عباس نے فرمایا (یہاں ضالاً کا معنیٰ ہے گم ہو جانے والا) اس میں حضور کی گمشدگی کے واقعہ کا بیان ہے۔ آپ ﷺ اپنی بچپن کی عمر شریف میں مکہ کی گھاٹیوں میں گم ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے دادا جان کے ہاں واپس (بہ امن وامان) پہنچا دیا۔ اھ۔

بعض روایات میں ان لفظوں سے ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ ضل فی شعاب بمکۃ وھو صبی فراہ ابوجھل منصرفا من اغنامہ فردہ الی عبدالمطلب یعنی حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ بچپن شریف کی عمر میں مکہ شریف کی گھاٹیوں میں گم ہو گئے ابوجہل وہاں سے اپنی بکریاں لا رہا تھا کہ اس نے آپ کو دیکھ لیا اور آپ کو ساتھ لا کر حضرت عبدالمطلب کے حوالہ کر دیا۔

ملاحظہ ہو۔ (الجمل جلد ۴، صفحہ ۵۵۲۔ نیز ابن کثیر جلد ۴، صفحہ ۵۵۲۔ بحوالہ بغوی۔ نیز جلد ۴، صفحہ ۴۹۹۔ نیز خازن ۴ صفحہ

۳۸۷۔ نیز قرطبی جلد۱۰ صفحہ ۶۶ فمن اللہ علیہ بذلك۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ابوجہل نے اپنے اونٹنی پر حضور کو اپنے پیچھے بٹھالیا لیکن بسیار کوشش کے باوجود اونٹنی نے اٹھنے کا نام ہی نہ لیا بالآخر اس نے جب آپ کو اپنے آگے بٹھایا تو اونٹنی اٹھ کر چل پڑی۔

بعض روایات کے مطابق اونٹنی نے ابوجہل سے ہم کلام ہو کر اسے کہا: "یا احمق هو الامام فكيف يقوم خلف من وجب عليه ان يقتدى به" اے اواحمق! یہ تو مقتداء ہیں پس وہ ایسے کے پیچھے کیونکر بیٹھیں جس پر ان کی پیروی کرنا لازم ہے۔

ملاحظہ ہو (شیخ زادہ علی البیضاوی، جلد۴ صفحہ ۶۶۹، ۶۷۰، جلد۶۔ تفسیر نیشاپوری جلد۱۲ صفحہ ۱۱۰۔ کبیر صفحہ ۱۷، پ۳۰)۔

تفسیر روح البیان (جلد۱۰ صفحہ ۴۵۷) میں اس طرح ہے: فوجده ابو جهل فرده الى عبدالمطلب فمن الله عليه حيث خلصه على يدى عدوه فكان فى ذلك نظير موسى علیہ السلام ابوجہل نے حضور کو گھاٹی میں پا کر اپنے ساتھ لے لیا اور حضرت عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔ پس اس حوالہ سے اللہ تعالیٰ جو آپ پر اپنا احسان جتا رہا ہے یہ ہے کہ اس نے آپ کو آپ کے ازلی دشمن کے شر سے محفوظ رکھا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے دشمن سے بچایا اھ۔

نیز الجمل (جلد۴ صفحہ ۵۵۲) میں ہے: "قال ابن عباس "ردّ الله تعالى الى جده بيد عدوه كما فعل بموسى علیہ السلام" اھ

امام علامہ خفاجی نے فرمایا: "وهو حديث ثابت فى السير" یعنی یہ روایت سیر میں ثابت ہے (حاشیہ بیضاوی، جلد۹ صفحہ ۵۱۴)۔

ان حوالہ جات سے جہاں یہ واضح ہو گیا کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر حضور کی گمشدگی کے واقعہ سے بیان فرمائی یعنی اس میں اسی واقعہ کو بیان فرمانا مقصود ہے۔ وہاں اس واقعہ کے حوالہ سے حضور پر جو احسان خداوندی ہوا اس کی وجہ بھی کھل کر سامنے آ گئی۔ لہٰذا بعض اجلّہ کا اس کو وجہ امتنان ٹھہرانے میں تأمل فرمانا (حاشية الشهاب على البيضاوى، جلد۹ صفحہ ۵۱۴) ان کا تسامح ہوا فافهم۔

حضرت ابن عباس کی دوسری روایت:

آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کی دوسری روایت یہ ہے:

حضرت امام سیوطی ارقام فرماتے ہیں: "اخرج ابن مردويه عن ابن عباس رضى الله عنهما فى قوله ووجدك ضالًّا فهدٰى قال وجدك بين ضالين فاستنقذك من ضلالتهم"۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا معنٰی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو ان گمراہوں کے گمراہی کے ماحول میں پیدا فرما کر ان میں رکھنے کے باوجود ان کی گمراہی کا آپ پر کچھ اثر نہ ہونے دیا۔ ملاحظہ ہو (درمنثور' جلد۶' صفحہ۳۶۲' طبع ایران)۔

اقول: حضرت ابن عباس کی مذکورہ پہلی روایت میں اسناد حقیقی والا معنٰی ہے (حاشیۃ الشھاب' جلد۹' صفحہ۵۱۴' فھو بمعناہ الحقیقی)۔

جب کہ پیش نظر اس دوسری روایت میں اسناد مجازی والا معنٰی مذکور ہے یعنی اس میں ضالاً بمعنی گمشدہ کی نسبت حضور کی طرف ہے اور اس میں ضالاً بمعنی گمراہ کی نسبت کفار کی جانب ہے۔

اس سے حضور کی شان عصمت کو بیان کرنا مقصود ہے جو آپ کے پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ عصمت خاصۂ نبوت ہے جو نبی ہونے کی دلیل ہے۔ اس طرح سے یہ روایت مصنف تحقیقات کے موقف کی مبطل ہے۔

اب ملاحظہ کیجئے آیت کی تفسیر درجۂ اربعہ سے۔

تفسیر آیت بقول تابعی سے: آیت ہٰذا کی تفسیر مفسرین طبقۂ تابعین سے بھی منقول ہے جن میں سے تین حضرa ت نے گمشدگی کے واقعات ہی کو اس کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اعنی جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیّب اور تابعی عظیم الشان حضرت کعب الاحبار اور تابعی کبیر المرتبت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم۔

○ چنانچہ حضرت سعید بن مسیّب اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ اپنے چچا جناب ابو طالب کے ہمراہ ایک قافلہ تجارت میں تشریف لے گئے حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ بھی ساتھ تھے۔ رات کی تاریکی میں ابلیس نے شرارت کر کے آپ کی سواری کا رُخ قافلہ سے مخالف سمت میں کر دیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فی الفور تشریف لا کر ابلیس پر ملکی وار کیا جس کے نتیجہ میں وہ سرزمین حبشہ یا ہند میں جا پڑا ''وردہ الی القافلۃ فمن اللہ تعالٰی علیہ بذلک'' حضور کو انہوں نے قافلہ میں پہنچا دیا پس اس حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔ (البحر المحیط' جلد۸' صفحہ۴۸۶۔ ابن کثیر جلد۴' صفحہ ۵۲۳ بحوالہ بغوی۔ خازن جلد۴' صفحہ۳۸۷۔ مدارک برہامش۔ خازن جلد۴' صفحہ۳۸۶۔ نیز کبیر صفحہ۲۱۷۔ حاشیۃ الشھاب' جلد۹' صفحہ ۵۱۴۔ بغوی جلد۴' صفحہ۴۹۹۔ شیخ زادہ علی البیضاوی جلد۴' صفحہ۶۶۹۔ جمل جلد صفحہ۵۵۲۔ نیز قرطبی جلد۱۰' صفحہ۶۶)۔

○ نیز حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا مدت رضاع کی تکمیل کے بعد حضور کو مکۃ المکرّمہ لائیں آپ مکہ شریف میں اچانک کھڑے کھڑے نظروں سے اوجھل ہو

گئے۔ پورے قبیلہ قریش نے حضرت عبدالمطلب کے ساتھ مل کر بہتیرا تلاش کیا اور پورا مکہ چھان مارا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ جناب عبدالمطلب نے کعبہ شریف میں آ کر طواف کیا اور انتہائی تضرع سے دعا کی اس کے بعد تلاش کرنے نکلے۔ حضرت ورقہ بھی ساتھ ہو گئے ''فاذا النبی ﷺ قائم تحت شجرة یلعب بالاغصان و بالورق'' تو اچانک نبی کریم ﷺ ایک درخت کے نیچے اس کی ٹہنیوں اور پتوں سے کھیل رہے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبدالمطلب مصروف طواف تھے کہ ابوجہل اپنی اونٹنی پر آپ کو اپنے آگے سوار کر کے لایا اور حضور کو عبدالمطلب کے سپرد کیا اور اونٹنی والا قصہ بھی سنایا جو اس سے پہلے عنوان کے تحت ابھی گزر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (البحر المحیط، جلد ۸ صفحہ ۴۸۶) نیز الجمل جلد ۴ صفحہ ۵۵۲۔ نیز قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۶۶۔ کبیر صفحہ ۲۱۷، پ ۳۰)۔

خلاصہ یہ کہ ''ووجدك ضالاً فھدٰی'' کے الفاظ کا تفسیری حوالہ سے مسئلۂ نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اسے مسئلۂ نبوت سے متعلق قرار دینا تاویل ہے تفسیر نہیں جو تفسیر سے متصادم ہونے کے باعث واجب الرد ہے ہاں اس کے دیگر وہ معانی جو نفس مضمون کے منافی نہیں اور شان نبوت کے موافق ہیں، سب صحیح ہیں

آیت کے مسئلۂ نبوت سے متعلق نہ ہونے کی تائید مزید از مفسّر قتادہ تابعی

ہمارے اس بیان کی تائید مشہور مفسّر قتادہ تابعی کے اس تفسیری قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے سورۂ والضحٰی میں وارد یتیماً، ضالاً اور عائلاً تینوں کے متعلق کیا ہے۔

چنانچہ ان کا ارشاد ہے: ''کانت ھذه منازل رسول الله ﷺ قبل ان یبعثه الله سبحنه و تعالٰی'' یعنی یہ تینوں رسول اللہ ﷺ کے اس زمانہ کے ذاتی احوال ہیں جب کہ ابھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو مبعوث نہیں فرمایا تھا۔

ملاحظہ ہو۔ (تفسیر ابن جریر، پ ۳۰، جلد ۱۲، صفحہ ۱۴۹۔ نیز تفسیر ابن کثیر، جلد ۴، صفحہ ۵۲۳ بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم)۔

اقول: منازل (ذاتی احوال) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ان کا مسئلہ نبوت سے کوئی تعلق نہیں.

اگر ''ضالاً عن النبوة'' صحیح ہو تو پھر یتیماً اور عائلاً کا بھی نبوت سے متعلق ہونا درست ہوگا جو صریح البطلان ہے یعنی یتیما عن النبوة اور عائلاً عن النبوة کہنا ہوگا جن کا ترجمہ بھی مضحکہ خیز ہے۔

واضح رہے کہ امام ابومنصور ماتریدی نے منازل کی بجائے ''احوال'' کے لفظ استعمال فرمائے ہیں اس

لیئے ہم نے بھی ترجمہ میں ''احوال'' کہا ہے۔(تأویلات' جلد۱' صفحہ۵۵۹' طبع بیروت)۔

علاوہ ازیں امام قتادہ (تابعی) نے ''قبل ان یبعثہ'' کے لفظ استعمال کیئے ہیں یعنی بعثت کی نفی کی ہے نفس نبوت کی نہیں کیونکہ بعثت' ارسال کا ہم معنٰی ہے جس سے آپ ﷺ کے پہلے سے نبی ہونے کا اشارہ ملتا ہے (و قد مرّ غیر مرّۃ).

بناءً علیہ اس زمانہ میں نفس نبوت کا ثبوت ایک ناقابل تردید حقیقت ہے پس ضـــالاً کے لفظ کو نفس نبوت کی نفی میں لینا کسی طرح صحیح نہ ہوا۔

مزید سنیئے:

مزید تائید از امام اہل سنت ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ: مزید یہ کہ امام اہل سنت ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان احوال کے بارے میں فرمایا کہ یہ دوسروں کے لیئے عیوب شمار ہوتے ہیں مگر آپ کے لیئے آپ کی شان کے طور پر وارد ہے ''و آیۃ لہ علی رسالتہ و نبوتہ'' اور آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہونے کے حوالہ سے۔

ملاحظہ ہو۔(تأویلات جلد۱' صفحہ۵۵۹)۔

اس سے بھی یہ امر ایک بار پھر متعین ہو گیا کہ زیر بحث آیت میں لفظ ضالاً کا نفس نبوت کی نفی کے لیئے ہونا ممکن نہیں کیونکہ نفس نبوت کی نفی میں معجزہ ہونے کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

مزید سنیئے۔

علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ **سے تائید**: اس کی تائید علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہاں آیت کے لفظ ضالاً کے ضمن میں پائے جانے والے ''ضلال'' کے مقابل ہدٰی نہ ہونے کے دلائل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام قبل از بعثت بھی معصوم ہوتے ہیں: ویؤکدھا ما روی فی قصۃ بحیرا الراھب (الٰی) فرای بحیرا علامات النبوۃ فیہ وھو صبی فاختبرہ بذلك الخ۔

ویؤکد ھذا شرح صدرہ ﷺ فی حال الصغر واستخراج العلقۃ منہ وقول جبریل ھذا حظ الشیطن منك وملأہ حکمۃ وایمانا' وقولہ ماضل صاحبکم وما غوٰی ''۔یعنی ہمارے اس دعوٰی کی دلیل بحیرا الراہب کا قصہ بھی ہے جس میں یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی علامات نبوت سے آپ کو پہچان کر یہ چیک کرنے کی غرض سے کی کہ آپ وہی ہستی ہیں جو موعود ہیں یا کوئی اور' آزمائشاً اس

انداز سے کلام کیا کہ میں آپ کو فلاں فلاں بت کے نام کا واسطہ دے کر آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں آپ نے اسے جھٹک کر فرمایا مجھے ان سے شدید نفرت ہے آپ میرے سامنے ان کا نام مت لیں پھر انہوں نے اللہ کا واسطہ دیا تو فرمایا جو جی میں آئے پوچھو۔

نیز آپ کی بچپن کی عمر میں آپ کا شق صدر مبارک کیا جانا اور اس موقع پر حضرت جبریل کا یہ کہہ کر کہ ''ھذا حظ الشیطٰن منك'' مزید حکمت وایمان سے قلب مبارک کو بھر دینا نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ما ضل صاحبکم و ما غوٰی بھی اس کی دلیل ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تفسیر الخازن' جلد۴' صفحہ ۳۸۷)۔

یہ عبارت بھی حضور کے پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہے لہٰذا اس سے بھی ضالًّا سے نفس نبوت کی نفی ثابت کرنا غلط ثابت ہوا۔

ترجمہ غزالی زماں کا اہم امتیاز:

امام اہل سنت' غزالی زماں' رازی دوراں حضرت مرشد کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں فرمایا ہے: اور آپ کو (اپنی محبت میں) گم پایا تو (اپنی طرف) راہ دی۔

ملاحظہ ہو (البیان' صفحہ ۷۷۲' طبع ملتان)۔

حضرت نے اپنے اس ترجمہ میں آیت کے تفسیری اور تاویلی دونوں معانی کو سمو دیا ہے اور لفظ ایسے استعمال فرمائے ہیں جو دونوں کو بیک وقت بخوبی ادا کرتے ہیں یعنی ''گم پایا''۔

اس سے گم ہو جانے کے واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے نیز محبت الٰہیہ میں گم ہونے کی جانب بھی۔ نیز تاویلی معنیٰ کو بریکٹ میں اور تفسیری معنیٰ کو بریکٹ سے باہر رکھ کر فرق مراتب کو بھی قائم رکھا۔ اس طرح سے کہ اگر بریکٹ کے الفاظ کو بالکل ہٹا دیا جائے تو تفسیری معنیٰ باقی رہ جاتا ہے جو ترجمہ اور حضرت مترجم کا خصوصی امتیاز اور دونوں کے اسم بامسمّٰی ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (فرحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ کاملۃ)۔

اب پڑھیے ان حوالہ جات کے جوابات جنہیں موصوف نے اپنا مؤید بنا کر پیش کیا ہے

آیت ہٰذا کے تحت پیش کیے گئے حوالہ جات سے جوابات

عبارت روح البیان سے جواب: ''فکان ابوطالب ھوالذی تکفل رسول اللہ ﷺ الی ان بعثہ اللہ تعالی'' (روح البیان' جلد ۱۰' صفحہ ۴۳۳)۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۲۲)۔

الجواب: علامہ حقی کا ان الفاظ سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ''الم یجدك یتیما فاوٰی'' میں جو احسان

جتایا گیا ہے اس کی توجیہہ یہ ہے کہ یتیم کو عموماً اپنے پاس اکرام واحترام سے رکھنا کوئی پسند نہیں کرتا لیکن حضور کا معاملہ اس کے برعکس ہے حضور جس جس کے بھی زیر کفالت رہے ایک تو انہوں نے آپ کو بڑی چاہت سے لیا دوسرے انتہائی اعزاز کے ساتھ اپنے پاس رکھا اور یہ سب خدا کے کرنے سے تھا۔

پھر حضور کس کس کی کفالت میں رہے؟ علامہ صاحب نے اسی کو بیان کرتے ہوئے مذکورہ الفاظ لکھے۔

یہ نہیں کہ حضور معاذ اللہ بعثت تک نبی نہیں تھے اس کے بعد بنے جب کہ بعثت کے لفظ پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہیں نفس نبوت کے منافی نہیں۔

عبارت ابن کثیر سے جواب: ''کانت هذه منازل رسول اللهﷺ قبل ان يبعثه الله''(تفسیر ابن کثیر، جلد۶، صفحہ۲۷۸)۔(تحقیقات، صفحہ۱۲۳)۔

الجواب: یہ مؤلف کے اپنے لفظ نہیں بلکہ معروف تابعی مفسر قتادہ کا قول ہے ابھی چند سطور قبل ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ ان الفاظ کا مسئلہ نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر اس میں ''قبل ان يبعثه'' کے الفاظ ہیں جو نفس نبوت کے ثبوت کی دلیل ہیں نفی کی نہیں (وقد مرايضاً)۔

عبارت امام ماتریدی سے جواب: ''ووجدك ضالًّا عن النبوة فهداك للنبوة وهو قريب مما ذكرناه''(تأویلات اہل سنت، جلد۱۰، صفحہ۵۶۱)۔

الجواب: یہ الفاظ امام اہل سنت ماتریدی کے اپنے نہیں ہیں بلکہ کسی اور شخص کے ہیں جس کی آپ نے تصریح فرما دی ہے۔ چنانچہ عبارت کے شروع میں لکھا ہے: ''وقال بعضهم'' بعض کا یہ قول ہے۔ قائل کون ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا نیز یہ کہ آپ خود بھی اس کے قائل ہیں؟ ایسا بھی کوئی لفظ نہیں ہے جس کا یہ معنٰی ہو۔

بہر حال آپ نے یہاں جمع اقوال کے طور پر اسے نقل کیا ہے اپنا عقیدہ ہونے کی غرض سے نہیں۔ جسے امام موصوف اس حوالہ سے لا بھی نہیں سکتے کیونکہ آیت کا مسئلۂ نبوت کے متعلق نہ ہونا ایک حقیقت ہے جیسا کہ ابھی دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ پس اسے نفی نفس نبوت میں سمجھنا ایک سطحی ذہنیت ہے جب کہ حضرت علم کے بہت بلند معیار پر ہیں۔

نیز امام سالمی ماتریدی نے تمہید (عربی صفحہ ۶۷،۶، مترجم اردو صفحہ ۱۶۶،۴۵ وغیرہا) میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اہل سنت (خصوصاً ماتریدیہ) کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی ہمیشہ نبی ہوتا ہے قبل از اعلان نبوت اور بچپن کی عمر میں بھی اور یہ بھی ساتھ لکھا ہے کہ جو یہ نہ مانے وہ کافر ہے۔

لہٰذا مصنف تحقیقات کا حضرت امام ابومنصور ماتریدی کو اس کا قائل نہ ہونا ظاہر کرنا موصوف کا حضرت پر افتراء شدید اور بہتان عظیم ہے۔

علاوہ ازیں حضرت امام نے آیت کے شروع بحث میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ محبوب! اگر میری کرم نوازی آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو (آپ جس عمومی کفریہ ماحول میں پیدا ہوئے اس میں رہے جس سے کوئی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تو) آپ بھی اس سے متاثر ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے ہر طرح بچائے رکھا فلم یجدك ضالاً تو آپ ضال ہیں ہی نہیں (تأویلات' صفحہ ۵۶۱٬۵۶۰)۔

نیز خود منقولہ عبارت سے پانچ سطر قبل یہ لفظ بھی لکھے ہیں: ''وقال بعضهم ووجدك ضالاً ای وجدك بين قوم ضلال فهداك ای اخرجك من بينهم الخ۔

حاشیہ میں ہے قالہ ابن عباس کما فی الدر المنثور۔

جسے موصوف نے یقیناً پڑھا کیونکہ انہوں نے بھی اسی مطبوعہ کا حوالہ دیا ہے۔

اقول: یہ بعینہٖ وہی تفسیر ہے جو حضرت ابن عباس سے منقول ہے جو باحوالہ پیش کی جا چکی ہے۔ پس موصوف نے صرف اسی کا کیوں انتخاب کیا اور اسی کو کیوں چنا ہے جس سے ان کے حسبِ زعم نفی شان ثابت ہوتی ہے۔ کیا یہی للّٰہیت ہے اور کیا حب رسول کا یہی تقاضا ہے؟ ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم

نوٹ: موصوف کے ایک شاگرد نے یہی عبارت ''جاهلا عن النبوة'' کے الفاظ سے لکھی تھی جس پر فقیر نے دعوت رجوع میں شدید احتجاج کیا مصنف تحقیقات نے ''جاهلا'' کے لفظ نہیں لکھے اس پر فقیر نے تنبیہات جلد اوّل طبع اوّل صفحہ ۱۵۱ پر ان سے سؤال کیا تھا کہ ''اگر یہ لفظ صحیح تھے تو اڑائے کیوں گئے' غلط تھے تو مطالبہ کے باوجود اس کی تردید کیوں نہ کی گئی''؟ جو بدستور قائم ہے۔

عبارت ابن جریر سے جواب: ''عن قتاده (الی) قال كانت هذه منازل ''الخ (تفسیر جامع البیان' جلد ۱۵' صفحہ ۲۹۳)۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۲۳)۔

الجواب: یہ بعینہ وہی عبارت ہے جو موصوف نے ابن کثیر کے حوالہ سے پہلے لکھی ہے جس کا جواب ابھی گزرا ہے کیونکہ ابن کثیر نے بھی اسے ابن جریر سے لیا ہے چنانچہ ان کے لفظ ہیں: ''رواه ابن جرير وابن ابی حاتم''۔ (ابن کثیر جلد ۴' صفحہ ۵۲۳)۔

پس موصوف اسے محض حوالہ جات کا نمبر بڑھانے اور کتاب کا حجم بنانے کے لیۓ علیحدہ لائے ہیں۔ پرلطف بات یہ کہ اسے نقل کر کے انہوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ: ''یہی مضمون اور مفہوم علامہ ابن کثیر کے

حوالے سے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے''۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۲۳)۔

عبارت قرطبی سے جواب: ''ای غافلا عما یراد بك من امر النبوة فهداك ای ارشدك'' (تفسیر قرطبی' جلد ۲۰' صفحہ ۹۲)۔

یعنی ضال سے مراد یہ ہے کہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جو ارادہ نبوت عطا کرنے کا تھا اس سے آپ کو غافل پایا تو اس کی طرف ہدایت اور رہنمائی فرمائی۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۲۳)۔

الجواب: علامہ قرطبی نے صرف یہی الفاظ نہیں لکھے بلکہ متعدد اقوال نقل کیۓ ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''ووجدك ضالا ای فی قوم ضلال فهداهم الله بك'' نیز ووجدك قومك فی ضلال فهداك الی ارشاد هم ''یعنی معنٰی یہ ہے کہ اس نے آپ کو گمراہ لوگوں میں بھیج کر انہیں آپ کے طفیل ہدایت دی نیز آپ کی قوم کو گمراہ پایا اور آپ کو ان کی ہدایت کے لیۓ متوجہ فرمایا۔

علاوہ ازیں گمشدگی کے بیان والی روایات بھی لائے ہیں جن کے حوالے پہلے آ چکے ہیں۔

پس محض من مانے الفاظ کو لے لینے میں کیا حکمت ہے ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے

سب سے اہم یہ کہ موصوف نے جو قول نقل کیا ہے وہ امام قرطبی کا مختار بھی نہیں ہے جس کی وضاحت امام ممدوح نے اس مقام پر خود کر دی ہے۔

چنانچہ بہت سے اقوال نقل کرتے ہوئے سب سے آخر میں جو قول وہ لائے ہیں یہ ہے کہ ریگستان میں جو درخت اکیلا ہو جسے دیکھ کر راہ گیر اپنی سمت متعین کرتے ہوں' عرب اسے ضَالَّۃ کہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے اپنے محبوب سے اس ارشاد ''ووجدك ضالا '' کا مطلب یہ ہوگا ''لااحد علی دینك وانت وحید لیس معك احد فهديتك بك الخلق الی یعنی محبوب! آپ کے دین پر کوئی نہیں تھا آپ بالکل تن تنہا اور اکیلے تھے تو میں نے آپ کے صدقہ میں مخلوق کو اپنی طرف ہدایت دی۔

امام موصوف نے اس کے بعد لکھا ہے یہ تمام اقوال اپنے اپنے محامل رکھتے ہیں جن میں سے کچھ معنوی اور کچھ حسی ہیں'' والقول الاخير اعجب الی لانه يجمع الاقوال المعنوية'' میرا پسندیدہ قول آخری ہے کیونکہ یہ تمام معنوی خوبیوں کا حامل ہے۔

ملاحظہ ہو (تفسیر قرطبی' جلد ۱۰' پ ۳۰' صفحہ ۶۶' ۶۷ طبع بیروت)۔

اس سے معلوم ہوا کہ موصوف نے کمال دیانت سے کام لیتے ہوئے امام قرطبی پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

مزید یہ کہ موصوف نے آیت کا جو ترجمہ پیش کیا ہے وہ قرطبی سے نقل کردہ ان کے الفاظ سے بالکل

خلاف ہے۔ موازنہ کر کے دیکھ لیں۔

پھر یہ بھی لائق ذکر بات ہے کہ موصوف نے ترجمہ لے لیا ہے کنزالایمان شریف سے لیکن تفسیر کے لیئے رابطے کیئے ہیں دوسری کتاب سے اور وہ بھی محض من پسند طریقہ سے۔ جب کہ کنزالایمان شریف تحت لفظی ترجمہ نہیں بلکہ اس کی مجموعی حیثیت تفسیر اور خلاصہ کی ہے۔ گویا دوسرے اقوال وہ محض کنزالایمان شریف کے ردّ کے لیئے لائے ہیں۔ فیاللعجب۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

امام رازی کی نقل کردہ عبارت نمبر ۱ سے جواب: ''ثامنها کنت ضالًّا عن النبوة ما کنت تطمع فی ذلك ولا خطر شیٔ من ذلك فی قلبك فان الیهود والنصاری کانوا یزعمون ان النبوة فی بنی اسرائیل فهدیتك الی النبوة التی ما کنت تطمع فیها البتة''۔ (کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۷)۔ (تحقیقات صفحہ ۲۴)۔

الجواب: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں محض جمع اقوال فرماتے ہوئے ان توجیہات کو یک جا کرنے کے فن پر عمل کیا ہے جو انہیں دستیاب ہوئیں جس سے مقصود تصویر کے دونوں رخوں کا سامنا لانا ہوتا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جامع اور ناقل ان سب کا معتقد بھی ہے۔

چنانچہ ان توجیہات کو لانے سے پہلے آپ نے شروع میں لکھا ہے ''ثم ذکروا فی تفسیر هذه الآیة وجوها کثیرة'' یعنی اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بہت سی وجوہ بیان کی ہیں۔ (کبیر صفحہ ۲۱۶ پ ۳۰)۔

جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خود معترض کی نقل کردہ اس عبارت کے اول میں ''ثامنها'' کے لفظ ہیں جس کا ترجمہ یہ کیا ہے ''اس آیت کریمہ کی آٹھویں تاویل اور توجیہ''۔ (تحقیقات صفحہ ۱۲۴)۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سات توجیہات اس سے پہلے بھی مذکور ہیں۔

نیز دوسری پیش کردہ عبارت کے آغاز میں ''العشرون'' کے لفظ ہیں جس کا ترجمہ انہوں نے اس طرح لکھا ہے: ''اس آیت کریمہ کی بیسویں توجیہ''۔ (تحقیقات صفحہ ۱۲۴)۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ انیس توجیہات مزید ہیں آٹھویں نمبر کے بعد جن کی تعداد بارہ بنتی ہے۔

اقول: بیان کردہ ان توجیہات میں ایک توجیہ آپ ﷺ کی گمشدگی والی بھی ہے جو موقوفاً مرفوعاً دونوں طرح سے مذکور ہے۔ (کبیر صفحہ ۲۱۷ پ ۳۰ توجیہ نمبر ۲ و ۳ و ۴)۔

نیز ایک توجیہ ریگستان میں اکیلے درخت والی بھی ہے جو گم گشتگان راہ کے لیئے سمت کو سیدھا کرنے کا کام دیتا ہو جس کی تفصیل عبارت قرطبی میں گزری ہے۔ (کبیر صفحہ ۲۱۷ توجیہ نمبر ۶)۔

نیز ایک توجیہ یہ بھی مذکور ہے کہ ضالًّا سے مراد کفار ہیں فھدٰی کا مطلب ہے اللہ نے انہیں آپ کے ذریعہ ہدایت دی۔ (کبیر صفحہ ۲۱۷ توجیہ نمبر۹)۔

تو آخران میں سے کسی کو لے کر بیان کرنے کی بجائے توجیہ نمبر ۸ ہی کو منتخب کرنے کی وجہ اور اس میں کوئی خاص حکمت کیا ہے؟ کیا یہی للّٰہیت اور حبّ رسول کا تقاضا ہے؟

ہم نے شروع بحث میں واضح کر دیا ہے' نیز عبارت امام ماتریدی میں بھی دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ توجیہ تأویل ہے تفسیر نہیں اور جو تفسیر ہے اس کی رو سے آیت کا مسئلہ نبوت سے تعلق ہی نہیں ہے۔

نیز باب ہشتم میں امام رازی کی ایک عبارت کی بحث میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت موصوف حضور کے قدم نبوت کے قائل ہیں نیز اعلان نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے نبی ہونے پر ان کی تصریحات موجود ہیں۔ اب پڑھیئے ان کی دوسری عبارت کا جواب۔

امام رازی کی پیش کردہ عبارت نمبر ۲ سے جواب:

''العشرون روی عن علی علیہ السلام عن النبی ﷺ انہ قال ما هممت بشئ مما كان اهل الجاهلية يعملون به غير مرتين كل ذلك يحول الله تعالى بيني وبين ما اريد من ذلك ثم ما هممت بعدهما بسوء حتى اكرمني الله برسالته''۔ (کبیر جلد ۳۱' صفحہ ۲۱۸) میں نے کبھی بھی کسی کام کا ارادہ نہیں کیا جو اہل جاہلیت کرتے تھے سوائے دو دفعہ کے اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان افعال کے درمیان حائل ہو گیا حتّٰی کہ مجھے اپنی رسالت کے ساتھ مکرم و مشرف ٹھہرایا۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۲۴)۔

الجواب: روایت ہٰذا کو مصنف تحقیقات کا اپنے موقف کے مؤید سمجھنا ان کی خوش فہمی ہے۔ یہ دراصل ہماری مؤید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حائل ہو جانے کا مطلب عصمت ہے جو خاصۂ نبی ہونے کے باعث دلیل نبوت ہے جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ حضور اس وقت نبی تھے اسی لیئے ''حتى اكرمني الله برسالته'' فرمایا ہے بنبوته نہیں فرمایا جب کہ رسالت پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہے (کما مرّ مراراً)۔

اس کی مکمل بحث مستقل عنوان کے تحت اسی باب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

عبارت تفسیر عزیزی سے جواب: عبارت تفسیر کبیر میں جن دو قصوں کا اجمالی ذکر تھا' مصنف تحقیقات نے ان کی تفصیل کے لیئے تفسیر عزیزی فارسی کی عبارت کے دو من مانے طویل ٹکڑے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ''فخر المتأخرین حضرت شاہ عبدالعزیز اسی آیت کریمہ کی تفسیر اور جن دو نامناسب امور کا آپ نے ارادہ فرمایا ان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی یافت ترا راہ گم کردہ پس راہ نمود ترا (الیٰ) تعطش و بے

تابی والم نایافت تعبیر بہ گم گردن راہے فرمودند (آگے ان دو واقعات کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے اعلان نبوت سے پہلے دو مختلف مواقع پر شادی کی دو محفلوں میں شرکت کے لیئے تشریف لے جانا چاہا لیکن جب وہاں پہنچے تو آپ پر سخت نیند کا غلبہ ہو گیا اور آپ بالکل غیر متوجہ ہو گئے، بیداری اس وقت ہوئی جب شرکاء محفل چلے گئے بلکہ رات ختم ہو گئی حتی کہ دن بھی روشن ہو گیا)۔ (تفسیر عزیزی، پ عم ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲)۔

آگے لکھا ہے: ''صاحب دلائل نبوت نے اس روایت کو مفصل طور پر نقل کرتے ہوئے آخر میں نقل فرمایا فو اللہ مـا هـمـمـت ولا عـدت بـعـدهـا لشيءٍ مـن ذلك حتى اكرمني الله عزو جل بنبو ته۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۲، صفحہ ۳۴)۔

اس حدیث کو امام سیوطی نے خصائص کبرٰی میں، امام حاکم نے مستدرک میں اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر فرمایا ہے۔ نیز شفاء (جلد ۱، صفحہ ۸۰) پر بھی یہ روایت موجود ہے (ملخصاً)۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۲۴ تا ۱۲۹)۔

الجواب: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فی نفسہ مقتدائے اہل سنت ہیں اور ہمارے مشائخ عظام سے ہیں جن کی علمیت اور ثقاہت مسلّم ہے لیکن ان کے حقیقی بھتیجا مولوی اسمٰعیل دہلوی نے خاندانی سنّی مسلک کو چھوڑ کر وہابیت اختیار کر لی تھی جس کے بعد رفتہ رفتہ وہ خاندانی بزرگوں کے علمی اثاثوں پر قابض ہو گیا جن میں حضرت شاہ صاحب کی کتب بھی شامل ہیں جن میں حسب دل خواہ ملاوٹیں کی گئیں جس کی ایک مثال وما اهل به لغير الله کی بحث بھی ہے جو تفسیر عزیزی میں وہابی عقیدہ کے مطابق داخل کی گئی ہے جس کی تصریح حضرت شاہ رؤف احمد مجددی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب تفسیر رؤفی میں فرمائی ہے۔

الغرض حضرت شاہ صاحب کی کتب مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے پیروکاروں کے ہاتھوں منظر عام پر آئیں اس لیئے وہ مدسوس ہیں جب کہ اہل سنت میں وہ متداول بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا آپ کی کتب میں جو عبارتیں نظریات وہابیہ سے مطابقت رکھتی ہیں وہ ان لوگوں کی کارگزاریوں کا نتیجہ ہیں اس لیئے وہ واجب الرّد ہیں۔

زیر بحث آیت کی تفسیر کے نام پر ضالاً کے بارے میں بیان کی گئی تفصیل کا بیشتر حصہ بھی اسی قبیل سے ہے اس لیئے وہ لائق احتجاج نہیں ہے۔ اور اس میں ایسی لایعنی باتیں مذکور ہیں جن کا لکھنا حضرت شاہ صاحب سے متصور نہیں ہو سکتا۔ مثلاً مصنف تحقیقات نے تفسیر عزیزی کا جو پہلا ٹکڑا پیش کیا ہے اس میں حضور کی نسبت سے لکھا ہے کہ آپ حد بلوغت کو پہنچنے کے بعد غسل جنابت، ملتِ ابراہیم علیہ السلام کے مطابق کرتے تھے۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۲۵، ۱۲۷) جو صریح البطلان ہے کیونکہ آپ کی شادی پچیس سال کی عمر شریف میں ہوئی جب کہ آپ احتلام

سے پاک تھے پس غسل جنابت کے کیا معنیٰ؟ جب کہ یہ ہے بھی پوشیدہ امور سے جس کے متعلق کوئی آیت یا حدیث بھی پیش نہیں کی گئی۔ بناءً علیہ یہ بات تفسیر عزیزی میں ملاوٹی ہے۔

اس اصولی بحث کے بعد اگر چہ مزید کچھ لکھنے کی حاجت نہیں ہے تاہم مصنف تحقیقات کے استدلال کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لیئے ابھی کلام کی بہت گنجائش ہے فاقول و باللہ التوفیق۔

- اسی تفسیر عزیزی میں آیت کی کئی توجیہات موجود ہیں جیسے آیت کا پس منظر حضور کی گمشدگی کے واقعات کا ہونا نیز ضلال بمعنیٰ محبت وعشق الٰہی وغیرہ۔ ملاحظہ ہو (تفسیری عزیز فارسی' پ۳۰' صفحہ ۳۱۴)۔ تو انہیں چھوڑ کر آگے پیچھے کی عبارات کے من مانے ٹکڑوں کو کس حکمت کی بنیاد پر چنا گیا ہے۔
- اس سے قطع نظر و برتقدیر تسلیم اس بحث کو لانے سے حضرت شاہ صاحب کا مقصود نفس نبوت کی نفی کرنا نہیں اور نہ ہی ان کی عبارت کا کوئی ایسا لفظ ہے جس کا معنی نفس نبوت کی نفی ہو بلکہ عبارت میں متعدد الفاظ ایسے پائے جاتے ہیں جن سے قبل از اعلان نبوت آپ ﷺ کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔
- مثلاً اونٹنی کے ابوجہل سے کلام کے واقعہ پر (جس کی تفصیل شروع بحث میں باحوالہ گزری ہے) یہ عنوان دیا گیا ہے: ''معجزہ دیدن ابوجہل درایام طفولیت'' یعنی حضور کے بچپن کی عمر میں ابوجہل کا' آپ ﷺ کا معجزہ دیکھنا۔ (عزیزی' پ۳۰' صفحہ ۳۱۴)۔ جب کہ معجزہ نبی کا ہوتا ہے غیر نبی کا نہیں۔
- نیز اسی میں اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ نے کعبہ شریف میں بتوں کے سامنے حضور کا نام لیا تو ''ہمہ بتاں سرنگوں افتادند الخ سب بت اوندھے گر گئے اور ان سے آوازیں آنے لگیں کہ یہی تو ہیں جن کے ہاتھوں ہماری بربادی ہونی ہے۔ یہ بھی آپ کا معجزہ ہے جو دلیل نبوت ہے۔
- مزید لکھا ہے کہ تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام ''قبل از بعثت'' بھی کفر کجا دیگر گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۳۱۴)۔
- نیز حضور کے لیئے بھی خصوصیت کے ساتھ ''پیش از بعثت'' کے لفظ استعمال کیئے ہیں۔ (صفحہ ۳۱۴)۔
- نیز شادی کی تقریبات میں شرکت کے مذکوردو واقعات کے بیان کے ضمن میں لکھا ہے: عصمت اوتعالیٰ درمیان من و درمیاں آں کار حائل شد''۔
- نیز ''بعثت اوتعالیٰ محفوظ ماندم''۔ ''آں عصمت دوبالا ساخت''۔ (صفحہ ۳۱۴' ۳۱۵)۔

اقول: عصمت خاصّہ نبوت ہے جو نبی ہونے کی دلیل ہے جب وہ قبل از اعلان نبوت ایک حقیقت ثابتہ ہے تو اس عرصہ میں آپ ﷺ کا نبی ہونا بھی ایک نا قابل تردید حقیقت ہوا۔

○ اسی طرح پیش وقبل از بعثت کے الفاظ بھی پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہیں کیونکہ بعثت' بمعنی ارسال یعنی نبی کو حکم تبلیغ دے کر بھیجنا ہے۔

○ مزید لکھتے ہیں: ''تا آنکہ حق تعالیٰ مرا بہ رسالت نواخت''۔ (صفحہ ۳۱۵)۔

یہ الفاظ بھی آپ کے پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہیں کیونکہ رسالت کا معنٰی ہے بھیجنا جو آپ کے پہلے سے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے ﷺ۔

نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بعض روایات میں جو ''اکرمنی اللہ بنبوتہ'' کے لفظ آئے ہیں ان میں نبوت بمعنی رسالت ہے۔

الغرض ان عبارات سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا قبل از اعلان نبوت حضور کے لیے نفس نبوت کا قائل ہونا ثابت ہوتا ہے لہٰذا مصنف تحقیقات کا ان کے بارے میں اس کے برخلاف تأثر دینا غلط اور بالکل خلاف واقعہ امر ہے

نیز سیّدِ عالم کے متعلق یہ الفاظ کہ ''جن دو نامناسب امور کا آپ نے ارادہ فرمایا'' بھی مصنف تحقیقات کے اپنے لفظ ہیں حضرت شاہ صاحب نے اس طرز سے کلام نہیں فرمایا۔ جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

اس بارے میں مزید عرض ہے کہ مذکور روایت میں جن دو واقعات کا ذکر ہے دلائل النبوۃ بیہقی وغیرہ میں مصرح ہے کہ وہ شادی اور نکاح کی تقریبات تھیں۔ ملاحظہ ہو۔ (جلد۲ صفحہ۲۷ طبع قاہرہ)۔

ظاہر ہے کہ ایسی تقریبات میں ایک عام آدمی بھی بن بلائے نہیں جاتا تو عرب کے سب سے معزز خاندان بنو ہاشم کا فرد اور وہ بھی وہ جو سب سے محترم یعنی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بغیر بلائے ہرگز شریک نہ ہوئے بلکہ آپ کو مدعو کیا گیا بلکہ منت سماجت کی گئی کہ قدم رنجہ فرما کر ہمیں سعادت بخشیں اور رونق کو دوبالا فرمائیں۔ حضور نے بھی عہد فرما لیا جس کی پاسداری اور محض ان لوگوں کی دل جوئی کے لیے حضور تشریف لے گئے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ لہو ولعب کو دیکھنے کے شوق کی بناء پر نہیں جیسا کہ مصنف تحقیقات کے بے ایمان قلم سے مترشح ہو رہا ہے کیونکہ جب خود موصوف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ نبی قبل از اعلان نبوت بھی معصوم ہوتا ہے جس پر اجماع ہے اور اس کا منکر کافر اور جہنمی ہے۔ (تحقیقات' صفحہ) تو حضور خلاف عصمت کام کا پروگرام کیسے بنا سکتے ہیں؟

علامہ خفاجی لکھتے ہیں: ''یعنی انه صلی اللہ علیه وسلم جلس قبل تعاطیهم اللهو فغلبه النوم حتی لم یسمع شیئا من ذلك لعصمة اللہ له ﷺ ومجرد همه بذلك وارادته لا حرج فیه (الی)

علی انه لم یکن حرم علیه شیٔ من ذلك (الی) وھو صلی الله تعالیٰ علیه وسلم متشرع به غیر مسلم (شرح الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۱۵)۔

مزید یہ کہ موصوف نے جس خصائص کبریٰ کا نام لیا ہے اور اسے بغور پڑھا نہیں ہے اس میں اس سلسلہ کی ایک روایت میں صراحۃً یہ لفظ موجود ہیں: ''وقد کنت علی میعاد ین ''یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دو تقریبات میں، میں نے جو شرکت کی تھی وہ محض اس لیے تھی کہ میں نے ان لوگوں سے زبان کر لی تھی اور انہوں نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا جسے پورا کرنے کی غرض سے میں گیا تھا۔

ملاحظہ ہو (جلد ۱ صفحہ ۹۹، بحوالہ طبرانی، ابونعیم، ابن عساکر عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ)

اور ایمانی سوچ سے دیکھا جائے تو حضور کی ان تقریبات میں شرکت سے بھی اس حکمت کی تکمیل اور اس حقیقت کا اظہار ہو گیا کہ آپ واقعی ہر گناہ سے معصوم ہیں۔ معصوم نہ ہوتے تو نیند کی وہ کیفیت طاری نہ ہوتی اور آپ بھی ان شرکاء کا حصہ بنتے۔

جس کی اور بھی بے شمار مثالیں ہیں جیسے عہد قریش میں تعمیر کعبہ کے لیئے پتھر اٹھا لاتے ہوئے حضرت عباس کے کہنے پر تہبند مبارک اتار کر اسے پتھروں سے بچانے کے لیئے سر اقدس پر رکھتے ہی آپ کا بے ہوش ہو جانا وغیرہ ﷺ۔

قرآن مجید میں شان عصمت نبوت کی ایک مثال سورۂ یوسف کی حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ آیت بھی ہے جو اس طرز سے ہے ولقد همت به۔وهم بها لو لاان رای برهان ربه الاية۔

خلاصہ یہ کہ شاہ صاحب کی پیش کردہ عبارات بھی کسی طرح مصنف تحقیقات کے مفید مدعا نہیں اور نہ ہمیں کچھ مضر ہیں بلکہ ہماری مؤید ہیں۔

نیز یہ کہ ان کا نفس نبوت کی نفی کو شاہ صاحب سے منسوب کرنا غلط اور ان پر افتراء ہے اور جو موصوف نے ''نامناسب امور کا ارادہ فرمایا'' کے لفظ استعمال کیئے ہیں دائرۂ ادب سے باہر ہیں جو چیز شان تھی اسے انہوں نے کسر شان بنا کر پیش کیا ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے اتنی کم ہے۔ فقط و الحمد لله۔

باب یازدہم

بالقوۃ اور بالفعل کی بحث

مغالطہ نمبر۳۵ (چالیس سال سے پہلے بالقوۃ نبی تھے بعد میں بالفعل بنے' نہ ماننے والے جاہل اور زمرۂ عقلاء سے خارج ہیں) **کا ازالہ**

مصنف تحقیقات حضور سید عالم ﷺ کو تخلیق آدم علیہ السلام سے ولادت باسعادت تک (جو آپ کم وبیش چھ ہزار سال اپنے آباء واجداد اور امہات وجدّات کے ارحام واصلاب میں جلوہ فگن رہے اس مدت میں بھی) بالفعل نبی مانتے نظر نہیں آتے۔ (تحقیقات صفحہ ۳۱' ۳۳' ۳۴' ۳۵)۔

اسی طرح ولادت باسعادت سے چالیس سال کی عمر شریف تک بھی ان کو آپ کے بالفعل نبی ہونے سے انکار ہے بلکہ وہ اس میں سراپا تحریک بنے ہوئے ہیں جس پر انہوں نے پورا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ کی عالم ارواح والی نبوت' روح مبارک کے جسم مبارک میں جلوہ فرما ہونے کے بعد بالفعل نہ رہی' غیر مؤثر ہوگئی جس کے لیے انہوں نے بار بار" بالقوۃ نبوت "اور" بالقوۃ نبی "کے لفظ استعمال کیے۔ نیز یہ کہ چالیس سال تک بالفعل نبی نہ تھے وغیرہ (ملخصاً)

حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۲' ۲۳' ۲۴' ۲۵' ۲۹' ۳۰' ۳۱' ۳۹' ۴۰' ۱۰۵' ۱۱۰' ۱۱۶' ۱۱۷' ۱۲۷' ۱۴۱' ۱۴۳' ۱۴۸' ۱۵۰' ۱۵۲' ۱۷۱' ۱۹۶' ۲۱۸' ۲۲۳' ۲۲۵' ۲۲۹' ۲۴۶' ۲۴۸)۔

ایک مقام پر ان کے لفظ ہیں کہ "جس سے نبوت بالقوۃ تو ثابت ہو سکتی ہے بالفعل نبوت کا تحقق اور ثبوت لازم نہیں آتا جب کہ محل نزاع بالفعل نبوت ہے"۔ (تحقیقات صفحہ ۲۱۳)۔

جس کے لیے موصوف نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ دنیا والی نبوت کو عالم ارواح والی نبوت کا عین ٹھہرانا اور اس کو اسی کا تسلسل اور دوام ٹھہرانا قطعاً درست نہیں ہے بلکہ وہ علیحدہ نبوت ورسالت ہے اور یہ علیحدہ"۔

(ملخّصاً بلفظہ)۔

نیز اسے نہ ماننے والوں کے لیئے یہ الفاظ استعمال کیئے ہیں کہ "ہمارا واسطہ ایسے مجتہدین سے ہے جنہیں (الیٰ) ذرہ بھر علم نہیں ہے" آغاز ولادت سے بالفعل نبوت ثابت کرنا کسی عقل مند آدمی کا کام نہیں ہوسکتا"۔

نیز قائلین کو "زمرۂ عقلاء سے خارج" قرار دے کر لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے عقول او ذہان کو چھٹی دے رکھی ہے" (ملخّصاً بلفظہ) ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات صفحہ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۲۳)۔

الجواب: "بالقوۃ نبی تھے" کے الفاظ سے عام قارئین کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ مصنف تحقیقات اس عرصہ میں آپ ﷺ کے نبی ہونے کے منکر نہیں بلکہ وہ اس کے ماننے والے ہیں جنہیں ان کے خصوم کا اس کا منکر ٹھہرانا ان کی موصوف پر بہت بڑی زیادتی ہے جب کہ انہوں نے بھی اسی نیت سے ان الفاظ کا انتخاب کیا ہے تا کہ لوگ لفظوں کے بوجھ تلے دب کر رہ جائیں اور مولانا اپنا کام دکھادیں۔ سب سے پہلے یہ سمجھئے کہ بالقوۃ نبی کہنے کا مقصد آپ ﷺ کے نبی ہونے کی نفی کرنا ہی ہے لاغیر جس کا وہ خود بھی خدا کے کرنے سے اپنی اس کتاب میں اقرار کر بیٹھے ہیں۔

بالقوۃ اور بالفعل کا مطلب: تفصیل اس کی یہ ہے کہ علماء شان نے بالقوۃ اور بالفعل کی تعریفات حسب ذیل الفاظ میں تحریر فرمائی ہیں:

- **امام رازی سے**: چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ "قوۃ" کی بحث میں ارقام فرماتے ہیں ض

انھم نقلوا اسم القوة الی ذلك الجنس وھو كل صفة مؤثرة فی الغیر و الی ذلك اللازم وھو الامكان فیقولون للثوب الابیض انه اسود بالقوة ای یمكن ان یصیراسود۔ثم انھم سموا الحصول و الوجود فعلا وان لم یكن فی الحقیقة فعلا بل انفعالا فانه لما كان المعنی الذی وضع اسم القوة له اولا كان متعلقاً بالفعل فھا ھنا لما سموا الامكان بالقوة سمواالامر الذی یتعلق به الامكان وھو الحصول والوجود بالفعل"۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل فلسفہ کے نزدیک قوۃ کا ایک معنٰی ہے "كل صفة مؤثرة فی الغیر" ہر وہ صفت جو دوسرے پر اثر ڈالے۔ دوسرا معنٰی ہے امکان یعنی کسی امر کا ممکن ہونا مثلاً سفید کپڑے کے متعلق وہ یہ لفظ استعمال کرتے ہیں کہ "انه اسود بالقوة" وہ بالقوۃ سیاہ ہے۔تو اس کا معنٰی یہ ہے کہ اس کا سیاہ ہوجانا ممکن ہے۔ پھر جب وہ ممکن امر ثابت اور موجود ہوجائے تو وہ اسے فعل کا نام دیتے ہیں اور یہاں فعل سے ان کی

مراد فعل متعدی ہی نہیں ہے بلکہ فعل لازم بھی اس میں شامل ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (المباحث المشرقیۃ جلد ۱ صفحہ ۳۷۹، ۳۸۰ طبع ایران)۔

• **علامہ ابہری** سے: نیز هداية الحكمة میں تلمیذ امام رازی علامہ ابہری لکھتے ہیں: ''القوة هی الشئ الذی هو مبدأ التغير فی شئ آخر من حيث هو آخر'' (صفحہ ۵۵ فصل فی القوة والفعل)۔

• **میبذی** سے: اس کی شرح میں علامہ میبذی لکھتے ہیں: ''ان القوة قد يطلق على امكان الحصول مع عدمه۔ وهذا المعنى يقابل الفعل بمعنى الحصول فالمناسب ان يقتصر على ذكر القوة فی عنوان الفصل''۔

خلاصہ یہ کہ ''قوۃ'' کا ایک معنٰی وہی ہے جو مصنف نے ذکر کیا ہے جب کہ قوت کا ایک اور معنٰی بھی ہے جو ''امكان الحصول مع عدمه'' ہے یعنی غیر حاصل کے حاصل ہونے کا امکان بلفظ دیگر جو چیز حاصل شدہ نہ ہو اس کے حصول کا ممکن ہونا۔ قوۃ کا یہ مفہوم ''فعل'' کا مقابل ہے جو حصول کے معنٰی میں ہے۔ پس مناسب یہ تھا کہ مصنف عنوان فصل میں ''القوة'' کے لکھنے پر اکتفاء کرتے۔

ملاحظہ ہو (میبذی مع هداية الحكمة، صفحہ ۳۴۸، ۳۴۹ طبع ایچ ایم سعید کراچی)۔

• علامہ **عبدالنبی** بن عبدالرسول رحمہ اللہ تعالیٰ سے:

علامہ عبدالنبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں: ''ان القوة بمعنى امكان حصول الشئ مع عدم تقابل الفعل بمعنى الحصول فی احد الازمنة''۔

خلاصہ یہ کہ ''قوۃ'' کا مطلب ہے غیر حاصل شدہ چیز کے حاصل ہونے کا ممکن ہونا جب کہ فعل کا مطلب ہے اس چیز کا تین زمانوں میں سے کسی زمانے میں حاصل ہو جانا جس کا حصول ممکن تھا۔ (دستور العلماء، جلد ۳، صفحہ ۳۶، ۹۴، طبع میر محمد کراچی)۔

• **علامہ مفتی سید افضل حسین** رحمہ اللہ **سے**:

علامہ مفتی سید افضل حسین رحمہ اللہ (سابق مدرس منظر اسلام بریلی شریف) لکھتے ہیں کہ: ''قبول کے دو معنٰی ہیں: ایک معنٰی اتصاف ہے خواہ موصوف سے اتصاف کا زمانہ مؤخر ہو یا مؤخر نہ ہو جیسے الشعر قابل للبياض و النار قابلة للحرارة يعنى ان الشعر متصف بالبياض والنار متصفة بالحرارة''۔

قبول کا دوسرا معنٰی قوت اور استعداد ہے یعنی جس صفت سے شئ عاری ہو اس صفت کے ساتھ متصف ہونے کی امید اور توقع ہو جیسے النطفة قابلة للصورة الحيوانية یعنی ان الصورة الحيوانية مسلوبة عن

النطفة لكنها متوقع اتصافها بها ۔اس کوامکان استعدادی بھی کہتے ہیں یعنی الصورة الحيوانية ممكنة بالا مكان الاستعدادی۔

منہیہ میں فرماتے ہیں: قوت واستعداد کا مفہوم تین امور سے مرکب ہے: **اول** موصوف سے صفت کا سلب لہٰذا آگ میں حرارت کی قوت اوراستعداد نہیں۔**دوم** صفت سے موصوف کا اتصاف ممکن ہونا لہٰذا جمادات میں نطق کی قوت واستعداد نہیں۔**سوم** موصوف میں ایسی حالت ہونا کہ اتصاف کی امید ہو۔لہٰذا مٹی میں صورت حیوانیہ کی قوت واستعداد نہیں' ۱۲ منہ۔

مزید (کچھ آگے) لکھتے ہیں: ''قبول بمعنی قوت واستعداد یعنی امکان استعدادی اوراتصاف بالفعل کا اجتماع ممکن نہیں لہٰذا اتصاف کے بعد قابلیت بمعنی قوت واستعداد زائل ہو جاتی ہے اورامکان استعدادی باقی نہیں رہتا ہے مثلاً حیوان بن جانے کے بعد نطفہ میں حیوان بننے کی قابلیت بمعنی قوت و استعداد باقی نہیں رہتی''۔ ملاحظہ ہو۔(ہدایۃ الحکمۃ' صفحہ ۸۷' طبع مکتبہ نورانی' غلام محمد آباد' لائل پور' (فیصل آباد))۔

بالقوة اور بالفعل کا ایک اور معنی:

بالقوۃ اور بالفعل کا ایک عرفی مفہوم بھی ہے یعنی کسی شخص کے لیۓ کوئی وصف حقیقۃً ثابت ہو پس جب وہ فارغ بیٹھا ہو تو اسے اس وصف کے حوالہ سے''بالقوة'' اور جب مشغول ہو تو اس کے حوالہ سے اسے''بالفعل'' کہہ دیا جاتا ہے۔مثلاً زید متکلم بالقوة (جب کہ چپ بیٹھا ہو) اور زید متکلم بالفعل (جب کہ کلام کر رہا ہو)

اقول: یہ معنیٰ خارج از بحث ہے کیونکہ یہ معنیٰ' مصنف تحقیقات کا مقصود نہیں ہے اور نہ ہی اس معنیٰ میں لینا درست ہے۔تفصیل''قوۃ بمعنی قدرت'' کے زیر عنوان آ رہی ہے۔

توضیح استدلال:

پیش کردہ عبارات سے چار باتیں واضح ہوگئیں:

۱　ایک یہ کہ کسی اور کو بالقوۃ کہنے سے مقصود فی الحال وصف سے خالی قرار دینا اور اس سے وصف کی نفی کرنا ہوتا ہے۔نیز یہ کہ اس میں یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ حاصل ہو جائے اور یہ بھی کہ حاصل نہ ہو سکے جیسا کہ اس کی تعریف اور مثالوں میں''مع عدم''،''مع عدمه''،''تقابل الفعل بمعنی الحصول'' اور مسلوبة کے الفاظ سے ظاہر ہے۔لہٰذا مصنف تحقیقات نے سیّد عالم ﷺ کے لیۓ''بالقوة نبی'' یا''بالقوة نبوت'' کے لفظ استعمال کیۓ ہیں ان سے موصوف کا مقصود آپ ﷺ سے نبوت کا سلب اور آپ کے نبی ہونے کی نفی ہی ہے نہ کہ اسے ثابت ماننا۔ وھو المقصود۔

۲　دوسری یہ کہ موصوف کا لوگوں سے یہ کہنا کہ وہ سلب نبوت کے قائل نہیں' یہ ان پر ان کے خصوم کا غلط الزام ہے' خلاف واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ سبل نبوت کے ذمہ دار ہیں کیونکہ بالقوۃ کہنے کا مقصد ہی سلب ہوتا ہے۔

۳　تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے سلب نبوت کو ناجائز کہہ کر قول سلب کے حوالہ سے عائد ہونے والے شرعی حکم کے خود پر لاگو ہونے کا عملاً اقرار کرلیا ہے جس کی تفصیل متعدد کتب شان سے گزر چکی ہے کہ اس کا قائل کافر ہے۔

۴　چوتھی بات یہ کہ قوت کے معنی مصطلح کے مطابق موصوف کا حضور سیّد عالم ﷺ کو بالقوۃ نبی کہنا غلط ہے کیونکہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام میں بالفعل نبی بنادیا (بدلیل کنت نبیاً وآدم بین الروح والجسد وغیرہ) جس کا وہ خود بھی اقرار کرچکے ہیں۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۶)۔

جب کہ ہدایۃ الحکمۃ سے ابھی گزرا ہے کہ ''قوۃ وفعل'' کا اجتماع محال ہے نیز اتصاف کے بعد قابلیت بمعنی قوت واستعداد زائل ہوجاتی ہے۔

قوۃ بمعنی قدرت نیز یہ کہ مصنف تحقیقات اس کے بھی قائل نہیں:

شاید کوئی یہ کہے کہ علماء شان نے قوۃ کا ایک اور معنی بھی لکھا ہے جو ''قدرۃ'' ہے مثلاً ''کاتب بالقوۃ'' کا ایک معنٰی ہے عاجز عن الکتابۃ یعنی جس نے کتابت سیکھی ہی نہ ہو اور دوسرا معنٰی ہے قادر علی الکتابۃ جس نے لکھنا سیکھا ہوا ہو لیکن لکھ نہ رہا ہو۔

جیسا کہ علامہ راغب اصفہانی (۵۰۲) نے لکھا ہے: ''القوۃ تستعمل تارۃ فی معنی القدرۃ نحو قوله تعالٰی خذوا ما آتینا کم بقوۃ۔ وتارۃ للتهیّؤ الموجود فی الشئ نحو ان یقال النوی بالقوۃ نخل ای متهیّ ٔ ومترشح ان یکون منه ذلك (الی) والقوۃ التی تستعمل للتهیّؤ اکثر من یستعملها الفلاسفة ویقولونها علی وجهین احدهما ان یقال لما کان موجوداً ولکن لیس یستعمل فیقال فلان کاتب بالقوۃ ای معه المعرفة بالکتابة لکنه لیس یستعمل۔ فیقال فلان کا تب بالقوۃ ای معه المعرفة بالکتابة لکنة لیس یستعمل والثانی یقال فلان کاتب بالقوۃ ولیس یعنی به ان معه العلم بالکتابة ولکن معناه ان یتعلم الکتابة۔ ملاحظہ ہو۔ (المفردات فی غریب القرآن' صفحہ ۴۱۹' طبع نور محمد کراچی)۔

نیز علامہ علی القاری (۱۴۰۱ھ م) ارقام فرماتے ہیں کہ: ''وایضا فرق واضح وبون لائح بین من

ھو قادر علی الکتابۃ الا انہ یؤ خرھا الی وقت الارادۃ وبین الکاتب بالقوۃ حیث انہ عاجز فی الحالۃ الراھنۃ وتحت الاحتمال فی الازمنۃ الآیۃ''۔(شرح فقہ اکبر،صفحہ ۳۰،طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)۔

اقول: پس کوئی کہہ سکتا ہے کہ بالقوۃ نبی سے مصنف تحقیقات کی مراد یہی قدرت والا معنٰی ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ موصوف آپ ﷺ کے لیئے ولادت باسعادت سے چالیس سال کی عمر شریف تک نبوت کی استعداد اور اہلیت ہونے کے بھی قائل نہیں جوان کی اس عبارت سے واضح ہے۔

چنانچہ انہوں نے انتہائی کریہہ الفاظ میں لکھا ہے کہ: ''حضرت عیسٰی علیہ السلام میں (الیٰ) ابتداء سے ہی نبوت ورسالت کی اہلیت واستعداد موجود تھی اس لیئے ان کو اس وقت اس نعمت سے سرفراز فرمادیا گیا اور نبی مکرم ﷺ کا لباس بشری (الیٰ) نسبتاً کثیف تھا اس لیئے اس کی کثافت کو بار بار کے شق صدر اور چلہ کشی وغیرہ (ملکوتی آپریشنوں) کے ذریعہ جب لطیف کردیا گیا اور حقیقت نوریہ کا ہم رنگ، تب آپ کو یہ منصب سونپا گیا (الیٰ) یوں (الیٰ) کہ (الیٰ) دوپہر کے سورج کے آگے سیاہی مائل اور دبیز تہ والا بادل ہو (ملخصاً بلفظہ)۔

ملاحظہ ہو (تحقیقات،صفحہ ۱۰۴،۲۱۱،۷)۔

الغرض بالقوۃ کی اصطلاح سے مصنف تحقیقات کا مقصود آپ ﷺ سے نبوت کی بالکلیہ نفی کرنا ہے اور آپ کی بشریت مقدسہ منورہ کے لیئے موصوف نے جو کثافت (نیز دیگر مقامات پر کدورت وظلمات) کے انتہائی ثقیل لفظ استعمال کیئے اور دبیز تہ والے سیاہی مائل بادل سے جو گندی تشبیہ دی ہے وہ اس پر مستزاد ہیں۔

فوا اسفا والی اللہ المشتکیٰ۔

نیز قائلین نبوت سرکار ﷺ کے لیئے وہ جاہل اور زمرۂ عقلاء سے خارج وغیرہ کے جو الفاظ بول گئے ہیں وہ مزید ہیں۔

خلاصہ یہ کہ موصوف کا چالیس سال سے قبل حضور سیّد عالم کو بالقوۃ نبی کہنا نہایت درجہ غلط اور ان کا ایسا بے بنیاد دعویٰ ہے جس کی دلیل پیش کرنے سے وہ عاجز ہیں اور عاجز رہیں گے بلکہ دلیل اس کے خلاف پر قائم ہے جس کا وہ خود بھی اعتراف کر چکے ہیں۔

علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت مزید اس کے ساتھ ملا لیجئے۔فرماتے ہیں:''بل یدل حدیث کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد علی انہ متصف بوصف نبوۃ فی عالم الارواح قبل خلق الاشباح وھذا وصف خاص لہ لا انہ محمول علی خلقہ للنبوۃ واستعدادہ للرسالۃ''۔

خلاصہ یہ کہ حدیث کنت نبیا الخ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کا زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے بالفعل نبی

ہیں۔ اور یہ آپ کی خصوصیت ہے یہ معنٰی نہیں ہے کہ آپ کے اندر نبی رسول بننے کی صرف استعداد تھی اور آپ بالقوۃ نبی تھے ورنہ خصوصیت کیسے۔

ملاحظہ ہو (شرح فقہ اکبر، صفحہ ۲۰، طبع قدیمی کراچی)۔ (اما ذکرہ قضیۃ حجۃ الاسلام فی ھذا المقام فقد کلمنا علیھا فی موضعھافافھم)۔

- حسب معنیٰ عرفی (جو ابھی گزر رہا ہے) بھی چالیس سال سے پہلے کے عرصہ میں آپ ﷺ کے لیۓ علی الاطلاق ''بالقوۃ نبی'' کا اطلاق بھی درست نہیں ہے کہ اس سے معنیٰ مصطلح مراد ہونے کا شبہ ہوتا ہے جو ''راعنا'' کی مد میں آ کر ممنوع قرار پائے گا۔

- **مصنف تحقیقات کی مغالطہ آفرینی:**

مصنف تحقیقات کی تحریر کردہ بحث ''بالقوۃ و بالفعل'' سے عیاں ہے کہ انہوں نے چالیس سال سے قبل کے عرصہ میں آپ ﷺ سے بالفعل حسب معنیٰ اصطلاحی نبوت کی نفی کی ہے لیکن اپنے خصوم سے انہوں نے وہ بار بار جس ''بالفعل'' کے اثبات کا مطالبہ کیا ہے وہ بمعنیٰ عرفی ہے۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۸۹، ۹۰ ولفظہ) ''عملی طور پر نبی'' اور ''عملی نبوت''۔ فیاللعجب۔

اقول: اگر اعلان نبوت کے بعد کے زمانے کے ان اوقات میں جن میں حضور تبلیغ نہ فرما رہے ہوں یا آرام فرما ہوں مولانا ہمت کر کے یہ کہہ دیں کہ ان اوقات میں بھی آپ بالفعل نبی نہ تھے تو بھی عین ممکن ہے۔ جب کہ بعد از وفات کے دور میں تو ان کو ''ہینڈ فری'' حاصل ہے۔

بالقوۃ نبوت کے ثبوت کے پیش کردہ دلائل سے جواب

عبارت اعلیٰ حضرت سے جواب:

خود ہی سوال کر کے لکھتے ہیں کہ ''بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبوت کی تقسیم کرنا بالقوۃ اور بالفعل کی طرف یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی کتاب ختم نبوت میں تحریر فرمایا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں پہلے نبوت کی صلاحیتیں رکھی جاتی ہیں اور ان کے اندر نبوت کی استعداد کامل طور پر موجود ہوتی ہے اس کے بعد ان کو نبوت عطا کی جاتی ہے۔ تو اگر یہ تسلیم کرنا جسارت ہے تو یہ جسارت امام احمد رضا خاں بریلوی نے بھی کی ہے۔ سچے عاشق رسول کا تقاضا یہ ہے کہ فاضل بریلوی پر وہی فتویٰ لگایا جائے جو دیگر مخالفین پر لگایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، جلد ۲۶۳، ۲۶۴)۔

الجواب: یہ الفاظ معترض کے اپنے ہیں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نہیں ہیں کیونکہ آپ کے وہ الفاظ عربی میں ہیں۔ نیز معترض کے یہ الفاظ امام اہل سنت کی اس عبارت کا صحیح مفہوم بھی نہیں بلکہ اس کا کوئی لفظ نہیں ہے جس کا یہ معنیٰ ہو کہ ''اس کے بعد ان کو نبوت عطا کی جاتی ہے''۔ ہے تو وہ اس کی نشاندہی کریں۔ پس یہ واقعی ان کی ''بہت بڑی جسارت ہے'' جس کے باعث ''سچے عاشق رسول کے تقاضا'' کے مطابق ان پر ضرور ان کا منہ مانگا فتویٰ لگے گا۔

ان کا اعلیٰ حضرت کا اس حوالہ سے نام لینا بھی ان کی ایک اور بہت بڑی جسارت ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت ختم نبوت کے بیان کی احادیث کے ضمن میں ایک حدیث لائے ''لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا رضی اللہ تعالیٰ عنہ''۔ (ختم النبوۃ، صفحہ ۴۲، ۴۳، طبع نبویہ لاہور)۔

پھر ضمناً ''تذییل'' اور ''فائدہ'' کے زیر عنوان حدیث ''لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا'' لائے جو حضور سیّد عالم ﷺ کے ابن کریم کے متعلق ہے یعنی ''اگر ابراہیم زندہ رہتا تو صدیق و پیغمبر ہوتا''۔

ملاحظہ ہو (کتاب مذکور، صفحہ ۴۳، ۴۴)۔

جن کے بارے میں اعلیٰ حضرت یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ ان روایات سے مقصود شہزادہ حضرت ابراہیم اور حضرت عمر سے نبوت کی نفی ہے۔

چنانچہ آپ نے کتاب مذکور کے بعد تحریر کردہ رسالہ مبارکہ ''السوء العقاب علی المسیح الکذاب'' (صفحہ، طبع مذکور مشمولہ کتاب مذکور کے منہیہ میں قول مرزا قادیانی کہ ''میں محدث ہوں اور محدث بھی ایک معنیٰ سے نبی ہوتا ہے'' کے رد) میں فرمایا: ''لا الہ الا اللہ لقد کذب عدو اللہ ایھا المسلمون! سیّد المحدّثین'' امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم ؓ ہیں کہ انہیں کے واسطے حدیثِ محدّثین آئی، انہیں کے صدقے ہم نے اس پر اطلاع پائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قد کان فیما مضی الخ اگلی امتوں میں کچھ لوگ محدّث ہوتے تھے یعنی فراست صادقہ والہام حق والے، اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ہوگا تو وہ ضرور عمر ہے ؓ)۔ فاروق اعظم نے نبوت کے کوئی معنیٰ نہ پائے۔ صرف ارشاد آیا لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب اگر میرے بعد کوئی نبی ہوسکتا تو عمر ہوتا (الیٰ) مگر پنجاب کا محدّث حادث کہ حقیقۃً نہ محدَّث ہے نہ محدِّث، یہ ضرور ایک معنیٰ پر نبی ہوگیا الا لعنۃ اللہ علی الکذبین و العیاذ باللہ رب العلمین''۔ اھ ملخصاً بلفظہ۔

روایت لو عاش ابراھیم الخ کے متعلق فرمایا: ''فاذن الحدیث علی وزان مامر لو کان بعدی نبی لکان عمر ''یعنی یہ حدیث بھی گزشتہ روایت ''لو کان بعدی نبی لکان عمر '' کے طرز اور اسی کے منوال پر ہے۔

ملاحظہ ہو۔(ختم النبوۃ، صفحہ ۴۴، طبع مذکور)۔

اسی بحث میں فرمایا: ''اقول لا نسلم ان الحدیث یحکم بالنبوۃ بل انبأ عماتکامل فی جوھر ابراھیم من خصائل الا نبیاء و خلال المرسلین بحیث لو لم ینسد باب النبوۃ لنالھا تفضلا من اللہ تعالٰی لا استحقاقا منه فان النبوۃ لا یستحقھا احد من قبل ذات لکن اللہ تعالٰی یصطفی من عبادہ من تم و کمل صورۃ ومعنی و نسبا وحسبا وبلغ غایۃ القصویٰ من خیر اللہ اعلم حیث یجعل رسالته''۔

(یہی عبارت ہے جس سے معترض کو غلط فہمی ہوئی ہے یا عمداً مغالطہ دہی سے کام لیا ہے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عربی ہی میں رکھا ہے جس کا) خلاصۂ ترجمہ یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حدیث (لو عاش ابراھیم) شہزادہ حضرت ابراہیم کے نبی ہونے کا حکم لگا رہی ہے بلکہ وہ اس امر کی نشاندہی کر رہی ہے کہ شہزادہ کے قوام میں انبیاء ورمرسلین علیہم السلام کے خصائل وعادات اس طرح سے کامل صورت میں موجود تھے کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہو چکا ہوتا تو وہ استحقاقاً نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی نوازش سے اسے پا لیتے کیونکہ نبوت کسی کا ذاتی استحقاق نہیں ہے ہاں اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو اس کے لیے منتخب فرماتا ہے جو ظاہراً باطناً اور نسباً حسباً ہر حوالہ سے کامل ومکمل ہوں اور نیکی کے انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے (اعلیٰ درجہ کے نیک) ہوں (کہ اس کا ارشاد ہے اللہ اعلم الخ) اللہ خوب جانتا ہے کہ اس نے اپنی رسالت کو کہاں رکھنا ہے (یعنی رسالت کے اہل کو وہ بہتر جانتا ہے۔(ختم النبوۃ، صفحہ ۴۴، طبع مذکور)۔

اقول: یہ عبارت معترض کے دعویٰ کی کچھ دلیل نہیں کیونکہ جہاں اعلیٰ حضرت نے یہ لکھا ہے کہ اللہ حسب مذکور صفات کے حامل عباد کو نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے وہاں آپ نے یہ بھی صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ جن ہستیوں کو اس نے نبوت دینی تھی ان کا انتخاب بھی وہ پہلے سے (ان کے عالم دنیا میں آنے سے پہلے) فرما چکا ہے۔

چنانچہ نفس بحث کے آغاز میں آپ نے صحیح بخاری شریف وغیرہ کے حوالہ سے ایک حدیث نقل فرما کر اور اس کا اردو ترجمہ کر کے اس کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ فرماتے ہیں ''صحیح بخاری شریف میں اسماعیل بن ابی خالد

سے ہے"قلت لعبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالٰی ارأیت ابراھیم بن النبی ﷺ قال مات صغیراً ولو قضی ان یکون بعد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی عاش ابنہ ابراھیم" میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے حضرت ابراہیم صاحبزادۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تھا؟ فرمایا ان کا بچپن میں انتقال ہوا۔ اور اگر مقدر ہوتا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوتو حضور کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے مگر حضور کے بعد نبی نہیں۔

امام احمد کی روایت انہیں سے یوں ہے میں نے حضرت ابن ابی اوفیٰ کو فرماتے سنا: لو کان بعدالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی مامات ابنہ ابراھیم۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوتا، حضور کے صاحبزادے ابراہیم انتقال نہ فرماتے الخ۔ ملاحظہ ہو۔ (ختم النبوۃ، صفحہ ۴۴)

معلوم ہوا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ یہ ہے کہ جتنے نبی اور رسول تھے وہ یہاں آ کر نبی ورسول نہیں بنے بلکہ وہاں سے بن کر آئے۔ لہٰذا معترض کا یہ تأثر دینا بالکل غلط ہوگیا کہ آپ کے نزدیک نبی یہاں آ کر بنتے ہیں کہ پہلے ان میں صلاحتیں رکھی جاتی ہیں پھر انہیں نبوت عطا کی جاتی ہے نیز یہ کہ اعلیٰ حضرت کی عبارت میں ایسی کوئی صراحت نہیں ہے۔

بناءً علیہ شہزادۂ سید عالم ﷺ حضرت ابراہیم اسی طرح حضرت فاروق اعظم بھی نبی نہیں تھے خود اعلیٰ حضرت کے لفظوں میں انہوں نے "نبوت کے کوئی معنٰی نہ پائے"۔

- پھر بھی نہ مانیں تو سوال یہ ہے کہ کیا حضرت صاحبزادۂ امام الانبیاء ﷺ واقعی نبی تھے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو ختم نبوت نہ رہی جو باطل ہے۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو معترض کا استدلال باطل ہوا۔ وھو المقصود۔

- **اقول**: اس سے یہ امر بہرحال مزید واضح ہوگیا کہ "بالقوۃ" میں جو امکانی معنٰی ہیں اس میں دونوں پہلو ہوتے ہیں حصول بھی اور عدم حصول بھی جیسے معترض کے حسب استدلال حضرت ابراہیم بالقوۃ نبی تھے لیکن وہ نبی نہ بن سکے۔ پس سید عالم ﷺ کو ولادت باسعادت سے چالیس سال کی عمر شریف تک بالقوۃ نبی کہنے کا مطلب بھی یہی ہوا کہ آپ کے بارے میں بھی وہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر شریف میں آپ کا نبی بننا امکانی حد تک تھا نبی بننا کچھ ضروری نہیں تھا اور بس اتفاق سے بن گئے نہ بنتے تو کوئی فرق والی بات نہ تھی جس کے کفریہ ہونے میں کسی ذی عقل سلیم مسلمان کو شک نہیں ہوسکتا۔

- اس سب سے قطع نظر عبارت ہٰذا حضور سید عالم ﷺ کے بارے میں قطعاً نہیں ہے یعنی اس میں یہ نہیں

ہے کہ حضور بھی اس میں شامل ہیں بلکہ اس کے برخلاف اس میں تصریحاً لکھا ہے کہ حضور پر انبیاء علیہم السلام کا قیاس بھی صحیح نہیں جسے مبرہن فرماتے ہوئے یہ حدیث لائے ہیں: ''نحن اهل بيت لا يقاس بنا احد'' ہم پر کسی دوسرے کو قیاس کرنے کیا اجازت نہیں۔ (ختم النبوۃ، صفحہ۴۴)۔

جب کہ اعلیٰ حضرت، آپ ﷺ کے قدم ودوام نبوت اور حدیث کنت نبیا الخ کے بمعنیٰ حقیقی اور آپ کے نبی الانبیاء نیز انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے آپ کے امتی ہونے کی بھی تصریح فرما چکے ہیں جو آپ کے پیدائشی نبی ہونے اور پیش کردہ عبارت میں شامل نہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔

آپ کے لفظ ہیں: ''ہمارے حضور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سب انبیاء کے نبی ہیں اور تمام انبیاء ومرسلین اور ان کی امتیں سب حضور کے امتی۔ حضور کی نبوت ورسالت زمانۂ سیدنا ابوالبشر علیہ الصلاۃ والسلام سے روز قیامت تک جمیع خلق اللہ کو شامل ہے اور حضور کا ارشاد كنت نبياً وآدم بين الروح والجسد اپنے حقیقی معنیٰ پر ہے (الیٰ) محمد ﷺ اصل الاصول ہیں، رسولوں کے رسول ہیں۔ امتیوں کو جو نسبت انبیاء ورسل سے ہے وہ نسبت انبیاء ورسل کو اس سیّد الکل سے ہے۔ (ملخصاً بلفظہ)۔

ملاحظہ ہو۔ (تجلی الیقین مشمولہ فتاویٰ رضویہ، جلد۳۰، صفحہ۱۳۷، ۱۳۸، طبع لاہور)۔

نیز فتاویٰ رضویہ جلد۹، صفحہ۱۲ طبع کراچی میں ہے: ''تمام انبیاء ومرسلین اپنے عہد میں بھی حضور کے امتی تھے اور اب بھی امتی ہیں۔ جب بھی رسول تھے اور اب بھی رسول ہیں کہ ہمارے حضور نبی الانبیاء ہیں قال الله تعالى لتؤمنن به ولتنصرنه اھ۔

خلاصہ یہ کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پیش کردہ عبارت معترض کی کسی طرح دلیل نہیں۔ اس نے اس سے مغالطہ اور دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے جب کہ اس کے یہ لفظ اعلیٰ حضرت پر سخت افتراء ہیں کہ ''اس کے بعد ان کو نبوت عطا کی جاتی ہے''۔ فالى الله المشتكى۔

عبارت بیضاوی سے جواب:

بالقوۃ نبوت اور بالفعل نبوت کی تقسیم میں معترض فریق نے دوسری دلیل کے طور پر حسب ذیل عبارت بیضاوی پیش کی ہے جس میں مصنف اور ان کا بیٹا دونوں کی محنت شامل ہے لکھتے ہیں: ''امام بیضاوی نے فرمایا الا ترى ان الانبياء لما فاقت قوتهم واشتعلت قريحتهم بحيث يكاد زيتها يضئ ولو لم تمسسه النار ارسل الله اليهم الملئكة ومن كان منهم اعلى رتبة كلمه بلا واسطة كما كلم موسىٰ علیہ السلام في الميقات ومحمداً ﷺ ليلة المعراج''۔ (جس کا ترجمہ دونوں کا تقریباً ملتا جلتا ہے)

(باپ کا ترجمہ) کیا دیکھتے نہیں ہو کہ جب انبیاء علیہم السلام کی قوت اور استعداد وصلاحیت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور ان کی استعداد اور صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کی فطری استعداد کا زیتون آگ لگائے بغیر جل اٹھے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف ملٰئکہ کو مبعوث فرماتا ہے۔ الخ (تحقیقات، صفحہ ۴۷، ۴۸، طبع اوّل)۔

(بیٹے کا ترجمہ) کیا دیکھتے نہیں ہو کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام کی قوت فائق ہو جائے اور ان کی طبیعت مشعل نور بن جائے اور اس حد تک کہ اس میں جلنے والا زیتون خود بخود روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے تب اللہ تعالیٰ ان کی طرف ملٰئکہ کو بھیجتا ہے اور جو ان میں اعلیٰ رتبے والے ہوں تو ان سے بلا واسطہ کلام فرماتا ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ میقات میں اور محمد کریم علیہما السلام کے ساتھ شب معراج میں براہ راست کلام فرمایا'' اھ۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ ۴۷، ۴۳، طبع ثانی)۔

الجواب: عبارت میں ایسے الفاظ کا کوئی نام ونشان نہیں ہے جن کا یہ ترجمہ یا مفہوم ہو کہ نبوت یا نبی کی دو قسمیں ہیں نمبر ا: بالقوۃ اور نمبر ۲: بالفعل۔

عبارت کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ افادہ واستفادہ (دینے لینے) کے لیئے جانبین میں مناسبت کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے عامہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ سے کوئی مناسبت نہیں اس لیئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور عامہ خلق کے درمیان وسائط مقرر فرمائے جو انبیاء ورسل کرام علیہم السلام ہیں کہ انہیں دونوں سے مناسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بھی لہٰذا وہ اس سے انوار کو وصول کر سکتے ہیں اور عامہ خلق سے بھی لہٰذا وہ انہیں فیض یاب فرماتے ہیں۔ خود انبیاء کرام علیہم السلام چونکہ فطرتاً شروع سے اس کی استعداد وصلاحیت رکھتے ہیں اس لیئے ان پر عالم بالا کی نوری مخلوق بلا تکلف اترتی ہے یعنی ملٰئکہ کرام علیہم السلام۔ اور جو انبیاء ورسل کرام نہایت درجہ اونچے مقام کے حامل ہیں ان پر ملٰئکہ کرام کی آمد کے علاوہ انہیں یہ شرف بھی عطا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے براہِ راست کلام بھی فرمایا جیسے حضرت موسیٰ کلیم اور ہمارے آقا ﷺ۔

الغرض اس میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات قدسیہ میں وہ صلاحیت شروع سے موجود ہوتی ہے جس کا اقرار قدرت نے مصنف تحقیقات سے ان لفظوں میں کرالیا ''کہ ان کی فطری استعداد''۔ مصنف اور ان کے بیٹے نے مل کر عبارت میں اپنی مطلب برآری کے لیئے دو تصرف کیئے۔ ایک یہ کہ ماضی کے صیغوں کو مضارع پر ڈھالا دوسرے اس کی بنیاد پر فطری امر کو امر جدید قرار دیا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ عبارت میں لفظ ''لـمّـا'' واقع ہے جو ماضی کے لیئے مختص ہے جو دو جملوں پر داخل ہوتا ہے جن میں سے دوسرے کا وجود پہلے کے وجود پر موقوف ہوتا ہے اس لیئے اسے ''حرف وجود

لوجوذ'' بھی کہا جاتا ہے۔

پیش نظر عبارت میں بھی وہ دو جملوں پر داخل ہے جو بصیغۂ ماضی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں نمبرا: لما فاقت قوتهم و اشتعلت قريحتهم''، ''نمبر۲: ارسل الله اليهم المئكة''۔ نیز ''كلمه''۔

اور معنیٰ یہ ہے کہ چونکہ ان کی قوتیں فائق اور ان کی طبیعتیں منور تھیں اس لیئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ملٰئکہ کرام کو بھیج دیا نیز ان سے براہِ راست کلام فرمایا جسے باپ بیٹے نے یوں بنا دیا کہ انبیاء علیہم السلام کی استعداد جب کمال کو پہنچ جاتی ہے یا فائق ہوجائے تب اللہ تعالیٰ ان کی طرف ملٰئکہ کو بھیجتا اور ان سے براہِ راست کلام فرماتا ہے۔ لاحول و لاقوة الا بالله۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو یہ بھی پتہ نہیں یا صلاحیت نہیں کہ لمّا ماضی کے ساتھ مختص ہے کیونکہ شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں جس کے متعلق ان کے مشہور قصے بھی ہیں لہٰذا لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ یہ سب انہوں نے عمداً کیا ہے۔ جس سے یہ امر بہر حال روز روشن کی طرح کھل کر آ گیا ہے کہ ان کے پاس اپنے اس (بالقوۃ وبالفعل نبوت کی تقسیم کے) دعویٰ کے ثبوت کے لیئے نہ تو کوئی آیت تھی اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث تھی، تھی تو اسے پیش کیوں نہیں کیا اور آخر موت وحیات کی کشمکش جیسی ضرورت شدیدہ کے باوجود اسے چھپا کر رکھنے کی وجہ؟ بلکہ علماء اہل سنت وائمۂ شان کی کوئی صریح عبارت بھی ان کے پاس نہ تھی اس لیئے انہیں ان عبارات کے من مانے مطلب نکالنے اور تغییر وتبدیل اور تحریف کی خدمات پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اس کارگزاری کے بغیر مطلب برآری ناممکن ہے جو ان کے لیئے بدنما دھبہ اور کلنگ کا ٹیکہ بن گئی جب تک ان کی کتاب باقی رہے گی یا مسئلہ زیر بحث رہے گا تو اس حوالہ سے ان کی یہ فضیلت ومنقبت بھی ساتھ ہی بیان ہوتی رہے گی جس کا حل رجوع اور توبہ کے سوا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

مغالطہ نمبر ۳۶ (آپ ﷺ چالیس سال سے پہلے ”صرف ولی“ تھے پھر ”نبی بنے“ پھر ”رسول“) **کا ازالہ**

مصنف تحقیقات کی اس سلسلہ (نفی نبوت) کی مزید دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ چالیس سال کی عمر شریف سے پہلے ”صرف ولی“ تھے بعد ازاں نبی بنے پھر رسول قرار پائے جس کے ثبوت میں انہوں نے کچھ عبارات بھی پیش کی ہیں۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۲۲۹ تا ۲۴۵ باب پنجم کا آخری عنوان)۔

الجواب: یہ موصوف کے ان دلائل میں سے ہے جسے چوٹی کی دلیل سمجھا جا رہا ہے مگر حقیقت میں وہ سب سے زیادہ کمزور ہے جس کی حیثیت پر کاہ (اور مکڑی کے جالے) کے برابر بھی نہیں۔

پیش کی گئی عبارات کے ترکی بہ ترکی جوابات سے قبل دلیل ہٰذا کے ابطال کی بقدر ضرورت اور کچھ وجوہ کا سپرد قلم کرنا ضروری ہے جو حسب ذیل ہیں:

وجہ اول: پیش کردہ یہ نام کی دلیل (فی الحقیقت مغالطہ) بھی وہی ”بالقوۃ نبوت“ ہی ہے جسے محض الفاظ کی تبدیلی سے پیش کیا گیا ہے جس کا ابطال ابھی گزشتہ عنوان کے تحت کیا جا چکا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے بارے میں خلاف اصل ہے یعنی خود آپ کا فیصلہ موجود ہے آپ ﷺ پہلے سے نبی ہیں۔

چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے جب پوچھا کہ آپ نبی کب سے ہیں؟ تو فرمایا ”وآدم بین الروح والجسد“ یعنی زمانہ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے۔

سؤال وجواب کے تناظر میں یہ بات واضح ہے کہ اس سے مقصود تسلسل نبوت کا بیان ہے جس میں ظاہر ہے کہ چالیس سال سے قبل کا زمانہ بھی شامل ہے جس کے استثناء یا نسخ کی کوئی دلیل نہیں۔ لہٰذا جب اس عرصہ میں نبوت ہے تو اس سے ”صرف ولی“ ہونے کا دعویٰ قطعاً باطل ہو گیا۔

وجہ دوم: حضرت قدوۃ الکاملین عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ جنہیں مصنف تحقیقات نے بھی عظیم المرتبت ولی اور غوث کبیر لکھا ہے، آپ کے اس قول سے بھی موصوف کے ”صرف ولی“ کے دعویٰ کا ابطال ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ”نورالنبوۃ مباین لنور الولایۃ (الی) ان نور النبوۃ ﷺ ذاتی حقیقی مخلوق مع الذات فی اصل نشأتها ولذا کان النبی معصوما فی کل احواله ونور الولایۃ بخلاف ذلك (الی) واماذات الولی فانها قبل الفتح من جملة الذوات لیس فیها شئ زائد فاذا فتح علیها جاء تها الانوار فانوارها عارضة ولذا کان الولی غیر معصوم قبل الفتح وبعده“ ”یعنی نبوت کا نور،

ولایت کے نور سے مختلف ہوتا ہے نبوت کا نور اصلی ذاتی حقیقی ہوتا ہے جو ذات نبی کی تخلیق کے ساتھ ہی خلق کیا جاتا ہے۔ بناءً علیہ نبی اپنی پوری زندگی کے تمام لمحات میں معصوم ہوتا ہے جب کہ ولایت کا نور اصلی ذاتی حقیقی نہیں ہوتا جو ذات ولی کی تخلیق ساتھ ہی خلق کیا جاتا ہو۔ ذات ولی فتوح سے قبل عام لوگوں سے ہوتی ہے اس میں دوسروں سے امتیازی چیز نہیں ہوتی۔ فتح کے بعد اس پر جن انوار کا نزول ہوتا ہے وہ بھی عارضی ہوتے ہیں اس لیے ولی فتوح سے قبل اسی طرح فتوح کے بعد کسی بھی حالت میں معصوم نہیں ہوتا۔ (ابریز صفحہ ۲۱۷ طبع بیروت جواھر البحار جلد ۲ صفحہ ۲۶۳)۔

وجہ سوم: دلیل ہٰذا کے باطل ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ولی نبی کا متبع کامل امتی ہوتا ہے اگر حضور بھی چالیس سال سے ''پہلے صرف ولی'' ہوں تو آپ بھی کسی نبی کے امتی قرار پائیں جب کہ آپ کسی نبی کے امتی نہیں بلکہ سارے نبی آپ کے امتی ہیں لہٰذا آپ کو ''صرف ولی'' کہنا خلاف واقعہ بھی ہے۔

دیگر وجوہ: پیش کردہ دلیل کے باطل ہونے کی مزید دلیل دیگر وہ سب دلائل بھی ہیں جن سے آپ ﷺ کے چالیس سال کی عمر شریف سے قبل نبی ہونے کا اثبات ہوتا ہے۔ خصوصاً علماء وائمہ شان کی اس سلسلہ کی تصریحات کہ آپ ولادت باسعادت کے بعد چالیس سال کی عمر شریف تک بھی بمعنیٰ حقیقی نبی تھے۔

خصوصیت کے ساتھ حضرت امام ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کہ ''لان النبی کان نبیا قبل البلوغ وقبل الوحی کما انه نبی بعد الوحی وبعد البلوغ'' الخ۔

نیز ''ان النبوة امر ثابت قبل الوحی من الانبیاء''۔

نیز ''وقال اهل السنة والجماعة ان الانبیاء صلوات اللّٰہ علیهم قبل الوحی کانوا انبیاء معصومین واجب العصمة (آیت وجعلنی نبیاً کو بطور دلیل لانے کے بعد لکھا ہے) ''وهذا نص من غیر تأویل ولا تعریض ومن انکر ذلك فانه یصیر کافراً''۔

سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی بلوغ کی عمر کو پہنچنے سے پہلے (بچپن میں) اور وحی کے اترنے سے قبل ایسے ہے نبی ہوتا ہے جیسے بلوغ اور وحی کے بعد ہوتا ہے اور ان کی نبوت یکساں طور پر ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ نیز یہ کہ انبیاء علیہم السلام وحی کے آنے سے پہلے بھی واجب العصمت معصوم ہوتے ہیں جس کی ایک دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرآن میں مذکور وہ قول ہے جو انہوں نے گہوارہ میں کلام فرماتے ہوئے کیا تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب دی اور نبی بنایا ہے جو اس امر میں نص صریح ہے جو اس کا انکار کرے گا وہ پکا کافر ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو(تمہید ابی الشکور سالمی عربی، صفحہ ۶۶،۶۷، طبع لاہور)۔اس جیسے دیگر حوالہ جات کے لیئے ملاحظہ ہو(تنبیہات جلد اوّل، باب پنجم، ششم، ہشتم)۔

نیز نفس مسئلہ میں آپ کی یہ نص صریح کہ: ''وقالت المتقشفة من الکرامیّہ بان النبی قبل الوحی لا یکون نبیا ولکن یکون معصوما لانه یکون ولیا ''یعنی متقشفہ کرامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی وحی کے آنے سے پہلے نبی نہیں ہوتا البتہ وہ معصوم ہوتا ہے کیونکہ وہ اس عرصہ میں ولی ہوتا ہے''۔(صفحہ ۶۷)۔

اقول: کرامیہ بالاتفاق ضالّ و مضل فرقہ ہے لہٰذا قبل نزول وحی جلی نبی کو نبی نہ ماننا اور صرف ولی معصوم ماننا گمراہانہ عقیدہ ہوا اور یہ بعینہٖ مصنف تحقیقات کا عقیدہ ہے جس پر نزاع کا خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ مصنف تحقیقات نے کتاب مذکور کی پرزور تصدیق اور اس کے مصنف امام سالمی کی بھرپور توثیق کی نیز اس سے استناد بھی کیا ہے۔

مزید یہ کہ اس کتاب پر نہایت درجہ اعتماد کرتے ہوئے حضرت خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ سید ابوالبرکات احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اردو ترجمہ فرمایا۔علامہ عبدالحکیم شرف القادری علیہ الرحمۃ نے اپنی تائیدی تقدیم کے ساتھ اسے اپنے مکتبہ قادریہ لاہور سے شائع کیا جب کہ مصنف تحقیقات نے حضرت سید صاحب کی بھی توثیق کرتے ہوئے انہیں علماء معتمدین میں شمار کیا ہے۔لہٰذا یہ کتاب (تمہید) موصوف پر ہر حوالہ سے حجت قاطعہ قرار پائی۔

مزید یہ کہ موصوف نے خود بھی تسلیم کیا ہے کہ نبی قبل از اعلان نبوت بھی واجب العصمۃ ہوتا ہے۔نیز قبل از اعلان نبوت نبی کی آنکھیں سوتی ہوتی ہیں دل نہیں سوتا۔نیز یہ کہ یہ دونوں باتیں خاصۂ نبوت ہیں جس کا نتیجہ اس عرصہ میں بھی نبی ہونا ہے۔ملاحظہ ہو۔(تحقیقات صفحہ ۲۱۲، ۲۳۱، ۲۳۸)۔

ع　　مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تو لیجئے اب پڑھیئے ان کی پیش کردہ عبارات کے جوابات۔

''صرف ولی'' ہونے کے ثبوت میں پیش کی گئی عبارات سے جوابات

پیش کردہ جملہ عبارات سے اجمالی جواب:

یہاں ''ولایت'' کا معنٰی ہے قربِ الٰہی۔ہر نبی اور ہر رسول قطعی طور پر مقرب بارگاہ ایزدی ہوتا ہے۔پس اس معنٰی میں ظاہر ہے کہ ولایت، نفس نبوت کے منافی نہیں۔بناءً علیہ جن عبارات میں صرف اتنا ہے کہ

انبیاء ورسل کرام علیہم السلام اولیاء اللہ ہوتے ہیں وہ ہمارے خلاف نہیں۔

چنانچہ امام راغب اصفہانی احیاء الموتیٰ (مردوں کو زندہ کرنے) کے متعلق فرماتے ہیں: وقد خص بذلك بعض اوليائه كعيسى صلى الله عليه وسلم و امثاله یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض اولیاء کو احیاء موتیٰ (مردوں کو زندہ کرنے) کی طاقت عطا فرمائی ان میں سے ایک حضرت عیسیٰ ہیں صلى الله عليه وسلم (مفردات راغب' صفحہ ۵۳' طبع کراچی)۔

نیز امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں: ''کل رسول لابدا ان یکون نبیا و کل نبی لا بدان ان یکون ولیا و کل ولی لابدان یکون مؤمناً ''یعنی ہر رسول کا نبی ہونا' ہر نبی کا ولی ہونا اور ہر ولی کا مؤمن ہونا لازم ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (الیواقیت والجواہر' صفحہ ۲۶۱)۔

نیز ہزار سال سے دہکتی ہوئی نار فارس کے متعلق امام بوصیری کے اس شعر والنار خامدة الانفاس من اسف الخ کے تحت علامہ علی القاری لکھتے ہیں ''خمدت وهمدت عند ظهور نور ولادته واشعة شمس نبوته و ولايته ''یعنی وہ آگ' آپ ﷺ کے نور ولادت اور آپ کی نبوت وولایت کے آفتاب کی شعاعوں کے ظہور کے وقت بجھی تھی۔

ملاحظہ ہو (الزبدة العمدة فی شرح البردہ' صفحہ ۷۰' پیر جو گوٹھ خیر پور میرس سندھ)۔

نوٹ: صاحب کشف الظنون نے کشف میں فرمایا: ''ومن احسن شروحها ''یعنی علامہ علی القاری کی یہ کتاب الزبدہ' قصیدہ بردہ کی سب سے بہترین شرح ہے۔

○　نیز شرح العقائد النسفیة (صفحہ ۱۱۵' طبع کراچی) اور شرح فقہ اکبر (صفحہ ۱۲۱' طبع کراچی) میں ہے: ''ان النبی متصف بالمرتبتین ''نبی نبوت ولایت کا جامع ہوتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد ہمارے خلاف وہ عبارت شمار ہوگی جس میں قبل از اعلان نبوت' نفس نبوت کی نفی کے ساتھ ''صرف ولی'' ہونے کا ذکر ہو' اپنے مفہوم میں صریح بھی ہو' منسوب الیہ سے ثابت بھی ہو نیز وہ علماء شان سے بھی ہو' کسی شرعی دلیل سے متصادم بھی نہ ہو۔

جب کہ پیش کردہ عبارت میں اس طرح کی کوئی عبارت نہیں ہے۔

زیادہ سے زیادہ عبارت مرقاۃ کا نام لیا جاسکتا ہے مگر وہ کسی طرح صالح استدلال نہیں ہے تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

نیز جب کہ پیش کردہ عبارات میں سے بیشتر وہ ہیں جو خصوصیت کے ساتھ آپ ﷺ کے بارے میں

نہیں ہیں۔لہٰذا وہ دعویٰ خاص اور دلیل عام کے قبیل سے ہوکر نا قابل استدلال ٹھہریں۔

ولی کے معنی متبادر کے حوالے سے سوال کا جواب:

شاید کوئی یہ سوال کرے کہ ''ولی'' کا متبادر معنٰی ہی یہ ہے کہ جو نبی نہ ہو جس کی مزید تائید حضرت شیخ محقق کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ ولایت نیز از مقام نبوت نازل و ناقص است یعنی ولایت' مقام نبوت سے نیچے اور اس سے درجہ میں کم مقام ہے۔(اشعۃ جلد۴' صفحہ ۵۲۸)۔

بناءً علیہ جن عبارات میں یہ مذکور ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبل بعثت ولی ہوتے ہیں تو وہ ان سے نفی نبوت میں صریح قرار پائیں۔

جواباً عرض ہے کہ یہ عبارات مطلق نہیں ہیں بلکہ مقیّد ہیں بعض ائمۂ شان نے اس مسئلہ میں ''ولی'' کے ساتھ عندالناس کی قید لگائی ہے۔لہٰذا یہ قید ہر جگہ ملحوظ رہے گی اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور یہ ہر فن میں مسلّم امر ہے کہ کسی فن کے محقق و امام کی ذکر کردہ قید حسب مقام ہر جگہ تمام کتب فن میں مانی جاتی ہے۔

امام علامہ ابوالشکور سالمی حنفی ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ کی مفصل بحث میں لکھتے ہیں: ''لان النبی قبل الوحی وقبل ظهور النبوة یکون ولیًّا عندالناس وان کان نبیاً عندالله تعالٰی''۔

نیز ''فیکون ولیا عندالناس ونبیا عندالله تعالٰی''۔

نیز ''لان قبل الدعویٰ لا یجب الفرق بین الولی والنبی عندالناس''۔

ملاحظہ ہو (تمہید عربی' صفحہ ۷۵' طبع لاہور)۔

خلاصہ یہ کہ ''نبی اظہار نبوت اور وحی سے قبل ولی ہوتا ہے یعنی لوگوں کے رُوبرو وہ ولی ہوتا ہے اگرچہ اللہ کے نزدیک وہ اس وقت بھی نبی ہی ہوتا ہے''۔

ملاحظہ ہو۔(تمہید مترجم اردو' ترجمہ از حضرت خلیفۂ اعلیٰ حضرت سید ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ مع تقدیم علامہ شرف القادری' صفحہ ۱۸۱'۱۸۰' طبع فرید بک سٹال لاہور)۔

واضح رہے کہ یہ عبارات مصنف تحقیقات نے بھی نقل کی ہیں نیز مصنف تمہید اور حضرت مترجم اور خود کتاب کی بھی بھرپور توثیق کی ہے پس یہ عبارتیں مصنف تحقیقات پر حجت ہیں۔ملاحظہ ہو۔(تحقیقات صفحہ ۲۳۹' ۲۴۱' ۲۴۲)۔

''عندالله نبی'' ہونے کا یہ معنٰی نہیں کہ علم الٰہی کے مطابق وہ مستقبل میں نبی بنے گا بلکہ عدم اظہار نبوت عندالناس کے باعث اسے عنداللہ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ اللہ کو اس کا نبی ہونا معلوم ہے۔

دلیل یہ ہے کہ امام سالمی قبل از اعلان نبوت' نبی کے بمعنی حقیقی نبی ہونے کی اسی کتاب میں تصریح فرما چکے ہیں نیز نہ ماننے والے کو کافر بھی قرار دیا ہے۔ نیز قبل از اعلان نبوت نبی کو صرف ولی ماننا متقشفہ کرامیہ کا عقیدہ ہونا بھی لکھا ہے۔ (تمہید صفحہ ۶۷)۔

پس وہ بمعنی حقیقی نبوت کی نفی کیسے مراد لے سکتے ہیں نیز حضرت سید صاحب کے ترجمہ سے بمعنی حقیقی نبی ہونے کا مفہوم واضح ہے حیث قال ''اللہ'' کے نزدیک تو اس وقت بھی نبی ہی ہوتا ہے''۔

جب کہ عندالناس کے الفاظ میں الناس سے مراد ناواقفین اور کفار ہیں کیونکہ مؤمنین اہل کتاب وغیرہم میں آپ کا نبی ہونا ہر دور میں معروف رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء شان نے احبار و رہبان اور کہّان وغیرہم کی بشارتوں کو دلائل نبوت میں شمار فرمایا ہے اور وہ حضور کی صورت مبارکہ کو دیکھتے ہیں گواہیاں دیتے تھے کہ یہ وہی نبی موعود ہیں جن کے تذکرے ان کی کتب وغیرہا میں موجود ہیں۔ مقصد یہ کہ ناواقفین اور کفار بھی حضور کی شان نبوت سے ناواقفیت کے باوجود اس کے سختی سے قائل تھے کہ آپ مقرب بارگاہ الٰہ ہیں اسی لیۓ وہ آپ کو بالاتفاق صادق وامین کے لقب سے ملقب کرتے اور اپنے ذاتی اور اجتماعی نوعیت کے معاملات میں آپ کی تشریف آوری کو سعادت سمجھتے اور اچھی فال گردانتے تھے۔

جب کہ مصنف تحقیقات کے ایک مقلد (سندیلوی صاحب) نے بھی نہایت درجہ صراحت کے ساتھ یہ لکھ دیا ہے کہ یہاں عندالناس کے لفظوں میں ''الناس'' سے مراد کفار مکہ ہی ہیں۔

جس سے یہ امر ایک بار پھر متعین ہو جاتا ہے کہ اس دور میں وہ ناواقف کفار ہی تھے جو آپ ﷺ کو ''صرف ولی'' مانتے تھے باقی اہل علم اور اس زمانہ کے اہل ایمان کے نزدیک آپ بمعنی حقیقی نبی تھے جس طرح آپ عنداللہ نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''الذین آتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم ''یعنی اہل کتاب کو حضور کے نبی ہونے کا ایسا یقین تھا جیسا کہ ان کو اپنے بیٹوں کے بارے میں یقین تھا کہ وہ واقعی ان کے بیٹے ہیں۔ (البقرہ' ۱۴۶)۔

تکمیلاً للعنوان ایک امام شان کی اس سلسلہ کی ایک عبارت ملاحظہ کیجیۓ: امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراء اور شہرہ آفاق کتاب الشفاء میں ارقام فرماتے ہیں: ''ومن دلائل نبوتہ و علامات رسالتہ ماترادفت بہ الاخبار عن الرھبان والاحبار وعلماء اھل الکتب من صفتہ و صفۃ امتہ واسمہ وعلاماتہ وذکرالخاتم الذی بین کتفیہ (الی) والاخبار فی ھذا کثیرۃ لا تنحصر ''۔ یعنی آپ ﷺ کے نبی اور رسول ہونے کی ایک دلیل وہ بکثرت اخبار ہیں جو آپ کی شان' آپ کی

امت کے احوال نیز آپ کے اسم کریم، آپ کی علامات اور اس مہر نبوت کے متعلق منقول ہیں کہ جنہیں شمار میں نہیں لایا جاسکتا۔ (جلد ا صفحہ ۲۳۹، ۲۴۰، عربی طبع مصر)۔

ایک شہادت خود معترض فریق کی بھی لے لیجیے: چنانچہ امام ماوردی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''لما دنا مبعث رسول الله بالنبوة رسولا والی الخلق بشیراً ونذیراً انتشر فی الامم ان الله تعالٰی سیبعث نبیا فی هذا الزمان ''یعنی جب نبی ﷺ کی بعثت اور مخلوق کی طرف بشیر ونذیر کی حیثیت سے ظہور کا زمانہ قریب آیا'' تو تمام امتوں میں اس بات کی تشہیر ہوگئی کہ اللہ رب العزۃ اس وقت میں ایک نبی مبعوث فرمانے والا ہے۔ (تحقیقات، صفحہ ۳۸۷، ۳۸۸، طبع ثانی)۔

اقول: جب بحیثیت نبی تمام امتوں میں تشہیر ہوگئی تو یہ خود معترض فریق کے اقرار سے آپ ﷺ قبل از اعلان نبوت جیسے عنداللہ نبی تھے بایں معنٰی کہ اظہار نبوت نہ فرمایا تھا۔ اسی طرح عندالناس بھی نبی تھے لہٰذا تمہید شریف کی عبارت کے الفاظ ''عندالناس ولیا'' میں سب لوگ شامل نہیں ہیں بکثرت لوگوں کے نزدیک بھی آپ اس وقت نبی تھے۔ لہٰذا یہ امر متعین ہوگیا کہ سارے لوگ نہیں محض ناواقفین کفار ہی، آپ کو ''صرف ولی'' سمجھتے تھے۔

علاوہ ازیں حضرت امام ابوالشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ نے تمہید (صفحہ ۶۷ طبع لاہور) میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کے مطابق نبی اعلان نبوت سے پہلے بھی ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے بعدازں اعلان نبوت نبی ہوتا ہے۔ یہ بھی اس امر کا قرینہ ہے کہ ''عندالناس ولیا'' کے الفاظ سے مقصود ''صرف ولی'' ہونے نیز بمعنٰی حقیقی نبی نہ ہونے کو بیان کرنا نہیں بلکہ ان سے مراد وہی ''عند بعض الناس الکفار'' ہی مراد ہے۔ والحمدللہ علٰی ذلك۔

صرف ولی ہونے کے ثبوت میں مصنف تحقیقات کی ذاتی کاوشوں سے جوابات

مصنف تحقیقات کی دلیل (نبی، نبی بننے سے پہلے لامحالہ ولی ہوگا) **سے جواب**:

تحقیقات: ''بعض حضرات نے اس کو بھی بندہ کی گستاخیوں میں شمار کیا ہے کہ میں نے چالیس سال کی عمر شریف تک نبی ﷺ کو مقام ولایت پر فائز تسلیم کیا ہے''۔ (تحقیقات صفحہ ۲۲۹)۔

الجواب: مطلقاً مقام ولایت پر فائز تسلیم کرنے کو کسی نے گستاخیوں میں شمار نہیں کیا بلکہ نبی نہ ہونے کے معنٰی میں ''صرف ولی'' ماننے کو گستاخی شمار کیا ہے جو اپنی جگہ درست ہے کیونکہ موصوف کا یہ عقیدہ حضور امام

الانبیاء ﷺ کے فیصلہ کو رد کر رہا ہے آپ فرماتے ہیں: ''کنت نبیاً وآدم بین الروح والجسد'' میں زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے نبی ہوں اور یہی معنٰی وہ اپنی کتاب تنویر الابصار اور سیرت سیّد الانبیاء ﷺ میں خود بھی لکھ چکے ہیں۔

نیز امام سالمی (جن کی ثقاہت وامامت فی العلم ان کو تسلیم ہے) نے صراحت فرمائی ہے کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ نبی قبل وبعد اعلان نبوت یکساں نبی ہوتا ہے جسے انہوں نے قرآن کا فیصلہ بھی قرار دیا اور اس کے منکر کو کافر بھی کہا ہے (تمہید عربی صفحہ ۶، ۶۷، ۶۷ مترجم اردو صفحہ ۱۴۵، ۱۶۶)۔

پس قرآن وسنت اور اہل سنت کے رد اور مقابلہ میں جدید نظریہ نکالنا گستاخی نہیں تو اور کیا ہے؟

تحقیقات صفحہ ۲۲۹: ''اس میں غوخوض کی ضرورت ہے کہ جب تک کسی ہستی کو منصب نبوت پر فائز نہ کیا جائے اور اس میں ایمان ویقین محکم، تقویٰ وطہارت اور پرہیزگاری بھی ہو تو اس کو ولی کیوں نہ مانا جائے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان اولیاؤہ الا المتقون نہیں اس کے اولیاء مگر متقی لوگ۔ اور فرمان ہے: الا ان اولیاء اللہ (الیٰ) الذین آمنوا وکانوا یتقون اولیاء اللہ کون ہیں؟ جو ایمان لائے اور تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے تھے۔ لہٰذا ولایت کا مدلول اور مدار ایمان وتقویٰ ہے اور ان حضرات میں موجود ہوتا ہے تو ان کو ولی کیوں نہ مانا جائے اور ان پر اس کا اطلاق کیوں جائز نہیں اور اس میں بے ادبی اور گستاخی والا کون سا پہلو ہوگا؟'' (ملخصاً بلفظہ)۔

الجواب: موصوف کے انتہائی معتمد علیہ اور مستند بہ امام ابوشکور سالمی رحمہ اللہ نے تصریحاً لکھا ہے کہ نبی قبل اعلان نبوت بھی ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے بعد از اعلان نبوت۔ حوالہ ابھی پیش کیا جا چکا ہے۔

بناءً علیہ جب نبی ہمہ وقت نبی ہوتا ہے تو نفس نبوت کے حاصل نہ ہونے کا دعویٰ ہی غلط ہے پھر جب بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے سہارے قائم کردہ استدلال کی ساری عمارت ہی زمین بوس ہوگئی۔

باقی تفصیل وہی ہے جو اس سے قبل نقل کردہ عبارت کے جواب میں گزری ہے۔

تحقیقات صفحہ ۲۳۰: ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود ولی کے لفظ کا اپنے رسول پر دوران رسالت اطلاق فرمایا ہے ''انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا'' کیا رسول اللہ کو ولی المؤمنین کہنا جائز ہے ولی اللہ کہنا ناجائز اور بے ادبی۔ بسوخت عقل از حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست۔ نحن اولیاء کم فی الحیاۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔ وغیرہ ذلک۔

الجواب: بحث ولی المؤمنین میں نہیں صرف ولی اللہ ہونے میں ہے جس کے ساتھ نبوت نہ ہو۔ اور

یہاں تو موصوف ''دوران رسالت اطلاق'' کہہ کر نبوت وولایت دونوں کو مان رہے ہیں۔ اس کو کس نے گستاخی کہا ہے۔ ایسے ہی قبل از اعلان نبوت کے عرصہ میں مانا ہوتا تو کوئی اعتراض والی بات نہ تھی۔

الغرض یہ آیت بے جا طور پر پیش کی گئی ہے بحث ولی اللہ میں ہے ثبوت ولی المؤمنین کا دیا گیا ہے۔ بحث صرف ولی اللہ میں ہے، جب کہ ثبوت دونوں کے اجتماع کا ہے۔ بحث قبل از اعلان نبوت کے عرصہ کے متعلق ہے۔ ثبوت بعد از اعلان نبوت کے زمانہ کا۔ پھر بھی یہ مان گئے کہ ولایت فی نفسہا نبوت کے منافی نہیں۔

پیش کردہ دوسری آیت کریمہ بھی غیر متعلق ہے کیونکہ اس میں ملٰئکہ کرام کے اس قول کا ذکر ہے جو اہل ایمان (امتیوں) سے متعلق ہے پس اس قدر اصولی خلاف ورزیوں کے ارتکاب کے باوجود الٹا اپنے خصوم کو ملزم ٹھہرانا اور جو آیت خود اپنے خلاف ہے، اسے ہمارے خلاف سمجھنا کہاں کا انصاف ہے۔ ؏ بریں عقل ودانش بباید گریست

لہٰذا سوال بدستور قائم ہے۔

تحقیقات صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱: ''نیز اگر اس دور میں یہ حضرات نبی ورسول بھی نہ ہوں اور ان کو ولی بھی تسلیم نہ کیا جائے تو اس میں ان کی توہین وتحقیر اور بے ادبی اور اساءت ہوگی کیونکہ جب ولایت کا دار و مدار ایمان وتقویٰ پر ہے۔ تو پھر ولایت کی نفی سے تقویٰ وطہارت کی ان سے نفی لازم آجائے گی جو سراسر توہین وتحقیر اور خلاف اجماع ہے۔ کیونکہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں اور جو اجماع امت کا مخالف ہو وہ سراسر گمراہ اور جہنمی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ویتبع غیر سبل المؤمنین نوله ماتولّی و نصلہٖ جھنم و سا ء ت مصیرا جو شخص بھی مؤمنین کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلے گا اور وہ برا ٹھکانا اور بری انتقال کی جگہ ہے۔ لہٰذا ان ہستیوں کو قبل از نبوت، اولیاء اللہ کے منصب کا مالک ماننا لازم اور ضروری ہے۔ اھ بلفظہ ملخّصاً۔

الجواب: اس تقریر کا اطلاق اس صورت میں ہے کہ جب ''یہ حضرات نبی ورسول نہ ہوں''، لیکن جب واقعہ اس کے برخلاف ہے کہ نبی قبل از اعلان نبوت بھی نبی ہوتا ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں تمہید امام سالمی کے حوالہ سے ہم لکھ آئے ہیں۔

نیز اس سے کچھ پہلے امام شعرانی کی کتاب الیواقیت والجواہر، صفحہ ۲۶۱ سے یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ ہر رسول کا نبی، نبی کا ولی اور ولی کا مؤمن ہونا ضروری ہے تو موصوف کی یہ ساری تقریر بے کار اور بے سود اور بے محل ٹھہری۔

بلکہ یہ پوری تقریر موصوف نے جوش میں آ کر بے خبری کے عالم میں اپنے ہی خلاف کر دی ہے کیونکہ انہوں نے اسے تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ قرار دیا ہے کہ تمام نبی نبوت سے قبل بھی (ان کے طور پر نبی بننے سے پہلے اور ہمارے طور پر بعثت اور وحی جلی سے پہلے) معصوم ہوتے ہیں۔ نیز یہ بھی لکھ دیا ہے کہ جو اسے نہ مانے وہ ''سراسر گمراہ اور جہنمی'' اور قرآن کا منکر ہے۔

جب کہ آٹھویں باب میں ہم خود مصنف تحقیقات کے دورۂ حدیث کے استاذ و شیخ حضرت محدّث اعظم مولانا سردار احمد رحمہ اللہ کے حاشیۂ مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۸ کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ نبی کی عصمت، قبل از اعلان نبوت نبی ہونے کی دلیل ہے۔

پس مصنف تحقیقات کی اس تقریر سے صرف سید عالم ﷺ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام قبل از اعلان نبوت نبی ثابت ہوئے کیونکہ عصمت سب انبیاء کا خاصہ ہے۔ جیسا کہ خود مصنف تحقیقات نے بھی ''انبیاء علیہم السلام'' کے لفظ استعمال کیے ہیں بناءً علیہ مصنف موصوف خود اپنی تقریر کی رو سے منکر نبوت ٹھہرے اور بقلم خود سراسر ''گ'' اور ''ج'' ہوئے لفظ ان کے اپنے ہیں اس لیے محسوس فرمانے کی بجائے ٹھنڈے دل سے اپنے موقف پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

مصنف تحقیقات کی ایک اور دلیل (کہ تین حضرات کے علاوہ نبوت سب کو چالیس سال بعد ملی) **کا رد:**

''علاوہ ازیں آغاز ولادت سے نبی ہونے کا قول کیا گیا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحیٰی علیہ السلام کے حق میں یا پھر ان مجتہد حضرات نے نبی ﷺ کے حق میں یہ قبول کیا ہے تو تین حضرات کے علاوہ باقی حضرات میں سنۃ اللہ کے مطابق چالیس سال کے بعد ہی منصب نبوت پر فائز تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاری فرماتے ہیں وبلغ اربعين سنة وهو سن بعث الانبياء عليهم السلام غالبا فی سنة الله وعادته سبحنه وتعالى آتيناه حكما ای نبوته وعلما ای معرفة تامّة (شرح شفاء جلد ا صفحہ ۴۸۴)۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ میں فرماتے ہیں: قبل از اربعین منصب نبوت بکسے عطا نشدہ الا نادراً والنادر کالمعدوم (صفحہ ۲۶۲)۔

تو ایک یا دو لاکھ چوبیس یا چالیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے صرف دو تین کو آغاز ولادت سے نبوت حاصل ہوئی بقایا کے حق میں نبوت بھی چالیس سال سے قبل تسلیم نہ کی جا سکے اور ولایت بھی تو ان کو تقویٰ و طہارت سے عاری اور خالی ماننا لازم آئے گا جو سراسر باطل لازم اور اس کا التزام سراسر گمراہی وضلالت اور بے دینی اور بے ایمانی ہے لہٰذا کسی مسلمان کو ان سے ولایت کی نفی جائز نہیں ہے۔ اھ بلفظہٖ ملخصاً۔ (تحقیقات صفحہ ۲۳۱،

۲۳۲)۔

الجواب: یہ بھی موصوف کو کچھ مفید اور ہمیں کچھ مضر نہیں کیونکہ پیش کی گئی عبارات کا کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنٰی ہو کہ انبیاء علیہم السلام قبل از اعلان نبوت صرف ولی ہوتے ہیں۔

پھر ان میں نبوت بمعنیٰ بعثت اور بمعنیٰ نزول وحی جلی ہے جو اس سے قبل کے عرصہ میں نفس نبوت کے منافی نہیں۔

پھر عبارت شرح شفاء حضور سیّد عالم ﷺ کے بارے میں نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے جس کی صراحت اس کے شروع میں موجود ہے۔ جب کہ اس میں بھی ''بعثت'' کے لفظ ہیں جس کا ترجمہ خود مصنف صاحب نے ''بعثت'' سے کیا ہے

نیز حضرت عیسٰی و حضرت یحیٰ علیہما السلام کے بچپن سے نبی ہونے کے مسئلہ کو قول واحد کے طور پر قبول کیا ہے جب کہ اسی تحقیقات میں (صفحہ ۱۰۵ پر) لکھ آئے ہیں کہ وہ ''اجماعی اور متفق علیہ امر نہیں ہے''۔

رہا چالیس سال کی عمر میں انبیاء علیہم السلام کے مبعوث کیئے جانے کا غالباً سنّت الٰہیّہ ہونا؟ تو یہ محتاج دلیل ہے بلکہ خلاف دلائل و حقائق بھی ہے۔ اس سے قطع نظر بعثت، نفس نبوت کے منافی نہیں۔ اس سب کی مکمل مع ماله و ماعلیه تفصیل بما لا مزید علیه ان شاء الله تعالٰی اس کتاب کے باب نہم میں مغالطہ نمبر ۱۸۔۱۹ کے جواب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

رہے موصوف کے یہ الفاظ کہ ''یا پھر ان مجتہد حضرات نے نبی ﷺ کے حق میں یہ قول کیا ہے''۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے اس کے قائلین صرف دور حاضر کے ان کے خصوم ہی ہوں اور ماضی میں اس کا کوئی قائل ہی نہ ہو حالانکہ سب اہل سنت خصوصاً ماتریدیہ اسی عقیدہ کے حامل ہیں جیسا کہ تمہید امام سالمی (صفحہ ۶، ۶۷، طبع لاہور) کے حوالہ سے لکھا جاچکا ہے۔ بلکہ اشعریہ بھی اسی کے قائل ہیں کما فی الزرقانی علی المواهب عن العلامة ابن فورك الشافعی وغیرہ۔

پھر وہ خود بھی اس کے برخلاف لکھ چکے ہیں۔ چنانچہ ہمیں بھیجے گئے اپنے مکتوب میں انہوں نے لکھا تھا کہ: ''بعض صوفیائے کرام نے اور علمائے کرام نے اس کو ظاہر معنٰی پر محمول فرمایا ہے''۔ (دعوت رجوع، صفحہ ۷ مطبوعہ جولائی ۲۰۱۰ء)

رہا قائلین کے متعلق ''مجتہد حضرات'' کے الفاظ کا استعمال؟ تو انہوں نے ''جہلاء'' کی گالی دی ہے جب کہ گالی آدمی تب دیتا ہے جب وہ دلائل سے قلاش ہو جائے۔

ان کی زبان میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہمیں اجتہاد کی کیا ضرورت ہے کیونکہ ہمارے پاس کنت نبیاً الخ جیسی صریح نص موجود ہے اجتہاد تو انہوں نے فرمایا ہے کیونکہ ان کے پاس ان کے نظریہ کے ثبوت کی کوئی نص نہیں ہے۔ پھر وہ یہ الفاظ اس طرح سے بے دھڑک بولے جارہے ہیں جیسے حدیث کنت نبیاً الخ ''حضرت شیخ الحدیث'' کی نظر سے کبھی گزری ہی نہ ہو۔

''صرف ولی'' ہونے کے ثبوت میں پیش کی گئی عبارات سے ترتیب وار جوابات

عبارت نمبرا(عبارت عقائد وشرح العقائد لا یبلغ ولی درجة الانبیاء الخ) **سے جواب**:

''عقائد میں امام نسفی نے فرمایا لا یبلغ ولی درجة الانبیاء علیهم السلام کوئی ولی انبیاء علیہم السلام کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اس کی شرح میں علامہ تفتازانی نے فرمایا: ''لان الانبیاء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة مكرمون بالوحی ومشاهدة الملك مامورون بتبليغ الاحكام وارشاد الانام بعد الاتصاف بكمالات الاولياء۔ بعد اس کے کہ کمالات اولیاء کرام کے ساتھ موصوف اور متصف ہوتے ہیں یعنی جب ان میں پہلے کمالات اولیاء موجود و متحقق ہوتے ہیں اور اس کے بعد نبوت کے ساتھ اور اس کے کمالات اور مقتضیات کے ساتھ متصف ہوتے ہیں تو اولیاء کرام علیہم الرضوان ان کے درجات و مراتب تک کیونکر رسائی حاصل کر سکتے ہیں''۔ (تحقیقات صفحہ ۲۴۳)۔

الجواب: ان عبارات کا مطلب صرف اتنا ہے کہ نبی چونکہ ولی بھی ہوتا ہے اور اس میں مزید بھی ایسے اوصاف ہوتے ہیں جو اس ولی میں نہیں ہوتے جو غیر نبی ہوتا ہے یعنی معصوم ہونا' سوء خاتمہ سے مأمون ہونا' وحی نبوت سے مشرف ہونا' نبوت کی بناء پر جبریل علیہ السلام سے ملاقی ہونا' تبلیغ احکام اور ہدایت خلق پر مأمور ہونا۔ اس لیۓ کوئی بھی ولی (یعنی جو غیر نبی ہو) خواہ کتنا ہی عظیم الشان ہو رتبے میں کسی بھی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا اگر چہ وہ نبی دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت سے ان سے مقام میں کتنا ہی نیچے ہو۔ اس عبارت کا کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا یہ معنٰی یا مطلب ہو کہ انبیاء کرام علیہم السلام پہلے کمالات اولیاء کرام کے ساتھ متصف ہوتے ہیں ''اور اس کے بعد نبوت کے ساتھ اور اس کے کمالات اور مقتضیات کے ساتھ متصف کیۓ جاتے ہیں''۔ جیسا کہ موصوف نے تأثر دیا ہے۔

مزید یہ کہ علامہ پرہاروی علیہ الرحمۃ نے اس کے تحت لکھا ہے: ''بعد بمعنی مع ''یعنی اس عبارت میں بَعْدُ کا لفظ مَعَ کے معنٰی میں ہے۔ (النبراس' صفحہ ۵۶۱)۔

اقول: تو معنٰی ہوگا: ''مع الاتصاف بکمالات الاولیاء ''یعنی انبیاء کرام علیہم السلام میں کمالات نبوت کے ساتھ ساتھ کمالات اولیاء بھی پائے جاتے ہیں یعنی جب کہ اولیاء میں کمالات اولیاء ہی ہوتے ہیں، خصائص نبوت نہیں پائے جاتے اس لیئے انبیاء میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو اولیاء میں ہوتا ہے اس کے برعکس نہیں لہذا ولی، نبی کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔

نوٹ: رہا یہ کہ علامہ پر ہاروی نے دوسرے معنٰی کی گنجائش بتائی ہے یعنی نبی پہلے ولی ہوتا ہے پھر نبی بنتا ہے؟ تو مصنف نے چونکہ اسے مستقل نمبر دیا ہے اس لیئے ہم بھی اس کا جواب اگلے نمبر کے تحت پیش کریں گے۔ تو لیجئے پڑھیئے:

عبارت نمبر۲(عبارت النبر اس اِنَّ النَّبِیَّ قَبْلَ النُّبُوَّۃِ یَکُوْنُ وَلِیاً)**سے جواب**:

علامہ پرہاروی بعدالاتصاف بکمالات الاولیاء کے تحت فرماتے ہیں: ''بعد بمعنی مع ویجوز ان یکون علی ظاھرہ لما تقرر من ان النبی قبل النبوۃ یکون ولیا''۔

''بعد الاتصاف'' بمعنیٰ ''مع الاتصاف'' ہے۔اور جائز ہے کہ ''بعدالاتصاف'' کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور دونوں اتصاف یکے بعد دیگرے متحقق ہوں۔ پہلے ان میں کمالات ولایت پائے جائیں اور ان کے بعد کمالات نبوت کے ساتھ متصف ہوں۔ کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے اور مسلمہ حقیقت ہے کہ نبی کی ذات مقدسہ نبوت سے قبل ولی ہوتی ہے''۔اھ بلفظہ ملخصاً (تحقیقات صفحہ ۲۳۴٬۲۳۳)۔

الجواب: راجح بیان کردہ پہلا معنیٰ ہے یعنی بَعْدُ بمعنی مَعَ ۔ کیونکہ یہ دلائل وحقائق کے مطابق ہے اور معنیٰ وہی ہے جو عبارت نمبر ا کے جواب کے ضمن میں گزرا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی ذوات قدسیہ میں خصائص نبوت کے ساتھ ساتھ کمالات اولیاء بھی پائے جاتے ہیں اور اس کے برعکس نہیں ہوتا اس لیۓ کوئی ولی کسی نبی کے درجہ کو پہنچ جائے؟ محال ہے۔

عبارت کے اگلے الفاظ میں ''یَجُوْزُ'' بمعنی یُمْکِنُ ہے جو یحتمل کے مفہوم میں ہے یعنی اس میں اس معنیٰ کا احتمال ہے۔

رہا یہ کہ یہ احتمال قوی ہے یا ضعیف ہے تو ہمارے نزدیک یہ احتمال ضعیف بلکہ غلط اور غیر صحیح بلکہ غلط فاحش ہے کیونکہ علامہ پرہاروی علیہ الرحمۃ نے ''بعد بمعنی مع'' کو اس سے جدا رکھا ہے یعنی اسے محتمل نہیں بتایا پس ان کے نزدیک بھی وہی پہلا معنیٰ راجح ہوا۔

علاوہ ازیں ''لِمَا تَقَرَّرَ'' کے الفاظ مبہم ہیں یعنی یہ تو ہے کہ یہ مقرر یا طے شدہ ہے لیکن ''عند من''؟ کس کے نزدیک طے شدہ ہے؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے اس لیۓ یہ امر محتاج تحقیق ہوا۔

پس ہم نے ائمہ شان سے رابطہ کیا تو امام ابوشکور سالمی حنفی ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی امامت وثقاہت مصنف تحقیقات کو بھی تسلیم ہے انہوں) نے تین باتیں کھول کر بیان فرمادیں:

نمبرا: یہ کہ اہل سنت وجماعت کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ نبی بعثت اور نزول وحی جلی بلکہ بلوغ سے قبل (یعنی بچپن میں) بھی ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے بعثت، وحی جلی اور بلوغ کے بعد نیز یہ کہ جو یہ نہ مانے وہ پکا کافر

ہے۔اور

نمبر۲: یہ کہ نبی قبل اعلان نبوت عنداللہ بمعنی حقیقی نبی ہوتا ہے جب کہ عندالناس یعنی انسانوں کی نظروں میں ولی ہوتا ہے بایں معنٰی کہ نبی نے خود کو ظاہر نہیں کیا ہوتا اور لوگ اسے جس نیکی کے درجے کا مانتے ہیں وہ مقام ولایت ہوتا ہے۔

نیز شروع بحث (عبارات سے اجمالی جواب) میں باحوالہ گزر چکا ہے کہ انسانوں سے مراد سب انسان نہیں بلکہ محض ناواقفین کفار ہیں اور

نمبر۳: یہ کہ نبی کو قبل از اعلان نبوت ''صرف ولی'' ماننا اور نبوت سے خالی سمجھنا اہل سنت کا نہیں بلکہ فرقہ ضالّہ کرامیہ کے سرپھروں کا عقیدہ ہے۔عبارات پیش کی جاچکی ہیں جو تمہید عربی صفحہ ۶،۶۷ اور تمہید مترجم اردو صفحہ ۴۵،۱۶۶ وغیرہا پر ہیں۔

اس تفصیل کی رو سے علامہ پرہاروی کی عبارت کا معنٰی سنّی عقیدہ کے مطابق یہ تو بالکل نہیں ہوسکتا کہ نبی قبل از اعلان نبوت اس معنٰی میں ولی ہوتا ہے کہ وہ نبوت سے خالی ہوتا ہے کیونکہ سنّی عقیدہ کے مطابق نبی اس سے قبل بھی بمعنی حقیقی نبی ہوتا ہے جس کا منکر کافر ہے۔

باقی دو معنٰی بچے نمبر۱ ''عندالناس ولی'' جو حسب تفصیل مذکور صحیح ہے۔

نمبر۲ کرامیہ کے نزدیک طے شدہ امر کہ نبی قبل بعثت صرف ولی ہوتا ہے۔یہ معنی لیا جائے تو بھی درست ہے اور ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ہمیں کچھ مضر اور مصنف تحقیقات کو کچھ مفید نہیں بلکہ یہ ان کے سراسر خلاف ہے۔

مصنف تحقیقات نے علامہ پرہاروی کی عبارت میں ''لِمَا تَقَرَّرَ'' کا جو یہ معنٰی کیا تھا کہ ''یہ مسلمہ حقیقت'' ہے تو اس کا تعلق بھی ''عند الناس ولی'' حسب بالا سے ہوا یا پھر متقشفۂ کرامیہ سے اس کا تعلق بنے گا۔بمعنی حقیقی نبی ہونے کی نفی سے نہیں جیسا کہ مصنف تحقیقات کا مقصود ہے لہٰذا یہ عبارت بھی موصوف کو کسی طرح کچھ سودمند ثابت نہ ہوئی وللہ الحمد۔

جواب آخر: مصنف تحقیقات اگر علامہ پرہاروی رحمہ اللہ علیہ کو اپنا معتمد سمجھتے ہیں تو نفس مسئلہ میں ان کے حسب ذیل اقوال کو وہ کیوں نہیں مانتے؟

چنانچہ حضرت موصوف نے اسی النبراس میں لکھا ہے کہ:

- الرسول من یأتیه الملك والنبی یجوز ان یأتیه الوحی بوجه آخر من الهام او منام یعنی

رسول ہونے کے لیۓ ضروری ہے کہ اس کے پاس ملک وحی آۓ جب کہ نبی کے لیۓ اتنا بھی کافی ہے کہ اس کے پاس الہام والقاءیا خواب کے ذریعہ ہدایات آئیں۔

O　نیز اسی النبر اس میں لکھتے ہیں: یجوز الوحی لتکمیل نفس النبی ﷺ بلا تبلیغ ''اللہ کے نبی پر ایسی وحی بھی ہوسکتی ہے جس کا تعلق تربیت ذات نبی سے ہو اور جسے دوسروں تک پہنچانے کا حکم نہ ہو یعنی تبلیغ' نبی کے لیۓ شرط نہیں (صفحہ ۴۳۵)۔

O　نیز ارقام فرماتے ہیں کہ: ''البحث الرابع ان النبی یبعث بعداربعین لانہ حین یکمل العقل وفی الدلیل نظر بل المعتمدفیہ النقل 'یعنی اس مقام کی چوتھی بحث یہ ہے کہ نبی کی بعثت چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد ہوتی ہے کیونکہ یہ کمال عقل کا زمانہ ہے لیکن یہ دلیل محل نظر ہے بل اس میں جو چیز معتمد علیہ ہے وہ قرآن وحدیث ہے (یعنی وہ ہے نہیں لہٰذا یہ شرط صحیح نہیں)۔ (صفحہ ۴۳۰)۔

ھنا عبارت نمبر۳ (عبارت الشفاء "ویبلغوا باصطفاء اللہ تعالٰی لھم بالنبوۃ") **سے مطلب**:

مصنف تحقیقات نے اس مقام پر عبارت النبر اس کے حوالہ کے ساتھ مزید یہ لکھا ہے کہ "و کـذافـی الشفاء" جلد۱ صفحہ۵۸"۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ۲۳۳) نیز (صفحہ۲۶۶ از ابن مصنف)۔

جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ النبراس جیسی عبارت الشفاء میں بھی ہے جو بالکل خلاف واقعہ ہے کہ نہ تو اس میں اس کی عبارت جیسی کسی عبارت کا کوئی وجود ہے اور نہ ہی اس میں ایسے الفاظ ہیں جو اس کے مفہوم کو اداء کرتے ہوں بلکہ جس عبارت کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے وہ ہر حوالہ سے ان کے بالکل خلاف ہے۔ مصنف نے الفاظ نقل نہیں کیئے ابن مصنف نے یہ الفاظ لکھے ہیں: "و تترادف نفحات اللہ علیھم و تشرق انوار المعارف فی قلوبھم حتی یصلو الی الغایۃ و یبلغوا باصطفاء اللہ تعالٰی لھم بالنبوۃ"۔

ہمارے اندازہ کے مطابق معترض فریق نے ان الفاظ سے یہ سمجھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں پہلے خصائل حمیدہ رکھے جاتے ہیں پھر وہ مرتبۂ نبوت کو پہنچتے ہیں جو نہایت درجہ غلط اور سخت تعجب خیز اور انتہائی حیرت انگیز بھی ہے۔ کیونکہ عبارت کا مفہوم اس کے برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں جملہ خصائل حمیدہ ان کی ذوات قدسیہ میں نبوت کی وجہ سے پائے جاتے ہیں جس کی تحصیل کے لیئے انہیں مجاہدے نہیں کرنے پڑتے جب کہ غیر انبیاء علیہم السلام میں پہلے تو جملہ خصائل یکجا نہیں ہوتے ہوں بھی سہی تو انہیں اس کے لیئے بالعموم مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہوتی ہے جس کی تصریح اسی عبارت میں موجود ہے مگر معترض فریق نے محض من مانے حصے کے نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور اس میں بھی مغالطہ آفرینی سے کام لیا ہے۔

چنانچہ ان کی نقل کردہ عبارت کے آگے اس طرح ہے: فـی تـحـصـیـل ھـذہ الـخـصـال الشریفۃ الـنھایۃ دون ممارسۃ و لا ریاضۃ قال اللہ تـعـالـی و لما بلغ اشدہ و استوی آتیناہ حکما و علما۔ و قد نجد غیر ھم یطبع علی بعض ھذہ الاخلاق دون جمیعھا (الی) و کما نجد بعضھم علی ضدھا فبالا کتساب یکمل ناقصھا و بالریاضۃ و المجاھدۃ یستجلب معدومھا الخ۔ (الشفاء جلد۱ صفحہ۵۸، ۵۹)۔

اس سے امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی کی مراد انبیاء علیہم السلام سے قبل بعثت نفی نبوت ہر گز نہیں۔ جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ موصوفین کی نقل کردہ عبارت سے پہلے بڑی تفصیل سے انہوں نے لکھا ہے

کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تین سال کی عمر میں اور ایک قول پر اپنی والدہ ماجدہ کے بطن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمۃ اللہ، روح اللہ ہونے تصدیق کی اور اس کی شہادت دی اور دو یا تین سال کی عمر میں ''الحکم'' پایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی والدہ ماجدہ سے کہا ''لاتحزنی'' پریشان نہیں ہونا نیز گھوارے میں علانیہ فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔

نیز سلیمان علیہ السلام کو ان کی بچپن کی عمر میں حکم وعلم عطا فرمایا۔ بارہ سال کی عمر میں انہیں بادشاہت دی گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بالکل اپنی بچپن کی عمر میں فرعون کی داڑھی کھینچی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بالکل چھوٹی عمر میں بصیرت عطا ہوئی بلکہ آپ کی پیدائش کے وقت ایک فرشتہ نے آپ سے آکر کہا اللہ کو دل سے پہچانیں اور زبان سے اس کا ذکر فرمائیں فرمایا ''قد فعلت'' یہ تو پہلے سے کر چکا ہوں۔ جب آپ کو آگ کے الاؤ میں ڈالا گیا تو آپ کی عمر سولہ برس تھی۔ حضرت ذبیح اللہ کی عمر آزمائش کے وقت سات برس تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی بچپن کی عمر میں وحی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''واوحینا الیه لتنبئنهم بامرهم هٰذا الآیة''۔

سیّد عالم ﷺ نے اپنی ولادت باسعادت کے وقت دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا نیز آپ کو شروع ہی سے بتوں سے شدید نفرت تھی، شعر گوئی سے بھی پاک رہے اور امور جاہلیت سے مجتنب۔

اسی سے متصلاً وہ عبارت ہے جسے معترض فریق نے پیش کیا ہے کہ ان حضرات پر ہمیشہ خدا کی خصوصی کرم نوازیاں رہتی ہیں اور ان کے قلوب پر انوار کی بارش رہتی ہے حتیٰ کہ وہ بغیر کسی ریاضت اور مشق کے محض اس نبوت کی وجہ سے جس کے لیۓ اللہ نے انہیں منتخب فرمایا ان خصال حمیدہ کے اوج کمال پر پہنچتے ہیں۔

ملاحظہ ہو (الشفاء جلد ۱ صفحہ ۵۶، ۵۷، ۵۸ طبع مصر)۔

خصوصیت کے ساتھ سیّد عالم ﷺ سے آپ کی بعثت سے پہلے نفس نبوت کی نفی تو قطعاً کسی طرح مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ امام قاضی عیاض علیہ الرحمۃ بڑی شدومد سے حضور کے قدم نبوت کے قائل ہیں جس کی انہوں نے جگہ جگہ تصریح فرمائی ہیں بطور نمونہ حوالہ کے لیۓ ملاحظہ ہو۔ (الشفاء جلد ۱ صفحہ ۴۸، ۱۰۲، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۲۸، ۱۵۲، ۱۶۰، ۱۶۱۔ نیز جلد ۲ صفحہ ۹۳، ۹۴، ۹۵، طبع مصر)۔

عبارت نمبر۲ (عبارت مواقف وغیرہ والانبیاء علیهم السلام قبل نبوتهم لایقصرون عن درجة الاولیاء) **سے جواب**:

''مواقف اور شرح مواقف میں بھی قاضی عضدالدین اور میر سید شریف نے دعویٰ کیا تھا کہ معجزہ وہ امر مخالف عادت ہوتا ہے جو نبی کے دعویٰ نبوت کے مقارن ہو نہ کہ اس سے پہلے۔ کیونکہ معجزہ دعویٰ نبوت کی تصدیق کے لیئے ہوتا ہے اس پر وارد ہونے والا اعتراض پھر جواب کا مطالعہ اور حقیقت حقہ کا مشاہدہ کریں۔ (ماننا نہ ماننا تو توفیق الٰہی پر منحصر ہے)۔

اگر معجزہ دعوت سے مقدم نہیں ہو سکتا تو عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کرنے' تازہ چنی ہوئی کھجوروں کے گرنے کے معجزے دعویٰ نبوت سے مقدم ہیں۔ اسی طرح رسول ﷺ کے معجزات سینہ اقدس کا چاک کیا جانا' دل مبارک کا دھویا جانا' بادلوں کا سایہ' پتھروں' ڈھیلوں کا سلام پیش کرنا سبھی آپ کے دعویٰ رسالت سے مقدم ہیں؟ قلنا تلك الخوارق المتقدمة علی الدعوی لیست بمعجزات انما هی کرامات فظهورها علی الاولیاء جائز والانبیاء علیهم السلام قبل نبوتهم لایقصرون عن درجة الاولیاء فیجوز ظهورها علیهم ایضاً وحینئذ تسمّی ارهاصاً ای تأسیساً للنبوة''۔

ہم کہتے ہیں یہ خوارق جو دعوائے نبوت سے مقدم ہیں' معجزات نہیں بلکہ کرامات ہیں پس ان کا ظہور اولیاء کرام کے ہاتھوں پر جائز ہے اور انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل اولیاء کے درجات سے کم درجہ والے نہیں ہوتے لہٰذا ان سے اس طرح کے کرامات کا ظاہر ہونا بھی درست ہوگا اور ان خوارق کو ارہاص کا نام دیا جاتا ہے (جس کا معنٰی ہے بنیاد رکھنا) اور یہ بھی نبوت انبیاء کے لیئے مثل بنیاد و اساس کے ہوتے ہیں۔ اھ ملخّصاً بلفظہ۔

(شرح مواقف صفحہ ۶۶۷' کذا فی الزرقانی' جلد ۵' صفحہ ۲۴۲ کذا فی مطالع المسرات' صفحہ ۲۱۶۔ تحقیقات' صفحہ ۲۳۴' ۲۳۵)۔

الجواب: نوٹ: شرح مواقف کی پیش کردہ عبارت فقیر کے پاس موجود اس کے نسخہ کے جلد ۸ صفحہ ۲۲۵' ۲۲۶ طبع مصر و قم میں ہے۔

زرقانی' جلد پنجم فی الوقت دستیاب نہ ہو سکی لہٰذا اس کے حوالہ سے کلام کا حق محفوظ کیا جاتا ہے۔ مطالع کی عبارت صفحہ ۲۳۵ پر ہے۔ جس میں صرف بادل کے سایہ کے حوالہ سے بحث کے ضمن میں یہ لفظ ہیں: ''ان تظلیل الغمامة له صلی الله علیه وسلم انما کان قبل النبوة وتأسیسا لنبوته اذلم یرو ذلك ولم

یحفظ بعد النبوۃ'' (صفحہ ۲۳۵ طبع نوریہ رضویہ لائل پور) فلیحفظ۔

اقول: جواب حاضر ہے (ماننے کی توفیق ملنا مقدر اور قسمت کی بات ہے)۔

پیش کردہ عبارت ہمیں کچھ مضر اور مصنف تحقیقات کو کچھ مفید نہیں کیونکہ اس میں محض یہ بحث ہے کہ اعلان نبوت سے قبل کے خوارق کو معجزات کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ جنہیں معجزات کہنے سے صاحب مواقف حضرت قاضی عضدالدین شافعی اشعری اور شارح مواقف حضرت میر سید حنفی ماتریدی نے اختلاف فرمایا اور وجہ بھی بیان فرمادی کہ ان خوارق پر بھی ان کے نزدیک معجزات کی طے شدہ تعریف صادق نہیں آتی کہ ان میں دعویٰ نبوت سے مقارن ہونے کی شرط مفقود ہے۔

بناءً علیہ انہوں نے خوارق قبلیہ کو خوارق بعدیہ سے الگ کرنے کی غرض سے ارہاص کی اصطلاح استعمال فرمائی۔ یہ نہیں فرمایا کہ حضور اس وقت نبی نہ تھے اس لیئے انہیں معجزات نہیں کہیں گے اور ''ارھاص'' کے لفظ استعمال کریں گے۔ اسی لیئے انہوں نے اس کے لیئے بار بار ''تقدم علی الدعویٰ'' کے الفاظ استعمال کیئے ہیں۔ یعنی یوں کہا ہے کہ دعویٰ نبوت سے قبل کے خوارق' یوں نہیں کہا کہ نفس نبوت کے ملنے سے قبل کے خوارق وغیرہ جب کہ ان دونوں میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ کمالا یخفی۔

○ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جن علماء نے یہ فرمایا کہ ارہاصات کو مجازاً معجزات کہا جاتا ہے (کما فی النبراس 'صفحہ ۴۳۰ وغیرہ) اس سے بھی ان کا مقصود آپ ﷺ یا کسی اور نبی سے نفس نبوت کی نفی کرنا نہیں بلکہ دعویٰ نبوت سے مقارن ہونے کی شرط کا نہ پایا جانا ہی اس کی وجہ ہے۔

○ اس سے قطع نظر جو علماء ان خوارق پر معجزات کا مطلقاً اطلاق فرماتے ہیں جیسے امام جلال الملۃ والدین السیوطی (فی الخصائص) حضرت شیخ محقق (فی مدارج النبوۃ) علامہ نبہانی (فی حجۃ اللہ علی العلمین) اور والد ماجد اعلیٰ حضرت (فی الکلام الاوضح ولفظہ معجزات ولادت) وغیرہم۔ تو ان کے نزدیک تو کم از کم یہ لازم آیا کہ وہ آپ ﷺ کے اس وقت بھی نبی ہونے کے قائل تھے یعنی بقول معترض اگر معجزات کا عدم اطلاق نفی نبوت کی وجہ سے ہے تو معجزات کا اطلاق دلیل نبوت ہوا۔

رہا ان خوارق کے متعلق یہ کہنا کہ ''انما ھی کرامات'' (یہ تو محض کرامات ہیں)؟ تو ''کرامات'' کے الفاظ یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں ہیں بلکہ لغوی معنٰی میں بمعنی تکریمات ہیں۔

رہا ان خوارق کے متعلق یہ کہنا کہ ''انما ھی کرامات'' (یہ تو محض کرامات ہیں)؟ تو کرامات'' کے الفاظ یہاں اصطلاحی معنٰی میں نہیں ہیں بلکہ لغوی معنٰی میں بمعنی تکریمات ہیں۔

چنانچہ علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس جیسی ایک بحث میں فرماتے ہیں: ''والکرامۃ لغویۃ لا اصطلاحیۃ فلاتنافی المعجزۃ ''یعنی یہاں کرامۃ لغوی معنٰی والی (بمعنی تکریم واعزاز) مراد ہے اصطلاحی معنٰی والی نہیں۔لہٰذا اس مطلب پر معجزہ پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ بلفظ دیگر معجزہ بھی نبی کی تکریم کے لیئے ہوتا ہے اس لیئے اسی تکریم کے مفہوم کی بناء پر معجزہ کو بھی کرامت کہہ سکتے ہیں۔ملاحظہ ہو(شرح الشفاء' جلد۱'صفحہ۵۵)۔

علاوہ ازیں صحیح حدیث میں ہے: ''الکرامۃ والمفاتیح یومئذ بیدی ''یعنی مکمل اعزاز اور سارا کنٹرول اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔

ملاحظہ ہو(من عقائد اھل السنۃ'صفحہ۸۰'از علامہ شرف القادری علیہ الرحمۃ' بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح'صفحہ۵۴۷)۔

نیز خود اسی شرح مواقف میں شیخ الاسلام میر سید نے یہ روایت لکھی ہے کہ ایک اعرابی سرخ اونٹنی پر سوار ہوکر حاضر خدمت ہوا کچھ لوگوں نے کہا حضور! اس شخص کے پاس یہ اونٹنی چوری کی ہے۔آپ نے حضرت علی کو اس کی تحقیق کا حکم دیا۔اسی پر باتیں چل ہی رہی تھیں کہ اس اونٹنی سے باآواز بلند حضور کی بارگاہ میں عرض کی: ''والذی بعثك بالکرامۃ یا رسول اللہ ان ھذا ما سرقنی وما ملکنی احد سواہ ''قسم اس ذات کی جس نے آپ کو یارسول اللہ باکرامت بھیجا اس شخص نے مجھے چوری کرکے اپنے پاس رکھا ہوانہیں ہے میں تو شروع سے اسی کی ہی ملکیت میں ہوں۔

ملاحظہ ہو(شرح المواقف' جلد۸'صفحہ۲۵۸)۔

اس حدیث میں ''کرامت'' کا لفظ ہے جو اعلان نبوت کے کافی عرصہ کے بعد مدنی زندگی پاک میں آپ ﷺ کے لیئے بولا گیا ہے جو یقیناً لغوی معنی میں (بمعنی تکریم و بزرگی) ہے۔

لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی بزرگ یہاں بھی اسے اصطلاحی معنٰی میں لے کر اپنی ''کرامت'' لوگوں کو دکھائیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

کرامت کے یہاں لغوی معنٰی میں ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ محققین نے جب اسے معنی مصطلح میں لیا تو اسے ارہاص کا قسیم ہونے کے طور پر ذکر کیا۔

جب کہ قسیم مأخذ میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔

چنانچہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں: نمبر۱: اسم' نمبر۲: فعل' نمبر۳: حرف' یہ تینوں کلمہ سے نکلے پھر ممتاز ہوئے۔
چنانچہ مشہور ماہر درسیات' محشی کتب فنون عربیہ کثیرہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ خوارق کی اقسام ستہ کی

وجہ ضبط میں لکھتے ہیں:ان الخارق اما ظاهر عن المسلم او الكافر والاول اما ان يكون مقرونا بكمال العرفان وهو المعونة او يكون وحينئذ اما مقرون بدعوى النبوة فهو المعجزه اولاوح لا يخ اما ان يكون ظاهرا من النبي قبل دعواه فهو الارهاص والافهو الكرامة۔ والثاني اعني الظاهر على يدالكافرا ما ان يكون موافقا لدعواه فهو الا ستدراج والافهو الاهانة (حاشيه السيالكوٹي على الخيالي، صفحہ۱۴۳، حاشیہ، طبع مطبع یوسفی)۔

اس عبارت سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح اور کھل کر سامنے آ گیا کہ حسب معنیٰ مصطلح کرامت اور ارہاص دونوں الگ چیز ہیں۔ نیز یہ کہ ارہاص کا صدور نبی سے ہوتا ہے مزید یہ کہ اس میں قبل دعویٰ نبوت کی تصریح ہے یعنی دعوی کی بات ہے نبی بننے کی نہیں۔

موصوف پھر بھی نہ مانیں اور اسی پر ڈٹ جائیں کہ یہاں ''کرامت'' بمعنیٰ مصطلح ہی ہے یعنی یہ لفظ اس لیۓ ہے کہ معاذ اللہ آپ ﷺ (نقل کفر کفر نباشد) نبوت سے اس وقت خالی تھے تو انہیں یہ تو بہر حال بتانا ہوگا کہ علماء کلام نے اس مقام پر ''کرامات'' یا ''کرامۃ'' کے لفظوں کے ساتھ ارہاص'' یا ''ارہاصات'' کے الفاظ کیوں بڑھائے ہیں؟

رہا یہ کہ اس کے لیۓ انہوں نے یہ بھی تو ساتھ لکھا ہے ''ارهاصااى تأسيساً للنبوة من ارهصت للحائط اسسته ''یعنی ارھاصاً کے لفظ کا معنٰی ہے نبوت کی تاسیس کے لیۓ اور یہ لفظ ''ارھصت للحائط'' کے محاورہ سے لیا گیا ہے جس میں ارھصت بمعنیٰ اَسَّسْتُ ہے۔ (شرح المواقف، جلد۸، صفحہ ۲۲۶)

تو جواباً عرض ہے کہ اس سے بھی ان کا مقصود نفی نبوت نہیں کہ نفس نبوت نہ تھی جسے موجود کرنے کے لیۓ ان خوارق کو ذریعہ بنایا گیا کیونکہ اس صورت میں نبوت کسبی قرار پائے گی جو صحیح نہیں کیونکہ نبوت وہبی چیز ہے الله اعلم حيث يجعل رسالته۔

نیز یہ معنٰی فیصلہ نبویہ ''كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد '' کے بھی خلاف ہے جس سے صاحب مواقف اور شارح پر معاذ اللہ انکار حدیث کا الزام آئے گا جو کسی طرح درست نہیں۔

نیز یہ کہ حضرت میر سید ماتریدی ہیں جب کہ ماتریدی حضور کے قدم نبوت کے قائل ہیں جیسا کہ تمہید علامہ سالمی صفحہ ۶، ۱۶۷ور صفحہ ۷۶ سے بارہا گزر چکا ہے۔

نیز حضرت میر سید نے اپنی اس کتاب (شرح المواقف) میں بھی خود بھی اس کی تصریح فرمادی ہے۔ چنانچہ اول ماخلق اللہ کے بیان کی مختلف احادیث میں (کہ بعض میں العقل آیا، بعض میں القلم اور بعض میں

''نوری'' کے لفظ آئے) تطبیق دیتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ ان سب کا مصداق حضور ہی ہیں اور ان مختلف الفاظ میں آپ کی عظمت کے مختلف پہلوؤں کو مختلف الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اسی میں فرمایا: ''ومن حیث توسطه في افاضة انوار النبوة كان نور لسيد الانبياء'' یعنی اسی اول چیز کو انوار نبوت کا فیض دینے کا واسطہ ہونے کے حوالے سے سید الانبیاء ﷺ کا نور کہا گیا (شرح المواقف جلد ۷ صفحہ ۲۵۲ المرصد الرابع فی العقل)

اقول: اگر حضور شروع سے موجود نہ ہوں اور خود وصف نبوت سے متصف نہ ہوں تو واسطۂ افاضۂ انوار نبوت کیسے ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے۔ آمین۔

الغرض ارہاص بمعنی تأسیس کا معنٰی نبی بنانا یا نفس نبوت عطا فرمایا نہیں بلکہ نبوت کو یکدم ظاہر کر دینے کی بجائے وقتاً فوقتاً خوارق کو ظاہر کر کے نبوت کی جلوہ گری کے لیۓ راہ ہموار کرنا اور وہ بھی لوگوں کے لیۓ۔

پھر چونکہ وہ خوارق زمانۂ ظہور نبوت کے شروع میں ہوتے ہیں جیسے عمارت کے لیۓ بنیاد شروع میں ہوتی ہے اس لیۓ اس مناسبت سے ارہاص اور تأسیس للنبوۃ کہا گیا لاغیر ''ارہاص'' کی مکمل تفصیل مغالطہ نمبر ۲۷ کے رد میں دیکھی جاسکتی ہے۔

رہا یہ کہ کرامت کا متبادر معنٰی ہے وہ امر خارق عادت جو ولی کے لیۓ ظاہر ہو تو یہاں اس کے لانے کی آخر کیا وجہ ہے اور مناسب کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کے دعویٰ نبوت سے پہلے اس کے نبی ہونے کا عموماً لوگوں کو پتہ نہیں ہوتا جب کہ وہ اس دور میں بھی نیکی اور تقویٰ میں ممتاز ہوتا ہے جس کی بناء پر وہ لوگوں کی نظروں میں (اور عند الناس) ولی کے درجہ کا ہوتا ہے اس لیۓ اسی مشاکلت کی وجہ سے اس وقت اس سے ظاہر ہونے والے امر خارق کے لیۓ کرامت کے لفظ کو رکھا گیا پھر اگر اس کا صدور، ظہور نبوت کے زمانہ کے شروع میں ہو تو حسب تفصیل بالا اسے ''ارہاص'' کا نام بھی ساتھ دیا جاتا ہے یعنی وہ کرامت جو ارہاص ہے پس پورا معنٰی ہوگا وہ امر خارق عادت جو نبی سے اس زمانہ میں ظاہر ہوا جس میں وہ عند اللہ بمعنی حقیقی نبی مگر عدم اظہار نبوت کی بناء پر وہ لوگوں کی نظروں میں ولی کے درجہ پر تھا۔

ہمارے اس بیان سے پیش کردہ عبارت کے ان الفاظ کی بھی توجیہ ہوگئی ''والانبياء عليهم السلام قبل نبوتهم لايقصرون عن درجة الاولياء'' جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ان الفاظ میں ''نبوت'' سے مراد وحی جلی ہے اور ''لا يقصرون عن درجة الاولياء''، ''عند الناس'' کی قید سے مقید ہے کیونکہ کسی بھی فن کے کسی مسئلہ میں اس فن کے علماء شان میں سے کسی کی کتاب شان میں ایک قید آجائے تو وہ ہر جگہ ملحوظ ہوتی

ہے یعنی اس صورت میں اس مسئلہ کی عبارت جہاں بھی اس قید کے بغیر ہوگی تو وہ (مطلق عبارت) مقید عبارت پر محمول ہوگی (یحمل المطلق علی المقید)۔

جب کہ "عندالناس ولیا" کی قید امام شان (ابوشکور سالمی) کی کتاب شان (تمہید) میں آ گئی ہے عبارت اجمالی جواب میں نقل کی جا چکی ہے۔

بناءً علیہ وہ یہاں بھی ملحوظ ہے۔

جب کہ مصنف تحقیقات نے یہاں جن علماء کی عبارات پیش کی ہیں ان میں امام سالمی زماناً بھی سب سے متقدم ہیں حتٰی کہ صاحب مواقف حضرت قاضی عضدالدین اور شارح مواقف حضرت میر سید سے بھی کیونکہ ماتن کی وفات ۷۵۶ھ اور شارح کی وفات ۸۱۶ھ میں ہوئی جب کہ امام سالمی کے متعلق خود معترض نے لکھا ہے کہ: "حضرت علامہ ابوشکور سالمی جو حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ کے معاصر ہیں"۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۳۹)۔

اقول: حضرت داتا صاحب کی وفات ۴۶۵ھ میں ہوئی۔ (مقدمہ کشف المحجوب، صفحہ ۱۶، طبع کراچی) جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت میر سید وغیرہ سے صدیوں پہلے کے علماء اس مسئلہ کو "عندالناس ولیا" کی قید سے بیان فرماتے تھے۔ لہٰذا عبارات مطلق نہیں مقید ہیں۔ انہیں مطلق سمجھنا بہت بڑی سنگین غلطی ہے یا عمداً مغالطہ آفرینی۔

واضح رہے کہ معترض کو امام سالمی کی ثقاہت و امامت فی العلم بھی مسلّم ہے ملاحظہ (تحقیقات، صفحہ ۲۳۹) جس سے حق ہر طرح واضح ہو جاتا ہے والحمد للہ علی ذلک۔

جواب آخر:

○ پیش کردہ عبارات کے نفی نبوت کے لیے نہ ہونے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ یہاں جن علماء کا نام لیا گیا ہے وہ سب حسب تفصیل ذیل حضور کے قدم نبوت کے قائل ہیں۔

• اس طرح سے کہ امتی ہونے کی حیثیت سے وہ سب حضور کے فیصلوں کے پابند ہیں جن کے لیے ماننا اصل اور نہ ماننا خلاف اصل ہے۔ نیز ان کے متعلق ماننے کا نظریہ رکھنا حسن ظن اور نہ ماننے کا نظریہ رکھنا ان سے سوءظن ہے جب کہ صحیح العقیدہ مسلمان سے حسن ظن رکھنے کا اور اس کے بارے میں سوءظن سے بچنے کا حکم ہے جو اتنا اہم ہے کہ اسے قرآن میں خصوصیت کے ساتھ لایا گیا (کما فی سورۃ النور والحجرات وغیرھما)

جب کہ حضور کا نفس مسئلہ کے متعلق فیصلہ ہے: "کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد" میں

زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے نبی ہوں جو قدم نبوت کی دلیل ہے۔ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ اس ناطے سے یہ سب حضرات حضور کے قدم نبوت کے قائل تھے ﷺ۔

علاوہ ازیں ان میں سے بعض سے تصریحاً بھی یہ امر ثابت ہے۔

- حضرت میر سید کی تصریح ابھی چند سطور پہلے پیش کی جاچکی ہے۔
- رہے علامہ زرقانی؟ تو بر تقدیر تسلیم صحت نسبت عبارت؟ آپ نے اپنی اسی کتاب (زرقانی شرح مواہب) میں جگہ جگہ اس کی تصریحات کی ہیں۔

چنانچہ امام ربانی علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں ارقام فرمایا: ''ان النبوۃ والرسالۃ باقیۃ بعد موتہ علیہ الصلاۃ والسلام حقیقۃ کما یبقی وصف الایمان للمؤمن بعد موتہ لان المتصف بالنبوۃ والرسالۃ والایمان ھوالروح وھی باقیۃ لاتتغیر بموت البدن باجماع (الیٰ) فوصف النبوۃ باق للجسد والروح معاً''۔

یعنی آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ کی نبوت ورسالت' بمعنی حقیقی باقی ہے جس کی مثال یہ ہے کہ کوئی اہل ایمان فوت ہوجائے تو اس کی وفات کے بعد بھی اس کا ایمان باقی اور قائم رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نبوت' رسالت اور ایمان سب روح کی صفت ہیں جب کہ روح بالاجماع وفات بدن کے باوجود باقی رہتی ہے یعنی روح پر فناء نہیں۔ بناءً علیہ حضور کا وصف نبوت آپ کے جسم وروح مبارک دونوں کے لیۓ بمعنی حقیقی باقی ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ اللہ کا کلام قدیم ہے اور قدیم ہی سے اس نے اپنے نبیوں کو اپنا مخاطب قرار دیا فھو علیہ الصلاۃ والسلام قبل ان یوجد کان رسولا وفی حل کونہ الی الابد جس سے یہ واضح ہوگیا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام جسد عنصری میں جلوہ گر ہونے سے بھی پہلے سے اللہ کے رسول تھے۔ نیز پیدا ہونے کے بعد بھی اور ابد تک رسول ہیں۔

علامہ زرقانی نے اسے رد کرنے کی بجائے اسے برقرار رکھا بلکہ تعلیل فرمائی اور اس میں فرمایا''وان تأخر الامر بالتبلیغ الی بعد الوحی ''یعنی نبی پہلے سے تھے حکم تبلیغ نزول وحی جلی کے بعد ملا (زرقانی شرح مواہب' جلد ٦' صفحہ ١٦٩' طبع مصر)۔

اقول: قال امام اہل السنۃ فی المعتمد المستند التعلیل دلیل التحویل۔

○ صاحب مطالع المسرات (شارح دلائل الخیرات حضرت امام محمد المہدی الفاسی رحمۃ اللہ علیہ) کی اس

مسئلہ میں تصریحات اس قدر کثرت سے ہیں کہ ان سب کو یکجا کیا جائے تو وہ ایک رسالہ کی شکل اختیار کر جائے بطور نمونہ بعض نقول حسب ذیل ہیں:

- ''لایصل لاحد شیٔ الا بواسطته'' جس کو جو ملتا ہے حضور کے واسطہ ہی سے ملتا ہے۔(صفحہ۳۶)۔
- ''وان کل خیر و نور و برکة شاعت وظهرت فی الوجود او تظهر من اول الایجاد الی آخره انما ذلك بسببه صلی الله علیه وسلم 'یعنی ہر بہتری' ہر روشنی اور ہر برکت جو وجود میں آ کر جہانوں میں پھیلی یا ابتداء آفرینش سے لے کر آخر تک جو ظاہر ہوئی ہو رہی ہے ہوگی وہ سب آپ ہی کے وسیلہ سے ہے۔ ﷺ (صفحہ۱۱۴)۔
- اسی طرح صفحہ۲۲۲ پر بھی ہے۔
- نیز ہر چیز حضور کے نور کے فیض سے ہے۔ ﷺ (صفحہ۱۲۹'۲۲۱'۲۶۴)

اقول: اس سے دو امر ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ حضور وجود میں سب سے اول ہیں' دوسرا یہ کہ آپ وصف نبوت سے سب سے پہلے متصف ہوئے ورنہ اس کے بغیر آپ واسطہ کل نہیں ہو سکتے۔

احادیث لولاک سے بھی جو آپ نے نقل فرمائی ہیں اس پر روشنی پڑتی ہے۔(صفحہ۲۶۴)۔

- نیز ''قبل ظهوره بالنبوة'' آپ ﷺ کے شان نبوت کے ساتھ ظاہر ہونے سے پہلے (صفحہ۹۲)۔
- نیز جملہ اوّلین وآخرین کے رسول مطلق آپ ہیں آپ کی رسالت' ہمہ گیر' دعوت' کامل' رحمت' شامل' اور مخلوق کی امداد ہمہ وقتی ہے'' وكل من تقدم من الانبیاء والرسل قبله فعلی حسب النیابة '' آپ سے پہلے جتنے انبیاء ورسل علیہم السلام ہوئے سب نے آپ کی نیابت میں کام کیا (صفحہ۹۲'۹۳) نیز صفحہ۱۰۷'۱۰۸ نحوہٗ۔
- آپ ﷺ کا ارشاد ہے:''کنت اول الانبیاء فی الخلق وآخرهم فی البعث '' میں تخلیق میں سب انبیاء سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر میں ہوں (صفحہ۲۲۰)۔
- حضرت شیخ قصری رحمہ اللہ کے حوالہ سے استناداً لکھا ہے:ان النبی ﷺ عقدت له النبوة قبل كل شیٔ'' نبی کریم ﷺ کو ہر چیز کے وجود میں آنے سے پہلے نبوت عطا کی گئی۔(صفحہ۱۰۷)۔
- صفحہ۹۲'۱۲۹اور۱۰۷پر حدیث''کنت نبیاً وآدم بین الروح والجسد'' استناداً نقل فرمائی اور مؤخر الذکر صفحہ پر آپ ﷺ کے متعلق امام اہل سنّت تقی الدین سبکی رحمہ اللہ علیہ کی مشہور تقریر زیب قرطاس کی جس کا خلاصہ یہ کہ زمانۂ آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک سب کے سب حضور کی امت میں شامل ہیں یعنی آپ کی

نبوت سب کو حاوی نیز یہ کہ حدیث ہٰذا حقیقی معنٰی پر ہے۔(ملخّصاً)(صفحہ۱۰۷)۔

خلاصہ یہ کہ جن علماء کا مصنف تحقیقات نے یہاں نام لیا اور ان کی عبارتیں پیش کی ہیں وہ سب حضور کے قدم نبوت کے قائل ہیں بناءً علیہ ان کی ان عبارتوں کو نفیٔ نبوت کے معنٰی میں لینا غلط ہے اور'' توجیه القول بما لا یرضی به قائله'' کا ارتکاب ہے' بلفظ دیگر یہ عبارتیں کسی طرح بھی معترض کے مفید مدعا یا ہمارے خلاف ہرگز نہیں ہیں۔ و ﷲ الحمد۔

عبارت نمبر۵ (عبارت زرقانی بحوالہ شرح المواقف) سے جواب:

اس نمبر پر مصنف تحقیقات نے زرقانی شرح مواہب (جلد۵' صفحہ۷۷) سے ایک عبارت پیش کی ہے جو بعینہٖ مواقف اور شرح المواقف کی گزشتہ عبارت ہے جس کی تصریح خود اسی عبارت میں موجود ہے۔ چنانچہ اس میں یہ الفاظ ہیں: ''کما صرح بہ العلامۃ السید الشریف علی الجرجانی فی شرح المواقف'' ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ۲۳۶)۔

البتہ آخر میں یہ الفاظ زائد ہیں: وصرح بہ غیرہ وھو مذھب جمھور ائمۃ الاصول وغیرھم خلافاً للرازی فی تسمیتھامعجزات''۔

الجواب: اقول: ان زائد الفاظ سمیت پوری عبارت کا مکمل طور پر جواب پچھلے عنوان کے تحت دیا جا چکا ہے۔ اسے ادھر ہی ملاحظہ کیا جائے۔

رہا ''خلافاللرازی فی تسمیتھا معجزات''؟

تو یہ **علامہ زرقانی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اپنی معلومات کی حد تک ہے یہ مطلب نہیں کہ ساری دنیا کے علماء ایک طرف ہیں اور امام رازی اس میں ایک طرف ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ امام جلال الملۃ والدین السیوطی جیسی عظیم ہستی نے بھی خصائص کبریٰ میں) ان خوارق کو بھی جو زمانہ ظہور نبوت سے برسوں پہلے ظاہر ہوئے' معجزات کا نام دیا ہے۔

ملاحظہ ہو (الخصائص الکبریٰ' جلد ا' صفحہ ۴۵' باب ماظھر فی لیلۃ مولدہ ﷺ من المعجزات والخصائص)۔

علاوہ ازیں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدّث دہلوی نے بھی انہیں معجزات کے عنوان سے ذکر فرمایا ہے ملاحظ ہو (مدارج النبوۃ فارسی' جلد ا' صفحہ ۸ ' معجزات سہ قسم است الخ)۔

والد ماجد اعلیٰ حضرت نے ولادت باسعادت کے وقت ظہور پذیر ہونے والے خوارق کے بیان کے حصہ کتاب کو ''معجزات ولادت'' کے عنوان سے معنون کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (الکلام الاوضح صفحہ ۱۸۰' طبع لاہور)۔

اس سے قطع نظر امام رازی بحیثیت معنوی ایک فرد نہیں پورے ادارہ کا نام ہے۔ لہٰذا آپ کے حلقۂ اثر کے دیگر جیّد علماء بھی اس میں شامل ہیں۔ پھر کم ازکم اس سے معترض کے طور پر یہ تو ثابت ہو گیا کہ امام رازی

رحمۃ اللہ علیہ سید عالم ﷺ کو چالیس سال کی عمر شریف سے پہلے نبی مانتے تھے جو ایک حقیقت ثابتہ بھی ہے۔ تفصیل باب ہشتم میں مستقل عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔

اس سے بھی قطع نظر اس کا مفاد صرف یہ ہے کہ ان خوارق پر علماء کی طے کردہ تعریف معجزات کا اطلاق درست نہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضور اس وقت نبی (معاذ اللہ) نہ تھے۔ ﷺ۔ پس اس کا بھی معترض کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔

اس سب سے قطع نظر بعض خوارق کو معجزات کہنے نہ کہنے کا اختلاف تو حضور کے زمانۂ اعلان نبوت کے بعد آپ سے ظاہر ہونے والے خوارق کے متعلق بھی ہے کہ جو خوارق تحدّی کے بغیر ہوں، بعض علماء انہیں آیات وعلامات کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تو کیا اس سے بھی معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نبوت کے متعلق تشکیک کی جائے گی؟ تفصیل ردّ مغالطہ نمبر ۲۷ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

عبارت نمبر۹ (عبارت مرقاۃ کَانَ قَبلَ الاَربَعِینَ وَلِیًّا ثُمَّ نَبِیًّا ثُمَّ صَارَ رَسُولاً) **سے جواب**:

علامہ علی قاری فرماتے ہیں: قال ابن برھان قد یکون قبل بعثۃ النبی شیٔ شبه المعجزات یعنی التی تسمیٰ ارھاصا ویحتمل ان یکون نبیا قبل اربعین غیر رسول (الی) والاظھر انه کان قبل الاربعین ولیا ثم بعدھا نبیا ثم صار رسولا۔ علامہ ابن برہان نے فرمایا کہ نبی ﷺ کی بعثت سے قبل ان سے معجزات کے مشابہ امور سرزد ہوتے ہیں جن کو ارہاص کہا جاتا ہے۔ اور احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ چالیس سال سے پہلے نبی ہوں، رسول نہ ہوں۔ اور زیادہ نمایاں امر یہی ہے کہ آپ چالیس سال کی عمر شریف تک پہنچنے سے پہلے ولی تھے بعد ازاں نبی بن گئے ازاں بعد منصب رسالت پر فائز ہوگئے۔ اھ بلفظہ۔ (تحقیقات صفحہ ۲۳۷)۔

الجواب: عبارت ہٰذا بھی مصنف تحقیقات کے دعویٰ کی قطعاً دلیل نہیں اور اس کے کئی جواب ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

جواب نمبر۱: (یہ عبارت جمع اقوال کے طور پر لائی گئی ہے) یہ علامہ قاری رحمۃ اللہ کا اپنا فیصلہ نہیں ہے بلکہ وہ یہاں محض شارحین کے حسب روش جمع اقوال کے فن کے پیش نظر ایک عبارت لائے ہیں۔ چنانچہ اس کے بالکل شروع میں یہ الفاظ موجود ہیں جو ہمارے اس بیان کے مؤید ہیں "قال السیّد نقلاً عن الازھار"۔

پھر اسی "قال" کے مقولہ میں کچھ آگے یہ لفظ ہیں: "قال ابن برھان"۔

ایک سطر کے بعد لکھا ہے: "ثم قال وقد یکون"۔ (مرجع ضمیر ابن برہان ہے)۔

ملاحظہ ہو (مرقاۃ ا جلد ۳، صفحہ ۳۰۸، طبع ملتان)۔

عبارت ہٰذا کے یہ جملے اس امر کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ علامہ کی حیثیت محض ناقل کی ہے جب کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ "الازھار فی شرح المصابیح" امام بغوی کی "المصابیح" (جو مشکوٰۃ کی اصل زمین ہے) کی شرح ہے (کما فی کشف الظنون وغیرہ)۔ جس سے وہ مرقاۃ میں عبارات لا رہے ہیں۔

علاوہ ازیں اسی عبارت میں ابن برہان کے قول سے یہ الفاظ بھی ہیں: "ولعل اللہ عزوجل جعل خفاء ہ و کتمانه من جملة معجزاته" یعنی قبل نزول شروع حضور ﷺ جن طریقوں سے عبادت فرماتے تھے وہ نامعلوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کا مخفی رکھنا شاید آپ کے معجزات کا حصہ ہو۔ (مرقاۃ، صفحہ ۳۰۸)۔

نیز آگے انہی کے قول سے لکھا ہے کہ : نبی کی بعثت سے پہلے کچھ امور ایسے بھی ظاہر ہوتے ہیں جو ''یشبہ المعجزات یعنی التی تسمی ارھاصاً ''معجزات سے مشابہ ہوتے ہیں جنہیں ارہاص کہا جاتا ہے۔(صفحہ۳۰۸)۔

نیز اسی عبارت میں یہ بھی ہے: ''یحتمل ان یکون نبیا قبل اربعین غیر مرسل ''یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ آپ چالیس سال سے پہلے نبی غیر مبعوث تھے۔(صفحہ۳۰۸)۔

جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ علامہ کی نقل کردہ اس عبارت کا جو اصل کاتب وراقم ہے' عبارت ہٰذا میں بھی اس کی بحث مذکور ہے۔

فیصلہ اس کا بھی نہیں جب کہ فیصلہ اور بحث میں اہل علم کے نزدیک فرق ہے جس کی مثال امام ابن الہمام حنفی کی فقہ میں علمی ابحاث بھی ہیں جنہیں محققین نے ان کے نظریہ ہونے کا درجہ نہیں دیا۔(کما فی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار المعتبرہ المحررۃ فی رسم الافتاء)اسی لیئے وہ ''یحتمل '' کہہ کر بات کر رہے ہیں جو بحث ہی کا انداز ہے۔

رہا آخر عبارت میں یہ کہنا کہ ''والاظھر ''الخ؟ تو یہ اظہر کجا''ظاہر'' بھی نہیں ہے بلکہ اخفیٰ ہے جس کے غیر صحیح ہونے کے لیئے اتنا بھی کافی ہے کہ اس کی دلیل مذکور نہیں۔

پس یہ عبارت بالکلیہ ساقط الاعتبار ہے جس سے استدلال غلط ہی نہیں اَردیٰ ہے۔

جس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسی عبارت کے شروع میں سید عالم ﷺ کے کمالات قبل از اعلان نبوت کے متعلق معجزات وارہاص کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔عبارتیں نقل کردی گئی ہیں جب کہ معجزہ اور ارہاص نبی ہی کا ہوتا ہے غیر نبی کا نہیں (جس کی تفصیل عبارت شرح مواقف نیز ردّ مغالطہ نمبر ۲۷ میں گزر چکی ہے)۔

اس سے کان قبل الاربعین ولیًّا کا اظہر ہونا غلط ہوگیا اور کلام مختل' لہٰذا اس سے استدلال' خلل سے خالی نہیں لیکن سخت حیرت کی بات ہے کہ مصنف تحقیقات نے عبارت ہٰذا کے الفاظ ''الاظھر '' کا ترجمہ محض اپنی مطلب برآری کی غرض سے ان لفظوں سے کردیا ہے کہ : ''زیادہ نمایاں' زیادہ ظاہر اور ''جزمی امر''۔ ملاحظہ ہو(تحقیقات' صفحہ ۲۲۷' ۲۲۳)۔

حالانکہ ''زیادہ جزمی امر'' کا مطلب ہے بہت پکی اور مضبوط بات۔جب کہ یہ لفظ نہ تو ''الاظھر '' کا ترجمہ ہیں اور نہ ہی اس کا مفہوم ہیں

ع　ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

نوٹ: الازہار اور ابن برہان کے حوالہ سے کلام کی گنجائش باقی ہے۔ اسی ''قال السیّد'' کے قائل کی تعیین کے بارے میں بھی فافہم۔

خلاصہ یہ کہ پیش کردہ عبارت کا مضمون حضرت علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ کا عندیہ یا نظریہ نہیں بلکہ وہ اسے محض بیان اقوال کی غرض سے لائے ہیں جس میں ان کی حیثیت محض ناقل کی ہے۔

جواب نمبر۲ (علامہ قاری قدم ودوام نبوت کے قائل ہیں):

نقل کردہ عبارت کا مضمون علامہ کا نظریہ نہیں بلکہ آپ قدم ودوام نبوت کے قائل ہیں جس کے بعض دلائل حسب ذیل ہیں:

دلیل نمبر۱:

اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بعض دیگر کتب میں بھی یہ مضمون لکھا ہے مگر اس میں ''کان قبل الاربعین ولیًّا'' کا کوئی ذکر نہیں بلکہ اس میں صرف اتنا ہے کہ آپ نزول وحی جلی کے آغاز میں منصب نبوت پر تھے پھر کچھ عرصہ بعد منصب رسالت پر فائز فرمائے گئے جب کہ علی التحقیق اس میں بھی نبوت سے مراد رسالت ہی ہے جو ایک فلسفہ پر مبنی ہے۔ اس کی مکمل تفصیل ردّ مغالطہ نمبر۲۴ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

دلیل نمبر۲:

مزید سنیئے علامہ کا نظریہ یہ ہے کہ نبی کے لیئے وحی نبوت کا ہونا کافی ہے مأمور بالتبلیغ ہونا شرط نہیں اور اسی کا انہوں نے صحیح اور مذہب جمہور ہونا نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو (شرح فقہ اکبر، صفحہ ۶۰، طبع کراچی۔ شرح الشفاءٔ جلد۲، صفحہ ۴۵۴، طبع ملتان)۔

اس سے چالیس سال سے قبل آپ ﷺ کی نبی ہونے کے باوجود تبلیغ نہ فرمانے سے نبوت میں فرق نہ آنے پر روشنی پڑتی ہے۔

دلیل نمبر۳:

مزید واضح سنیئے: محققین احناف کا مختار اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ سناتے ہوئے قونوی شرح عمدۃ النسفی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: کان فی مقام النبوۃ قبل الرسالۃ و کان یعمل بما ھوا لحق الذی ظھر علیہ فی مقام نبوتہ بالوحی والکشوف الصادقۃ ''یعنی آپ ﷺ چالیس سال کی عمر شریف سے پہلے کے دور میں مقام نبوت پر فائز تھے اور آپ اس مقام پر ہونے کی بناء پر (کسی سابقہ شریعت

کے متبع نہ تھے کہ کوئی شریعت باقی نہ تھی نیز ایسی اتباع امتی کا کام ہے جب کہ آپ کسی نبی کے امتی نہیں پس آپ) وحی اور سچے کشفوں کے ذریعہ سے واضح ہونے والے طریقوں کے مطابق عمل فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو (شرح فقہ اکبر' صفحہ ۶۰' طبع کراچی)۔

دلیل نمبر۴:

اس سے اور واضح عبارت پڑھیئے جو نفس بحث میں نص صریح ہے فرماتے ہیں: وفیہ دلالۃ علی ان نبوتہ لم تکن منحصرۃ فیما بعد الاربعین کما قال جماعۃ بل اشارۃ الی انہ من یوم ولا دتہ متصف بنعت نبوتہ الخ۔ یعنی آپ ﷺ کا چالیس سال کی عمر شریف سے پہلے کسی شریعت کا پابند ہونے کی بجائے وحی پر عامل ہونا اس بات کی دلیل ہے ہ آپ ﷺ چالیس سال کے بعد نبی نہیں بنے جیسا کہ ایک گروہ کا کہنا ہے بلکہ اس کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اپنے یوم پیدائش سے (چالیس سال تک بھی) وصف نبوت سے متصف (اور نبی) تھے۔ (شرح فقہ اکبر' صفحہ ۶۰' طبع کراچی)۔

دلیل نمبر۵:

بلکہ اس سے بھی مزید واضح اور نہایت صاف عبارت لیجئے جو مسئلہ ہٰذا میں ہر حوالے سے قاطع نزاع ہے۔ فرماتے ہیں: "ان اعطاء النبوۃ فی سن الاربعین غالب العادۃ الالٰھیۃ وعیسٰی ویحیٰ علیہم السلام خصا بھذہ المرتبۃ الجلیلۃ کما ان نبیا ﷺ خص بما ورد عنہ من قولہ کنت نبیا وان آدم لمنجدل بین الماء والطین "یعنی عمومی روٹین یہی رہی کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو منصب نبوت پر اس وقت فائز (اور انہیں مبعوث) فرمایا جب ان کی عمریں چالیس چالیس برس کی ہوئیں لیکن حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰ علیہما السلام نیز ہمارے نبی ﷺ اس سے مستثنٰی ہیں اور اس عموم میں شامل نہیں کیوں کہ حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰ علیہما السلام بچپن میں اور ہمارے آقا ﷺ اس وقت اس مرتبہ جلیلہ پر فائز فرمائے گئے جس کا بیان آپ کے اس ارشاد مبارک میں ہے کنت نبیا الخ یعنی میں نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں تھے۔

ملاحظہ ہو (شرح الشفاء' جلد ا' صفحہ ۷۴۵' طبع ملتان بر ہامش شرح الخفاجی علی الشفاء)۔

معلوم ہوا کہ حضرت مولانا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ سید عالم ﷺ کی نبوت کے قدم ودوام کے بڑی شد ومد سے قائل ہیں۔ لہٰذا مرقاۃ کی پیش کردہ عبارت (جسے وہ محض جمع اقوال کے فن پر چلتے ہوئے لائے ہیں اس) کے مضمون کو ان کا عقیدہ ظاہر کرنا بالکل خلاف واقعہ اور ان پر شدید افتراء اور سخت بہتان ہے جس سے وہ ہزار ہا بار بری ہیں۔

جواب نمبر۳ (تأویل عبارت):

برتقدیر تسلیم عبارت مؤوّل ہے یعنی ''انہ کان قبل الاربعین ولیًّا ''مطلق نہیں بلکہ ''اجمالی جواب'' نیز عبارت شرح المواقف کے جواب میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق فی اعین الناس اور عندالناس کی قید سے مقید ہے۔

''ثم بعد ھا نبیا '' سے مراد سورۂ علق کی آیات کے نزول سے آیات سورۂ مدثر کے نزول تک کا عرصہ ہے اور اس میں نبیاً بمعنی رسولاً ہے جس کے ضمن میں مذکور رسالت سے مراد مطلق رسالت ہے۔

جب کہ ''ثم صار رسولاً'' میں رسالت سے مراد رسالت کاملہ ہے۔

ان دونوں کی با حوالہ تفصیل دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو ردمغالطہ نمبر۲۴۔

پوری عبارت کا معنٰی ہوگا کہ اظہر اور جو زیادہ صاف بات ہے یہ ہے کہ آپ ﷺ چالیس سال کی عمر شریف سے قبل بمعنی حقیقی نبی ہونے کے باوجود عندالناس ولی تھے بایں معنٰی کہ آپ نے اظہار نبوت نہیں فرمایا تھا جب کہ عموماً لوگ آپ کو درجۂ ولایت کی ہستی سمجھتے ہوئے آپ کو صادق وامین کے القاب سے یاد کرتے تھے۔اس کے بعد مطلق رسالت کے منصب پر فائز ہوئے پھر سورۂ مدثر کی آیات کے نزول پر حکم تبلیغ کے ملنے پر رسالت کاملہ کے منصب پر جلوہ فرما ہوئے۔

جواب نمبر۴ (عبارت کو ظاہر پر رکھا جائے تو واجب الردّ ہے):

عبارت کو مذکورہ جواب (نمبر۳) کے مطابق مؤوّل نہ کیا جائے اور اسے محض اس کے ظاہر پر رکھا جائے تو وہ واجب الرد ہے کیونکہ چالیس سال سے قبل نبوت سے خالی ہونے کے معنٰی میں لینے سے حدیث ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد'' کا انکار اور رد کرنا لازم آئے گا جو کسی طرح درست نہیں۔

اور اسے ''الاظہر'' کہنا واقعہ کے مطابق نہیں۔

'ثم بعدھا نبیا'' کو ظاہر پر رکھتے ہوئے ''نبیاً'' کا یہ معنٰی کیا جائے تو اس سے ایک تو حدیث ''کنت نبیاً'' الخ رد ہو جائے گی۔

دوسرے سورۂ مزمل شریف کی یہ آیت بھی رد ہو جائے گی: انا ارسلنا الیکم رسولا شاھداً علیکم ''بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف ایک ایسے رسول کو بھیجا ہے جو تم پر حاضر وناظر ہے۔

اس آیت میں رسول (منصب رسالت پر فائز) کہا گیا ہے اور یہ سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے نزول سے پہلے نازل ہوئی تھی یعنی آیت کہتی ہے کہ اس وقت آپ رسول (اور منصب رسالت پر فائز) تھے جب کہ یہ

عبارت کہتی ہے کہ آپ اس وقت رسول (صاحب رسالت) نہ تھے۔

باحوالہ تفصیل رد مغالطہ نمبر ۲۳، ۲۴ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بناءً عبارت کا رد کرنا لازم آیا کیونکہ مصنف تحقیقات نے بھی ''تنویر'' میں صراحۃً تسلیم کیا ہے کہ اقوال آیات واحادیث کے تابع ہوتے ہیں اس کے برعکس نہیں۔

جواب نمبر۵ (اتمام حجت کہ مصنف تحقیقات کے استاذ محدّث اعظم نے اس عبارت کو رد فرمایا):

اس سب سے قطع نظر اتماماً للحجہ عرض ہے کہ حضرت محدّث اعظم مولانا ابوالفضل سردار احمد لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ جو مصنف تحقیقات کے شیخ اور استاذ ہیں، نے عبارت ہٰذا کو اپنے ذاتی مطالعہ والی مشکوٰۃ شریف کے قلمی حاشیہ میں (صفحہ ۱۲۸ پر) رد کرتے ہوئے نہایت درجہ غیر مبہم الفاظ میں لکھا ہے کہ:

''اظھـــــر''اس کے برخلاف ہے (اور مصنف تحقیقات کے لفظوں میں زیادہ نمایاں اور جزمی امر یہ ہے) کہ آپ ﷺ اس عالم میں جب سے نبی بنے اس کے بعد کے تمام ادوار میں حتی کہ ولادت باسعادت سے چالیس سال کی عمر شریف تک بھی بمعنی حقیقی نبی تھے نیز یہ کہ چالیس سال کے بعد آپ نبی بنے نہیں بلکہ اس کے بعد آپ نے اپنے نبی ہونے کو ظاہر فرمایا۔ چالیس سال سے پہلے آپ کے نبی ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ آپ قبل از اعلان نبوت بھی معصوم تھے جب کہ عصمت خاصّہ نبوت ہے تو یہ آپ کے اس عرصہ میں نبی ہونے کی دلیل ہے۔ ﷺ (ملخصاً)

حضرت محدث اعظم کی یہ عبارت باب ہشتم میں ایک مستقل عنوان کے تحت (عصمت کے دلیل نبوت ہونے کی بحث میں) مفصّلاً پیش کی جا چکی ہے۔ اعادہ موجب طوالت ہے۔ پس اسے ادھر ہی ملاحظہ کر لیا جائے۔

نوٹ: سنا ہے کہ حضرت محدّث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قلمی حاشیہ مصنف تحقیقات کو دکھایا گیا ہے مگر اس کے باوجود وہ اپنے خود ساختہ نظریہ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

عبارت نمبر ۷ (عبارت حضرت شیخ مجدّد مثل شرح المواقف) **سے جواب**:

موصوف نے اس سلسلہ میں ایک عبارت، حضرت شیخ مجدّد رحمہ اللہ تعالیٰ سے منسوب کتاب اثبات النبوۃ (۱۰) کی پیش کی ہے جو بعینہٖ شرح المواقف کی عبارت ہے جس کا معترض موصوف نے بھی اپنے ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ (چنانچہ عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ): ''ترجمہ اور مفہوم وہی ہے جو زرقانی اور شرح مواقف کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۳۸، ۲۳۷)۔

اقول: لہٰذا اس میں بھی جوابی تفصیل وہی ہے جو عبارت شرح مواقف اور عبارت زرقانی میں ہے پس اسے ادھر ہی ملاحظہ کر لیا جائے۔ نئے سرے سے جواب لکھنے کی حاجت نہیں۔

مزید جواب یہ ہے کہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی قدس سرّہ النورانی کئی وجوہ سے خصوصیت کے ساتھ حضور سیّد عالم ﷺ کے قدم نبوت کے قائل ہیں کیونکہ:

۱ آپ ﷺ کا جب یہ فیصلہ موجود ہے کہ ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد'' تو ایک عام امتی کے متعلق بھی یہ گمان کرنا درست نہیں کہ وہ حضور کا فیصلہ ماننے سے انکاری ہے۔ حضرت شیخ مجدد تو اکابر اساتین سے ہیں۔ پس یہی کہا جائے گا کہ وہ یقیناً اس کے معتقد تھے جب کہ علیحدہ دلیل سے بھی ان سے نفی ثابت نہیں ومن ادّعٰی فعلیہ البیان۔

۲ آپ نے تمہید امام ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ایک مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے لکھا ہے ''وشیخ ابوشکور سلمی کہ از اکابر علماء حنفیہ است'' خلاصہ یہ کہ ابوشکور سلمی بہت بڑے حنفی علماء میں سے ہیں۔ ملاحظہ ہو (مکتوبات شریف، جلد اوّل، حصہ چہارم، صفحہ ۵۹، طبع القدس کوئٹہ)۔

جب کہ امام ابوشکور سالمی آپ ﷺ سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے قبل از بلوغ اور قبل از اعلان نبوت بھی بمعنی حقیقی نبی ہونے کے قائل ہیں اور آپ کا یہ فتویٰ ہے کہ جو نہ مانے وہ پکا کافر ہے۔ اس کے لیئے انہوں نے حدیث کنت نبیاً الخ اور آیت وجعلنی نبیا سے بڑی شدومد سے استدلال فرمایا ہے۔ گزشتہ صفحات میں تمہید عربی صفحہ ۶، ۶۷، ۷ اور مترجم اردو صفحہ ۴۵، ۴۴، ۶۶، ۱ سے عبارات نقل کی جا چکی ہیں۔

اس توسط سے حضرت شیخ مجدد بھی اسی کے قائل ہوئے جس سے مصنف تحقیقات کے حضرت شیخ مجدد کی عبارت پیش کرنے کے بعد لکھے گئے ان الفاظ کا بھی جواب آ گیا کہ ''حضرت مجدد کا نظریہ واضح ہو گیا ہے

کہ قبل از دعویٰ نبوت' انبیاء کرام علیہم السلام مقام ولایت پر فائز ہوتے ہیں''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۳۸)۔ ولا یخفٰی

۳ حضور سیّد عالم ﷺ کی اس شان کے بارے میں حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا خصوصی جزئیہ لیجیے جو حسب ذیل ہے (آپ فرماتے ہیں کہ): ''او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشأ عنصری از نور حق جلّ وعلا مخلوق گشتہ است'' آپ ﷺ تخلیق عنصری کے باوجود' حق جلّ وعلا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ (مکتوبات جلد۲' صفحہ ۹'۷۵)۔

نیز آپ نے یہ احادیث قدسیہ استناداً نقل فرمائی ہیں: ''لولاك لما خلقت الافلاك'' ''لولاك لما اظهرت الربوبية'' ''محبوب آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا' اپنے رب ہونے کو بھی ظاہر نہ فرماتا

نیز لکھا ہے: ''قال علیه وعلى آله الصلاة والسلام اول ما خلق الله نوری'' یعنی آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا فرمایا' وہ میرا نور ہے۔

ملاحظہ ہو (مکتوبات' جلد۳' حصہ نمبر۹' صفحہ ۱۲۷' ۱۲۸)۔

اسی میں ۱۶۷ پر لکھا ہے: ''حقیقتِ محمدی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کہ ظہور اول ست وحقیقۃ الحقائق ست بآں معنٰی کہ حقائق دیگر وچہ حقائق انبیاء کرام وچہ حقائق ملٰئکہ عظام علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام کالظلال اند مراورا واو اصل حقائق ست (الیٰ) پس ناچار آں حقیقت واسطہ بود درمیان سائر حقائق ودرمیان حق جلّ وعلا ووصول بمطلوب احدے را بے توسّط او علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام محال باشد فھو نبی الانبیاء والمرسلین وارساله رحمة للعٰلمین علیه وعلیهم الصلوات والتسلیمات۔ ازینجاست کہ انبیاء اولوالعزم باوجود اصالت تبعیت اوے خواہندو بآرزو داخل امتان اوے گردند کَمَا وَرَدَ''

خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ' ظہور اول کا نام ہے۔ اور وہ حقیقۃ الحقائق (تمام حقیقتوں کی جامع) ہے یعنی انبیاء وملٰئکہ کرام علیہم السلام سمیت تمام افراد کائنات کی حقیقتیں اس کے لیئے ایسے ہیں جیسے چیزوں کے سائے۔ اور وہ اصل حقائق ہے (تمام حقیقتیں اس کی فرع ہیں) وہ اللہ تعالیٰ اور جملہ مخلوقات کے درمیان واسطہ ہے کسی کا اس کے توسط کے بغیر مقصد کو پہنچنا محال ہے۔

پس آپ تمام نبیوں اور رسولوں کے بھی نبی ہیں اور آپ کا ارسال تمام جہانوں کے لیے رحمت ہے۔ اور یہ جو وارد ہوا ہے کہ اولوالعزم نبیوں نے بالاستقلال نبی ہونے کے باوجود آپ کی اتباع کی طلب کی اور آپ کی امّت میں داخل کیئے جانے کی وہ تمنائیں کرتے رہے اس کی بنیاد بھی یہی حقیقت ہے۔ اھ۔

عبارت نمبر ۸ (عبارت علامہ نبہانی مثل عبارت شرح المواقف) **سے جواب**:
موصوف نے اس مقام پر علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حجۃ اللہ علی العٰلمین صفحہ ۱۱ کے حوالہ سے بھی ایک عبارت پیش کی ہے۔

اقول: یہ عبارت علامہ نبہانی کے اپنے لفظ نہیں بلکہ انہوں نے اسے امام قسطلانی سے نقل فرمایا ہے چنانچہ شروع میں ان کے لفظ ہیں: ''وقال فی المواهب اللدنیه'' یعنی نقل کردہ عبارت مواہب لدنیہ کی ہے۔ ملاحظہ ہو (حجة الله علی العلمین' صفحہ ۱۱)۔

جب کہ عبارت کا مضمون بعینہ وہی ہے جو شرح مواقف کی عبارت کا ہے جو دونوں میں تقابل کر کے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے جس کا خود موصوف کو بھی اقرار ہے۔

چنانچہ انہوں نے عبارت ہٰذا کے پیش کرنے کے بعد لکھا ہے: ''ترجمہ اور مفہوم اس کا پہلے مذکور عبارت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۳۸)۔

بناءً علیہ اس کا جواب بھی بالکل وہی ہے جو شرح مواقف کی عبارت میں پیش کیا گیا ہے۔ علیحدہ سے کچھ لکھنے کی حاجت نہیں۔

پھر یہ کہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ حضور سیّد عالم ﷺ کے قدم ودوام نبوت کے بڑی شدومدّ سے قائل ہیں۔ ان کی اس سلسلہ کی عبارت' عبارت زرقانی کے جواب میں ہم ابھی پیش کر آئے ہیں اسے ادھر ہی ملاحظہ کر لیا جائے لہٰذا اس سے ان کا مقصود نفیٔ نبوت قطعاً نہیں ہے۔

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ ﷺ کے قدم ودوام نبوت کے سختی سے قائل ہیں۔ ان کی عبارات گزشتہ اوراق میں پیش کی جا چکی ہیں۔ حوالہ کے لیۓ ملاحظہ ہو جواہر البحار۔

خود ان کی پیش کردہ کتاب حجۃ اللہ علی العٰلمین میں بھی جگہ جگہ اس کی تصریحات موجود ہیں۔ بطور نمونہ بعض حوالہ جات ملاحظہ ہو۔

چنانچہ صفحہ ۲۹ پر باحوالہ جات لکھا ہے کہ ہر چیز حضور کے نور سے نکلی ہے حتٰی کہ ''لااله الا الله محمد رسول الله'' کا مسئلہ اور اس کا نور بھی۔

نیز اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر کلمہ طیبہ لااله الا الله محمد رسول

اللہ لکھا پایا۔

نیز لکھا ہے کہ سید عالم ﷺ کی عمر شریف نو برس تھی کہ آپ سے یہ معجزات ظاہر ہوئے کہ درخت اور پتھر آپ کے آگے سجدہ ریز ہو گئے' بادل نے سایہ کیا' حضور دھوپ والی جگہ پر تشریف فرما ہوئے تو درخت نے اپنی ٹہنیاں آپ پر پھیلا کر آپ پر سایہ کر دیا۔ نیز یہ کہ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان شروع سے مہر نبوت ثبت تھی۔ نیز یہ کہ راہب نے آپ کے ہاتھ مبارک سے پکڑ کر بھری محفل اور اجتماع عام میں پکار پکار کر اعلان کیا ''ھذا سید العلمین ھذا رسول رب العلمین ھذا یبعثه الله رحمة للعلمین '' یہ تمام کائنات کے مأویٰ وملجاء ہیں' یہ پروردگار عالمین کے رسول ہیں یہی ہیں جن کی شان رحمۃ للعلمینی کا ظہور ہونے والا ہے۔ ملاحظہ ہو (کتاب مذکور' صفحہ ۱۵۷' ۱۵۸)۔

نیز بکثرت حوالہ جات سے لکھا ہے کہ حضور کی بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے درخت اور پتھر آپ کو سلام کرتے ہوئے یوں عرض کرتے تھے: ''السلام علیك یا رسول الله'' (صفحہ ۴۴۰)۔

نیز امام ماوردی کے حوالے سے استناداً لکھا ہے: ''ولما دنامولد رسول الله صلی الله علیه وسلم تقاطرت آیات نبوته '' یعنی جب رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کا زمانہ قریب آیا تو آپ کی نبوت کے معجزات بارش کے قطروں کی طرح (بکثرت) ظاہر ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۲۲۸)۔

نیز صفحہ ۴۱ تا ۴۳ بحوالہ خصائص امام سیوطی' امام علامہ سبکی کا مشہور بیان استناداً نقل کیا ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حدیث ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد '' حضور قدم ودوام نبوت کے بیان پر مشتمل اور اپنے حقیقی معنی پر ہے۔

نیز صفحہ ۲۹ پر یہ حدیث استناداً لائے ہیں: ''انی عند الله مکتوب خاتم النبین وان آدم لمنجدل فی طینته '' میرے خاتم النبین کا فیصلہ اس وقت ہو چکا تھا جب آدم ﷺ اپنے خمیر میں تھے۔

الغرض امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت کے ساتھ حضور سیّد عالم ﷺ کے قدم ودوام نبوت کے بڑی سختی سے قائل ہیں جنہیں اس کا منکر بتانا افتراء شدید اور بہتان عظیم ہے۔

پیش کردہ عبارت سے بنیادی مقصود یہ ہے کہ قبل از اعلان نبوت حضور سے ظہور پذیر ہونے والے خوارق کو حسب اصطلاح' معجزات کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ نہیں کہ حضور اعلان نبوت سے قبل نبی تھے یا (معاذ اللہ) نہیں تھے جس کی ایک دلیل ان کا قائم کردہ عنوان بحث ہے جس کے لفظ ہیں: ''المبحث الاول فی معنی المعجزة والفرق بینها وبین سائر خوارق العادات '' یعنی کتاب کی سب سے پہلی بحث

معجزہ کے معنیٰ نیز معجزہ اور دیگر خوارق کے درمیان فرق کے بیان میں ہے۔ملاحظہ ہو(صفحہ۸)۔

نیز پیش کردہ عبارت کے شروع میں معجزہ کے بیان کردہ شرائط سے بھی یہ ظاہر ہے۔چنانچہ اس کی ایک شرط یہ بیان کی ہے کہ وہ خارق للعادۃ ہو(ان تکون خارقة للعادة)دوسری شرط یہ لکھی ہے کہ وہ مقرون بالتحدی ہو(ان تکون مقرونة بالتحدی)۔

پھر تحدی کا یہ معنیٰ لکھا ہے کہ وھو طلب المعارضة والمقابلة' الدعوی للرسالة یعنی دعویٰ رسالت کے بعد ہو اور نبی کی طرف سے چیلنج بھی ہو کہ جرأت ہو تو اس کا توڑ پیش کر کے دکھاؤ۔

نیز فوائد قیود کے بیان میں لکھا ہے کہ تحدی کی قید سے وہ خرق عادت نکل گیا جو تحدی کے بغیر ہو۔

''وبالمقارنة الخارق المتقدم علی التحدی ''مقارنہ کی قید سے وہ خارق نکل گیا جو تحدیّ سے پہلے ہو جس کی مثال میں قبل اعلان نبوت کے خوارق کو لائے۔ملاحظہ ہو(صفحہ۱۱)۔

معلوم ہوا یہاں نبی ہونے نہ ہونے کی بحث نہیں ہے بلکہ خوارق قبلیہ معجزہ کہہ سکنے یا نہ کہہ سکنے کی بات ہے۔

علاوہ ازیں تھوڑا سا آگے انہوں نے ارہاص کو کرامت کا قسیم ہونا لکھا ہے جس سے واضح ہوا کہ یہاں ''انما ھی کرامات '' سے مراد بمعنیٰ مصطلح کرامات نہیں بلکہ بمعنی لغوی تکریمات ہیں جن کا اصل نام حسب اصطلاح ارہاصات ہے۔والحمد لله علی ذلك۔

عبارت نمبر۹ (عبارت بحرالعلوم وَهُمْ اِنَّمَا يُوْلَدُوْنَ عَلَى الْوِلَايَةِ) **سے جواب**:

''بحرالعلوم فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں: ''لیکن انبیاء علیہم السلام کی شان نبوت سے قبل؟ تو تحقیق یہ ہے جب کہ اسی کے قائل اہل اللہ صوفیاء کرام ہیں کہ یہ حضرات اس حالت میں بھی کبائر سے مطلقاً اور صغائر کے ارادۂ ارتکاب سے معصوم ہیں اور کیونکر اس طرح نہ ہو جب کہ وہ پیدا ہی ولایت پر ہوتے ہیں اور ان پر کوئی لحہ اور پلک جھپکنے کی دیر بھی ایسی نہیں گزرتی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہ کر رہے ہوں اور ان کی ولایت اولیاء کرام کی ولایت سے قوی اور ارفع واعلیٰ ہے کیونکہ اولیاء کی ولایت انبیاء کرام کی ولایت سے ہی مستفاد اور ماٗخوذ ہوتی ہے۔ اور جب اولیاء معاصی اور آثام سے محفوظ ہوتے ہیں (تو انبیاء کرام علیہم السلام بطریق اولیٰ محفوظ بلکہ معصوم ہوں گے) اس نکتہ کو بھی اچھی طرح سمجھ لو اور اس پر ثابت قدم رہو۔ (تحقیقات صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹)۔

الجواب: یہ عبارت بھی قبل از اعلان نبوت، نفی نبوت کی دلیل نہیں کیونکہ حضرت بحرالعلوم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام عصمت انبیاء علیہم السلام کی بحث میں واقع ہے بناءً علیہ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی ولایت کو اور اولیاء کرام کی ولایت کو جو قوی اور ارفع واعلیٰ کہا ہے وہ اسی عصمت کی بنیاد پر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی قبل از اعلان نبوت بھی معصوم ہوتا ہے جسے معترض نے بھی بریکٹ میں دیئے گئے ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ: ''انبیاء کرام علیہم السلام بطریق اولیٰ محفوظ بلکہ معصوم ہوں گے''۔

نیز تحقیقات کے دیگر کئی مقامات پر بھی تصریحاً لکھا اور منکر کو گمراہ اور جہنمی قرار دیا ہے جب کہ عصمت بذات دلیل نبوت ہے جسے مصنف تحقیقات کے استاذ و شیخ حضرت محدّث اعظم مولانا ابوالفضل سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خصوصیت کے ساتھ نبی ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ مکمل با حوالہ مع مالہ وما علیہ تفصیل باب ہشتم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الغرض عبارت ہٰذا مصنف تحقیقات کی دلیل نہیں ہمارے موقف کی دلیل ہے اور اس کی وضاحت اسی بحث میں ہو چکی ہے کہ ولایت یہاں قرب الٰہی کے معنٰی میں ہے ظاہر ہے کہ ہر نبی مقرب بارگاہ خداوندی ہوتا ہے۔ بناءً علیہ ولایت نبوت کے منافی نہیں۔ جو ولایت، نبوت کے منافی ہوگی وہ وہی ہے جو اولیاء غیر انبیاء کے لیئے ہے جسے حضرت شیخ مجدد نے ولایت صغریٰ کا نام دیا ہے جب کہ ولایت انبیاء علیہم السلام کو ولایت کبریٰ کے نام سے یاد کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (مکتوبات جلد ۱ صفحہ ۲۶۰، ۴ ۶۷ طبع کوئٹہ)۔

پیش کردہ عبارت میں بھی اس کا بیان موجود ہے جو ان الفاظ سے ظاہر ہے" وولایتهم قوية من الولاية الاولياء"۔ اور وہ نبوت سمیت ہے جس کا قرینہ "عصمت" ہے۔

پھر یہ کہ یہ عبارت عمومی انداز میں انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق ہے خصوصیت کے ساتھ سید عالم ﷺ کے متعلق نہیں۔

جب کہ بحر العلوم آپ ﷺ کے قدم ودوام نبوت کے قائل ہیں۔ چنانچہ اپنی کتاب رسائل الارکان (صفحہ۲، طبع کوئٹہ) کے خطبہ میں فرماتے ہیں: "وخصنا بارسال من هو رحمة للعٰلمين سيد ولد آدم الذى كان نبيا وآدم ابو البشر بين الماء والطين "اللہ کے لیئے حمد ہے جس نے ہم پر اس نبی کو بھیج کر خصوصی نوازش فرمائی جو رحمۃ للعٰلمین ہیں، تمام اولاد آدم علیہ السلام سے رتبہ میں بڑھ کر ہیں جو اس زمانہ میں بھی نبی تھے کہ ابو البشر آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں تھے۔ اھ۔

معلوم ہوا کہ عبارت ہذا معترض کی کسی طرح مفید مطلب نہیں کیونکہ موصوف نے اس سے حضور سید عالم ﷺ سے نفی نبوت کو ثابت کرنا چاہا تھا جب کہ حضرت بحر العلوم اس کے قائل ہی نہیں ہیں۔ والحمد للہ علی ذلک۔

عبارت نمبر۱۰ (عبارت تمہید علامہ سالمی ولیًّا عندالناس، نبیًا عنداللہ) **سے جواب**:

"علامہ ابوشکور سالمی جو حضور داتا گنج بخش کے معاصر ہیں، ان کی اس کتاب کو مرکز اہل سنت حزب الاحناف سے حضرت علامہ شیخ الحدیث والتفسیر وفقیہ اعظم سید ابوالبرکات نے شائع کروایا اور درس نظامی میں داخل کرنے کی وصیت فرمائی، اس کتاب مستطاب تمہید السالمی سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ مطالعہ فرمائیں:

اہل السنّت والجماعت کے جمہور فقہاء نے فرمایا: "ان الکرامة لو لم یجز اثباتها للاولیاء فلا یجوز اثباتها للانبیاء لا ن النبی قبل الوحی و قبل ظهور النبوة یکون ولیا عندالناس و ان کان نبیا عند الله تعالیٰ الخ اگر اولیاء کرام کے لیے کرامات کا ثبوت درست نہ ہو تو انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی ان کا ثابت کرنا درست نہیں ہوگا کیونکہ نبی و رسول کی ذات اقدس وحی اور ظہور نبوت سے قبل لوگوں کے نزدیک ولی ہوتا ہے اگرچہ عنداللہ نبی ہوتی ہے الخ۔

سوال: اگر کہا جائے اس ہستی میں علم باری تعالیٰ کے لحاظ سے نبوت ثابت ہے تو اس میں نبوت ثابت ہوگی نہ کہ ولایت۔ (فان قبل النبوة قبل الوحی ثابتة فی علم الله (الیٰ) فیکون فی هذا النبوة ولیس بولایة)۔

الجواب: ہم کہتے ہیں اس صورت میں خرابی زیادہ لازم آئے گی کیونکہ اندریں حالت اس ہستی پر وحی کے نزول اور دعوائے نبوت سے قبل ایمان لانا واجب ہو جائے گا کیونکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ یہ نبی ہیں تو لوگوں پر ایمان لانا واجب و لازم ہو جائے گا حالانکہ اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ کسی شخصیت پر وحی کے نزول اور دعوائے نبوت سے قبل ایمان لانا جائز نہیں ولا یسمّٰی نبیا فیکون ولیا عندالناس و نبیا عند الله تعالیٰ الخ اور نہ ہی اس کو نبی کہا جائے گا لہٰذا وہ عندالناس ولی ہوگا اور عنداللہ نبی ہوگا۔ پھر اس پر کرامت کا ظہور ولی پر کرامت کا ظہور ہوگا۔

سوال: ولی کی کرامت نبی کے دعوائے نبوت سے قبل اس کی نبوت میں شک وشبہ کی موجب بن جائے گی

جواب: ہم کہتے ہیں کوئی شک وشبہ لازم نہیں آتا کیونکہ دعویٰ نبوت سے قبل ولی اور نبی میں عندالناس فرق کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس کی نبوت پر ایمان لانا دعوائے نبوت سے قبل واجب ہی نہیں ہے جب دعویٰ کرے گا تو شک وشبہ ختم ہو جائے گا۔

اقول: اس مفصل بیان سے بھی انبیاء علیہم السلام کا نبوت کے دعویٰ اور نزول وحی سے قبل مقام ولایت پر فائز ہونا ثابت ہو گیا۔اھ بلفظہٖ ملخّصاً۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات صفحہ ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲)۔

الجواب: مصنف تحقیقات نے یہاں دیانت سے کام نہیں لیا یعنی وہ امام سالمی کی وہ عبارت نہیں لائے جن کو ان عبارات کے ساتھ ملانے سے ان کی مراد واضح ہوتی تھی۔

چنانچہ حضرت نے اپنی اسی کتاب میں متعدد مقامات پر انتہائی زوردار طریقہ سے یہ تصریحات فرمائی ہیں کہ نبی قبل بلوغ (یعنی بچپن میں) نیز قبل نزول وحی جلی ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے اس کے بعد۔ یعنی اس میں یکسانیت ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق صرف اظہار اور عدم ظہار کا ہے۔ اسی کو انہوں نے قرآن و حدیث کا فیصلہ اور اہل سنت و جماعت کا عقیدہ کہا اور اس کے منکر کو پکا کافر قرار دیا۔ اسی طرح سلب و زوال نبوت کے عقیدہ کو کفر اور قائل کو بھی کافر قرار دیا اور یہ بھی لکھا کہ قبل از اعلان نبوت' نبی کو نبوت سے خالی مانتے ہوئے صرف ولی معصوم ماننا اہل سنت کا عقیدہ نہیں بلکہ گمراہان متقشفہ کرامیہ کا نظریہ ہے۔

یہاں بھی وہ قبل ظہور نبوت اور قبل دعویٰ رسالت وغیرہ کے الفاظ استعمال فرما رہے ہیں نبی ہونے نہ ہونے کے نہیں۔

جس سے یہ امر روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ اس مقام پر پیش کردہ عبارات سے حضرت موصوف کی مراد نفئ نبوت نہیں کیونکہ اگر نفئ نبوت مراد لی جائے تو ان کے مذکورہ اپنے فتوے خود انہی پر عائد ہوں گے جو کسی عاقل کے نزدیک درست نہیں۔

بہرحال ان سب عبارات کو ملا کر صحیح نتیجہ اور ان کا حقیقی مفہوم یہ بنتا ہے نبی قبل از اعلان نبوت بھی واقع میں اور بمعنی حقیقی نبی ہوتا ہے لیکن چونکہ اس نے خود کو ابھی لوگوں پر ظاہر نہیں کیا ہوتا جب کہ اس کی نیکی اور تقویٰ سب کو مسلّم ہوتی ہے اس لیے اس معنٰی میں وہ عنداللہ نبی اور عندالناس ولی ہوتا ہے۔ عنداللہ نبی ہونے کا معنٰی ''سیکون نبیا'' اور محض علم الٰہی میں نبی ہونا مراد نہیں اس طرح عندالناس ولی ہونے کا مطلب بھی نبوت سے خالی ہونا نہیں۔ پھر چونکہ لوگوں پر نبی کو ماننا اس وقت لازم ہوتا ہے جب وہ دعویٰ نبوت کرے اس کے بغیر لوگ اس کے مکلّف نہیں نیز عوام الناس کے پاس نبی کے نبی ہونے کی دلیل بھی نہیں اس لیے ''لایجب الایمان به'' نیز ''لایجوز الایمان قبل الوحی والدعوی'' کا حکم بھی بالکل بے غبار ہے۔

نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ قبل اعلان نبوت ظاہر ہونے والے خوارق کو ''کرامات'' کے نام سے یاد کرنا بھی ''ولیا عندالناس'' کے مذکورہ فلسفہ پر مبنی ہے نفئ نبوت کی بنیاد پر نہیں۔

اس سب کی مکمل باحوالہ مع مالہ وماعلیہ تفصیلات شروع بحث میں اجمالی جواب کے زیرعنوان نیز عبارت شرح المواقف کے جواب میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

بہرحال مصنف تحقیقات دیانت سے کام لیتے تو یہ اعتراض بھولے سے بھی کبھی نہ کرتے ان پر لازم تھا کہ امام سالمی کی تمام عبارات کونقل کر کے ان کی صحیح علمی توجیہ پیش کرتے۔ پس ان کو لاکر جواب دینا تو کجا ان کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی نہ کرنا ان کے جواب سے ان کے عجز کو ظاہر کرتا ہے

ع کچھ تو ہے آخر جس کی پردہ داری ہے

عبارت نمبر۱۱ (عبارت مفتی اعظم ہند''نبی اعلیٰ درجۂ ولایت کبریٰ پر ہوتے ہیں)**سے جواب:**

اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ مولانا شاہ احمد رضا خاں کے صاحبزادے حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں فرماتے ہیں: ''محال ہے کہ کوئی نبی قبل از وحی مؤمن نہ ہو وہ پیش از وحی نہ صرف ایمان بلکہ اس اعلیٰ درجہ ولایت کبریٰ پر فائز ہوتے ہیں کہ نہایت مدارج اولیاء ہے۔ (حاشیہ الاستمداد علیٰ اجیاد الارتداد صفحہ ۱۵۰) (تحقیقات صفحہ ۲۴۲)۔

الجواب: کتاب کے نام میں ''اجیال'' ہے جسے ''اجیاد'' لکھا ہے اس عبارت کا ایک پس منظر ہے جسے معلوم کیۓ بغیر عبارت کا مفہوم صحیح معنیٰ میں سمجھ نہیں آ سکتا جس کی طرف عبارت میں بھی اشارہ موجود ہے ورنہ ان الفاظ کا کیا مطلب کہ ''محال ہے کہ کوئی نبی قبل از وحی مؤمن نہ ہو'' یعنی نبی کے ایمان کو زیر بحث لانا چہ معنیٰ؟

پس منظر خود حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ سے سنیۓ۔

آپ نے اسی کتاب (الاستمداد) کے حاشیہ میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ: ''رسالہ مذکورہ گنگوہی (یعنی تقدیس القدیر) صفحہ ۵۸ میں یہ بحث چھیڑی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معاذ اللہ مشرک ہونا اور حضور کے تمام اعمال برباد ہو جانا ممکن ہے؟

نتیجہ میں یہ لکھا ہے: ''صدور شرک آنحضرت سے لامحالہ ممکن''۔

پس جب شرک ممکن ہوا تو حبط اعمال بدرجۂ اولیٰ ممکن۔ اور ضمن استدلال میں یہ آیتیں پیش کیں: اور کیوں نہ ہو خود ارشاد رب الارباب ہے ووجدك ضالًّا فهدیٰ۔ وما كنت تدری ماالكتاب ولا الايمان یعنی وہ وحی سے پہلے گمراہ تھے۔ وحی سے پہلے ایمان نہ رکھتے تھے۔ یہ کھلا کلمۂ کفر اور حضور اقدس ﷺ کی توہین ہے۔ آیتوں کے معنیٰ کو دیکھو تکمیل نمبر ۵۳'' (الاستمداد صفحہ ۶۳، حاشیہ ۲، طبع مظہر فیض رضا، برج منڈی لائل پور، مطبوعہ ۱۳۹۶ھ)۔

تکمیلات میں مذکورہ نمبر ۵۳ (۱۵۰) پر فرماتے ہیں کہ: ''ایک ظلم یہ کہ ان دو آیتوں کے ساتھ آیت کریمہ ''وان كنت من قبله لمن الغافلين'' بھی شمار کر دی ہے اور اسے معاذ اللہ ایمان سے نبی ﷺ کی غفلت قرار دیا حالانکہ وہاں ذکر قصہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا ہے الخ۔

گنگوہی کے انہی مذکورہ گستاخانہ کلمات پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے الاستمداد میں فرمایا:

رب کا غضب ہو وحی سے پہلے　　　کس کو ضال بتاتے یہ ہیں
بلکہ کہا ایمان سے خالی　　　لعنت ہو کیا گاتے یہ ہیں　صفحہ۶۳

انہی اشعار کی شرح میں وہ عبارت ہے جو مصنف تحقیقات نے پیش کی ہے یعنی ''محال ہے کہ الخ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت مفتیٔ اعظم کی یہ عبارت اعلیٰ حضرت کے ان دو شعروں کی شرح میں ہے۔ جب کہ اعلیٰ حضرت کے ان اشعار کا پس منظر مولوی گنگوہی کی مذکورہ گستاخانہ تحریر ہے اسی پس منظر سے پورے مجموعہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ نبی کی شان کو اس کی شان نبوت کے حوالہ سے سمجھنا چاہیے۔ پس جب حضور اللہ کے نبی ہیں جب کہ نبی وحی جلی کی آمد سے پہلے بھی اسی طرح معصوم ہوتا ہے جس طرح اس کے بعد۔ جب کہ نبی کا ولی ہونا اور ولی کا مؤمن ہونا ضروری ہوتا ہے۔ گنگوہی نے نبوت وولایت کجا ایمان کا بھی انکار کر دیا والعیاذ باللہ۔ اور اس کی کچھ پروانہ کرتے ہوئے جو منہ میں آیا اسے اگل دیا۔ ایسی سوچ رکھنے والے پر رب کا غضب اور ایسے عقیدہ پر اس کی لعنت ہو۔ پس اعلیٰ حضرت نے ''وحی سے پہلے'' کے جو لفظ لکھے ہیں وہ محض گنگوہی کے بیان کی حکایت کے طور پر ہیں۔

یونہی حضرت مفتیٔ اعظم ہند کے تردیدی کلام میں بھی ''پیش از وحی نہ صرف ایماندار'' کے الفاظ بھی اسی نہج پر ہیں یعنی رد میں معترض کے الفاظ کو حوالہ کے طور پر حکایۃً رکھ دیا گیا ہے جس کی مثال رماح القہار کی ایک عبارت کے یہ الفاظ بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا علم اوروں سے زائد ہے۔ ابلیس کا علم معاذ اللہ علم اقدس سے ہرگز وسیع تر نہیں (صفحہ ۶۰، ۶۱، مشمولہ خالص الاعتقاد، طبع حامد اینڈ کمپنی، لاہور)۔

اس عبارت میں محض ''تر'' کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ ''وسیع'' اور ''تر'' دونوں کی نفی ہے معترض کے الفاظ مفہوماً یونہی تھے اس لیے ان کو بعینہٖ ذکر کر دیا گیا ہے۔ قرآن شریف سے اس کی مثال یہ آیات بھی ہیں ''ما انت بنعمة ربك بمجنون''، ''وما هو بقول شاعر ولا بقول كاهن الآية''۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی عبارت کا مطلب اتنا ہے کہ نبی کی شان عصمت کو بھی شان نبی کے سمجھنے کے لیے سامنے نہ رکھا جائے اور اس سے ہٹ کر بھی دیکھا جائے اور ان کے نبی ہونے کے تصور سے بھی ان کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو وہ نظر بہ ظاہر بھی ولایت کبریٰ کے درجہ علیا پر فائز ہوتے ہیں چہ جائیکہ معاذ اللہ وہ مؤمن نہ ہوں۔ پس

؎ اتنی سی بات تھی اندیشۂ عجم نے جسے
بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کے لیے

الغرض پیش کردہ عبارت نفی نبوت کے لیئے نہیں ردگنگوہیت کے لیئے ہے یعنی گنگوہی نے جوآپ ﷺ سے قبل اعلان نبوت کے حصۂ زندگی میں معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد ایمان وہدایت نہ ہونے کے امکان کی بات کی تھی اس میں اس کی تردید وتغلیط فرمائی گئی ہے کہ اس کا یہ نظریہ دلائل وحقائق کے خلاف ہے۔

جواب آخر: عبارت ہٰذا کے نفیٔ نبوت کے لیئے نہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت قدس سرّہ کے علوم ومعارف اور عقائد ومعمولات کے صحیح وارث وامین تھے۔ جب کہ اعلیٰ حضرت، حضور سیّد عالم ﷺ کے قدم ودوام نبوت کے بڑی شدومد سے قائل اور اس نظریہ کے حامل تھے کہ آپ ﷺ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کے رسول ہیں۔ نیز آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام سب انبیاء ورسل کرام علیہم السلام آپ کے نائبین اور آپ کی امت میں شامل ہیں۔

مکمل باحوالہ تفصیل اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ عبارات کے جوابات میں گزر چکی ہے۔

علاوہ ازیں مسئلہ ہٰذا پر حضرت مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصریحات بھی موجود ہیں جن سے یہ امر مزید روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ پیش کردہ ان کی عبارت سے ان کا مقصود نہ تو نفیٔ نبوّت مصطفیٰ ﷺ ہے اور نہ ہی اس کا یہ معنیٰ ہے، بعض نقول ملاحظہ ہوں:

الملفوظ شریف میں ارقام فرماتے ہیں: ''حضرت مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی حاضر خدمت تھے مولانا نے عرض کی حضور سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی گئی؟ ارشاد (ہوا) حدیث شریف میں ارشاد فرمایا: یا جابر ان اللہ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نورہ اے جابر بے شک اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا''۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۲۱، ۲۲، حصہ اول، طبع محمد علی کراچی)

نیز لکھتے ہیں: ''امام عارف باللہ سیدی عبد الرؤف مناوی قدس سرّہٗ تیسیر شرح جامع صغیر میں زیر حدیث کنت اول الناس فی الخلق و آخرھم فی البعث فرماتے ہیں بان جعلہ اللہ حقیقۃ تقصر عقولنا عن معرفتھا'' ملاحظہ ہو۔ (فتاویٰ مصطفویہ، صفحہ ۸۷، طبع ضیاء الدین پبلی کیشنز، کراچی)۔

نیز مجموعہ نعتیہ کلام ''سامان بخشش'' (طبع ضیاء الدین کراچی) میں فرماتے ہیں:

ؔ تم ہو پیارے اصل ہماری سارا جہاں ہے فرع تمہاری
تم سب کی ماہیت گویا صلی اللہ علیک وسلم (صفحہ ۹۵)

ؔ تو ہے مظہر رب اجمل ظل ہیں تیرے سارے مرسل
کون ہے ہمسر تیرا شاہا صلی اللہ علیک وسلم (ایضاً)

ے اپنے مظہر اول کو' اپنے حبیب اجمل کو
ے پہلے نبی افضل کو' پچھلے مرسل اکمل کو (صفحہ۳۱)
ے نور سے اپنے پیدا کیا' نور حبیب رب علا
ے پھر اس نور کو حصے کیا
ان سے بنایا جو ہے بنا (صفحہ۳۲)
ے ذات کا اپنی آئینۂ بے مثل و نظیر و بے ہمتا
ے خلق کیا قبل از اشیاء' اور نبوت کردی عطا (صفحہ۳۲)
ے آدم و عالم پیدا ہوئے' نور سے سارے ہویدا ہوئے
ے جو جو اس پر شیدا ہوئے' رب کے وہی گرویدہ ہوئے (صفحہ۳۳)
ے واسطہ یہ اس نور کا تھا' حضرت انسان قبلہ نما (صفحہ۳۴)
ے سارے فرشتوں نے سجدۂ پیش صفی اللہ کیا
ے نام حبیب و نام خدا' ساق عرش پر لکھا ہوا (صفحہ۳۴)
ے اور کسی نے یہ بھی کہا' خواب میں مجھ سے آمنہ
پیٹ میں تیرے امت کا' سردار ہے اللہ اللہ (صفحہ۳۷)
ے وقت ولادت تم نہیں بھولے وقت رحلت یاد ہی رکھے
ے اپنے بندے تم نے شاہا صلی اللہ علیک وسلم (صفحہ۹۹)
ے ہم تو ہم وہ انبیاء کے بھی لیئے ہیں واسطہ
ان کو بھی جو ملتا ہے بے واسطہ ملتا نہیں (صفحہ۱۱۷)
ے الصلوٰۃ والسلام الصلوٰۃ والسلام
اے نبیوں کے نبی اور اے رسولوں کے امام (صفحہ۱۰۲)
ے نبیوں میں ہو تم ایسے نبی الانبیاء تم ہو
حسینوں میں تم ایسے ہوکہ محبوب خدا تم ہو (صفحہ۱۴۷)
ے انت الاول انت الآخر انت الباطن انت الظاہر
انت سمّی المولیٰ تعالیٰ صلی اللہ علیک وسلم (صفحہ۱۰۰)

؎ تمہیں باطن تمہیں ظاہر تمہیں اول تمہیں آخر
نہاں بھی ہو عیاں بھی؛ مبتداء ومنتہا تم ہو (صفحہ۱۴۸)

نیز فرماتے ہیں: ''یہ رحمت بذریعہ رسالت ہے کہ وما ارسلناك الا رحمة للعلمين ہم نے تمہاری رسالت نہ کی مگر سارے جہان کے لیئے رحمت۔ تو رحمۃ للعالمین نہ ہوگا مگر وہ کہ رسول الی العلمین ہو تمام جہانوں کو اس کی رسالت عام ہو اور وہ نہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں (الیٰ) میں تمام جہان کی طرف بھیجا گیا۔ اھ۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات وتصریحات سے مسئلۂ نبوت کی اول تا آخر ایک ایک شق کی جو وضاحت ہو رہی ہے وہ کسی طرح محتاج بیاں نہیں جس سے یہ امر ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آ جاتا ہے کہ آپ کی پیش کردہ عبارت کا نفیٔ نبوت سے کچھ علاقہ نہیں۔ والحمد لله على ذلك۔

عبارت نمبر۱۲(عبارت بہار شریعت جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے وغیرہ) **سے جواب**:

حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب رقم طراز ہیں: ''نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعے سے حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی ہے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رزیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے الخ۔ (بہارِ شریعت، حصہ۱، صفحہ۴۴، کذا فی الشفاء، جلد۱، صفحہ۵۸)۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ۲۴۲، ۲۴۳)۔

الجواب:

عبارت کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام شروع ہی سے ہیں نہایت درجہ مقرب بارگاہ ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ جب ان پر وحی جلی یا وحی ملکی کا آغاز ہوتا ہے اسی وقت سے ان کو یہ مقام قرب بھی ملتا اور آپ کی روحانیت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور پہلے وہ عام آدمیوں کی طرح ہوتے ہیں پھر چونکہ یہ مدارج روح کے اوصاف ہیں نیز انبیاء علیہم السلام کے یہ اوصاف حمیدہ ان کو بغیر کسی مجاہدہ اور ریاضت کے حاصل ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ کسی کے نبی ہونے کا فیصلہ نئے سرے سے اس دنیا میں نہیں کیا جاتا بلکہ جن جن کو یہ دولت عطا فرمانا تھی اسی جہان میں ان کی نہ صرف تعیین کر دی گئی بلکہ اس کا اظہار بھی کر دیا گیا اور ان سے میثاق نبوت بھی اسی جہان میں لے لیا گیا۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو (تنبیہات، باب نمبر۸۔ نیز الشفاء جلد۱، صفحہ۵۸)۔

تو بناءً علیہ پیش نظر عبارت اسی پر محمول ہے کہ خدا کا نبی روحانی طور پر ان صفات سے پہلے ہی سے متصف ہوتا ہے۔

بالفاظ دیگر نبی بن کر آتا ہے آ کر نہیں بنتا اور یہ منصب ہر کہ ومہ کے لیئے نہیں خدا کی خاص منتخب محبوب ہستیوں کے لیئے ہے۔ یہی وجہ ہے صاحب بہارِ شریعت نے مذکورہ تفصیل لکھنے کے بعد لکھا ہے الله اعلم حیث یجعل رسالته۔ ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء الله ذو الفضل العظیم۔ ملاحظہ ہو (بہار شریعت جلد و حصہ اوّل، صفحہ۱۰، طبع مکتبہ اسلامیہ لاہور)۔

الغرض عبارت سے انبیاء علیہم السلام کی ذوات قدسیہ سے قبل اعلان نبوت، نبی ہونے کی نفی کرنا مقصود نہیں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اسی بہارِ شریعت کے اسی جلد اسی حصہ اسی بحث میں یہ بھی لکھا ہے جس کا خلاصہ

یہ ہے کہ نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے نیز یہ کہ یہ عصمت جیسے بعد از ظہور نبوت لازم ہے اسی طرح قبل از ظہور نبوت بھی لازم ہے اور یہ مجموعی طور پر اہل سنت کا اجماعی امر ہے نیز یہ کہ عصمت خاصۂ نبوت ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۰)۔

پس جب عصمت خاصۂ نبوت ہے جب کہ یہ بھی اپنی جگہ پر مبرہن ہے کہ عصمت دلیل نبوت ہے جس کی مکمل بحث باب ہشتم میں گزر چکی ہے اور خصوصیت کے ساتھ معترض کے استاذ و شیخ حضرت محدث اعظم کی قلمی تحریر سے ثابت کیا جا چکا ہی کہ عصمت' نبی ہونے کی دلیل ہے۔

تو یہ اس امر کی دلیل ہوا کہ ہر نبی اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی ہوتا ہے اور یہ محض الفاظ کا چکر نہیں بلکہ امام ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ نے تمہید میں اس کی تصریح فرمادی ہے ملاحظہ ہو (صفحہ ۶، ۶۷، ۷۷)۔

علاوہ ازیں مصنف تحقیقات پیش کردہ عبارت کو خصوصیت کے ساتھ حضور سیّد عالم ﷺ سے نفی نبوت کے ثابت کرنے کے لیئے لائے ہیں جس میں وہ اس لیئے بھی ناکام ہیں کہ بہارِ شریعت میں اسی بحث میں حضور کے قدم و دوام نبوت کی تصریح موجود ہے پس پیش کردہ عبارت کا اطلاق آپ پر قطعاً نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ بحث ہٰذا کے اواخر میں لکھا ہے:

''**عقیدہ**: سب سے پہلے مرتبۂ نبوت حضور کو ملا۔ روز میثاق تمام انبیاء سے حضور پر ایمان لانے اور حضور کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا اور اسی شرط پر یہ منصب اعظم ان کو دیا گیا۔ حضور نبی الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء حضور کے امّتی۔ سب نے اپنے عہد کریم میں حضور کی نیابت میں کام کیا بلفظہ۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۶)۔

عبارت ہٰذا حضور کے قدم نبوت میں نص صریح ہے اور آپ کے دوام و قدم نبوت میں بھی کیونکہ حضور جب نبی الانبیاء ہیں اور سب انبیاء آپ کے امتی ہوکر اپنے دور میں آپ کی نیابت میں کام کرنے والے تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ جب سے نبی بنے تب سے ہر دور میں تسلسل کے ساتھ نبی ہیں والحمدللہ۔ جس کی مزید دلیل یہ بھی ہے کہ اسی بہارِ شریعت میں جاری بحث میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''جو شخص نبی سے نبوت کا زوال جائز جانے' کافر ہے''۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۱۰)۔

عبارت نمبر۱۳ (عبارت بہارِ شریعت قبل نبوت ارہاص کے الفاظ) **سے جواب:**
''مزید فرماتے ہیں: نبی علیہ السلام سے جو بات خلاف عادت ہو قبل نبوت ظاہر ہو اس کا ارہاص کہتے ہیں اور ولی سے جو ایسی صادر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں الخ۔ (بہارِ شریعت حصہ اوّل' صفحہ ۴۴۔ کذا فی الشفاء' جلد ۱' صفحہ ۵۸)۔ کیا محققین زمان اور مجتہدان عصران حضرات کو بھی گستاخ اور بے ادب ٹھہرائیں گے یا وہ ہدیہ اور تحفہ صرف اور صرف محمد اشرف سیالوی کے لیئے ہے؟ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۴۳)۔

الجواب: ''وہ ہدیہ صرف اور صرف جناب موصوف کے لیئے ہی ہے'' کیونکہ بہ ہئیت کذائیہ حضور کی نبوت کے متعلق ان کا نظریہ معروفہ انہی کے خواص سے ہے جس میں اہل سنّت کے علماء و ائمہ شان میں سے کوئی بھی ان کا سلف نہیں ہے ورنہ وہ بتائیں کہ اسلاف اہل سنّت میں سے کس کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور عالم ارواح میں تو بالفعل نبی تھے لیکن بعد کے ادوار میں خصوصیت کے ساتھ ولادت باسعادت کے بعد چالیس سال کی عمر شریف تک آپ کی وہ نبوت غیر مؤثر یا تعطل کا شکار ہوگئی اور آپ بالقوۃ نبی بن گئے۔ پھر چالیس سال کے بعد بالفعل نبی بنے؟ بینوا توجروا۔ بینوا توجروا۔ بینوا توجروا انہی پیش کردہ عبارت؟ اس میں ''قبل نبوت'' کے الفاظ میں نبوت سے مراد نفس نبوت نہیں بلکہ بعثت اور وحی جلی مراد ہے جب کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پر وحی جلی کا آغاز چالیس سال کی عمر میں ہوا اور آپ کی بعثت بھی اسی عمر شریف میں ہوئی جب کہ بعثت' نفس نبوت کے منافی نہیں جس کی مکمل تفصیل رد مغالطہ نمبر ۱۹ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح ''ارہاص'' بھی نفی نبوت کی دلیل نہیں بلکہ ثبوت کی دلیل ہے جس کی مکمل باحوالہ تفصیل ردّ مغالطہ نمبر ۲۷ نیز عبارت شرح المواقف کے جواب میں موجود ہے بلکہ یہ عبارت مصنف تحقیقات کے خلاف بھی ہے کیونکہ اس میں ارہاص اور کرامت کا دو الگ چیزیں ہونا لکھا ہے اور یہ بھی کہ کرامت ولی سے اور ارہاص نبی سے متعلق ہے۔ بالفاظ دیگر اس سے یہ صراحۃً ثابت ہو رہا ہے کہ ولی اور قبل اعلان نبوت بھی ذات نبی دونوں علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں ایک نہیں۔ پس اس عبارت سے بھی موصوف کو کچھ حاصل نہ ہوا۔

رہا ''کذا فی الشفاء' جلد ۱' صفحہ ۵۸'' (جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بحث الشفاء شریف' کے مذکورہ جلد کے مذکورہ صفحہ پر بھی ہے)؟ تو ہمیں اس میں اس کا نام و نشان نہیں ملا۔ عبارت دکھائیں اور جواب پائیں۔

عبارت نمبر۱۴ (قول شیخ تیجانی لَمۡ یَزَلۡ مِنَ اَکَابِرِ الۡعَارِفِیۡنَ) **سے جواب:**

اس سلسلہ میں مزید عبارت جو پیش کی جا سکتی ہے اور جسے مصنف تحقیقات نے پیش نہیں کیا' وہ حضرت شیخ ابوالعباس تیجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول بھی ہے: ''وقد کان صلی اللہ علیہ وسلم قبل النبوۃ من حین خروجه من بطن امه لم یزل من اکابر العارفین ''یعنی قبل از نبوت اپنی والدہ ماجدہ کے بطن پاک سے پیدا ہونے کے وقت بھی آپ ﷺ اکابر عارفین سے تھے۔ ملاحظہ ہو (جواہر البحار' جلد۳' صفحہ ۵۲' طبع مصر)۔

اقول: لیکن یہ بھی مصنف تحقیقات (وامثالہ) کو کچھ مفید نہیں کیونکہ نبی اللہ عارف باللہ ہونے کے منافی نہیں آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''انا اعلمکم باللہ واخشاکم به ''یعنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق علم وعرفان اور اخلاص وتقویٰ میں تم سب سے بڑھ کر ہوں۔ (صحیح بخاری)۔

جب کہ نبوت سے مراد یہاں نفس نبوت نہیں بلکہ بعثت ہے نیز جب کہ حضرت شیخ بھی حضور کے قدم ودوام نبوت کے قائل ہیں خود ان کے اسی رسالہ میں جگہ جگہ اس کی تصریحات موجود ہیں خصوصیت کے ساتھ حدیث کنت نبیا الخ سے استدلال بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو (جواہر البحار' جلد۳' صفحہ ۵۳' وغیرہ)۔

ہاں وہ یہ فرماتے ہیں کہ حضور کی اس (کنت نبیاً الخ والی) نبوّت کو حضور کی ذات اقدس میں چالیس سال کی عمر شریف تک بایں معنٰی مستتر کر دیا گیا کہ اس کی طرف آپ کی توجہ نہیں جانے دی گئی جس میں بے شمار حکمتیں تھی جو ان کی تحقیق ہے جس سے نبوت کی بمعنی حقیقی موجود ہونے کی نفی بہر حال نہیں ہوتی اور وہ مصنف تحقیقات کے اختراعی نظریہ سے قطعاً مختلف ہے کیونکہ موصوف اس کے غیر مؤثر اور بالقوۃ بن جانے کے قائل ہیں جب کہ حضرت شیخ ہمیشہ ہمیشہ اس کے فیضان کے جاری وساری رہنے کے معتقد ہیں جس کی مکمل تفصیل باب ہشتم کے اواخر میں نبوت حضرت سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے مباحث میں دیکھی جا سکتی ہے۔ وللہ الحمد۔

عبارت نمبر ۱۵ (عبارت استاذ العلماء علامہ فیضی رحمۃ اللہ علیہ والادت سے نبوت ملنے تک اکابر عارفین سے تھے) **سے جواب**:

''حضرت علامہ منظور احمد فیضی اپنی کتاب مقام رسول میں ارشاد فرماتے ہیں: ''نبی پاک ﷺ ولادت کے وقت سے لے کر نبوت ملنے تک اکابر عارفین کاملین میں سے تھے (مقام رسول، صفحہ ۲۴۱)'' ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۲۵۴، از ابن مصنف)۔

الجواب: ابن مصنف نے اس مقام پر کئی کارنامے سرانجام دیئے ہیں چنانچہ حضرت استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اپنی رائے کے طور پر کچھ نہیں لکھا جب کہ موصوف نے اسے آپ کا قول بنا کر پیش کیا ہے جیسا کہ ''ارشاد فرماتے ہیں'' کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

- آپ نے عبارت نقل فرمائی ہے جس کا موصوف نے اشارہ تک نہیں دیا
- وہ عبارت عربی میں ہے جس کا حضرت نے اردو میں ترجمہ فرمایا ہے۔ جس میں موصوف نے محض اپنی مطلب برآری کی غرض سے کانٹ چھانٹ کر کے اسے پیش کیا ہے۔
- عربی عبارت اس طرح ہے: ''وقد كان ﷺ قبل النبوة من حين خروجه من بطن امه لم يزل من اكابر العارفين ولم يطرأ عليه حجاب البشرية الحائل بينه و بين مطالعة الحضرة الالهية القدسية''۔

حضرت نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے: ''حضور قبل از نبوت والدہ ماجدہ کے بطن مقدس سے ظاہر ہونے کے وقت سے اکابرین عارفین سے تھے۔ اور آپ پر حجاب بشریت کا طاری ہونا حضرت الوہیت کے مطالعہ سے مانع نہیں ہوا''۔ ملاحظہ ہو (مقام رسول ﷺ صفحہ ۲۴۱، طبع، احمد پور شرقیہ)

معترض ابن معترض نے ''قبل از نبوت'' کے الفاظ کو ''نبوت ملنے تک'' کے الفاظ سے بدل دیا ہے جب کہ ان دونوں میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ ''قبل از نبوت'' کے لفظوں والے الفاظ عبارت کو لے لیا گیا ہے ''نبوت'' کا ترجمہ نہیں کیا گیا جس سے مراد بعثت اور وحی جلی ہے۔ جب کہ ''نبوت ملنے تک'' کے الفاظ میں نفس نبوت مراد ہے۔ الغرض حضرت کے کیئے گئے ترجمہ میں یہ لفظ نہیں تھے جنہیں موصوف نے از خود شامل کر کے ملاوٹ کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔

حضرت نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے: ''حضور قبل از نبوت والدہ ماجدہ کے بطن مقدس سے ظاہر ہونے کے وقت سے اکابرین عارفین سے تھے۔ اور آپ پر حجاب بشریت کا طاری ہونا حضرت الوہیت کے مطالعہ سے مانع نہیں ہوا''۔ ملاحظہ ہو (مقام رسول ﷺ صفحہ ۲۴۱ طبع)

معترض ابن معترض نے ''قبل از نبوت'' کے الفاظ کو ''نبوت ملنے تک'' کے الفاظ سے بدل دیا ہے جب کہ ان دونوں میں زمین وآسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔

''قبل از نبوت'' کے لفظوں کو حضرت کے کیئے گئے ترجمہ میں الفاظ عبارت سے لے لیا گیا ہے لیکن ''نبوت'' کا ترجمہ نہیں کیا گیا جس سے مراد بعثت اور وحی جلی ہے۔

جب کہ ''نبوت ملنے تک'' کے الفاظ میں نفس نبوت مراد ہے۔

الغرض حضرت کے کیئے گئے ترجمہ میں یہ لفظ نہیں تھے جنہیں موصوف نے از خود شامل کر کے ملاوٹ کرنے کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔

• حضرت اس عبارت کو مسئلۂ نبوت کی بحث کے لیئے نہیں لائے بلکہ اس امر کے ثبوت کے لیئے کہ اسلاف نے حضور کی بشریت کو آپ کی حقیقت نوریہ پر حجاب قرار دیتے ہوئے ''حجاب بشریت'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس پر آپ نے شروع بحث میں متنبہ بھی فرمایا ہے ملاحظ ہو (کتاب مذکور صفحہ ۲۳۹) بلکہ عبارت ہٰذا پر خصوصیت کے ساتھ یہ عنوان بھی قائم کیا ہے: ''عارف قطب سید ابو العباس تیجانی فاسی کا عقیدہ کہ بشریت حضور کا پردہ ہے'' ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۴۱)۔

• نیز یہ کہ ولادت باسعادت سے چالیس سال کی عمر شریف تک نفیٔ نبوت آپ کا عقیدہ نہیں بلکہ آپ حضور کے قدم ودوام نبوت کے بڑی شد ومد سے قائل تھے۔ جس پر آپ کی بے شمار تقریریں اور تحریریں شاہد عدل ہیں۔

آپ کا ایک خطاب لاجواب انجمن ضیاء طیبہ کراچی کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے جس کا بنیادی نقطہ جس پر آپ نے سب سے زیادہ زور دیا ہے یہی ہے کہ حضور نبی پہلے سے ہیں چالیس سال کے بعد نبی بنے نہیں بلکہ اپنے نبی ہونے کا بحکم الٰہی اعلان واظہار فرمایا جس کے اقتباسات تنبیہات جلد اوّل باب نمبر ۴ میں پیش کیئے جا چکے ہیں۔

بلکہ خود اپنی پیش نظر اس کتاب مقام رسول ﷺ میں حضور کے خصائص کا بیان بھی اسی سے شروع فرمایا ہے کہ حضور بمعنی حقیقی اوّل الخلق ہیں نیز حضور کو نبوت بھی سب سے پہلے عطا کی گئی اور یہ نبوت پوری آب

وتاب کے ساتھ قائم رہی۔ یہاں تک کہ چالیس سال کی عمر شریف میں اس عالم میں اس کا ظہور ہوا جس پر آپ نے قرآن وحدیث کے دلائل اور اقوالِ ائمہ شان کا انبار لگا دیا اور ثابت فرمایا ہے کہ حدیث ''کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد'' اپنے حقیقی معنٰی پر ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۲۰۳ تا ۲۲۴، خصوصیت نمبر ۱، ۲)۔

- رہی لائی گئی عربی عبارت؟ تو وہ موصوف کے ہرگز مفید مطلب نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے اور وہ حضرت شیخ تیجانی کی وہی عبارت ہے جس کی توجیہ ابھی پہلے عبارت نمبر ۱۴ کے زیر عنوان پیش کی جا چکی ہے جس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ اسے ادھر ہی ملاحظہ ہو کر لیا جائے۔ و الحمد للہ۔

عبارت نمبر۲۹ (عبارت حضرت بندہ نواز گیسودراز ہر نبی کو پہلے ولایت اس کے بعد نبوت ملی) **سے جواب:**

حضرت بندہ نواز گیسودراز تحریر فرماتے ہیں: ''اولیاء میں سے جن پر عنایت بے غایت ہوئی اور مقصود ہوا کہ ان سے دعوت خلق کا کام لیا جائے تو انہیں نبوت کے مقام پر فائز فرمایا اور یہ کام ان سے لیا۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ مقام ولایت کی انتہا مقام نبوت کی ابتداء ہے''۔ (فوائد حضرت بندہ نواز، صفحہ ۱۰۳)۔

مزید فرماتے ہیں: ''پس کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ اوّل ولایت کے درجہ پر پوری طرح سرفراز نہ ہوا ہو۔ پہلے ولایت ملی ہے اس کے بعد نبوت کی دولت نصیب میں آئی ہے''۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۲۵۵، از ابن مصنف)۔

الجواب: محولہ کتاب فقیر کے پاس نہیں ہے کہیں سے دستیاب بھی نہیں ہوسکی اس لیئے بعد از مطالعہ تبصرہ کا حق محفوظ رکھتے ہوئے عرض ہے کہ اتنی بات تو اٹل ہے کہ وہ اردو زبان میں لکھی ہوئی نہیں ہے۔ معترض نے اس کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے اصل عبارت نہیں لائے پس نہ معلوم انہوں نے اس میں کیا کیا گل کھلائے ہوں گے جب کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ اچھی نیت سے حسب ضرورت قطع وبرید، کانٹ چھانٹ کر لینے اور ہاتھ کی صفائی دکھانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے جس کی کئی مثالیں گزشتہ اوراق میں پیش کی جاچکی ہیں اور تازہ مثال مقام رسول ﷺ کی عبارت ہے جو ابھی گزری ہے۔

برتقدیر تسلیم اس سے مقصود نبوت کی اہمیت اور اصحاب نبوت کی عظمت کو بیان کرنا ہے نیز یہ بتانا کہ انبیاء کرام علیہم السلام قبل از اظہار وظہور نبوت بھی مقرب بارگاہ ہوتے ہیں یہ نہیں کہ وحی جلی یا وحی ملکی کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد ان کی روحانیت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس سے قبل وہ عام آدمیوں کی طرح ہوتے ہیں۔

بناءً علیہ یہاں ''نبوت'' سے مراد نفس نبوت نہیں بلکہ بعثت اور نزول وحی جلی و وحی ملکی ہے کیونکہ حضرت موصوف (گیسودراز بندہ نواز السید محمد بن یوسف الحسنی) رحمۃ اللہ علیہ دوام نبوت کے قائل ہیں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے مرید وخلیفہ ہیں اور وہ حضرت سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے مرید وخلیفہ ہیں اور وہ شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کے مرید وخلیفہ ہیں جب کہ حضرت گنج شکر خصوصیت کے ساتھ تمہید ابی الشکور السالمی کا درس دیتے اور اسے سبقاً پڑھاتے تھے جو آپ نے خصوصیت کے ساتھ حضرت محبوب الٰہی کو پڑھائی اور انہیں اس کی سند عنایت فرماتے ہوئے اس کے متعلق یہ لفظ

لکھے" ونعم الکتاب فی ھذا الفن تمھید المھتدی ابی الشکور "یعنی فن عقائد میں امام ابوشکور کی کتاب تمہید بہت عمدہ ہے (مقدمہ تمہید مترجم اردو، صفحہ ۲۳، از علامہ شرف صاحب علیہ الرحمۃ)۔

اس حوالہ سے کتاب مذکور حضرت بندہ نواز کے نزدیک بھی سند کا درجہ رکھتی تھی جب کہ اس میں جگہ جگہ یہ تصریحات موجود ہیں کہ نبی قبل از اعلان نبوت اور بچپن کی عمر میں بھی ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے اعلان نبوت کے بعد۔ نیز جو یہ نہ مانے وہ کافر ہے ملاحظہ ہو (صفحہ ۴۵، ۱۶۶، طبع مکتبہ قادریہ لاہور)۔

پس اگر بالفرض محولہ کتاب میں نفس نبوت کا انکار بھی لکھا ہو تو وہ عبارت مدسوس ہو کر مردود شمار ہوگی اصل معیار تمہید شریف ہے کیونکہ یہ کتاب اس سلسلہ عالیہ میں معروف ومتداول ہے دیگر کتب خصوصاً ملفوظات طرز کی کتابوں میں ملاوٹیں ہیں جن کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔

پھر یہ کہ محولہ کتاب کی پیش کردہ عبارت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قطعاً نہیں ہے جب کہ مصنف تحقیقات کی بحث آپ ﷺ کی نبوت پاک کے بارے میں ہے پس یہ عبارت غیر متعلق ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

عبارت نمبر۱۷(عبارت امام رازی کہ ہر نبی کو پہلے ولایت پھر نبوت ملی)**سے جواب**:

حضرت بندہ نواز سید محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کی گزشتہ عبارت کے پیش کرنے کے بعد ابن مصنف تحقیقات نے مزید لکھا ہے کہ: ''اسی طرح کا مضمون امام رازی نے تفسیر کبیر جلد پ۲۵ زیر آیت ماکنت تدری ماالکتاب و لا الایمان تحریر فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو(تحقیقات'صفحہ۲۵۵)۔

الجواب: کبیر کی وہ عبارت یہ ہے:''الرابع ''الایمان''عبارۃ عن الاقرار بجمیع ما کلف اللہ تعالٰی بہ وانہ قبل النبوۃ ماکان عارفا بجمیع تکالیف اللہ تعالٰی بل انہ کان عارفا باللہ تعالٰی ''ملاحظہ ہو(کبیر'پ۲۵'جلد۲۷'صفحہ۱۹۱تحت آیت مذکورہ)۔

اقول: ذی علم حضرات موازنہ کر کے بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ عبارت ہٰذا کا مضمون حضرت بندہ نواز سے منسوب عبارت سے بالکل مختلف ہے اوراس میں قطعاً یہ نہیں ہے کہ ہر نبی کو پہلے ولایت ملی پھر نفس نبوت حاصل ہوئی جیسا کہ معترض کا دعویٰ ہے جس کے متعلق یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ انہیں اس کے سمجھنے کی اہلیت نہیں ہے کیونکہ ان کے علم وفضل کے چرچے ہیں'یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ کارنامہ بھی انہوں نے عمداً سرانجام دیا ہے۔فیا للعجب۔

الغرض عبارت کا نفی نبوت سے کوئی تعلق نہیں اوراس کا خلاصۂ مفہوم صرف یہ ہے کہ آیت ماکنت تدری میں واردلفظ''ایمان'' کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراداللہ تعالیٰ کے وہ جملہ احکام ہیں جواس نے اس دنیا میں امت پر لاگو فرمانے تھے جن کی تفصیلات قرآن کے ذریعہ آئیں اوران کا تفصیلی علم قرآن کے نزول سے آپ کو حاصل ہوا جب کہ اس وقت آپ کو ذات وصفات باری تعالیٰ کا قطعی طور پر تفصیلی علم حاصل تھا کیونکہ اس میں علم کی بجائے عرفان کا مادّہ استعمال کیا گیا ہے جب کہ ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ اس عالم میں بہ ہیئت کذائیہ ان احکام کا تفصیلی علم آپ ﷺ کو قرآن کے ذریعہ عطا فرمایا گیا۔

بناءً علیہ اس عبارت کے الفاظ''قبل النبوۃ'' میں نبوت سے مراد وحی جلی اوروحی قرآن ہے کیونکہ زیر تفسیر آیت میں اسی کا ذکر ہے۔چنانچہ شروع آیت میں یہ لفظ موجود ہیں''وکذلك اوحینا الیك روحا من امرنا ''نیز جب کہ عارف باللہ ہونا نبوت کے منافی بھی نہیں۔جس کی تفصیل ابھی عبارت نمبر۱۴ کے جواب میں گزری ہے۔

اس سب سے قطع نظر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ قبل از اعلان نبوت حضور کے بمعنی حقیقی نبی ہونے کے قائل ہیں۔شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۰ طبع کراچی نیز حضرت امام کی اپنی کتاب حدیقۃ الانوار المعروف جامع العلوم (میں علم التاریخ کی بحث) میں تصریحاً موجود ہے کہ آپ چالیس سال کی عمر شریف سے پہلے مقام نبوت میں تھے اور جب آپ کی عمر چالیس برس ہوئی تو آپ کو نبوت کے ظاہر کرنے کا حکم ہوا۔وللہ الحمد۔

انبیاء علیہم السلام کو ولی کہنے کے عدم جواز کی دلیل پر اعتراض کا جواب:

قائلین نبوت کی جانب سے قبل از اعلان نبوت انبیاء علیہم السلام کو ''صرف ولی'' کہنے کے عدم جواز کی ایک دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ اولیاء (غیر انبیاء) کبھی بھی واجب العصمۃ نہیں ہوتے جب کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اعلان نبوت سے قبل بھی واجب العصمۃ ہوتے ہیں جب کہ عصمت خاصۂ نبوت ہے تو وہ اس عرصہ میں بھی نبی ہوئے لہٰذا انہیں ''صرف ولی'' کہنا درست نہیں۔مصنف تحقیقات نے اس کو اٹھانے کی کوشش کی ہے بلکہ اس پر ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے مگر کچھ کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔

ان کی تقریر کا خلاصہ جواب حسب ذیل ہے: ''قابل فکر بات یہ ہے کہ اس عرصہ میں انبیاء کرام کو ولی نہ ماننا ادب واحترام ہوگا یا ان کی توہین؟ دوسروں کو بے ادب گستاخ ثابت کرتے کرتے خود گستاخی کے مرتکب ہوگئے۔قرآن میں فرمایا ان اولیاء ہ الا المتقون۔تو ان سے ولایت کی نفی کرنا کیونکر درست ہوگا؟ بلکہ ان کی ولایت اولیاء کی ولایت سے اقویٰ ہوتی ہے جس طرح نبی عبد بھی ہوتا ہے مومن بھی۔لیکن دوسرے عباد اور مومنین کو ان کی عبدیت' ایمان سے کیا برابری ہوسکتی ہے۔

یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ نبوت وہبی اور ولایت کسبی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے نبوت کے پہلے کے دورانیہ کو بے داغ' بے عیب بناتا ہے تاکہ اعلان نبوت کے بعد ان کے پہلے عرصہ سے کوئی ان پر اعتراض اور تنقید نہ کر سکے۔جب اللہ تعالیٰ ان کے تقویٰ کا خود ضامن ہوگیا تو وہ واجب العصمۃ ٹھہرے تاکہ مقصد بعثت کما حقہ حاصل ہو سکے۔اس پس منظر میں ضروری تھا کہ انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل منصب ولایت پر فائز ہونے ضروری ہیں نہ یہ کہ سرے سے ولایت سے ہی محروم ہوں۔نیز نبی کی ذات کا آغاز ولادت سے کفر وشرک اور اعمال سیئہ سے معصوم ہونا ضروری ہے جب کہ ولی کے لیۓ یہ شرط نہیں۔الغرض انبیاء کی عصمت اور ان کی ولایت بھی اقویٰ' ارفع واعلیٰ ترین ہے جو کہ ان کی نبوت ورسالت کا پیش خیمہ ہوتی ہے تو ان دونوں عصمتوں کو ایک جیسا نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ ہی ولایت نبوت کو دیگر اولیاء کی ولایت پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔فراق مراتب ضروری ہے۔گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔حاصل یہ کہ نبی کے لیۓ معصوم ہونا ضروری ہے لیکن یہ

سمجھ لینا کہ جب سے عصمت ثابت ہوگی تب سے نبوت ثابت ہوگی بالکل غلط' بے بنیاد سوچ اور بدیہی البطلان خیال ہے اور ولایت نبوت اور ولایت اولیاء کو ایک جیسا سمجھنا اور انبیاء سے ولایت کی نفی کرنا بھی غلط اور بالکل بے ہودہ اور گمراہانہ سوچ ہے۔ فتأمل حق التأمّل'' اھ ملخّصاً بلفظہ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات' صفحہ ۲۴۳' ۲۴۴' ۲۴۵)۔

الجواب: بحث انبیاء علیہم السلام کو ولی ماننے نہ ماننے میں نہیں بلکہ ''صرف ولی'' ماننے میں ہے یعنی ایسی ولایت ماننا جو نبوت سے خالی ہو۔ لہٰذا یہ موصوف کا خلط مبحث ہے۔

باقی تقریر کی بنیاد اس پر ہے کہ نبی قبل از اعلان نبوت' نبی نہیں ہوتا جو موصوف کے لفظوں میں بالکل غلط' بے بنیاد' بے ہودہ اور گمراہانہ سوچ اور زندیقی ہے۔

بناءً علیہ اس پر قائم کیا گیا استدلال بھی بدیہی البطلان ہے۔

موصوف کے انتہائی معتمد علیہ امام ابوالشکور سالمی کی نہایت درجہ مستند کتاب تمہید شریف (عربی صفحہ ۶' ۶۷' اور ۶۷' مترجم اردو صفحہ ۴۵' اور ۱۶۶) سے اوائل بحث وغیرہ میں متعدد مقامات پر حوالہ جات ہم پیش کر چکے ہیں کہ ہر نبی' قبل از بلوغ اور قبل از اعلان نبوت ایسے ہی نبی ہوتا ہے جیسے بعد بلوغ اور بعد از اعلان نبوت۔ جس کا منکر پکا کافر ہے۔

نیز یہ کہ ''قبل از اعلان نبوت نبی کو ولی معصوم ماننا متقشفہ کرامیہ کا عقیدہ ہے جن کے گمراہ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لہٰذا قبل از اعلان نبوت اعلیٰ درجہ کا ولی اور معصوم کہنے سے معترض ''گمراہانہ سوچ'' سے مبرّا نہیں ہو سکتے۔ الحمدللہ حق ہر طرح سے واضح ہو چکا فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر۔

◆◆◆

باب دوازدہم

مغالطات از اقوال کا ردّ بلیغ

قول حضرت صدیق اکبرؓ سے مغالطہ:

''میں نے نبی پاک ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے خواب دیکھا۔ (تحقیقات صفحہ ۲۴۶ بحوالہ ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ ۲۴ از ابن عساکر)

اقول: بر تقدیر تسلیم اس میں آپ ﷺ کی بعثت کا ذکر ہے جو رسالت کے مترادف ہے جب کہ رسول کا نبی ہونا لازم ہے جس پر ائمہ شان کی تصریحات باب ہفتم میں پیش کی جا چکی ہیں۔ نیز بعثت کے منافی نفسِ نبوت نہ ہونے کی تفصیل ردمغالطہ نمبر ۱۹ میں کردی گئی ہے۔

علاوہ ازیں حضرت صدیق اکبر کا اس سے مقصود بھی نفسِ نبوت کی نفی نہیں و من ادّعٰی فعلیه البیان

نیز مصنف تحقیقات (صفحہ ۱۲۰ میں) اس کی تصریح کر چکے ہیں کہ حضرت صدیق اعلان نبوت سے پہلے حضور کے نبی ہونے کے قائل تھے تفصیل کے لیۓ ملاحظہ ہو ردّ مغالطہ نمبر ۱۲ و نمبر ۳۳۔

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

قول حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مغالطہ:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مکہ میں تیرا سال ٹھہرایا۔ (مستدرک حاکم، جلد ۲، صفحہ ۲۶۵، جلد ۳، صفحہ ۳)۔ امام حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ یہی معنٰی لینا پڑے گا کہ نبوت کی حالت میں آپ مکہ میں تیرہ سال رہے۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۴۶)۔

اقول: کیوں یہی معنٰی لینا پڑے گا جب کہ آپ کے پہلے سے نبی ہونے پر خود حضور کا فیصلہ موجود ہے۔ حضرت ابن عباس جس کے راویوں میں سے ہیں مفصل حوالہ باب دہم میں گزر چکا ہے (یعنی تحت رد

مغالطہ نمبر۳۴)۔

مولائے مرتضٰی سے بھی نہ تو اس کے برخلاف ثابت ہے اور نہ ہی ان الفاظ کا نفی کی غرض سے ہونا ان سے ثابت ہے۔

پھر ''یہی معنٰی لیناپڑے گا'' کا عندیہ تب درست ہو جب کہ ان الفاظ کا اس کے سوا کوئی معنٰی نہ ہوسکتا ہو۔

ہمارے نزدیک (برتقدیر تسلیم) ان الفاظ کا معنٰی یہ ہے جب کہ صحیح بھی یہی ہے کہ بعثت اور نزول وحی جلی کے بعد اللہ تعالٰی نے آپ کو مکۃ المکرّمہ میں تیرہ سال ٹھہرایا۔ اور یہ بارہا گزر چکا ہے کہ بعثت، نفس نبوت کے منافی نہیں بلکہ اس کے ثبوت کی دلیل ہے۔

پس اعلان نبوت سے قبل کے عرصہ کو نبوت سے خالی کہنا سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے۔

''یہی معنٰی لیناپڑے'' کے لفظ موصوف ایسے کہہ رہے ہیں جیسے حدیث کنت نبیا الخ پر ایمان لاتے ہوئے آپ کے پہلے سے نبی ماننے سے موت آتی ہو۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

قول حضرت ام المومنین صدیقہ سے مغالطہ کا رد:

نبی پاک ﷺ کی نبوت کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی (بخاری مسلم سیرت حلبیہ) (تحقیقات، صفحہ ۲۴۸)۔

اقول: یہاں نبوت بمعنی بعثت ہے۔ معنٰی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت ہونے سے قبل آپ کو کثرت سے سچے خواب آئے۔ یہ نہیں کہ پہلے سچے خواب نہیں آتے تھے کیونکہ خواب تو زندگی کا حصہ ہیں۔

یہ بھی مطلب نہیں کہ اس سے قبل نفس نبوت حاصل نہ تھی کیونکہ یہ تاویل حدیث نبوی کنت نبیا الخ کے خلاف ہے۔ بلکہ سچے خواب بذات خود دلیل نبوت ہیں تو اس سے موصوف کا یہ کلیہ تو بقلم خود بےکار ہو گیا کہ چالیس سال سے پہلے نبوت ہوتی ہی نہیں۔

مکمل تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

ملاحظہ ہو باب ہشتم نیز ردمغالطہ نمبر ۶۔ نیز باب نمبر ۷ دلیل نمبر ۱۹۲۔

قول حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مغالطہ کا رد:

''نبی پاک ﷺ کے منع فرمانے کے بعد میں نے کبھی کسی بت کو ہاتھ نہیں لگایا حتٰی کہ اللہ تعالٰی نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا''۔ (خصائص کبرٰی، جلد۱، صفحہ ۹۰) اس اثر کو امام حاکم اور علامہ ذہبی نے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۴۷)۔

اقول: خصائص کبرٰی شریف کے دیئے گئے صفحہ پر حضرت زید کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''فوالذی

اکرمہ و انزل علیہ الکتاب ما استلمت صنما حتی اکرمہ اللہ بالذی اکرمہ و انزل علیہ ''ان میں کوئی لفظ نہیں ہے جس کا یہ ترجمہ ہو کہ ''نبوت سے سرفراز فرمایا''۔

ان الفاظ کا صحیح معنی یہ ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ پر کتاب یعنی قرآن مجید کے نازل کرنے کا اعزاز بخشا میں نے اس کے بعد کبھی بھی کسی بت کو نہ چھوا کیونکہ ''انزل علیہ'' کا جملہ ''الذی اکرمہ'' کی تفسیر کے طور پر واقع ہے یعنی عطف تفسیری ہے۔

بناءً علیہ موصوف نے اس میں ''نبوت سے سرفراز فرمایا کے لفظ اپنی طرف سے بڑھائے ہیں۔

کتاب کا حوالہ حضور کی رسالت کی دلیل ہے جو آپ کے پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ رسالت کے لیئے نبوت لازم ہے یعنی انسانوں میں سے جو رسول ہوتا ہے وہ نبی بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ہماری دلیل ہے معترض کی نہیں۔

مزید یہ کہ اس حدیث میں یہ بھی مصرح ہے (جس کا معترض کو بھی اقرار ہے) کہ آپ ﷺ اپنے خاص متعلقین کو بتوں کی پوجا تو کجا ان کا احترام کرنے سے بھی قبل از اعلان نبوت بھی منع فرماتے تھے۔ لہٰذا اس سے معترض فریق کا یہ پروپیگنڈہ کافور ہو گا اور ھباء منثور کہ آپ اس وقت نبی تھے تو کم از کم اپنے قریبی مصاحبین کو تو تبلیغ فرماتے۔ والحمد للہ۔

قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مغالطہ نمبر:

نبی پاک ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی۔ (سیرت حلبی جلد۱)۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۴۷)۔

اقول: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اردو سپیکنگ نہیں تھے اور نہ ہی صاحب سیرت حلبیہ اردو زبان رکھتے تھے بلکہ عربی تھے جس سے ظاہر ہے کہ معترض نے اصل عبارت پیش کرنے کی بجائے از خود ترجمہ پیش کیا ہے جب کہ وہ کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیئے کچھ نہ کچھ نیک نیتی سے ملاوٹ کر دینے کو بھی جرم نہیں سمجھتے۔ پس نہ معلوم اس میں انہوں نے کیا کیا گل کھلائے ہوں گے۔

بر تقدیر تسلیم صحت اس میں بھی حضور کی بعثت کا بیان ہے جسے انہوں نے عطاء نبوت کے من مانے لفظوں سے بیان کیا ہے جیسا کہ قول زید رضی اللہ عنہ کو غلط رنگ دے کر پیش کیا ہے۔ جب کہ بعثت نفس نبوت کے منافی نہیں پس اس سے بھی انہیں کچھ فائدہ نہ ہوا۔

اقوال حضرت جعفر بن ابی طالب و حضرت انس و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم (بابت بعثت) سے مغالطہ نمبر:

ان سب کے جواب کے لیئے پڑھیئے ردّ مغالطہ نمبر ۱۹ مع مالہ و ما علیہ۔ نیز باب ہشتم بحث مہر نبوت۔

قول حضرت قباث بن اشیم ﷺ سے مغالطہ کا رد:

نبی پاک ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی۔(مستدرک حاکم' جلد۲' صفحہ ۲۶۷)(تحقیقات' صفحہ ۲۴۷)۔

اقول: اس میں بھی حضور کی بعثت کا ذکر ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں بلکہ اس کے ثبوت کی دلیل ہے۔

حضرت قباث ﷺ حد درجہ حضور کا ادب فرمانے والے ہیں وہ اتنا بھی برداشت نہیں فرماتے تھے کہ نفی شان نبوت کے لیئے کوئی ہلکا سا اشارہ بھی کرے پس نفی نبوت والا انداز وہ سوچ بھی نہیں سکتے چہ جائیکہ وہ کھل کر یہ کہہ سکیں کہ حضور نبوت سے معاذ اللہ خالی تھے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عثمان ﷺ نے حضرت قباث سے پوچھا: انت اکبر ام رسول اللہ ﷺ جناب بڑے آپ ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟

جواب میں کہا: ''رسول اللہ ﷺ اکبر منی وانا اقدم منه فی المیلاد '' پیدا تو میں پہلے ہوا تھا مگر بڑے رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ملاحظہ ہو(ترمذی' جلد۲' صفحہ۲۰۲' طبع دہلی)۔

قول عبد اللہ بن ابی الحمساء ﷺ سے مغالطہ کا رد:

''میں نے سرکار علیہ السلام سے آپ کو نبوت ملنے سے پہلے خرید وفروخت کا ایک معاملہ کیا۔(ابوداؤد' خصائص کبریٰ اور دیگر کتب حدیث)۔(تحقیقات' صفحہ۲۴۷)۔

اقول: روایت کا کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا معنٰی ''نبوت ملنے سے پہلے'' ہو۔

پس یہ معترض کا حضرت عبد اللہ پر سخت افترا ہے۔

اس میں بھی وہی بعثت کے الفاظ ہیں جن کا معنٰی موصوف نے بگاڑ کر پیش کیا ہے جن کے متعلق کئی بار گزرا ہے کہ وہ نفس نبوت کے منافی نہیں۔ آپ کے پورے الفاظ اس طرح ہیں: بایعت النبی ﷺ قبل ان یبعث ببیع الخ۔ یعنی میں نے نبی ﷺ کے مبعوث فرمائے جانے سے پہلے ایک بیع کی (آگے یہ ہے کہ آپ کا کچھ میرے ذمہ بقایا تھا میں نے عرض کی آپ یہاں رکیں میں انتظام کر کے آتا ہوں۔ پس میں چلا گیا جب کہ میرے ذہن سے یہ اتر گیا کہ میں آپ کو ایک جگہ بٹھا کر آیا تھا۔ تیسرے دن مجھے یاد آیا میں گیا تو آپ وہیں پر موجود تھے۔ آپ نے مجھے اتنا فرمایا کہ آپ نے مجھے مشقت میں ڈال دیا میں تین دن سے یہاں بیٹھا آپ کی انتظار کر رہا ہوں)۔ ملاحظہ ہو(الخصائص الکبریٰ' جلد۱' صفحہ۹۱ بحوالہ ابوداؤد' ابویعلیٰ' ابن مندہ' الخرائطی عنہ)۔

معلوم ہوا کہ معترض نے یہاں بھی ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

نوٹ: حضرت کا پورا نام ''عبداللہ بن ابی الحمساء'' مگر معترض نے ''عبداللہ ابی الحمساء'' لکھا ہے۔ سبحان اللہ۔

قول ابی عبدالرحمن:

عن ابی عبدالرحمن کان رسول اللہ ﷺ یدعو من اول ما نزلت علیه النبوة ثلث سنین مستخفیا الی ان امر ان یصدع بما جاء ہ من عنداللہ وان یظهر الدعوة ۔(الوفاء ابن الجوزی، صفحہ ۱۸۱)۔

نبی ﷺ آغاز نبوت میں تین سال تک خفیہ طور پر لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے حتٰی کہ پھر آپ کو کھل کر دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔ (ملخصاً بلفظہ) ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۱۴۳)۔

اقول: اس میں بھی نبوۃ بمعنی وحی جلی ہے یعنی قرآن مجید جو کتاب الٰہی اور کلام معجز ہونے کے حوالہ سے دلیل بعثت ورسالت ہے اور وہ پہلے سے نبی ہونے کا بیّن ثبوت ہے (جیسا کہ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ کے قول کی توجیہ میں مذکور ہے)۔

تو معنٰی یہ ہوا کہ آپ ﷺ بعثت مبارکہ کے اوائل میں خفیہ دعوت اسلام دیتے تھے کیونکہ آپ کو حکم ہی ایسے تھا اور جب کھل کر تبلیغ کا حکم ہوا تو ایوان کفر میں زلزلہ برپا کر دیا اور پوری آب وتاب کے ساتھ میدان میں آ گئے۔

بناءً علیہ یہ عبارت بھی ہماری ہی مؤید ہے معترض کی نہیں۔ جو معترض فریق کے اس طرح سے بھی خلاف ہے کہ وہ عدم اظہار کو تقیہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جس کا وہ یہاں خود اقرار کر رہے ہیں۔

قول حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے مغالطہ کارد:

- حالات جو نبوت سے پہلے تھے، صفات جو آپ کو نبوت سے پہلے عطا ہوئیں۔ (اثبات النبوۃ، صفحہ ۱۰ از شرح العقائد)۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۵۶، ۲۵۷)۔

اقول: یہاں نبوت سے مراد بعثت ورسالت ہے پس یہ ہمارے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔ (کما مرّ مراراً)۔ تفصیل ردّ مغالطہ نمبر ۱۹ و ۲۶ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

- تبلیغ دین ہر نبی پر فرض ہے تقیہ کو انبیاء پر جائز رکھنا زندیقیت کی طرف لے جاتا ہے۔ (مکتوبات، صفحہ ۸۰)۔ (تحقیقات، صفحہ ۳۸۴)۔

اقول: تبلیغ کے لیے حکم ہونا بھی شرط ہے۔ حکم کے بغیر عدم تبلیغ کو تقیہ کا نام دینا بھی بے دینی اور فساد عقیدہ کی دلیل ہے۔

تحقیقات صفحہ ۳۴۳ پر خود بھی لکھ چکے ہیں کہ جب تک حکم نہیں تھا تین سال تک خفیہ طور پر لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ تو کیا مطلب کچھ عرصہ کے لیئے تقیہ کو روا رکھا گیا؟ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو۔ (باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۷، صفحہ ۱۱، نیز باب ہشتم میں مستقل عنوان کے تحت اس کی بحث)۔

قول علامہ زرکشی سے مغالطہ کا رد:

قیل اول ما نزل للرسالة یایّها المدثّر وللنبوة اقراء باسم ربك۔ (البرهان فی علوم القرآن)۔ (تحقیقات، صفحہ ۳۹۱)۔

اقول: اس موضوع پر مفصل کلام کیا جا چکا ہے۔ ملاحظہ ہو (ردّ مغالطہ نمبر ۲۴)۔

قول شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مغالطہ کا رد:

عن الشعبی قال نزلت النبوة علی النبی ﷺ وهو ابن اربعین سنة شعبی جو کہ اکابرین تابعین سے ہیں مروی ہے کہ نبی ﷺ پر نبوت اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپ چالیس برس کے تھے۔ (درمنثور جلد ۳، صفحہ ۱۴۱۵ خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۹۳، بروایت احمد، یعقوب، ابن سعد و بیہقی۔ الوفاء لابن الجوزی، صفحہ ۱۷۲)" (تحقیقات صفحہ ۱۰۸، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۵۴، ۱۵۹)۔ (فتح الباری جلد ۱، صفحہ ۲۶، ۲۷، سیر اعلام النبلاء، صفحہ ۲۶ جواہر البحار، جلد ۱، صفحہ ۷۷، ۷۸)۔

شیخ محقق فرماتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ در تاریخ از شعبی آوردہ کہ گفت فرو فرستادہ شد بر آنحضرت ﷺ نبوت وحالانکہ وے ابن اربعین سنہ بود۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲، صفحہ ۳۴)۔

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاریخ کی کتاب میں شعبی تابعی سے ذکر کیا ہے کہ محبوب کریم ﷺ پر نبوت چالیس سال کی عمر میں نازل کی گئی۔ (تحقیقات، صفحہ ۱۷۲)۔

اقول: ان عبارات میں "نبوت" سے مراد وحی جلی یعنی قرآن مجید ہے جس کا قرینہ "نازل ہوئی"، "نازل کی گئی" اور "فرستادہ شد نبوت" کے لفظ ہیں جب کہ معترض فریق کو یہ بھی تسلیم ہے کہ "نبوت اور وحی" مترادف ہیں۔

ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۵۳، ۲۵۶)۔ مکمل باحوالہ تفصیل ردّ مغالطہ نمبر ۱۵ کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔

علاوہ ازیں حضرت شعبی رضی اللہ عنہ کا اس سے مقصود نفی نفس نبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ حضور کے قدم نبوت کے سختی سے قائل ہیں اور حدیث کنت نبیا الخ کے راویوں میں سے ہیں۔

مکمل باحوالہ تفصیل باب سوم میں حضور کے زمانہ میثاق کے بیان کے تحت گزر چکی ہے۔ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم۔

قول علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ **سے مغالطہ کارد:**

پوچھا گیا کہ آپ سوموار کو روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ فرمایا: ''فیہ ولدت فیہ انزل علیّ النبوۃ ''۔ (لطائف المعارف)۔ ثابت ہوا کہ یہ علیحدہ نبوت ہے کہ پہلی وحی تو چالیس برس بعد نازل ہوئی اس سوموار کو تو نازل نہیں ہوئی جس کو آپ پیدا ہوئے جب کہ روح اقدس کو پہلے نبوت حاصل تھی۔ (تحقیقات' صفحہ ۳۸۴)۔

اقول: اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو قول شعبی ﷺ میں گزری ہے کہ یہاں نبوت سے مراد وحی جلی یعنی قرآن مجید ہے۔

رہا معترض کا یہ کہنا کہ یہ علیحدہ نبوت ہے وہ نہیں جو روح اقدس کو پہلے حاصل تھی؟ تو

اولاً: جب یہ تسلیم ہے کہ روح مبارک کو نبوت پہلے سے حاصل تھی جب کہ نفس نبوت کی حد تک فرق کی کوئی دلیل نہیں نیز اس نبوت کا انقطاع یا غیر مؤثر ہونا بھی ثابت نہیں تو خواہ مخواہ باتیں بنانے اور اس حقیقت سے انکار کرنے کی وجہ؟

ثانیاً: یہ توجیہ القول بما لایرضٰی بہ قائلہ ہے جو جرم عظیم ہے کیونکہ علامہ ابن رجب اسی عالم ارواح والی نبوت کے حوالہ سے حضور کے پیدائشی نبی ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ اسی لطائف المعارف میں انہوں نے لکھا ہے: انہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد نبیا الخ۔

تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو (باب ہفتم دلیل نمبر ۲۱۵)۔

قول حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ **سے مغالطہ کارد:**

جب تک نبی پاک ﷺ پر وحی نہیں آئی تھی تو سب لوگ آپ کی تعریف کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی دوستی کی خلعت پہنائی اور آپ کو اپنی محبوبیت والے مقام پر فائز فرمایا تو سب لوگ آپ کے مخالف ہو گئے۔ (کشف المحجوب' صفحہ ۵۰)۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۴۸)۔

اقول: بر تقدیر تسلیم یہاں وحی سے مراد وحی جلی ہے یعنی قرآن مجید۔ جو دلیل بعثت و رسالت ہے اور پہلے سے نبی ہونے کا ثبوت کیونکہ رسول بشر کا نبی ہونا ضروری ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ کفار اس سے قبل حضور کو صادق و امین کہتے اور حضور کی صداقت کی قسمیں اٹھاتے تھے لیکن جب آپ نے خود اپنی شان نبوت کو ظاہر کیا تو وہ مخالف ہو گئے جس سے نفس نبوت کی نفی ہرگز نہیں ثابت ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فانہم لایکذبونک ولکن الظالمین بایات اللہ یجحدون یعنی محبوب یہ

ظالم فی نفسہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے انہیں آیات الٰہیہ سے چڑ ہے۔(الانعام)۔

اس آیت کے تحت بعض کتب تفسیر میں ابوجہل کا بعض دیگر کفار کے ساتھ تنہائی میں کیا گیا جو مکالمہ ہے وہ بھی اس مقام سے مناسبت رکھتا ہے۔

الغرض یہ عبارت کسی طرح معترض کے مفید مدعا نہیں ہماری مؤید ہے۔

مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہورد مغالطہ نمبر۱۴،۱۵،باب نہم۔

قول امام سیوطی رحمہ اللہ **سے مغالطہ کارد:**

نبی پاک علیہ السلام چالیس سال کے بعد نبوت کے منصب سے سرفراز ہوئے۔(خصائص کبریٰ،جلد۱،صفحہ ۸۹،۹۲،۹۳،۹۷،۹۸نیز اتقان،جلد۱،صفحہ۴۵)۔

اقول: امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بڑی سختی سے حضور کے قدم ودوام نبوت کے قائل ہیں جس کے لیئے انہوں نے مستقل بحث سپرد قلم فرمائی اوراس موقف پرامام اہل سنت تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کوعملاً سراہتے ہوئے ان کے رسالہ التعظیم والمنۃ کی بڑی عقیدت سے تلخیص پیش کی ہے۔

ملاحظہ ہو(الخصائص الکبریٰ،جلد۱،صفحہ۳،۴،۵،۶۔باب خصوصیۃ النبی ﷺ بکونہ اول النبین فی الخلق وتقدم نبوتہ واخذ المیثاق علیہ)۔

پس انہیں معاذ اللہ اس کامنکر ظاہر کرنا چمکتے سورج کے انکار کے مترادف ہے۔

حضرت نے الخصائص کے دیئے گئے صفحات پراحادیث بعثت نقل فرمائی ہیں جو پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہیں۔پس انہیں اپنا مؤید کہنا تحکم اورسینہ زوری ہے۔

اسی طرح الاتقان کے پیش کردہ صفحہ پر بعثت ورسالت نیز نزول وحی جلی کا ذکر ہے جو موصوف کی دلیل نہیں۔

نیزاس سے دوورق پہلے یعنی صفحہ۴۱پرلکھاہے:"قبل ظھور نبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

نیزلکھاہے:"وضعت النبوۃ فی قلب محمد ﷺ وجاء جبریل بالرسالۃ ثم الوحی"یعنی یہ آپ ﷺ کی نبوت کے ظہور سے پہلے ہوا۔نبوت کوحضور کے قلب مبارک میں رکھا گیا جبریل علیہ السلام رسالت (حکم تبلیغ)اورپھروحی جلی لے کرآئے۔

قول حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ:

"جبریل علیہ السلام ۲۷رجب کوپیغمبری لے کرآئے"۔(تحقیقات،صفحہ۲۶۸،طبع اوّل،بحوالہ غنیۃ الطالبین)۔

نیز طبع دوم صفحہ ۳۹۰، ۳۹۱ وفیہ ایضاً: غنیۃ الطالبین حضور غوث پاک کی کتاب ہے: (میزان الاعتدال، لسان المیزان، مکتوبات شیخ مجدد نزھۃ الخواطر علی القاری)۔ یہ کتاب غوث پاک کی طرف مشہور ہے۔ (مطلع القمرین میں اعلیٰ حضرت)۔

اقول: ''پیغمبری'' فارسی زبان کا لفظ ہے جو بعثت اور رسالت کا متبادل ہے اور پہلے سے نبی ہونے کا ثبوت (کما مرّ غیر مرّۃ)۔ جب کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سید عالم ﷺ کے قدم شان نبوت کے قائل ہیں کیونکہ آپ امام الصوفیاء اور قدوۃ العرفاء ہیں جب کہ صوفیاء کرام اس پر متفق ہیں نیز اس پر آپ کی تصریح بھی موجود ہے۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو: (تنبیہات جلد اوّل، باب دوم، طبع اوّل، صفحہ ۱۲۰، بحوالہ سر الاسرار، صفحہ ۱۲، صفحہ ۱۳۔

رہا قصیۂ غنیۃ الطالبین؟ تو اس کے متعلق علماء وائمہ شان کی مختلف آراء موجود ہیں ان سب کا مآل یہ ہے کہ بر تقدیر تسلیم یہ کتاب بصورت موجودہ بہر حال محرف، مبدّل اور مدسوس ہے جس کی کیفیت تورات وانجیل جیسی ہے۔

اس سے قطع نظر پیش کردہ الفاظ جب معترض کے دعویٰ سے کچھ مطابقت ہی نہیں رکھتے تو اس بحث سے انہیں کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔

پھر یہ بھی پر لطف بات ہے کہ غیر مقلدین جب اس کتاب کو رفع یدین کے لیئے پڑھتے ہیں تو ان لوگوں کا سارا زور اس پر صرف ہوتا ہے کہ اس کتاب کے حضور غوث اعظم کی تصنیف وتالیف ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور اب جب کہ خود کو ضرورت پڑی تو بے سود اس کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے۔ یعنی کچھ ادھر اور کچھ ادھر۔ نتیجہ صاف کہ نہ ادھر نہ ادھر۔ صرف ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے''۔

قول حضرت شیخ اکبر سے مغالطہ کارد:

''نبی وہ ہوتا ہے جس پر فرشتہ وحی لے کر آئے اور وہ وحی احکام شرعیہ پر مشتمل ہو۔ (فتوحات، جلد ا، صفحہ ۲۰۳، ۲۱۹)۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۴۹، ۱۸۴)۔ (جواہر البحار، صفحہ ۴، صفحہ ۳۲۶، جلد ۷، صفحہ ۳۱۹)۔

اقول: اس کا مفصل جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو۔ (ردّ مغالطہ نمبر ۱۵، باب نہم)۔

قول امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ سے مغالطہ کارد:

نبی ﷺ نبوت سے پہلے اور بعد بھی بتوں کی پوجا سے معلوم تھے۔ (جلد ۳ تحت والرجز فاھجر)۔ (تحقیقات، ۳۸۱، طبع ثانی)۔

اقول: عصمت، خاصۂ نبوت ہونے کی بناء پر آپ ﷺ کے پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہے۔ جب

کہ بر تقدیر تسلیم یہاں نبوت بمعنی بعثت ہے۔ دونوں پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔
ملاحظہ ہو (باب ہشتم، بحث عصمت دلیل نبوت۔ نیز باب نہم ردّ مغالطہ نمبر۱۹، وصفحہ ۲۶)۔

قول بیہقی علیہ الرحمۃ **سے مغالطہ کارد:**

حکی البیهقی ان مدة الرؤیا کانت ستة اشهر وعلی هذا فابتداء النبوة بالرؤیا وقع من شهر مولده وهو ربیع الاول بعد اکماله اربعین سنة وابتداء وحی الیقظه وقع فی رمضان۔ (فتح الباری، جلد۱، صفحہ ۲۶)۔

یعنی امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ رؤیائے صالحہ کی مدت چھ ماہ تھی تو اندریں صورت نبوت کی ابتداء رویائے صادقہ کے ساتھ آپ کی ولادت مبارک والے مہینے یعنی ربیع الاول میں ہوئی جب کہ آپ عمر شریف کے چالیس سال پورے کر چکے تھے اور بیداری میں وحی نبوت کی ابتداء رمضان المبارک میں ہوئی۔ (تحقیقات، صفحہ ۶۱، صفحہ ۱۴۵، صفحہ ۱۵۸، صفحہ ۱۵۹ طبع اوّل)۔

اقول: نبوت سے مراد بعثت ہے اور وحی سے مراد وحی جلی یعنی قرآن مجید جیسا کہ ''وحی الیقظۃ'' کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے نیز صحیح بخاری، جلد۱، صفحہ۲ میں بروایت ام المؤمنین صدیقہ مصرح ہے۔ جس سے حضور کی رسالت کے ظہور کو بیان کیا جا رہا ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں بلکہ اس کی دلیل ہے۔ (وقد مرّ مرارا)۔ جب کہ امام بیہقی حضور کے قدم نبوت کے سختی سے قائل ہیں۔ چنانچہ اس کے اثبات کے لیۓ انہوں نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں مستقل عنوان قائم فرما کر اسے بکثرت احادیث سے ثابت فرمایا ہے جن میں حدیث کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (جلد۲، صفحہ۹۰، طبع قاہرہ)۔

علاوہ بریں سچے خواب بذات خود دلیل نبوت ہیں تفصیل کے لیۓ ملاحظہ ہو۔ (باب ہشتم، میں مستقل عنوان کے تحت اس کی بحث)۔

قول علامہ ابن بطال، علامہ طیبی (استاذ صاحب مشکوٰۃ) **وعلامہ کرمانی سے مغالطہ کارد:**

پہلے سچے خواب دکھائے گئے پھر فرشتہ کو بیداری میں نازل فرما کر آپ کی نبوت کی تکمیل فرمادی۔
(شرح صحیح بخاری، جلد۱، صفحہ ۳۷، طیبی شرح مشکوٰۃ، جلد۱۱، صفحہ ۴۶ کرمانی علی البخاری، جلد۱، صفحہ ۳۱)۔ (تحقیقات، صفحہ ۳۸۷)۔

اقول: اس عبارت میں نبوت بمعنی وحی ہے جس کی دو قسمیں ہیں نمبر۱: خفی نمبر۲: جلی سچے خواب قسم اوّل اور ''بیداری میں نازل'' قسم دوم۔

جس سے ''نبوت کی تکمیل فرمادی'' کا مطلب واضح ہے کہ دونوں قسموں کی وحی آپ پر ہوئی جس کی

نظیر آیت کریمہ کے یہ الفاظ بھی ہیں ''وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ'' کتاب یعنی قرآن مجید وحی جلی اور الحکمۃ یعنی حدیث نبوی وحی خفی۔

جب کہ حضور کے وہ خواب بذاتِ خود دلیل نبوت ہیں۔ مکمل تفصیل مستقل عنوان کے تحت باب ہشتم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الغرض عبارت ہٰذا کا نفس نبوت کی نفی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے پس اس سے موصوف کو کچھ حاصل نہ ہوا۔

قول شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ **سے مغالطہ کارد:**

باب سوم در بدو وحی وثبوت نبوت وظہور دعوت (مدارج النبوۃ فارسی جلد۲ صفحہ ۳۰)۔ (تحقیقات صفحہ ۱۷۶)

اقول: بدو وحی سے مراد وحی خفی ثبوت نبوت میں نبوت سے مراد وحی جلی اور ظہور دعوت سے عمل تبلیغ ہے۔ اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا یہ معنٰی ہو کہ آپ ﷺ چالیس سال سے قبل نبی نہ تھے۔ نیز اوّلین کو مترادف بنایا جاسکتا ہے بنائً علیہ نبوت سے مراد وحی جلی قرار پائے گی۔

قول علامہ کمال الدین بن زملکانی علیہ الرحمۃ:

نبی ﷺ کے لیئے فارس کی آگ بجھ گئی حالانکہ ہزار سال سے مسلسل جل رہی تھی اور کبھی بھی نہ بجھی تھی اور یہ آگ ولادت پاک کے موقع پر بجھی وذلك قبل الوحی بنحو اربعين سنة اور یہ واقعہ آپ پر وحی کے نزول سے چالیس سال قبل رونما ہوا۔ (تحقیقات صفحہ ۱۵۲، ۱۵۳ بحوالہ جواہر البحار جلد۴ صفحہ ۱۲۱)۔

اقول: ''الوحی'' سے مراد وحی جلی یعنی قرآن مجید ہے کتاب اللہ اور کلام معجز ہونے کے ناطے سے دلیل رسالت ہے جب کہ وہ دلیل نبوت ہے۔

نیز ولادت باسعادت کے موقع پر ہزار سال سے دہکتی آگ کا بجھ جانا حضور کا معجزہ ہے جب کہ معجزہ نبی کا ہوتا ہے غیر نبی کا نہیں۔ پس یہ عبارت بھی ہر طرح سے ہمارے موقف کی دلیل ہے۔ والحمد للہ۔

قول علامہ خفاجی سے مغالطہ کارد:

○ نبی کریم ﷺ کو نبوت چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی۔ (نسیم الریاض جلد۲ صفحہ ۹۴ جلد۴ صفحہ ۴۵ تا ۴۸)۔ (تحقیقات صفحہ ۲۵۰)۔

اقول: جلد۲ صفحہ ۹۴ پر الاستیعاب لابن عبدالبر کے حوالہ سے یہ الفاظ ہیں: ''انزلت علیه ﷺ النبوة وھو ابن اربعین سنة''۔ ہمارے نزدیک اس سے مراد وحی جلی اور بعثت ہے جو ہمارے خلاف نہیں۔

نیز اس کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ شروع کے تین سال میں قرآن شریف نہیں اترا جسے یہ حضرات خود بھی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ تحقیقات میں جگہ جگہ لکھ چکے ہیں کہ بعثت کے آغاز ہی میں سورۂ اقراء شریف کی آیات اتری تھیں۔ علامہ خفاجی نے بھی اسے ردّ فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۹۵۔

پس جسے وہ خود نہیں مانتے اسے ہم پر ٹھونسنا دنیا کی کس عدالت کا فیصلہ ہے؟

اسی طرح جلد چہارم کے دیئے گئے صفحات میں بھی حضور کی بعثت کا بیان ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں۔

صفحہ ۴۵ تا ۴۸ لکھ دیا ہے عبارت نہیں پیش کی۔ پیش کرتے تو ہم بھی خدمت سرانجام دیتے۔

○ بعثت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نبی اور رسول بنادے۔ اصل الفاظ اس طرح ہیں حتی من علی بالبعثة و جعلنی نبیا رسول۔ (نسیم الریاض، جلد۲، صفحہ۱۴ کذافی شرح القاری صفحہ۱۱۴)۔ (تحقیقات، صفحہ۳۸۴)

اقول: یہ الفاظ حدیث شریف کے ہیں۔ علامہ خفاجی کا قول نہیں پس موصوف کی یہ عبارت انتہائی مضحکہ خیز ہے معنٰی یہ بن رہا ہے کہ علامہ خفاجی نے حضور کی حدیث میں کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

علامہ خفاجی کی اس عبارت پر مفصل بحث ردّ مغالطہ نمبر ۱۹ کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

قول امام قاضی عیاض علیہ الرحمۃ **سے مغالطہ کارئ:**

واصطفاء ہ لہ بالرسالة (شفاء جلد۲، صفحہ۸۶)۔ ویبلغوا باصطفاء اللہ تعالیٰ لھم بالنبوة (شفاء جلد۱، صفحہ۵۸)۔ نیز جلد۱، صفحہ۱۱، ۸۷، ۱۵۵، جلد۲، صفحہ۹۶، ۹۷، ۱۵۲، ۸۵، ۸۷، ۹۵، ۲۴۲ (تحقیقات صفحہ۲۶۶)۔

اقول: اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ ملاحظہ ہو باب یازدہم تحت ردّ مغالطہ نمبر ۳۶۔

قول شیخ بدرالدین حسن بن عمر بن حبیب الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ:

”ولما اتی جبرئیل بالرسالة المعظمة الیه جعل لایمر بحجر و لا شجر الا سلّم علیه“۔ جب جبریل علیہ السلام آپ کے پاس رسالت معظّمہ لے آئے تو آپ جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ کو سلام پیش کرتا تھا۔ (جواہر البحار، جلد۳، صفحہ۱۲۲ بحوالہ النجم الثاقب)۔ (تحقیقات، صفحہ۱۵۹)۔

اقول: عبارت ہذا میں رسالت پاک کا ذکر ہے جب کہ بحث نبوت میں ہے پس یہ عبارت خارج از بحث ہے بنائً ہمیں کچھ مضر اور انہیں کچھ مفید نہیں۔

باقی درخت اور پتھر اس سے پہلے بھی یارسول اللہ کہہ کر حضور کو سلام کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے ”انی لاعرف حجرا بمکة کان یسلم علی قبل ان ابعث“ مکۃ المکرمہ

میں ایک پتھر ہے جسے میں اب بھی پہچانتا ہوں وہ میری بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔لہٰذا یہ عبارت کسی طرح سے موصوف کے مفید مدعا نہیں۔

قول صاحب نورالابصار وقول امام شعرانی سے مغالطہ کارد:

جب سرکار علیہ السلام کی عمر چالیس برس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا (نورالابصار، صفحہ ۱۲، کشف الغمہ، صفحہ ۲۲۵)۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۴۹)۔

اقول: برتقدیر تسلیم اس میں بھی بعثت مراد ہے نفس نبوت نہیں۔کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ہے جب عمر شریف چالیس برس ہوئی "ارسله الله تعالىٰ" اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا جو مانحن فيه میں صریح ہے۔

علاوہ ازیں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ حضور کے قدم ودوام نبوت کے سختی سے قائل ہیں۔

ملاحظہ ہو (الیواقیت والجواہر، صفحہ ۲۵۵، ۲۵۹، ۲۸۳، طبع بیروت)۔

تفصیل تنبیہات باب ہفتم میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔اس سے انہیں نفس نبوت کا منکر ٹھہرانا ان پر بہتان عظیم اور افتراء شدید ہے۔

پھر جب حضور کا فیصلہ موجود ہے کنت نبیاً الخ تو اصولی طور پر صاحب نورالابصار بھی اسی کے پابند ہونے کے باعث اسی کے قائل ٹھہرے جب کہ اس کے خلاف بھی دلیل نہیں ہے۔

قول ابن الحاج المکی سے مغالطہ کارد:

"عق عن نفسه بعد ماجاء ته النبوة" نبی کریم ﷺ نے اپنا عقیقہ آپ دیا بعد اس کے کہ نبوت آپ کو حاصل ہوئی۔(المدخل از جواہر البحار، جلد ۱، صفحہ ۲۳۸)۔

اقول: یہ بھی موصوف کی دلیل نہیں کیونکہ اس میں "النبوة" سے مراد نفس نبوت نہیں بلکہ وحی جلی مراد ہے جس پر "جاء ته" کے لفظ قرینہ ہیں"۔

زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ بڑی عمر میں بھی اپنا عقیقہ کرنا درست ہے لہٰذا اگر موصوف کا عقیقہ نہیں کیا گیا تھا اور وہ کرنا چاہیں تو کر لیں۔

قول علامہ مظہری وعلامہ صالحی رحمہما اللہ تعالیٰ:

لبث النبی ﷺ فیھم قبل الوحی اربعین سنة (الی) قال الصالحی اتفق العلماء علی انه صلی اللہ علیہ وسلم اقام بالمدینة بعد الھجرة عشر سنین وبمکة قبل النبوة اربعین سنة" خلاصہ یہی کہ علماء اعلام کا اس پر اتفاق ہے کہ محبوب خدا ﷺ نبوت سے قبل چالیس سال مکہ شریف میں قیام پذیر

رہے اور ہجرت کے بعد مدینہ پاک میں دس سال رہے (مظہری جلد۵ صفحہ۱۵)۔ متفق علیہ اور اجماعی امر ٹھکرانے کا نہ از روئے شرع کوئی جواز ہے اور نہ اخلاقی لحاظ سے۔ کتاب وسنت کی طرح اجماع امت بھی شرعی دلیل ہے۔ (ملخصاً بلفظہ)۔ (تحقیقات صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸)۔

اقول: ان عبارات میں سن بعثت کا بیان ہے کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ بعثت کے وقت عمر شریف کتنی تھی۔ متفق علیہ اور اجماعی کے لفظ اسی سن کے متعلق ہیں نفس نبوت حاصل ہونے کے بارے میں نہیں پس یہ معترض کا صریح مغالطہ ہے۔

علاوہ ازیں الوحی سے مراد وحی جلی یعنی قرآن مجید ہے۔

نیز ''بعثت'' کے الفاظ سے بعثت سے مراد ظاہر ہے وہ ہے جو رسالت کے مترادف ہے جب کہ رسول بشر کا نبی ہونا ضروری ہے پس اس سے پہلے آپ ﷺ کا نبی ہونا اجماعی امر ٹھہرا جو موصوف کے لفظوں میں ایسے ہی شرعی دلیل ہے ایسے جیسے کتاب وسنت۔ جس کا منکر کافر و گمراہ ہوتا ہے۔

پس خدا کے کرنے سے معترض نے اقرار کرلیا کہ جو بعثت سے پہلے حضور کو نبی نہ مانے اس پر منکر اجماع کا حکم لاگو ہوتا ہے۔

قول علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ سے مغالطہ کا رد:

''ہر نبی کو نبوت چالیس سال کے بعد ہی ملتی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے پنگھوڑے کے اندر چالیس سال کے بعد ملنے والی نبوت کی خبر دی۔ (نقد النصوص صفحہ ۱۳۷)۔ (تحقیقات صفحہ ۲۵۱)۔

اقول: یہاں نبوت سے مراد نفس نبوت نہیں بلکہ بعثت ہے پس اعتراض کافور اور ہباء منثور ہوگیا۔ اصل عبارت بھی پیش نہیں کی گئی لہٰذا مزید تبصرہ کا حق محفوظ کیا جاتا ہے۔

اس پر مکمل بحث باب ہشتم کے اواخر میں وجعلنی نبیا کی بحث میں نیز ردّ مغالطہ نمبر ۱۸ کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔

عبارت تفسیر اعراب القرآن سے مغالطہ کا رد:

نبی کریم کو چالیس سال کے بعد نبوت عطا ہوئی۔ (تفسیر اعراب القرآن جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۴ تحت حتی اذا بلغ اشدہ)۔ (تحقیقات صفحہ ۲۶۷)

اقول: اس میں بھی (برتقدیر تسلیم) بعثت کا بیان ہے۔ مفصل بحث گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (باب دہم ردّ مغالطہ نمبر ۳۳)۔

قول علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ:

نمبر۱: انہ علیہ السلام تحمل التشدیدات والمجاھدات قبل النبوۃ وبعدھا نبیﷺ نے نبوت سے پہلے اور بعد مجاہدے اور ریاضتیں اختیار فرمائیں۔

نمبر۲: الانبیاء علیھم السلام معصومون عن الکفر قبل النبوۃ وبعدھا۔

نمبر۳: ''اقام النبی علیہ السلام یوحی الیہ ثلثا وعشرین سنۃ''۔

نمبر۴: ''انما یفترق الحال قبل بلوغہ الاربعین''۔(الحدیقۃ الندیہ جلد۱ صفحہ ۲۳۶، صفحہ ۲۸۹، ۱۶۶، ۳۰)۔(تحقیقات صفحہ ۲۸۸)۔

اقول: ان میں سے کسی عبارت کا یہ معنٰی یا مطلب اور مقصد نہیں کہ آپ ﷺ چالیس سال سے قبل معاذ اللہ نبی نہ تھے بلکہ حضرت نابلسی قدس سرّہٗ آپ ﷺ کے قدم ودوام نبوت کے بڑی سختی سے قائل تھے جس کی ایک دلیل نقل کردہ عبارت نمبر۲ بھی ہے کیونکہ اس میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا بیان ہے اور صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ وہ قبل از اعلان نبوت بھی معصوم ہوتے ہیں جب کہ عصمت خاصۂ نبوت ہونے کی بنیاد پر دلیل نبوت ہے۔پس یہ آپ ﷺ کے قبل از اعلان نبوت نبی ہونے کی دلیل ہے۔

نقل کردہ اسی عبارت میں حضرت کا یہ فرمان بھی لکھا ہے کہ ہم نے اسے اپنی کتاب المطالب الوفیہ میں پوری شرح وبسط سے بیان کیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت نے امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلۂ نبوت سے متعلق کلام استناداً نقل فرما کر اس پر صاد کردیا ہے کہ حضورؑ نبی پہلے سے ہیں بعد میں صرف ظہور ہوا۔نیز یہ کہ حدیث کنت نبیا حقیقی معنٰی پر ہے۔ ملاحظہ ہو (الحدیقۃ الندیہ جلد۱ صفحہ ۳۰)۔

نیز صفحہ ۲۹۰ پر لکھا ہے: ''لان المتصف بالنبوۃ والایمان الروح'' جو آپ ﷺ کے پیدائشی اور بالدوام نبی ہونے کی دلیل ہے۔بناءً علیہ آپ کو اس کا غیر قائل ظاہر کرنا معترض فریق کا ان پر سخت افتراء ہے۔

رہے ''قبل النبوۃ وبعدھا'' کے الفاظ؟ تو ان میں نبوۃ بمعنی بعثت ہے جو ارسال کے معنٰی میں ہے۔دلیل یہ ہے کہ انہوں نے جاری بحث میں یہ الفاظ بھی خود ہی استعمال فرمائے ہیں۔

چنانچہ صفحہ ۲۸۸ پر لکھا ہے: ''وبعد البعثۃ اوقبلھا''۔نیز اسی صفحہ پر متن کے لفظ ہیں: ''بعدالبعثۃ'' جس کا معنٰی آپ نے اس طرح کیا ہے: ''ای ارسالھم الی دعوۃ الخلق''۔

رہے یہ الفاظ کہ اقام النبی علیہ السلام یوحی الیہ الخ؟ تو یہ آپ کے اپنے لفظ نہیں بلکہ علامہ خطابی کے ہیں۔ پھر وہ بھی نفس نبوت کی نفی کی غرض سے نہیں بلکہ اس امر کی تفصیل میں ہیں کہ مؤمن کے خواب کو جو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے اس کی نوعیت کیا ہے۔

جب کہ ''یوحی الیہ'' کے الفاظ میں وحی جلی کا بیان ہے پس اس سے یہ کہنا مقصود ہے کہ وحی جلی (قرآن مجید) کے نزول کی کل مدت تیئس برس ہے جس سے نفس نبوت کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔

رہے انما یفترق الحال قبل بلوغہ الاربعین کے الفاظ؟ تو یہ امام علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا ایک ٹکڑا ہے جسے موصوف نے بگاڑ کر نقل کیا ہے۔ اصل اور پوری عبارت اس طرح ہے: ''انما یفترق الحال بین ما بعد وجود جسدہ ﷺ و بلوغہ الاربعین و ما قبل ذالک بالنسبۃ الی المبعوث الیھم ''الخ مفہوم صرف یہ ہے کہ تحقیق کے بعد ہم پر یہ راز کھلا کہ حدیث کنت نبیاً الخ میں علم الٰہی میں آپ ﷺ کا نبی ہونا مراد نہیں بلکہ بمعنی حقیقی نبی ہونا مراد ہے پس حضور زمانہ قبل تخلیق آدم علیہ السلام بعد سے ہمیشہ اور سب کے نبی ہیں۔ لہٰذا چالیس سال کے بعد آپ کا ظہور ہوا۔

ملاحظہ ہو (الحدیقۃ الندیہ جلد۱ صفحہ ۳۰ طبع نوریہ رضویہ لائل پور)۔

عبارت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ:

- ''ماضل حین اعتزلکم و ما تعبدون فی صغرہ (الیٰ) و ما ینطق عن الھویٰ الآن حیث ارسل الیکم وجعل رسولا شاھداً علیکم'' (تحت و ما ینطق عن الھویٰ)۔
- ''فانہ ﷺ انتھی و بلغ الغایۃ و صار نبیا کما صار بعض الانبیاء نبیا یأتیہ الوحی فی نومہ و علی ھیئتہ''۔ (صفحہ ۲۳۸)۔
- والنبی ﷺ بعث عندالاربعین (تحت حتی اذابلغ اشدہ)۔
- حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰ علیہم السلام تو بچپن میں مبعوث ہو گئے مگر نبی کریم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس سال بعد مبعوث ہوئے۔ (تحت و اتیناہ الحکم صبیا)۔
- ان المراد من الوزر والثقل الحیرۃ التی کانت لہ قبل البعثۃ (الیٰ) ۔وما کان یعرف کیف کان یطیع ربہ فلما جاء تہ النبوۃ والتکلیف عرف انہ کیف ینبغی لہ ان یطیع ربہ (تحت الذی انقض ظھرک)۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات صفحہ ۲۶۶)۔

اقول: ان عبارات میں نبوت بمعنی وحی جلی (نزول قرآن مجید) اور بمعنی بعثت ہے جو بمعنی ارسال ہے

جونفس نبوت کے پہلے سے موجود ہونے کی دلیل ہے عدم وجود کی نہیں۔ جو خود ان عبارات کے الفاظ ''ارسل الیکم''، ''جاء ته''، ''بعث'' اور ''قبل البعثة'' سے بھی ظاہر ہے جن کا ترجمہ خود معترض نے ''مبعوث ہوئے'' کے الفاظ سے کر کے اس کو تسلیم کر لیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ حضور سید عالم ﷺ کے قدم ودوام نبوت (خصوصیت کے ساتھ چالیس سال کی عمر شریف سے قبل آپ کے نبی ہونے) کے قائل ہیں۔ تفصیل باب ہشتم میں مستقل عنوان کے تحت دیکھی جا سکتی ہے والحمد لله علی ذلك۔

قول علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ سے مغالطہ کا رد:

جبریل علیہ السلام سرکار ﷺ کے لیۓ وحی اور نبوت لے کر آئے بعثت سے پہلے جو خوارق ظاہر ہوئے وہ کرامات ہیں۔ (مطالع المسرات، صفحہ ۲۴۷،۲۱۷) (تحقیقات، صفحہ ۲۵۰)۔

اقول: حضرت علامہ فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضور کے قدم ودوام نبوت کے قائل ہیں اس لیۓ ان عبارات کو نفس نبوت کی نفی کے معنٰی میں لینا ایجاد بندہ ہے۔

آپ کی عبارت میں بر تقدیر تسلیم وحی سے مراد وحی جلی ہے اور نبوت یہاں اس کا مترادف ہے جو ظہور رسالت کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں کیونکہ قرآن، کتاب اللہ اور کلام معجز ہونے کے حوالے سے دلیل رسالت ہے جب کہ بشری رسالت کے لیۓ نبوت لازم ہے یہاں کرامات (بر تقدیر تسلیم) لغویہ ہیں یعنی بمعنی تکریمات۔

تفصیل ردّ مغالطہ نمبر ۲۷ نیز باب یازدہم میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے نیز باب ہشتم بحث شق صدر مبارک۔

قول قرطبی مفسر وغیرہ:

فلما نبیء رسول الله ﷺ وهو ابن اربعین سنة الخ (تفسیر قرطبی جلد ۱۶، صفحہ ۱۹۴۔ روح المعانی جلد ۲۶) شیخ زادہ جلد ۸، تفسیر مراغی، جلد ۸، تفسیر حسینی۔ تفسیر جلالین۔ زاد المسیر۔ بیضاوی۔ نیز حاشیۃ الشہاب جلد ۸، صفحہ ۴۷۰، نیز تفسیر الحداد، جلد ۶، صفحہ ۲۳۲۔

جب نبی ﷺ کو نبی بنایا گیا جب کہ آپ چالیس سال کے تھے الخ۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۱۱۷، صفحہ ۱۱۸، ۱۱۹)۔

اقول: عبارت ہذا میں نُبِّیَٔ بمعنی بُعِثَ ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں۔

تفصیل کے لیۓ دیکھیۓ باب ہشتم بحث عبارت روح المعانی۔ نیز باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۹۔

قول علامہ ماوردی:

"لما دنا مبعث رسول الله بالنبوة رسولا (الی)انتشر فی الامم ان الله تعالیٰ سیبعث نبیا فی هذا الزمان"۔

O ولما جدا لامر بالنبوة ودنا وقتها حبب الله تعالیٰ الی رسوله الخلاء بعد اربعین سنة من عمره "۔(جواہرالبحار'جلدا'صفحہ۱۰۳'۱۰۴'علامہ نبہانی نے انہیں الامام الکبیر وغیرہ کے القاب دیئے ہیں (ملخّصا)۔(تحقیقات'صفحہ۳۸۷'۳۸۸ جب نبی بنائے جانے کا زمانہ مبارک قریب آیا تو تمام امتوں میں اس بات کی تشہیر ہوگئی کہ اللہ اس وقت میں ایک نبی مبعوث فرمانے والا ہے)۔

اقول: مبعث'بعثت بمعنی رسالت اور نبوۃ بمعنی وحی جلی ہے جن میں سے کوئی بھی نفس نبوت کی نفی کی دلیل نہیں۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر۱۹۔

"تمام امتوں میں تشہیر ہوگئی کہ" الخ اس امر کی دلیل ہے کہ حضور اس وقت صرف عنداللہ نہیں عندالناس بھی نبی تھے جس کی مزید تفصیل باب یازدہم میں گزر چکی ہے۔

قول حاکم'ابن کثیر'حلبی'ابوبکر مالکی و زمخشری:

• **نمبر۱**: اس امر پر پوری امت کے علماء متفق ہیں کہ نبی پاک ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔(معرفۃ علوم الحدیث'صفحہ۲۰۲)۔

• **نمبر۲**: اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ نبی پاک ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔(البدایہ والنہایہ'جلد۲'صفحہ۱۶۴)۔

• **نمبر۳**: نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی۔(ابوبکر مالکی۔حوالہ؟)۔

• **نمبر۴**: "علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کوئی نبی بھی چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں ہوا۔(تفسیر کشاف'جلد۴'تحت حتی اذا بلغ اشده)۔

• **نمبر۵**: "البعثة عبارة عن النبوة"(سیرت حلبی) نیز حدیث صحیح مسلم میں بعثت کے الفاظ کا ترجمہ نبوت کے ساتھ کیا یعنی مجھے نبی بنایا گیا۔ملاحظہ ہو(تحقیقات طبع دوم'صفحہ۳۸۱'۳۸۲'۳۸۴'۳۹۱)۔

اقول: عبارت نمبر۱'نمبر۲' کے جواب کے لیۓ دیکھیۓ باب نہم'ردّ مغالطہ نمبر۱۹۔نمبر۳ کی نہ عبارت پیش کی ہے نہ ہی حوالہ۔

بفرض تسلیم یہ بھی بمعنی بعثت ہے جس کا جواب ردّ مغالطہ نمبر۱۹ میں ہے۔نمبر۴ کے جواب کے لیۓ

باب نہم ردمغالطہ نمبر ۱۸، نمبر ۵ کا مفصل جواب باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۹ میں گزر چکا ہے۔

قول حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

○ **نمبر ۱:** تترقی فی المعارج والمعارف شیئا فشیئا من لدن صغرہ ﷺ الی ان بلغ اربعین سنة فزال الستر حینئذ الذی بین الذات والروح وانمحی الحجاب الذی بینهما بالکلیة (الی) فارسله الله تعالی الخ۔ (ابریز شریف، جواہر البحار، جلد ۲، صفحہ ۲۵۳، ۲۵۴)۔

روح کریمہ اس ذات اقدس کو اپنے اسرار و رموز اور معارف خاصہ کے ساتھ امداد و اعانت سے نوازنے لگی اور آپ کی ذات مقدسہ اور جسم اقدس کو معارج اور معارف میں لحظہ بہ لحظہ ترقی حاصل ہونے لگی بچپن سے لے کر چالیس سال کی عمر کو پہنچنے تک تو اس وقت روح کریمہ اور جسم اقدس کا درمیانی حجاب بالکل زائل ہو گیا اور درمیانی ستر اور پردہ مکمل طور پر اٹھ گیا (الیٰ) تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا۔ (تحقیقات، صفحہ ۶۹)۔

○ **نمبر ۲:** ''یہی غوث کبیر اور ولی کامل شق صدر کے متعلق فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا شق صدر تین مرتبہ ہوا (الیٰ) ''وثالثها عندالنبوة ''تیسری دفعہ نبوت عطا کرتے وقت (چالیس سال کی عمر میں) شق صدر ہوا (الیٰ) یہ وقت کے عظیم ولی اور غوث کبیر کا نظریہ اور عقیدہ ہے نہ کہ کسی عام آدمی کا''۔ ملاحظہ ہو۔ (تحقیقات، صفحہ ۷۰، طبع اوّل)۔

اقول: ان عبارات کا مفصل جواب گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ باب نہم، ردّ مغالطہ نمبر ۶۔

قول صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ:

○ **نمبر ۱:** نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی سے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے۔ ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے۔ الخ۔

○ ۲: ''نبی ہونے کے لیۓ اس پر وحی ہونا ضروری ہے خواہ فرشتہ کی معرفت ہو یا بلا واسطہ''۔

○ ۳: ''انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد معصوم ہوتے ہیں''۔

○ ۴: ''نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو''۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۵۷، بحوالہ بہار

شریعت' جلد۱ صفحہ۱۰۱)۔

اقول: جواب عبارت نمبر۱ کے لیئے ملاحظہ ہو باب یازدہم۔ نمبر۲ کے لیئے باب نہم رد مغالطہ نمبر۲۷۔ نمبر ۳'۵ کے لیئے باب نہم ردّ مغالطہ نمبر۱۴'۱۵' نمبر۴ کے لیے باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۲۶۔

قول حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ **و ابو عبد الملک البونی**:

''ان اللہ فطر محمد ﷺ علی التوحید و بغض الاوثان الیه و وهب له اول اسباب النبوة وهی الرؤیا''۔(فتح الباری' جلد۱ صفحہ۸)۔

اللہ تعالیٰ نے محمد کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو توحید پر اور اوثان اور اصنام کی عداوت پر پیدا فرمایا اور آپ کو اسباب نبوت میں سے پہلا سبب یعنی رؤیائے صالحہ عطا فرمایا۔(تحقیقات' صفحہ۶۰'۱۴۸ طبع اوّل)۔

اقول: عبارت ہٰذا حضور کی عصمت (قبل از اعلان نبوت) کے بیان پر مشتمل ہے جب کہ باب ہشتم میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے (جس میں مصنف تحقیقات کے استاذ گرامی حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت بھی شامل ہے) کہ عصمت دلیل نبوت ہے۔ لہٰذا یہ عبارت ہمارے موقف کی دلیل ہے۔

اوّل اسباب النبوۃ الخ کا یہ معنٰی تو خود مصنف تحقیقات کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ رؤیا کے ذریعہ آپ کو نبوت حاصل ہوئی کیونکہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ نبوت کسبی امر ہے جو صحیح نہیں اور عند الفریقین یہ متفق علیہ ہے کہ نبوت وہبی چیز ہے۔(تحقیقات صفحہ۱۵۵)۔

لہٰذا صحیح مفہوم یہ ہے کہ وحی جلی عطا فرمانے سے پہلے گویا اس کے لیئے استقبالیہ کی حیثیت سے آپ کو کثرت سے سچے خواب دکھائے گئے۔

قول ابن المنیر:

قال ابن المنیر فی اول التراجم کان مقدمة النبوة فی النبی ﷺ الهجرة الی اللہ بالخلوة فی غار حراء فناسب الافتتاح بحدیث الهجرة۔(فتح الباری' جلد۱ صفحہ۸۔ عمدۃ القاری' جلد۱ صفحہ۱۷)۔

علامہ ابن المنیر نے فرمایا کہ پہلے ترجمہ میں نبی ﷺ کی نبوت کے مقدمۃ کا بیان تھا یعنی غار حراء میں خلوت کی صورت میں ہجرت الی اللہ۔ تو حدیث ہجرت کے ساتھ افتتاح کرنا مناسب ہوا۔ ملاحظہ ہو۔(تحقیقات' صفحہ ۶۱'۱۴۹'۱۵۰)۔

اقول: عبارت ہٰذا سے مقصود بھی نفس نبوت کی نفی نہیں بلکہ عنوان باب سے باب میں لائی گئی حدیث کی مناسبت کو بیان کرنا مقصود ہے یعنی عنوان کا تعلق وحی سے ہے جب کہ اس کے تحت شروع میں حدیث فمن

کانت ھجرتہ الخ کولایا گیا ہے وجہ مناسبت کیا ہے؟ عبارت میں اسی کو بیان کیا جارہا ہے۔

رہے "مقدمة النبوة" کے الفاظ؟ تو ان میں النبوۃ سے مراد وحی جلی (قرآن مجید) ہے۔ معنٰی یہ ہوگا کہ وحی جلی کولانے سے قبل آپ کو سچے خوابوں کی صورت میں بکثرت وحی خفی کی گئی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں رسالت کی بحث ہے جب کہ جو بحث مطلوب تھی وہ بحث نبوت ہے پس یہ عبارت خارج از مبحث ہوئی

قول مہلب و قاضی ابن العربی:

قال المهلّب (الى) وان الله بغض اليه الاوثان وحبب اليه خصال الخيرولزوم الوحدة فرارامن قرناء السوء فلما التزم ذلك اعطاه الله على قدر نبيه ووهب له النبوة (الى) ولخصه بنحو من هذا القاضي ابوبكر ابن العربي۔ (فتح الباری، جلد ا صفحہ ۸)۔

امام مہلب نے فرمایا اللہ تعالٰی نے اوثان واصنام کو آپ کے ہاں ناپسندیدہ ٹھہرایا اور بھلائی والی خصلتوں کو آپ کے ہاں محبوب ٹھہرایا اور گوشہ گیری کو پسندیدہ امر ٹھہرایا۔ برے ساتھیوں کی صحبت سے فرار اختیار کرتے ہوئے جب آپ نے ان امور کا التزام کرلیا تو اللہ تعالٰی نے آپ کو آپ کی نیت کے مطابق نوازا اور آپ کو نبوت عطا فرمادی۔ حضرت قاضی ابوبکر بن العربی نے بھی اسی طرح کی تلخیص اس مقام پر فرمائی ہے۔ (تحقیقات، صفحہ ۶۰، ۱۴۹، ۶۱)۔

اقول: مہلب، یزیدی ہے چنانچہ حدیث مدینۂ قیصر کے حوالہ سے یزید کی مدح اور تعریف وتوصیف میں موصوف کا کلام اہل علم پر مخفی نہیں حیث قال: فی هذا الحديث منقبة لمعاوية (الى) ومنقبة لولده جسے علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر نے پُرزور انداز سے رد فرمایا۔

ملاحظہ ہو۔ (صحیح بخاری، جلد ا صفحہ ۴۱۰، حاشیہ نمبر ۲، بحوالہ فتح الباری)۔

جب کہ قاضی ابن العربی ناصبی ہے (کمافی الفتاویٰ العزیزیہ، جلد ا صفحہ ۱۰۷، فارسی) موصوف نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید برحق تسلیم کرنے کی بجائے آپ کے متعلق "قتل بسيف جده" کے لفظ استعمال کیۓ یعنی حضرت حسین (معاذاللہ) اپنے نانا جان کی شریعت کی رو سے واجب القتل تھے جنہیں حکم شرع ہی کے مطابق قتل کیا گیا۔ (قاله، فی العواصم والقواصم)۔

اس سے قطع نظر عبارت حضور کی عصمت کے بیان پر مشتمل ہے جو دلیل نبوت ہے کہ معصوم ہونا نبی ہونے کی دلیل ہے۔

باقی "وهب له النبوة" کے الفاظ میں نبوت سے مراد وحی جلی ہے جو دلیل رسالت ہے بالفاظ دیگر

عبارت ہٰذا کا تعلق رسالت سے ہے جب کہ بحث نبوت میں ہے رسالت میں نہیں پس یہ غیر متعلق ہوئی۔

علاوہ ازیں قاضی صاحب نے اپنی کتاب عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی میں حدیث کنت نبیا الخ کی شرح میں سیّد عالم ﷺ کے قدم نبوت کا قول کیا ہے لہٰذا ان کی عبارت کو نفس نبوت کی نفی کے معنٰی میں سمجھنا غلط ہے۔ (عبارت باب چہارم وغیرہ میں پیش کی جا چکی ہے)۔

قول علامہ قرطبی (استاذ قرطبی مفسّر) **وعلامہ ابی مالکی وعلامہ سنوسی:**

○ **نمبر۱:** ابوطالب ہمیشہ محبت اور حفاظت کرتے رہے حتٰی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

○ **نمبر۲:** ارشاد فرمانا خشیت علیٰ نفسی یہ نبوت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے تھا کہ فرائض کس طرح سرانجام دوں گا اور بار نبوت کو کس طرح اٹھاؤں گا۔ (المفہم شرح مسلم، صفحہ ۱۹۲، ۳۷۴، ۳۱۸)۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۸۲، ۲۸۳ طبع ثانی)

○ **نمبر۳:** (نیز اکمال اکمال المعلم بفوائد المسلم، جلد ۱، صفحہ ۱۰ کذا فی شرح السنوسی مزید: اچانک صریح نبوت وارد ہو جاتی تو قوائے بشریہ متحمل نہ ہو سکتے)۔ (تحقیقات صفحہ ۳۸۵)۔

اقول: عبارت نمبر۱ کا مطلب بر تقدیر تسلیم یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث بنایا جو عین ہمارے مطابق ہے یعنی نبی پہلے سے تھے، بعثت بالقرآن بعد میں ہوئی۔

○ **نمبر۲:** ''بار نبوت کو کس طرح اٹھاؤں گا''۔ کا یہ مطب کہاں ہے کہ پہلے نبی نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس کا مفہوم احساس ذمہ داری ہے۔ اور فرائض منصبی کی فکر جو مستقل حیثیت سے مزید عظمت ہے۔

○ **نمبر۳:** عوارض و کیفیات بشریہ بھی نفس نبوت کے منافی نہیں۔ حضرت موسٰی کلیم علٰی نبینا وعلیہ التحیۃ والتسلیم پر ان کے عصا مبارک نیز جادوگروں کے جادو کے نتیجہ میں جمع شدہ چیزوں کے سانپ بن جانے کے مواقع پر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا ''یموسٰی اقبل ولا تخف'' نیز ''قلنا لاتخف انك انت الاعلٰی''۔

تو کیا اس سے ان کی نبوت ورسالت کے ناتمام ہونے کی بات کی جائے گی معاذ اللہ۔

تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو باب ہشتم بحث شق صدر مبارک۔ نیز باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۶۔

قول علامہ صاوی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ:

فلما بلغ رسول اللہ ﷺ اربعین سنة اکرمه الله تعالی بالنبوة واختصه برسالته الخ۔ (جمل جلد ۴۔ الصاوی علی الجلالین، جلد ۴، صفحہ ۶۵۔ خازن جلد ۴، صفحہ ۱۲۵۔ معالم التنزیل جلد ۴)۔

جب رسول گرامی ﷺ چالیس کی عمر کو پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نبوت سے نوازا اور رسالت کے ساتھ مشرف اور ممتاز ٹھہرایا الخ۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۱۸)۔

اقول: یہاں نبوت بمعنی وحی جلی اور بعثت ہے اور رسالت اس کے مترادف کے طور پر ہے۔ مکمل بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (ردّ مغالطہ نمبر ۷۔ نیز ۳۳)۔

قول امام بوصیری وملا علی قاری وعلامہ توکلی علیہم الرحمۃ:

○ **نمبر۱:** ''سرکار علیہ السلام کو سچے خواب اس وقت شروع ہوئے جب نبوت کا زمانہ قریب آیا''۔ (بوصیری)

○ **نمبر۲:** شرح کرتے ہوئے علی قاری فرماتے ہیں: نبی پاک ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور آپ کی نبوت کا آغاز چالیس سال کے بعد ہوا''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵۰' ۲۶۲' بحوالہ جمع الوسائل' شرح الشفاء جلد ا' صفحہ ۴۸۶ زبدہ شرح بردہ صفحہ ۸۲)۔ اسی طرح علامہ نور بخش توکلی نے اپنی شرح میں تحریر فرمایا۔

○ **نمبر۳:** علامہ توکلی سیرت رسول عربی (صفحہ ۴۹) پر تحریر فرماتے ہیں کہ: ''جب سرکار علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر فائز فرما دیا الخ''۔

○ **نمبر۴:** حضرت قاسم نبوت سے پہلے اور حضرت عبداللہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۰۴' طبع دوم بحوالہ شرح فقہ اکبر' صفحہ ۱۳۴)۔

اقول: عبارت نمبر ا' ۲ میں نبوت سے مراد بعثت نیز وحی جلی ہے۔ حضرت علامہ علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ حضور کے قدم نبوت کے بڑی سختی سے قائل ہیں۔

تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو باب ہشتم میں بحث عبارت شرح فقہ اکبر۔ نیز باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۲۴۔

○ **عبارت نمبر۳:** میں بھی حضور کی بعثت کا بیان ہے۔ نیز منصب نبوت پر فائز فرمانے کا مقصد تبلیغ پر مأمور فرمانا بھی ہے جن میں سے کوئی بھی نفس نبوت کے منافی نہیں۔

○ **عبارت نمبر۴:** کے جواب کے لیئے ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۲۶۔

قول حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز و امام رازی رحمۃ اللہ علیہ:

''اولیاء میں سے جس پر عنایت بے غایت ہوئی اور مقصود ہوا کہ ان سے دعوت خلق کا کام لیا جائے تو انہیں نبوت کے مقام پر فائز فرمایا اور یہ کام ان سے لیا۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ مقام ولایت کی انتہاء مقام نبوت کی ابتداء ہے۔ (فوائد حضرت بندہ نواز' صفحہ ۱۰۳)۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵۵)۔

مزید فرماتے ہیں: ''پس کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ اول ولایت کے درجہ پر پوری طرح سرفراز نہ

ہوا ہو"۔ پہلے ولایت ملی ہے اس کے بعد نبوت کی دولت نصیب میں آئی ہے"۔

اسی طرح کا مضمون امام رازی نے تفسیر کبیر جلد ۲۵ زیر آیت ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان تحریر فرمایا ہے"۔ (تحقیقات صفحہ ۲۵۵)۔

اقول: اس کا مفصل جواب باب یازدہم میں دیا جا چکا ہے۔

عبارات امام زین العابدین برزنجی مدنی رحمۃ اللہ علیہ:

- **نمبر۱:** ولما کمل لہﷺ اربعون سنۃ علی اوفق الاقوال لذوی العالمیۃ بعثہ اللہ تعالی الخ"۔
- **نمبر۲:** ھوانما ابتدأ بالرؤیا تمرینا للقوۃ البشریۃ لئلا یفجاء الملک بصریح النبوۃ فلاتقواہ قواہ"۔ (تحقیقات صفحہ ۱۵۷ بحوالہ جواہر البحار جلد ۳ صفحہ ۴۶۹)

اقول: عبارت نمبر۱ کے جواب کے لیے ملاحظہ ہو رد مغالطہ نمبر ۱۹ باب نہم۔

- **نمبر۲:** کے جواب کے لیے باب ہشتم تحت شق صدر مبارک۔ نیز باب نہم رد مغالطہ نمبر ۶۔

عبارات امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

- **نمبر۱:** لما بلغ الاربعین سنۃ قیل وکسراً بعثہ اللہ تعالی"۔
- **نمبر۲:** "وابتدأ بھا لان الملک لو فجاءہ بغتۃ لم تحتملہ قواہ البشریۃ"۔
- **نمبر۳:** "جاورت بحراء شھر ای لالطلب النبوۃ فانھا موھبۃ لاتنال بکسبہ"۔

(تحقیقات ۱۵۳ تا ۱۵۷ بحوالہ جواہر البحار جلد ۲ صفحہ ۷۸۷ جلد ۳ صفحہ ۳۳۷)۔

اقول: جواب عبارت نمبر ۱ کے لیے ملاحظہ ہو باب نہم رد مغالطہ نمبر ۱۹ نمبر ۲ کے جواب کے لیے باب نہم رد مغالطہ نمبر ۶۔ عبارت نمبر ۳ کا جواب وہی ہے جو عبارت علامہ غلام رسول رضوی علیہ الرحمۃ میں مذکور ہے (جو آرہا ہے)

قول علامہ سید محمود الوسی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

- **نمبر۱:** "نبی پاکﷺ وحی سے پہلے نبی نہ تھے"۔ (تحت ما کنت تدری ما الکتاب)۔
- نمبر۲: "جب نبی پاکﷺ وحی سے پہلے گمراہ نہیں ہوئے اور نبوت سے قبل بھی سرکار علیہ السلام گمراہی سے معصوم تھے تو نبوت کی گھٹی ملنے کے بعد اور نبی بنائے جانے کے بعد آپ گمراہ کس طرح ہو سکتے ہیں"۔ (تحت وما ینطق عن الھوی)۔ "نبوت کا آغاز غار حرا میں ہوا"۔ (تحت وما ینطق عن الھوی)۔ "نبی پاکﷺ کو چالیس برس کے بعد نبوت حاصل ہوئی۔ (تحت حتی اذا بلغ اشدہ)۔ (تحقیقات صفحہ ۲۶۲)۔

○ **نمبر۳**: نبی پاک ﷺ پر وحی چالیس سال کی عمر میں نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری، جلد ہفتم، تحت سورۂ دخان آیت نمبر۱)۔ ظاہر ہے کہ نبوت کا ثبوت وحی کے ذریعے ہوتا ہے۔ (تحقیقات، صفحہ۳۸۴)۔

اقول: ان سب کے جوابات دیئے جا چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (باب ہشتم، زیر عنوان عبارت روح المعانی پر اعتراضات کے جوابات نیز باب نہم رد مغالطہ نمبر۲۷، ۳۱، ۳۳)۔

لطیفہ: **عبارت نمبر۳**: میں علامہ الوسی کے قول کے لیے تفسیر مظہری کا حوالہ لطیفہ سے کم نہیں ولنعم ماقیل ؎

چہ خوش گفت سعدی در زلیخا

الا یاایھا الساقی ادر کأسا وناولھا

قول علامہ ابن الجوزی علیہ الرحمۃ:

نمبر۱: "علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

○ "کان ﷺ فی اول نبوته یدعو الناس سرّ االی الاسلام (الیٰ) فلما مضت من النبوة ثلث سنین نزل علیه فاصدع بما تؤمر فاظهر الدعوة محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم آغاز نبوت میں خفیہ طور پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے (الیٰ) جب آپ پر نبوت کے تین سال گزر گئے تو آپ پر یہ امر نازل ہوا کہ تمہیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے کھل کر بیان کرو تو آپ نے علانیہ دعوت اسلام دینے کا آغاز کر دیا۔ (الوفاء، صفحہ۱۸۱)۔

اگر آغاز ولادت سے ہی نبی تھے تو پھر خفیہ دعوت دینا، آغاز اور ابتدائے نبوت میں کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ (تحقیقات، صفحہ۱۶۰)۔

○ **نمبر۲**: "فلما تمت له اربعون سنة نبیٔ فجاء ه الوحی و استتر بالنبوة ثلث سنین ثم نزل فاصدع بما تؤمر"۔ (الوفاء، صفحہ۱۰۲)۔

اس عبارت کا معنٰی اور مفہوم وہی ہے جو پچھلی عبارت کا ہے۔ (تحقیقات، صفحہ۱۶۰، ۱۴۴)۔

اقول: **عبارت نمبر۱**: میں "نبوت" سے مراد بعثت اور نبیٔ کا معنٰی بُعِثَ ہے الوحی سے مراد وحی جلی ہے جو دلیل رسالت ہیں اور نفس نبوت کے منافی نہیں۔ تفصیل باب نہم رد مغالطہ نمبر۱۹، میں گزر چکی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ان عبارات کے جوابات گزشتہ اوراق میں بھی آ چکے ہیں۔ البتہ عبارت معترض کے خلاف ہے کیونکہ وہ خفیہ تبلیغ کو معاذ اللہ تقیہ کا نام دیتے ہیں۔ (جس کی بحث گزر چکی ہے)۔

عبارات علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ :

○ **نمبر۱:** ’’فلاسفہ کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی نبی کو جو نبوت ملتی ہے وہ آسمان سے جبرئیل علیہ السلام کے وحی لانے سے نہیں ملتی جب کہ اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ کسی نبی کو جو نبوت ملتی ہے وہ جبریل علیہ السلام کے وحی لانے سے ملتی ہے‘‘۔

○ **نمبر۲:** ’’شیخ عزالدین بن سلام نے فرمایا کہ نبوت وحی کا نام ہے‘‘۔

○ **نمبر۳:** ’’نبوت اللہ کی وحی کو سننے کا نام ہے فرشتہ کے واسطہ سے ہو یا بلا واسطہ‘‘۔

○ **نمبر۴:** سرکار علیہ السلام کے وہ حالات جو نبوت سے پہلے تھے اور وہ صفات جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے پہلے عطا فرمائی۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۵۶، بحوالہ المعتقد المنتقد، صفحہ ۱۰۳، ۱۲۴)۔

اقول: عبارت نمبر۱ تا نمبر۳ کے جواب کے لیۓ دیکھیۓ باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۵۔ نمبر۴ کے لیۓ ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۲۶۔

قول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ :

○ **نمبر۱:** ’’حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ بار بار شق صدر کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (الیٰ) ’’وقت بعثت قریب آنے پر شق صدر کی حکمت چون ہنگام بعثت قریب رسید و زمان نزول وحی بر دل مبارک آنحضرت ﷺ نزدیک آمد بار دگر دل ایشاں را برائے تنقیہ و تقویت چاک کردند (الیٰ) تا بار وحی را تحمل کند و اسرار الٰہی در آں سینہ پاک گنجائش نمایند و غم دعوت و تبلیغ و غم امت و دین و دنیا و غم آخرت ہمہ دراں قرار گیرند و غل و غش و حقد و حسد و ذمائم اخلاق بیروں روند و نور علم و ایمان و حکمت در آں محیط آید۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۷۲)۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶)۔

○ **نمبر۲:** ’’فرماتے ہیں ’’انبیاء علیہم السلام اور ائمہ کرام علیہم الرضوان اگرچہ کمالات نفسانی اور مراتب روحانی میں تمام مخلوق سے ممتاز ہوتے ہیں لیکن بشری احکام اور بچپن والی عمر کے تقاضے ان میں باقی ہوتے ہیں۔ ولہٰذا مقتدا بودن را بلوغ بحد کمال ضروری داشتہ اند بلکہ قبل از اربعین منصب نبوت بکسے عطا نشدہ الا نادراً والنادر کالمعدوم‘‘ اسی لیۓ مقتدا اور رہنما بننے کے لیۓ کمال عقل کی حد تک رسائی کو ان کے حق میں ضروری رکھا گیا ہے بلکہ چالیس سال کی عمر سے قبل کسی کو بھی نبوت عطا نہیں کی گئی مگر نادر طور پر۔ اور نادر چیز معدوم کے حکم میں ہوتی ہے‘‘۔ (تحفہ اثناء عشریہ، صفحہ ۲۶۲)۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۳۱، ۲۳۲)۔

○ **نمبر۳:** اگر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو نبوت عطا کرے اور تبلیغ سے منع کر دے تو یہ ایسے ہوگا کہ کسی کو

قاضی بنایا جائے اور فیصلہ کرنے سے روک دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ جب لوگ تمہارے سامنے جھگڑا لے کر آئیں تو آپ نے فیصلہ نہیں کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ مذاق ہے۔ انبیاء تبلیغ نہ کریں تو اللہ کے امر کی خلاف ورزی لازم آئے گی اور یہ عصمت کے منافی ہے (ملخصاً)۔ (تحقیقات صفحہ ۲۸۵، طبع دوم بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۰، باب تقیہ)۔

اقول: عبارت نمبر ا کے جواب کے لیئے ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۶۔ **نمبر۲** کے جواب کے لیئے ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۹۔ عبارت **نمبر۳** بھی ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس میں ''نبوت عطا کرے'' کے الفاظ میں نبوت سے مراد بعثت ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ نبی کی جب بعثت ہو جائے یعنی نبی جب مأمور بالتبلیغ ہو جائے تو اس کے بعد اسے تبلیغ سے منع کرنا متصور نہیں۔ لہٰذا قبل از بعثت اس عبارت کا اطلاق مانحن فیہ پر نہیں آتا۔ پس اس سے بھی موصوف کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔

قول حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ:

شق صدر اس لیے کیا گیا تا کہ وہ حصہ جس میں شیطان کے وسوسے کو قبول کرنے کی صلاحیت تھی اور حسد، بغض وغیرہ پیدا ہو سکتا تھا اس کو نکال دیا جائے۔ (عوارف المعارف، مترجم صفحہ ۲۲۲)۔

اگر آغاز ولادت سے ہی نبی تسلیم کرتے تو شق صدر کی یہ وجہ کیوں بیان کرتے (کذا فی نسیم الریاض، جلد ۲، صفحہ ۲۸۱، ۲۴۴)۔ وشرح الشفاء للقاری، جلد ۲، صفحہ ۲۸۱)۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۸۰، ۲۸۱ طبع ثانی)۔

اقول: یہ عبارت بھی چونکہ مسئلۂ شق صدر مبارک میں ہے اس لیئے اس کے جواب میں بھی وہی تفصیل ہے جو اس طرح کی دیگر عبارات میں ہے۔ ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۶، جب کہ یہ اٹل ہے کہ اس کا کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا یہ معنٰی ہو کہ چالیس سال سے پہلے آپ ﷺ نبی نہ تھے۔ (معاذ اللہ)۔

قول نمبر ا **والد گرامی اعلیٰ حضرت، رئیس المتکلمین علامہ نقی علی خان** علیہ الرحمۃ والرضوان:

''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے والد گرامی کا ارشاد (الٰی) تیسری بار نبوت کے قریب دل مقدس کو چاک کیا گیا تا کہ بار وحی کا تحمل اور کلام الٰہی کے سمجھنے کی قوت حاصل ہو جائے''۔ (انوار جمال مصطفیٰ ﷺ، صفحہ ۲۵)۔

حضرت، شاہ عبدالعزیز دونوں نے تیسری مرتبہ کے شق صدر کو حصول نبوت اور نزول وحی کا پیش خیمہ ٹھہرایا ہے جو کہ چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا۔ اگر جسمانی لحاظ سے نبوت کے حصول کی یہ مدت نہیں تھی تو اس شق صدر کو نبوت کے قریب ٹھہرانے کا کیا مطلب ہے جب کہ بقول مخالفین نبوت آپ کو بچپن سے ہی حاصل تھی۔ (ملخصاً بلفظہ)۔ ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۲۷۶، ۲۷۷)۔

ایضاً:

○ "فرماتے ہیں: تا کہ حضرت کو عالمِ ملکوت اور ملٰئکہ کی باتوں سے مناسبت ہو جائے اور رفتہ رفتہ بار نبوت کی طاقت (الیٰ) حاصل ہو جائے اگر ناگہاں وحی نازل ہوتی تو بنائے بشریت منہدم ہو جاتی۔ یہ سبب ہے کہ ابتداء وحی کی سچے خوابوں سے ہوئی ایک جوان خوب صورت خوش لباس (الیٰ) نظر آیا اور کہا اے محمد! میں جبریل ہوں خدائے تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے اور تمہیں انسانوں اور جنّوں کا پیغمبر کیا ہے۔ (ملخصاً بلفظہ)۔ (تحقیقات صفحہ ۷۷،۷۸،۲۶۱ بحوالہ انوارِ جمال، صفحہ ۱۱۲)۔

اقول: اس سب کی ایک ایک شق کی جملہ تفصیلات وتوجیہات گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں۔ ملاحظہ ہو باب ہشتم بحث شق صدر مبارک نیز باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۶۔

اقوال علامہ عینی وعلامہ برزنجی رحمہما اللہ تعالیٰ:

○ انما ابتدأ بها لئلّا يفجأه الملك ويأتيه بصريح النبوة ولا تحتملها القوى البشرية فبدئ باوائل خصال النبوة وتباشير الكرامة ۔(عمدۃ القاری، جلد ا، صفحہ ۶۰، ۱۰۴)۔

○ وانما ابتدأ بالرؤيا تمرينا للقوة البشرية لئلّا يفجأه الملك بصريح النبوة فلا تقواه قواه ۔(جواہر البحار، جلد ۳، صفحہ ۴۶۸، بحوالہ مولد شریف برزنجی)۔

"آپ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ساتھ اس لیئے کیا گیا تا کہ وحی کا فرشتہ اچانک آپ پر نازل نہ ہو اور صریح اور ظاہر نبوت آپ کے پاس ابتداء میں نہ لائے ورنہ آپ کے قوائے بشریہ اس کے متحمل نہ ہو سکتے۔ لہٰذا نبوت کے خصلتوں میں سے ابتدائی خصلتوں اور عزت وکرامت کی ابتدائی بشارتوں کے ساتھ آغاز کیا گیا"۔ (تحقیقات، صفحہ ۴،۱۵۱)۔

"حکمت یہ تھی کہ آپ کی قوت بشریہ کو وحی جلی کے برداشت کرنے کا اہل اور عادی بنایا جائے تا کہ اچانک فرشتۂ وحی کے صریح اور واضح وحی نبوت کے ساتھ نازل ہونے پر آپ کے قوائے بشریہ اس کے بوجھ کو برداشت کرنے سے عاجز اور قاصر نہ ہو جائیں"۔ (تحقیقات صفحہ ۷۵)۔

اقول: جواب مثل بالا۔

اقوال امام اہل سنت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ:

○ نمبر ۱: "سیدنا جبریل علیہ السلام ۲۷ رجب کو پیغمبری لے کر آئے"۔ اور یہ متفقہ امر ہے کہ جبریل علیہ السلام چالیس کے بعد وحی لے کر حاضر ہوئے۔ (تحقیقات، صفحہ ۲۵۲، بحوالہ فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۰، صفحہ ۶۴۸، نیز جلد ۴، صفحہ ۶۵۸، طبع

قدیم)۔

○ **نمبر۲:** ''فتاویٰ رضویہ طبع جدید جلد ۱۰ صفحہ ۶۴۸ پر اعلیٰ حضرت نے بعثت کا ترجمہ اعطائے نبوت کیا ہے''۔

○ **نمبر۳:** ''الامن و العلی میں حدیث مبارکہ لولم ابعث فیکم لبعث عمر کا ترجمہ اس طرح فرمایا: اگر میں نبی نہ بنایا جاتا تو عمر نبی بنا دیے جاتے''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۷)۔

○ **نمبر۴:** ''جب سورۂ اقرأ نازل ہوئی تو آپ ﷺ کو فضیلت رسالت حاصل ہوئی الخ''۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۸' بحوالہ مطلع القمرین' صفحہ ۱۲۳۔ **نوٹ:** یہاں رسالت سے مراد نبوت ہے)۔

○ **نمبر۵:** جب سرکار علیہ السلام پر وحی سے پہلے امر اور نہی ہی نہیں وارد ہوا تھا تو آپ ﷺ سے گناہ کس طرح ہو سکتا تھا اور گناہ مخالفت فرمان کا نام ہے۔ جب فرمان نہ تھا تو پھر مخالفت کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵۵' بحوالہ فتاویٰ رضویہ' جلد ۹' صفحہ ۷۵)۔ شرح عقائد' شرح مواقف' نبراس' المعتقد میں تصریح موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ احکام کی تبلیغ کے پابند ہوتے ہیں جب امر و نہی کا ورود ہی نہ ہو تو تبلیغ کے پابند کیسے ہوں گے؟ اعلیٰ حضرت نے یہ عبارت شفاء' نسیم الریاض اور شرح للقاری سے نقل کی ہے۔

○ **نمبر۶:** سرکار علیہ السلام کے وہ حالات جو نبوت سے پہلے تھے اور وہ صفات جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے پہلے عطا فرمائی۔ (المعتقد' صفحہ ۱۲۴)۔

اعلیٰ حضرت نے اس عبارت پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا بلکہ اس کی تائید فرمائی اور شرح عقائد کا حوالہ بھی دیا۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵۶' ۲۵۷)۔

○ **نمبر۷:** امام احمد رضا خان بریلوی نے اپنی کتاب ختم نبوت میں تحریر فرمایا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں پہلے نبوت کی صلاحیتیں رکھی جاتی ہیں اور ان کے اندر نبوت کی استعداد کامل طور پر موجود ہوتی ہے اس کے بعد ان کو نبوت عطا کی جاتی ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۶۴)۔

○ **نمبر۸:** فتاویٰ رضویہ میں فرمایا کہ نبی ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا' کیا مطلب کہ آپ کے بعد کوئی نبی اعلان نبوت نہیں کرے گا یا یہ کہ کوئی نبی نہیں آئے گا' نہیں بنایا جائے گا۔ (تحقیقات' صفحہ ۳۷۹' طبع ثانی)۔

○ **نمبر۹:** نبیء کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے کتاب ختم نبوت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کو نبوت عطا کی گئی۔ (تحقیقات' صفحہ ۳۷۹' طبع ثانی)۔

○ **نمبر۱۰:** جب سے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت ملی کسی کو نہیں ملی۔ (ختم نبوت' صفحہ ۵۶۔ تحقیقات' صفحہ ۳۸۵' طبع ثانی)۔

○ **نمبر۱۱:** ''اے محبوب تم نزول وحی سے پہلے قرآن کریم اور احکام شرح کی تفصیل نہیں جانتے تھے''۔ (کنزالایمان تحت ماکنت تدری)۔اگر بچپن سے نبی تسلیم ہوتے تو یہ ترجمہ نہ فرماتے۔ (تحقیقات' صفحہ ۳۹٠'طبع دوم)۔

اقول: امام اہل سنت بڑی شدومد سے حضور سید عالم ﷺ کے قدم ودوام نبوت کے قائل ہیں اس لیئے آپ کی عبارات کونفی نبوت کی دلیل بنا کر پیش کرنا درست نہیں بلکہ آپ پرسخت افتراء ہے۔مسئلۂ ہذا پر تحریر کردہ فقیر کے کئی رسائل میں کم وبیش پندرہ دلائل سے اس امر کو مبرہن کیا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت ہر طرح سے حضور کے قدم ودوام نبوت کے قائل ہیں۔

یہاں بطور نمونہ اور بقدرضرورت آپ کی اس پر کچھ خصوصی تصریحات حسب ذیل ہیں:

چنانچہ آپ نے لکھا ہے: ''حضور سید المرسلین ﷺ (الیٰ) نبی ہوئے جب کہ آدم آب وگل میں تھے۔ (تجلی الیقین' صفحہ ۹۱' طبع لائل پور۔فتاویٰ رضویہ' جلد ۳٠' صفحہ ۲۴۴ طبع جدید)۔

نیز یہ مضمون بحوالہ قسطلانی آپ کی کتاب الامن والعلیٰ صفحہ ١٠۵' میں بھی ہے۔

نیز تجلی الیقین صفحہ ١٨' پر متعدد کتب کے حوالہ اور کئی صحابہؓ وتابعین کے طریق سے یہ حدیث پیش فرمائی ہے کہ حضور پرنور ﷺ سے عرض کی گئی ''متی وجبت لك النبوة'' حضور کے لیئے نبوت کس وقت ثابت ہوئی؟ فرمایا وادم بین الروح والجسد'' جب کہ آدم درمیان روح اور جسد کے تھے۔

جبل الحفظ امام عسقلانی نے فرمایا: سندہ قوی۔

اسی میں صفحہ ١٠ پر فرمایا: حضور کا ارشاد کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد اپنے حقیقی معنیٰ پر ہے۔

نیز فرماتے ہیں: ''حضور کی رسالت زمانۂ بعثت سے مخصوص نہیں بلکہ اولین وآخرین سب کو حاوی''۔ ''جس کا خدا خالق ہے محمد ﷺ اس کے رسول ہیں''۔ملاحظہ ہو (تجلی الیقین' صفحہ ١٨۔فتاویٰ رضویہ جلد ۳٠' صفحہ ١۴۹' ١۵٠)۔

نیز المستند صفحہ ١٢٦ میں علامہ بدایونی علیہ الرحمۃ کے بیان کی تائید میں کہ آپ ﷺ کے دائرۂ نبوت میں تمام افراد کائنات جمادات ونباتات اور حیوانات کی حد تک داخل ہیں' فرماتے ہیں وھو المختار عندنا وبہ نقول یعنی ہمارا مختار بھی یہی ہے اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔نیز فرماتے ہیں: ''ہمارے حضور ﷺ سب انبیاء کے نبی ہیں اور تمام انبیاء ومرسلین اور ان کی امتیں سب حضور کے امتی۔حضور کی نبوت ورسالت زمانۂ سیدنا ابوالبشر علیہ الصلاۃ والسلام سے روز قیامت تک جمیع خلق اللہ کو شامل ہے اور حضور کا ارشاد کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد اپنے حقیقی معنیٰ پر ہے (الیٰ) محمد ﷺ اصل الاصول ہیں۔محمد ﷺ رسولوں کے

رسول ہیں۔ امتیوں کو جو نسبت انبیاء و رسل سے ہے وہ نسبت انبیاء و رسل کو اس سید الکل سے ہے الخ۔ (تجلی الیقین، مشمولہ فتاویٰ رضویہ، جلد ۳۰، صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸، طبع لاہور)۔

نیز حدائق بخشش میں فرماتے ہیں ؎

ان کی نبوت ان کی ابوّت ہے سب کو عام
امّ البشر عروس انہیں کے پسر کی ہے

نیز لکھا ہے ''تمام انبیاء و مرسلین اپنے عہد میں بھی حضور کے امتی تھے اور اب بھی امتی ہیں جب بھی رسول تھے اور اب بھی رسول ہیں کہ ہمارے حضور نبی الانبیاء ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، صفحہ ۱۲)۔

نیز فرماتے ہیں: جب وہ جان راحت کان رافت پیدا ہوا، بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کیا اور رب ھب لی امتی فرمایا۔ (قمر التمام، صفحہ ۶، نفی الفئی صفحہ ۱۹، طبع کراچی)۔ نیز ؎

جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا
یاد اس کی اپنی عادت کیجیے

نیز ؎

پہلے سجدے پہ روز ازل سے درود
یادگاریٔ امت پہ لاکھوں سلام

معلوم ہوا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضور کے قدم و دوام نبوت کے قائل ہیں معترض کا آپ کو اس کا قائل نہ ہونا بتانا آپ پر سخت افتراء ہے۔

تو لیجیے اب پڑھیے اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ عبارات کے جوابات

- **عبارت نمبر ۱**: میں لفظ ''پیغمبری'' ہے جو لفظ رسالت کا ترجمہ ہے تو اس کا تعلق مسئلۂ رسالت سے ہے جب کہ بحث مسئلۂ نفس نبوت میں ہے۔ رسالت نبوت کے منافی بھی نہیں۔ پس یہ عبارت خارج از بحث ہے۔
- **عبارت نمبر ۲**: ایک روایت کے الفاظ کا ترجمہ ہے جس کے متعلق اعلیٰ حضرت نے اس کے ساتھ ہی لکھ دیا ہے ''اسنادہ منکر'' اس کی سند منکر یعنی سخت ترین ضعیف ہے۔

علاوہ بریں اس عبارت میں ''نبوت'' سے مراد نفس نبوت نہیں بلکہ رسالت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اسی فتاویٰ رضویہ شریف کے اسی جلد کے اسی صفحہ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسی مضمون کا ایک قول لکھا ہے جس کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے اس طرح فرمایا ہے: ''اور وہ وہ دن ہے جس میں جبریل علیہ السلام محمد ﷺ کے لیے پیغمبری

لے کر نازل ہوئے''۔مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۹۔

- **عبارت نمبر ۳**: کا مفصل جواب باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۹ میں دیا جا چکا ہے۔رسالت پہلے سے نبی ہونے کی دلیل ہے پس یہ ہماری دلیل ہے معترض کی دلیل نہیں۔
- **عبارت نمبر ۴**: کا تعلق صریحاً مسئلۂ رسالت سے ہے جب کہ بحث نفس نبوت میں ہے۔
- **عبارت نمبر ۵**: کا جواب پہلے آ چکا ہے۔ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۴ وغیرہ۔
- **عبارت نمبر ۶**: کے جواب کے لیئے ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۲۶
- **عبارت نمبر ۷**: کا مفصل جواب باب یازدہم میں ملاحظہ کیجیئے۔
- **عبارت نمبر ۸**: کے جواب کے لیئے ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۹۔
- **عبارت نمبر ۹**: کا جواب بھی باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۹ میں دیکھا جا سکتا ہے۔
- **عبارت نمبر ۱۰**: کے لیئے بھی دیکھیئے باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۹۔
- **عبارت نمبر ۱۱**: میں زیادہ سے زیادہ درایت قرآن و تفصیل احکام کی نفی ہے۔نفس نبوت کی نفی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ نیز الکتاب یعنی قرآن کتاب اللہ اور کلام معجز ہونے کی بناء پر دلیل رسالت ہے پس اس کا تعلق رسالت سے ہوا جب کہ بحث نفس نبوت میں ہے۔نیز رسالت، نفس نبوت کے منافی بھی نہیں۔(کما مر غیر مرة)۔لہٰذا یہ عبارت معترض کو کسی طرح بھی مفید نہیں اور نہ ہمیں کچھ مضر ہے بلکہ ہمارے موقف کی دلیل ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

قول حضور اعلیٰ سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

''چوں رسید صلی اللہ علیہ وسلم بچہل سال و یک روز خدا تعالیٰ بروے نبوت نازل فرمود جبریل علیہ السلام در غار حراء بروے فرستاد۔ (تحقیق الحق، صفحہ ۱۳۳)۔جب حضور ﷺ کی عمر چالیس سال اور ایک دن کو پہنچی اللہ تعالیٰ نے نبوت کو آپ پر نازل فرمایا اور غار حراء میں جبریل علیہ السلام کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔آپ ﷺ کی نبوت کا آغاز ۸ ربیع الاول سوموار کو ہوا''۔ملاحظہ ہو (تحقیقات، صفحہ ۲۶۸، طبع اوّل۔صفحہ آخر گتہ والا طبع دوم)۔

اقول: پیش کردہ عبارت میں ''نبوت'' سے مراد وحی جلی ہے جس کا قرینہ لفظ نازل بھی ہے۔وحی جلی پر بھی نبوت کا اطلاق ہوتا ہے۔ملاحظہ ہو (فتاویٰ مہریہ ۲۸، ۲۹، نیز تحقیقات صفحہ ۲۵۲، ۲۵۳)۔

''نبوت کا آغاز'' کے الفاظ میں نبوت سے مراد بعثت و رسالت ہے جو دلیل نبوت ہے۔الغرض یہ عبارت کسی طرح معترض کی دلیل نہیں بلکہ ہمارے موافق اور ہمارے موقف کی دلیل ہے۔

مزید یہ کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضور سید عالم ﷺ کے قدم ودوام نبوت کے سختی سے قائل ہیں۔ اس پر حضرت کی کچھ تصریحات ملاحظہ ہوں۔

- بحسب لسان حقیقت' اعیان واسماء سب ظہورات ہیں حقیقت محمدیہ ﷺ کے۔ملاحظہ ہو(فتاویٰ مہریہ' صفحہ ۸' طبع گولڑا شریف)۔
- مرزائی مؤلف' امروہی نے آپ کو طعنہ دیتے ہوئے کہا: ''کیا مؤلف صاحب' خاتم النبین ﷺ کو جملہ انبیاء سے نبوت میں سابق نہیں جانتے''۔ نیز حدیث متی وجبت لك النبوة الخ اور انی عند اللہ مکتوب خاتم النبین وان آدم لمنجدل فی طینته ''پیش کر کے لکھا کہ ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کی نبوت بلکہ ختم نبوت قبل پیدائش آدم کے متحقق تھی''۔

اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ ''ہم تو کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد کے قائل ہیں۔لہٰذا یہ مسئلہ ہم کو سنانا فضول ہے''۔(سیف چشتیائی' صفحہ ۱۹۵'۱۹۶' مطبوعہ ۱۹۸۱ء طبع گولڑا شریف)۔

- نیز فرماتے ہیں: ''نبوت ورسالت کے لیۓ دو رُخ ہیں''۔یا یوں کہو بطون وظہور ہے۔بطون عبارت ہے اخذ کرنے فیضان سے من جانب اللہ جس کو خدا کے ہاں مقربین میں سے ہونا لازم غیر منفک ہے۔اور ظہور' عبارت ہے توجہ الی الخلق سے یعنی تبلیغ شرائع واحکام کی (الیٰ) الحاصل بطون سے مع لازم اپنے کے جو قرب ہے کبھی انبیاء ورسل سے زائل نہیں ہوتا بخلاف ظہور نبوت وتبلیغ' شرائع اپنے کے کہ یہ محدود ہے تا ظہور نبوت نبی لاحق کے''۔(سیف چشتیائی' صفحہ ۲۳) نیز اسی کے صفحہ ۱۰۹' پر فرماتے ہیں ''موت منافی نبوت کے نہیں''۔معلوم ہوا کہ حضرت قدس سرّہ حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کے قدم ودوام کے سختی سے قائل ہیں پس انہیں اس کے برخلاف کا قائل ظاہر کرنا قطعاً خلاف واقعہ ہے۔

اقوال امام اہل سنت غزالی زماں علیہ الرحمۃ والرضوان **ودیگر اعلام**:

- **نمبرا**: ''قریش آپ کو نبوت سے پہلے امین کے لقب سے یاد کرتے تھے''۔
- **نمبر۲**: ''ورقہ بن نوفل نے کہا کہ اس امت میں ایک نبی ہونے والا ہے''۔''جب آپ ﷺ چالیس برس کے ہوئے' آپ غار حراء میں تشریف لے جاتے۔نبوت سے چھ ماہ قبل ہی سچے اور واضح خواب دیکھنے لگے تھے کہ ایک دن اچانک ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ' دوشنبہ کے دن جبرائیل علیہ السلام سورۂ علق کی شروع کی آیتیں آپ پر لائے اور آپ مشرف بہ نبوت ہو گئے۔(مقالات' جلدا' صفحہ ۸۱)۔

یہی مضمون سیر اعلام النبلا (جلدا' صفحہ ۴۵) سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۵۲' الروض الانف' جلدا' صفحہ ۱۵۲۔

سیرت حلبی' جلد ا صفحہ ۱۰۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد' جلد ۲' صفحہ ۲۲۵ وغیرہ میں موجود۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵۳' ۲۵۴)۔

○ **نمبر ۳**: ''انبیاء کے حق میں اخفاء دعوت اور ترک تبلیغ محال ہے''۔ (مقالات' جلد سوم)۔ (تحقیقات صفحہ ۳۹۹' طبع ثانی)۔

اقول: مسئلۂ نبوت میں تحریر کردہ فقیر کے رسائل میں متعدد دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام اہل سنت غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضور کے قدم و دوام نبوت کے قائل ہی نہیں مسئلۂ ہٰذا میں علامت ہیں۔ یہاں بقدر ضرورت آپ کی خصوصی تصریحات کے پیش کرنے پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے لکھا ہے:

◆ ''حضور علیہ السلام نے فرمایا بے شک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ابھی اپنے خمیر میں تھے یعنی ان کا ابھی پتلا بھی نہ بنا تھا''۔ (مقالاتِ کاظمی' جلد ا' صفحہ ۶۰' بحوالہ احمد' بیہقی' حاکم' شرح السنہ عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ۔ قال الحاکم صحیح الاسناد۔ نیز مواہب لدنیہ' جلد ا' صفحہ ۶)۔

حضرت فرماتے ہیں: حدیث کا مطلب یہی ہے کہ میں فی الواقع خاتم النبیین ہو چکا تھا نہ یہ کہ میرا خاتم النبیین ہونا علم الٰہی میں مقدر تھا کیونکہ علم الٰہی میں تو ہر چیز مقدر تھی البتہ یہ ضرور ہے کہ آخر النبیین ہونے کا ثبوت اور ظہور دو الگ مرتبے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ختم نبوت کے منصب پر اپنے حبیب حضور ﷺ کو فائز فرما دیا بایں معنیٰ کہ سب نبیوں کے بعد ان کا سردار بن کر جانے والا یہی محبوب ہے اگر چہ جانے کا موقع ابھی نہ آیا ہو (الیٰ) منصب خاتم النبیین کا ثبوت پہلے سے تھا لیکن اس کا ظہور دنیا میں تشریف لانے کے بعد ہوا۔ اس سے ایک اصول ظاہر ہو گیا کہ ثبوت کمال کے لیئے اسی وقت ظہور لازم نہیں۔ اسی لیئے اہل سنت کا مسلک ہے کہ حضور سید عالم ﷺ تمام کمالات محمدیہ کے ساتھ متصف ہو کر پیدا ہوئے لیکن ان کا ظہور اپنے اوقات میں حسب حکمت و مصلحت خداوندی ہوا اھ۔ ملخصاً بلفظہ۔ (مقالاتِ کاظمی' جلد ا' صفحہ ۶۰' ۶۱' طبع مکتبہ فریدیہ)۔

◆ حدیث کنت نبیا الخ وغیرہ سے متعدد مقامات پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی جسم اور روح کے درمیان تھے یعنی آدم علیہ السلام کے ابھی جسم اور روح بھی نہیں بنے تھے اس وقت میں نبی تھا۔ (مقالات کاظمی' جلد ا' صفحہ ۶۱' ۶۲۔ خطبات' جلد ۲' صفحہ ۵۹۔ خطبات' جلد ۳' صفحہ ۵۴' ۱۵۳' ۱۵۴' جلد ۴ صفحہ ۶۵' طبع ملتان)۔

◆ ایک اور مقام پر فرمایا: بعض لوگوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کے علم میں نبی تھا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ خدا کے بندو' کیا اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی اللہ کے علم میں تھے اور کوئی نبی اللہ کے علم میں نہیں تھا؟ محققین نے صاف کہا ہے کہ کنت نبیاً الخ کا مفہوم یہ ہے کہ میں مسند نبوت پر جلوہ گر تھا اور

ارواح انبیاء علیہم السلام کو نبوت کا فیض عطا کر رہا تھا۔ ہمارا مسلک ہے کہ حضور ﷺ مبداء کائنات ہیں' مخزن کائنات ہیں' منشاء کائنات ہیں۔ اور مجھے کہنے دیجئے کہ حضور مقصود کائنات ہیں۔ (ملخصاً)۔ (خطبات جلدا' صفحہ ۷۸' طبع علی پور)۔

- نیز ارقام فرماتے ہیں: ''تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے حضور ﷺ ہی منصب خلافت اور مسند نبوت پر متمکن ہوئے جب کہ حضور نے خود ارشاد فرمایا کنت نبیاً الخ میں نبی تھا اور آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (تفسیر البیان' جلدا' صفحہ ۱۳۰' بحوالہ ابونعیم' ابن سعد' طبرانی نیز الجامع الصغیر للسیوطی' جلد۲' صفحہ ۹۶)۔
- نیز مقالات (جلد۳' صفحہ ۴۵ طبع مکتبہ فریدیہ) میں لکھا ہے کہ: ''نبوت ایسی صفت نہیں کہ کسی نبی میں کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ نبی ہر وقت نبی ہوتا ہے اور نور نبوت اس سے کسی حال میں سلب نہیں کیا جاتا''۔ اھ۔
- نیز حضرت نے اپنی حیات مستعار کی آخری تصنیف لطیف وتالیف منیف درود تاج پر اعتراضات کے جوابات (صفحہ ۱۱۷' طبع ملتان) میں رقم فرمایا ہے کہ ''نبی کی نبوت کبھی زائل نہیں ہوتی وہ ابد تک ہمہ وقتی ہے''۔

نوٹ: الحمد للہ تعالیٰ اس کتاب کی املاء کی سعادت فقیر کو حاصل ہوئی جب کہ میں حضرت سیدی استاذی الکریم دامت برکاتہم کے حکم پر حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں تھا۔ اسی سال ماہ مقدس میں نماز تراویح میں حضرت کو (جامع مسجد شاداب کالونی ملتان میں) قرآن شریف کے سنانے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ زہے نصیب۔ اور اسی ماہ مبارک میں ۲۵ ویں کو شام کو حضرت کا وصال ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ واسعۃ کاملۃ۔

الغرض حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ زمانہ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے بعد کے تمام ادوار میں بلا انقطاع دائماً نبی ہیں حتی کہ عالم بطن میں بھی اور ولادت باسعادت سے چالیس سال کی عمر شریف تک بھی۔ نیز یہ کہ چالیس سال کی عمر شریف میں آپ نبی بنے نہیں بلکہ اس عمر میں آپ نے اپنے نبی ہونے کو ظاہر فرمایا۔

آپ کی ایسی کوئی عبارت نہیں جو چالیس سال سے قبل نفی نبوت میں صریح ہو ومن ادعی فعلیہ البیان۔

جو عبارتیں اس سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں وہ سب مغالطہ پر مبنی ہیں تو لیجئے پڑھیے ان کے جوابات۔

حضرت غزالی زماں کی پیش کردہ عبارات کے جوابات:

- **عبارات نمبرا:** میں ''نبوت'' سے مراد بعثت ہے جب کہ وہ نفس نبوت کے منافی نہیں بلکہ اس کا ثبوت ہے۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۹۔ پس معترض کو اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔

- **عبارت نمبر۲:** میں ''ایک نبی ہونے والا'' ہے کا مطلب یہ ہے کہ ایک نبی کی بعثت کا زمانہ قریب ہے۔
''نبوت سے چھ ماہ قبل'' کے الفاظ میں نبوت بمعنی بعثت ہے۔''وحی جلی'' کے معنٰی میں بھی لیا جاسکتا ہے۔
''آپ مشرف بہ نبوت ہوگئے'' کے الفاظ میں نبوت سے مراد وحی جلی ہے جس کی ایک دلیل ان الفاظ سے متصلاً پہلے کے یہ لفظ بھی ہیں: ''جبریل علیہ السلام سورۂ علق کی شروع کی آیتیں آپ پر لائے''۔

نیز مقالات شریف میں یہ الفاظ جس عبارت کا حصہ ہیں اس پر یہ عنوان قائم فرمایا ہے: ''بعثت محمدی اور نزول وحی''۔

ظاہر ہے کہ یہ ہمارے کسی طرح خلاف نہیں کیونکہ ہم بھی اسی کے قائل ہیں کہ وحی جلی (یعنی قرآن مجید) کا آپ پر نزول چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا اور اسی کا نام بعثت بھی ہے۔

- عبارت نمبر۳ خارج از بحث ہے ہم نے کب کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیئے اخفاء دعوت اور ترک تبلیغ جائز ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ وہ مأمور بالتبلیغ ہوچکے ہوں پس مأمور ہونے سے پہلے اسے اخفاء اور ترک تبلیغ کہنا تحکم ہے۔

مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو: باب ہشتم بحث ''قبل اعلان نبوت تبلیغ کیوں نہ فرمائی''۔ نیز باب نہم ردّ مغالطہ نمبر۱۱ وغیرہ۔

اقوال مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ:

نمبر۲: ہمارے رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطاء اسی وقت ہوئی جب سورۂ علق کی پہلی آیت اقراء باسم ربلک نازل ہوئی (تفسیر نعیمی جلد۳ صفحہ۴۲۷) یہ واضح امر ہے اقرأ باسم ربك چالیس سال کے بعد نازل ہوئی مواعظ نعیمیہ (صفحہ۹۷) پر یہی مضمون تحریر ہے۔ (تحقیقات صفحہ۲۵۲)۔

نمبر۳: نیز مراۃ جلد۸، صفحہ۹۱، شان حبیب الرحمٰن صفحہ۹۱، ۹۲، ۲۲۰: چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے یعنی نبی بنے۔ (تحقیقات، صفحہ۲۵۸)۔

اقول: حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ بھی حضور اقدس ﷺ کے قدم ودوام نبوت کے قائل ہیں جس کے بعض حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

- تفسیر نعیمی (جلد۴، صفحہ ۲۸۷) میں فرماتے ہیں: نیست کو ہست کرنا خلق کہلاتا ہے اور جو پہلے موجود ہو اسے اپنے کام یا پیغام کے لیئے کہیں بھیجنا بعثت الخ۔
- اسی (کے جلد۶، صفحہ۲۹۴) میں لکھا ہے: حضور ﷺ دنیا میں آکر رسول نہ بنے بلکہ رسول بن کر دنیا میں

آئے (الی) چالیس سال کی عمر شریف میں رسالت کا ظہور ہوا نہ کہ رسالت کا وجود۔ جیسے آج چھ بجے گجرات پر سورج کا طلوع ہو تو آفتاب کی ساری صفات پہلے سے موجود ہیں، گجرات پر ظہور چھ بجے ہے الخ۔

◆ اسی (کے جلد ۷ صفحہ ۶۰) میں لکھتے ہیں: حضور کے لیے نبوت ایسی لازم ہے جیسے سورج کے لیے روشنی یا آگ کے لیے گرمی۔ حضور ہر حال میں نبی ہیں بلکہ حضرت حلیمہ کی گود میں جناب آمنہ کے شکم میں نبی ہیں بلکہ عالم ارواح میں نبی ہیں چالیس سال کی عمر شریف میں اعلان نبوت فرمایا۔ نبوت اور اعلان نبوت، اظہار نبوت میں فرق ہے۔

◆ اسی (کے اسی جلد کے ۸۰۸) میں رقم طراز ہیں (تحت آیت اِتَّبِعُ مَـا اُوْحِيَ اِلَيْكَ الْاٰية): ''حضور ﷺ اس آیت سے پہلے بھی اتباع کر رہے تھے حتی کہ بی بی حلیمہ کا داہنا پستان شریف چوسنا، بایاں نہ چوسنا، حلیمہ کے بچوں کے ساتھ کھیلنے سے انکار فرما دینا، پانچ چھ سال کی عمر شریف میں بتوں کے نام ذبیحہ کا گوشت نہ کھانا، حلیمہ کے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جانا اور یہ فرمانا کہ جب ہم کھانے میں برابری کرتے ہیں تو کمانے میں بھی برابری کریں گے۔ یہ سب اتبع ما اوحی الیك پر عمل تھا۔ وحی الٰہی اس زمانہ سے بلکہ اس سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔ اتبع ما اوحی الیك سے مراد صرف قرآن مجید نہیں بلکہ حضور ﷺ کی ساری وحی مراد ہے خواہ قرآن ہو یا حضور کا الہام یا حضور کے دل میں القاء یا حضور کا خواب بلکہ حضور کی وہ اطلاع جو صحابہ کرام کو خواب کے ذریعہ ہو جیسے نماز کی اذان جو صحابۂ کرام کے خواب کے ذریعہ حضور کو بتائی گئی (الی) بہت سے احکام وہ ہیں جو قرآن کریم کے نزول سے پہلے حضور نے جاری فرما دیئے جیسے حکم وضو یا حکم غسل کہ قرآن کریم نے وضو اور غسل کا حکم نماز کی فرضیت کے برسوں بعد دیا مگر حضور انور نے اس پر عمل پہلے ہی کیا اور کرایا الخ۔

◆ نیز مواعظ نعیمیہ (جلد ا، صفحہ ۱۴۳ وعظ نمبر ۲۷، طبع گجرات) میں لکھا ہے: ''حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی پیدائش پاک اور رضاعت بلکہ خود آمنہ خاتون کے نکاح میں بہت عجائب وغرائب ہیں، اگر حضرت مسیح نے بچپن میں کلام فرمایا تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے فرمایا: رب ھب لی امتی''۔

◆ نیز اسی (کے صفحہ ۱۴۳، ۱۴۴) میں ہے: حضور کی برکت سے حضرت حلیمہ کی خچر نے حلیمہ کو جواب دیا کہ مجھ پر ختم المرسلین ہیں، یہ ان کی طاقت ہے میری رفتار تیز ہے۔

◆ نیز رسائل نعیمیہ (صفحہ ۲۷۶، ۲۷۳ رسالہ درس القرآن میں درس آیت ان الذین یکتمون) میں لکھتے ہیں: ''سورج ہر وقت چمک رہا ہے مگر زمین کے کسی حصہ میں دن ہے اور کسی پر رات۔ اور جہاں دن ہے وہاں بھی کبھی سویرا ہے کبھی دوپہر کبھی شام۔ یہ فرق آفتاب کی حرکتوں کا ہے نہ کہ اس کی تابشوں اور نورانیت کا۔ اسی

طرح حضور کی ولادت، ہجرت، مکی مدنی ہونا، وفات پا جانا یہ حضور کی آمد و رفت روانگی کے نام ہیں ورنہ حضور ولادت سے پہلے بھی نبی ہیں اور ابدالآباد تک نبی ہیں (الیٰ) گویا رب فرما رہا ہے کہ تم تو چالیس سال کے بعد اپنی نبوت کا اعلان فرمانا مگر ہم پہلے ہی سے اعلان کرائے دے رہے ہیں۔ سورج پیچھے نکلتا ہے مگر زہرہ تارا پہلے ہی اس کی آمد کی خبر دے دیتا ہے (الیٰ) غرضیکہ زمانۂ نبوت اور ہے اور زمانۂ ظہور نبوت کچھ اور۔ (ملخصاً بلفظہ)

اقول: حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارات اپنے منطوق میں ایسی صریح ہیں کہ کسی طرح کچھ محتاج بیان نہیں ہیں جن کا لفظ لفظ بانگ دہل پکار پکار کر یہ شہادت دے رہا ہے کہ وہ ایک آن کے کروڑوں حصہ کے برابر بھی زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے حصول نبوت کے بعد آپ ﷺ کی اس نبوت کے انقطاع کے یا غیر مؤثر ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ پس اسی تفصیل کو ذہن میں رکھ کر پڑھیئے آپ کی پیش کردہ عبارات کے جوابات۔

عبارت نمبر ۲: میں نبوت سے مراد بعثت اور رسالت ہے۔ نفس نبوت مراد نہیں جس کی دلیل ان کی مذکورہ بالا تصریحات کے علاوہ پیش کردہ عبارت کے یہ الفاظ بھی ہیں جب سورۂ علق کی پہلی آیت اقراء باسم ربك نازل ہوئی۔ کیونکہ قرآن، کتاب اللہ اور کلام معجز ہونے کے ناطے سے حضور کے لیئے دلیل رسالت ہے ﷺ۔

عبارت نمبر ۳: میں ''نبی بنے'' سے مراد نفس نبوت کا حاصل کرنا نہیں بلکہ صورت ظہور کے پیش نظر ان الفاظ کا استعمال ہوا ہے جیسے جاء ربك والملك صفاً صفاً میں۔

بالفاظ دیگر آپ اس عمر میں نبی مبعوث ہوئے جو ہمارے عین مطابق ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ آپ نبی پہلے سے تھے بعثت اس عمر شریف میں ہوئی جس پر خود حضرت مفتی صاحب کی مذکورہ تصریحات بھی شاہد عدل ہیں۔

عبارت کا یہ معنٰی نہ لیا جائے تو ''توجیہ القول بما لا یرضی به قائله'' ہوگی۔

مزید خود اسی مراۃ کے حوالہ سے دیکھیئے۔

جلد نمبر ۸ صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے: آپ کی نبوت کے ظہور سے لے کر قیامت تک لوگ آپ کے امتی ہیں۔

صفحہ نمبر ۸ پر لکھا ہے: ''سب سے اوّل سب سے آخر ایک ہی ہوسکتا ہے۔

حضور اوّل مخلوق ہیں اور آخری نبی ہیں'' هوالاول والآخرة''۔

صفحہ ۲۰ پر حدیث ''وآدم بین الروح والجسد'' کے تحت لکھا ہے کہ: اس حدیث کا مطلب یہ نہیں

کہ ہم علم الٰہی میں نبی تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ہم نبی ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تمام انبیاء کرام کی نبوت کو جانتا تھا پھر اس میں حضور کی خصوصیت کیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کی نبوت کا اعلان اس وقت ہو چکا تھا الخ۔''

صفحہ نمبر ۲۱ پر ہے: ''جناب آمنہ نے حاملہ ہوتے ہی خواب دیکھا تھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اے آمنہ کیا تم کو خبر ہے کہ تم اس امت کے سید اس امت کے نبی سے حاملہ ہو''۔

صفحہ ۲۲ پر ہے: ''حضور انور کے معجزات (الیٰ) بعض وہ ہیں جو ولادت پاک سے پہلے والدہ ماجدہ اور عرب بلکہ دنیا نے دیکھے' بعض وہ ہیں جو ولادت پاک کے وقت دیکھے گئے بعض وہ ہیں جو بچپن شریف میں دیکھے گئے بعض وہ ہیں جو ظہور نبوت کے بعد سے وفات پاک تک دیکھے گئے (الیٰ) بعد نبوت سے وفات تک چھ ہزار معجزات منقول ہیں''۔

صفحہ ۹۱ پر لکھا ہے: ظہور نبوت اور ابتداء وحی کا بیان'' (مبعث کا معنیٰ ظہور نبوت کیا ہے۔

شرح میں لکھا ہے: ظہور نبوت کو بعثت کا کہا جاتا ہے''۔ظہور نبوت چالیس سال کی عمر میں ہوا۔اس میں اختلاف ہے کہ بعد ظہور نبوت مکہ معظّمہ میں کتنا قیام رہا''۔

صفحہ ۹۲ پر ہے ''غیبی نور اور غیبی آوازیں ظہور نبوت سے پہلے حضور دیکھتے اور سنتے تھے''۔

صفحہ نمبر ۹۳ پر ہے: ''قریب ظہور نبوت یعنی چھ ماہ پہلے ان خوابوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔

قول علامہ ابن عبدالبر و علامہ تقی الدین مقریزی:

نبی پاک ﷺ کو چالیس سال کے بعد نبی بنایا گیا جو اس کے قائل ہیں۔حضرت ابن عباس حضرت انس بن مالک حضرت قباث بن اشیم' حضرت محمد بن جبیر ابن مطعم' حضرت سعید بن المسیب' حضرت طاؤس' حضرت عطاو غیرہ (الاستیعاب جلد ۱' صفحہ ۲۴)۔

یہی قول اہل علم' اہل سیر اور محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔(یعنی تینتالیس سال والا قول صحیح نہیں ہے) اور علامہ مقریزی نے اسی سے ملتی جلتی بات اپنی کتاب امتاع الاسماع جلد ۱' صفحہ ۲۰ پر تحریر فرمائی ہے۔

اقول: عبارت ہٰذا میں دیئے گئے صفحہ پر ''حضرت طاؤس'' کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی ''وغیرہ'' لکھا ہے۔اسی طرح ''اهل العلم'' کے لفظ بھی نہیں ہیں بلکہ صرف ''عند اهل السیر و العلم بالاثر'' لکھا ہے جس کا معنیٰ اہل سیر (مؤرخین) اور اہل العلم بالاثر (محدثین)۔فیاللعجب۔

پھر اس میں بنیادی طور پر جو بحث ہے وہ یہ ہے کہ بعثت کے وقت حضور کی کیا عمر مبارک تھی؟ تو اسی کے متعلق لکھا ہے کہ چالیس والا قول مؤرخین و محدثین کے نزدیک صحیح ہے یعنی اس کے علاوہ بھی قول ہے جو صحیح

نہیں جو خود معترض نے بھی لکھ دیا ہے کہ ’’یعنی تینتالیس والا قول صحیح نہیں ہے۔

رہے اس میں نُبِّـئ اور نبوۃ کے الفاظ؟ تو وہ قطعی طور پر بعثت کے مفہوم میں ہیں جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی کئی نصوص میں نبیٔ کی بجائے ’’بعث‘‘ کا مادّہ ہے مثلاً دعاء خلیل علیہ السلام ربنا وابعث فیھم رسولا ۔ ارشاد الٰہی اذ بعث فیھم رسولا۔ نیز حدیث نبوی ’’قبل ان ابعث‘‘ وغیرہا۔ جب کہ بعثت نفس نبوت کے منافی نہیں بلکہ اس کے ثبوت کی دلیل ہے۔ والحمد للہ۔

قول شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی:

نبی پاک ﷺ کا غارِ حرا میں جانا صرف قرب الٰہی کے لیۓ تھا نبوت حاصل کرنے کے لیۓ نہیں تھا کیوں کہ نبوت کسبی نہیں محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ یہی عبارت مدارج میں بھی ہے۔ (تحقیقات صفحہ ۲۵۴ بحوالہ تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۴۲)۔

اقول: بحث اس میں نہیں کہ نبوت وہبی ہے یا کسبی؟ بلکہ بحث اس میں ہے کہ چالیس سال سے پہلے نفس نبوت آپ ﷺ کو حاصل تھی یا نہیں؟ معترض نے حسب دعویٰ خود اس کی نفی دکھانی تھی جو عبارت ہٰذا سے ثابت نہیں ہوتی۔

رہا یہ کہ غار حراء میں جانا نبوت حاصل کرنے کے لیۓ نہیں تھا؟ تو یہ بالکل بجا ہے کیونکہ وہ آپ ﷺ کو محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے پہلے سے حاصل تھی۔ لہٰذا حاصل کردہ کو حاصل کرنا چہ معنٰی؟

علاوہ ازیں علامہ رضوی صاحب موصوف حضور کے قدم ودوام نبوت کے قائل تھے لہٰذا ان کی اس عبارت کو اس کی نفی کے معنٰی میں نہیں لیا جا سکتا کیونکہ حضرت محدث اعظم کے فرمانبردار تلامذہ سے ہیں جب کہ حضرت کا عقیدہ قدم ودوام نبوت مصطفٰی ہے ﷺ۔ ملاحظہ ہو (حاشیۂ قلمی بر مشکوٰۃ عربی صفحہ ۱۲۸)۔

نیز اسی تفہیم میں صفحہ ۴۰، ۴۱ پر ’’اظہار نبوت‘‘ یعنی اعلان نبوت کے لفظ استعمال کیۓ ہیں۔

علاوہ ازیں اسی میں صفحہ ۳۹ پر یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا پہلی وحی کے وقت آپ ﷺ کو تین بار دبانے سے مقصود ہر بار علیحدہ نوعیت کا فیض حاصل کرنا تھا جب کہ معترض فریق کا نظریہ یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اس طرح سے مرشدوں جیسی توجہ اتحادی دے کر آپ کو فیض دیا تھا۔ بناءً علیہ وہ تفہیم البخاری کے قائل نہیں ہیں لہٰذا جسے وہ خود نہیں مانتے اسے کیونکر حجت بنا کر پیش کرتے ہیں؟

قول حضرت شاہ ولی اللہ:

’’نبی پاک ﷺ کو چالیس برس کے بعد نبوت عطا ہوئی‘‘۔ (تحقیقات صفحہ ۲۵۲ بحوالہ ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ

۲۷۶)۔

اقول: برتقدیر تسلیم یہاں نبوت سے مراد بعثت ہے جو منافی نفس نبوت نہیں مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۵۔

قول علامہ سید محمود احمد رضوی:

''ابتدائی مرحلہ میں نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کے نبھانے کے متعلق حضور کو عارضی فکر ہو جانا قدرتی تھا۔ اس وقت کے حالات کو ذہن میں لائیے کہ آپ کو نبی بنایا گیا آپ تن تنہا ہیں''۔

نبی کو نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کے نبھانے کا عارضی فکر ہو جانا شان نبوت کے خلاف نہیں ہے'' ''باقتضائے بشریت خوف واضطراب میں مبتلا ہو جانا منافی شان نبوت نہیں ہے''۔ ''نبی ہونے کے لیئے وحی ہونا ضروری ہے''۔ ''وحی نبوت کے مترادف ہے''۔ حضرت تو نبوت اور وحی کو مترادف قرار دے رہے ہیں' یہ علیحدہ امر ہے کہ آج کل وحی کے ذریعے نبوت ماننا کفر کے مترادف ہے۔ (تحقیقات صفحہ ۲۵۲' ۲۵۳' بحوالہ فیوض الباری صحیح بخاری' جلد ۱' صفحہ ۷۹' ۸۰ صفحہ ۴۳' ۶۸)۔

اقول: اس کا تفصیلی جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔ ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۱۴۔

قول شیخ القرآن حضرت الاستاذ علامہ منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ

''نبی پاک ﷺ ولادت کے وقت سے لے کر نبوت ملنے تک اکابر عارفین کاملین میں سے تھے۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵۳' بحوالہ مقام رسول ﷺ' صفحہ ۲۴۱)۔

اقول: اس کا تفصیلی جواب' باب یازدہم میں آ چکا ہے فليلاحظ ذٰلك هناك ۔

عبارت مواعظ رضویہ:

علامہ نور محمد قادری فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر فائز ہوئے اور آپ کی نبوت کی عمر ۲۳ سال ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۵۷' ۲۵۸ بحوالہ مواعظ رضویہ از جذب القلوب حضرت شیخ محقق)۔

اقول: برتقدیر تسلیم منصب نبوت پر فائز ہونے کا معنٰی ماٴمور بالتبلیغ ہونا ہے جو نفس نبوت کے منافی نہیں۔ نبوت کی عمر میں نبوت بمعنی وحی جلی یعنی قرآن مجید ہے مطلب یہ کہ قرآن مجید کے نزول کی مدت ۲۳ سال ہے اس کے کس لفظ کا یہ معنٰی ہے کہ حضور اس سے قبل نبی نہ تھے۔ اگر یہی مطلب ہے تو اس سے یہ معنٰی بھی تو نکلے گا کہ معاذ اللہ حضور اس کے بعد بھی نبی نہ ہوں والعیاذ باللہ نقل کفر کفر نباشد۔

مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۲۸)۔

قول استاذ پیر سیال شارح بخاری حافظ محمد عالم صاحب و **شیخ نور الحق** علیہما الرحمۃ:

○ حضور کی نبوت کی مدت ۲۳ سال اور حضور کا فرمان خشیت علی نفسی بار نبوت کی وجہ سے تھا کہ میں نبوت کی ذمہ دار کس طرح ادا کروں گا"۔ (تحقیقات' صفحہ ۹' ۲۶۸' نیز صفحہ آخر پر طبع ثانی بحوالہ منح الباری' صفحہ ۹' تیسر القاری' صفحہ ۸)۔

○ ورقہ بن نوفل نے عرض کیا کہ اے خدیجہ تمہیں مبارک ہو کہ نبی پاک اس امت کے نبی ہیں اور یہ ان کی نبوت کا آغاز ہے۔ (مراۃ العاشقین فارسی' صفحہ ۲۰' مترجم صفحہ ۲۹)۔ (تحقیقات صفحہ ۳۹۹' نیز صفحہ آخر)۔ نیز تحقیقات صفحہ ۲۶۸' طبع اوّل)۔ ولفظہ "پہلی وحی کے بعد" الخ۔

اقول: "نبوت کی مدت" کے الفاظ میں نبوت سے مراد وحی جلی یعنی قرآن مجید ہے معنٰی یہ ہے کہ قرآن مجید کے نزول کی مدت ۲۳ سال ہے۔ اگر نفس نبوت مراد ہو تو اس کا یہ معنٰی بھی تو نکلے گا کہ اس مدت کے بعد بھی معاذ اللہ آپ نبی نہیں ہیں جو کفر خالص ہے۔

"بارنبوت" اور "نبوت کی ذمہ داری" کے الفاظ میں نبوت سے مراد امر تبلیغ ہے جو خشیت الٰہی اور احساس ذمہ داری کو بیان کرتے ہیں اور وہ اپنی جگہ پر دلیل عظمت ہیں۔ مگر ع عیب نمایدش ہنر درنظر

عبارت نمبر ۲ کا مفصل جواب باب نہم ردّ مغالطہ نمبر ۲۲ میں دیا جا چکا ہے۔

ثم اقول: استاذ پیر سیال کے الفاظ سے معترض صاحب عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ بزرگان آستانہ عالیہ سیال شریف بھی ان کی طرح حضور کی نبوت کے قائل نہ تھے جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔ چنانچہ پیش کردہ عبارات کا صحیح مفہوم عرض کر دیا گیا ہے کہ ان کا کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو معترض کے دعوٰی کے مطابق دلیل کا کام دے سکے۔

اب آیئے اس کا فیصلہ آستانہ عالیہ کے علوم و معارف کے وارث وامین حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (جو مصنف تحقیقات کے پیر و مرشد کریم بھی ہیں ان) سے لے لیتے ہیں کہ مسئلہ ہٰذا میں کیا ہونا چاہیے۔ نیز یہ کہ خود ان کا نظریہ کیا تھا جو حسب ذیل ہے:

چنانچہ حضرت شیخ الاسلام کے مرید و مفتی آستانہ عالیہ سیال شریف مولانا قاری غلام احمد سیالوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

۳/ ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ بروز دوشنبہ بعد از نماز ظہر حضرت شیخ الاسلام والمسلمین قدس سرہ نے فرمایا: "محمد رسول اللہ" حقیقۃً آپ ﷺ کی رسالت عامہ پر بیّن ثبوت ہے جو آپ ﷺ کا خاصہ ہے۔ دوسرے

انبیاء علیہم السلام کو نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر ایمان لانے کا جو حکم فرمایا گیا اور ان سے عہد لیا گیا آیت کریمہ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین سے ظاہر ہے۔ (انوار قمریہ، صفحہ ۶۱، طبع ادارہ تعلیمات اسلاف لاہور، مطبوعہ جولائی ۱۹۹۵ء)۔

نیز اسی میں (صفحہ ۹۴ پر) لکھا ہے کہ حضرت نے: ''فرمایا کہ سب سے پہلا بشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور حضور ﷺ نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد۔

دوسرا فرمان ہے کنت نبیا وآدم بین الماء والطین نیز تیسرا ارشاد اقدس ہے ''کنت نبیا وادم لمنجدل فی الطین''۔

اندازہ لگائیں جو ذات اقدس سب سے پہلے بشر (ابوالبشر) سے بھی پہلے موجود ہو، اس مقدس ومطہر ہستی کو بشر کہنا یا ماننا کس طرح صحیح ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ لباس بشریت میں تشریف لائے تاکہ انسان وبشر کو ذات باری تعالیٰ کی معرفت وتعلیم سے نوازیں (الیٰ) ورنہ حقیقت محمدیہ قطعاً بشری نہیں ہے۔ محبوب کبریا علیہ الصلاۃ والسلام کی حقیقت نور ہی ہے جو صحیح روایات سے ثابت ہے۔ اھ ملخصاً بلفظہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضور سید عالم ﷺ کی حقیقت مقدسہ کو سب سے اوّل نیز اسے زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے نبوت سے متصف اور آپ ﷺ کو نبی الانبیاء مانتے تھے جو اس وقت ممکن ہے کہ آپ کی نبوت دائمہ مستمرہ ہو۔ نیز یہ کہ نبوت اصل میں آپ کے نور اور روح مبارک کی صفت ہے۔ پس نور اور روح مبارک جہاں جہاں ہوں گے آپ نبی ہوں گے جو دوام نبوت کی مکرر دلیل ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ۔

خاتمۃ الکتاب

تأثرات وتقریظات کتاب سے جوابات

اعلیٰ تحریر:

جن حضرات کے تأثرات اوران کی تقریظات کتاب (تحقیقات) میں درج ہیں ان میں سے کچھ کے نام بطور غلط شامل ہیں جوان پر افتراء ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے محض مصنف تحقیقات کی شہرت یا سابقہ خدمات کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے تصدیقی بیان دے دیا جو شان علم کے خلاف اور غفلت ہے۔ جب کہ بیشتر ان کے زیر اثر قسم کے لوگ ہیں جن میں سے کچھ ان کے شاگرد ہیں اور کچھ بے پناہ عقیدت رکھنے والے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اصول تقریظ کے برخلاف چلتے ہوئے اور محض قصیدہ خوانیوں پر اکتفاء کرتے ہوئے ''تحقیقات'' کی اغلاط سے بھی صرف نظر کیا ہے حالانکہ وہ بے شمار سنگین قسم کی غلطیوں پر مشتمل ہے جو خلاف دیانت ہے۔ غلط بیانیاں اس پر مستزاد ہیں۔

چنانچہ ان کے ''مظہر کنیت'' ایک ''عمر بھر کے اور تا حیات مرہون منت'' نے مولانا کی موقف کی نفی کرنے کی پاداش میں ان کے ناموافقین کے لیے ''ضَفَادِعُ الْبِيرِ'' (کنویں کے مینڈک) تک کے غیر اخلاقی الفاظ بھی بول دیئے ہیں۔ نیز ان کے ایک ''غلام بے دام'' نے ان کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہوئے یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ: ''حضرت نے تحقیقات لکھ کر عوام اہل سنت بلکہ خواص اور علماء وفضلاء پر بھی بہت بڑا احسان فرمایا جس کا بدلہ چکانے سے امت مصطفویہ عاجز وقاصر ہے''۔ (صفحہ ۲۳، ۳۸)۔

بلکہ موصوف کی اس واجب الذم کارروائی کو ان کا تجدیدی کارنامہ ہونے کے منوانے کی بھی سعی مذموم کی ہے جس پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ ؎

خرد کا نام جنوں اور جنوں کا نام رکھ دیا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

تفصیلی جواب:

اب پڑھیئے ان (تأثرات وتقریظات) کے تفصیلی جوابات:

تقریظ استاذ العلماء حضرت علامہ عبدالرشید رضوی رحمۃ اللہ علیہ **کے اصل حقائق:**

حضرت علامہ رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس تقریظ کی نسبت کئی وجوہ سے غلط ہے۔ بعض وجوہ حسب ذیل ہیں:

نمبر۱: یہ کہ آپ، حضرت محدث اعظم رحمہ اللہ الاکرم کے مرید باصفا اور خلیفہ اجلّ اور اصولاً وعملاً ہر طرح سے ان کے افکار کے وارث وامین اور صحیح ومکمل پاسبان تھے جب کہ حضرت محدث اعظم کا نظریہ وعقیدہ مسئلہ ہٰذا میں وہ نہیں ہے جو اس تقریظ میں مذکور ہے۔ مزید یہ کہ تقریظ میں بالفعل نبوت کو خیالات باطلہ لکھا ہے جس کا مطلب حضرت محدث اعظم کے نظریہ کی معاذ اللہ تغلیط اور ابطال ہے جو صحیح نہیں۔ آپ مشکوٰۃ شریف کے ایک مقام پر حاشیہ میں اس کے برخلاف لکھ کر اس پر اپنے دستخط بھی ثبت فرما گئے ہیں جس سے لگتا ہے کہ آپ نے اپنے نور فراست سے بھانپتے ہوئے موجودہ حالت (مصنف تحقیقات) کے پیش نظر تحریر فرمایا تھا۔ آپ کے لفظ ہیں: ’’لابل الاظهرانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان نبیا فی عالم الارواح کما صرح فی الحدیث متی وجبت لك النبوة یا رسول الله قال وآدم بین الروح والجسد من روایة الترمذی بل الاظهر انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان نبیا بعدالولادة وقبل الولادة من عالم الارواح ولکن ظهر نبوته ورسالته عند الناس بعد البعث بعد الاربعین والتحقیق عند المحققین انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان معصوما فی الاحوال کلها ظاهرها وباطنها قبل البعثة کیف هو صلی الله تعالٰی علیه وسلم نورالله علی الاطلاق ’سردار احمد غفرله‘ فتدبر‘‘۔

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ عالم ارواح میں قبل ولادت اور بعد ولادت ہر زمانہ میں بالفعل نبی تھے چالیس سال کے بعد آپ کی نبوت ورسالت کا ظہور ہوا جس کی ایک دلیل تو ترمذی شریف کی یہ حدیث ہے متی وجبت لك النبوة الخ جو مسئلہ ہٰذا میں صریح ہے یعنی صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ آپ نبی کب سے ہیں؟ فرمایا اس وقت سے کہ جب آدم علیہ السلام بھی ابھی معرض وجود میں نہ آئے تھے۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ ظاہر

و باطن اور قبل و بعد بعثت ہر حال میں محققین کے تحقیقی فیصلہ کے مطابق معصوم تھے آپ کا علی الاطلاق نورِ خدا ہونا بھی اس کا مؤید ہے جب کہ عصمت نبی و رسول کے لیۓ ہوتی ہے غیر نبی کے لیۓ نہیں۔ پس یہ بھی ان ادوار میں آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔ ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ المصابیح عربی' صفحہ ۱۲۸' حاشیہ برحاشیہ نمبر۴' طبع نور محمد دہلی' مخزونہ کتب خانہ حضرت محدث اعظم' محدث اعظم اسلامک یونیورسٹی رضا نگر چنیوٹ' ضلع جھنگ)۔

نمبر۲: اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ باوثوق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت علامہ رضوی صاحب علیہ الرحمۃ اپنے شیخ کریم کے اس زیر دستخطی حاشیہ کی بنیاد پر تحقیقات کے ردّ میں لکھی گئی ایک کتاب کی تائید فرماتے ہوۓ تحقیقات میں دی گئی تقریظ سے اعلان لاتعلقی بھی فرما چکے ہیں۔

نمبر۳: تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ بہت کثیر العلم اور وسیع المطالعہ تھے جب کہ تقریظ میں یہ لفظ ہیں کہ ''امام عبدالشکور سالمی جو حضرت داتا گنج بخش علیہما الرحمۃ کے ہم عصر ہیں' اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی' حضور پیر سیال' حضور غوث اعظم اور حضرت پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ سب کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ اعلان نبوت سے قبل بالقوۃ اور اعلان نبوت کے بعد بالفعل نبی تھے' علامہ سیالوی کی تحقیق کامل و اکمل ہے مخالفین میں سے کسی نے دلائل کے ساتھ اس کا جواب نہیں دیا''۔ (تحقیقات' صفحہ ۱۸)۔

عبارت ہٰذا کا ایک ایک لفظ آپ کی شان علم کے خلاف ہے کیونکہ امام ابوالشکور کو عبدالشکور لکھا ہے نیز جن اکابر کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں سے کسی نے بھی اپنی کسی کتاب میں بھی آپ ﷺ کی نبوت کو ''بالقوۃ'' قرار نہیں دیا جس کے غلط ہونے کے لیۓ اتنا بھی کافی ہے کہ ان اکابر کے بارے میں اتنا بڑا دعویٰ تو کیا گیا ہے مگر اس کا ثبوت مہیا نہیں کیا گیا مصنف تحقیقات بھی اپنی پوری کتاب میں حسب مذکور ان کی کوئی عبارت نہیں لا سکے' مزید ان اکابر سے اس کے برخلاف بھی ثابت ہے جس کی باحوالہ تفصیل گزشتہ اوراق میں کر دی گئی ہے۔

پس حضرت علامہ رضوی جیسے بحر العلم ایسی بے بنیاد بات کو تحقیق کامل و اکمل کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ نیز اس کا یہ جملہ بھی بالکل خلاف واقعہ بات پر مبنی ہے کہ ''مخالفین میں سے کسی نے دلائل کے ساتھ اس کا جواب نہیں دیا'' کیونکہ متعدد علماء اہل سنت نے مختلف طریقوں سے اپنا فرض منصبی پورا فرمایا ہے۔

اصل حقائق:

اب رہی یہ بات کہ آخر یہ تقریظ آ کیسے گئی اس کی کچھ نہ کچھ بنیاد تو ضرور ہو گی؟

تو اس کی مکمل وضاحت مع مالہا و ماعلیہا حضرت کے تلمیذ ارشد فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی محمد نصیر الدین نصیر الحسنی مدظلہ العالی (آف شورکوٹ ضلع جھنگ) نے فقیر کی پیش نظر کتاب پر دی گئی اپنی تقریظ میں

فرمادی ہے جس کے بعد کسی قسم کا کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا۔

مفتی صاحب ارقام فرماتے ہیں: ''کتاب تحقیقات سامنے آئی تو میں نے دانستہ اس کا مطالعہ نہ کیا کہ عظمت محبوب گھٹانے کی کوئی بھی تحریر ہمارے دل پر ایک نشتر سے کم نہیں البتہ اس پر یادگار اسلاف فخر عرب وعجم استاذی المحترم حضرت شیخ العلماء والمحدثین حضرت علامہ محمد عبدالرشید رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ دیکھ کر ضرور چونک گیا اور پھر شاگرد ہونے کے ناطے آپ کی خدمت میں بمعیت حضرت مولانا فاروق سلطان قادری آف جھنگ حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں ازل سے ابد تک ہر لمحہ نبوت ورسالت مصطفیٰ ﷺ کا قائل ہوں۔ تقریظ' سیالوی صاحب کے بار بار اصرار پر کسی طالب علم کو کہا لکھ دے' اس نے لکھ دی۔ کتاب تحقیقات کے مندرجات کو آپ نے قطعاً نہیں پڑھا۔ یہ بات میں خدا اور رسول کو حاضر وناظر جان کر لکھ رہا ہوں اور ببانگ دہل اعلان کرتا ہوں: لعنۃ اللہ علی الکذبین۔

پھر اس کے بعد پیر طریقت حضور پیر فضل رسول صاحب سجادہ نشین محدث اعظم فیصل آباد نے حضرت شیخ الحدیث محمد شریف رضوی آف بھکر کے ہاتھ مشکوٰۃ شریف بھیجی جس کے حاشیہ میں خود حضور محدث اعظم علیہ الرحمۃ نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا کہ تحقیق یہی ہے کہ حضور ﷺ اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی اور رسول تھے۔

جب استاذ محترم نے یہ تحریر دیکھی اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا اور سیالوی صاحب کی تائید وتقریظ سے مکمل رجوع فرمایا۔ ساتھ یہ بھی فرمایا: میرا مذہب وہی ہے جو میرے شیخ کریم محدث اعظم کا ہے۔

اس بات کے عینی گواہان یہ ہیں:

نمبر۱: شیخ الحدیث علامہ محمد شریف رضوی

نمبر۲: علامہ مفتی غلام سرور نقشبندی آف بھکر

نمبر۳: پروفیسر ڈاکٹر عطاء المصطفیٰ آپ کے صاحبزادہ گرامی

ان کے علاوہ جو واقعاتی گواہ ہیں وہ یہ ہیں:

نمبر۱: یہ فقیر' **نمبر۲**: حضرت مولانا مفتی محمد عجیب القادری آف جھنگ' **نمبر۳**: حضرت مولانا فاروق سلطان قادری آف جھنگ۔ **نمبر۴**: شیخ الحدیث محمد سعید قمر جامعہ رضویہ فیصل آباد۔ **نمبر۵**: مفتی اعظم مفتی محمد بخش رضوی جامعہ محدث اعظم چنیوٹ۔ **نمبر۶**: علماء کی ایک کثیر تعداد۔

آپ کی یہ تقریظ رجوع نامہ آپ کی زندگی میں ہی چھپ چکی تھی۔ آپ کا وصال چودہ شعبان

کو ہوا جب کہ کتاب تقریباً یکم شعبان سے بھی پہلے چھپ چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی قل خوانی پہ ہزاروں کے اجتماع میں آپ کے صاحبزادہ گرامی پروفیسر ڈاکٹر عطاء المصطفیٰ کے ایماء پر اس بات کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا جس کے بعد کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی''۔ (اقتباس مکمل ہوا)۔

الغرض ان حقائق کی رو سے تقریظ ہٰذا کو حضرت علامہ رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ کہنا درست نہیں کیونکہ انہوں نے اسے خود نہیں لکھا' پھر اس سے بھی رجوع فرما گئے۔ نیز تحقیقات کے موقف کی تغلیط اور اس امر کا اعلان فرما گئے کہ مسئلہ ہٰذا میں ان کا عقیدہ وہی ہے جو ان کے شیخ کریم کا ہے یعنی آپ ﷺ زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام سے ہر دور میں نبی تھے ولادت باسعادت کے بعد اور بعثت سے پہلے بھی چالیس سال کی عمر شریف میں آپ کی نبوت ورسالت کا ظہور رہا۔ یہ نہیں کہ آپ چالیس کے بعد نبی بنے بلکہ آپ نے اعلان نبوت فرمایا صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارك وسلم اجمعین۔

تقریظ مولانا صالح محمد نقشبندی صاحب سے جواب:

مولانا موصوف سے منکیرہ میں حضرت مولانا مفتی احمد حسن رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں ان کے سالانہ جلسہ میں (جب کہ وہ بقید حیات تھے) ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی بہت سادہ قسم کے معلوم ہوتے تھے۔ رحیم یار خان فقیر کے جامعہ میں تدریس کے لیئے حضرت مفتی صاحب مرحوم کے توسط سے ان سے بات چلی تھی جو بفضلہٖ تعالیٰ رہ گئی تھی۔

○ موصوف نے اپنی تقریظ میں تحقیقات کے دلائل کو مضبوط اور ممکنہ اعتراضات کا تشفی بخش جواب وغیرہ وغیرہ قرار دیا ہے نیز مصنف یا مؤلّف کو محسن اہل سنت لکھا ہے اوران کی کچھ خدمات کا حوالہ بھی دیا ہے۔ (صفحہ ۱۹'۲۱)۔

جواباً عرض ہے کہ اس سب کی حقیقت کو سمجھنے کے لیئے تنبیہات کا مطالعہ فرمائیں پھر انصاف کریں۔

○ نیز اپنے اس بیان کو پختہ کرنے کے لیئے یہ بیان بھی دیا ہے کہ چوبارہ کے کچھ حضرات جو سیالوی صاحب سے نالاں تھے جب قبلہ کا موقف بدلائل سماعت کیا تو بے ساختہ بول اٹھے کہ مسئلہ اب سمجھ آیا۔ اسی طرح آستانہ باروشریف کے صدر مدرس بعد از سماعت دلائل فرمانے لگے تفاسیر اور علامہ نبہانی کی تحریرات پڑھی جاتی ہیں تو سیالوی صاحب کا موقف روشن اور منور ہوجاتا ہے نیز مفتی محمد رفیق الحسنی صاحب نے فرمایا سیالوی صاحب کا موقف پیچیدہ ضرور ہے لیکن بنظر عمیق جائزہ لینے سے حقیقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے۔ (صفحہ ۲۰)۔

جواباً عرض ہے کہ اس میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ چوبارہ والوں کو جو دلائل دیئے گئے تھے وہ کیا تھے تا کہ ان کا جائزہ لیا جاتا۔ نیز ان لوگوں کی علمی حالت بھی مذکور نہیں اور نہ ہی ان کا نام پتہ درج ہے تا کہ ان کو سمجھایا جائے۔

یہی تفصیل بر تقدیر تسلیم آستانہ عالیہ کے صدر مدرس کے بیان کے متعلق ہے کہ انہوں نے تفاسیر اور علامہ نبہانی رحمہ اللہ کی تحریرات کے لفظ تو بولے مگر کوئی عبارت پیش نہیں کی جب کہ علامہ نبہانی قدس سرّہ علی التحقیق سید عالم ﷺ کی نبوت کے قدم کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو تنبیہات' جلد اوّل' باب سوم تا ہفتم۔

رہے مفتی حسنی صاحب؟ تو انہوں نے بھی کوئی دلیل بیان نہیں کی علاوہ ازیں وہ ہیں بھی مؤلّف

تحقیقات کے شاگرد۔

○ موصوف نے اس ضمن میں ''تجلیات بجواب تحقیقات'' پر بھی تنقید کی اور مجیب لبیب کو ''آنکھیں اگر بند ہوں تو پھر دن بھی رات ہے'' والا شعر بھی سنایا ہے اور آگے یہ کہہ کر کہ ''ایسی معظم ہستی کے ساتھ اردو خواں طبقہ الجھا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ کتب درس نظامی کا ادراک تو کجا مبتدی کتب سے استفادہ جن کے بس کا روگ نہیں'' مزید اشعار کے ضمن میں انہیں ''کرگس'' اور ''شپرہ چشم'' (گدھ اور چمگادڑ) کی گالیاں بھی سنائی ہیں۔ (صفحہ ۲۰'۲۱)۔

جواباً عرض ہے موصوف کے انداز بیان سے ایسے لگتا ہے کہ جیسے وہ مصنف کے بلا اجرت وکیل (بلکہ زرخرید اور ''بہتیں بدّ ھے'' غلام) ہوں اس لیئے وہ قصیدہ خوانی پہ قصیدہ خوانی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ناموافقین کو منہ بھر گالیاں سناتے ہوئے غلط بیانی سے بھی کام لے رہے ہیں۔

جھوٹ یہاں سے واضح ہے کہ موصوف کے ممدوح کے مقابلہ میں فضلاء درس نظامی میں سے کوئی بھی نہیں ''محض اردو خواں طبقہ'' ہے۔

نیز وہ صفحہ ۲۰ پر ان کے بارے میں مخالفین علماء کرام کے لفظ لکھ آئے ہیں۔ پھر بالفرض ایسا بھی ہوتو بحث جب مسئلہ خاص میں ہے تو اس کے حوالہ سے مَنْ قَالَ کی بجائے مَاقَالَ کو دیکھا جانا قرین انصاف تھا۔ پس اسی طرز پر یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مقرظ اوران کے امثال جنہیں ضَرَبَ یَضْرِبُ کی رٹ پر بڑا گھمنڈ ہے انہیں اتنا فاضل بننے کا کیا فائدہ ہوا کہ امام الانبیاء ﷺ کی نبوت مقدسہ جو تمام فضائل کا سرچشمہ ہے' کا مسئلہ سمجھ نہ آسکا اور وہ اس کے انکار کو مایۂ افتخار گردانتے لگے ہیں۔

اس سے تو بقول ان کے وہ ''اردو خواں طبقہ'' بھی صحیح رہا (جس نے ''ان کی اس درس نظامی'' کے ایسے سبق نہ پڑھے کہ دماغ بھی گھوم جائے) جو اپنے آقاء ومولیٰ ﷺ کی عظمت نبوت کا پاسبان بنا ہوا ہے۔ مولانا! جس گلستان سعدی سے آپ ''شپرہ چشم'' والے لفظ نقل کر گئے ہیں' اسی میں یہ بھی لکھا ہے ع علمے کہ راہ بحق نہ نماید جہالت است۔

○ نیز موصوف نے اپنے مخالفین کا یہ شکوہ کرتے ہوئے کہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کے پیروکار ہیں مگر آپ کے نقش قدم سے ہٹے ہوئے ہیں کیونکہ آپ نے اپنے مخالفین کی گستاخانہ عبارات پر مناظروں کے لیئے انہیں ازخود بلایا' خطوط اور نمائندے بھیجے' یہ چیلنج بھی کیا ہے کہ ایک بندہ زندہ سلامت موجود ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ آؤ میرے ساتھ اس مسئلہ پر بات کرو لیکن نہ کوئی ان کے پاس جا رہا ہے اور نہ ہی کوئی

انہیں اپنے پاس آنے کی دعوت دینے کے لیئے تیار ہے۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ حضرت نے بار باراس بات کو دہرایا ہے کہ میرے موقف کے خلاف کسی مسلمہ بزرگ کے ارشادات پیش کردواور مجھے اس بارے میں قائل کردتو میں رجوع کرنے کے لیئے تیار ہوں۔ حضرت کے موقف کے مخالفین علماء کرام سے نہایت ادب کے ساتھ درخواست ہے کہ اہل سنت پر رحم فرمائیں اور جو دلائل ان کے پاس اپنے موقف کے ہیں ان کو سامنے لائیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے اور جس فریق کا موقف درست نہ ہو وہ رجوع الی الحق (جو کہ اہل حق کا شیوہ رہا ہے) سے گریز نہ کریں۔ (صفحہ۱۹‘۲۰)۔

جواباً عرض ہے کہ موصوف اپنے ممدوح کو عجلت میں گستاخان نبوت سے تشبیہ دے گئے ہیں۔ سبحان اللہ

رہا مصنف سے اس مسئلہ پر بات کرنے کا معاملہ؟ تو مولانا نے اسے جس انداز سے لیا ہے' بالکل خلاف واقعہ ہے دیگر بیسیوں علماء اہل سنت کی اس سلسلہ کی متعدد کاوشوں سے قطع نظر فقیر راقم الحروف (عبدالمجید سعیدی رضوی)۔آپ بیتی بیان کرتے ہوئے عرض پرداز ہے کہ میں خود یہ سب طریقے اپنا چکا ہوں اور ۲۰۰۷ء کے اوائل سے لے کران کی تحقیقات کی اشاعت اوّل (اپریل ۲۰۱۰ء) تک وقتاً فوقتاً تسلسل کے ساتھ کوشاں رہا ہوں جب مایوسی ہوئی تو علماء اہل سنت لاہور کے مشورہ سے مراسلات کی فائل کو''دعوت رجوع'' کے نام سے شائع کرایا اور تنبیہات بجواب تحقیقات تحریر کی جس کی جلد اوّل مطبوع ہوکر مارکیٹ میں آچکی ہے اوراس کا ایک نسخہ مولانا موصوف کے ممدوح کو بھی پہنچ چکا ہے۔ مکمل تفصیل دعوت رجوع نیز تنبیہات کے اوائل میں دیکھی جاسکتی ہے مولانا اپنے ممدوح سے بھی پوچھ سکتے ہیں کہ ایسا ہوا یا نہیں؟

مولانا پھر بھی نہ مانیں اور وہ اپنی اس تحریر میں مخلص اوراس پر قائم ہوں تو اتمام حجت کے طور پر ان کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ایک بار پھر لکھ کر دے رہا ہوں کہ مصنف تحقیقات جب چاہیں' جہاں چاہیں ہم سے گفتگو کرلیں۔

طریق کار یہ ہوگا کہ مقرظ موصوف مولانا صالح محمد نقشبندی صاحب' مصنف تحقیقات سے اس پر آمادگی کی تحریر مہیا کریں گے۔ اس کے بعد موضوع وغیرہ کے حوالہ سے متعلقہ شرائط طے ہوں گی پھر جگہ اور وقت کی تعیین ہوگی اور میدان لگ جائے پھر ان شاء اللہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔

مگر سابقہ تجربات کی رو سے ہم پیشگی کہے دیتے ہیں کہ مولانا صالح صاحب کی بھی یہ سب ہوائی باتیں ہیں انہوں نے یہ کام نہ کیا تھا نہ کیا ہے' نہ کریں گے اور نہ ہی کرسکیں گے۔ بے شک طبع آزمائی کرکے دیکھ لیں۔ ہمیں گوی وہمیں میداں۔ دیدہ باید۔

تقریظ مولانا محمد حیات باروی صاحب **سے جواب**:

○　یہ بھی تقریظ نہیں ہے بلکہ مصنف سے عقیدت کی بناء پر قصیدہ خوانی ہے جس کی خود انہوں نے بھی وضاحت کردی ہے۔چنانچہ ان کے لفظ ہیں: ''بندہ خود کو کسی تقریظ وتائید کے قابل نہیں سمجھتا''۔(صفحہ ۲۳)۔

عقیدت کا اندازہ یہاں سے کیا جاسکتا ہے کہ خود ان کے بقول لوگ انہیں اور ان کے رفقاء کار کو ''سیالوی اینڈ کمپنی سے موسوم'' کرتے ہیں۔

نیز مصنف اور کتاب کی تعریف کے انہوں نے پل باندھ دیئے اور ان کے ناموافقین کو جی بھر کر گالیاں دی ہیں جو عقیدت نہیں تو اور کیا ہے؟

چنانچہ ان کی تعریف میں بڑی چھلانگیں لگاتے ہوئے ان کی مجددیت کا قول بھی کر گئے ہیں (صفحہ ۲۷) حالانکہ مجدّد باشرائط عالم مصلح ہوتا ہے جو دین پر ڈالے گئے غبار کو ہٹاتا ہے جب کہ یہاں شرائط کجا بنیادی شرط بھی مفقود ہے کیونکہ یہاں غبار ڈالا گیا ہے جو اصلاح نہیں فساد ہے اور اس سے بڑھ کر فساد کیا ہوگا کہ معاذ اللہ عظمت نبوت پر حملہ کیا جائے۔

نیز ان کی توہین کو کفر کہہ گئے ہیں (صفحہ ۲۲) حالانکہ علماء کی وہ توہین کفر ہوتی ہے جو بحیثیت عالم دین ہو یہاں اگر کسی کی طرف سے ایسا کچھ ہوا ہے تو سرکار ﷺ کی ثابت شدہ فضیلت وعظمت سے انکار اور بغاوت کی بنیاد پر ہوا ہے۔لہٰذا ان کا رد کرنے والوں نے کوئی جرم نہیں کیا اہم فریضہ سرانجام دیا ہے۔

نیز یہ بھی لکھ گئے کہ ''میرے نزدیک ان علماء مشاہیر سے ہیں جن کا قول ہمارے لیۓ قول فیصل ہے''۔(صفحہ ۲۳)۔

تو چاہیۓ کہ باروی صاحب اصول فقہ اربعہ کی بجائے خمسہ گنا کریں اور حنفی کی بجائے فقہ اشرفی کے مقلد کہلایا کریں۔

کتاب کے بارے میں رقم کیا ہے کہ ''تحقیقات'' مینارۂ نور ہے اور ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کا مصداق ہے'' (صفحہ ۲۴)۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا درجہ قرآن کے برابر ہے کیونکہ ان کی بیان کردہ شان تو صرف قرآن

مجید کی ہے قال اللہ تعالیٰ اولم یکفھم انا انزلنا علیك الکتاب یتلی علیھم۔

نیز مصنف سے بطریق آخر اظہار عقیدت کرتے ہوئے ان کے ناموافقین پر (مولوی صالح محمد صاحب سے چند قدم آگے بڑھ کر) خوب برسے ہیں اور کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی زبان استعمال کرتے ہوئے آپ ضفادع البیر' بھینس' جن کا مدار محض مفروضے' قصے کہانیاں' نام نہاد مناظر ومحقق' نابلد' عقل کے بونے اور بکنے والے تک کے الفاظ استعمال فرما گئے ہیں جس پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ الی اللہ المشتکی۔ وکل اناء یترشح بما فیه۔

مذکورہ الفاظ میں موصوف نے جنہیں نام نہاد مناظر ومحقق قرار دیا ہے ان کے متعلق بین القوسین (خود لکھ دیا ہے) نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا) (صفحہ ۲۴)۔

اس لیئے ہم بھی مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتے جب کہ یہ ایک حقیقت واقعیہ ہے کہ راقم الحروف کو ان سے اس سلسلہ میں کجا کسی بھی مسئلہ میں تحریراً تقریراً کبھی کوئی واسطہ نہیں پڑا۔

○　نیز موصوف کئی تعارضات کے شکار بھی ہوئے ہیں چنانچہ ایک طرف اپنے ناموافقین کو قصے کہانیوں والے اور عقل کے بونے قرار دیتے ہیں نیز یہ بھی کہ وہ نقض ومنع' دلیل وشاہد' مناظرہ، مکابرہ، معارضہ اور مجادلہ وغیرہا کی تعریفات سے بھی نابلد ہیں (صفحہ ۲۵)۔

پھر انہی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: "اے ممبر ومحراب کے وارثو' اور اے اصحاب حل وعقد" (صفحہ ۲۸)۔

نیز فرماتے ہیں کہ: "جب ان معترضین سے کہا جائے کہ آیئے سیالوی صاحب سے بالمشافہ ملاقات کر کے افہام وتفہیم کرلیں تو آئیں بائیں شائیں کرتے ہیں" (صفحہ ۲۶)۔

جب کہ اپنے اسی قلم سے لکھتے ہیں: "علامہ سیالوی پر تنقید کرنے والے کے لیئے ضروری ہے کہ ریسرچ ومہارت میں ان کے ہم پلہ ہی نہیں عالی مرتبت ہو"۔ (صفحہ ۲۵)۔

نیز لکھا ہے کہ "ہمارے تمام نظریات کا مأخذ ومنبع ادلہ شرعیہ ہیں" (صفحہ ۲۳) جب کہ اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ "علامہ سیالوی میرے نزدیک ان سے ہیں جن کا قول ہمارے لیئے قول فیصل ہے (کلہ ملخصاً)۔ (صفحہ ۲۳)۔ سبحن اللہ۔

اقول: جب وہ ہیں ہی بحث سے بالاتر تو ان سے بحث کی دعوت چہ معنیٰ؟ تو کیا یہ نہ کھیلنے والی بات نہیں؟

○ دلیل کی باری میں موصوف نے صرف اتنا لکھا ہے کہ: ''متعلقہ موضوع پر مسلک حقہ کی جس کتاب کو اٹھایا علامہ سیالوی صاحب کے موقف کا مؤید اور ان کے حق میں ناطق پایا'' (صفحہ۲۲)۔

کس کتاب کو اٹھایا اس کی عبارت کیا تھی' کس طرح مؤید اور ناطق تھی؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے اس لیئے مزید کچھ کہنا بھی ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ آخر اس کے بغیر جواب دیا جائے تو کس امر کا؟

○ رہا یہ کہنا کہ تحقیقات کے نام سے ظاہر ہے کہ حضرت علامہ سیالوی کسی نئے نظریہ کے بانی نہیں کہ ان کو موضوعِ سخن بنایا جائے۔ (ملخّصاً)۔ (صفحہ۲۲)؟

تو یہ غلط ہے اگر یہ درست ہو تو کوئی بھی شخص کوئی غلط مسئلہ لکھ کر اسے تحقیقات کے نام سے شائع کر دے تو اسے بھی صرف تحقیقات نام کی بنیاد پر صحیح مان لیا جائے۔ اسے کوئی بھی ذی علم مصنف مزاج درست قرار نہیں دے سکتا۔

علاوہ ازیں یہ بھی غلط ہے کہ موصوف کے ممدوح ''کسی نئے نظریہ کے بانی نہیں'' کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مسئلہ ہٰذا میں نئے نظریہ کے بانی ہیں ورنہ سلف میں ان کے موقف کے مطابق کون اس کا قائل تھا کہ حضور سید عالم ﷺ کو زمانہ قبل تخلیق آدم علیہ السلام میں بالفعل نبی بنا کر ارواح انبیاء و ملٰئکہ کرام علیہم السلام کے لیئے مربی و مفیض فرمایا گیا پھر بعد از تخلیق آدم علیہ السلام آپ کی وہ نبوت آپ سے چھین لی گئی یا کالعدم اور غیر معتبر قرار دی گئی پھر بعد از ولادت با سعادت آپ بالقوۃ نبی قرار دیئے گئے۔ یہی حالت چالیس سال کی عمر شریف تک رہی اس کے بعد آپ کو بالفعل نبی بنایا گیا؟؟؟ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیئے۔ ہمت کر کے صرف ایک ہی مستند حوالہ پیش کر دیں۔

○ آخر میں باروی صاحب نے تجویز دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''آیئے آج بھی کسی ایسے محقق مجدد پر متفق ہو جائیں جس کا قول پوری سنیت کے لیئے قول فیصل ہو' علامہ سیالوی صاحب کو مرافعت سے تأمل نہ ہوگا۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو مسلمہ اکابرین شاہ عبدالحق محدّث دہلوی' امام اہل سنت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی وغیرہما سے کسی کو فیصل مان لو' دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا''۔ (صفحہ۲۸)۔

اس کے بعد یہ دعائیہ کلمات لکھے ہیں: ''اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه'' (صفحہ۲۸)۔

جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد' سید عالم ﷺ کو چالیس سال سے پہلے نبی ماننا باطل یعنی کفر ہے کہ اسے حق کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔

پھر چونکہ مذکورہ تجویز کے ساتھ اس کو لایا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ حضرت شیخ محقق اور اعلیٰ حضرت رحمہما اللہ دونوں کا عقیدہ بھی یہی تھا تو طے ہو گیا آپ اوپر دی گئی تفصیل کو اس کے ساتھ ملا کر شیخین جلیلین دونوں یا ان میں سے کسی ایک کی اس مضمون کی صاف صریح صحیح ثابت عبارت دکھا دیں۔ تحریراً ہو خواہ تقریراً۔ ہم ہر طرح سے تیار ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر اگر یہ نہ دکھا سکیں اور ان شاء اللہ کبھی نہیں دکھا سکیں گے تو حسب وعدہ اپنے ممدوح سے رجوع کرائیں اور آپ بھی سب ان کے ساتھ تائب ہو جائیں اور یہ تو آپ ابھی سے لکھ کر دے چکے ہیں کہ ''مسلمہ اکابرین سے سرمو انحراف نہ کرنے والا ہی سنی بریلوی کہلاتا ہے'' (صفحہ ۲۲)۔

نیز آپ کی بیعت اگر مجاہد اعظم حضرت خواجہ فقیر محمد صاحب باروی مدظلہ العالی سے ہے تو اس کی بھی فکر کریں کہ آپ کا سلسلہ بھی باقی ہے یا منقطع ہو چکا ہے کیونکہ حضرت خواجہ صاحب' آپ لوگوں کے اس موقف کو ردّ فرماتے ہیں۔

تقریظ مفتی غلام حسن صاحب سے جواب:

موصوف نے صرف مصنف سے ہم آہنگی ظاہر کرتے ہوئے کتاب کی توثیق کرنے پر ہی اکتفاء کیا ہے مزید کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

ان کے لفظ ہیں: ''فقیر نے اشرف العلماء کی تازہ کتاب تحقیقات دیکھی۔ دلائل باہرہ سے مزین پایا' حضرت نے اس مسئلہ پر تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ اپنے موقف پر نا قابل تردید دلائل جمع فرمانے کے ساتھ ساتھ تمام ممکنہ اشتباہات کے شافی جواب بھی سپرد قلم فرمائے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

فقیر اس مسئلہ میں مکمل طور پر آپ کے موقف سے اتفاق کرتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو فہم ثاقب عطا فرمائے اور انا کی چار دیواری سے نکل کر فہم حق کی دولت حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ (ملخصاً بلفظہ)۔ (تحقیقات' صفحہ ۲۹)۔

اقول: بناءً علیہ تحقیقات کے موقف کا ردّ و تغلیط ان کی تقریظ کا بھی ردّ تغلیط ہیں کیونکہ بنیاد نہ رہے تو اس کے سہارے قائم کی گئی عمارت خود بخود زمین بوس ہو جاتی ہے جو ہم بفضلہٖ تعالیٰ نہایت ٹھوس اور وزنی دلائل سے ثابت کر چکے۔ فحصل ما اردناہ۔

مزید یہ کہ مفتی غلام حسن صاحب موصوف اس سے کافی پہلے اپنی کئی کتب میں کئی مقامات پر اس کے برخلاف لکھ کر دے چکے ہیں اور اب اس کے برعکس کو صحیح فہم کی بات اور حق قرار دے رہے ہیں گویا وہ مصنف تحقیقات کے اس مسئلہ میں حلیف ہیں جب تک وہ اس کے قائل رہے تو یہ بھی اسی کا پرچار کرتے رہے اور جب انہوں نے اس سے انحراف کیا تو یہ بھی اس کے لئے پہلے سے تیار کھڑے تھے پس ان سے بھی یہی سوال ہوگا جو مصنف تحقیقات سے کیا گیا کہ آپ کا نظریہ پہلے والا صحیح تھا یا اب والا صحیح ہے یعنی یہ فیصلہ خود کرلیں کہ ایمان پر پہلے تھے یا اب ہیں۔ باقی احکام کی تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ آپ کو معلوم ہیں۔ خود غور کرسکتے ہیں

ع　　ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

بہر حال خدا کا خوف کریں مصنف تحقیقات کا ساتھ اسی دنیا تک ہے وہ بھی باعث پریشانی۔ قبر و آخرت میں تو سرکار ﷺ ہی کام آئیں گے اب بھی وقت ہے جو غلطی ہوگئی ہے اپنے لفظوں میں ''انا کی چار

دیواری سے نکل کر' اس سے فوری تائب ہو جائیں۔ اسی میں وقار ہے اور اسی میں بہتری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

چنانچہ موصوف نے مسئلہ ہٰذا کے حوالہ سے تقریظ سے پہلے کے دور میں لکھا تھا کہ: ''محدث ابن جوزی نے نورِ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے متعلق متعدد ایمان افروز روایات نقل فرمائی ہیں لیکن میں یہاں مزید صرف ایک روایت درج کرنے پر اکتفاء کروں گا (آگے عبارت ابن جوزی نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے) سیدنا آدم علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ اپنے محبوب محمد ﷺ کے صدقے مجھے معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے آدم! تو نے محمد (ﷺ) کو کیسے پہچانا؟ عرض کیا میں نے جنت میں ہر جگہ لا الٰـــہ الا اللہ مـحـمـد رسـول اللہ لکھا دیکھا ہے تو اس سے میں نے جان لیا کہ تیری بارگاہ میں یہ ہستی ساری مخلوق سے زیادہ مکرم ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے''۔ (جدوں آدم گارے وچ سی۔ محمد او دوں تارے وچ سی) ﷺ

ملاحظہ ہو (شانِ مصطفیٰ ﷺ بزبانِ مصطفیٰ ﷺ صفحہ ۱۳۴ طبع مشتاق بک کارنر اردو بازار لاہور)۔

نیز زمانۂ حمل شریف کے حوالہ سے ''نبیوں کی بشارتیں'' کا عنوان دے کر لکھا ہے کہ پہلے مہینے حضرت آدم علیہ السلام نے تشریف لا کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ابشری فقد حملت بسید المرسلین اے آمنہ تجھے بشارت ہو تو تمام رسولوں کے سردار کی حاملہ (امانتدار) ہے۔

پھر دوسرے ماہ سے نویں ماہ تک ہر ماہ بالترتیب حضرت شیث' حضرت نوح' حضرت ادریس' حضرت ہود' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے تشریف لا کر بشارت دی جو بشارت دینے سے قبل مختلف القابات دے کر یوں سلام بھی پڑھتے تھے السلام علیك یارسول اللہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بشارت کے الفاظ اس طرح تھے ابشری فقد حملت بخاتم النبیین تمہیں بشارت ہو کہ تم تمام انبیاء کرام کے بعد آخری نبی تشریف لانے والے کی امانتدار ہو۔ (ملخّصاً)۔

ملاحظہ ہو (تقریری نکات' صفحہ ۱۸۴' ۱۸۵ بحوالہ نعمت کبریٰ لابن حجر المکی۔ میلاد النبی ﷺ لابن الجوزی' نزھۃ المجالس للصفوری' اکرام محمدی لعبدالستار' طبع کرمانوالہ بک شاپ دربار مارکیٹ لاہور)۔

نیز لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی پشت مبارک پر مہر نبوت تھی جس پر اتفاق ہے کہ کسی نے بھی انکار نہ کیا اختلاف صرف مقام تعین وہیئت و جسامت میں ہے۔ اس پر بروایت حضرت صفیہ' حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تھا۔ حجر اسود و کعبہ جان و دل۔ یعنی مہر نبوت پہ

لاکھوں سلام (ملخّصاً)۔

ملاحظہ ہو (تقریری نکات' صفحہ ۱۸۸' بحوالہ معارج النبوۃ مولد العروس ' شواھد النبوۃ واکرام محمدی۔ نیز شان مصطفیٰ ﷺ صفحہ ۹۳۷' ۹۳۸' بحوالہ حاکم' خصائص کبریٰ' مسلم شریف ونشر الطیب)۔

نیز امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ سلام کے اس شعر "پہلے سجدے پہ روز ازل سے درود۔ یادگاریٔ امت پہ لاکھوں سلام" کی توثیق کرتے ہوئے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ: "حضور علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی سر سجدے میں رکھا دوسری روایات میں ہے کہ یہ دعا فرمائی اللھم رب ھب لی امتی۔ اے اللہ میری امت کو بخش دے (ملخّصاً بلفظہ)۔

ملاحظہ ہو (شرح حدائق بخشش' صفحہ ۱۰۳۷' ۱۰۳۸ طبع مشتاق بک کارنر' اردو بازار لاہور)۔

نیز لکھتے ہیں کہ: حضرت صفیہ فرماتی ہیں میں نے آپ کے منہ مبارک سے کان لگائے تو فرما رہے تھے اُمّتیِ اُمّتیِ ؎

یا رب امتی یا رب امتی کرے سوال دعائیں
بخش کریما بخش کریما میری امت تائیں

(ملخّصاً) ملاحظہ ہو (تقریری نکات' صفحہ ۱۸۷' بحوالہ معارج النبوۃ' اکرام محمدی)

نیز کہتے ہیں کہ: محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ (الٰی) بوقت پیدائش آپ ﷺ کا ہمیں ایک بار امتی کہہ کر یاد فرمانا اس کے بدلے اگر ہم ساری زندگی بھی یارسول اللہ کا نعرہ لگاتے رہیں تو آپ کے احسان کا شکریہ ادا نہ ہو سکے ؎

جن کے لب پہ رہا امتی امتی یاد ان کی نہ بھولو نیازی کبھی
وہ کہیں امتی تو بھی کہہ یا نبی میں ہوں حاضر تیری چاکری کے لیۓ

ملاحظہ ہو (تقریری نکات' صفحہ ۱۸۷' طبع مذکور)۔

علاوہ ازیں سید عالم ﷺ کی پھوپھی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ فرماتی ہیں ولادت باسعادت کے وقت میں خدمت کے لیۓ حاضر تھی میں نے اس وقت مشاہدہ کیا' سب سے پہلے آپ نے سجدہ فرمایا۔ فصیح وبلیغ زبان میں لا الہ الا اللہ انی رسول اللہ پڑھا (ملخّصاً)۔

ملاحظہ ہو۔ (تقریری نکات' صفحہ ۱۸۷' طبع مذکور)۔

نیز پیدا ہوتے ہی یہ کلام بھی فرمایا: اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحن اللہ بکرۃ

واصیل ا۔(کتاب مذکور صفحہ ۱۸۸)۔

اقول: یہ سب عبارات' سید عالم ﷺ کے پیدائشی نبی ہونے کی دلیل ہیں نیز یہ کہ مقرظ صاحب پہلے اس کے قائل تھے جسے وہ ثابت مانتے تھے اور اس کا پرچار بھی کرتے تھے۔ اس امر کی مزید دلیل ان کی وہ عبارات بھی ہیں جن میں آپ ﷺ کے قبل از اعلان نبوت' ظاہر ہونے والے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ معجزات نبی کے ہوتے ہیں غیر نبی کے نہیں جنہیں خود بھی انہوں نے ''علامات نبوت کا ظہور'' کا عنوان دے کر لکھا ہے۔

ملاحظہ ہو(شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ۳۱۱)۔

بعض معجزات یہ ہیں: آپ ﷺ ایک دن میں اتنا بڑھ جاتے جتنا دوسرے بچے ایک ماہ میں اور مہینے میں اتنا جتنا ایک سال میں بڑھتے تھے۔(شرح حدائق بخشش صفحہ ۱۰۳۸' بحوالہ الوفاء)۔

نیز ہبل بت منہ کے بل گر گیا دیگر تمام بت بھی گر گئے۔ ہبل سے آواز بلند ہوئی وہ اس مبارک مولود کی ولادت کی وجہ سے گر گیا ہے۔(تقریری نکات' صفحہ ۱۸۵' شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ۳۱۲)۔

نیز کعبہ شریف نے مقام ابراہیم علیہ السلام کی جانب سجدہ میں گر کر اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے ہوئے کہا آج میں مشرکوں کی نجاست سے پاک ہو گیا مجھے ان سے پاک کرنے والا محبوب تشریف لے آیا' نیز تین دن تک بیت اللہ وجد میں رہا۔(تقریری نکات' صفحہ ۱۸۴)۔

نیز آپ ﷺ کی ولادت مبارک کے وقت آپ کا نور مشرق سے مغرب تک اور زمین سے آسمان تک پوری کائنات میں پھیل گیا۔(تقریری نکات' صفحہ ۱۸۹)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کی تمام عورتوں کے لیۓ اس سال مقدر کر دیا کہ وہ میلاد والے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کی برکت سے لڑکے جنیں۔(تقریری نکات' صفحہ ۱۸۴)۔

نیز آپ کی برکت سے حضرت حلیمہ کے گھر میں دودھ کی نہریں جاری ہو گئیں جن بکریوں نے کبھی دودھ نہ دیا تھا' ان کا دودھ اب ختم ہی نہیں ہوتا تھا' ہر جانور کا تھن دودھ کا منبع بن گیا۔(شرح حدائق بخشش' صفحہ ۱۰۳۸)۔

''بکریاں خوب موٹی تازی ہو کر آتی تھیں لوگ پوچھتے ایک ہی جگہ پر چرنے جاتی ہیں ہماری بکریاں اتنی صحت مند نہیں۔ آپ فرماتی تھیں چرتی تو ایک ہی چراگاہ میں ہیں مگر تمہارے چرانے والے اور ہیں میرا چرانے والا اور ہے۔(شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ۳۱۱)۔

نیز حضرت حلیمہ کی اپنی اولاد بھی چونکہ آپ کے دودھ میں شریک تھی اس لیۓ آپ صرف ایک ہی طرف

سے دودھ پیتے جتنی بھی بھوک ہوتی کبھی دوسری طرف کا دودھ نہ پیتے۔ یہ آپ کا عدل وانصاف ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ آپ اپنے بہن بھائیوں کا حق مارتے رہے۔ (ملخصاً)۔ (شرح حدائق' صفحہ ۱۰۲۸)۔

نیز عورتوں نے حضرت حلیمہ سے پوچھا تیرے گھر میں ساری رات روشنی کس چیز کی ہوتی ہے؟ فرمایا قسم بخدا ہم کوئی چراغ وغیرہ تو نہیں جلاتے بلکہ آپ ﷺ کے چہرے کی روشنی ہوتی ہے۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ۳۱۳)۔

نیز آپ کا جھولا فرشتے جھولاتے تھے۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ۳۱۲' تقریری نکات' صفحہ ۱۸۹)۔

نیز حضرت حلیمہ فرماتی ہیں سورج کی طرح ایک نور روزانہ آپ پر اترتا کچھ دیر کے بعد چھٹ جاتا۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ۳۱۱)۔

نیز حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کی نبوت کی علامات نے مجھے دعوت اسلام دی میں آپ کو جھولے میں دیکھا کرتا تھا کہ آپ چاند سے باتیں کرتے تھے اور آپ جدھر انگلی مبارک کا اشارہ فرماتے چاند ادھر ہی جھک جاتا تھا۔ فرمایا ہاں چاند مجھ سے اور میں اس سے باتیں کرتا' وہ میرا دل بہلاتا تھا۔ جب وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا تو میں اس کے سجدہ کرنے کی آواز بھی سنتا تھا۔ ایک روایت میں سورج کے لفظ بھی ہیں نیز ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ واللہ میں لوح محفوظ پر چلنے کی آواز بھی سنتا تھا۔ (ملخّصاً)۔ (تقریری نکات' صفحہ ۱۸۹' نیز شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ۳۱۱)۔

شان مصطفیٰ ﷺ صفحہ ۳۱۱ پر امام اہل سنت کے ان اشعار سے بھی استناد کیا ہے:

ے　چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
　　کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
ے　کھیلتے تھے چاند سے بچپن میں آقا اس لئے
　　خود سراپا نور تھے وہ تھا کھلونا نور کا

نیز نشو ونما حیرت انگیز تھی دوسرے ہی مہینے ہاتھوں اور قدموں کے بل چلنا شروع کر دیا تیسرے مہینے کھڑے ہو گئے چوتھے ماہ دیوار پکڑ کر چلنے لگے اور پانچویں مہینے کسی سہارے کے بغیر چلنا شروع کر دیا آٹھویں مہینے بولنا شروع کر دیا نویں مہینے فصیح کلام فرمانے لگے۔ سب سے پہلے یہ کلام فرمایا اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا الخ۔ حضرت حلیمہ اکثر یہ الفاظ سنا کرتی تھیں لا الٰہ الا اللہ قدوسا قدوسا نامت العیون والرحمن لا تاخذہ سنتۃ ولا نوم۔ جب بھی کسی چیز کو پکڑتے تو بسم اللہ پڑھ کر پکڑتے (ملخّصاً)۔

ملاحظہ ہو۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ٣١٠' ٣١١)۔

نیز جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تو فوراً بادل سایہ کر دیتا آپ چلتے تو چل پڑتا رکتے تو ٹھہر جاتا (ملخصاً)۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ٣١١' ٣١٢)۔

نیز جانور آپ کے قدموں کو بوسہ دیتے۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ٣١٢' ٣١٣)۔

نیز ہر درخت پتھر سلام کہتا۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ٣١٣)۔

حضرت حلیمہ سلام کی آواز خود سنا کرتیں۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ٣١٣)۔

نیز سخت پتھر پر کھڑے ہوتے تو آٹے کی طرح نرم ہو جاتا۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ٣١٣)۔

نیز درخت اپنی ٹہنیاں خود بخود جھکا دیتے تا کہ بکریاں تنے کھالیں اور آپ کو زحمت نہ ہو۔ (ملخصاً)۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ٣١٣)۔

نیز کنویں پہ بکریوں کو پانی پلانے جاتے تو پانی خود ہی کناروں تک آ جاتا۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ٣١٣)۔

نیز ایک مرتبہ مکہ میں شدید قحط پڑ گیا قریش مکہ مل کر جناب ابوطالب کے پاس آئے کہ نکلو خدا سے مینہ مانگیں آپ ان دنوں ان کے زیر کفالت تھے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں ان دنوں مکہ میں تھا ابوطالب آپ کو ساتھ لے کر نکلے' بیت اللہ شریف پہنچ کر آپ کی پشت مبارک دیوار کعبہ کے ساتھ لگا دی' آپ نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا حالانکہ اس وقت بادل کا نام ونشان تک نہیں تھا' اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ ادھر ادھر سے بھی بادل آ گئے اور اتنا برسے کہ جنگل بھر گئے اور شہری ودیہاتی خوب سیراب ہوئے۔ ابوطالب نے اپنے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ وابیض لیستقی الغمام بوجھہ الخ۔ (ملخصاً)۔ (شان مصطفیٰ ﷺ' صفحہ ٢٣٦)۔

الغرض مقرظ موصوف نے اپنی تحریرات میں حضور والا ﷺ کے ان کمالات ومعجزات کو ''علامات نبوت'' مانا ہے جس سے ان کے موجودہ نظریہ کی نفی ہوتی ہے۔

مزید اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ موصوف کی تصریحات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو رسول کہہ کر آپ کی بعثت کی دعا فرمائی نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ کو نبی رسول کہہ کر آپ کی بشارت دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے آخر الزمان کہہ کر آپ کا ذکر فرمایا جب کہ مسلمانان بنی اسرائیل اس زمانہ میں آپ کے وسیلہ سے اس طرح دعا کیا کرتے تھے۔ اللھم انصرنا بالنبی المبعوث فی اٰخر الزمان اے اللہ! اس آخر الزمان نبی کے صدقے ہمیں فتح دے (ملخصاً)۔ (تقریری نکات' صفحہ ٢٧٤' ٢٧٥) وتفصیل وجہ الاستدلال قد مر فی الجلد الاول)۔

علاوہ ازیں ان کے ان الفاظ سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے کہ ''علماء اصول نے نبی اور رسول میں فرق کیا ہے۔ نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر وحی اتری الخ۔ (تقریری نکات' صفحہ ۴۰۵)۔ جب کہ اعلان نبوت سے قبل آپ ﷺ پر وحی خفی کا نزول ثابت ہے جس کی تفصیل تنبیہات' جلد اوّل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

نیز ان کے یہ لفظ بھی مانحن فیہ کا ثبوت ہیں کہ: حضرت شفاء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ کے یہ حالات اور کمالات (معجزات وقت ولادت باسعادت) ہمیشہ میرے دل میں محفوظ رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اور میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لائی۔ (ملخّصاً)۔

ملاحظہ ہو (تقریری نکات' صفحہ ۱۸۸)۔

اقول: یعنی کل تک موصوف کا عقیدہ یہ تھا کہ آپ ﷺ پیدائشی نبی تھے چالیس سال کی عمر شریف میں آپ نے ''اعلان نبوت'' فرمایا۔ نبی بنے نہیں۔

علاوہ ازیں تابوت میں آخری کیل کے طور پر مانحن فیہ کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ موصوف نے حضرت محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی استناد کیا ہے جیسا کہ ابھی کچھ پہلے گزرا ہے جب کہ حضرت' آپ ﷺ کے پیدائشی نبی ہونے کے قائل تھے جس کی ایک دلیل تو وہی ہے جسے خود مقرظ صاحب نے آپ سے نقل کیا ہے کہ سید عالم ﷺ نے ولادت باسعادت کے وقت اپنی امت کے لیۓ دعا مغفرت فرمائی۔

مزید دلیل مشکوٰۃ المصابیح عربی کے صفحہ ۱۲۸ پر تحریر فرمودہ آپ کا حاشیہ بھی ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ نفس مسئلہ کی دوٹوک وضاحت فرمائی ہے جس کی مکمل تفصیل حضرت استاذ العلماء علامہ عبدالرشید رضوی صاحب علیہ الرحمۃ سے منسوب تقریظ کے جواب میں گزر چکی ہے۔ اسے ادھر ہی دیکھ لیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ مقرظ موصوف نے نفی نبوت کے موقف کی کوئی دلیل پیش نہیں کی جس کا جواب ہمارے ذمّہ ہو نیز یہ کہ انہوں نے ''**تحقیقات**'' کے مندرجات پر اعتماد و انحصار کیا ہے پس کتاب مذکور کا غلط ہونا ثابت کردینا موصوف کی تغلیط کے لیۓ کافی ہے جو ہم کرچکے ہیں۔

نیز یہ کہ مصنف تحقیقات کی طرح موصوف کا مسئلہ ہٰذا کے متعلق سابقہ نظریہ یہی تھا کہ آپ ﷺ پیدائشی نبی ہیں جسے انہوں نے مصنف کی تقلید میں بدل دیا ہے جس کو بغات کے سوا کوئی نام نہیں دیا جاسکتا جس پر خود ان کی اپنی تحریرات شاہد عدل ہیں جو ان کی تین کتب سے ہم نے پیش کردی ہیں اغنی شان[۱] مصطفیٰ ﷺ' محررہ دسمبر ۲۰۰۳ء مطابق شوال ۱۴۲۶ھ شرح[۲] حدائق بخشش' محررہ جنوری ۲۰۰۵' اور تقریری[۳] نکات محررہ اگست ۲۰۰۶ء فقط والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ سید المرسلین محمد وعلی اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

تقریظ مولانا غلام محمد بندیالوی شرق پوری صاحب **سے جواب**:

بندیالوی وشرقپوری صاحب موصوف کی تقریظ پر معروضات پیش خدمت ہیں فاقول وبا للہ التوفیق۔

○ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: الحمد لمن لمع اجنان العلماء۔ (تحقیقات، صفحہ ۳۰)۔

اقول: ''لمع'' اگر ثلاثی مجرد سے لایا گیا ہے تو غلط ہے کیونکہ وہ متعدی آتا ہی نہیں ہے جب کہ مولانا اسے انارہ کے معنٰی میں متعدی کے طور پر لائے ہیں جیسا کہ اجنان مفعول بہ سے ظاہر ہے۔ فیا للعجب ولضیعۃ العلم والادب۔

اور اگر وہ مزید فیہ سے ہے تو بھی غلط ہے کیونکہ وہ ''انارہ'' کے معنٰی میں ڈکشنری میں مستعمل نہیں بلکہ مختلف رنگوں کی (اور رنگ برنگی) چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو یہاں مقصود نہیں جیسا کہ ''ملمع سازی'' کے محاوراتی الفاظ سے ظاہر ہے۔ یاسفا علی ھذا۔

○ آگے فرماتے ہیں: ''وللنبوۃ النبویۃ'' (نبوی نبوت) یعنی ولاتی یا ولایتی نبوت بھی ہوتی ہے؟ لا حول ولاقوۃ الا باللہ۔ ارشاد ہوتا ہے: ومن ارسل ثانیاً فی عالم الاجساد بعد بلوغہ الاربعین سنۃ (سب حمد اس کے لیے جس نے دوبارہ مبعوث فرمایا عالم اجساد میں اس کے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد)۔ (تحقیقات، صفحہ ۳۰)۔

اقول: کس کو بھیجا؟ کچھ مذکور نہیں۔ ''بعد بلوغہ'' اضمار قبل الذکر ہے، مرجع غائب۔ نیز ''الاربعین'' معرّف باللام، سبحٰن اللہ۔

بہر حال مراد حضور ہیں ﷺ پس آپ سے نفی نبوت پر مولانا اتنے خوش ہیں کہ حمدیں پڑھ رہے ہیں انا للہ۔

پھر جب پہلے سے بالفعل نبی ہونا مسلّم ہے جیسا کہ ''ارسل ثانیاً'' سے عیاں ہے، بعد ازاں اس کے سلب یا زائل ہونے کی بھی کوئی معیاری دلیل نہیں ہے تو اس سے انہیں ورق سیاہی کے سوا کیا حاصل ہوا؟ آگے چلیئے۔

فرماتے ہیں: ''بندہ نے آپ کی اس تحریر ''تحقیقات'' کا اکثر مقامات سے مطالعہ کیا ہے''۔ (صفحہ ۳۷)۔

اقول: یعنی پوری نہیں پڑھی مگر اس کے باوجود موصوف نے پوری کتاب کے صحیح ومعتمد ومستند اور قرآن

کی طرح لاریب اورالہامی ہونے کی سند دے دی ہے جس سے ان کے کمال احساس ذمّہ داری کا پتہ چلتا ہے جو کتاب مذکور کے متعلق ان کے ان مدحی کلمات سے واضح ہے۔

''معقولات ومنقولات اور تصدیقات وبراہین کے زیور سے آراستہ وپیراستہا''۔''دلائل قاہرہ اور براہین باہر سے مملو''''تحقیقات وہبیہ تدقیقات الہامیہ کا معدن عطایائے نبویہ کا مخزن مجموعہ ومجسمہ'' روشن چراغ، سراج منیر، ہادی، راہبر، آنکھوں کے لیئے ٹھنڈک، سامان صد تسکین اور قرار واطمینان'' (ملخّصاً)۔ (تحقیقات، صفحہ ۳۷)۔

جس کے کھوٹے سودے ہونے کے لیئے حد سے متجاوز ہوکر اس کی تعریف کرنا بھی کافی دلیل ہے ورنہ کیا اللہ تعالیٰ نے مصنف کو الہام فرمایا تھا کہ میرے محبوب کی کسر شان کرو نیز بارگاہ نبوت سے بھی انہیں اس کا اشارہ ملا تھا؟ نہیں اور ہرگز نہیں لہٰذا سے او ہبیہ کی بجائے ہاء کی تشدید بزیادۃ الالف بعدھا کہا جائے تو حقیقت کی ترجمانی ہوگی۔ نہ مانیں تو

ع　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ثم اقول: اس سے یہ بھی اظہر من الشّمس ہوگیا کہ مولانا موصوف کی یہ تقریر، تقریظ نہیں محض عقیدت نامہ ہے جو انہوں نے مصنف کو خوش کرنے کے لیئے سپرد قلم کیا ہے جس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے مصنف کے مدّ مقابلین کو ''ہمارے مخالفین'' کہہ کر یاد کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ ۳۳)۔

جس سے تعصب کا صاف صاف اشارہ ملتا ہے اور ان کے مصنف کا دست وبازو ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ بلکہ انہوں نے ان کے خصوم کے موقف کو ''اعتراضات کاسدہ اور اوہام فاسدہ'' قرار دیتے ہوئے انہیں معترضین ومعاندین کا نام بھی دیا اور جانبداری سے کام لیتے ہوئے سخت الفاظ بھی استعال کیئے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر مولانا موصوف ''عقل کا اندھا ہی کرسکتا ہے نہ کہ کوئی صاحب بصیرت اور مالک فراست'' کے لفظ بھی لکھ گئے ہیں۔

جس کی تائید ان کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ: ''حضرت نے تحقیقات لکھ کر صرف عوام اہل سنت نہیں خواص اور علماء وفضلاء پر بھی بہت بڑا احسان فرمایا جس کا بدلہ چکانے سے اُمت مصطفویہ عاجز وقاصر ہے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۳۶)۔

''امت مصطفویہ'' میں تو خیر القرون بھی شامل ہیں یعنی صحابہ کرام بالخصوص خلفاء اربعہ اور اہل بیت عظام ومن بعدہم ائمہ اربعہ فقہاء اور ائمہ اربعہ صوفیاء نیز محدثین ومتکلمین اور قیامت تک آنے والے جملہ علماء

ظاہر و باطن مل کر بھی شکر یہ ادا کریں یا اس کا معاوضہ دیں تو بھی تحقیقات کے شایانِ شان نہیں ہوگا لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

ہاں اگر موصوف کے یہ الفاظ اس محاورہ کی طرز پر ہوں کہ ''جناب کے کیا کیا احسان یاد کریں گے'' تو بجا ہے۔

بناءً علیہ امّت مصطفویہ اس کا بدلہ چکانے سے یقیناً عاجز و قاصر رہے گی یعنی جتنی حشری کرے اتنی کم ہے۔

○　باقی مقرض موصوف نے تحقیقات کی تائید و توثیق میں جو لکھا ہے اس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسائل اعتقادیہ ان کا شعبہ نہیں وہ اس میں بالکل نو وارد ہیں۔

اس سے تو بہتر تھا کہ وہ کچھ نہ ہی لکھتے اور تعلیمات ارسطو تک محدود رہتے تا کہ سبکی سے بچ جاتے۔

بہر حال انہوں نے کیا یہ ہے کہ قائلین نبوت کے دلائل میں سے حسب پسند محض ایک دلیل (کہ عصمت خاصۂ نبوت و رسالت ہونے کے حوالہ سے دلیل نبوت ہے) کو لے کر اس کے بارے میں مصنفِ تحقیقات کی تقریباً تین صفحات پر مشتمل ایک طویل تقریر نقل کر کے اس پر اپنے سابقے لاحقے کا اضافہ کر دیا اس طرح سے اس کو تقریظ کا رنگ دے دیا گیا۔ تفصیل مع جواب حسب ذیل ہے:

○　چنانچہ انہوں نے شروع میں تین مقدمات لکھے ہیں مگر وہ تینوں انہیں کچھ مفید ہونے کی بجائے ان پر مقدمہ ثابت ہوئے۔

مقدمۂ اولیٰ: کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں غیر عالم کو کوئی الجھن درپیش ہو تو وہ عالم کی طرف رجوع کرے، عالم کو الجھن درپیش ہو تو اسے کسی مستند اور ثقہ عالم بلکہ مجتہد کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔

کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ان جیسے علماء کو جب پیش نظر مسئلہ میں الجھن ہوئی تو ان کے لیے جو مولانا رجوع کے اہل (مرجع ہونے کی شان والے) تھے وہ مصنف تحقیقات تھے لہٰذا وہ ٹھیک نشانے پر پہنچے۔ (تحقیقات، صفحہ ٣٠)

لیکن مقرظ صاحب اس کو نبھا نہ پائے اور مقصد کے حاصل کرنے میں ناکام رہے کیونکہ ان کے ''مرجع'' پر خود ان کے حسب تصریح لازم تھا کہ وہ حنفی ہونے کے ناطے سے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حضور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول دکھاتے مگر وہ اس سے عاجز رہے۔ اس طرح سے مقرظ صاحب اپنے ممدوح کا شکست خوردہ ہونا مان گئے۔ سبحن اللہ، مداح ہوں تو ایسے ہوں۔

مقدمہ ثالثہ: میں یہ بتایا ہے کہ سید عالم ﷺ کا اعلان نبوت سے پہلے نبی ہونا اہل سنت و جماعت کے مابین مختلف فیہ ہے۔ بعض قائل ہیں اور بعض قائل نہیں ہیں لہٰذا ان کے ممدوح پر کفر و شرک اور ضلالت کا حکم لگانا

درست نہیں کہ یہ احکام ان مسائل کے ہیں جو ضروریات دین اور ضروریات عقیدۂ اہل سنت سے ہوں۔
(تحقیقات، صفحہ ۳۱)۔

جواباً عرض ہے کہ مصنف تحقیقات کے طرز پر کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ آپ ﷺ پہلے بالفعل نبی تھے پھر آپ کی نبوت معاذ اللہ کالعدم اور نا معتبر ٹھہری بعد ولادت باسعادت آپ بالقوۃ نبی ہوئے پھر چالیس سال کی عمر شریف میں بالفعل نبی بنے۔ اگر کوئی اس کا قائل اور مصنف تحقیقات کا اس میں سلف ہو تو اس کی نشاندہی کریں، مختلف فیہ ثابت کرنے کے لیئے دکھانا بھی یہی تھا۔ لہٰذا مسئلہ ہٰذا کو اہل سنت کے مابین اختلافی بتانا صحیح نہ رہا۔

علاوہ ازیں مصنف تحقیقات نے اس مسئلہ کی تفصیل کرتے ہوئے ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے جو شایان شان نبوت نہیں تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو تنبیہات، جلد اوّل، مقدمۃ الکتاب۔

لہٰذا مقرظ کا مسئلہ ہٰذا کو مسائل کی قسم ثالث قرار دینا نہایت درجہ غلط ہے۔

مقدمہ ثانیہ میں اپنی منطق دانی کا رعب جھاڑتے ہوئے اور عوام کو یہ تأثر دینے کی سعی لاحاصل کرتے ہوئے کہ قائلین نبوتِ سرکار ﷺ کی ایک ہی دلیل ہے جو یہ ہے کہ آپ ﷺ اعلان نبوت سے پہلے بھی معصوم تھے جب کہ عصمت، نبوت ورسالت کا خاصہ ہے جس سے آپ ﷺ کا قبل اعلان نبوت بھی نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مقرظ صاحب نے کہا ہے کہ عصمت خاصہ ضرور ہے لیکن خاصہ لازمہ بھی ہوتا ہے مفارقہ بھی۔ مساوی بھی ہوتا ہے اخص بھی۔ حقیقیہ بھی ہوتا ہے اضافیہ بھی۔

خاصہ مفارقہ کی مثال انسان کی کتابت بالفعل اور خاصہ لازمہ ومساوی کے لیئے انسان کی کتابت بالقوۃ کی مثال دی ہے۔

خاصّہ اضافہ کی مثال انسان کا ماشی ہونا پیش کی ہے جو بعض ماعدا (جمادات ونباتات) کی نسبت سے انسان کا خاصہ ہے مگر دیگر انواع حیوانیہ میں بھی پایا جاتا ہے پس یہ عرض عام ہوا اور جو خاصہ، عرض عام کے مقابل ہوتا ہے وہ خاصہ حقیقیہ ہے لہٰذا خاصہ اضافیہ اور عرض عام میں منافاۃ نہیں۔

عصمت بھی خاصہ ہے مگر خاصہ حقیقیہ نہیں بلکہ اضافیہ ہے کیونکہ یہ عام ہے انبیاء علیہم السلام میں پایا جاتا ہے۔ ملٰئکہ کرام میں بھی۔ لہٰذا محض عصمت کے تحقق سے بالفعل نبوت کا تحقق تو کجا انسانیت کا تحقق بھی لازم نہیں آتا۔ (ملخّصاً) (تحقیقات، صفحہ ۳۱، ۳۲)۔

جواب عرض ہے کہ خاصہ اضافیہ‘ عرض عام ضرور ہے مگر وہ بھی لازمہ ہے مفارقہ نہیں کیونکہ عرض عام کی بھی دو قسمیں ہیں عرض لازم اور عرض مفارق پھر عصمت کا جب خاصہ ہونا تسلیم ہے تو اسے اضافیہ کہنے سے مدعا حاصل نہ ہوا کیونکہ عصمت اضافیہ اور عام ہوتے ہوئے بھی نبی کے لیۓ لازم الماہیۃ ہے جس کا نبی سے انفکاک مستحیل و ممتنع ہے۔

رہی خاصہ اضافیہ اور عام کی کتابت اور مشی کی مثالوں سے بالفعل اور بالقوۃ پر تقسیم؟

تو یہ کتابت اور مشی کی حد تک صحیح ہے کیونکہ جب لکھنے کا کام کرے گا تو محسوس ہوگا اور اہل بصر کو نظر آئے گا کہ وہ لکھنے کا کام کر رہا ہے۔ یہ کام نہیں کر رہا تو یہی کہا جائے گا کہ اس میں لکھنے کی صلاحیت تو ہے مگر فی الوقت وہ یہ کام کر نہیں رہا۔ اس طرح ’’مشی‘‘ کی مثال میں بھی یہی تفصیل ہے۔ لیکن عصمت کی بنیاد پر نبوت کو بالفعل اور بالقوۃ پر تقسیم کرنا انتہائی غلطی ہے کیونکہ اس تقسیم کا تعلق‘ عصمت سے بنے گا صاحب عصمت (نبی اور رسول) سے نہیں جیسے کاتب اور ماشی کی مثالوں میں صاحب کتابت (انسان) اور ذی مشی (انسان و فرس وغیرہ) کے لیۓ بالفعل اور بالقوۃ کی تقسیم کرتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان بالفعل اور انسان بالقوۃ یا فرس بالفعل اور فرس بالقوۃ۔

خلاصہ یہ کہ بالفعل اور بالقوۃ کی تقسیم عصمت سے متعلق ہوگی نبی سے نہیں لہٰذا عصمت کا جب ظہور ہوگا وہ بالفعل ہوگی اور زمانۂ عدم ظہور میں بالقوۃ کہلائے گی جیسے قصہ یوسف علیہ السلام میں۔

بحث وصف کی اور تقسیم موصوف کی‘ یہ کون سی منطق ہے؟ پھر کتابت اور مشی محسوس مبصر قسم کے امور سے ہیں جب کہ عصمت‘ محسوس مبصر چیز نہیں لہٰذا عصمت کو کتابت اور مشی جیسا قرار دیتے ہوئے عصمت کو مقیس اور کتابت و مشی کو مقیس علیہ ٹھہرانا قیاس مع الفاروق ہے جو غلط ہے۔

یہی تفصیل نبوت و رسالت میں بھی ہے۔ نیز مقرظ و مصنف دونوں کے کلام سے متبادر یہ ہے کہ عصمت‘ نبی کے لیۓ ان کے طور پر نبی بننے سے پہلے اور نبی بننے کے بعد بہرحال بالفعل لازم ہے اور ایسی لازم کہ اس کا منکر گمراہ اور جہنمی ہے۔ (تحقیقات‘ صفحہ ۲۳) جو اس امر کی بھی دلیل ہے کہ عصمت نبی کے لیۓ ایک ہی صورت پر لازم ہوتی ہے جو ’’بالفعل‘‘ ہے بناءً علیہ عصمت کو بھی بالفعل اور بالقوۃ پر تقسیم کرنا صحیح نہیں۔

رہا مقرظ و مصنف کا یہ شبہ کہ عصمت کی بنیاد پر قبل اعلان نبوت صاحب عصمت کو نبی ماننے سے نبوت ملنے سے پہلے نبی بننا لازم آئے گا جو محال ہے کیونکہ یہ تقدم الشیٔ علی نفسہ ہے جو ہر عقل مند انسان کے نزدیک بدیہی البطلان ہے۔ (تحقیقات‘ صفحہ ۳۴)؟

توجواباً عرض ہے کہ اس اعتراض میں دونوں حضرات کی چستی شامل ہے اوران کے اس استدلال کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ نبی چالیس سال کی عمر سے پہلے نبی نہیں ہوتا بلکہ اس کے بعد نبی بنتا ہے جو غلط ہے۔ علی التحقیق صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد نبوت عطا فرمائی (وقت عطاء میں تفصیل ہے کیونکہ ان کی خلقت ہوئی جوایک ہی صورت مبارکہ پر ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے ''ان الله خلق ادم علىٰ صورته'' (اس تقدیر پر کہ مرجع ضمیر لفظ ''آدم'' ہو کما قال البعض)۔ ان کے بعد جتنے نبی تشریف لائے وہ سب پیدائشی نبی تھے کیونکہ ان کے نبی ہونے کا فیصلہ عالم ذر میں کردیا گیا اوران سے میثاق نبوت بھی لے لیا گیا تھا۔ اور یہ قرآن وسنت سے ثابت ہے' ائمہ شان کی تصریحات بھی اس پر موجود ہیں جس کی مکمل باحوالہ مع مالہ وماعلیہ تفصیل باب ہشتم میں گزر چکی ہے۔ اوراس میں ہمارے حضور کی شان سب سے ارفع واعلیٰ اوراقدم ہے ﷺ۔

خلاصہ یہ کہ عصمت کے حوالہ سے نبوت کا قول کرنے والے حضرات نے انبیاء کرام علیہم السلام کو پہلے سے نبی مان کران کے لیۓ عصمت کا قول کیا ہے۔ لہٰذا اتقدم الشئ الخ کے لازم آنے کا اعتراض صریحاً باطل ہوگیا والحمد لله علىٰ ذلك۔

البتہ عصمت پہلے اورنبوت بعد میں ماننے سے ان بزرگوں پراعتراض ہوگا کہ وہ وصف کو ذات موصوف سے قبل ثابت مان رہے ہیں جب کہ ان کے بقول ہر عقل مند انسان کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ وصف عرض اورقائم بالغیر ہوتا ہے جس کا وجود موصوف کے بغیر متصور نہیں۔

نیز مقرظ صاحب کا یہ کہنا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پیدائشی نبی ہونے کا قول اسلاف میں سے کسی نے نہیں کیا (صفحہ۳۳)۔

صحیح نہیں ہے جو ان کی ناواقفیت یا قلت واقفیت پر مبنی ہے۔

نیز مقرظ ومصنف کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ عصمت کی بنیاد پر ہر ہر نبی کے پیدائشی نبی ہونے کا استدلال اس لیۓ صحیح نہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہ قول صرف تین ہستیوں (سید عالم ﷺ حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام) کے متعلق پایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ دلیل ہی نہیں کیونکہ تین کے علاوہ سب میں اس کا تخلف کارفرما ہے۔ جس کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد بھی اسی مذکورہ مفروضہ پر ہے کہ نبی چالیس سال کی عمر سے پہلے نبی نہیں ہوتا جو بذات خود لیس بشئ ہے۔ پس جب بنیاد غلط ہے تو اس کے سہارے قائم کردہ پوری عمارت خود بخود زمین بوس ہوگئی۔

علاوہ ازیں مقرظ صاحب کا یہ قول رجماً بالغیب کے قبیل سے بھی ہے کیونکہ وہ خود لکھ رہے ہیں کہ انبیاء ورسل کرام علیہم السلام کی تعداد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ (تحقیقات صفحہ ۳۴)۔

جب کہ قرآن وحدیث اور سیر وتواریخ میں ان میں سے جن حضرات کے حالات صریحاً پا گئے ہیں ان کی تعداد تین درجن کو بھی نہیں پہنچتی تو وہ سب انبیاء کرام کے لیئے یہ جبروتی حکم کیونکر کس ذریعہ سے اور کس بنیاد پر لگا رہے ہیں؟

علاوہ ازیں سید عالم ﷺ کے بارے میں مقرظ ومصنف اقرار کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ اس عالم میں بالفعل نبی تھے جس کے بعد آپ کی نبوت کے معاذ اللہ سلب یا زائل ہونے کی وہ کوئی صحیح ومعیاری دلیل نہیں لا سکے۔ بناءً علیہ آپ ﷺ بحث سے بالاتر ہوئے۔

رہے حضرت یحیٰی وحضرت عیسٰی علیہما السلام؟ تو ان کے بارے میں بچپن یا جوانی میں نبی ہونے کا جو اختلاف بعض کتب میں مذکور ہے' اس میں نبوت بمعنی رسالت ہے یعنی نفس نبوت کا حصول مراد نہیں۔ لہٰذا یہ اختلاف ان کی بعثت ہی کے بارے میں ہے جس کی مکمل باحوالہ تفصیل باب ہشتم میں مستقل عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔

اس مقام پر مقرظ صاحب کا مصنف سے مل کر یہ کہنا کہ نبی قبل نبوت ولی ہوتا ہے البتہ اس کی ولایت کے لیئے قبل نبوت کے زمانہ میں بھی عصمت لازم ہے۔ لہٰذا یہ ولایت اور ہے اور اولیاء کرام کی ولایت اور ہے۔ (تحقیقات' صفحہ ۳۵)۔

اسی طرح مقرظ صاحب کا مصنف کے اس نظریہ کی تصدیق کرنا کہ آپ ﷺ عالم اجساد میں چالیس سال تک ولی ہی تھے (صفحہ ۴۷) بھی غلط ہے کیونکہ اس کی بنیاد بھی نبی کے چالیس سال سے پہلے نبی نہ ہونے کے غلط مفروضہ پر ہے۔

نیز اس سے بالخصوص سید عالم ﷺ کے حق میں لازم آئے گا کہ آپ اس زمانہ میں کسی نبی کے امتی ہوں کیونکہ ولی امتی ہوتا ہے جس کو اپنے نبی کی متابعت کی برکت سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے امتی ہوں نبی الانبیاء والمرسلین ہونا صرف ہمارے آقا ومولیٰ کا خاصہ ہے ﷺ۔ قال اللہ تعالٰی لتؤمنن بہ۔

علاوہ یہ ان کی ذاتی رائے ہے جس پر انہوں نے صحیح دلیل قائم نہیں کی تو یہ انہیں ہی مبارک ہو۔

اس مقام پر مقرظ صاحب نے خاصہ اضافیہ کی بحث میں یہ گوہر افشانی بھی فرمائی ہے کہ : ''حرارت

سورج کولازم ہے لیکن آ گ کے ذریعے بھی متحقق ہوسکتی ہے اور رگڑ کے ذریعے بھی' تو حرارت کے وجود وتحقق سے سورج کے وجود وثبوت اور طلوع وعکس ریزی پر استدلال عقل کا اندھا ہی کرسکتا ہے نہ کہ کوئی صاحب بصیرت اور مالک فراست''۔ (صفحہ ۴۳'۴۴)۔

جواباً عرض ہے کہ یہ مثال بھی مقرظ صاحب کو کچھ مفید نہیں کیونکہ حرارت' امور محسوسہ ملموسہ سے ہے' نبوت اس طرح نہیں ہے لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے جو غلط ہے۔

نیز اس لیۓ بھی غلط ہے کہ قائلین نے غیر نبی کی عصمت کا قول کر کے پھر اسے ثابت مان کر اس کے ذریعہ نبی کی نبوت نہیں مانی۔

بالفاظ دیگر جس کی روشنی تھی روشنی اسی کی ہی مان کر اس کے وجود کا قول کیا ہے۔ ایسا نہیں کیا کہ روشنی اور حرارت آ گ کی محسوس ہو اور وجود مانا ہو رگڑ کھانے والے پتھر وغیرہ یا سورج کا۔ خدارا انصاف۔

لہٰذا اب مقرظ صاحب سے بھی دریافت کیا جائے کہ آفتاب جب پوری آب وتاب کے ساتھ ضوء فشانی کر رہا ہو اس کے باوجود کوئی صاحب آفتاب کے وجود کے انکار پر مصر ہو تو اس منکر پر بھی کسی قسم کے اندھے ہونے کا حکم لگے گا یا نہیں؟

ے آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

○ عصمت کی بنیاد پر قول بالنبوۃ کے حوالہ سے مقرظ صاحب نے مصنف صاحب سے مل کر قائلین پر یہ حکم بھی لگایا تھا کہ ''وہ اپنے ایمان اور نکاح کی خیر منائیں'' (تحقیقات' صفحہ ۳۶)۔

اس کا فیصلہ بھی وہ خود فرمالیں جب صحیح وہی ہے جسے آپ لوگوں نے جرم عظیم قرار دیا ہے یعنی عصمت دلیل نبوت ہے اور تم اس سے انکاری تو ''خیر منائیں'' کا حکم کس پر صحیح ہوا؟ کیونکہ ع ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

بفضلہ تعالیٰ مقرظ صاحب نے اپنی منطق دانی کے ذریعہ عوام پر جو رعب جھاڑنے کا اقدام کیا تھا وہ مکمل طور پر بے اثر و کافور اور هباء منثور ہو گیا اور

بعض بزرگوں نے جو یہ فرمایا تھا کہ منطق وفلسفہ کی بے جا موشگافیاں آدمی کو راہ راست سے دوسری طرف لے جاتی ہیں اسے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ولنعم ماقاله السعدی علیہ کہ راہ بحق نماید جہالت است۔

خلاصہ یہ کہ عصمت کو خاصّۂ نبوت مانتے ہوئے اس کے دلیل نبوت ہونے سے انکار کرنا ہٹ ہے۔

پس اس حوالہ سے بھی قبل از اعلان نبوت' آپ ﷺ کی نبوت ثابت وقائم رہی' اس کے بعد جو چیز باقی تھی وہ تھی آپ ﷺ کی بعثت۔ یعنی حکم الٰہی ہونے پر اپنے نبی ہونے کا علان واظہار فرمانا۔ پس جس چیز کو بالفعل اور بالقوۃ پر تقسیم کیا جاسکتا ہے وہ آپ کی بعثت ہے' نفسِ نبوت نہیں۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ چالیس سال کے بعد بعثت بالفعل ہوئی اور آپ ﷺ منصب رسالت پر بالفعل اور عملی طور پر جلوہ گر ہوئے۔

آخر میں اتمام حجت کے طور پر عرض ہے کہ مصنف تحقیقات حضرت محدث اعظم مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ سے ہیں جو مقرظ صاحب کے لیے بھی واجب التعظیم ہوئے جب کہ حضرت نے عصمت کو خصوصیت کے ساتھ آپ ﷺ کے حق میں چالیس سال سے قبل کے زمانہ میں نبی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ آپ کی عبارت مع مکمل حوالہ' علامہ رضوی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب تقریظ کے جواب میں پیش کی جاچکی ہے۔ اسے ادھر ہی ملاحظہ کرلیں۔

پس ہم پر اگر یقین نہیں تو کم از کم اپنے استاذ گرامی اور اپنے شیخ کریم ہی کی مان لیں اور اپنے غلط موقف سے رجوع کریں واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

والحمد للہ رب العٰلمین والصلوۃ والسلام علیٰ اوّل النبین وخاتمھم محمد وعلیٰ الہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

تقریظ مسمی مولانا محمد اقبال مصطفوی صاحب سے **خطاب**:

طرز بیان سے لگتا ہے کہ مولانا موصوف بھی مصنف کے حلقہ بگوشوں سے ہیں انہوں نے بھی کوئی نئ دلیل پیش نہیں کی بلکہ مباحث تحقیقات کی تلخیص لاکراس کی توثیق کردی ہے بناءً علیہ تقریظ کی بجائے اسے عقیدت نامہ اور خود مولانا کو مقرظ کی بجائے ملخص کا نام دیا جانا ہی انسب ہے۔

جو نئ چیز ہے وہ یہ ہے کہ موصوف نے مصنف کی عقیدت میں اندھی تقلید کرتے ہوئے ان کے پیچھے اندھے کنویں میں اس طرح سے ان سے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے چھلانگ لگائی ہے کہ جو بات انہوں نے ڈرتے ہوئے کہی تھی' موصوف نے وہ بے دھڑک کہہ دی ہے اور قبر و آخرت کے خوف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اللہ کے محبوب ﷺ کے بارے میں یہ گندے لفظ بلا جھجک استعمال کردیے ہیں کہ ''بندہ بالجزم والیقین کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ وقت ولادت سے غار حراء میں نزول وحی تک کے درمیانی عرصہ میں ولایت شریفہ عالیہ کے درجہ پر فائز رہے۔ پھر عمر شریف کے چالیس سال گزرنے پر تاج نبوت سے بہرہ ور فرمایا''۔

نیز ''روح متعلق بالبدن کی وہ لطیف صلاحیتیں اور استعدادیں کمزور پڑ جاتی ہیں بلکہ بدنی کثافتیں اور جسمانی عوارض کی وجہ سے مغلوب ہوجاتی ہیں۔ تب وہ خلافت و نیابت اور نبوت و رسالت کے قابل اور لائق ہوجاتی ہیں۔ چالیس سال میں حجابات اٹھتے اور یہ کثیف پردے چھٹتے ہیں اس کے بعد ان کو منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا جاتا ہے۔ لہٰذا نبی آخر الزمان ﷺ بھی عمر شریف کے چالیس سال پورے کرنے پر متاہل اور مستعد و مستبد ہوگئے تو تاج نبوت ان کے سر پر سجایا گیا اور خلعت رسالت سے ان کو نوازا گیا''۔ (ملخصاً بلفظہ)۔ (تحقیقات' صفحہ ۴۰' ۴۱' ۴۲)۔

ان عبارتوں میں موصوف' آپ ﷺ سے چالیس سال کے عرصہ میں نہ صرف یہ کہ نبوت کی صاف صاف نفی کر گئے بلکہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد' اس عرصہ میں آپ کے نبوت کے اہل ہونے کی بھی صریحاً نفی کر گئے ہیں اور انہیں کچھ ہچکچاہٹ بھی محسوس نہ ہوئی جس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف کی عقیدت میں بہہ جانے کے باعث ان پر مکمل پردے پڑ چکے ہیں نعوذ باللہ من غضبہ۔

البتہ اپنے اوپر حجت قائم کرتے ہوئے حضرت شیخ کورانی اور شیخ قشاشی کے حوالہ سے یہ بھی لکھ دیا ہے

کہ آپ ﷺ کی افادہ وافاضہ والی نبوت لوح وقلم وغیرہما سے بھی سابق تھی (صفحہ ۴۱) جس کے بعد وہ اس کے سلب یا زائل اور منقطع ہونے کو بھی ثابت نہیں کر پائے جیسا کہ ان کے پیش رو اس سے عاجز رہے۔ جس کا لازمی نتیجہ اقرار جرم کرتے ہوئے خود کو اس کی پاداش کے لیۓ منہ مانگی کے طور پر تیار سمجھنا ہے۔

ع		ایں کار از تو مے آید و مرداں چنیں مے کنند۔

تقریظ مولانا محمد رشید چشتی صاحب سے **جواب**:

یہ بھی تقریظ نہیں خالصۃً قصیدہ خوانی ہے کہ چشتی صاحب موصوف' مصنف کے تلامذہ سے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے اپنی اس تحریر میں مصنف کو دوبار ''قبلہ استاذ مکرم'' کہہ کر یاد کیا ہے اور کوئی نئ دلیل لانے کی بجائے محض اس پر اکتفاء کیا ہے کہ حضرت نے یہ کر دیا وہ کر دیا۔

مزید لوگوں کے دلوں میں ان کی عقیدت بنانے کے لیۓ ان کی سابقہ خدمات کا ڈھنڈورا پیٹا ہے۔ جب کہ بحث مسئلہ' خاص میں تھی۔

نیز کتاب کے حوالہ سے ان کا ادب واحترام اور شکریہ ادا کرنے کو سب پر فرض قرار دیا ہے اور اس کے ترک کو خدا ناشکری گردانا ہے اور یہ دعا بھی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مصنف کی توہین وتنقیص سے بچائے حالانکہ یہ بات انہیں خود مصنف سے کرنی فرض تھی کہ وہ اللہ کے محبوب ﷺ کا ادب واحترام بجالاتے ہوئے آپ کی کسرشان کے اس اقدام سے تائب ہوں۔

الغرض موصوف نے عظمتِ سید عالم ﷺ کو ترجیح دینے کی بجائے اپنے استاذ کو فوقیت دی ہے جو شخصیت پرستی ہے اور وفادار امتی ہونے کے تقاضوں کے منافی۔

پھر اس کو بھی قائم نہ رکھ سکے کیونکہ انہوں نے مصنف کو یہ دعا بھی دی ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ قبلہ استاذ مکرم کے علم وعمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے اور حضرت کے لیۓ ذریعہ' مغفرت کرے'' (صفحہ ۴۷)

حالانکہ اس طرح کی دعا استاذ شاگرد کو دیتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ شاید ''مغفرت'' کے الفاظ احساس جرم کی بنیاد پر ہوں۔

باقی موصوف نے جو یہ لکھا ہے کہ حضور غوث اعظم' حضور پیر سید مہر علی شاہ' حضور خواجہ شمس سیالوی اور اعلیٰ حضرت رحمہم اللہ کا بھی مسئلہ' ہٰذ کے حوالہ سے یہی عقیدہ اور نظریہ تھا جو مصنف کا ہے' تو یہ ان کا ان اکابر پر کھلا افتراء ہے جس کے جھوٹ ہونے کے لیۓ اتنا بھی کافی ہے کہ موصوف اسے دعویٰ کی حد تک چھوڑ گئے ہیں اس کا انہوں نے کوئی ثبوت مہیا نہیں کیا جیسا کہ ان کے پیش رو نے کیا ہے۔

تقریظ مولوی علی احمد سندیلوی سے جواب:

موصوف لا فی عیر ولا فی نفیر کا مصداق یعنی ''نہ تین میں نہ تیرا میں'' اور ہماری علاقائی زبان میں ''نہ ہل نہ ککڑ''۔

بلکہ اس کی تقریظ لانا مصنف کے لیئے بدنما دھبہ ہے جس سے خود ان کی اپنی حیثیت بھی مخدوش ومتاثر ہوتی ہے کیونکہ یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے عرصہ تک متعدد معمولات ونظریات اہل سنت کو نشانہ بناتے ہوئے ان کے خلاف اشتہار بازی کی جو سب علماء اہل سنت کو معلوم ہے اور معلوم ہونا چاہیے۔

نیز باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس نے بے اولاد ہونے کی وجہ سے ایک بچہ گود میں لیا ہوا ہے جسے وہ وہابیوں کے ہاں ان کے مدرسہ میں تعلیم ولوا رہا ہے۔ لہٰذا جب وہ ہے ہی گویا اہل نفی کا فرد' تو اس سے نفی' ثبوت کچھ اچنبھے کی بات نہیں پس اس کی تقریظ لانا کتاب کا حجم بڑھانے اور ناواقفین کو دھوکہ دینے کے سوا کچھ نہیں۔

بناءً علیہ مقرظ نے بھی جو کتاب اور اس کے مصنف کی تعریف کے پل باندھے ہیں اس سے اس کا مقصود اپنے کلیجہ کو ٹھنڈ پہنچانا اور مصنف کو موسٹ ویلکم کہنا ہے۔ جب کہ اس نے کوئی نئی دلیل بھی پیش نہیں کی جس کا جواب ہمارے ذمّہ بنتا ہو۔

مکتوب اللہ بخش کمانگر صاحب **سے جواب**:

اللہ بخش کمانگر صاحب موصوف کا اہل علم کے طبقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ تقریباً نصف صدی انہوں نے محکمہ ریلوے کے رشوت خور طبقہ میں گزاری ہے' ان کے لفظ ہیں: ''بندہ ناچیز اپنی زندگی کے ۴۴ سال بلوچستان ایران میں بطور ریلوے گارڈ گزار کر ملازمت سے فارغ ہو کر ۲۰۰۱ء میں یہاں (جھنگ) آیا''۔ (تحقیقات' صفحہ ۵۲)۔

پس جب وہ اس میدان کے دھنی ہی نہیں ہیں تو ان کے مکتوب کو بھی تقریظ کا نام نہیں دیا جا سکتا بلکہ وہ بھی ایک عقیدت نامہ ہے جس کا اندازہ ان کے ان الفاظ سے بھی ہوتا ہے کہ ''جناب والا! یقین مانیں میں بہت ہی متاثر ہوں (آپ سے)۔ (تحقیقات' صفحہ ۵۲)۔

کمانگر صاحب بے علم طبقہ سے ہونے کے باعث کوئی ایسی دلیل تو نہیں لا سکے جس میں جدّت ہو اور کتاب کی تائید ہو اور ہمارے ذمہ اس کا جواب۔ البتہ وہ یہاں اپنا ایک خواب لائے ہیں جس کی تفصیل خود ان کے لفظوں میں یہ ہے کہ: ''یہ کتاب (تحقیقات) پڑھ کر دل نے کئی مرتبہ کہا کہ سیالوی صاحب کو مبارک باد دوں لیکن میرے پاس الفاظ نہ تھے۔ اسی کشمکش میں پرسوں قرآن مجید کی تلاوت کے لیئے بیٹھا' دوران تلاوت اونگھ آ گئی۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سید عالم ﷺ جلوہ فرما ہیں اور مجھے کہہ رہے ہیں: ''اللہ بخش تم کیوں تذبذب میں پڑے ہو محمد اشرف سیالوی کو کتاب تحقیقات پر مبارک کیوں نہیں دیتے''۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اتنا کہہ کر آپ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ لہٰذا آپ نبیٔ رحمت ﷺ کی طرف سے بھی اور اس کے بعد اس گناہ گار کی طرف سے بھی مبارک باد قبول فرمائیں الخ۔ (تحقیقات' صفحہ ۵۲' ۵۳)۔

کمانگر صاحب نے دو بار کلمہ طیبہ پڑھ کر کہا ہے کہ انہوں نے یہ خواب دیکھا ہے اس لیئے ہم مان لیتے ہیں کہ انہوں نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے جب کہ سید عالم ﷺ کی زیارت کا خواب آپ ہی کی زیارت کا خواب ہوتا ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے ''من رانی فی المنام فقد رانی وفی روایۃ فقد رأی الحق فان الشیطن لا یتمثل بی ''۔ یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو یقیناً اور سچ مچ اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل بنا کر نہیں آ سکتا لیکن حالت خواب میں آپ کے کلام مبارک کو اور طرز کلام کو سمجھنے میں غلطی واقع ہو سکتی ہے۔ پس اگر آپ ﷺ نے یہ جملے ارشاد فرمائے ہیں تو پسندیدگی سے نہیں بلکہ ناپسندیدگی سے اور طنزیہ انداز میں فرمائے ہیں کہ بنتے تو ہو میرے محبّ اور مبارک بادیوں کا سوچتے ہو ان کے متعلق جنہوں نے میری عظمت نبوت کی نفی کا سیاہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ پس دو نہ انہیں مبارک باد۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ''اللہ بخش'' اور ''محمد اشرف سیالوی'' کے روکھے سوکھے لفظ فرمائے' پیار کا کوئی کلمہ ارشاد نہیں فرمایا۔

جس سے کم از کم یہ واضح ہو گیا کہ ان کا یہ کرتوت قطعی طور پر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پہنچ چکا نیز مصنف اور ہم نواؤں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جا چکا ہے اور یہ بھی اظہر من الشمس ہو گیا کہ تحقیقات کے مصنف اشرف صاحب ہی ہیں۔ ہمارے اس بیان کی تائید میں حضرت شیخ محقق الشاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ اجل حضرت عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ بعض فقراء مغرب نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ نے اسے شراب پینے کا حکم

فرمایا۔ مشائخ وقت سے اس نے اس کا مطلب پوچھا جس کی اسے مختلف تأویلات بتائی گئیں۔ بالآخر اس کا صحیح حل اس وقت کے مدینہ منورہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ محمد بن عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا اور فرمایا: "ایں چنیں نیست کہ وے شنیدہ است، در سامعہ آں شخص خللے بودہ آنحضرت لا تشرب الخمر فرمودہ اند و وے لاتشرب را اشرب شنیدہ"۔ یعنی اس شخص کو خواب میں حواس کے مختل ہونے کے باعث سننے میں غلطی لگی، آپ نے تو اسے فرمایا لاتشرب الخمر شراب بالکل نہیں پینا۔ مگر اس نے خلل سامعہ کی وجہ سے لا تشرب کو اشرب سمجھ لیا۔

ملاحظہ ہو (اشعۃ اللمعات، جلد ۳، صفحہ ۳۴۹، کتاب الرؤیا تحت حدیث من رانی فی المنام۔ طبع سکھر)۔

وطریق آخر:

شیخ محقق فرماتے ہیں زیارت آپ ﷺ ہی کی ہوتی ہے لیکن زائرین میں سے ہر ایک کی صلاحیت کا اس میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ اہل شان کا ارشاد ہے: کلامے کہ از آں حضرت ﷺ در منام بشنوند آں را بر سنت قویمہ وے باید عرض کرد اگر موافق است حق است و اگر مخالفتے دارد از ممر خللے ست کہ در سامعہ اوست"۔

یعنی حالت خواب میں حضرت ﷺ کا کوئی فرمان سنیں تو اسے آپ کے صادر فرمودہ شرعی احکام پر پیش کیا جائے اگر موافق شرع ہو تو اس پر عمل کیا جائے اور اگر اس کے کچھ خلاف ہو تو یہی سمجھا جائے کہ سننے والے کو سننے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ ملاحظہ ہو (کتاب، صفحہ و طبع مذکور)۔

اقول: زیر بحث مسئلہ میں قرآن سنت میں موجود ہے کہ آپ پہلے سے نبی ہیں قال تعالی شانہ واذاخذنا من النبین میثاقھم و منك الایۃ۔ وقال ﷺ "کنت نبیا وادم بین الروح والجسد"۔

جس کی تفصیل بمالامزید علیہ ان شاء اللہ تنبیہات جلد اوّل، کے باب سوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

جب کہ کمانگر صاحب کے خواب کا مضمون قرآن وسنت کے فیصلوں سے صریحاً ٹکرا رہا ہے لہٰذا حضرت شیخ محقق کے فیصلے کے مطابق موصوف کو آپ ﷺ کے فرمان کے سننے سمجھنے میں غلطی ہوئی آپ نے تو یہ فرمایا کہ جب مصنف تحقیقات کا موقف ہمارے فیصلوں کے خلاف ہے تو تم مبارک بادی کے چکر میں کیوں پڑے ہوئے ہو مگر انہیں مصنف سے "اشربوا فی قلوبھم العجل" کی حد تک عقیدت تھی اس لئے انہوں نے الٹا اسے حکم سمجھ لیا۔

یا پھر آپ نے طنزیہ فرمایا جسے انہوں نے اس خلل کے باعث جو ان میں تھا اظہار پسندیدگی سنا سمجھا۔
مزید اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کمانگر موصوف کے نام کے ساتھ عنوان کے طور پر لکھا ہے

’’محدث اعظم علیہ الرحمہ کے ایک مرید صادق‘‘۔ (تحقیقات‘ صفحہ ۵۲‘ ۵۳)۔

جب کہ حضرت محدث اعظم کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ نبی ﷺ کی نبوت کے قدم اور آپ کے ہر آن نبی ہونے کے قائل ہیں جس کی باحوالہ تفصیل علامہ رضوی علیہ الرحمۃ سے منسوب تقریظ کی بحث میں گزر چکی ہے۔

لہٰذا خواب کو اسی معنٰی میں لیا جائے جس میں انہوں نے لیا ہے تو حضرت محدّث اعظم سے ان کی بیعت بھی ٹوٹ چکی ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان نبی رحمت ہونے کے حوالہ سے نہیں جیسا کہ کمانگر صاحب سے بیان کیا ہے بلکہ سید القاھرین علیٰ اعداء رب العلمین ہونے کے حوالہ سے ہے پس کمانگر صاحب پر اب لازم ہے کہ وہ اپنے ممدوح کو دی گئی مبارک بادی کے الفاظ واپس لیں اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے بے وفائی کر جانے کے حوالہ سے وہ ان کی مذمت کریں اور مصنف تحقیقات کو سمجھائیں نہ سمجھیں تو اظہار تعزیت کرتے ہوئے انا للہ پڑھیں اور خود بھی معافی مانگیں۔

تقریظ مفتی محمد ابراہیم سیالوی صاحب **سے جواب**:

یہ بھی کوئی ایسی تقریظ نہیں جس میں کوئی علمی بات ہو بلکہ محض قصیدہ خوانی ہے جس میں مصنف تحقیقات کی مدح سرائی اور ان کے (مسئلہ ہٰذا میں) مخالفین کے متعلق برعکس نہند نام زنگی کافور کا اقدام ہے یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ وہ مصنف تحقیقات کے نبوت حضور سید عالم ﷺ کے بارے میں اختراعی نظریہ کے پیش نظر ان سے کہتے کہ انہوں نے سوء ادبی کا ارتکاب کیا ہے پس اس سے رجوع کریں مگر الٹا انہوں نے قائلین ومحافظین عظمت نبوت کو قصور وار ٹھہراتے ہوئے تیز وتند زبان میں یہ لکھ دیا ہے کہ ان: ''علم سے بے بہرہ اور جہال کو اس مسئلہ میں قلم اٹھانے یا بحث کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق ذات رسالت مآب ﷺ سے ہے اور حضور کی محبت اور ادب روح ایمان ہے''۔ (تحقیقات، صفحہ ۴۱، طبع سوم)۔

مگر بے خبری میں وہ نشانہ بنا گئے ہیں اپنے ممدوح کو۔ کیونکہ اتنا تو ہر ذی عقل سلیم اور ایمان صحیح سمجھتا ہے کہ حضور کی شان کو ماننا ہی حضور کی محبت اور حضور کا ادب ہے لہٰذا ایمان بھی انہی کے پاس ہے جنہوں نے آپ کی عظمت نبوت کا تحفظ کیا ہے۔

موصوف نے بھی اپنے بعض ہم پیالہ وہم نوالہ مقرظین کی بے جا تقلید میں بعض اکابر اہل سنت (امام سالمی، حضور غوث اعظم، اعلیٰ حضرت، حضرت خواجہ شمس سیالوی اور حضرت اعلیٰ گولڑی رحمۃ اللہ علیہم) کے متعلق غلط بیانی کرتے ہوئے انہیں بھی مصنف تحقیقات والے اختراعی نظریہ کا قائل ظاہر کیا ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے اتنی کم ہے۔ اور اس کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ موصوف نے ان اکابر میں سے کسی ایک کی بھی اپنے حسب دعویٰ کوئی عبارت پیش نہیں کی اور نہ ہی پیش کر سکتے ہیں۔

ذرہ بھر بھی جرأت، ہمت اور صداقت ہے تو ان میں سے کسی کی صاف صریح عبارت پیش کر کے دکھائیں۔ ہمیں گوی وہمیں میداں۔ دیدہ باید۔

اور اگر نہ دکھا سکیں اور دکھا بھی نہیں سکتے تو خدا کا کچھ خوف کریں اور اس غلط بیانی سے توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

تقریظ مفتی عبدالعلیم سیالوی صاحب **سے جواب**:

ان کی تحریر بھی حسب اصول تقریظ کا نام پانے کی مستحق نہیں حاطب لیل قسم کے حضرات میں سے لگتے ہیں۔ظالم کو مظلوم بنا کر پیش کرنے کے فن کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ان کے کلمات کو تحقیقات کی تعارفی تلخیص کہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

لکیر کے فقیر ہیں چنانچہ مصنف تحقیقات نے مشہور حدیث کنت نبیا الخ ان الفاظ سے لکھی تھی:

''کنت نبیا وادم بین الروح والجسم'' حالانکہ بچہ بچہ جانتا ہے کہ حدیث میں ''والجسد'' کے لفظ ہیں مگر مقرظ موصوف نے اسے بعینہ نقل کر دیا ہے۔ملاحظہ ہو (تحقیقات،صفحہ طبع ثالث)۔

یہاں پُرلطف بات یہ بھی ہے کہ کتاب کے صفحہ۲ پر تاریخ اشاعت (بارسوم) مئی ۲۰۱۳ لکھی ہے جب کہ ۲۰۱۳ء ابھی شروع بھی نہیں ہوا۔سبحان اللہ۔

آمدم برسر مطلب! مقرظ صاحب نے یہ تقریظ لکھ کر خود کو اور صاحب تحقیقات کو بری طرح پھنسوا دیا ہے کیونکہ انہوں نے تحقیقات صفحہ ۲۶ کی ایک عبارت نقل کر کے تسلیم کر لیا ہے کہ ان کے ممدوح کو اس امر کا اقرار ہے کہ آپ ﷺ عالم ارواح میں اس طرح سے بالفعل نبی تھے کہ ''انبیاء کرام اور ملٰئکہ کے مربی اور فیض رساں تھے جس کی دلیل میں انہوں نے کنت اول النبین فی الخلق وآخرھم فی البعث اور قالوا متی وجبت لك النبوۃ قال وآدم بین الروح (آگے وہی لکھا ہے) والجسم'' ان احادیث کو پیش کیا ہے۔

کوئی بھی اس بھلے مانس سے پوچھے کہ انہیں جب یہ تسلیم ہے کہ حضور کا بالفعل نبی ہونا احادیث سے ثابت ہے تو بالفعل نبی ہونے کے بعد آپ بالقوۃ نبی کیسے ہو گئے جب کہ نبوت کے عالم ارواح واجسام کے احکام میں جداگانہ ہونے کی بھی کوئی صحیح معیاری دلیل پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی پیش کر سکتے ہیں۔

نیز جب حضور کی اس نبوت کے مؤثر ہونے کا اقرار ہے اور یہ کہ یہ امر صحیح احادیث سے ثابت ہے تو یہ حدیثیں منسوخ کب ہوئیں یا کون سی ایسی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث مرفوع ہے جو ان احادیث کے مضمون کے اس عالم کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل ہے۔ہے تو اسے پیش کیوں نہیں کیا؟

اگر کہیں کہ اقوال موجود ہیں؟ تو بر تقدیر تسلیم کیا غیر معصوم اقوال سے آیت یا حدیث کو منسوخ کیا

جاسکتا ہے؟

الغرض یا تو ان احادیث کا منسوخ ہونا ثابت کریں یا پھر توبہ کریں جب کہ عافیت توبہ ہی میں ہے۔ ناراضگی کی کیفیت پیدا ہونے لگے تو اپنے آپ سے کہیے گا کہ تو نے یہ بات لکھی ہی کیوں تھی جس نے سب کے لیۓ مسئلہ کھڑا کر دیا۔ کچھ تو سوچیں۔ واللہ الموفق۔

◆◆◆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ‘ ونصلی علی رسولہ الکریم وآلہٖ وصحبہ اجمعین

خلاصۃ البحث:

کتاب ہٰذا میں کی گئی پوری بحث کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ ہٰذا میں اختیار کردہ ہمارا موقف اہل سنّت وجماعت کا نظریّہ ہے جوائمۂ عقیدۂ اہل سنّت کے دونوں طبقات (ماتریدیّہ اوراشعریّہ) کا متفق علیہ ہے۔ جسے ہم نے معتبر فی الباب دلائل سے ثابت کرکے مصنف ’’تحقیقات‘‘ کے جملہ اعتراضات نیز موصوف کے پیش کردہ دلائل نفی کا ایک ایک کرکے خالص متین علمی وتحقیقی اور مسکت جوابات پیش کردیئے ہیں۔
جب کہ مصنف ’’تحقیقات‘‘ اپنے مؤقف کو ثابت کرنے نیز ہمارے دلائل کے ابطال میں کلی طور پر عاجز وناکام رہے ہیں۔

مصنف تحقیقات کے موقف کا خلاصہ:

چنانچہ موصوف کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ زمانۂ قبل تخلیق آدم علیہ السلام (عالم ارواح) میں تو بمعنی حقیقی نبوت سے متصف وموصوف اور خارج میں بالفعل نبی تھے۔ جس کے لیۓ انہوں نے دلیل کے طور پر حدیث ’’کنت اوّل النبین فی الخلق وآخرھم فی البعث‘‘ اور ’’کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد‘‘ کو پیش کیا جو درست ہے۔

اوراس کے ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کیا کہ اس عالم کے بعد آپ کا نبی ہونا غیر مؤثر ہوگیا اور یہی کیفیت آپ کی دنیوی عمر شریف کے چالیس برس تک رہی۔ جس کے بعد آپ کو نئے سرے سے نبوت سے متصف کیا گیا جب کہ وہ کوئی ایسی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث بلکہ ائمہ شان میں سے کسی کا ایسا صحیح صریح قول بھی نہیں لاسکے جس میں ان کے مؤقف کا بعینہٖ ذکر ہو یا وہ ان کے اس دعویٰ کی دلیل بن سکنے کا صالح ہو۔

چنانچہ اس کے لیۓ جس امر کو انہوں نے بنیاد بنایا ہے وہ یہ ہے کہ عالم ارواح اور عالم دنیا کے احکام یکساں نہیں ہیں جس میں نبوت بھی شامل ہے۔ یہ ان کی چوٹی کی سمجھی جانے والی دلیل ہے۔

دلیل یہ دی کہ اس جہان میں سب مسلمان تھے سب نے الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا تھا۔
جب کہ اس دنیا میں آ کر ان میں سے بہت سے لوگ کافر و منافق ہو کر فرعون' ابو جہل' ابولہب وغیرہ ہو گئے جو کئی وجوہ سے سراسر غلط ہے کیونکہ:

۱۔ یہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں نص نہیں بلکہ دعویٰ خاص اور دلیل عام کے قبیل سے ہے جس کی علمی حوالہ سے کچھ وقعت نہیں۔

۲۔ یہ موصوف کا محض ذاتی نوعیت کا قیاس ہے جب کہ مسئلہ عالم غیب کا ہے۔ جس کے لیئے قرآن و حدیث ہی پیش کیے جاسکتے ہیں۔

۳۔ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی امتیازی شان کے پیش نظر ان سے لیا گیا میثاق عام لوگوں سے الگ تھا۔

۴۔ نیز لوگوں کو اسی موقع پر بتادیا گیا تھا کہ میں تمہیں اپنے احکام اور عہود یاد دلانے کے لیئے دنیا میں اپنے رسولوں کو بھیجوں گا۔

جب کہ ہم نے ایک درجن سے زائد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ تمام نبی اسی عالم سے نبی ہیں یعنی وہ وہاں سے نبی بن کر آئے یہاں آ کر نبی نہیں بنے۔

جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اس جہان (دنیا) میں نبوت سے خالی ہوجانے کا نظریہ قطعاً غلط ہے۔

۵۔ حدیث شریف میں ہے ''نحن اھل بیت لایقاس بنا احد'' یعنی ہم انبیاء کا قیاس دوسروں پر نہیں کیا جاسکتا جو موصوف کے اس قیاس کے غلط اور کافروں پر قیاس ہونے کے باعث سوءادبی بھی ہوا۔

۶۔ بعض سلف اس پر مستقل کتب بھی تصنیف فرما چکے ہیں کہ عالم کے بدلنے سے احکام کے بدلنے کے امر میں انبیاء علیہم السلام شامل نہیں یعنی نبوت میں تغیر واقع نہیں ہوتا کہ کہیں مؤثر نہ رہے یا نبی' نبوّت سے متصف نہ رہے جیسے امام علامہ ابوالفیض الکتانی کی کتاب ''الکشف والتبیان'' وغیرہ۔

۷۔ سب سے اہم یہ کہ موصوف کا یہ دعویٰ خصوصیّت کے ساتھ حضور سیّد عالم ﷺ کی نبوت کے متعلق ہے اور پیش کردہ دلیل حضور کے بارے میں نص نہیں۔ جب کہ آپ کا خصوصی فرمان اس کے برخلاف موجود ہے۔ جیسے حدیث ''کنت نبیا'' الخ وغیرہ۔

جس کا یہ معنی وہ خود (اپنی کتاب تنویر الابصار وغیرہ میں) لکھ چکے ہیں کہ یہ الفاظ تسلسل نبوّت کو بیان

کرتے ہیں۔

صحابۂ کرام کا سوال (متی وجبت لک النبوۃ آپ نبی کب سے ہیں) اس پر قرینہ ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ سلیمان الجمل علیہ الرحمۃ وغیرہ کی وہ عبارات جن میں ''نبیٔ مرتین'' یا اس سے ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں (کہ آپ اکو دو بار نبی بنایا گیا پہلی بار عالم ارواح میں اور دوسری بار عالم اجسام میں) وہ بھی ان کے موقف کی دلیل نہیں کیونکہ اس سے مراد حضور کی نبوت کے مراتب ہیں۔ چنانچہ بعض اکابر کے اقوال میں دو سے زیادہ بار نبی بنائے جانے کا ذکر بھی آیا ہے۔

یا اس سے مراد بعثت اور نُبِّیَٔ بمعنی اُرسِلَ ہے۔ بالفاظ دیگر ان عبارات میں تبلیغ والی نبوت مراد ہے۔ نفس نبوت نہیں۔

اور معنیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو نفس نبوت سے متصف کرنے کے بعد عالم ارواح میں اس جہان کی مخلوق کی طرف پھر عالم اجسام میں انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔

الغرض ان عبارات کا تعلق نفس نبوت سے نہیں بعثت اور حکم تبلیغ دیئے جانے بلفظ دیگر تبلیغی نبوت سے ہے۔

اہل سنت کے موقف کا خلاصہ:

اس سلسلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ جب موصوف کو یہ تسلیم ہے کہ حدیث نبوی کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد وغیرہ حقیقی معنیٰ میں ہے یعنی انہوں نے یہ مان لیا ہے کہ آپ ﷺ عالم میں نبوت سے واقعۃً متصف وموصوف تھے۔ پھر اس کے بعد حضور کی نبوت کا غیر مؤثر یا معطل ہونا ثابت نہیں اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ عالم کی تبدیلی سے نبوت متغیر ہو جاتی ہے۔

نیز یہ کہ آپ ﷺ ہر دور میں ہمیشہ ہر آن ترقی پر ہیں اور تنزلی سے قطعی طور پر پاک ہیں۔

غرضیکہ نبی بنایا جانا فریقین کا متفق علیہ ہے۔ پھر بعد کے ادوار میں نبی نہ رہنے کی کوئی صحیح معیاری شرعی دلیل نہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ جب سے نبی بنائے گئے ہمیشہ نبی رہے پس اس دنیا میں آپ کی شان نبوت کا ظہور ہوا۔

ہمارے مؤقف کی دلیل کی تفصیل:

اس امر کو صحیح معنیٰ میں سمجھنے کے لئے حسب ذیل پانچ امور کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے:

نمبر ۱ ــــ　یہ کہ کسی بھی دینے والے سے کسی دشواری کے بغیر لے سکنے کے لئے دونوں کے مابین

مناسبت کا ہونا ضروری ہے جو مسلّمات سے ہے جسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ افادہ و استفادہ کے لیۓ مفید و مستفید کے درمیان مناسبت کا پایا جانا لازم ہے۔

نمبر۲___　یہ کہ عامۃ الخلق کو اللہ تعالیٰ سے کچھ مناسبت نہیں بناءً علیہ لازم ہوا کہ اس کے لیۓ خالق و مخلوق کے درمیان کوئی واسطہ و وسیلہ ہو۔

نمبر۳___　یہ کہ قدرت نے اس کے لیۓ جس چیز کا انتخاب فرمایا وہ نبوت ہے۔

نمبر۴___　یہ کہ خدا کے کرنے سے حضور اقدس ﷺ کی شان یہ ہے کہ آپ جملہ کائنات کے تمام افراد کے لیۓ نعمت وجود وغیرھا کے حصول میں بنیادی واسطہ اور مرکزی وسیلہ (بالفاظ دیگر واسطۂ عظمیٰ اور وسیلۂ کبریٰ نیز اصل الکل فی الکل) ہیں حتیٰ کہ دیگر حضرات انبیاء ورسل کرام علیہم السلام کو نبوت و رسالت کے ملنے میں بھی

نمبر۵___　یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ شان بنائی کہ آپ ہمیشہ ترقی پر ہیں اور تنزلی سے بالکلیہ پاک ہیں۔

بناءً علیہ آپ کو جو نعمت دے دی گئی اس میں اضافہ تو ہوتا ہے ترمیم کا سوٴال ہی پیدا نہیں ہوتا جب کہ خصوصیت کے ساتھ نبوّت کا سلب تو کسی بھی نبی سے روا نہیں۔

لہٰذا آپ ﷺ کے لیۓ تین امور ماننے لازم ہوۓ:

نمبر۱___　یہ کہ تخلیق میں آپ سب سے اوّل ہوں جب کہ واقعہ بھی یہی ہے کہ سب سے پہلے آپ کی حقیقت مقدسہ یعنی آپ کے نور مبارک کو پیدا کیا گیا تفصیل کے لیۓ دیکھئے کتاب ہٰذا کا باب۔

نمبر۲___　یہ کہ آپ کا وصف نبوّت سے متّصف ہونا دائمی ہوا اور آپ جب سے اس وصف سے متّصف ہوۓ اس کے بعد اس سے ہمیشہ متصف رہیں اور اس میں کبھی بھی انقطاع یا تعطّل یا سلب و عزل واقع نہ ہو۔

جسے ہم نے کتاب ہٰذا میں بفضلہٖ تعالیٰ قرآن وحدیث' سیر و تواریخ اور اکابر ائمہ و علماء اسلام کی اس سلسلہ کی عمومی و خصوصی تصریحات کے دوسو بیاسی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ان دلائل پر کیۓ گئے جملہ اعتراضات کے جوابات نیز جانب مخالف کے تمام نام نہاد دلائل کے ردود بھی پیش کیۓ ہیں۔ تفصیل کے لیۓ ملاحظہ ہو کتاب ہٰذا کا باب۔

صحیح بھی یہی ہے کیونکہ اس پر اہل سنت (اشعریہ و ماتریدیہ سب) کا اتفاق ہے۔ اگر یہ امر بے بنیاد ہوتا تو اہل سنّت اس پر کیوں متّفق ہوتے۔

ہمارے دلائل میں سات دلیلیں اہم ہیں:

نمبرا____ وما ارسلناك الا رحمة للعلمين نمبر۲____ آیت میثاق آل عمران واذاخذالله الخ نمبر۳____ آیت میثاق احزاب واذاخذنا من النبين ميثاقهم ومنك نمبر۴:____ حدیث قدسی جعلتك اوّل النبين في الخلق وآخرهم في البعث نمبر۵____ حدیث نبوی كنت اوّل النبين في الخلق وآخرهم في البعث وفي رواية اول الناس نمبر۶____ حدیث نبوی كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد (وغیرہما) نمبر۷____ آیت کریمہ وللاخرة خير لك من الاولىٰ اور لئن شكرتم لازيدنكم سے ثابت ہونے والا کلیہ

جب کہ اسی نظریہ پر خود موصوف بھی زندگی کے بیشتر حصہ میں رہے جسے انہوں نے چند سالوں سے تبدیل کیا ہے۔

پس اگر اسے درست نہ مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ زندگی کے بیشتر حصہ میں غیر نبی کو نبی مانتے رہے۔

لیکن جب صحیح یہی نظریہ ہے کہ آپ ﷺ اعلان تو اس کا واضح مفہوم یہ ہوا کہ موصوف نبی کو غیر نبی کہہ رہے ہیں۔

جب کہ غیر نبی کو نبی یا اس کے برعکس نبی کو غیر نبی قرار دینا دونوں غیر اسلامی نظریے ہیں۔

تنبیہہ نبیہہ:

لیکن مخفی نہ رہے کہ حضور اقدس ﷺ کی نبوت مقدسہ کی شان اولیت کے منکر کا جو حکم کتاب ہذا میں جہاں کہیں بھی مذکور ہے' وہ لزومی ہے، التزامی نہیں کیونکہ التزام کے لیۓ جو امور درکار ہوتے ہیں یا شرائط ملحوظ ہوتی ہیں' تا دم تحریر ہذا ان میں کامیابی نہیں ہوسکی۔ نہ تو موصوف سے ہماری نشست ہو پائی اور نہ ہی ان کی ایسی تحریر مل سکی جسے قطعیت کے ساتھ ان کی تحریر قرار دیا جاسکے (والفرق بينهما معروف لايخفى على احد من خدام العلم) اور عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے قال تعالیٰ "اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ فليحفظ لانه نافع كثيرا ومفيد جدّا وقاطع لكثير من الاشتباهات قطعاً فقط والحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيّد المرسلين نبينا وحبيبنا محمد وعلى آله الطيبين وصحابته الطاهرين واتباعه المكرمين وعلينا معهم اجمعين الى يوم الدين۔